وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

كلمۃ الحق

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا
وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

حصۂ دوم

حامد بن شبیر بی۔ اے۔ یل یل۔ بی

سابق چیف جج سٹی کورٹ حیدرآباد
و
چیرمین اسپیشل ٹرابیونل فار اکرامز (قانون)
آئی اے ایس، پبلک سرویس کمیشن

پیش لفظ طبع ثانی

"کلمۃ الحق" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں طبع ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں ایک ضمیمہ کا میں نے اس میں اضافہ کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مکرر طباعت کیلئے مختلف گوشوں سے مجھے زبانی اور تحریری طور پر متوجہ کیا گیا۔ کتاب کی مقبولیت کیلئے میں اُن اصحاب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اسکو ملاحظ فرماکر میری قدر افزائی فرمائی۔ اس دوران میں کچھ اور اُمور میرے خیال اور علم میں آئے جنکا اس ایڈیشن میں اضافہ کر رہا ہوں۔ پوری کتابت ایک ذی علم کاتب جناب سید منظور محی الدین صاحب نے کی ہے جنھوں نے سابقہ کاتبوں کی شکایت کا پورا حساب چکا دیا۔ ذخامت کے اعتبار سے کتاب کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور طباعت فوٹو پرنٹ پر کرائی جارہی ہے۔ اُمید ہے کہ کتابت وطباعت و ذخامت ناظرین کیلئے بار خاطر نہ ہوگی۔

آصف نگر۔ حیدرآباد

حامد بن شبیر

۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۰۵ھ

۱۴ رمارچ ۱۹۸۵ء

فہرست مضامین جلد دوم

سلسلہ	عنوان	صفحہ
	باب دہم ۷۳۲ تا ۷۹۰	
	حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری	
۱	حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری	۷۳۲
۲	حضرت علی کی خلافت ظاہری کے وقت مسلمانوں اور ملک کی حالت	۷۳۵
۳	حضرت علی کی سیاست	۷۳۸
۴	ارشاد رسولؐ کہ میں نے تنزیل قرآن پر مشرکین سے جہاد کیا علی تاویل قرآن پر منافقین سے جہاد کرے گا	۷۴۵
۵	جنگ جمل	۷۴۷
۶	حضرت عائشہ کا قتل عثمان کی سازش میں شریک رہنا اور حضرت علی کی خلافت کے بعد کہنا کہ عثمان کی زندگی کا ایک دن علی کی تمام عمر سے بہتر تھا	۷۴۸
۷	طلحہ و زبیر کے طریقہ پر ایک نظر	۷۵۳
۸	جنگ جمل کے متعلق ایڈورڈ گبن کا خیال	۷۶۳
۹	فضل ابن روزبہان کا حضرت عائشہ کے متعلق خیال	۷۶۵
۱۰	جنگ صفین	۷۷۱
۱۱	صفین کے متعلق گبن کا خیال	۷۷۳
۱۲ الف*	اینڈریو کرچٹن کا بیان	۷۷۳
۱۲ ب	ہیرو بر دشت نینوا امیر لشکر حسین	۷۸۲
۱۳	جنگ نہروان	۷۸۸
۱۴	جمل و صفین کے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی کا اظہار خیال	۷۸۹
	باب یازدہم ۷۹۰ تا ۹۸۶	
	دوازدہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے مختصر حالات اور معجزات	
۱	ابو الائمہ امام اول حضرت علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۷۹۰
۲	شہادت حضرت علی علیہ السلام	۸۰۲
۲ الف	علی کے کردار کے متعلق بینٹ ایمرسن اور ڈیون پورٹ کی رائے	۸۰۴
۳	حضرت علی علیہ السلام کی وصیت	۸۰۵
۴	معجزات مظہر العجائب والغرائب	۸۰۵
۵	مزار علی سے متعلق حضرت ابراہیم کی پیشنگوئی	۸۲۴
۶	روضہ مطہر حضرت علی علیہ السلام (نجف اشرف) کے معجزات کے متعلق ابن بطوطہ کا اظہار خیال	۸۲۴
۷	ایک سو دو (۱۰۲) سال قبل کے اخبار ٹائمز آف انڈیا میں نجف اشرف کے ایک معجزہ کی اطلاع	۸۲۵

* [illegible] ۸۰۰

۸ قضایائے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عمر کا اپنے غلط فیصلوں کی اصلاح کرانا اور لولا علی لہلک عمر کہنا ۸۲۷
۹ دوسرے امام حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السلام ۸۵۱
۹/الف شرائط صلحنامہ ۸۵۵
۱۰ معجزات حضرت امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام ۸۵۷
۱۱ تیسرے امام حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام ۸۵۹
۱۲ معجزات امام حسین علیہ السلام ۸۷۰
۱۳ حضرت رسول کا قتل حسین کی خبر دینا اور قتل حسین کے بعد آثار قہر الٰہی ۸۷۱
۱۴ عزاداری حسین شعائر اللہ ہونا ۸۷۵
۱۵ علم حسین ۸۷۸
۱۶ جواز گریہ وماتم ۸۸۲
۱۷ مصالح مرسلہ ۸۹۴
۱۷/الف*
۱۸ شیعان علی داعی اسلام، غم حسین سب سے بڑا داعی اسلام ۸۹۶
۱۹ مختصرات ۸۹۹
۲۰ علم حسین سے معجزات کا ظہور ۹۰۰
۲۱ فرمان شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر ۹۰۱
۲۲ ایک ہندو اہل دل کا اظہار عقیدت ۹۰۷
۲۳ چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام ۹۱۰
۲۴ معجزات امام زین العابدین علیہ السلام ۹۱۸
۲۵ پانچویں امام حضرت محمد باقر علیہ السلام ۹۲۰
۲۶ معجزات امام محمد باقر علیہ السلام ۹۲۲
۲۷ چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام ۹۲۶
۲۸ معجزات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۹۳۲
۲۹ ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام ۹۳۴
۳۰ معجزات حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام ۹۳۶
۳۱ عصمت موسیٰ کاظم علیہ السلام کا اثر ۹۳۸
۳۲ امام ہشتم حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام ۹۳۹
۳۳ معجزات امام علی رضا علیہ السلام ۹۴۳
۳۴ نویں امام حضرت محمد جواد التقی علیہ السلام ۹۴۵
۳۵ معجزات امام محمد تقی علیہ السلام ۹۴۷
۳۶ دسویں امام حضرت علی النقی علیہ السلام ۹۴۸
۳۷ معجزات امام علی النقی علیہ السلام ۹۵۳
۳۸ گیارھویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام ۹۵۴
۳۹ علم امام حسن عسکری علیہ السلام ۹۵۶
۴۰ معجزات امام حسن عسکری علیہ السلام ۹۵۷
۴۱ بارھویں امام حضرت محمد مہدی صاحب عصر علیہ السلام ۹۵۸
۴۲ معجزات امام دوازدہم حضرت محمد مہدی آخر الزماں علیہ السلام ۹۷۰
۴۳ مقامات مقدسہ عراق و شام وایران ۹۷۱
۴۴ روضۂ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ایک پارسی اہل نظر واہل قلم کے تاثرات ۹۷۵

بابِ دوازدہم ۹۸۶ تا ۱۰۲۵

اہل سنّت والجماعت کے بارہ خلفا اور دیگر خلفائے بنو اُمیّہ و بنو عباس

۱	اہل سنت والجماعت کے بارہ خلفا	۹۸۶
۲	امیر معاویہ	۹۸۸
۴	معاویہ ہسٹری کی نظر میں	۹۹۵
۵	خطائے اجتہادی مولانا شاہد زعیم فاطمی کی نظر میں	۹۹۶
۶	صحابہ کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے	۹۹۷
۷	صحابیٔ رسول حجر ابن عدی کا قتل	۹۹۹
۸	یزید ابن معاویہ	۱۰۰۷
۹	یزید کے بیٹے کا اظہارِ خیال اور عبداللہ ابن زبیر اور مروان کی کشمکش	۱۰۱۰
۱۰	عبدالملک بن مروان	۱۰۱۱
۱۱	ولید بن عبدالملک	۱۰۱۲
۱۲	سلیمان بن عبدالملک	۱۰۱۳
۱۳	عمر بن عبدالعزیز	۱۰۱۴
۱۴	یزید بن عبدالملک بن مروان یزید ثانی	۱۰۱۴
۱۵	ہشام بن عبدالملک	۱۰۱۴
۱۶	ولید بن یزید بن عبدالملک	۱۰۱۵
۱۷	یزید الناقص	۱۰۱۶
۱۸	ابراہیم بن ولید اور مروان الحمار	۱۰۱۶
۱۹	خلفاء بنو عباس کا مختصر ذکر	۱۰۱۶
۲۰	منصورِ دوانقی	۱۰۱۶
۲۱	مہدی وہادی عباسی	۱۰۱۷
۲۲	ہارون الرشید	۱۰۱۷
۲۳	امین عباسی	۱۰۱۸
۲۴	مامون الرشید	۱۰۱۹
۲۵	معتصم	۱۰۱۹
۲۶	واثق	۱۰۲۰
۲۷	متوکل عباسی	۱۰۲۰
۲۸	منتصر باللہ	۱۰۲۱
۲۹	مستعین، معتز اور مہتدی	۱۰۲۲
۳۰	معتمد	۱۰۲۲
۳۱	معتضد	۱۰۲۲
۳۲	مکتفی، مقتدر اور قاہر	۱۰۲۳
۳۳	مستکفی	۱۰۲۳
۳۴	المطیع	۱۰۲۳
۳۵	طائع وغیرہ	۱۰۲۴
۳۶	ناصر لدین اللہ و دیگر آخری خلفاء بنو عباس	۱۰۲۴

باب سیزدہم ۱۰۲۵ تا ۱۱۷۰

ائمہ اہلبیت علیہم السلام اور بارہ خلفائے اہلسنت والجماعت کا تقابل ۱۰۲۵

۱	نکتہ کی بات	۱۰۴۴
۲	اسلام میں فرقہ بندی کے متعلق جسٹس امیر علی کا اظہارِ خیال	۱۰۴۴
۳	ڈاکٹر سید عبداللطیف کی رائے	۱۰۴۶

۴ حضرت ابوحنیفہ کے علم کا ماخذ ۱۰۴۷
۵ حضرت شافعی ۱۰۵۳
۶ مالک ابن انس و احمد ابن حنبل ۱۰۵۴
۷ عراق و مصر کے ایک شیعہ اور ایک سنّی عالم کی خط و کتابت ۱۰۶۶
۸ سنّی علماء کا اظہار خیال فرقہ شیعہ جنتی اور قدیم ترین ۱۰۷۳
۹ مجلس عزا، مرثیہ، آہ و بکا مستحسن عمل شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا مکتوب
۱۰ فقہ سنّی کے متعلق ڈاکٹر عبداللطیف کا اظہار خیال ۱۰۷۶
۱۱ مولائے متقیان کا ایک خطبہ ۱۰۷۶
۱۲ فقہ شیعہ و سنّی کے چند معروف اختلاف ۱۰۸۰
۱۳ وضو ۱۰۸۲
۱۴ ہاتھ کھول کر یا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے میں اختلاف ۱۰۸۴
۱۵ نماز ظہر و عصر ایک ساتھ اور نماز مغرب عشاء ایک ساتھ ادا کئے جانے کا جواز ۱۰۸۴
۱۶ سجدہ گاہ ۱۰۸۶
۱۷ قنوت ۱۰۸۷
۱۸ رفع یدین ۱۰۸۸
۱۹ سلام ۱۰۸۸
۲۰ امامت نماز ۱۰۸۹
۲۱ تراویح ۱۰۸۹
۲۲ اذان ۱۰۹۱
۲۳ افطار میں تاخیر اور عجلت کا سوال ۱۰۹۲
۲۴ سفر میں روزہ کی ممانعت ۱۰۹۳
۲۵ متعہ خمس ۱۰۹۵
۲۶ طلاق ۱۰۹۸
۲۶-الف
۲۷ حضرت عمر کا مقام ابراہیم کو بدل دینا ۱۱۰۰-الف
۲۸ حضرت عمر کی رائے میں تیمم بدل غسل کا عدم جواز ۱۱۰۱
۲۹ نساء کم حرث لکم کا مطلب ۱۱۰۱
۳۰ تقیہ ۱۱۰۲
۳۱ شب قدر کی تاریخ ۱۱۰۵
۳۲ رویت باری تعالیٰ ۱۱۰۷
۳۳ ابن تیمیہ کا مظاہرہ کہ اللہ اسطرح آسمان سے دنیا پر اترتا ہے ۱۱۰۸
۳۴ عدل ۱۱۱۳
۳۵ اہل سنت کی بعض روایتیں اور فتوے ۱۱۱۴
۳۵/ا ارشاد رسول کہ تہتر میں سے کونسا فرقہ جنتی ہے ۱۱۱۸
۳۶ دشمنان خدا و رسول سے تبرا کرنے اور ان پر لعنت کرنے کے حکم خداوندی کی تعمیل کرنیوالا صرف فرقہ شیعہ ہے ۱۱۲۵
۳۷ لعنت کے تصور اور جواز کے متعلق ایک عدالتی فیصلہ ۱۱۲۹
۳۸ شاہ عبدالعزیز صاحب کا سنیوں کو شیعہ کہنا ۱۱۳۲
۳۹ چیف جسٹس ہدایت اللہ اور جسٹس بابورام کی رائے ۱۱۳۴
اہلسنت والجماعت کی وجہ تسمیہ ۱۱۳۹
۴۰ اہلسنت کے متعلق علامہ کشفی ترمذی

کی رائے

۴۱- مولانا شاہد رحیم فاطمی کا اظہار خیال ۱۱۴۲

۴۲- جوئندہ یا بندہ ۱۱۴۴

۴۳- مولوی احمد خاں صاحب درویش کا اعلان ۱۱۴۹

۴۴- عید نہم، غدیر، مباہلہ کے متعلق دو لفظ ۱۱۵۰

۴۴- الف- عید نوروز ۱۱۵۱

۴۵- ایک اہل طریقت سے غیر مختتم گفت گو ۱۱۵۴

۴۶- مولوی عبید اللہ بسمل امرتسری کے بعض خیالات کے متعلق چند سطور ۱۱۵۶

۴۷- خلافت کی دو اقسام کا تصور صحیح نہیں ۱۱۶۷

باب چہاردہم ۱۱۷۱ تا ۱۲۶۰

چند متفرق اہم امور

۱- حضرت رسول خدا و علی مرتضیٰ کے آباؤ اجداد ۱۱۷۱

۲- حضرت ختمی مرتبت کی شخصیت ظاہری

۲ الف- ایڈورڈ گبن کی نظر میں ۱۱۷۴

۳- حضرت ابوطالب علیہ السلام ۱۱۷۶

۴- رسالت امامت کی گواہ ہے ۱۱۸۴

۵- امامت اصول دین میں سے ہے علماء اہلسنت کی رائے ۱۱۸۶

۶- رسالت سے امامت کا تسلسل ۱۱۸۶

۷- رسول کا کام فرد تک پہنچانا فرد کا کام امام تک خود کر پہنچانا ۱۱۸۹

۸- مکمل کلمہ ۱۱۹۲

۹- علی شریک کار رسالت ۱۱۹۹

۱۰- علی کے کار رسالت انجام دینے سے حضرت رسول کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۱۲۰۴

۱۱- ائمہ طاہرین انبیائے سلف سے افضل ہیں ۱۲۰۵

۱۲- بحکم قرآن ذریت میں بیٹی کی اولاد بھی شامل ہے ۱۲۰۶

۱۳- نانا اور نواسوں کی محبت ۱۲۰۸

۱۴- قرآنی زبان میں مطہرون اور متطہرین کے معنوں کا فرق- ۱۲۱۳

۱۵- غلو سے کیا مراد ہے اور بغض علی کا کیا مطلب ہے ۱۲۱۴

۱۶- لم اتخذ فلانا خلیلا کا منطقی تجزیہ ۱۲۳۲

۱۷- بہکانے اور بہکنے والوں کا جہنم میں مکالمہ ۱۲۳۷

۱۸- مسئلہ جبر و قدر پر ایک نظر ۱۲۳۹

۱۹- شمس تبریز ایک صاحب کرامت بزرگ ۱۲۴۲

۲۰- ابوحنیفہ کے متعلق شیعہ ہونیکا گمان ۱۲۴۵

۲۱- ابوحنیفہ کے اقران شیعہ تھے ۱۲۴۶

۲۲- ابوحنیفہ نے ہمیشہ آل رسول کی تائید میں آواز اٹھائی- ۱۲۴۷

۲۳- جو فقہ ابوحنیفہ کے نام سے رائج ہوئی وہ محمد الحارثی کی مرتب کردہ ہے اور ابویوسف کی کارپردازی اسمیں شامل ہے- ۱۲۴۹

۲۴- رحلت رسول کے بعد وابستگان علی کی تعداد ۱۲۵۱

۲۵- فضائل علی کو چھپانے کی بعض حالیہ کوششیں ۱۲۵۱

۲۶- سقیفہ بنی ساعدہ پر شاہد صدیقی کا طنز ۱۲۵۴

۲۷- اسلام میں غیر مسلمان عادل کا مقام ۱۲۵۴

باب پانزدہم ۱۲۶۱ تا ۱۴۵۶

حضرت علی علیہ السلام اور اہلبیت اطہار کے متعلق اہل طریقت اور صوفیائے کرام وغیرہ کے خیالات

۱- تصوف اور علم الکلام کے تمام سلسلوں کا حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہونا ۱۲۶۱

۲- عام مسلمانوں میں امور دین سے بےخبری

اور لاعلمی کی چند مثالیں ۱۲۶۴

۳ بزرگانِ اہل طریقت اور عام علمائے اہلسنت کے خیالات میں فرق کی ایک مثال ۱۲۶۷

۴ خواجۂ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ کے بعض ارشادات ۱۲۷۴

۵ ایک اہل طریقت کی طرف سے خلفاء ثلاثہ کے ایمان کو چیلنج اور ایمان ثابت کیا جائے تو انعام دینے کا اعلان ۱۲۸۶

۶ اہل طریقت کے جانشین کرنیکی بنیاد

۶/۲ حدیث من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ ۱۲۸۶

۷ سلسلۂ شاہ خاموشؒ کا خلافت نامہ ۱۲۸۸

۸ حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت اطہار کے متعلق بعض مشہور بزرگان اہل طریقت کے چند اشعار ۱۲۸۹

۹ کلام الملوک ۱۳۲۳

۱۰ بعض مشہور شعراء اور مفکرین کے افکار ۱۳۲۷

۱۱ آلِ رسول کے متعلق دیگر مذہب والوں کے خیالات ۱۳۳۴

۱۲ ہندوستان کے بعض عظیم رہنماؤں کے تاثرات ۱۳۳۹

۱۳ حضرت علی اور امام حسین مسیحی مورخین کی نظر میں ۱۳۴۲

۱۴ مسیحی خواتین کا ہدیۂ عقیدت حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی جناب میں ۱۳۴۸

۱۵ حضرت علی علیہ السلام کی بارگاہ میں لبنان کے عیسائی عالم سلیمان کتانی کا ہدیۂ عقیدت ۱۳۵۱

۱۶ ـ لبنان کے محقق جارج جارڈق کا بیان ۱۳۵۴

۱۶/۱ اقوال چہاردہ معصومین علیہم السلام ۱۳۵۶

۱۷ معصوم شیر خوار شہید کربلا حضرت علی اصغر علیہ السلام کی جناب میں اہل یورپ کا خراجِ عقیدت ۱۳۵۷

۱۸ الگزانڈر گومسل کی انگریزی نظم ۱۳۵۸

۱۹ گومسل کی نظم کا اقتباسی ترجمہ ۱۳۶۲

۲۰ بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت ۱۳۶۶

۲۱ مصنف کا کچھ اردو اور فارسی کا نعت و منقبت ۱۳۶۷

۲۲ سلام و نوحہ جات ۱۳۹۷

۲۳ بزم سعدی ۱۴۴۰

۲۴ ایک دوست عزیز کی دختر کی عروسی پر ۱۴۵۰

۲۵ ایک دوست عزیز کی دختر کی وفات پر ۱۴۵۰

۲۶ میرے والد اعلی اللہ مقامہ کی ایک نعت ۱۴۵۲

۲۷ ـ میرے برادرِ خورد مرحوم کا ایک نوحہ ۱۴۵۵

ؔ ؔ ؔ

باب دہم
حضرت علی علیہ السّلام کی خلافتِ ظاہری

حضرت علی علیہ السّلام کی خلافتِ ظاہری

جب حضرت عثمان قتل ہو گئے اور لوگ اپنا اور کوئی انتظام نہ کر سکے تو اب ہار جھک مار کر حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور جیسا کہ سیوطی لکھتے ہیں کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے کوئی توجہ نہیں کی مگر جب پھر اصرار ہوا تو آپ نے فرمایا بیعت کے لئے کہنا تمہارا کام نہیں بلکہ اہل بدر کا کام ہے۔ اور میں کوئی معاملہ گھر پر نہیں کرتا۔ اس کے بعد تمام اہل بدر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ سے زیادہ کوئی مستحق خلافت نہیں ہے آپ ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم فوراً بیعت کر لیں۔ المسعودی جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ پر درج ہے کہ حضرت رسول خدا کے ایک خاص صحابی حذیفہ ابن یمان تھے آپ کی خصوصیت یہ بیان کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے اسرار سے وہ واقف تھے صاحب سرالنبی کے خطاب سے لوگ ان کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت عثمان قتل ہوئے وہ کوفہ میں تھے خبر پہنچی کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ باوجودیکہ حذیفہ بیمار تھے لیکن جامع مسجد پر آ کر لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس دن تک میں زندہ رکھا گیا تو تم گواہ رہو اس کے بعد اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کے فرمایا اللّٰھم اشھد نی بایعت علیا (اے خدا تو گواہ رہ میں نے علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی) پھر اپنے دونوں بیٹوں صفوان اور اسعد کو حکم دیا کہ علیؑ کی صف میں جا کر شریک ہو جاؤ۔

اس کے سات دن بعد حضرت حذیفہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے دونوں بیٹے جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی رفاقت میں شہید ہوئے ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقام اسلام اور بنی امیہ مطبوعہ محرم ۱۳۵۸ھ اس کے صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں! مہاجرین بنی ہاشم اور مومنین صادقین نے از حد اصرار کیا اور کہا کہ مولا یہ حکومت تو آپ ہی کی ہے اور خدا و رسولؐ کی طرف سے اس کے وارث اور حقدار آپ ہی ہیں اس لئے جب تک آپ اس منصب کو قبول نہ فرمائینگے امت محمدی کو دین و دنیا کی نعمتیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔ یہی وقت ہے کہ امامت کے دونوں جزو یعنی روحانی پیشوائی اور سیاسی سرداری ایک جا ہو جائیں جو اب تک الگ الگ تھے۔

بحالت مجبوری امیرالمومنین حضرت علیؑ نے بگڑی ہوئی ذہنیت والی قوم کی ذمہ داری قبول کرلی۔

محمد بن یوسف الکنجی الشافعی کفایۃ الطالب میں لکھتے ہیں کہ جناب امیرکی بیعت مہاجرین اور انصار نے اسوقت کی جب کہ پانچ دن مدینہ میں مصریوں نے حضرت عثمان کو قتل کرکے غوغا برپا کر رکھا تھا اور رتقی بن حراکی الغافقی اس کا سرغنہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کے اصحاب بیعت کے لئے جناب امیرؑ کی خدمت میں آتے تھے اور عرض کر رہے تھے کہ لوگوں کو امام کے بغیر چارہ نہیں آپ ان سے یہ فرماتے تھے کہ تمہارے حالات میں مجھے دخل دینے کی ضرورت نہیں مجھے چھوڑ دو اور میرے غیر سے التماس کرو۔ کیونکہ ہم ایک ایسے امر کی طرف رُخ کر رہے ہیں جس کی مختلف صورتیں ہیں مختلف رنگ ہیں۔ حالانکہ دل اس پر قائم نہیں ہوئے اور عقلیں اور رائیں ثابت و استوار نہیں ہوئیں۔ بیشک ابرجہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے شاہراہیں متروک و ناپید ہوگئی ہیں۔ خوب جان لو اگر میں تمہارے التماس کو قبول کروں اور تم سے بیعت لوں تو تمہیں احکام خداوندی کا متحمل بناؤں گا جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں اسوقت میں کسی کہنے والے کے قول کی پرواہ نہ کروں گا نہ ملامت کرنے والے کی ملامت کا اور نہ کسی عتاب کرنے والے کے عتاب کا مجھے خوف ہوگا۔ اگر تم مجھے ترک کردو گے تو اسوقت میں تمہیں سے ایک فرد ہوں اور امید ہے کہ اس شخص کے لئے جسے تم اپنے امر کا والی بناؤ تم سے زیادہ سننے والا اور مطیع ثابت ہو سکوں (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۶)

لوگوں نے کہا آپ کے سوا کسی کو نہیں چاہتے اور نہ ہم آپ سے زیادہ اس بات کے لئے کسی کو حقدار جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ایسی ہی ضرورت ہے تو میری بیعت گھر میں نہیں ہو سکتی میں مسجد میں آؤں گا۔ بعد میں آپ مسجد میں تشریف لے گئے سب سے پہلے طلحہ بن عبیداللہ نے بیعت کی پھر ان کے بعد زبیر ابن العوام نے بیعت کی پھر حضرت عثمان کے چند رشتہ داروں اور بعض دیگر لوگوں مثلاً عبداللہ بن عمر سعد ابن ابی وقاص ابو سعید خدری زید ابن ثابت حسان بن ثابت سعید بن زید اسامہ بن زید کعب بن مالک محمد بن مسلمہ بن مخلد اور نعمان بن بشیر اور ابو موسیٰ اشعری کے سوا رسب مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کی اس کے تھوڑے ہی دن بعد حضرت طلحہ و زبیر نکث بیعت کرکے حضرت عائشہ کے پاس پہونچے اور ان کو ساتھ لے کر بصرہ گئے اور حضرت علیؑ کو قتل عثمان میں شریک بتاکر خون عثمان کا مطالبہ کرنے لگے سیوطی لکھتے ہیں جب حضرت علیؑ کو یہ خبر پہونچی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے بمقام بصرہ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر آپ سے مقابل ہوئے یہ واقعہ جنگ جمل کا ہے جو ۳۶ھ میں واقع ہوئی جس میں تقریباً اٹھارہ ہزار آدمی مارے گئے۔ حضرت علی پندرہ روز بصرہ میں رہکر کوفہ تشریف لے گئے وہاں آپ پر معاویہ بن ابوسفیان نے مع اپنے ہمراہیوں کے شام سے خروج کیا اور مقام صفین کے قریب حضرت علیؑ سے صفر ۳۷ھ میں صف آرائی کی۔

یہ لڑائی دو سال تک جاری رہی بہت کچھ جدال و قتال کے بعد جب حضرت علیؑ کی فوج غالب آگئی تو معاویہ نے از راہ فریب عمرو بن عاص کے مشورے سے قرآن شریف نیزوں پر بلند کئے۔ حضرت علیؑ کی فہمائش کے

خلاف آپ کے اکثر فوجیوں نے لڑائی سے ہاتھ اٹھائے اور صلح کیلئے حکم مقرر کئے گئے معاویہ کی طرف سے عمر بن
عاص اور حضرت علیؑ کے طرف سے آپ کی مرضی کے خلاف ابوموسیٰ اشعری مقرر کئے گئے عہدہ نامہ لکھا گیا کہ
اس کا ایفاء سال آئندہ بمقام ازرج معہود ہوگا۔ لوگوں نے بمطابعت حکم اپنے اپنے امیروں کے اپنے گھروں کی طرف
اور معاویہ نے شام کی طرف مراجعت کی اور حضرت علیؑ کوفہ تشریف لے گئے اس قضیہ میں مسلمانوں کے تین
گروہ الگ الگ طور پر نمایاں ہوئے۔ جب معاویہ نے ازراہِ فریب نیزوں پر قرآن بلند کروائے اور حضرت علیؑ نے
اپنے لشکریوں کو فرمایا کہ ان کے فریب میں نہ آؤ لڑائی جاری رکھو تو شیعان علی آپ کے ہر کلمہ پر سمعاً و طاعتاً کہتے
رہے۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی لڑائی جاری رکھی۔ دوسرا گروہ وہ تھا جن کو حضرت علیؑ سے کوئی دلی
ربط اور سچی ہمدردی اور پرخلوص طبیعت نہ تھی اور جنہوں نے باوجود حضرت علیؑ کے فرمانے کے لڑائی سے ہاتھ
اٹھائے اور آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی اور انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی اختیار کی۔ یہ اور اس قسم کے خیال کے لوگ
بعد میں چل کر معاویہ کے دیئے ہوئے ناموں کے بموجب اہل سنت والجماعت کہلانے لگے (جس کا ذکر علیحدہ ہوا ہے)
اب جب فوجیوں میں کی ایک کثیر تعداد نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا تو حضرت علیؑ کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ
رہا کہ اپنی اس قلیل جماعت کو بھی لڑائی سے روک دیں جو آپ کے حکم کی متابعت میں اب بھی لڑے جارہی تھی۔
اس قلیل جماعت کے سرگروہ مالک اشتر تھے آپ کے اس حکم پر شیعان علی نے مجبوراً اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں۔
پھر جب اکثر گوشوں سے صلح کیلئے حکم مقرر کرنے کی آوازیں آنے لگیں تو حضرت علیؑ اس بات پر بھی مجبور ہوئے۔ یہاں خوارج کا
ایک تیسرا گروہ نمودار ہوا جس نے کہا کہ حضرت علیؑ امام برحق ہیں تو ان کو کسی حکم کے تقرر پر راضی نہ ہونا چاہیئے تھا۔ انھوں نے
لاحکم الا اللہ کی آوازیں بلند کیں۔ حضرت علیؑ نے ان کو سمجھایا کہ جب ایک کثیر جماعت لڑائی سے کنارہ کش ہو چکی ہے تو
اب لڑنے کی کیا صورت باقی رہی اور جب اکثر لوگ صلح کے لئے حکم حکم پکار رہے ہیں تو مجبوراً یہی سہی مگر اس پر عمل کے
سوا کیا چارہ ہے مگر یہ بات اس گروہ کے سمجھ میں نہیں آئی اور انھوں نے آپ کی خلافت سے انکار کر دیا اور خود آپ کے
مقابلہ میں آمادہ جنگ ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں جنگ نہروان واقع ہوئی۔ یہ تیسرا گروہ خوارج کا تھا۔

الغرض ایک سالہ معاہدہ کے اعتبار سے ۳۸ھ میں سابقہ مقرر کردہ حکم ابوموسیٰ اشعری اور ابوالعاص
پھر جمع ہوئے اور فریبانہ کاروائی اس طرح کی کہ حضرت علیؑ کو خلافت سے ہی معزول کر دیا اور معاویہ کی خلافت کا
اعلان کر دیا شیعان علیؑ نے حضرت علیؑ کی معزولی کے تصفیہ کو قبول نہیں کیا۔ بہرحال معاویہ ملک شام پر قابض
رہے اور حضرت علیؑ کے مقابلہ میں سازشوں کا جال بچھاتے رہے۔ خوارج میں سے ایک قاتل عبدالرحمن ابن
ملجم کو فراہم کر لیا گیا جس نے رمضان سنہ ۴۰ھ میں عین مسجد میں بحالت نماز آپ کو شہید کر دیا گیا۔ متذکرہ
صدر واقعات بتاتے ہیں کہ کن ناگفتہ بہ حالات میں خلافت آپ کے سپرد فرمائی گئی اور پھر اس کے بعد بھی
مسلسل سازشیں، نکث بیعت فتنہ پردازی، علانیہ جنگ پھر سازش قتل کا وہ مسلسل طومار باندھا گیا کہ

اس ساڑھے چار سال خلافت ظاہری میں کبھی آپ کو چین سے کام کرنا نصیب نہ ہوا اور آپ کے دماغ کو ایک لمحہ بھی سکون نہ ملا پھر تو نوبت قتل ہی کی پہنچ گئی۔

حضرت علی کی خلافت ظاہری کے وقت مسلمانوں اور ملک کی حالت

اب ہم اس پس منظر کا جو حضرت علی علیہ السلام تک خلافت ظاہری پہنچنے کے وقت تھا اور آپ کی سیاست اور طریقہ کار کا بعض مستند علمائے اہل سنت کے مکتوبات سے کچھ حوالہ دیتے ہیں۔ یہ امر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ تقریباً پچیس برس سے جن لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام سے بغض و کینہ رکھنے کی تربیت دی جا چکی تھی ان کیلئے مشکل تھا کہ دفعتاً سب آپ کی ولایت و خلافت پر رضامند ہوں۔ دوسرے دنیا طلب لوگوں کو حضرت کے عدل و انصاف کو قبول کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے جو پہلے سے خاندان رسول کی دشمن تھیں کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا اور طلحہ و زبیر بھی نکث بیعت کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ چلے گئے۔ اُدھر معاویہ صفین میں لڑائی کیلئے صف آرا ہو گئے۔ فتنہ الکبریٰ کے صفحہ ۱۶۲ و صفحہ ۱۶۷ و صفحہ ۱۷۵ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

"حضرت عثمان دُنیا سے بیزاری اور خشک زندگی پسند نہیں کرتے تھے۔ پس انھوں (مسلمانوں) نے کھل کر وہ کیا جو اب تک چھپا کر کرتے تھے اور خود مدینہ میں زندگی کی لطافتوں کا آغاز ہو گیا تنعم اور عیش و تعیش کا دور دورہ ہوا۔ اور مدینہ اور اس کے اطراف میں اونچے اونچے محل اور کوٹھیاں تعمیر ہونے لگیں۔ پھر عربوں نے دیکھا کہ بوڑھے صحابہ اور سابقین اسلام کی ایک جماعت دولت جمع کر کے خوشحالی کی زندگی جی رہی ہے تو وہ بھی اپنے ان رہنماؤں اور معلموں کی راہ چلنے لگے۔ اس دوران میں فتوحات نے حجاز اور دوسرے عربی شہروں میں غلام لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد بھیج دی انھوں نے اپنے مالکوں کو اپنی پسندیدہ اداؤں میں پھانس لیا۔"

بقول علامہ اقبال:۔ "تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر۔"

"اب حضرت عثمان کے قتل کے بعد جو چوتھے خلیفہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے چاہا کہ قوم کو سیدھے راستہ پر چلائیں۔ مسلمانوں میں دین کی قوت کا کمزور ہو جانا اور دنیاوی اقتدار کا ان پر غالب آ جانا اس ماحول کا اثر تھا جو حضرت علیؑ کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔" صفحہ ۲۰۷ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں: "جب دنیا بگڑ گئی معاملات میں انتشار پیدا ہو گیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہو گئی بعضوں نے بعضوں کے ساتھ بدگمانی کی حد کر دی بعضوں نے بعضوں کے خلاف کاروائیوں کی انتہا کر دی تب کہیں جا کر ایک اچھی خاصی تعداد نے حضرت علیؑ سے التجا کی اور آپ کی بیعت کی۔" علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب علی و عائشہ کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں "جب آئندہ ہونے والے خلیفہ کا سوال پیش ہوا تھا تو سب نے بالاتفاق حضرت علیؑ کا نام پیش کیا اور انھیں مجبور کر کے ان کی بیعت کر لی۔" صفحہ ۳۰۳ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں: "سکتہ کا عالم طاری تھا اور بے چینی اور خوف و ہراس تھا اور اضطراب

لوگوں میں کشائش اور معاملات میں پیچیدگی۔ اس لئے نہیں کہ حضرت علیؑ میں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی ایسا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطرادی پیدا کردی تھی۔"

علامہ ابوالنصر صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں "۔ اموی گروہ کی حیثیت تکوینی حضرت عثمان کے عہد میں مکمل ہو چکی تھی۔ کیونکہ اول تو خود حضرت عثمان اُموی تھے۔ دوسرے ان کے زمانہ میں معاویہ بن ابوسفیان کو شام میں کامل اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ ان کی حیثیت وہاں مطلق العنان حاکم کی سی تھی"۔

ایسے حالات میں جو ہر طرح قابو سے باہر تھے لوگوں نے حضرت علیؑ پر اصرار کرکے آپ کی بیعت کی مگر اس کے ساتھ ہی لوگوں نے ہر طرف سے ہوس اقتدار دنیا طلبی اور حضرت علیؑ سے پرانے بغض و عداوت کے فتنے کھڑے کرنے شروع کر دیے۔ اس کی ابتدا سب سے پہلے حضرت عائشہ نے کی اور حضرت علیؑ کی خلافت کی خبر سنتے ہی فرمایا کاش اس خبر کے سننے سے پہلے آسمان زمین پر گر پڑا ہوتا۔ ادھر حضرت طلحہ و زبیر اپنی گورنریوں کی آرزو پوری نہ ہونے پر نکث بیعت کرکے عمرہ کرنے کے بہانہ سے حضرت عائشہ سے جا ملے۔ ادھر معاویہ نے حضرت طلحہ و زبیر سے ساز باز شروع کردی حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر نے ادھر جنگ جمل کا آغاز کیا تو ادھر معاویہ جنگ صفین کی تیاری کرنے لگے۔ اور اپنی فوج کے ذریعہ حضرت علیؑ کے علاقہ میں لوٹ غارت کرواتے لگے۔

فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں "امیر معاویہ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر میدان جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کے حدود میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیج دئے اور ان کو لوٹ اور غارت کا حکم دیدیا۔ بعض اوقات ان دستوں کو حدود میں کافی دور تک گھس جانے اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ فوجی دستے اُلٹے پاؤں غنیمت کا مال ساتھ لے کر واپس آجاتے اور اپنے پیچھے پراگندگی اور دہشت کے اثرات چھوڑ آتے امیر معاویہ نے ایک سخت گیر اور سنگدل اور اکھڑ قسم کے قریشی بسر ابن ارطاۃ کو منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنی فوج کیلئے افراد کا انتخاب خود کرے اور ہدایت کردی کہ دیہاتوں میں حضرت علیؑ کے جو حامی ملیں ان پر اتنی سختی کرنا کہ ان کے دل خوف و دہشت سے بھر جائیں اور مدینہ پہنچکر وہاں کے باشندوں کو لرزہ براندام کر دینا کہ ان کو موت نظر آنے لگے .... بسر ابن ارطاۃ گیا اور امیر معاویہ کی ہدایتوں پر عمل کیا بلکہ سختی سنگدلی لوٹ مار اور بے حرمتی میں اپنی طرف سے ان میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ مدینہ آیا تو لوگوں کو اس طرح خوفزدہ کیا کہ مصائب کی تصویریں ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئیں اس کے بعد امیر معاویہ کی بیعت ان کے سامنے پیش کی۔ یمن آکر بری طرح خونریزی کرکے لوگوں کو خائف بنادیا۔ اور امیر معاویہ کیلئے بیعت لی۔ بسر ابن ارطاۃ امیر معاویہ کے پاس زیادہ مال غنیمت لیکر واپس آیا۔ اس حد سے زیادہ خونریزی کے بعد اس کو جنون ہوگیا۔ پھر وہ تلوار تلوار کی رٹ لگاتا اور حد یہاں تک پہنچی کہ گھر کے لوگوں نے اس کو لکڑی کی تلوار اور چند تکئے دیدیئے اور وہ تلوار چلانے لگتا۔ اسی حالت میں اس کو موت آئی"۔

ادھر خارجیوں کی سازش کے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین صفحہ ۴۹ و صفحہ ۵۱ و صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں: "خارجی ٹولی ٹولی بن کر نکلتے ایک شخص نکلتا کہ اس کے ساتھ ساتھ سو دو سو آدمی ہوتے اور چل پڑتے۔ پھر کسی مناسب مقام پر پہنچکر اپنے کو لڑانے کے لیے تیار کرتے اور پھر اعلان جنگ کر دیتے گردوپیش کے لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور امن عامہ کیلئے سخت خطرات پیدا کر دیتے (خارجیوں کی) یہ معرکہ آرائیاں جو ایک مستقل نظام کی طرح برقرار تھیں ایک سے فرصت ملتی کہ دوسری سامنے آتی اور سرحدوں پر شامیوں کی طرف سے غارت اور لوٹ مار بھی ایک دوسرے مستقل نظام کی طرح جاری تھی ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو دوسرا ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارج اور شامیوں کے درمیان ایک دوسرے کے بلا علم و اطلاع ایک خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے اور اس معاہدہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت علیؑ کی راہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اور ان کو مجبور کر دیا جائے۔"

زمانہ کا رنگ بدلتا دیکھ کر چند ایسے بھی لوگ جن پر حضرت علیؑ کو بھروسہ تھا امیر معاویہ کے دسترخوان اور دولت کی طرف دوڑ پڑے جس کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔ بہرحال یہ تھا وہ پس منظر جس میں خلافت ظاہری حضرت علیؑ کے ہاتھ میں آئی اور یہ تھے وہ حالات جن میں سے حضرت علیؑ کو گزرنا پڑا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے وقت مسلمانوں کی ابتر حالت اور فتنہ پردازوں کی شورشوں کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ پر لکھتے ہیں۔ تاہم نئے خلیفہ ایسی قابلیت کے مالک تھے کہ لوگوں کا دل اطمینان اور امیدوں سے بھر دیں۔ وہ نبی کریم کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ کے بعد سب سے پہلے لانیوالے مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے اسلام کی دعوت اور اعلان کے پہلے نبی کریم کی تربیت میں رہنے والے اللہ کے رسول صلعم نے احساس فرمایا کہ ابوطالب زندگی کے دن تنگی میں گزار رہے ہیں آپ نے کوشش کی بیٹوں کا بوجھ اٹھانے میں دوسرے چچا ابوطالب کی امداد کریں چنانچہ صرف عقیل ابوطالب کے پاس رہ گئے اور وہ یہ چاہتے بھی تھے باقی دوسرے لڑکے اور بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی تربیت و پرداخت فرمانے لگے۔ جب اللہ نے آپ کو نبوت کیلئے پسند فرمایا تو حضرت علیؑ آپ کی تربیت میں تھے اور ابھی دس سال سے کچھ ہی بڑے تھے پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے نبی کریم کو آپ سے بے حد محبت تھی وہ آپ کو غیر معمولی درجہ میں مقدم رکھتے تھے ہجرت کے موقعہ پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپ نے ان کے مالکوں تک پہنچا دیا۔ پھر قریش نے جس رات اللہ کے رسول صلعم کو قتل کر دینے کی سازش کی تھی آپ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے اس کے بعد آپ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم سے جا ملے اس کے بعد مواخات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علیؑ کا بھائی چارہ قایم کیا۔ پھر اپنی لڑکی حضرت فاطمہ سے بیاہ دیا بعد میں تمام غزوات میں حضرت علی نبی کریم کے ساتھ رہے سخت موکوں میں آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے

شخص کے ہاتھ میں دونگا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو بھی اس سے محبت ہے۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت صلعم غزوۂ تبوک جانے لگے تو فرمایا تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہو۔ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا جس کا میں سردار ہوں علیؑ بھی اس کے سردار ہیں اے خدا جو علیؑ کو دوست رکھے اس کو تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔ حضرت عمر حضرت علیؑ کے علم اور تفقہ سے خوب واقف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے زیادہ فیصلہ کرنے کی طاقت حضرت علیؑ میں ہے۔ حضرت عمر کو جب کسی معاملے کے فیصلے میں پیچیدگی کا سامنا ہوتا تو اس کو حضرت علیؑ کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت عمر نے جب شوریٰ کی ہدایت کی تھی اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اس چٹیل سر والے کو مسلمان اگر اپنا والی بنالیں تو وہ ان کو بے راہ نہیں ہونے دیگا۔ حضرت علیؑ کے محاسن بہت زیادہ ہیں۔ نبی کریم صلعم کے صحابہ اپنے اختلاف کے باوجود ان محاسن کا اعتراف کرتے ہیں۔ تابعی بزرگ ان اوصاف کے قائل ہیں اہل سنت کا ان فضائل پر یقین ہے جس طرح شیعوں کا یقین ہے آگے چل کر جب ہم حضرت علیؑ کی سیرت اور مشکلات اور مصائب میں ان کے طرز عمل کی تفصیل پیش کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت علی مذکورہ بالا فضائل اور محاسن بلکہ اس سے بھی زیادہ کے اہل تھے" (واضح رہے کہ متذکرہ صدر پوری عبارت ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ہے)

حضرت علیؑ کی سیاست

اس عنوان کے تحت مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مگر ہم کو یہاں صرف اشارہ کرنا مقصود ہے ناظرین اندازہ کر سکیں گے کہ ان حالات میں حضرت علی علیہ السّلام کا ہر قول اور ہر قدم کس حد تک دین و ایمان کی میزان میں تلا ہوا تھا اور سیاستِ رسول کا نمونہ تھا۔

حضرت علیؑ کی سیاست پر غور کرتے وقت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت رسول کوئی دنیوی سلطنت قائم کرنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ آپ کی بعثت اللہ کے دین کی تکمیل اور انسانوں کی دینی و دنیوی زندگی کے لئے ایک ایسی شریعت پیش کرنے کے لئے تھی جو تا قیامت ایک مکمل ضابطہ ہو۔ اسی غرض کیلئے آپ نے ساری جد و جہد کی اور کتاب خدا کے ساتھ ساتھ اپنے ارشادات اور خود اپنے عمل کا نمونہ اور اپنی آل اطہار میں اپنے نمونے قیامت تک کے لئے حسب ارشاد "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی" چھوڑ گئے۔ استحکام دین کے لئے کافرین و مشرکین سے جہاد کے دوران میں حضرت رسول کی زندگی میں جو ایک سلطنت ظاہری کی سی شکل قائم ہو گئی وہ بجائے خود کسی اہمیت کی حامل نہ تھی بلکہ محض ایک ضمنی حیثیت رکھتی تھی۔ فتوحات و ملک گیری کبھی حضرت رسول کا مقصد نہ تھا۔ اسی طرح آپ کے جانشینان حقیقی کا مقصد اول بھی دین کی حفاظت ہوگا اور اسی ضمن میں اس سلطنت ظاہری کی عملداری تاکہ احکام دین کا نفاذ موثر طریقہ پر ہو سکے۔

حضرت رسولؐ کی سیاست یہ تھی کہ ہر معاملہ میں راستبازی" صداقت ایمانداری عدل وانصاف سے لیا جائے اور مکر، فریب چالبازی" دھوکہ دھی" کج پیسٹ کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ مکروفریب اور چالبازی کو طریقہ کار بنا لیا جائے تو دین کے اصولوں پر ہی زد پڑ جاتی ہے اور حفاظت دین کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ دین کی روشنی میں سیاست کے مفہوم پر غور کرتے وقت یہی چیزیں پیش نظر رکھنی ہونگی اور دنیوی بادشاہوں کی سیاست کے مقابلہ میں اس کو ایک محدود معنی دینا ہوں گے۔ دنیوی سیاست کا تو اصول یہ ہے کہ:۔

Every thing is fair in war and love یعنی اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے ہر چال بازی مکر وحیلہ عیاری جائز ہے۔ بالفاظ دیگر دنیوی سیاست کا جزو اعظم ہی عیاری اور چالبازی ہے اور سیاست کا لفظ بعرف عام مکاری فریب کاری حیلہ جوئی اور جعل سازی کا مرادف بن چکا ہے۔ حضرت رسولؐ کی سیاست جو دینی سیاست کا معیار حقیق ہے اس قسم کی چالبازی اور حیلہ جوئی سے بالکل بری اور پاک ہے۔ یہی حضرت علیؑ کی بھی سیاست تھی۔ آپ نے کبھی ایسا نہ کیا کہ اپنے اقتدار یا سلطنت ظاہری کی بقا یا استحکام کیلئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا ہو جس کی زد دین کے اصولوں پر پڑ جائے کسی اچھے مقصد کے حصول کیلئے بھی آپ نے کبھی کوئی برا طریقہ اختیار نہ کیا۔ اور Fair means for a good end پر عمل پیرا تھے۔ طبری ابن عبد ربہ اور ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ اگر مجھے دین وتقویٰ عدل وانصاف کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تمام عرب سے زیادہ چالاکی اور مکاری کر سکتا تھا اور میری ہوشیاری سب سے زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی۔

پروفیسر محمد عبد العلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:۔

For him the verdict of the Historians is that he was born ahead of times.'

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب Hazrat Ali as an Amir کے صفحہ ۱۹ و ۲۰ پر لکھتے ہیں:۔

In fact the study of the period of his life outlines the struggle of the great Mujahid, who in the foot steps of his leader wanted to establish a commonwealth of Muslim nations according to the Vicegerent of God on earth, who as his life long associate made him seem like the Holy Prophet's second self.

Hazarat Ali as a Caliph and companion of the Holy

صفحہ ۱۰۹ پر ڈاکٹر طہ حسین تحریر فرماتے ہیں۔ "آپ (حضرت علیؑ) حق پر ایمان رکھے اور حق کی امداد کیے بیٹھے رہنا بزدلی اور معصیت تھا اور پھر آپ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بہت جلد مایوس ہو جاتے اور دشمن کے مقابلہ سے ہٹ جاتے خواہ حالات کیسے ہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی سے تنگ آ گئے تو صاف صاف کہہ دیا کہ تمہیں میرے ساتھ شامیوں سے جنگ کرنے چلنا پڑے گا ورنہ میں خود چلا جاؤں گا چاہے میرے ساتھ بہت کم ساتھی ہوں پس جدید زندگی کے حالات سراسر معاویہ کے حق میں تھے اور حضرت علیؑ کے خلاف لیکن اس کے باوجود ماحول آپ کو کمزور نہیں بنا سکا اور نہ کسی دن آپ کو آپے سے باہر کر سکا۔ چنانچہ آپ زندگی بھر تمام حالات میں اعتدال کے ساتھ اپنی طبیعت مزاج اور سیرت پر قائم رہے۔"

مسلمانوں کی بے عملی اور بے رخی دیکھ کر آپ بے حد متاثر تھے اور ہر طبقہ سے انہیں متوجہ کرتے اور غیرت دلاتے تھے اس ضمن میں ہم آپ کے دو ایک خطبوں کو ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۷۔ اللہ کے بندو تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جب تم کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو گراں بار ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر رضامند ہو چکے ہو۔ کیا تم عزت اور شرافت کے بدلے ذلت و خواری اپنا شعار بنا چکے ہو۔ جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں۔ تمہاری آنکھیں سروں میں چکر کھانے لگتی ہیں گویا تم موت کی طرف سے مدہوشی میں ہو اور تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں۔ پس تم امن کے زمانہ میں جنگل کے شیر ہو۔ لیکن بہادری کے لئے پکارے جاتے ہو تو مکار لومڑیاں بن جاتے ہو۔ تمہاری سرحدیں کم کیجاری ہی ہیں لیکن تم ذرا نہیں چونکتے۔ تمہاری وجہ سے دشمنوں کی نیند حرام ہے اور تم خواب غفلت میں ہو۔ مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ جب تک تم مخلص ہو میری دعائیں اور نیک خواہشیں اور غنیمت کا اضافہ تمہارے لئے ہے اور یہ کہ میں تمہیں تعلیم دوں ادب سکھاؤں تاکہ نادانی نہ کرو اور سکھائے نہ جاسکو اب رہا میرا حق تم پر تو وہ یہ کہ بیعت پر وفاداری کے ساتھ قائم رہو۔ حاضری اور غیر حاضری میں میرے مخلص اور ہمدرد رہو جب میں آواز دوں جواب دو۔ جب حکم کروں تعمیل کرو۔

صفحہ ۱۴۸ پر ایک اور اسی قسم کا خطبہ ہے: اے وہ لوگو جن کے جسم متحد لیکن دل کی خواہشیں جدا جدا ہیں۔ تمہارے رہنما کی تحریک کمزور اور تمہارے غمخوار کا دل بے چین ہے۔ تمہاری باتیں سخت چٹانوں کو شق کر دیتی ہیں لیکن تمہارے کام دشمنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو کہتے ہو! یہ ہے بات وہ ہے۔ بہانہ کی سب جھوٹی باتیں۔ تمہارا مجھ سے مہلتیں مانگتے رہنا ٹال مٹول کرنے والے مقروض اور میدان سے بھاگنے والوں کی سی حرکتیں ہیں۔ ذلیل آدمی ظلم و زیادتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حق تک پہنچنے کیلئے ضرورت ہے کوشش کی پختہ ارادے کی اور صبر کو اپنا شعار بنا لینے کی۔ تم اپنے گھر کے بعد کس گھر کی حفاظت کرو گے۔ میرے بعد کس امام کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے۔ بخدا مغرور وہ ہے جس کو تم نے فریب میں رکھا۔

جس کے حصہ میں تم آئے بخدا اس کا حصہ نامرادی کا ہے۔ اب تو میں تمہاری مدد کا خواہاں نہیں اور نہ تم کو سچا جانتا ہوں خدا تم کو مجھ سے جدا کردے مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے۔ بہت جلد تم ذلت کے گڑھے میں گرو گے۔ تمہارے سروں پر تلوار ہوگی۔ ظالم تم میں خود غرضی رائج کرے گا تمہاری جماعتوں کو منتشر کرے گا۔ اور تم کو لائے گا۔ تمہارے گھروں میں فقر و فاقہ ہوگا۔ تھوڑے دنوں بعد تمنا کروگے کہ مجھے پاتے اور میرا ساتھ دیتے اسوقت میری بات کی صداقت تم کو معلوم ہوگی اور اللہ ظالموں کو ہی دور رکھتا ہے۔

صفحہ ۷۵۳ و ۷۵۴ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں: "جب مایوس ہوگئے تو سرداروں افسروں اور ان لوگوں کو مدعو کیا جو نگہ و نظر رکھتے تھے ان کے سامنے صاف صاف باتیں کیں اور فرائض اور ذمہ داریوں کی تصویر اس طرح پیش کی کہ اگر ممکن ہوتا وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ لیتے اور ہاتھوں سے چھو سکتے۔ آپ نے بتایا کہ لوگوں نے بغیر طلب مجھے خلافت پیش کی۔ خود سے میری بیعت کی اور آج وہی لوگ میری اطاعت کا زبان سے تو اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بدعہدی اور بے وفائی ہے۔ میں نے مہلت دی اور ٹالتا رہا۔ لیکن اب اس سے بھی اکتا گیا۔ سرگرمی اور توجہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔ وعظ و نصیحت کی ساری باتیں بے نتیجہ رہیں۔ ابھارنے اور آمادہ کرنے کی ساری کوشش رائیگاں گئیں۔ اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قوم اور قرابت داروں میں سے جتنے بھی ساتھ دے سکیں ان کو لیکر شام کے دشمن سے جنگ کیلئے نکل پڑوں اور اگر کوئی ساتھ نہ آیا تو اکیلے نکلوں اور اللہ کی راہ میں اکیلے لڑتے ہوئے جان دیدوں۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں اور افسروں کو حضرت علیؑ سے بڑی شرم محسوس ہوئی اور ڈرے کہ کہیں وہ اپنے ارادہ پر عمل نہ کر بیٹھیں اور اکیلے یا تھوڑے سے لوگوں کے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ان کے دامن پر بے غیرتی اور بے شرمی کے داغ لگ جائیں اور پھر اپنے دین اپنی جان اور اپنے ایمان کے معاملات میں مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں سے جو بولنا جانتے تھے حضرت علیؑ کے پاس آئے اور آپ کی خیر خواہی کے لئے اپنا خلوص پیش کیا اور اچھی اچھی باتیں کیں اور آپس میں ایک دوسرے پر ملامت کرتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے اور اس کوشش میں لگ گئے کہ اپنے وعدہ کو پورا کریں ہر سردار اپنی فوج کو جمع کیا اور ان کو نصیحتیں کرکے آمادہ کیا۔ اس طرح حضرت علیؑ کے لئے ایک معقول فوج تیار ہوگئی۔ جس نے مرمٹنے کا عہد کیا اس کے بعد حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کو مضافات میں بھرتی کیلئے بھیجا۔ تاکہ کوفہ کی تیار فوج کے ساتھ اس کا اضافہ کردیا جائے۔ اسی طرح آپ نے عراق سے آگے مشرقی علاقہ کے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ وہ لڑائی میں آپ کے ساتھ ہوں۔ زیاد بن خصفہ کو اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش بنا کر اپنے سامنے روانہ کیا۔ حضرت علیؑ اپنی تیاری میں مصروف تھے۔ ان کی منزل ان کے سامنے تھی اتنے میں تقدیر کی ایک جنبش لب نے آپ کی اور اہل عراق کی سب تدبیروں کو خاک میں ملا دیا۔

(سازش کرکے مسجد کوفہ میں بہ حالت نماز حضرت علیؑ کو شہید کر دیا گیا)

صفحہ ۵۶۴ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں: "جنگ اور جنگ سے متعلق کام بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت علی کا پورا وقت اور ساری کوششیں محض جنگی کاموں کیلئے وقف نہ تھیں بلکہ آپ نے اپنے اوقات تین شعبوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔ جنگی، سیاسی اور مذہبی ان معاملات میں کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی ہو اور کوئی رکاوٹ خواہ وہ کتنی ہی وزنی ہو آپ کو اپنے فرض سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ دینی امور میں بھی آپ کی سرگرمیاں کم یا گاہ گاہ نہ تھیں بلکہ آپ نے اپنا فرض سمجھا کہ نماز میں لوگوں کی امامت کریں لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں دین کی باتیں سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ اللہ کو مسلمانوں کی کونسی بات پسند ہے کبھی کھڑے ہو کر وعظ کہتے لوگوں کے لئے مسجد میں بیٹھ جاتے ان کی خیریت اور ان کا کاروبار پوچھتے اور جو آدمی اپنے دین یا دنیا سے متعلق ضروری بات پوچھتا اس کو بتاتے۔ پھر نہ صرف گفتگو اور وعظ ہی کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت کرتے بلکہ انہیں اپنی سیرت اپنا کردار پیش کرکے انہیں تعلیم دیتے۔ آپ ان کے امام تھے ان کے معلم تھے ان کے لئے نمونہ اور رہنما بھی، آپ لوگوں میں اسوقت بھی پہنچتے جب وہ زندگی کی دوڑ دھوپ میں ہوتے چنانچہ بازاروں میں گشت لگاتے لوگوں کو اللہ سے ڈراتے ان کو حساب اور قیامت کے دن کی یاد دلاتے خرید و فروخت کے مواقع پر ان کی نگرانی کرتے بازاروں میں چلتے ہوئے باواز بلند کہتے خدا سے ڈرو ناپ تول برابر کرو۔"

"علاوہ ازیں حضرت علیؑ خلافت کے رعب داب سے بھی بڑی احتیاط کرتے تھے اور جب کوئی چیز خود خریدنی ہو تو بازار میں ایسے شخص کی تلاش کرتے جو آپ کو پہچانتا نہ ہو آپ کو پسند نہ تھا کہ کوئی دوکاندار امیرالمومنین جانکر سودے میں رعایت کرے۔ لوگوں کی دینی خدمت کا فرض جب تک ادا نہ کر لیتے حضرت علیؑ مطمئن نہ ہوتے۔ لوگوں کو نماز پڑھاتے اپنے قول و عمل سے ان کو تعلیم دیتے۔ فقراء اور مساکین کو رات کو کھانا کھلاتے ضرورت مند اور مستحقوں کو تلاش کرکے ان کو سوال سے بے نیاز کر دیتے۔ پھر جب رات ہوتی تو لوگوں سے الگ ہو جاتے اور تنہائی میں اپنے معمولات عبادت میں مشغول ہو جاتے تہجد کی نماز ادا کرتے اور رات زیادہ ہو جانے پر آرام کرتے اور پھر صبح اندھیرے ہی سے مسجد میں چلے آتے اور فرماتے نماز نماز اللہ کے بندو نماز گویا مسجد کے سوتے والوں کو بیدار کرتے۔ اس طرح دن رات میں کسی وقت بھی آپ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے۔ خلوت میں بھی یاد کرتے اور اسوقت بھی جب لوگوں کے مختلف معاملات کے لئے تدبیریں کرتے اور اس بات کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتے کہ آپ سے دینی مسائل دریافت کریں۔

"آپ کو اس بات کا بیحد خیال تھا کہ مال تقسیم کرتے وقت آپ اپنے قول و فعل میں اپنے ارادے اور تقسیم میں مساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں بیت المال کیلئے جو کچھ مال بھی آتا آپ اس کی منصفانہ تقسیم فرما کر بیت المال میں جھاڑو دلواتے اور پھر اس کو دھلوا کر اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔"

صفحہ ۶۱ "آپ گہرے غور و فکر کے مالک تھے۔ دلوں کی تہوں تک پہنچ جانے والی بصیرت رکھتے تھے لیکن آپ نے بے لاگ اور سچ کہنا پسند کرتے تھے۔ حقائق کا مقابلہ صحیح اور سچی راہ سے کرتے تھے اور اپنے آپ کو مکر اور چال بینی سے بلند و بالا رکھتے تھے کہ دین کے خلوص اور خلافت کی شرافت کا یہی تقاضہ ہے"۔

صفحہ ۴۷ "اپنے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؑ کا یہی مدبرانہ طرز عمل رہا۔ اچھوں کی حوصلہ افزائی کی اور بروں پر تشدد نہ کسی کے ساتھ بے جا امتیازی برتا اور نہ کسی سے دشمنی چھپائی نہ کسی سے بازی لگائی نہ کسی کے ساتھ مکاری کی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کی سراپا خیر خواہی تھی وہ رعایا کا انصاف تھا اور دونوں میں حق کا باقی رکھنا تھا"۔ ایک دفعہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ عبداللہ بن عباسؓ نے بحیثیت گورنر بصرہ کچھ مال کا ناجائز تصرف کیا ہے۔ آپ کے استفسار کا عبداللہ ابن عباس نے تشفی بخش جواب نہ دیا اور پھر بصرہ سے مکہ میں جا کر مقیم ہو گئے۔ جہاں امیر معاویہ کا اثر قائم ہو چکا تھا آپ نے عبداللہ ابن عباس کو جو خط لکھا وہ ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب کے صفحہ ۳۶ سے نقل کرتے ہیں۔

"میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا تھا۔ میرے گھر والوں میں تم سے زیادہ بھروسہ کے لائق کوئی آدمی نہ تھا۔ جو میری ہمدردی کرتا میری تائید کرتا اور امانت مجھے واپس کرتا۔ لیکن تم نے دیکھا کہ اب بھائی کے وہ دن نہیں رہے۔ دشمن حملہ آور ہے لوگوں کی دیانت خراب اور امت فتنوں سے دوچار ہو چکی ہے تو تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں چھوڑنے والوں کے ساتھ تم نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور بری طرح اسکو بے یار و مددگار کر دیا۔ غداروں کے ساتھ تم نے بھی اس سے بے وفائی کی نہ ہمدردی کی نہ امانت واپس کی گویا جہاد میں تمہارے پیش نظر اللہ نہ تھا تم کو اپنے خدا کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ تھی۔ پھر تم محمدؐ کی اُمت کے ساتھ ان کی دنیا حاصل کرنے کے لئے چل رہے تھے۔ گویا تم جزیرے کے مال سے لوگوں کی غفلت کے منتظر تھے اور جیسے ہی موقعہ ملا دوڑ پڑے۔ جست لگائی اور جس قدر دولت لوٹ سکے ایک لاغر بکری کو خون خون کر دینے والے تیز بھیڑیے کی طرح جھپٹ لیا سبحان اللہ کیا قیامت پر تمہارا ایمان نہیں ہے اور کیا بعد میں بری طرح حساب نہیں ہوگا اور کیا تم جانتے نہیں کہ حرام کھاتے ہو اور حرام پیتے ہو کیا تم پر گراں نہیں کہ تم لونڈیوں کی قیمت لگانے پر اور عورتوں سے نکاح پر یتیموں بیواؤں اور مجاہدوں کا مال خرچ کر رہے ہو جن پر اللہ نے شہروں سے غنیمت بھیجا ہے اللہ سے ڈرو قوم کا مال واپس کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو بخدا اگر مجھے موقعہ ملے تو میں تمہارا انصاف کرونگا اور حق حقدار تک پہونچا دونگا۔ ظالم کو مارونگا اور مظلوم کا انصاف کرونگا والسلام۔"

ارشادِ رسولؐ کہ میں نے تنزیل قرآن پر مشرکین سے جہاد کیا اور علیؑ تاویل قرآن پر منافقین سے جہاد کریں گے

سورۂ توبہ آیت ۷۳ اور سورۂ تحریم آیت ۹ میں ارشاد خداوندی تھا یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین یعنی اے رسولؐ کفار اور منافقین سے جہاد کرو۔ حضرت رسولؐ نے جتنے جہاد فرمائے وہ سب کفار و مشرکین کے خلاف تھے آپ کا

کوئی جہاد منافقین کے مقابلہ میں نہ ہوا بلکہ اس حکم خداوندی کی تعمیل حضرت رسول کی طرف سے حضرت علی مرتضیٰ نے کی اپنی خلافت ظاہری کے زمانے میں آپ کو منافقین سے جو جہاد کرنے پڑے اس کی خبر حضرت رسول خدا نے پہلے ہی دیدی تھی اور حضرت علیؑ کا حق پر ہونا اور آپ کے مخالفین کا راہ خطا پر ہونا ظاہر فرما دیا تھا چنانچہ خوارزمی نے حضرت ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا بقیع الغرقد میں تشریف فرما تھے اور میں خدمت اقدس میں حاضر تھا آپ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں ایک ایسا شخص ہے کہ جو قرآن کی تاویل پر (یعنی اس کے حقیقی معنی کے تحفظ کیلئے) لوگوں سے لڑیگا جس طرح سے میں نے تنزیل پر مشرکوں سے جہاد کیا ہے وہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے ہوں گے اس کا اُن سے جہاد کرنا لوگوں کو شاق گزرے گا یہاں تک کہ لوگ اس خدا کے ولی پر طعنہ زن ہوں گے۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۲ و مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ در ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۶ و کنز العمال صفحہ ۳۳ و ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۵۶ پر روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا تم میں سے ایک ایسا شخص ہے جو تاویل قرآن پر اسی طرح لڑیگا جس بہادری سے تنزیل قرآن کے وقت اس نے جہاد کیا تھا حضرت ابوبکر و عمر نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے حضرت رسول نے (حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا وہ یہ ہے جو میری نعلین درست کر رہا ہے (خاصف النعل) ابوبکر ابن مردویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب سورۂ عنکبوت کی آیت ۲ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسی آزمائش ہے حضرت نے فرمایا لوگ تیری جہت سے آزمائے جائیں گے اور تو اُن کے ساتھ جھگڑے گا بس جھگڑے کے لئے تیار ہو جا۔

دیلمی فردوس الاخبار میں سیوطی در منثور میں اور نیز ابوبکر ابن مردویہ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ آیت فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ (سورہ زخرف آیت ۴۱) علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ وہ ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے میرے بعد بدلہ لیں گے۔ حافظ ابو نعیم نے حذیفہ ابن الیمان سے روایت کی ہے کہ خدا کے کلام پاک میں "ہم ان سے بدلہ لیں گے" سے یہ مراد ہے کہ بذریعہ علیؑ ہم ان سے بدلہ لیں گے۔

ابن عساکر ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں آنحضرت نے ناکثین قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کس کے ساتھ ہو کر جنگ کریں۔ فرمایا علیؑ کے ساتھ یہ بھی فرمایا علیؑ کا ساتھ دیتے ہوئے عمار بن یاسر بھی باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوں گے۔ ابن عساکر نے ام سلمٰی سے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے نیز ابن عساکر سعید بن قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر نے فرمایا کہ مجھے تین گروہ ناکثین قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ناکثین اہل جمل ہیں اور قاسطین اہل شام ہیں۔

اور مارقین اہل نہروان ہیں۔

ابن عساکر مخنف بن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ابوایوب انصاری سے جاکر کہا کہ آپ حضرت رسولؐ کے ساتھ مشرکین سے جنگ کرتے تھے اب مسلمانوں سے جنگ کرتے آئے ہیں انھوں نے کہا حضرت رسولؐ خدا نے مجھے علیؑ کی معیت میں ناکثین وقاسطین اور مارقین سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابن عساکر نے علقمہ اور اسود سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم صفحہ ۳۵۲ پر لکھتے ہیں کہ بصرہ کی لڑائی (جمل) کا نام حضرت علیؑ نے غداروں (ناکثین) کی لڑائی رکھا تھا اور شام کی لڑائی کو وہ گمراہوں (قاسطین) کی لڑائی کہا کرتے تھے اس لئے کہ بصرہ والوں نے بیعت توڑ دی تھی اور شام والے راہ حق سے منحرف تھے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت وملوکیت کے صفحہ ۳۳۸ پر لکھتے ہیں: "تمام فقہاء و محدثین ومفسرین نے بالاتفاق حضرت علیؑ کی ان لڑائیوں کو جو آپ نے اصحاب جمل اصحاب صفین اور خوارج سے لڑیں قرآن مجید کی آیت فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ کے تحت حق بجانب ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک آپ امام عدل تھے اور آپ کے خلاف خروج جائز نہ تھا میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ یا محدث یا مفسر ایسا نہیں ہے جس نے اس سے مختلف رائے ظاہر کی ہو خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے تو بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علیؑ کیساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔" مولانا مودودی نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ حجرات کی آیت ۹ ہے جسکا ترجمہ یہ ہے: پھر اگر ان میں ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو تم اس سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

صفحہ ۳۴۲ و ۳۴۳ پر مولانا لکھتے ہیں:۔ "جن حضرات نے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے آن (حضرت علیؑ) کے خلاف تلوار اٹھائی ان کے اس فعل کے حق میں کوئی شرعی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی۔ خدا کی شریعت بے لاگ ہے اس میں یہ گنجایش موجود نہیں ہے کہ کسی کے مرتبہ کا لحاظ کرکے ہم غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کریں۔ اس معاملہ میں حضرت طلحہ وزبیر کا طرز عمل جو جنگ جمل کا موجب ہوا غلط تھا اور اس میں دونوں حضرات اپنے فعل پر نادم ہوئے اسی طرح حضرت عائشہ بھی اپنے فعل پر نادم ہوئیں۔"

جنگ جمل

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی خلافت ظاہری کے بعد حضرت عثمان کے مقرر کئے ہوئے عاملوں کو ذریعہ خط واپس طلب فرمایا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ معاویہ کو ابھی معزول نہ فرمائیے۔ انھوں نے بہت سے ہوا خواہ جمع کر رکھے ہیں اور قوت حاصل کرلی ہے۔ مگر آپ نے فرمایا میں کمزوری دکھانا نہیں چاہتا۔ پھر آیرن مورخ نے اس کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

"The Bayard of Islam, the hero without fear and without reproach (بہادری اور شرافت میں ممتاز ملک فرانس کا مثالی نائٹ)

refused to be guilty of any duplicity or
compromise with injustice."

بہر حال جب اس قسم کا خط معاویہ کو گیا تو وہ حاضر ہوئے اور نہ تین مہینہ تک خط کا جواب دیا بلکہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے اور ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر حضرت علیؑ سے لڑنے تیار ہو گیا۔ ۳ ماہ بعد حضرت علیؑ کے خط کے جواب میں ایک سادہ کاغذ لفافہ میں ڈال کر بھیج دیا۔ حضرت علی علیہ السلام اس صورتِ حال سے نمٹنے کی فکر ہی کر رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت عائشہ معہ طلحہ و زبیر کے خونِ عثمان کے مطالبہ کا ادعاء کرتے ہوئے تیس ہزار فوج کے ساتھ بصرہ آ رہی ہیں۔

حضرت عائشہ کا قتلِ عثمان کی سازش میں شریک رہنا اور حضرت علیؑ کی خلافت کے بعد کہنا کہ عثمان کی زندگی کا ایک دن علیؑ کی تمام عمر سے بہتر تھا

اس ضمن میں ہم تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۱۶۱ کی عبارت بجنسہ نقل کرتے ہیں :- جب حضرت عائشہ نے حج کر کے مدینہ کی طرف مراجعت کی اور قریب آ پہنچیں تو عبید بن سلمہ لیثی جو ابن کلاب کے نام سے مشہور تھا استقبال کے لئے نکلا۔ عائشہ نے پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے کہا لوگوں نے عثمان کو مار ڈالا۔ عائشہ نے کہا پھر کیا ہوا۔ عبید نے جواب دیا حضرت علیؑ سے بیعت کر لی۔ عائشہ بولیں اے کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا اور میں یہ دن نہ دیکھتی اور یہ خبر نہ سنتی۔ خدا کی قسم عثمان کو ظلم سے مار ڈالا اور بے خطا اس کا خون بہا دیا واللہ عثمان کی عمر کا ایک دن علیؑ کی تمام عمر سے بہتر تھا۔ میں بھلی نہ بیٹھوں گی جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لوں گی۔ عبید نے کہا تم ایسا کیوں کہتی ہو کیا تم علیؑ کی تعریفیں نہ کیا کرتی تھیں اور نہ کہا کرتی تھیں کہ آج روئے زمین پر کوئی شخص درگاہ جناب الہٰی میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے زیادہ گرامی نہیں ہے۔ اب کیوں اس کی دشمن بن گئیں اور کس واسطے اس کی خلافت سے بیزار ہو گئیں کیا تم عثمان کے قتل کے لئے لوگوں کو ترغیب نہ دلاتی تھیں کہ اس پیر کفتار کو مار ڈالو اب کیا ہو گیا کہ ایسی باتیں کرتی ہو۔ عائشہ نے کہا میں اس وقت ایسا ہی کہتی تھی جب سے اس کی خبر سن لی باز آ گئی۔

قابلِ غور ہے کہ حضرت رسول کی نظر میں تو علیؑ کی یہ وقعت تھی کہ علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی تاقیامت عبادت سے افضل ہے اور حضرت عائشہ کا یہ خیال ہے کہ علیؑ کی ساری عمر عثمان کی بھی عمر کے ایک دن کے بھی برابر نہیں۔ شعر: ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ القصہ راستہ ہی سے لوٹ کر مکہ واپس جانے کے بعد حضرت عائشہ نے طلحہ و زبیر سے کہا اس غوغا کے فرو کرنے کیلئے ہم کو چڑھائی کرنی چاہیئے۔ تاریخ کامل اور تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عائشہ کہنے لگیں عثمان ظلم سے مقتول ہوئے۔ واللہ میں ان کے خون کا بدلہ لونگی۔ عبیدہ بولا کہ یہ کیوں۔ خدا کی قسم تم تو پہلے عثمان کو یہ کہتی تھیں کہ قتل کرو نعثل کو یہ کافر ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ قول صرف میرا ہی نہ تھا بلکہ اوروں کا بھی تھا بہر حال جو بات میں اب کہہ رہی ہوں وہ قولِ اول سے بہتر ہے۔

Historians History of The World جلد ۸ صفحہ ۱۰۷ پر یہ عبارت درج ہے۔

"Though she (Aisha) had notoriously shared in the conspiracy against Othman, she now proclaimed herself as avenger and she denounced Ali as the author of his death. Joined with her were Talha and Zobair who well knew the falsehood of Aisha's allegations"

ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو وہ آئے اسے سواری دی جائیگی۔

بریف سروے آف ہسٹری کے مصنف کا قول ہے کہ "حضرت عائشہ جو علیؑ کی برائی اور ہمیشہ کی دشمن تھیں عداوت میں اس قدر بڑھ گئیں کہ ان کے معزول کرنے کیلئے ایک فوج جمع کرلی" ادھر طلحہ اور زبیر خود حکومت کے خواہاں اور خلافت کے آرزومند تھے حضرت عائشہ کی حمایت اور مدد ان کو حاصل تھی ایک دن حضرت علیؑ کے پاس آئے طلحہ بصرہ کی اور زبیر کوفہ کی حکومت طلب کرنے لگے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے تمہاری ضرورت ہے مدینہ میں رہو اور لوازم کاروبار حکومت میں میری مدد کرو۔ دوسرے دن وہ مکہ جانے کی اجازت مانگنے آئے واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے "ایسی حالت میں کہ لب پر تعریف اور دل میں مکر تھا یہ عائشہ سے جا ملے جو مخالفت کیلئے پہلے سے تیار تھیں۔"

حضرت عائشہ نے حفصہ اور ام سلمہ سے بھی اپنے ساتھ چلنے کہا حفصہ ساتھ ہوگئیں مگر ان کے رشتہ داروں نے روکا۔ علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۹ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ کا ساتھ چلنے آمادہ ہو جانا کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ رسول اللہ ہی کے زمانہ سے یہ ایک دوسرے کی ہمراز دمساز تھیں۔ حضرت ام سلمٰی نے حضرت عائشہ کو بصرہ جانے سے روکنے کی بے حد کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت عائشہ کا لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو امہات المومنین (روکنے کی کوشش میں) شہر کے باہر تک پیچھے گئیں انہیں اس لشکر کشی اور مسلمانوں کے افتراق کا اس قدر قلق تھا کہ وہ زار زار قطار روتی جاتی تھیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ دردناک نظارہ اور اس قدر نوحہ گری کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام "یوم النحیب" نوحہ گری کا دن پڑ گیا۔ حضرت ام سلمٰی نے حضرت عائشہ کو رسول اللہ کی یہ حدیث یاد دلائی" علیؑ میری حیات و ممات میں تم پر خلیفہ ہے جس نے اس کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی"

جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ حضرت ام سلمٰی نے حضرت عائشہ کو حضرت رسولؐ کا وہ قول یاد دلا کر نصیحت کی کہ اے عائشہ ڈرو اور صاحبۃ کلاب حواب وہ عورت جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے انہ ہو

اور اس بات کو یاد کرو کہ حضرت رسول نے تمہاری طرف دیکھ کر فرمایا تھا کہ اے حمیرہ میرا گمان ہے کہ وہ عورت تو ہے۔ طبری میں ہے کہ جاریہ بنت قدامہ نے حضرت عائشہ سے کہا "رسول کے لئے قتل عثمان اس سے آسان تھا کہ تم مجمع عام میں اس طرح آئیں" دوسرے لوگوں نے طلحہ و زبیر سے کہا "تم اپنی ماں کو لئے ہوئے در بدر پھر رہے ہو اور تمہاری بیویاں گھر میں ہیں۔ ان باتوں نے کچھ اثر نہ کیا اور حضرت عائشہ غیر معروف راستہ اختیار کرکے مکہ سے بصرہ چلیں۔ راستہ میں حواب کے مقام پر حضرت عائشہ کی محمل کو گھیر کر کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری ایک بیوی گھر سے نکلے گی حواب کے کتے اس پر بھونکیں گے اور وہ راہ ظلم پر ہوگی۔ حضرت طلحہ و زبیر نے جھوٹی قسم کھائی اور پچاس آدمیوں کو جھوٹی قسم کھلا کر یہ گواہی دلوائی کہ یہ مقام حواب نہیں ہے بالآخر یہ لوگ بصرہ پہنچ گئے۔

شمس العلماء نذیر احمد صاحب امہات الامہ میں کہتے ہیں:

"بات مردوں میں ہو رہی تھی۔ عائشہ کو اس میں دخل دینا معقولات مناسب نہ تھا اور دخل بھی ایسا کہ کشت و خون میں شریک" مشہور شاعر مرزا رفیع سودا اس موقعہ پر کہتے ہیں:۔

لڑکی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے ۔۔۔ نہ کہ لونڈوں میں جا کے ڈنڈ پیلے

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم کے صفحہ ۳۲۰ و ۳۲۱ پر لکھتے ہیں " وہ (حضرت عائشہ) اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظم کی طرح شدت بھی تھی۔ پھر وہ اس وراثت میں بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا۔ ازواج مطہرات میں حضرت عثمان کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہ تھیں۔ اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمان منبر پر کھڑے عبداللہ بن مسعود کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردہ کی آڑ سے چلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا" ڈاکٹر طٰہٰ حسین مزید لکھتے ہیں:۔

"حضرت عائشہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہو رہی تھیں راہ میں حضرت عثمان کے قتل کی خبر ملی۔ اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہ کی بیعت کر لی ہے یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئیں۔ لیکن ان کی ملاقات پھر ایک ایسے آدمی (عبید اللہ بن ابی سلمہ) سے ہوئی جس نے ان کو بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؑ کی بیعت کی جا چکی ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ علیؑ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا۔ پھر ساتھ والوں سے کہا مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آگئیں"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین صفحہ ۳۵۴ پر لکھتے ہیں "جب (معاویہ نے) دیکھا کہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کے خون پر اس قدر برہم ہیں کہ مکہ چلے آئے ہیں اور حضرت علیؑ سے مقابلہ کے لئے مشورے کر رہے ہیں تو اپنے حامیوں کے ذریعہ ان کو اس کا یقین دلایا کہ شام بلکہ مصر کی طرف سے بھی اطمینان رکھیں معاویہ اس کے لئے کافی ہیں اب ان کو چاہیئے کہ عراق پر خود قابض ہو جائیں تاکہ حضرت علیؑ حجاز میں محصور ہو جائیں اور مغربی اور مشرقی سمت سے جو حملہ ہو اس سے بچ نہ سکیں۔ طلحہ زبیر اور حضرت عائشہ بنی امیہ کی طرف سے آنے والی اس آواز کے رخ پر چل پڑے اور بصرہ جانے کا

اور کوفہ پر حملہ کریں گے اور جب عراق قبضہ میں آجائے گا ارادہ کیا کہ وہاں پہنچکر بصرہ والوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیں گے تو ان کے اور حضرت معاویہ کے درمیان حضرت علیؑ کے خلاف مشترک تعاون کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور پھر سہ طاقتی نظام کی تنظیم عمل میں آسکے گی جس کے ارکان ثلاثہ حضرت طلحہ وزبیر و معاویہ ہوں گے"۔

علامہ ابوالنصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں :- "معاویہ نے خطوط بھیجکر زبیر کو حضرت علیؑ کے خلاف ابھارنا شروع کیا انہیں خلافت اور ملک کا لالچ دیا اور ان سے وعدہ کر لیا کہ شام ان کی بیعت کریگا حضرت طلحہ وزبیر سے انھیں کوئی ہمدردی نہ تھی لیکن وہ انھیں دھوکہ میں ڈالکر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے تھے"۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کی متذکرہ صدر تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ و طلحہ وزبیر نے معاویہ سے مل کر ایک اتحاد اربعہ قائم کر لیا تھا اور اس فکر میں تھے کہ حضرت علیؑ کو چاروں طرف سے گھیر کر شکست دیدیں اور ان ارکان اربعہ کی حکومت قائم ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں "حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ کے خلاف بھی حضرت علیؑ کی دلیل حضرت معاویہ کے خلاف دلیل سے کچھ کم قوی نہ تھی۔ حضرت طلحہ وزبیر نے بیعت کرلی تھی۔ ان کا فرض تھا کہ عہد کی پابندی کرتے اور بیعت میں صداقت باقی رکھتے اب رہا حضرت عائشہ کا معاملہ تو اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں دوسری امہات المومنین کی طرح نماز روزہ اور زکواۃ ادا کرتیں جن کے حکموں اور آیتوں کی آپ پر تلاوت کی گئی ہے ان کی یاد دلاتیں"۔

علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب علی و عائشہ کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں "حضرت عائشہ کی خواہش تھی کہ حضرت عثمان کی جگہ طلحہ ...... خلیفہ ہوں لیکن جب مسلمانوں نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ چن لیا تو ان کے دل کو ایک دھچکا لگا اور انھوں نے انتقام عثمان کا مطالبہ پیش کر کے حضرت علیؑ کے خلاف علم مخالفت بلند کر دیا جس کے نتیجہ میں جنگ جمل واقع ہوئی"۔

ڈاکٹر طہٰ حسین صفحہ ۳۲۸ پر لکھتے ہیں "حضرت طلحہ وزبیر نے اپنی تقریروں میں حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے پر زور دیا ... اس لئے حضرت عائشہ اونٹ پر لائی گئیں اور آپ نے خطبہ دیا۔ شگفتہ زبان میٹھے بول اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ فرمایا تمہاری خاطر ہم حضرت عثمان کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے تو کیا حضرت عثمان کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں لوگوں نے گہری خاموشی سے سنا لیکن تقریر ختم ہوتے ہی شور و غوغا کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ تائید میں کچھ تردید میں۔ اس کے بعد لوگوں میں گالی گلوچ اور جوتی پیزار ہونے لگی"۔

علامہ عمر ابوالنصر صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں "جب حضرت عائشہ بصرہ پہنچیں تو آپ نے ایک شخص کو شہر کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور شہر کے بعض معززین کے نام خط بھی دیئے جن میں ان سے مدد کی التماس کی گئی ان لوگوں نے جواب میں لکھا "اگر حضرت عثمان ظالم ہونے کی حالت میں شہید کئے گئے تو ہمیں ان کا انتقام لینے میں کوئی دلچسپی

نہیں ہونی چاہیے اگر وہ مظلوم شہید کئے گئے تھے تو ان کا انتقام لینے کا حق ان کے رشتہ داروں اور عزیزوں کو ہے نہ کہ تمہیں۔ جب حضرت عثمان کے متعلق انہیں لوگوں کو اختلاف ہے جو موقعہ پر موجود تھے تو جو لوگ موقعہ پر موجود نہیں تھے انہیں صحیح بات کا کیسے علم ہو سکتا ہے۔ احنف بن قیس اور بعض دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کے جوابات دیے۔

صفحہ ۱۳۷ "حضرت عائشہ طلحہ و زبیر نے اہل شام کو خط لکھا جس میں اپنی ہمنوائی کی خواہش کی۔ اسی طرح کے خطوط اہل کوفہ اہل یمامہ اور اہل مدینہ کے نام لکھے"

صفحہ ۱۵۳ کوفہ والوں میں سے زید بن صوحان نے حضرت عائشہ کے دو خط لوگوں کو بلند آواز سے سنائے۔ ان میں سے ایک خط خاص ان کے اور دوسرا اہل کوفہ کے نام تھا اور ان لوگوں کو حضرت علیؑ کی حمایت سے کنارہ کشی کی تلقین کی گئی تھی۔ یہ خط سنا کر زید نے کہا "لوگو ان خطوط کو دیکھو اور غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی تلقین کی تھی اور ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اسوقت تک لڑتے رہیں جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے۔ لیکن عائشہ ہمیں تو اس بات کی نصیحت کرتی ہیں جس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور خود وہ کر رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا تھا"۔

صفحہ ۱۷۱ "ابھی حضرت عائشہ مکہ ہی میں تھیں کہ مالک اشتر نے جو حضرت علیؑ کے بہت بڑے مددگاروں میں تھے ام المومنین کو یہ خط لکھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پیروی کریں گی تب تو بہتر ہے۔ لیکن اگر اس کی نافرمانی کریں گی اور اپنے پردہ کو چاک کرنے اور چہرہ کو لوگوں کے سامنے آشکار کرنے پر تل جائیں گی تو میں آپ سے لڑوں گا یہاں تک میں آپ کو آپ کے گھر میں واپس نہ پہنچا دوں جہاں بیٹھے رہنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے"۔

جب خبر ملی کہ حضرت عائشہ لشکر لیکر بصرہ کی طرف آ رہی ہیں۔۔۔۔ تو حضرت علی علیہ السلام بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، جب مقام ربذہ پہ پہنچے تو اطلاع ملی کہ حضرت عائشہ معہ لشکر بصرہ پہنچ چکی ہیں۔ تب حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کے نام حسب ذیل خط لکھا۔

"آپ کو اپنے گھر سے ایسے امر کی طلب کے لئے باہر نکلنا زیبا نہ تھا جو آپ کی شان کے مناسب نہیں۔ اگر آپ کا یہ زعم ہے کہ اصلاح بین الناس کے سوا آپ کی کوئی مراد نہیں ہے۔ بھلا آپ یہ تو بیان کریں کہ عورتوں کو لشکر سپہ سالاری سے کیا سروکار ہے۔ آپ اپنے زعم میں حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کرتی ہیں۔ عثمان بنی امیہ سے تھے۔ آپ بنی تیم میں سے ہیں۔ جس نے آپ کو اس امر کیلئے گھر سے باہر نکالا ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے وہ ایک بھاری گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ آپ خدا سے ڈریں اور اپنے گھر لوٹ جائیں اور ستر کا لحاظ رکھیں"۔

جب یہ (حضرت عائشہ کا) لشکر ذات العراق پہنچا تو سعید بن العاص مروان بن حکم اور اس کے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا "تم کہاں جا رہے ہو جن لوگوں سے تمہیں انتقام لینا ہے وہ تمہارے لشکر میں موجود ہیں ان کا

مطلب حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر سے تھا) تم انھیں قتل کرو اور اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔

صفحہ ۱۲۹: اُس طرح ہنگامہ برپا ہوگیا اور ہر طرف سے شور و غل مچنے لگا آخر حضرت عائشہ کھڑی ہوئیں ان کی آواز کافی بلند تھی۔ انھوں نے لوگوں کو خاموش کیا اور تقریر کی۔"

صفحہ ۱۶۹ "شعبی مسلم بن ابی بکرہ سے اور وہ اپنے باپ ابن بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب طلحہ اور زبیر بصرہ کو آئے تو میں تلوار حمائل کر کے ان کی مدد کے ارادہ سے نکلا۔ جب میں حضرت عائشہ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ تمام فوج ان کے اشاروں پر چل رہی ہے اس پر مجھے وہ حدیث یاد آئی جو میں نے رسول اللہ سے سُنی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے کاموں کو کسی عورت کے سپرد کر دے۔ اس پر میں واپس چلا آیا اور جنگ سے کنارہ کشی کرلی۔"

علامہ عمر ابوالنصر صفحہ ۱۸۳ پر لکھتے ہیں "طلحہ کے شہید ہونے اور حضرت زبیر کے میدان جنگ سے چلے جانے کے باعث فوج کی قیادت حضرت عائشہ ہی کو کرنی پڑی۔ وہ بہ آواز بلند لوگوں کو لڑائی پر ابھار رہی تھیں۔ جب حضرت عائشہ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے آدمیوں کا زور برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور وہ کسی طرح رُکنے کا نام نہیں تو انھوں نے پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر لوگوں کو لڑائی پر ابھارنا شروع کیا۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ کا یہ حال کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور سامنے کے لوگوں کو جوش دلا کر آمادہ کرتی تھیں۔" صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر عنوان "حالات اور واقعات کی ذمہ داری" کے تحت علامہ عمر ابوالنصر لکھتے ہیں "آپ (حضرت عائشہ) کے موقف میں آپ کو حق بجانب نہیں کہا جاسکتا ہم نے کتاب میں تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کے انتقام کے نام سے حضرت علیؑ کے خلاف تحریک اٹھائی اور طلحہ و زبیر کو اپنے ساتھ ملا کر ایک عظیم الشان فوج کے ہمراہ بصرہ روانہ ہوئیں جنگ جمل کس طرح برپا ہوئی اور پھر کس طرح حضرت عائشہ کی مدینہ کو واپسی عمل میں آئی اور وہ اس کے بعد کسی جنگ کے لئے باہر نہ نکلیں۔"

حضرت طلحہ و زبیر کے طریقہ پر ایک نظر

جیسا کہ اس کتاب میں دوسرے مقام پر ذکر آیا ہے پہلے تو حضرت طلحہ و زبیر کا یہ عمل تھا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے وقت یہ حضرات یہ کہتے تھے کہ خلافت حضرت علیؑ کا حق ہے جب تک حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے ہماری تلواریں میان میں نہ جائیں گی۔ پھر جب حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کر کے اپنے انتقال سے پہلے ہی حضرت عمر کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت کروادی تو حضرت طلحہ و زبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ آپ خدا کے پاس جا رہے ہیں خدا کو کیا جواب دیں گے کہ عمر جیسے شخص کو ہم پر خلیفہ کئے جاتے ہیں پھر جب حضرت عمر کے مقرر کردہ شوریٰ کی ہیئت ترکیبی اور عبدالرحمٰن بن عوف کی تدابیر سے حضرت عثمان خلیفہ بنے تو حضرت عثمان بہت کچھ مالی و زر دیکر تالیف قلب کرنے پر حضرت عثمان کے ابتدائی دور میں تو یہ حضرات خاموش رہے پھر

حضرت عثمان کے کھلے مخالف بن گئے اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کروانے اور ان کو قتل کروانے میں بھی حضرت طلحہ و زبیر کا بڑا ہاتھ رہا۔ اس کے بعد جب حضرت علیؑ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تو طلحہ و زبیر سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں تھے مگر جب بصرہ اور کوفہ کی گورنری کی ان کی خواہش پوری نہ ہوئی تو نکث بیعت کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ جمل کے میدان میں اتر آئے۔ اس ضمن میں ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب فتنۃ الکبریٰ حصّہ اول و دوم اور علامہ عمر ابو النصر کی کتاب علی و عائشہ سے کچھ مزید حوالے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین جلد دوم کے صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں "حضرت عثمان کے موقعہ پر یہ دونوں ان کے مخالف تھے اور ان کے لئے کوئی کوشش نہیں کی ان میں سے ہر ایک اپنے لئے خلافت کا خواستگار تھا۔"

صفحہ ۳۹۷ پر لکھتے ہیں "حضرت طلحہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ باغیوں کو علانیہ بھڑکاتے تھے۔ ان کی جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے ۔۔۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے امداد چاہی چنانچہ آپ (حضرت علی) طلحہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے۔ حضرت علیؑ نے کوشش کی کہ حضرت طلحہ اپنی یہ روش چھوڑ دیں۔ لیکن وہ باز نہ آئے ۔۔ حضرت عثمان نے کہا طلحہ تجھ سے خدا حساب لیگا۔ حضرت زبیر نے نہ تو باغیوں کے روکنے میں نمایاں حصّہ لیا اور نہ مخالفین کو ابھارنے اور آمادہ کرنے میں قابل ذکر سرگرمی دکھائی۔ البتہ وہ موقعہ کا انتظار کرتے رہے۔ طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی۔ حضرت علیؑ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی جیسا اس کتاب (فتنۃ الکبریٰ) کے پہلے حصّہ میں گزرا۔

ان (حضرت علیؑ) کو معلوم تھا کہ حضرت طلحہ حضرت عثمان کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں اور جانتے تھے کہ حضرت زبیر نے حضرت عثمان کی مخالفت پر کسی کو اکسایا نہیں لیکن کسی باغی کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں وہ حضرت طلحہ سے کم نہیں"۔

علامہ عمر ابو النصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھتے ہیں :- سعید بن العاص طلحہ و زبیر کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے دوستو اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو اپنا امیر کس کو بناؤ گے۔ دونوں نے کہا ہم جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں گے۔ وہ کہنے لگا تم حضرت عثمان کے بیٹے کو کیوں امیر نہیں بناتے حالانکہ تم انہیں کے انتقام کے نام پر نکلے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کیسے ہو سکتا ہے کہ کبار مہاجرین تو خلافت سے محروم رہیں اور یتیم بچے اس پر قابض ہو جائیں۔ سعید نے یہ سنکر کہا مجھے معلوم ہوگیا تم دونوں خلافت کو اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پروفیسر محمد عبد العلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں :-

"Zubair and Talha's complicity with the rebels that had attacked Osman was strong. Zubair was lukewarm but Talha was openly inciting the rebels against Osman."

صفحہ ۱۳۳ پر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں "حضرت طلحہ و زبیر میں اس بات پر اختلاف تھا کہ نماز کون پڑھائے بڑی مشکل سے اس پر اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت طلحہ پڑھائیں اور ایک دن حضرت زبیرؓ"۔

صفحہ ۲۱۷ پر لکھتے ہیں "پہلے دن سے طلحہ حضرت عثمان کے مخالف تھے اس لئے کہ ان کی بیعت کے موقعہ پر وہ حاضر نہ تھے اور شوریٰ والوں نے انکا انتظار کئے بغیر تصفیہ کر دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو راضی کر لیا اور طرفین کے تعلقات ٹھیک ہوگئے پھر عطیات دیکر حضرت عثمان نے معاملات کو اور بھی ٹھیک کر لیا پھر جب حضرت عثمان کی مخالفت میں زور پیدا ہوا تو جیسا کہ روایت میں آتا ہے وہ مخالفوں کے ساتھ سرگرم ہوگئے اور جیسے ہی مخالفت میں شدت ہوئی تو وہ ہجوم کرنے والوں کی صف میں تھے اور جب عثمان کا محاصرہ کیا گیا تو وہ حلقہ باندھنے والوں میں نظر آئے اور جس دن عثمان شہید کر دیئے گئے تو طلحہ ان لوگوں میں تھے جن کو حضرت علی کے غم عثمان پر حیرت تھی۔ پھر جب حضرت علی کے لئے بیعت ہو چکی تو طلحہ زبیر کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں تھے اس کے بعد وہ زبیر کے ساتھ حضرت عثمان کے خون کے بدلے کا مطالبہ کرنے لگے اور حضرت علیؑ کی بیعت توڑ دی اس کے بعد وہ جنگ جمل کے دن قتل کر دیئے گئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ ان کی موت مروان بن الحکم کے ایک تیر سے ہوئی مروان کہتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کبھی حضرت عثمان کے خون کے بدل کا مطالبہ نہیں کیا۔ مروان کے خیال میں حضرت عثمان کے قتل پر آمادہ کرنے والوں میں طلحہ پیش پیش تھے (مروان کے اس بیان کی روایت طبقات ابن سعد مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ کے صفحہ ۱۴۲ پر بھی کیگئی ہے) اس کے بعد ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں۔

"طلحہ کی مخالفت کا ایک خاص رنگ تھا جب تک دولت اور عزت ملتی رہی خوش رہے جب اس کی زیادہ کی حرص پیدا ہوئی تو مخالفت پر آمادہ ہو کر خود بھی ہلاک ہوئے دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔

بہرحال حضرت طلحہ و زبیر کا کیریر شروع سے آخر تک سیاسی قلابازیوں کا اکھاڑا بنا رہا۔ خود حضرت طلحہ کے بیٹے محمد بن طلحہ نے بھی اعتراف کیا تھا کہ حضرت عثمان کا خون ان کے باپ طلحہ اور حضرت عائشہ پر ہے (عمر ابو النصر علی و عائشہ صفحہ ۱۳۲) اب طلحہ و زبیر انہیں حضرت عثمان کے خون کے انتقام کی دھائی دیتے ہوئے حضرت علیؑ کے مقابل صف آرا تھے جنہوں نے حضرت عثمان کی مخالفت سے باز آنے اور باغیوں کی حمایت نہ کرنے کی طلحہ سے فہمائش کی تھی۔ سیاست اسی کو کہتے ہیں۔ قابل غور ہے کہ یہ مبینہ عشرہ مبشرہ میں سے صحابی ہیں۔

طلحہ اور زبیر کے اس ذکر کے بعد اب ہم جنگ جمل کا باقی واقعہ درج کرتے ہیں:۔

اس اثنا میں عثمان بن حنیف صحابی حضرت علی کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے کچھ لوگ بیچ بچاؤ کرا رہے تھے مگر حضرت عائشہ کی فوج نے موقعہ دیکھ کر شبخون مارا اور عثمان بن حنیف کی مختصر فوج کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی داڑھی کا بال بال نوچ ڈالا۔ رسول کا بوڑھا صحابی اس حال سے حضرت علیؑ کے سامنے پہونچا تو آپ نے فرمایا "میں نے تم کو بوڑھا بھیجا تھا مگر تم جوان ہو کر آگئے"۔

حضرت علی علیہ السلام بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب مقام ربذہ پر پہونچے تو اطلاع ملی کہ حضرت عائشہ معہ طلحہ و زبیر فوج لے کر بصرہ پہونچ چکی ہیں موضع بوقہ میں آپ نے ایک فصیح بلیغ خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:۔ لوگو مجھے تین حالتوں کا سامنا ہے۔ نقض عہد۔ ظلم اور حسد میرے احباب اور بھائی مجھے خلیفۂ رسول نہیں دیکھ سکتے۔ حاسد زوالِ نعمت کا خواہاں رہتا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ لباس خلافت میرے جسم سے نوچ لیں ان لوگوں نے بہ رغبت میری بیعت کی اور قسمیں کھائیں اب ان سے مگر نقضِ عہد اور حسد ظاہر ہو رہا ہے۔

مقام ربذہ سے حضرت علیؑ نے طلحہ و زبیر کو خط لکھا کہ "اے طلحہ و زبیر تم بخوبی جانتے ہو کہ جب تک تم لوگوں نے میری بیعت کا ارادہ نہیں کیا میں نے بھی اس کا قصد نہیں کیا تم دونوں نے کسی کے رعب سے دبکر بیعت نہیں کی۔ اے زبیر تو تو شہسوار قریش ہے اور اے طلحہ تو تو شیخ المہاجرین ہے قبل اس کے کہ تم اسباب میں پڑتے اس کا چھوڑ دینا تمہارے لئے زیبا تھا۔ عثمان کے بیٹے موجود ہیں وہ عثمان کے ولی ہیں اور ان کے خون کا مطالبہ کر سکتے ہیں تم دونوں مہاجرین میں سے ہو۔ تم اپنی والدہ کو گھر سے باہر کھینچ لائے ہو جس میں کہ خدا نے اسے قرار سے بیٹھنے کا حکم دیا ہے اللہ تمہارے لئے کافی ہو والسلام"۔ باوجود حضرت علیؑ کے ان خطوط کے حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کے ادعا سے نہ ٹلے علامہ عمر ابو النصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ پر حضرت علیؑ کے گورنر عثمان بن حنیف کے قاصد ابو الاسود سے حضرت عائشہ کی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے جواب دیا "میں اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گی جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جاؤں گی"۔

بخاری نے باب ۲۹ صفحہ ۸۴۵ پر عبداللہ بن زیاد اسدی سے روایت لکھی ہے کہ جب حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر بصرہ پہونچے تو حضرت علیؑ نے امام حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ روانہ کیا حضرت حسن منبر کے عرشہ پر بیٹھے اور عمار بن یاسر نیچے کی سیڑھی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا عائشہ بصرہ پہونچ گئی ہیں یہ سچ ہے کہ وہ حضرت رسولؐ کی بیوی ہیں لیکن اللہ تم سب کا امتحان لے رہا ہے کہ آیا تم اللہ کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی پیروی۔ نصف جمادی الآخر ۳۶ھ میں دونوں لشکروں کا سامنا ہوا اور حضرت عائشہ جو قبیلہ بنی ازد کے پاس فروکش ہوئی تھیں عسکر نامی اونٹ پر بیٹھ کر جس کو تیندوے کی کھال اور زرہ پہنائی گئی تھی میدان جنگ میں آئیں حضرت علیؑ نے پھر مصالحت کی کوشش کی مگر بے سود عبداللہ بن زبیر نے اپنی فوج کو اکسانے تقریر کی صاحبو علیؑ نے عثمان کو جو خلیفہ برحق تھا قتل کیا۔ اور اب لشکر لے کر آئے ہیں کہ تمہارے اختیارات چھین لیں اور تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں ہمت کرو اور اپنے مظلوم خلیفہ کا بدلہ لو۔ اپنے حرم اپنے زن و فرزند اور حسب نسب کے لئے لڑو۔ علیؑ کی فوج کی طرف سے امام حسن علیہ السلام نے تقریر فرمائی۔

عبداللہ بن زبیر نے میرے باپ کی مذمت کی ہے اور ان کو قاتل عثمان ٹھیرایا ہے۔ تم مسلمان ہو۔ تم میں بہت سے مہاجر و انصار ہیں۔ تم کو خوب معلوم ہے اس کے باپ زبیر بن العوام نے عثمان کو کیا کچھ نہیں کہا اور طلحہ بن

عبداللہ نے بیت المال میں غبن نہیں کیا۔ اس کے باپ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم نے دل سے بیعت نہیں کی۔ لیکن بیعت کرنا تو ثابت ہے۔ دلوں کا حال خدا جانتا ہے۔ اقرار کے بعد انکار قبول نہیں" امام حسن علیہ السلام کے اس خطاب کی سب نے داد دی۔ حضرت علیؑ نے مصالحت کی مزید کوشش کی۔ عبداللہ ابن عباسؓ اور زید بن صوحان کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا۔ مگر وہ بُری طرح برافروختہ تھیں۔ کوئی بات ماننے پر تیار نہ ہوئیں اور یہی کہتی رہیں اب میں علیؑ کی کسی بات کا جواب نہ دونگی۔ ان سے گفتگو میں کون جیت سکتا ہے۔

مخالفین جناب امیر علیہ السلام کے اس نعرہ کا کہ "علیؑ خون عثمان میں شریک ہیں" جواب دیتے ہوئے جسٹس امیر علی لکھتے ہیں:۔

"He (Ali) had nearly sacrificed his own sons in endevours to protect Osman."

آگے چل کر حضرت عائشہ کے متعلق جسٹس امیر علی لکھتے ہیں۔

" This lady (Ayesha) had always borne an inveterate dislike towards the son-in-law of Khadija and now this feeling had gone in to possitive hatred. She was the life and soul of the insurrection and herself accompanied the insurgent troops to the field riding a camel. The Caliph (Ali) in his characteristic aversion to bloodshed sent his cousin Abdullah-Ibne-Abbas to adjure the insurgents by every obligation of the faith to abandon the arbitrament of war but to no avail."

اہل سنت کے مستند عالم شمس الدین فاخوزی سے ایک شخص نے کہا کہ آپ علیؑ کی نسبت کیا کہتے ہیں علیؑ تو حضرت عثمان کے قاتل تھے۔ انھوں نے جواب دیا "وائے بر عثمان کہ قاتل او علیؑ باشد" یعنی اگر حضرت علیؑ عثمان کے قاتل ہوں تو اس عثمان پر وائے ہو کیونکہ ارشادِ رسول ہے کہ علیؑ کو قتل کرنے والا اور علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والا دونوں جہنمی ہیں۔ بہر حال جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ مصالحت کی اُمید نہیں رہی تو لشکر کے سرداروں اور سپاہیوں کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

" صاحبو جہاں تک قدرت تھی میں نے ان کو سمجھایا۔ لڑائیوں کی سختی سے واقف کرایا۔ مگر بے سود۔ قسمیں دیکر کہا کہ

اپنے زن و فرزند پر رحم کرو لیکن بے کار انہوں نے مجھے پیغام دیا کہ لڑائی کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور مردوں کا مقابلہ کرنے نکلو۔ میری ساری عمر نیزہ چلاتے اور تلواریں مارتے گذری ہے میں نے میدان جنگ ہی میں نشو و نما پائی ہے۔ شاید یہ بھول گئے ہیں میں وہی علی ہوں جس نے ان کی صفوں کو پراگندہ کیا ان کے بزرگوں کو قتل اور ان کے جسموں کو پریشان و منتشر کیا۔ وہ تلوار جس نے عرب کے بہادروں کے سر کاٹے ہیں میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کے علاوہ قوی دل مضبوط بازو صبر و یقین سے آراستہ ہوں موت سے بھاگنا ناممکن ہے جو میدان میں نہ مارا جائے گا وہ بھی ایک دن مرے گا۔ میدان میں مارا جانا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بستر پر مرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے تلوار کے ہزار زخم میرے لئے اس سے آسان ہیں کہ میں عورتوں کی طرح بستر پر مروں۔"

"پھر حضرت علیؑ نے اپنی فوج میں باآواز بلند پکار کر ارشاد کیا اے لوگو میں تم کو خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ جنگ میں پہل نہ کرنا کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا اور زخمیوں کا لباس نہ اُتارنا اور لونڈی اور غلام مت بنانا اور کسی کے اسلحہ و سامان اور کپڑوں کو نہ لوٹنا۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر عرض کیا الٰہی تو دانا ہے کہ طلحہ و زبیر نے مجھ سے بیعت کر کے لڑائی کی ہے۔ تو جس طرح چاہے اور جس چیز کے ساتھ چاہے ان دونوں سے میرے حق میں کفالت کر۔ حضرت علیؑ حضرت رسولِ خدا کی سواری خاصہ کے خچر شہبا نامی پر سوار تھے۔ صرف قمیص پہنے اور ردا اوڑھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے زرہ بکتر کچھ نہ تھی آپ دونوں لشکروں کی صفوں کے بیچ میں آ کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا کہ طلحہ اور زبیر کہاں ہیں میرے پاس چلے آئیں۔ زبیر سامنے آئے اور حضرت علیؑ نے ان سے فرمایا اے زبیر تجھے کس نے اس فعل پر ابھارا ہے۔ زبیر نے کہا عثمان کے خون کا بدلہ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تم عثمان کا قصاص مجھ سے طلب کرتے ہو حالانکہ ان کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے آؤ مباہلہ کر لیں تاکہ جو کوئی قتل عثمان میں شریک رہا ہو عذاب میں مبتلا ہو جائے جب انہوں نے مباہلہ سے پہلو تہی کی تو حضرت علیؑ نے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیکر اس روز کا تذکرہ پوچھتا ہوں جب رسول خدا نے تم سے پوچھا تھا کہ تم علیؑ سے محبت رکھتے ہو اور تم سے کہا تھا کہ تو عنقریب علیؑ پر خروج کرنے والا ہے اور تو اس کے حق میں ظالم ہوگا۔ زبیر نے کہا بخدا ایسا ہی ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے ایک اور واقعہ حضرت رسولؐ کے زمانہ کا یاد دلایا۔ رسول خدا نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ زبیر علیؑ پر خروج کرے گا اور ان کے حق میں ظالم ہوگا۔ زبیر نے کہا۔ خدا گواہ ہے یہ امر بھی ہوا ہے مگر میں بھول گیا تھا۔ اب آپ نے مجھے یاد دلا دیا۔ اب میں رسولؐ کے فرمانے کی تصدیق کرتا ہوں اور لوٹ جاتا ہوں یہ کہکر زبیر لوٹ پڑے۔ مگر حضرت عائشہ نے پھر کہا اور زبیر کے بیٹے عبداللہ نے بھی باپ کو بزدل کہا زبیر کو جوش آ گیا اور انہوں نے کہا میں موت سے نہیں ڈرتا میری بہادری کا تماشہ دیکھو۔ یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور علیؑ کے لشکر کا رخ کیا۔ حضرت علیؑ نے اپنے سپاہیوں سے کہا اسے صفوں میں سے نکل جانے دو۔ زبیر نے دو تین مقام پر صفوں کو پار کیا اور پھر کسی کو زخم لگائے بغیر واپس ہوئے اور بیٹے سے کہا یہ بزدلوں کا سا حملہ تھا بیٹے نے کہا حملہ بُرا نہیں تھا مگر بے نتیجہ تھا تم نے کسی کو

مارا نہ کسی نیزہ پر حملہ کیا۔ زبیر بولے میں قسم کھا چکا ہوں کہ علیؑ سے نہ لڑونگا عبداللہ ابن زبیر نے جو اپنی حکومت کی فکر میں لگے ہوئے تھے کہا قسم کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کر دیجئے مکحول نامی ایک غلام آزاد کر دیا گیا اور زبیر کشاں کشاں بادل ناخواستہ پھر صف میں لا کھڑا کئے گئے۔ کچھ دیر بعد زبیر پھر واپس جاتے ہوئے نظر آئے۔

حضرت عائشہ نے ان سے کہا اے زبیر تمہارے بعد فوج کا کیا حال ہوگا۔ زبیر نے کہا کہ قریب ہے کہ میں اپنے قدم دھرنے کی جگہ نہ دیکھ سکوں پھر صف چیر کر راستہ کو روانہ ہوگئے اور تمیم کی قوم (جس سے حضرت ابو بکر کا تعلق تھا) میں جا اترے۔ عمر بن جرموز المجاشعی نے انکی مہمانی کی اور کچھ دن بعد ان کو مار بھی دیا۔ حضرت علیؑ نے طلحہ سے بھی ایسی ہی گفتگو فرمائی اور روایت ہے کہ طلحہ بھی لوٹ گئے مگر مروان بن الحکم نے جو خود ان کے ہی گروہ میں تھا ان کے پاؤں پر تیر مارا اور ان کا پاؤں زخمی ہوگیا تو ایسی حالت میں انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ میرے لئے بصرہ میں ایک مکان خرید لے اور فوج سے چلے گئے اور ایک مکان میں جا اترے اور وہیں مر گئے۔ روایت ہے کہ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے ایک شخص طلحہ کے قریب سے گزرا طلحہ نے کہا کہ جلد اپنا ہاتھ بڑھا کہ میں تیرے ہاتھ پر بیعت کروں۔ مجھے خوف ہے کہ میں مر جاؤں اور میری گردن میں خلیفۂ وقت کی بیعت نہ ہو۔ باوجود ان دونوں صاحبوں کے چلے جانے کے بھی حضرت عائشہ واپس نہ ہوئیں اور ان کی فوج نے تیر اندازی شروع کر دی اور حضرت علیؑ کی فوج کے سپاہی زخمی ہو کر گرنے لگے مگر حضرت علیؑ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم ابھی نہیں ملا تھا۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا ہم چاہتے تھے ہماری طرف سے پہل نہ ہو اور ہم دفاع میں تلوار اٹھائیں اس کے بعد آپ نے آخری تکمیل حجت فرمائی۔ قرآن منگایا اور فرمایا کون ہے جو کہ اللہ کی کتاب لے کر دشمن کی فوج میں جائے اور اس کو کلام الہیٰ کا واسطہ دیکر کہے کہ فتنہ و فساد سے باز آؤ اور احکام قرآنی کا اتباع کرو۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس خدمت کو انجام دینے والا شخص زندہ نہ بچیگا۔ مسلم نامی ایک غلام آگے بڑھا اور جوش میں بھر کر کہنے لگا یہ خدمت میں بجا لاؤں گا۔ اس نے لشکر کی صف کے قریب پہنچکر اعلان کیا یہ قرآن ہے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ رسول کے چچا زاد بھائی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے کہ تم پر حجت تمام کردوں اور اس کے احکام پر چلنے کی دعوت دوں۔ لشکر مخالف سے ایک سپاہی نکلا اور اس نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مار کر مسلم کے دونوں ہاتھ قطع کر دیئے۔ اس نے قرآن کو سینہ سے لگا لیا مگر جب سینہ پر تلوار پڑی تو بے جان ہو کر گر پڑا۔ اب کوئی عذر باقی نہیں تھا۔

علامہ عمر ابو النصر علی و عائشہ صفحہ (۱۸۰) پر لکھتے ہیں سب سے پہلے حضرت طلحہ و زبیر کے لشکر سے ایک فتنہ پرداز نے تیر چلایا۔ جس سے حضرت علیؑ کا ایک آدمی شہید ہوگیا۔ جب لوگ اسے حضرت علیؑ کے پاس لائے تو آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے لڑائی میں پہل نہیں کی اس کے بعد آپ کے لشکر کا ایک اور آدمی شہید ہوگیا حضرت علی نے پھر یہی کہا اے اللہ گواہ رہ کہ میں نے لڑائی میں پہل نہیں کی۔ اس کے بعد عبداللہ بن بدیل کو تیر لگا۔ ان کے بھائی ان کی نعش کو حضرت علی کے پاس لائے۔ حضرت علیؑ نے

تیسری بار کہا۔ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے لڑائی میں پہل نہیں کی۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ حصۂ دوم صفحہ ۴۱ ۳ و ۳۴۲ پر لکھتے ہیں۔ زبیر بلا لڑے واپس ہو گئے۔ طلحہ مروان کے تیر سے زخمی ہو کر کسی اپنے غلام کے ساتھ چلے گئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ لڑائی ختم ہو گئی۔ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی فتحیاب ہوئے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے منادی کرادی زخمی پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے۔ کوئی کسی کے گھر میں نہ گھسے مال و اسباب پر قبضہ نہ کرے۔ کوئی کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اتنے میں سخت شور غوغا کی آواز آئی۔ سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ لوگوں کو آمادہ کر رہی ہیں اور قاتلین عثمان پر لعنت بھیج رہی ہیں اور لوگ بھی لعنت میں ان کی ہمنوائی کر رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے کہا بخدا یہ تو اپنے اوپر لعنت بھیج رہے ہیں۔ انھیں لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے۔۔۔ حضرت عائشہ کا یہ حال کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور سامنے سے لوگوں کو جوش دلا کر آمادہ کر رہی تھیں۔ حضرت علیؑ کے آدمی یہ رجز پڑھتے تھے "اے ماں ہم تمہیں بڑی نامہربان دیکھتے ہیں حالانکہ ماں اپنے بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتی ہو کتنے بہادر زخمی کئے جا رہے ہیں اور ان کے ہاتھ اور کلائیاں کاٹی جا رہی ہیں" حضرت عائشہ نے کنکریاں اٹھا کر ان پر کچھ پڑھا اور تمہارے منہ کالے ہوں کہکر حضرت علیؑ کے لشکر کی طرف پھینکا۔ حضرت علیؑ کی فوج کے ایک سپاہی نے کہا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ الشَّيْطَانَ رَمٰى (یعنی یہ کنکریاں تم نے نہیں بلکہ شیطان نے پھینکی ہیں۔

بعض لوگ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے سر سے جنگ کا الزام ٹالنے جو یہ کہتے ہیں کہ جنگ غیر متوقع طور پر قاتلانِ عثمان نے چھیڑ دی اول تو وہ اس وجہ سے بھی ایک بے معنی بات ہے کہ جنگ کا ارادہ نہ ہوتا تو یہ حضرات سینکڑوں میل مسافت سے ہزاروں کا لشکر تیار کر کے نہ آتے اور لڑائی پر اس طرح مصر نہ ہوتے اور پھر یہ کہ سارے سنی مورخین نے بھی اس قسم کی باتوں کو مہمل قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب کے حصۂ دوم صفحہ (۲۳۶) پر لکھتے ہیں "۔ اس موقعہ پر شیعوں کے بعض غالی مخالف ایک روایت بیان کرتے ہیں جو میرے خیال میں ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ وہ حالات کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اور ایسی باتیں سادہ لوح ہی کیا کرتے ہیں۔ یا پھر وہ تصنع سے کام لینے والے جو تاریخ کی تصویر سے کہیں زیادہ اپنی تصانیف کی تصویر کھینچا کرتے ہیں۔ ان غلو کرنے والوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کا جرم سرزد ہوا وہ مصالحت کی بات سن کر گھبرا گئے اور ڈرے کہ کہیں وہ صلح کی قیمت نہ قرار پائیں۔ قصہ آگے بڑھتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ قوم نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل کیا اور جیسے ہی حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت علیؑ نے صلح کی کاروائی شروع کرنی چاہی ان لوگوں نے جنگ چھیڑ دی۔ اس قصہ کی تردید میں کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں کھلا ہوا تصنع ہے"۔

المختصر مورخین اس پر متفق ہیں کہ جب حضرت علیؑ کی فوج کے کئی آدمی حضرت عائشہ کی فوج کے ہاتھ ہو گئے

ہاتھوں زخمی ہوکر مر چکے اور حضرت علیؑ نے ہر طرح حجت تمام کردی تب کہیں آپ کی فوج نے جوابی حملہ کیا۔
علامہ عمر ابو النصر صفحہ ۲۱۴ پر حضرت علیؑ کی فوج کی حسب ذیل ترتیب درج کرتے ہیں:۔

"حضرت علیؑ کی فوج کے مقدمۃ الجیش کے ایک ہزار کے دستہ کی قیادت ابوایوب انصاری کررہے تھے۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا دستہ تھا جس کی قیادت خزیمہ ابن ثابت انصاری کررہے تھے۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا دستہ تھا جس کی قیادت عمار بن یاسر کررہے تھے۔ اس دستہ میں کئی مہاجر و انصار صحابہ اور ان کے بیٹے شامل تھے۔ اس کے بعد قیس بن سعد بن عبادہ کا دستہ تھا۔ اس دستہ میں بھی انصار اور ان کے بیٹے شامل تھے۔ قیس کے بعد عبداللہ ابن عباس کا دستہ تھا۔ اس دستہ میں بھی کئی صحابہ شامل تھے۔ حضرت علیؑ کے اردگرد آپ کے تین صاحبزادے حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ اور حضرت محمد الحنفیہ، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور بنو ہاشم کے نوجوان تھے۔ ان کے پیچھے وہ صحابہ تھے جو بدر کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے"۔

اس بارے میں دیگر تفصیلی روایتوں کے بموجب میمنہ کے افسر امام حسنؑ میسرہ کے افسر امام حسینؑ اور پیادوں کے سردار محمد بن ابوبکر تھے اور علم لشکر محمد حنیفہ کے ہاتھ میں تھا۔

یہ لڑائی ۱۰ جمادی الثانی ۳۶ھ روز پنجشنبہ کو واقع ہوئی حضرت عائشہ کی تیس ہزار فوج میں سے سولہ ہزار سات سو نوے مارے گئے اور حضرت علیؑ کی بیس ہزار فوج میں سے ایک ہزار ستر مقتول ہوئے۔ بروایتے ساٹھ اور بروایتے ستر آدمیوں کے ہاتھ کٹے جو حضرت عائشہ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ محمد بن طلحہ کے متعلق جو ایک عابد و زاہد جوان مشہور تھے حضرت علی علیہ السّلام نے حکم دیا تھا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ پکڑ لیا جائے۔ مگر اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے وہ بھی زخمی ہوکر جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت امیرؑ نے جب انکی نعش کو دیکھا تو فرمایا اس کے باپ کی اطاعت نے اسے مار ڈالا۔ بالآخر جب حضرت عائشہ کا اونٹ گرا اور ہودج زمین پر آرہا تو ان کی فوج کے اکثر لوگ بھاگ گئے۔ جناب امیر علیہ السّلام نے منادی کرائی کہ کوئی بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے اور زخمیوں کے کپڑے نہ اتارے اور کسی خیمہ میں گھس کر ہتھیار کپڑے یا سامان نہ لوٹے۔ اہل لشکر صرف ہتھیاروں اور جانوروں پر قابض ہو جائیں اور مظلوموں کی متاع و جنس ان کے وارثوں کو پہنچادیں۔ حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابوبکر کو جو حضرت امیرؑ کی فوج کے سرداروں میں شامل تھے حکم دیا کہ حضرت عائشہ کے ہودج کے گرد خیمہ برپا کردیں اور دیکھیں کہ کہیں ان کو کوئی مار تو نہیں لگا ہے۔ محمد بن ابوبکر نے رات کے وقت حضرت عائشہ کو بصرہ میں داخل کیا۔ اور عبداللہ بن حنیف الخزاعی کے گھر میں صفیہ بنت الحارث بن ابی طلحہ جو ام طلحہ الطلحات کے نام سے مشہور تھیں اتارا۔ دوسرے روز علیؑ نے ابن عباسؓ کو بھیجا کہ سمجھا بجھا کر حضرت عائشہ کو مدینہ روانہ کردیں مگر وہ آمادہ نہ ہوئیں۔ تیسرے روز علی خود گئے عبداللہ ابن حنیف کی بیوہ نے جو حضرت عائشہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہا اے جمعیتوں کو پراگندہ کرنے والے اے دوستوں کو مارنے والے خدا تیرے بچوں کو اسی طرح یتیم کرے جس طرح تونے

عبداللہ ابن حنیف کے لڑکوں کو یتیم کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا جس سبب سے تو مجھے دشمن رکھتی ہے اس کے لیے میں تجھے ملامت نہیں کرتا۔ کیونکہ تیرے دادا کو بدر میں اور چچا کو احد میں اور تیرے شوہر کو کل قتل کر چکا ہوں۔ لیکن اگر میں دوستوں کا قاتل ہوتا تو ان سب کو جو اس گھر میں ہیں کبھی کا قتل کر چکا ہوتا۔

تاریخ اعثم کوفی روضۃ الاحباب دفتر دوم اور حبیب السیر جلد اول میں مرقوم ہے اور علامہ صالح کشفی حنفی نے مناقب مرتضوی کے صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ پر اس کو نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے نہایت نرمی سے کہا حضرت رسولؐ کی بیویوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقرن فی بیوتکنّ تھا مگر اے عائشہ تم ایسے امور کی مرتکب ہو جو تمہارے حال کے مناسب نہ تھے حالانکہ حضرت رسولِ خدا سے میری قرابت اور نزدیکی کا حال تم کو معلوم تھا تم نے میرے ساتھ عداوت اور دشمنی کا طریق اختیار کیا اور میرے معاندوں سے موافقت و رفاقت کی۔ جب ام المومنین کا درجہ تم کو حاصل تھا تو پھر کس لیے حدود مقررہ سے روگردانی کی اور آیۂ فسئلوھن من وراء حجاب (پیغمبر کی بیویوں سے پردہ کے پیچھے سے سوال کرو) سے کیوں منحرف ہوئیں۔ جو گزرا سو گزرا اب بہتر و مناسب یہ ہے کہ اپنی خطا پر اصرار نہ کرو اور مدینہ منورہ کی طرف جلد روانہ ہو جاؤ اور وہاں جا کر اس مکان میں جہاں حضرت رسولؐ نے تم کو چھوڑا تھا قیام کرو اور مرتے دم تک اس سے باہر نہ نکلو۔ یہ فرما کر ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب حضرت عائشہ باوجود اس نصیحت کے واپس نہ گئیں تو دوسرے دن امیر المومنین نے شاہزادہ حسنؑ کو بھیجا اور انھوں نے فرمایا امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر اے عائشہ تم اسی وقت مدینہ کو کوچ کی تیاری نہ کرو گی تو وہ عمل درآمد کروں گا جس کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ حضرت عائشہ اسوقت سر میں کنگھی کر رہی تھیں۔ ایک طرف کر چکی تھیں اور دوسری طرف باقی تھی لیکن جب شہزادہ حسن نے یہ پیغام پہنچایا تو بائیں طرف کو بن گوندھا چھوڑ کر فوراً اس جگہ سے اٹھیں اور سواری طلب کی۔ رؤسائے بصرہ کی عورتوں میں سے بنی ہلب کی ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ عبداللہ ابن عباس تمہارے پاس آئے اور تم نے نہایت بلند آواز کے ساتھ ان سے کلام کیا کہ ہم سب نے تمہاری آواز سوال و جواب کے وقت سنی اور وہ غضب ناک ہو کر اٹھ کر چلے گئے، پھر امیر المومنین بہ نفس نفیس خود تشریف لائے اور تم نے ان کے قول پر بھی توجہ نہ کی اب کیا ہو گیا کہا یہ فرزند رسول ہے۔ عورتوں نے کہا صرف اتنی سی بات نہیں ہو سکتی اس میں کچھ راز ہے۔ جب عورتوں نے کرید کر پوچھا تو حضرت عائشہ نے کہا ایک دن علیؑ کے ساتھ ہماری سخت کلامی پر حضرت رسولؐ نہایت غضبناک ہوئے اور علیؑ کی طرف نظر کر کے فرمایا اے علیؑ میں نے اپنی ازواج کا طلاق تمہارے قبضہ اختیار میں دیدیا اور تمہارے سپرد کیا اور تم کو اپنا وکیل کیا ان میں سے جس کو تم میری طرف سے طلاق دیدو گے وہ میرے حبالۂ نکاح سے نکل جائے گی۔ چونکہ آنحضرتؐ نے ہمارے طلاق کا معاملہ مطلقاً علیؑ کے حوالہ کیا ہے اور حیات و ممات میں کچھ فرق نہیں کیا۔ اسوقت علیؑ نے مجھ کو اسی امر پر متنبہ کیا ہے۔ غرض جب عائشہ واپس جانے تیار ہو گئیں تو حضرت امیرؑ نے سواری اور زاد راہ کا سامان کر کے اہل بصرہ کی چالیس عورتیں ساتھ کر کے بہ معیت محمد بن ابوبکر حضرت

عائشہ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ الواحدی میں درج ہے کہ حضرت امیرؑ نے بیس عورتیں قبیلہ عبدالقیس کی حضرت عائشہ کی معیت میں روانہ کیں اور ان کو عمامے اور تلواریں بندھوائیں جب وہ مدینہ پہنچیں تو انھوں نے ظاہر کیا کہ ہم عورتیں ہیں آپ کی حفاظت کے لئے ہم کو لباس مردانہ پہنا کر بھیجا ہے اور اپنے سروں سے عمامے اتار دیئے حضرت امیرؑ کا یہ وہ حسن سلوک اور وہ احتیاط تھی جو خود حضرت عائشہ نے بھی مدینہ سے نکل کر میدان جنگ میں آتے وقت اپنے لئے ضروری نہ سمجھی تھی علامہ ابن ابی الحدید حضرت عائشہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ ولو فعلت بعمر ما فعلت بعلی و شقت اصل مسلمین لقتلها و مزقها اربا اربا ولکن علی کان حلیما کریما۔ یعنی حضرت عائشہ اس طرح کی جنگ حضرت عمرؓ سے کرتیں جیسا کہ انھوں نے حضرت علیؑ سے کی تو حضرت عمرؓ عائشہ کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے لیکن ذات علی حلیم و کریم تھی۔

واشنگٹن اردنگ لکھتا ہے کہ Lives of Successors of Mahomet صفحہ ۲۷۰ پر

" Ayesha might have looked for cruel treatment at the hands of Ali, having been his vindictive and persevering enemy, but he was too magnanimous to triumph over a fallen foe."

جنگ جمل کے متعلق اڈورڈ گبن کا خیال

ایڈورڈ گبن اپنی کتاب دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ پر لکھتا ہے :۔

" طلحہ اور زبیر کی فراری میں پیغمبر کی بیوہ عائشہ بھی ہمراہ تھیں جنھوں نے اپنی عمر کے آخری سانس تک فاطمہ کے شوہر اور اولاد سے ایک ناقابل مفاہمت عداوت کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا۔ سنجیدہ مسلمانوں کی نظر میں یہ بدنامی کی بات تھی کہ مسلمانوں کی اماں جنگ کے کیمپ میں اس طرح اپنے جسم اور خصوصیات کو برملا ظاہر کریں "۔ انگریزی عبارت یہ ہے

'Telha and Zobair were accompanied in their flight by Ayesha, the widow of the prophet who cherished to last hour of her life an implacable hatred against the husband and the prosterity of Fatima. The most reasonable Moslems were scandalised that the mother of the faithful should expose in a camp her person and character'.

علامہ صالح کشفی نے کوکب دری کے صـ۱۳۲ پر حضرت عائشہ کی زبانی روایت درج کی ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جو شخص علی پر خروج کرے وہ کافر ہے اور آتش دوزخ کا زیادہ تر سزاوار ہے حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ جنگ جمل کے دن اس حدیث کو بھول گئی تھی یہاں تک کہ بصرہ میں جاکر مجھ کو یہ حدیث یاد آئی۔ علی کی محبت اور پیروی کیلئے ایک نہیں حضرت رسول ؐ کے سینکڑوں ارشادات ہیں جنمیں سے کئی خود حضرت عائشہ کی زبانی ہیں۔ تعجب ہے کہ انمیں کی ایک حدیث بھی حضرت عائشہ کو یاد نہیں رہی یہ بھی یاد نہ رہا کہ علی کی محبت کے بغیر جنت حرام ہے۔ سب تو سب قرآنی احکام بھی یاد نہ رہے کہ زمانۂ جاہلیت کا طریقہ اختیار نہ کرنا گھر میں قرار سے بیٹھے رہنا قابل غور ہے کہ خلافِ احکام خدا و رسول ؐ مومنین و مومنات کے مولا سے جنگ کرنے میدان میں (انگریزی مورخین کے بموجب بے پردہ) نکل آنا علی سے کس درجہ کی عداوت ظاہر کرتا ہے کہ جسکی بدولت نے احکام خدا و رسول سب بھلا دیئے۔

حضرت عائشہ کا یہ کہنا بھی لائق نظر ہے کہ بصرہ میں جاکر یہ حدیث یاد آئی (کہ جو شخص علی پر خروج کرے وہ کافر ہے) اگر ایسا تھا تو بصرہ پہنچنے کے بعد واپس ہو جاتیں۔ یہ بھی نہیں بلکہ فوج کی کمان کرتے ہوئے حضرت علی پر حملہ کیا اور طلحہ اور زبیر کے میدان سے چلے جانے کے بعد بھی میدان سے نہ ہٹیں بلکہ شکست کے بعد بھی بصرہ سے واپس جانے اسوقت تک آمادہ نہ ہوئیں جب تک حضرت علی نے طلاق دینے کی تہدید نہ فرمائی۔

یہاں ہم ایک شبہ کا ازالہ مناسب سمجھتے ہیں جو بعض لوگوں کو ناشی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ اُمت کی ماؤں میں شامل تھیں اور اس طرح حضرت علی کیلئے لائق احترام تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عائشہ امت کی ماؤں میں سے تھیں تو حسب ارشاد پیغمبر علی امت کے باپ تھے اور پوری امت پر اُنکا حق ایسا تھا جیسا اولاد پر باپ کا حق ہوتا ہے۔ علاوہ امت کے باپ ہونیکے بہ نص قرآنی و ارشاد حضرت رسول ؐ حضرت علی ؑ جملہ مومنین و مومنات بشمول حضرت عائشہ کے مولا و آقا تھے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ شخص تھے جنکو خود حضرت عائشہ کو طلاق دینے کا اختیار حاصل تھا بقول

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔

تاریخ اعثم کوفی، حبیب السیر جلد اول اور روضۃ الاحباب دفتر دوم میں درج ہے اور علامہ کشفی حنفی نے کوکب دری کے صـ۲۰۷ پر اسکو نقل کیا ہے کہ جب سے دنیا قائم ہوئی کسی شخص نے اپنی زوجہ کے طلاق کا اختیار کسی کو نہ دیا بجز اس کے کہ حضرت رسول ؐ نے حضرت امیر کو ایسا اختیار دیا اور فرمایا علی جسکو تم میری طرف سے طلاق دیدو گے اس کا نام نساء النبی کے دفتر سے محو ہو جائیگا۔

یہاں ہم یہ اشارہ مناسب سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ظاہری فتوحات کی چمک سے (جو محض ہوس ملک گیری و طمع دولت کا نتیجہ تھیں) اپنی آنکھیں خیرہ کرنیوالوں کیلئے یہ امر بطور خاص توجہ کا طالب ہے کہ دنیا

رسولؐ سے پچیس ہی سال کے اندر اسلام اس انحطاط کو پہنچ گیا تھا کہ مسلمان وصیٔ رسول سے جنگ کرنے نکل آئے اور مولائے مومنین کا تصور تک بھی ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں باقی نہ رہا۔

فضل ابن روزبھان کا حضرت عائشہ کے متعلق خیال

ایک ناصبی قسم کے عالم فضل ابن روزبہان نے ابطال الباطل کے نام سے ایک کتاب شیعوں کے خلاف لکھی جسکی رد علامہ حلیؒ نے لکھی اور حضرت شہید ثالث قاضی سید نوراللہ شوستری نے احقاق الحق میں اس کا جواب دیا۔ آیت تطہیر کے متعلق ابن روزبہان لکھتے ہیں :۔

"کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہو کل اہلبیتِ رسولؐ کی شان میں خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث پس اس طرح سے علیؑ فاطمہ وحسنین علیہم السلام اور ازواج سب کیلئے شامل ہو گی اور اس شانِ نزول کے موافق رجس یہاں محمول اطہارت پر تمام ذنوب سے نہیں ہے بلکہ رجس سے مراد شرک ہے اور بڑے بڑے فواحش ہیں مثل کبیرہ زنا کے پھر اگر رجس کے معنی گناہ کے لئے جائیں تو عائشہ سے گناہ روزِ جمل کا مواخذہ کیا جائے گا۔"

ابن روزبہان کی معنی آفرینی اور قلابازیاں قابلِ غور ہیں۔ اول تو احادیثِ رسولؐ کے خلاف آیتِ تطہیر میں انھوں نے ازواجِ رسول کو بھی شریک کر دیا۔ مگر چونکہ ان کے خیال میں بھی روزِ جمل عائشہ سے گناہ سرزد ہوا تھا۔ لہٰذا انھوں نے رجس کے معنی ہی بدل دیئے اور اسکو صرف شرک اور زنا وغیرہ گناہ کبیرہ تک محدود کر دیا اور اس غلط تعبیر کے علاوہ آیت کے آخری حصہ ویطہرکم تطہیرا" کو نظر انداز کر دیا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اس طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے"۔ ایسی تطہیر کامل صرف چند گناہوں سے پاکی کی حد تک کیسے ہو سکتی ہے بہرحال ابن روزبہان اول تو حضرت عائشہ کو آیتِ تطہیر میں داخل کر دیا اور پھر آیت میں باقی رکھنے کی یہ تدبیر نکالی کہ رجس کے معنی شرک یا زنا کے لئے جائیں اور دیگر گناہ کے نہ لئے جائیں۔ اس طرح روزبہان کی نظر میں عائشہ کا گناہ چونکہ شرک یا زنا سے کم تھا مگر پھر بھی گناہ تھا اسلئے یہ گناہ کرنے اور قابلِ مواخذہ ہونے کے باوجود بھی وہ بھی وہ آیتِ تطہیر میں داخل ہیں۔ یعنی کوئی گناہ بھی کرتا جائے اور مطہر کا مطہر رہے۔ اتنا تو خیر ضرور ہوا کہ روزبہان جیسے دشمنِ اہلبیت نے بھی لکھ دیا کہ عائشہ نے روزِ جمل گناہ کیا اور اس کیلئے روزِ قیامت مواخذہ دہ ہیں۔ مسلمہ ہے کہ آیتِ تطہیر ہر قسم کے رجس و لوث سے مبرا و منزہ ہونیکی ضمانت دیتی ہے۔ یہ امر کہ حضرت عائشہ گناہ کی مرتکب ہوئیں خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آیتِ تطہیر میں شامل نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی اور زوجۂ رسول شامل ہے۔

مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی کتاب نورِ علی نور معہ مطہر فتنۃ الکرامہ مطبوعہ دہلی ص ۵۰۹ پر لکھتے ہیں " اگر امامت اصولِ دین سے ہوتی محاربہ جمل ہی نہیں بلکہ وہ حسد اور کینہ جو بہ حیاتِ رسول حضرت عائشہ کے دل میں تھا جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ کبھی وہ آپ (علیؑ) کو امام نہ جانتی تھیں موجب کفر ہوتا۔ امامت اصولِ دین ہے یا نہیں یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ مگر یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے کینہ اور حسد حضرت رسولؐ کی زندگی ہی سے رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ کی جنگ جمل کی یہ کاروائی عقل وفہم سے بالکل دور ہے۔ یا تو حضرت عثمان کے متعلق وہ فرمایا کرتی تھیں کہ اقتلو النعثل قتل اللہ نعثلا فقد کفر یعنی اس بڈھے یہودی کو قتل کر ڈالو خدا اس کو قتل کرے یہ کافر ہو گیا ہے یا جب باغیوں نے خود حضرت عائشہ کے اکسانے اور ایما پر ان کو قتل کر دیا تو حضرت علی علیہ السلام کو قتل عثمان میں شریک قرار دے کر ان سے خون کا مطالبہ کرنے چلیں اور جنگ آزما ہو گئیں۔ خود حضرت عائیشہ ہی کی زبانی روایت ہے کہ رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو سید العرب فرمایا تھا اور رسول اللہ کے متواتر ارشادات علیؑ کا مومنین کا سرپرست اور کل مومنین ومومنات کا مولا ہونا اور ان کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہونا حضرت رسول کا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی اور علیؑ کا قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہونا فرمانا حضرت عائشہ کے علم سے باہر تصور نہیں کئے جاسکتے اور اب تو ظاہر اعتبار سے بھی حضرت علیؑ کی بیعت لوگوں نے بہت کچھ اصرار کر کے خود کی تھی اور آپکی خلافت ظاہری بھی قائم ہو چکی تھی اور خود طلحہ وزبیر جو آپ کے ساتھ آئے تھے پہلے حضرت علیؑ کی بیعت کر چکے تھے۔

قرآن شریف کا وہ واضح حکم بھی اپنی جگہ پر موجود تھا جو سورہ احزاب کی آیت ۲۸ اور ۳۲ میں ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ؁ یعنی اے رسولؐ اپنی بیبیوں سے کہدو کہ اگر تم لوگوں کو حیات دنیا اور زینت دنیا پسند ہے تو ادھر آؤ تم کو کچھ ساز وسامان دیدوں اور عنوان شائستہ سے رخصت کر دوں۔ پھر آیت ۳۲ ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی۔ یعنی اور اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح زمانِ کافرہ کی روش اختیار نہ کرو۔ فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری مولانا فقیر اللہ صاحب کے پارہ ۱۲ صفحہ ۳۶ پر یہ حدیث درج ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ نہ خلوت کرے کوئی مرد ساتھ عورت کے یعنی مرد اور اور عورت اجنبی ایک مکان میں تنہا جمع نہ ہوں اور نہ سفر کرے کوئی عورت مگر اس کے ساتھ کہ اس کا محرم ہو۔

حضرت عائشہ کے ساتھ اس پورے سینکڑوں میل لمبے سفر میں کوئی محرم نہ تھا۔ بلکہ یہ سفر طلحہ وزبیر وغیرہ نامحرموں کے ساتھ (خواہ پردہ کی پابندی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو) تھا۔ اور یہ بجائے خود ارشاد رسول کی خلاف ورزی تھی اور پھر حضرت طلحہ وہ تھے جو پردہ کے حکم سے پہلے حضرت عائشہ کو دیکھ چکے تھے اور یہ کہتے تھے کہ محمد کے انتقال کے بعد میں عائشہ سے نکاح کروں گا (تفسیر فتح القدیر سورہ احزاب) خود حضرت امیرؑ نے اپنے خط میں اس امر کو حضرت عائشہ پر واضح فرما دیا تھا کہ اپنے گھر کو چھوڑ کر آپ کا اس طرح نکلنا ہرگز زیبا نہیں اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ خون عثمان کی آپ مجھ پر مدعی ہیں تو آپ کو قبیلہ بنو امیہ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے آپ بنی تمیم سے ہیں اور اگر مجھ سے خون عثمان کا مطالبہ ہے تو حضرت عثمان کے بیٹے اس ادعا کو پیش کرنے موجود ہیں۔ یہ بات سمجھ سے باہر کہ حضرت عائشہ نے ایسے واضح امور کیوں دھیان نہ دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے آپ کو ایسی کیا مخالفت تھی۔ علیؑ سے بغض رکھنے والے کو

رسول اللہ نے صاف طور پر منافق بھی فرما دیا تھا۔ پھر حواب کے کتوں کے بھونکنے پر آپ متوجہ ہو جا سکتی تھیں۔ اگر حضرت طلحہ و زبیر نے جھوٹی قسم کھائی بھی تھی کہ یہ مقام حواب نہیں ہے تو رسول خدا کا یہ ارشاد خود واضح کر رہا تھا کہ وہ یہی موقعہ ہے کہ رسول اللہ کی ایک بیوی اپنے گھر سے نکلے گی اور اس پر کتے بھونکیں گے اور وہ بر سر خطا ہوگی۔ جب جنگ ہی ٹھہری اور تلوار اور تیر چل رہے تھے اور محض کوئی مذاق تو نہ تھا تو اس صورت میں کوئی تیر یا حربہ حضرت علیؑ پر آجاتا اور آپ کی شہادت واقع ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری حضرت عائشہ پر عائد ہوتی یا نہیں۔ خون عثمان کا مطالبہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے بر سر پیکار تھیں ہی اور حضرت علیؑ کی طرف کے بھی ایک ہزار ستر آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے۔ یہ اتفاق تھا کہ حضرت علیؑ پر کوئی حربہ نہ آنے پایا حالانکہ تیر باراں برابر ہو رہی تھی اور آپ صرف قمیص پہنے اور رداڈالے عمامہ باندھے دونوں لشکروں کے بیچ میں تشریف فرما تھے۔ نہ زرہ تھی نہ بکتر نہ مغفر۔ غور کیا جائے تو درحقیقت عائشہ کی امام زمانہ سے یہ جنگ وہی فتنہ تھا جس کی طرف حضرت رسول خدا نے بہت ہی واضح اشارہ فرما دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے:

صحیح بخاری المسمیٰ بہ تیسیر البخاری مترجمہ مولوی وحید الزماں صاحب مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کے پارہ ۱۲ کتاب جہاد و سیر کے صفحہ ۶۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے تین بار فرمایا کہ ادھر ہی سے فتنے نکلیں گے۔ یہیں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔ اسی کے ہم معنی حدیث صحیح بخاری جلد دوم پارہ (۱۲) کتاب الجہاد مترجمہ عبدالدائم الجلالی البخاری مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی کے صفحہ ۵۹ سلسلہ ع ۳۹۹ پر بالفاظ ذیل درج ہے:۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اقدس خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے۔ دوران خطبہ میں حضرت عائشہ کے حجرہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے تین بار فرمایا کہ ادھر سے جہاں شیطان کا سینگ نکلتا ہے (یعنی مشرق کی طرف سے) فتنہ پیدا ہوا ہوگا۔

حضرت عائشہ کے غلام ابورافع سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ خدا دشمنی رکھتا ہے اس شخص سے جو علیؑ سے دشمنی کرتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے نفس کو گوارا ہی نہ تھا کہ حضرت علیؑ کا ذکر کسی امر خیر میں ہو۔ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ اس بات پر قادر ہی نہ تھیں کہ حضرت علیؑ کا کوئی ذکر خیر کر سکیں۔ اسی مضمون کی حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے۔

الجنیدی نے معاذۃ الغفاریہ رضی اللہ عنہا صحابیہ سے روایت کی ہے کہ مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت انس تھا۔ میں اکثر سفر میں حضرت کے ساتھ رہا کرتی تھی اور مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں رسالت مآب کی خدمت میں گئی۔ آپ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر میں رونق افروز تھے۔ علیؑ اس وقت حضرت کے پاس موجود تھے۔ میں نے سنا کہ حضرت رسولؐ بی بی عائشہ سے فرما رہے ہیں کہ یا عائشہ یہ شخص سب لوگوں سے مجھے پیارا ہے اور زیادہ تر مکرم ہے۔ اس کے حق کو پہچانو اور اس کی عزت

رسول اللہؐ نے صاف طور پر منافق بھی فرما دیا تھا۔ پھر حَواب کے کتوں کے بھونکنے پر آپ متوجہ ہو جا سکتی تھیں۔ اگر حضرت طلحہ و زبیر نے جھوٹی قسم کھالی بھی تھی کہ یہ مقام حَواب نہیں ہے تو رسول خدا کا یہ ارشاد خود واضح کر رہا تھا کہ وہ یہی موقعہ ہے کہ رسول اللہ کی ایک بیوی اپنے گھر سے نکلے گی اور اس پر کتے بھونکیں گے اور وہ برسرِ خطا ہوگی۔ جب جنگ ہی ٹھہری اور تلوار اور تیر چل رہے تھے اور محض کوئی مذاق تو نہ تھا تو اس صورت میں کوئی تیر یا حربہ حضرت علیؑ پر آجاتا اور آپ کی شہادت واقع ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری حضرت عائشہ پر عائد ہوتی یا نہیں۔ خونِ عثمان کا مطالبہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے برسرِ پیکار تھیں ہی اور حضرت علیؑ کی طرف کے بھی ایک ہزار ستر آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے۔ یہ اتفاق تھا کہ حضرت علیؑ پر کوئی حربہ نہ آنے پایا حالانکہ تیر باراں برابر ہو رہی تھی اور آپ صرف قمیص پہنے اور رِدا ڈالے عمامہ باندھے دونوں لشکروں کے بیچ میں تشریف فرما تھے۔ نہ زرہ تھی نہ بکتر نہ مغفر۔ غور کیا جائے تو درحقیقت عائشہ کی امام زمانہ سے یہ جنگ وہی فتنہ تھا جس کی طرف حضرت رسول خدا نے بہت ہی واضح اشارہ فرما دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے:

صحیح بخاری اُردو مسمّٰی بہ تیسیر البخاری مترجمہ مولوی وحید الزماں صاحب مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کے پارہ ۱۲ کتاب جہاد و سیر کے صفحہ ۲۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ ادھر ہی سے فتنے نکلیں گے۔ یہیں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔ اسی کے ہم معنی حدیث صحیح بخاری جلد دوم پارہ (۱۲) کتاب الجہاد مترجمہ عبدالدائم الجلالی البخاری مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی کے ص۸۵ سلسلہ ع۳۹۹ پر بالفاظ ذیل درج ہے:۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک بار حضورِ اقدس خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے۔ دورانِ خطبہ میں حضرت عائشہ کے حجرہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ ادھر سے جہاں شیطان کا سینگ نکلتا ہے (یعنی مشرق کی طرف سے) فتنہ پیدا ہوا ہوگا۔

حضرت عائشہ کے غلام ابورافع سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ خدا دشمنی رکھتا ہے اس شخص سے جو علیؑ سے دشمنی کرتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے نفس کو گوارا ہی نہ تھا کہ حضرت علیؑ کا ذکر کسی امرِ خیر میں ہو۔ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ اس بات پر قادر ہی نہ تھیں کہ حضرت علیؑ کا کوئی ذکرِ خیر کر سکیں۔ اسی مضمون کی حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے۔

الجندی نے معاذۃ الغفاریہ رضی اللہ عنہا صحابیہ سے روایت کی ہے کہ مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت انس تھا۔ میں اکثر سفر میں حضرت کے ساتھ رہا کرتی تھی اور مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں رسالت مآب کی خدمت میں گئی۔ آپ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر میں رونق افروز تھے۔ علیؑ اس وقت حضرت کے پاس موجود تھے۔ میں نے سنا کہ حضرت رسولؐ بی بی عائشہ سے فرما رہے ہیں کہ یا عائشہ یہ شخص سب لوگوں سے مجھے پیارا ہے اور زیادہ تر مکرم ہے۔ اس کے حق کو پہچانیو اور اس کی عزت

کیجیو۔ جب ماجرائے جمل میں جو کچھ حضرت علیؑ اور حضرت عائشہ کے درمیان گزرنا تھا گزر چکا اور وہ مدینہ میں واپس آگئیں میں ان کی خدمت میں گئی اور میں نے ان سے کہا یا ام المومنین آج آپ کے دل کی کیا حالت ہے بعد اس کے کہ آپ سن چکی تھیں کہ حضرت رسولؐ نے آپ سے جناب امیرؑ کی نسبت کیا کچھ فرمایا تھا۔ ام المومنین فرمانے لگیں میرے دل کی حالت ایسے شخص کیلئے کیا ہوتی کہ جب کبھی وہ ہمارے پاس تشریف لاتے اور میرے والد حضرت ابوبکر میرے پاس ہوتے اور میرے والد ان کے چہرے سے نگاہ نہ پھیرتے اور میں نے ان سے کہا کہ آپ ہمیشہ علیؑ کے چہرہ کو دیکھتے رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے فرمانے لگے میں نے جناب رسالت مآب کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔

اس روایت کے اعتبار سے دو امور قابل غور ہیں (۱) حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کے بارے میں، لوگوں کو فہمائش کیا کرتے تھے کہ علیؑ مجھے سب سے پیارا ہے اور زیادہ ترمکرم ہے لوگ اس کے حق کو پہچانیں اور اس کی عزت کریں (۲) حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو بتاتے ہوئے حضرت عائشہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ علیؑ حضرت رسولؐ کو سب سے زیادہ پیارے اور زیادہ ترمکرم ہیں اور حضرت عائشہ علیؑ کے حق کو پہچانیں اور ان کی عزت کریں۔

ایسی واضح اور راست فہمائش کے بعد بھی یہ امر قابل غور ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کو ایسی کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی کہ تیس ہزار کی فوج تیار کر کے میدان جنگ میں جا کر حضرت علیؑ پر حملہ فرمائیں۔ حالانکہ یہ امر ان عورتوں کو بھی کھٹکا جنہوں نے حضرت رسولؐ کی یہ فہمائش حضرت عائشہ کو کرتے سنا تھا اور چنانچہ جمیر جس عورت نے سنا تھا جا کر حضرت عائشہ سے بطور خاص سوال بھی کیا۔

حضرت عائشہ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نادم تھیں اور پھر یہ بھی بیان کیا کہ حضرت علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا بھی عبادت ہے اور اس وجہ سے آپ کے والد حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کے چہرہ پر سے نگاہ نہ ہٹاتے تھے۔

علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں۔

"حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا اور ان سے معافی چاہ لی تھی۔ متعدد روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر نادم تھیں اور ندامت کا انہوں نے بارہا لوگوں کے سامنے اظہار کیا۔ چنانچہ وہ کہا کرتی تھیں "کاش میرے بطن سے رسول اللہ کے دس لڑکے ہوتے اور وہ سارے کے سارے مر جاتے لیکن میں جنگ جمل میں نہ جاتی"۔

علامہ موصوف صفحہ ۱۹۰ پر یہ بھی لکھتے ہیں:- جنگ جمل کے بعد ایک عورت ام اوفیٰ عبدیہ حضرت عائشہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ام المومنین آپ کا اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے چھوٹے بچے مار ڈالے۔ حضرت عائشہ نے کہا اس پر دوزخ واجب ہے۔ ام اوفیٰ نے کہا پھر آپ اس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہیں جس نے اپنے دس ہزار جوان بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت عائشہ نے کہا اس دشمن خدا کو میرے

پاس سے نکال دو۔
المتقی نے کنز العمال میں عروہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ سب لوگوں سے کون حضرت رسول کا پیارا تھا۔ فرمایا علیؑ میں نے کہا پھر ان پر آپ کی چڑھائی کا کیا سبب تھا۔ فرمانے لگیں تیرے باپ نے تیری ماں سے کیوں شادی کی تھی۔ میں نے کہا یہ خدا کی تقدیر تھی فرمانے لگیں پس وہ بھی خدا کی تقدیر تھی۔ اسی قسم کی روایت ریاض النضرہ میں طبری نے مجمع سے کی ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت عائشہ کی خدمت میں گیا اور جنگ جمل کی وجہ پوچھی فرمانے لگیں یہ خدا کی تقدیر تھی۔ پھر میں نے جناب امیرؑ کی نسبت پوچھا تو ملنے لگیں تو نے ایسے شخص کی نسبت پوچھا ہے جو آنحضرت کو سب لوگوں سے زیادہ پیارا تھا۔

حضرت عائشہ نادم ہو چکی تھیں تو خیر بات رفت و گزشت ہوئی تھی بشرطیکہ آپ آئندہ ان ازشتہ رسولؐ کو اپنے دھیان میں رکھتیں مگر تاریخی شواہد کچھ اور کہتے ہیں۔ جب امام حسن علیہ السّلام کی شہادت ہوئی اور ان کی وصیت کے بموجب جب امام حسین علیہ السلام اپنے برادر بزرگوار کو حضرت رسولؐ کے پائنتی دفن کرنا چاہتے تھے حضرت عائشہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور نتیجتاً امام حسن علیہ السّلام کے جنازہ پر تیر برسائے گئے اور کئی تیر آپ کے جسم مردہ میں پیوست ہو گئے اور بالآخر آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا گیا۔ حالانکہ حضرت عائشہ نے اپنے والد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھی حضرت رسولؐ کے بازو دفن کئے جانے کی اجازت نہایت کشادہ دلی سے دی تھی جس کی صریحی روایتیں سیوطی میں موجود ہیں۔ صاحبان ایمان غور فرما سکتے ہیں کہ رسول خدا کے جگر گوشہ سردار اہل جنت سے اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے دفن ہونے کے معاملہ میں یہ تعارض کس عنوان کی کارروائی ہے۔ کوئی ایک منفرد واقعہ کسی ایک آدھ شخص واحد کا ہو تو کوئی خطا و نسیان و تقاضائے بشری کی غلطی پر محمول کر بھی لے مگر جہاں اس قسم کے واقعات کا ایک سلسلہ لامتناہی ہو اور نہ صرف کسی ایک آدھ کی جانب سے بلکہ متعدد نمایاں شخصیتوں کی طرف سے یہ متواتر عمل ہوں تو صاحبانِ نظر ان سب کو ملا کر دیکھنے سے کیوں قطع نظر کریں گے اور ان واقعات کے ربط باہمی کو کیسے نظر انداز کر دیں گے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت حفصہ بھی حضرت عائشہ کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنا چاہتی تھیں مگر ان کے رشتہ داروں نے میدان جنگ میں جانے سے روک دیا سوائے حضرت عائشہ کے رسولؐ کی کوئی اور بیوی مرتے دم تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ تیسر البخاری پارہ ۱۶ کتاب مغازی صفحہ ۹۵ پر روایت ہے کہ حضرت ام سلمٰی مرتے دم تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں جہاں کہ بوقت وفات رسول خدا آپ تھیں۔

حضرت سودہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ کے عزیزوں نے حج کے لئے چلنے کہا۔ حضرت سودہ نے کہا حج ایک مرتبہ فرض ہے سو میں حیات رسول اللہ میں کر چکی۔ اب میں رسول اللہ کے اس حکم کی پابند ہوں کہ میرے بعد گھر سے باہر نہ نکلنا یورو پین محققین کی رائے ہم نے اس کتاب میں دوسری جگہ درج کی ہے کہ حضرت عائشہ

خاندانِ رسولؐ کی سخت ترین دشمن تھیں اور وفاتِ رسول کے بعد انہوں نے اپنی ساری زندگی علیؑ اور اولادِ علی کو خلافت سے دور رکھنے کی سازشوں اور جنابِ سیدہ کی ایذا رسانی میں گذاری۔

مولوی عبیداللہ امرتسری نے اپنی کتاب ارجح المطالب میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عائشہ بلا ارادہ لڑائی میں پھنس گئیں۔ انہوں نے بعض لوگوں کا یہ قول درج کرکے کہ اگر جناب امیر علیہ السلام سے امیر معاویہ کے محاربہ کو معصیت قرار دیا جائے تو حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر کے محاربہ کو بھی معصیت قرار دینا پڑے گا اس طرح صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اصحاب جمل کی غرض امیر معاویہ کی غرض سے بالکل متبادل تھی اصحاب جمل میں سے کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے بعض علماء نے ان کے باغی قرار دئے جانے میں تامل کیا ہے اور امیر معاویہ کو باغی اوّل قرار دیا ہے۔ شرح مقاصد میں علامہ سعدالدین تفتازانی لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ جس شخص نے اسلام میں سب سے اوّل بغاوت کی ہے وہ معاویہ ہیں۔ اس کے بعد مولوی عبیداللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اصحاب جمل میں سے کسی صاحب نے بالارادہ جناب امیر علیہ السلام سے جنگ نہیں کی بلکہ قاتلانِ حضرت عثمان کی فتنہ پردازی سے رات کو لڑائی شروع ہوگئی تو ناچار اصحابِ جمل دفاع یعنی حفاظت خود اختیاری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ہم اس بات کو صاحبانِ فکر کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو یہ توجیہہ اسوقت درست ہوتی جب حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر پر کسی نے حملہ کیا ہوتا۔ حضرت عائشہ کا قیام کہاں مدینہ میں خانہ رسول میں تھا اور کہاں وہ تیس ہزار کا لشکر جمع کرکے حضرت علیؑ پر حملہ کرنے سیکڑوں میل کا سفر طے کرکے بصرہ پہنچ گئیں حضرت علی علیہ السلام کے واضح طور پر متنبہ کرنے کے باوجود کہ ان کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ اپنے سے ایک غیر متعلق امر کے لئے رسولؐ کے گھر کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں آئیں غلطی سے آبھی گئی تھیں تو فوراً واپس چلی جاتیں۔ واپس جانے کی بجائے باوجود سمجھانے کے بھی وہ لڑائی پر مصر رہیں، اپنے گھر سے نکل کر سیکڑوں میل کی مسافت طے کرکے تیس ہزار کے لشکر کیساتھ حضرت علیؑ کے مقابلہ پر آنا خود ظاہر کرتا ہے کہ یہاں حفاظت خود اختیاری کا کوئی سوال نہ تھا۔ بلکہ یہ تو علانیہ دوسرے پر حملہ تھا۔ اگر حضرت عائشہ کے مکان پر یا کم از کم ان کے شہر پر جاکر کوئی حملہ کرتا تو حق حفاظت خود اختیاری کی بحث پیدا ہوتی۔ مولوی عبیداللہ صاحب نے غرض جنگ علٰحدہ علٰحدہ ہونے کی بناء پر معاویہ اور حضرت عائشہ کی جنگ میں اصولی اعتبار سے فرق کرنے کی کوشش کی ہے۔ غرض اپنی اپنی جگہ ناجائز اور غلط ہو تو حضرت علیؑ کے مقابلہ میں وہ جنگ یقیناً معصیت کی تعریف میں آ جائیگی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر حملہ آور کی ایک ہی غرض ہو۔ معاویہ نے اپنی خلافت قائم کرنے حضرت علیؑ پر حملہ کیا تو حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کو خونِ عثمان میں شریک بیان کرکے یعنی ایک کھلا ہوا جھوٹا الزام لگا کر طلبی قصاص عثمان کے حیلے سے حملہ کیا۔ ناجائز حملہ تو حضرت علی علیہ السلام پر دونوں صورتوں میں کیا ہی گیا۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ حملہ کی

غرض خود خلیفہ بننا نہ تھی اس لئے وہ حملہ جائز ہے۔ حضرت رسول کا یہ واضح ارشاد ہر ایک کیلئے تا قیامت برقرار ہے کہ جو علیؑ سے لڑے میں اس سے لڑنے والا ہوں۔ اب جس جس نے بھی جس جس پیرایہ میں حضرت علیؑ سے لڑائی کی ہو روز قیامت حضرت رسولؐ سے لڑنے تیار ہو جائے۔

جنگِ صفین

جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جب حضرت علی علیہ السّلام نے حضرت عثمان کے مقرر کردہ عاملین کو واپس طلب فرمایا اور اس مضمون کا خط معاویہ کے پاس بھیجا تو تین مہینہ تک تو انہوں نے جواب نہ دیا اور پھر ایک سادہ کاغذ لفافہ میں ڈال کر حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا اور ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر تیار کر کے حضرت علیؑ سے جنگ کرنے شام سے روانہ ہوئے اور مقام صفین پر پہنچکر دریائے فرات کے کنارے بہترین مقام دیکھ کر اپنے لشکر کو صف آرا کر دیا۔ کمال الدین بن طلحہ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ صفین کی لڑائی میں جناب امیر علیہ السلام کو متعدد واقعات پیش آئے جن کا کا ہر ایک واقعہ ایسا ہے کہ جس کے سُننے سے بہادر آدمی کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے معرکہ جمل سے فراغت پاکر کوفہ کا قصد کیا اور حضرت عثمان کے عامل ہمدان جریر بن عبداللہ بجلی اور عامل آذربائیجان اشعث بن قیس کو بلا بھیجا اور ان سے بیعت لے کر اپنے عہدہ پر بدستور رہنے دیا۔ پھر بصرہ سے آپ باہر نکلے اور معاویہ اور اہل شام کی لڑائی کے لئے لوگوں سے نصرت کے خواہاں ہوئے اور فوج آراستہ کر کے معاویہ کے مقابلہ کو نکلے۔

حضرت امیرؑ نے اولا ابو عمر اور بشر بن محض انصاری اور سعد بن قیس ھمدانی اور شبیب بن ربعی التمیمی کو بلا کر کہا تم اس شخص یعنی معاویہ کے پاس جاؤ اور اس کو خدا کی طرف بلاؤ اور جماعت کی طرف دعوت کرو۔ شاید کہ خدا اسے ہدایت کرے اور اس امت کے باہمی فرق کو مٹادے۔ یکم ذالحجہ ۳۶ھ کو یہ لوگ معاویہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے معاویہ دنیا تجھ سے زائل ہونے والی ہے اور خدا تجھ سے حساب لینے والا اور جزا دینے والا ہے۔ میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس اُمّت میں تفرقہ مت ڈال اور لوگوں کا خون زمین پر مت گرا۔ معاویہ نے ان کی گفتگو کی طرف التفات نہ کر کے کہا تم یہاں سے چلے جاؤ میرے پاس تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے واپس آکر جناب امیر کو یہہ جواب سنا دیا۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے پہلے سے صفین پہنچکر اپنے لشکر کیلئے ایک عمدہ موقعہ اختیار کر لیا۔ فرات پر اُترنے والے کیلئے اس گرد و نواح میں اس سے بہتر جگہ نہ تھی۔ اس مقام کے سوا وہاں بڑے بڑے اونچے ٹیلے تھے جہاں سے گھاٹ دور تھا اور پانی کا لینا دشوار تھا۔ معاویہ نے ابوالاعور السلمی کو چالیس ہزار آدمی کے ساتھ گھاٹ کی راہ بندھ کرنے متعین کر دیا۔ جناب امیرؑ اور آپ کے لشکر کے نوے ہزار عراق کے باشندے وہاں پہنچکر تلواریں اپنے کندھے پر دھرے ہوئے تمام رات پیاسے پڑے رہے۔

معاویہ کے ساتھیوں نے کہا کہ ان لوگوں کو بھی پانی پینے کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ معاویہ نے جواب دیا واللہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جناب امیرؑ نے صعصعہ بن صوحان کو بطور ایلچی معاویہ کے پاس بھیجا کہ تم کو لازم ہے کہ ہمارے فوجیوں کو پانی بند نہ کرو۔ معاویہ نے انکاری جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت امیرؑ نے مالک اشتر اور اشعث ابن قیس کو حکم دیا چار ہزار سوار لیکر معاویہ کے لشکر میں گھس جاؤ اور اپنے آدمیوں کو پانی پلاؤ ہم باقی سوار و پیادے پیچھے آتے ہیں۔ اشعث وہاں سے روانہ ہوئے اور جناب امیرؑ پیچھے سے آدمیوں کو لئے ہوئے معاویہ کی فوج میں گھس گئے اور ابوالاعور کی فوج کو گھاٹ کے راستہ سے ہٹا دیا اور جس مقام پر معاویہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں جا اُترے۔ معاویہ نے ابوالعاص سے کہا اس شخص کی نسبت تیرا کیا خیال ہے جس طرح سے ہم نے اس کو پانی سے روک رکھا تھا یہ بھی ہمیں روک دیگا۔ عمر ابن العاص نے جواب دیا۔ وہ ہرگز مروت کی آبروریزی نہ کرے گا اور تیری طرح پانی بند نہ کرے گا۔ معاویہ نے جناب امیرؑ کی خدمت میں بارہ آدمی بشمول مقاتل بن زید و داؤد بکری بھیج کر گھاٹ کی آمد و رفت اور اپنے لشکر کے لئے پانی پینے کے واسطے اذن مانگا۔ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو اذن عطا فرمایا۔ اور آپ کی پیشانی پر شکن بھی نہ آئی۔ مقاتل بن زید اور داؤد بکری جناب امیر کی نصیحت سے متاثر ہو کر تائب ہوئے اور آپ ہی کے لشکر میں رہ گئے۔ باقی دس معاویہ کے پاس واپس ہوئے۔ معاویہ نے پانی کی اجازت مل جانے کے بعد چھاپہ مار حملوں کا طریقہ اختیار کیا۔ خود تو اپنے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے اور حضرت امیرؑ کے سامنے نہ آتے۔ مختصر دستے حملہ کیلئے بھیجتے جناب امیر علیہ السلام نے ربیعہ اور ہمدان کے قبیلہ والوں سے کہا تم میری زرہ اور میرا نیزہ ہو۔ ان میں سے قریب بارہ ہزار آدمی جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ ہوگئے آگے جناب امیر خچر پر سوار تھے۔ سب نے متفق ہو کر حملہ کیا اور اہل شام کی فوجوں کو تتر بتر کر دیا۔ پھر جناب امیرؑ نے چلا کر فرمایا اے معاویہ یہ لوگ ہمارے درمیان کیوں مارے جائیں تو خود فوج سے باہر نکل آ۔ تاکہ میں خدا کے سامنے تجھ سے لڑوں۔ جو شخص ہم دونوں میں سے اپنے حریف کو مار ڈالے تمام اُمور اسی کی ذات سے متعلق ہو جائیں۔ عمر بن العاص نے معاویہ سے کہا۔ حضرت علیؑ نے انصاف کی بات فرمائی ہے۔ معاویہ نے کہا لیکن تو نے انصاف کی نہیں کہی۔ تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ کوئی شخص ان کے مقابلہ پر نہیں گیا کہ قتل نہیں ہوا۔ عمر بن العاص نے کہا تجھے ان سے مقابلہ نہ کرنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ معاویہ نے کہا تیری ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے بعد تجھے شام کی امارت کی طمع پیدا ہو گئی ہے۔

صفین کے متعلق گبن کا بیان

ایڈورڈ گبن اپنی کتاب دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر جلد ۲ کے صفحہ ۲۳ پر جنگ صفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کیلئے علی نے یہ فیاضانہ پیشکش کیا کہ معاویہ علی سے دوبدو مقابلہ کرے۔ مگر ان کے لرزہ براندام حریف نے اسکو حکم قضائے مبرم سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس شدو مد کے حملے

جو ایک ابلق گھوڑے پر سوار تھا اور اپنی دو دھاری تیغ خون آشام ناقابل مدافعت قوت سے چلا رہا تھا شام کی فوج کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ جس وقت وہ شہ زور کسی باغی پر ضرب لگاتا تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا تھا اور اس رات کی ہنگامہ خیز لڑائی میں چار سو مرتبہ یہ مہیب نعرہ سُنا گیا"۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

'He (Ali) generously proposed to save the blood of Moslems by a single combat, but his trembling rival declined the challenge as a sentence of inevitable death. The ranks of the Syrians were broken by the charge of a hero who was mounted on a piebald horse and wielded with irresistible force his ponderous and two edged sword. As often as he smote a rebel, he shouted the Allah Acbar 'God is Victorius' and in the tumult of a nocturnal battle he was heard to repeat four hundred times that tremendous exclamation'.

اینڈریو کرچٹن کا بیان ۔ یوروپی مورخ ڈاکٹر اینڈریو کرچٹن اپنی کتاب ہسٹری آف عربیا اینڈ اٹس پیپل ۱۸۵۲ء ایڈیشن کے صفحہ ۳۰۷ پر صفین کے ایک معرکہ کے متعلق لکھتا ہے:۔ "جنگ صفین میں چھوٹے بڑے جملہ نوے معرکے لڑے گئے جن میں حضرت علی کی انسان دوستی بھی اُتنی ہی نمایاں تھی جتنی ان کی شانِ شجاعت۔ انھوں نے اپنی فوجوں کو سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ ہمیشہ دشمن کی طرف سے پہلے حملہ کا انتظار کریں اور بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کریں اور قیدی عورتوں کی عزت کا احترام کریں۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جس میں علی نے غیر معمولی جانبازی اور مہارت کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔ تنہا ان کے شہ زور بازو کے آگے شامی فوج کے بہادر ترین سردار یکے بعد دیگرے گرتے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کے نیزہ کی نوک میں موت کا گھر تھا اور اُن کی تلوار کے قبضے میں ہلاکت سکونت گزیں تھی۔ مہیب اور دیو ہیکل کریب کو جو اپنے انگوٹھے سے چاندی کے سکے کے نقش کو محو کر دے سکتا تھا علی نے تلوار کے ایک وار میں سر سے لیکر زین فرس تک دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک مرتبہ دو سورماؤں نے بھیس بدل کر بوقت واحد حملہ کیا علی نے اپنی ذوالفقار آبدار کی ایک جنبش سے سامنے والے حملہ آور کو اس تیزی اور صفائی سے بیچ میں سے دو کر دیا کہ سوار گھوڑے پر بیٹھا جا رہا اور لوگوں کو خیال گزرا کہ علی کا وار خالی گیا۔ مگر جب گھوڑے نے حرکت کی تو جسم کے دو علٰحدہ علٰحدہ ٹکڑے زمین پر گرے۔

اصل عبارت یہ ہے :-

'Ninety actions or skirmishes are recorded to have taken place and in these the humanity of Ali was as conspicuous as his valour. He strictly enjoined his troops invariably to await the first onset of the enemy, to spare the fugitives and respect the virtues of female captives. Not a day passed in which he displayed not some extraordinary feat of personal strength and skill. The bravest leaders of the Syrian host fell in succession by the single prowess of his restless arm, for death itself dwelt on the point of his spear and prediction in the hilt of his sword. The hideous and gigantic, Kerreib, who could obliterate with his thumb the impression of a silver coin, he (Ali) cleft at one stroke from the crest to the saddle bow. Two warriors attacked him in disguise, but with a sweep of his double scimitar he bisected the foremost through the middle with such rapidity and precision that the rider remained fixed on the saddle; the spectators concluding he missed his blow, until the motion of the horse threw the body in halves to the ground'.

غرض معاویہ اس طرح اپنا منہ چھپاتے رہے اور اپنی طرف سے کبھی خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو کبھی ابالاعور وغیرہ کو میدان میں بھیجتے رہے۔ جناب امیر علیہ السلام خود بہ نفس نفیس کبھی مالک اشتر اور کبھی حجر بن عدی الکندی کبھی زیاد بن حصین التمیمی اور سعد بن قیس الریاحی اور کبھی قیس بن سعد الانصاری لڑنے کیلئے نکلا کرتے تھے۔ ذالحجہ کا پورا مہینہ اس طرح لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ جب محرم کا مہینہ آیا اور ہجری ۳۷ شروع ہوا قاعدہ عرب کے مطابق لڑائی بند رہی۔ صفر کی پہلی تاریخ کو جناب امیرؑ نے اہل شام میں منادی کرنے کا حکم دیا کہ اے شام والو امیر المومنین فرماتے ہیں میں نے تم کو حق کی طرف بلایا مگر تم نے اس کی طرف التفات نہیں کی۔ اور سرکشی سے باز نہیں آئے۔ خدائے تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ مگر اہل شام نے

اس پر کچھ کان نہ دھرا۔ پھر جناب امیر نے کوفہ کے سواروں پر مالک اشتر کو اور بصرہ کے سواروں پر سہل بن حبیب کو اور کوفہ کے پیادوں پر عمار بن یاسر کو اور بصرہ کے پیادوں پر معز بن فدکی کو مقرر کر کے اپنا علم ہاشم بن عتبہ کو دیا اور میدان میں تشریف لے آئے۔

علامہ صالح کشفی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی میں معاویہ کے جنگ صفین میں جناب امیر علیہ السلام کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ معاویہ بے شرمی کی تلوار کمر میں لگائے اور بے حیائی کی زرہ پہنے بے حمیتی اور بد لحاظی کی ڈھال کندھے پر رکھے قباحت و ضلالت کا علم ہاتھ میں لئے عناد و خذلان کے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس روز فرقہ ناجیہ اور دوسری طرف طائفہ طاغیہ اپنے اپنے علموں کے سایہ تلے میدان جنگ میں آ کھڑے ہوئے۔ ایک دن معاویہ نے عبداللہ بن مسعدۃ انفرادی کو مال و زر کا وعدہ اور فریب میں لا کر اپنا لباس پہنایا اور شاہ مرداں کے مقابلہ میں بھیجا تاکہ لوگوں کو دھوکا ہو کہ معاویہ میدان میں آیا ہے۔ جب حیدر کرارؑ نے ذوالفقار کھینچ کر اس کا قصد کیا تو مسعدہ نے فریاد بلند کی کہ یا امیرالمومنین میں معاویہ نہیں ہوں بلکہ اس نے مکر و فریب سے اپنا لباس مجھے پہنا کر آپ کے مقابلہ میں بھیجا ہے حضرت نے اس سے ہاتھ روک لیا اور وہ بدنصیب معاویہ کے پاس گیا تو وہ اپنا راز کھلنے پر ناراض ہوا۔ ایک دن عبداللہ بن عمر خطاب معاویہ کی طرف سے میدان میں آیا۔ وہ ذوالفقار کے انوار کی تاب نہ لا سکا اور چمگادڑ کی طرح فرار کر گیا۔ ایک دن معاویہ نے عمرو سلان کو شیر خدا کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ آنجناب نے اس کو ہدایت کی تلقین فرمائی مگر جب اس گرفتار اجل نے ہدایت قبول نہ کی تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ فرما کر اس کو نیزہ پر اٹھا کر بلند کیا اور فرمایا نظر کر۔ عمر نے چلا کر کہا خدا کی قسم دوزخ کی آگ میں دیکھ کر پشیمان ہوا بعد ازاں مر کر زمین پر گرا۔"

(علامہ صالح نے اسکے بعد بیسیوں واقعات شیر خدا کی شجاعت کے درج کئے ہیں اور عمر بن العاص اور بسر ابن ارطاۃ شیر خدا کے سامنے سے اپنے کو برہنہ کر کے جان بچا کر آنے کے ذکر کے بعد لکھا ہے۔) ایک دن معاویہ بعض ساتھیوں کے غیرت دلانے سے موقعہ دیکھ کر جب شیر خدا دور تھے میدان میں نکلا۔ سعید ہمدانی نے اس کے مقابل ہو کر حملہ کیا۔ معاویہ ڈر کر اس طرح بھاگا جیسے چڑیا عقاب سے خوف کھا کر بھاگے اور اپنے خیمہ میں جا گھسا اور کسی سے بات تک نہ کی۔ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور شام کی فوج میں سے ایک تجربہ کار شہسوار مخراق نامی باہر نکل کر مبارز طلب ہوا۔ اہل عراق میں سے عبدالمراد اس کے مقابلہ کو نکلے۔ شامی نے جو بہت قوی تھا ان کو مار ڈالا اور گھوڑے سے اتر کر ان کا سر کاٹ کر پیشانی کے بل زمین پر اوندھا رکھ دیا اور گھوڑے پر چڑھ کر پھر مبارز طلبی کرنے لگا۔ ازد کے قبیلہ کا ایک نوجوان مسلم بن عبدالرحمٰن اس کے مقابلہ کو نکلا۔ اس شامی نے اس کے ساتھ بھی وہی عمل کیا اور پھر مبارز طلب کرنے کھڑا ہوا۔ جناب امیر علیہ السلام لباس بدل کر اس کے مقابلہ کو نکلے شامی ان کو پہچان نہ سکا۔ جناب امیرؑ نے پیشدستی کر کے کندھے پر تلوار ماری کے

اس کا ہاتھ کاندھے سے کٹ کر زمین پر گر گیا اور وہ بھی گھوڑے سے نیچے گرا - اپنے گھوڑے سے اُتر کر اس کا سَر کاٹ کر اس کا منہ آسمان کی طرف کر کے زمین پر رکھ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر مبارزہ طلب فرمانے لگے - شام کا ایک اور شہسوار آپ کے مقابلہ پر نکلا - آپ نے ایک وار میں اس کا بھی کام تمام کیا اور اس کا سر کاٹ کر اسیطرح آسمان کی طرف منہ کر کے رکھدیا اس طرح سات بہادر یکے بعد دیگرے آپ کے مقابلہ کے لئے نکلے اور آپ نے ساتوں کے سر اسی طرح کاٹ کر آسمان کی طرف منہ کر کے رکھدیئے اور پھر مبارزہ طلب ہوئے - اب لشکر شام میں سے کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ مقابلہ کو نکلے اور ہر طرف یہ چرچا ہونے لگا کہ یہ کہاں کا نیا بہادر آیا ہے جو بڑے بڑے پہلوانوں کو ایک ایک ہاتھ میں ختم کر دیتا ہے - آپ دونوں لشکروں کی صفوں کے درمیان ٹہلنے لگے . تغیر لباس کی وجہ سے شامی آپ کو پہچان نہ سکتے تھے - معاویہ کا ایک غلام تھا جس کو صوب کہتے تھے - یہ شخص بہادری میں شہرہ آفاق تھا - معاویہ نے اس سے کہا صوب تو اس سوار کے مقابلہ کو جا اور اس کو قتل کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی کر تو دیکھتا ہے اس نے تیرے کتنے دوست کاٹ ڈالے ہیں - صوب کہنے لگا میں اس سوار کے مرتبہ کو خوب تاڑ چکا ہوں - اگر تیری تمام فوج بھی اس کے مقابلہ کو نکلے گی تو یہ اس کو بھی فنا کر دیگا اگر تیرا یہی منشا ہے کہ میں اس کے مقابلہ کو جاؤں تو یہ سمجھ کہ میری موت آ چکی ہے - ورنہ اس کے سوا اور کے مقابلہ میں بھیج کر دیکھ لے - معاویہ نے کہا میں تیری موت نہیں چاہتا تو مت جا کسی اور کو مقابلہ کے لئے جانے دے - جناب امیر علیہ السلام باواز بلند فرمانے لگے اے شامیو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے کوئی جوان سامنے نہیں آتا کچھ انتظار کے بعد آپ نے اپنے سر سے مغفر اٹھایا اور سب نے آپ کو پہچان کر کہا کہ ایسا کام بجز علیؑ کے کسی سے ممکن نہ تھا اور مارے خوف کے پہلوان اپنا منہ چھپانے لگے -

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے تھے - شام کے بہادروں میں سے ایک شخص کریب بن الصباح میدان میں دونوں صفوں کے بیچ میں کھڑا ہو کر مُبارز طلب کرنے لگا - عراق کے لوگوں میں سے ایک شہسوار موقع الحولا اس کے مقابلہ کو نکلا مگر شامی نے اس کو قتل کر دیا - پھر حارث الحکمی اس کے ساتھ لڑنے کو نکلا مگر شامی کے ہاتھوں وہ بھی مارا گیا - امیر علیہ السلام نے اس کی بہادری اور تیزی کو دیکھا اور خود سوار ہو کر اس کے سامنے تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے جواب دیا مجھے کریب ابن صباح الحمیری کہتے ہیں - آپ نے فرمایا اے کریب میں تجھے کہتا ہوں کہ تو اپنے دل میں خدا کا خوف کر - میری نگاہوں میں تو بہادر معلوم ہوتا ہے - پس اگر جو حال ہمارا ہو وہی تیرا بھی ہو تو بہتر ہے - تو خدا کے عذاب سے اپنی جان کو بچا - کہیں معاویہ تجھے جہنم میں نہ لیجائے کریب نے کہا یا علیؑ اگر آپ لڑنا چاہتے ہیں تو میرے پاس تشریف لائیں - یہ کہہ کر وہ اپنی تلوار چمکانے لگا - جناب امیرؑ علیہ السلام نے اس کے قریب جا کر اپنی تلوار میان سے کھینچی - ایک آدھ گھڑی تک تلوار کے رد و بدل ہوئے پھر جناب امیرؑ نے بڑھ کر ایک ضرب ایسی لگائی کہ کریب دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا - آپ اس سے فارغ

ہوکر پھر شامیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ھل من مبارز پکارنے لگے۔ کریب کا بھائی حارث الحمیری آپکے مقابلہ کیلئے نکلا۔ مگر آپ نے ایک ہی وار میں اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح چار آدمی ایک ایک ہاتھ میں یکے بعد دیگرے قتل ہوئے۔ آپ لڑتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (القرآن ۲:۱۹۴) یعنی حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور ادب رکھنے میں بدلا ہے۔ پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو۔ جیسے اس نے تم پر زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ پھر آپ نے پکار کر فرمایا اے معاویہ میری اور تیری لڑائی ہے۔ بیچ میں عرب کا ناحق کام تمام ہوا جاتا ہے۔ تو خود میرے سامنے آ تاکہ جو فتحیاب ہو میدان اس کے ہاتھ رہے معاویہ نے جواب دیا مجھے آپ سے مقابلہ کی ضرورت نہیں۔ آپ نے عرب کے یہ چار خونخوار درندے مار ڈالے ہیں آپ انہیں پر اکتفا کریں۔ اس کے بعد معاویہ کی فوج میں سے ایک بہادر عروہ بن داؤد نکلا اور کہا کہ اے ابن ابی طالب اگر معاویہ آپکے مقابلہ سے ڈرتا ہے تو میں آپکے مقابل میں آتا ہوں۔ جناب امیرؑ اس کی طرف بڑھے عروہ نے پیش قدمی کرکے ایک وار چلایا جو جناب امیرؑ نے خالی دیا اور بڑھکر ایک ایسی ضرب لگائی کہ عروہ کے دو ٹکڑے ہوکر گرا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا سیدھا جہنم کو چلا جا۔ عروہ کا مارا جانا شامیوں پہ بہت گراں گزرا کیوں کہ وہ ان مشہور بہادروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اتنے میں رات ہوگئی اور جناب امیر اپنی فوج میں واپس ہوئے۔

آپ کے رعب کی وجہ سے لوگ آپ کے مقابلے کو نہیں نکلتے اور آپ کو خیال یہ تھا کہ معاویہ اس کے اور سردار آپ کو نہ پہچان کر لڑنے آجائیں اور جنگ کا جلد خاتمہ ہو۔ اس لئے آپ بھیس بدل کر نکلتے تھے۔ ایک روز اسی طرح لباس بدلے دونوں لشکروں کے درمیان آپ ٹہل رہے تھے۔ عمر بن العاص فوج سے باہر نکلا کیونکہ وہ آپ کو پہچان نہ سکا تھا۔ اس نے یہ رجز پڑھا اے کوفہ کے سپہ سالار اور اے فتنہ کے جگانے والو! میں تمہیں مار ڈالوں گا اور ابوالحسن کا لحاظ نہیں کرونگا۔ حضرت امیرؑ نے اس پر حملہ کیا۔ حملے کے انداز سے وہ آپ کو پہچان گیا اور پلٹ کر بھاگنا چاہتا تھا کہ آپ کا نیزہ اسکی زرہ کے حلقہ میں گڑھ گیا اور جھٹکا کھا کر عمر بن العاص زمین پر گرا۔ اس نے سمجھا کہ اب جناب امیر مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس نے اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر اپنی شرمگاہوں کو ننگا کر دیا۔ حضرت نے اپنا منہ پھیر لیا اور اپنے لشکر میں واپس تشریف لے گئے۔ عمر بن عاص وہاں سے اٹھکر خوف زدہ معاویہ کے پاس گیا۔ معاویہ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے عمر بن عاص کھسیانا ہو کر کہنے لگا تو ہنستا ہے واللہ اگر تو میری جگہ ہوتا تو تیری شرمگاہیں بھی اس طرح ننگی ہوگئی ہوتیں اور اگر اس وقت جناب امیر واپس نہ جاتے تو تیری جوروں کو بیوہ اور تیرے عیال کو ذلیل و یتیم کر جاتے اور تیرے مال کو لٹوا دیتے۔ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے (۳) موقعہ پر ہم الفاروق" صفحہ ۲۳۶ سے

مولانا شبلی کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں۔ "(اسکندریہ کی جنگ میں) ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھا دیا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے پٹکا اور جھک کر تلوار اٹھانا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرابن العاص (حضرت عمرؓ کی فوج کے سپہ سالار) کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ رکھ کے کہا زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے" یہ وہی میاں عمرو بن العاص ہیں جو شیر ذوالجلال کی ضرب سے گرنے کے بعد عمداً برہنہ ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگے تھے۔ قابل غور ہے کہ مولا کی بلند نگاہی اور شرافت سے کمینوں نے کہاں کہاں اور کس طرح فائدے اٹھائے ہیں۔

حضرت امیرؑ پھر معاویہ کو اپنے مقابلہ میں طلب فرمانے لگے۔ معاویہ کے لشکر کے شہسواروں میں سے بسر بن ارطات نے جو شجاعت میں مشہور تھا جناب امیرؑ کے پکارتے کو سنا اور دیکھا کہ معاویہ مقابل میں جانے جان چراتا ہے۔ بسر نے اپنے غلام لاحق سے مشورہ کیا کہ میں علیؑ کے مقابلہ میں جانا چاہتا ہوں شاید وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو جائیں اور میری وجہ سے ان کی شہرت عرب میں گم ہو جائے۔ لاحق نے کہا اگر تو اپنے میں ان کے مقابلہ کا حوصلہ دیکھتا ہے تو آگے بڑھ ورنہ اس قصد سے باز آ کیونکہ بخدا یہ شخص بہادر ٹھوکنے والا ہے اس کے نیزہ کے سر میں موت ہے اور اسکی تلوار میں تیری جان کے ساتھ سرکار ہے۔ بسر نے کہا اے لاحق تجھ پر افسوس ہے بھلا موت کے سوا اور تو کوئی بات نہیں ہے اس کے مقابلہ کیلئے جاتا ہوں یہ کہکر نقاب ڈالکر میدان میں آگیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے دیکھ کر اسپر نیزہ مارا ہر چند اس نے ڈھال پر روکنے کی کوشش کی مگر مار کے زور سے چت گر پڑا اور سمجھا کہ موت آ گئی۔ اس نے بھی اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر شرمگاہوں کو ننگا کر دیا۔ جناب امیرؑ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ بسر بھاگنے کے لئے جلدی میں جو اٹھا اس کے سر سے مغفر گر گئی جناب امیر کے لشکریوں نے اسے پہچان کر جناب امیرؑ سے عرض کیا اے امیرالمومنین یہ بسر بن ارطات ہے آپ اس کو زندہ نہ جانے دیں۔ آپ نے فرمایا اگرچہ بسر بن ارطاۃ ہی ہو اسکی شکل گم ہونے دو۔ جس بات کا یہ مستحق ہے وہی اسپر وارد ہو۔ پھر بسر گھوڑے پر سوار ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا۔ معاویہ ہنس کر کہنے لگا کوئی شرم کی بات نہیں۔ عمرو بن عاص کو بھی یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ بسر نے کہا اب مجھے یہ معاملہ پیش آنا باقی ہے۔ جناب امیرؑ کی فوج میں سے کوفہ کے ایک نوجوان نے زور سے چلا کر کہا اے اہل شام تم کو حیا نہیں آتی تم کو عمرو بن عاص نے معرکہ جنگ نے اپنا ستر کھولدینا خوب سکھا دیا ہے۔ غرض کہ معاویہ اور ان کے لشکر والے یہ بے حیائی کی لڑائی لڑتے رہے اور کسی کو شیر خدا کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ رہی۔ معاویہ تو نام لے کر آواز دینے کے باوجود یہ کہکر اپنی جان بچاتے رہے کہ یہ ٹھوکنے والا بہادر ہے۔ میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عثمان کا غلام احمر جو معاویہ کی فوج میں تھا میدان میں آیا۔ اس کے مقابلہ میں

یکسان حضرت امیر کا غلام لڑنے نکلا۔ احمر نے اسے قتل کر دیا آپ نے اس پر حملہ کیا۔ وہ غلام بھی تلوار لیکر جناب امیرؑ پر حملہ آور ہوا۔ جناب امیرؑ نے اس کی تلوار پر تلوار ماری اور قریب جا کر ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن کو پکڑ کر گھوڑے پر سے اُٹھا لیا اور زمین پر دے پٹکا کہ اس کی ہڈی پسلی چور چور ہو گئی۔ معاویہ کا ایک غلام حریث تھا جو نامور بہادر تھا مگر جناب امیرؑ کا مقابلہ کرنے سے ڈرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جناب امیرؑ بھیس بدل کر میدان میں نکل کر مبارز طلب فرما رہے تھے۔ عمر بن العاص نے حریث کو کہا تو جا کر اس سوار کا مقابلہ کر اور قتل کرنے سے اس کو مت چھوڑ۔ حریث میدان میں گیا۔ جناب امیرؑ نے اس کے سر پہ تلوار ماری کہ وہ مر کر زمین پر گرا۔ معاویہ اور اہل شام تاڑ گئے کہ یہ جناب امیرؑ ہیں۔ معاویہ کو اپنے غلام کے مارے جانے کا بہت قلق گزرا اور عمر بن عاص سے کہنے لگا تو نے میرا غلام مروا ڈالا۔

پھر ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت امیرؑ کے اصحاب میں سے عباس بن ربیعہ الہاشمی میدان میں نکلے۔ ادھر سے معاویہ کے دوستوں میں سے غوار انکے مقابلہ کو نکلا اور عباس سے کہنے لگا تو میرے ساتھ لڑیگا۔ عباسؑ نے کہا تو میرے ساتھ نیچے اُتر کر جنگ کرے گا۔ یہ کہکر دونوں گھوڑے سے اُترے اور جنگ کرنے لگے۔ اور ایک گھنٹہ تک لڑتے رہے مگر کوئی دوسرے پر غالب نہ آیا۔ پھر دوبارہ جنگ کرنے لگے۔ عباس بن ربیعہ کو شامی کی زرہ کا بند ایک جگہ سے ڈھیلا نظر آیا۔ عباسؑ نے اسکی زرہ کے ڈھیلے بند کے بیچا بیچ ہی ہاتھ کر ایسی تلوار لگائی کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ لوگوں نے یہ ہاتھ کی صفائی دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور دیگر اہل شام کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ علی لباس بدل کر میدان میں آئے ہوئے ہیں عباس تھوڑی دیر تک دونوں صفوں کے درمیان ٹہلتے رہے پھر اپنے لشکر میں آ گئے۔ معاویہ نے اپنے لشکر والوں سے کہا کوئی ہے جو میدان میں جا کر اس سوار کو قتل کرے میں اسے اس قدر انعام دونگا۔ یہ سنکر باشندگان یمن میں سے بنی علم کے دو جوان نکل آئے۔ معاویہ نے کہا جو شخص تم دونوں میں سے اس سوار کے قتل کرنے میں سبقت کرے گا جو کچھ میں نے وعدہ کیا ہے پورا کرونگا اور دوسرے شخص کو بھی اسی قدر انعام دونگا۔ دونوں مل کر میدان میں گئے اور چلائے اے عباسؑ ہمارے مقابلہ کے لئے نکل آیئے۔ عباسؑ کہنے لگے میں اپنے آقا سے اجازت لے کر تمہارے پاس آتا ہوں۔ وہاں سے حضرت امیرؑ کی خدمت میں اذن لینے کے لئے گئے۔ جناب امیرؑ نے ان کو اپنے پاس بلا کر ان کے ہتھیار اپنے زیب تن فرمائے اور اُن کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لے گئے۔ اس وقت جناب امیرؑ اور عباسؑ میں فرق کرنا دشوار تھا۔ دونوں یمنیوں نے کہا اے عباسؑ آپ اپنے آقا سے اجازت لے آئے ہیں۔ آپ نے ان کے جواب میں اس آیت کو پڑھا۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (سورۂ حج آیت ۳۹) یعنی: اذن دیا گیا ہے واسطے ان لوگوں کے کہ لڑائی کرتے نہیں وہ پسند اس لئے کہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور بہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے

فتح دینے پر قادر رہے۔ ان دونوں میں سے ایک جوان نے آپ حملہ کیا۔ آپ نے اس کی ناف پر تلوار ماری اور
اور اس صفائی سے کاٹ ڈالا کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کا وار خالی گیا ہے۔ لیکن جب اس کا گھوڑا اچھلا تو
اس کے دونوں ٹکڑے زمین پر گر گئے۔ پھر آپ نے دوسرے جوان پر بھی حملہ کر کے اس کو اس کے دوست کے
ساتھ ملا دیا۔ پھر جناب امیر علیہ السّلام ایک گھنٹہ تک میدان میں گھوڑا پھیرتے رہے۔ مگر کوئی مقابلہ کیلئے نہ آیا۔

بہادری کا مجسمہ کمسن عباس

یہاں ہم چند مستند حوالوں کے ساتھ ایک ایسے کمسن بہادر **Bravest of the Brave** کا مختصر تذکرہ انتہائی برمحل سمجھتے ہیں جس نے نہ صرف جنگ صفین میں ایک یادگار
منظر پیش کیا بلکہ اس کے تیئیس ۲۳ برس بعد آنے والے ایک معرکہ میں وہ عدیم المثال شجاعت
دکھائی کہ ابد الآباد تک اسکا نام دُنیا کے بہادروں کا ختمائے نظر بنا رہیگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ کوئی اُن کے مقابلہ کو نہیں نکلتا تو واپس تشریف لائے
اور اپنے صاحبزادہ عباس کو طلب کر کے فرمایا بیٹا اب میری جگہ تم جاؤ۔ صاحبزادہ کو ہتھیار سے سجایا گھوڑے پر
سوار کیا وہ چہرہ پہ نقاب ڈالکر میدان کو روانہ کیا۔ صاحبزادہ کی عمر گیارہ ہی سال کی تھی مگر دراز قد اور قوی
الجسم ہونے سے گھوڑے پر ایک آزمودہ کار شہسوار نظر آتے تھے۔ لڑکپن کے بعد کی منزل کے متعلق صاحب
ناسخ التواریخ لکھتے ہیں:۔ یرکب الفرس المطہم ورجلاہ یخطان علی الأرض یعنی جب آپ اسپ
دور کابہ پر سوار ہوتے تو آپکے پاؤں زمین پر خط دیتے تھے۔

یہاں ہم بہ اسناد مناقب اخطب خوارزم ص۱۴۷ و کبریت الاحمر جلد ۳ ص۲۳ عبدالرزاق
الموسوی المقرم کی کتاب "العباس قمر بنی ہاشم" (مطبوعہ نجف ۱۳۶۹ ہجری) ص۱۰۱ کی اصل عربی عبارت
نقل کرتے ہیں:۔ "قال ومما یروی انہ فی بعض ایام صفین خرج من جیش امیر المومنین
علیہ السلام شاب علی وجہہ نقاب تعلوہ الھیبۃ وتظہر علیہ الشجاعۃ یقدر عمرہ بالسبع عشر سنۃ
یطلب المبارزۃ فہابہ الناس وندب معاویۃ الیہ اباالشعثاء فقال ان اہل الشام یعدونی
بالف فارس ولکن ارسل الیہ احد اولادی وکانوا سبعۃ وکلما خرج احد منہم قتلہ حتی اتیٰ
علیہم فساء ذلک اباالشعثاء واغضبہ ولما برز الیہ الحقہ بہم فہابہ الجمع ولم یجرء احد علی
مبارزۃ وتعجب اصحاب امیر المومنین من ہذہ البسالۃ التی لا تعدوا الھاشمیین ولم یعرفوہ
لمکان نقابہ ولما رجع الی مقرہ دعاہ امیر المومنین وازال النقاب عنہ فاذا ہو قمر بنی ہاشم
ولدہ عباس"۔

اسکا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:۔
" جنگ صفین کے دوران ایک دن امیر المومنین علیہ السلام کی فوج سے ایک جوان برآمد ہوا

جسکے چہرہ پر نقاب پڑی ہوئی تھی مگر جسکی وجاہت ظاہری سے ہی اسکا صاحب ہیئت ہونا اور شجاع ہونا ظاہر تھا۔ اندازہ ایسا ہوتا تھا کہ اسکی عمر سترہ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ (گیارہ سال کی عمر ہی میں یہ صاحبزادہ ایک قد آور اور جسیم جوان معلوم ہوتا تھا کہ خود امیر المومنین کا لباس اسکے جسم پر برابر آجاتا تھا) اس جوان نے فوج مخالف سے مبارز طلب کیا۔ معاویہ نے ایک بڑے پہلوان ابا شعثاء سے کہا کہ مقابلہ کیلئے نکلے۔ ابا شعثاء نے کہا کہ اہل شام تو مجھے ایک ہزار سوار کے برابر سمجھتے ہیں اور تو مجھے ایک نوجوان کے مقابل بھیجتا ہے۔ میرے سات بیٹے ہیں انہیں سے کسی کو بھیج دے۔ اباشعثا کے یکے بعد دیگرے سات بیٹے میدان میں آتے گئے اور اس نوجوان نے آناً فاناً میں ہر ایک کو تہ تیغ کرکے دکھدیا۔ اب خود اباشعثاء غصہ میں بھرا ہوا مقابلہ میں آیا مگر اس نوجوان نے بہت جلد ہی اسکو بھی اس کے بیٹوں سے ملحق کردیا۔ اب اس نوجوان کی مبارزہ طلبی پر فوج مخالف سے کوئی بھی نکلنے کی ہمت نہ کرسکا خود اصحاب امیر المومنین حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ سوائے کسی ہاشمی کے یہ بسالت کسی اور میں تو نہیں ہوسکتی مگر چونکہ چہرہ پر نقاب تھی کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔ جب یہ نوجوان اپنے مقام پر واپس آیا تو امیر المومنین نے قریب طلب فرمایا اور چہرہ سے نقاب الٹ دی۔ یہ تھا قمر بنی ہاشم امیر المومنین علی کا صاحبزادہ عباس (گیارہ سال کی عمر میں)

یہاں ہم اس جانشین حیدر کرار ابا الفضل العباس علمدار کربلا کی شان میں پاکستان کے ایک بلند پایہ عالم مولانا سید امداد حسین صاحب مفسر قرآن کا لکھا ہوا ایک نوحہ نقل کردینا برمحل سمجھتے ہیں۔ یہ نوحہ میں نے ٹارنٹو کینیڈا میں ۸ محرم ۱۴۰۷ھ کو جناب قاسم حسین صاحب کے مکان پر سنا اور اسکا ٹیپ کرلیا۔ موصوف اور ان کے اہل خاندان بشمول سلطان مرزا صاحب (جو میرے داماد عسکری رفیق سلمہ کے ہم جماعت تھے) لکھنؤ سے پاکستان منتقل ہوگئے تھے اور وہاں سے کینیڈا آکر مقیم ہوگئے وہاں ماشاء اللہ ان کے اچھے کاروبار ہیں۔ یکم محرم سے ۲۰ صفر (اربعین) تک بعد مغرب ان کے پاس مردانہ و زنانہ مجلس ہوتی ہے۔ اور ایک مہینہ بیس دن روزانہ تمام شرکاء مجلس کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ تمام معصومین کی شہادت کی مجلسیں اور ولادت کے جشن بھی اسی اہتمام سے کئے جاتے ہیں۔ نوکر تو وہاں ملتے نہیں۔ خاندان کی بہو بیٹیاں ماں بہنیں سب پکانے کے انتظام میں رات دن لگی رہتی ہیں۔ ہر سال لکھنؤ یا پاکستان سے کسی ذاکر کو بلایا جاتا ہے۔ نوحہ وماتم گھر کے جوان بوڑھے بچے سب ملکر کرتے ہیں اور ایسے زور و شور سے جسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ بوڑھے لوگ چکر کھا کر گر جاتے ہیں تو ہوش میں آتے ہی اٹھکر پھر ماتم کرنے لگتے ہیں۔ یہیں میں نے یہ نوحہ زوردار ماتم کے ساتھ سنا۔ دو نوجوان سید صامن جعفری سلمہٗ اور سلطان مرزا سلمہٗ ملکر یہ نوحہ پڑھتے ہیں۔ ان کی آواز اور طرز تعریف سے بالاتر ہے۔ سب حاضرین جواب دینے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اس نوحہ کو حضرت عباس کی منقبت کا ایک شاہکار کہا جاسکتا ہے۔

ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

یہ ذوالفقارِ حیدری، یہ شیرِ بیشۂ نجف
ہر اک کا مرکزِ نظر، کفیلِ تشنگانِ طف
کسی سے پر نہ رک سکا امیرِ لشکر حسینؑ

یہ تیغ تیغِ ہاشمی نشانِ جراءتِ سلف
کنارِ نہرِ علقمہ تمام فوج کا ہدف
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

بہادرانِ صف شکن میں اس جری کے تذکرے
ہر اک وفا کی انجمن میں اس جری کے تذکرے
غرورِ آلِ مصطفٰےؐ امیرِ لشکر حسینؑ

دلاورانِ تیغ زن میں اس جری کے تذکرے
رسول پاکؐ کے چمن میں اس جری کے تذکرے
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

حسینؑ کا اخی بھی ہے حسینؑ کا غلام بھی
حسین کی زرہ بھی ہے کماں بھی ہے سہام بھی
وگرنہ وہ کجا کجا امیرِ لشکر حسینؑ

حسینؑ کی سپر بھی ہے تبر بھی ہے حسام بھی
حسینؑ حکم دیں اگر تو شمر سے کلام بھی
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

حسین اذن دیں اگر ابھی یہ سب کو دیکھ لے
ابھی ابھی یہ کوفیانِ بے ادب کو دیکھ لے
مثالِ شاہِ لافتیٰ امیرِ لشکر حسینؑ

ابھی عراق و شام کو ابھی حلب کو دیکھ لے
مقابلہ جو آپڑے تو کل عرب کو دیکھ لے
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

اشارۂ امام ہو تو فتح میں دھرا ہے کیا
فرات تک نہ جانے دے کسی میں حوصلہ ہے کیا
الٹ دے تختِ شام کا امیرِ لشکر حسینؑ

شجاعِ ہزبر کیلئے یہ شام کی گھٹا ہے کیا
علی کے شیر کیلئے یہ جنگِ کربلا ہے کیا
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

یزیدِ بد نہاد سے سکونِ ذات چھین لے
جو مرضیٔ حسین ہو ابھی فرات چھین لے
بڑا بلند حوصلہ امیرِ لشکر حسینؑ

محافظانِ نہر سے حقِ حیات چھین لے
فرات کیا ہے یہ وہ کہ کائنات چھین لے
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

مگر یہاں تو حکم ہے کہ بس علی کے شیر بس
قریب وقتِ عصر ہے بس اے مرے دلیر بس

حسین اپنی زندگی سے ہو چکا ہے سیر بس
ہمارے کوچ میں کہیں مزید ہو نہ دیر بس

کریگا تا بہ کے دغا امیرِ لشکر حسینؑ
ہزبرِ دشتِ نینوا امیرِ لشکر حسینؑ

علمدارِ کربلا کی رفعت کی قرآنی توثیق

تواریخ اور کتب مقاتل کا یہ مسلمہ ہے کہ حضرت ابالفضل العباسؑ کو امام حسین علیہ السلام نے جنگ کی اجازت نہیں دی بلکہ اہلِ حرم اور بچوں کی تین دن کی پیاس کے پیشِ نظر فرات سے پانی لانے کی فہمائش فرمائی اور بچوں کی نمائندہ ننھی شہزادی جناب سکینہ نے سوکھی مشک چچا کے حوالہ کی۔ بعض روایتوں کے اعتبار سے مدافعت کیلئے ایک نیزہ آپ کے ہاتھ میں تھا اور اکثر روایتیں بتاتی ہیں کہ ایک لشکرِ کثیر میں سے گزر کر دریائے فرات تک پہنچے اور پانی لانے کیلئے حضرت عباسؑ کو دونوں ہاتھوں سے اس شدت سے تلوار چلانی پڑی کہ خیمہ گاہ سے دریائے فرات تک آپ کے راستے کے دونوں طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے اور غاضریہ کے گھاٹ پر پہرہ دینے والی فوج سے تنہا عباسؑ نے جو جنگ کی وہ تاریخِ عالم میں یادگار رہ گئی۔ آپؑ نے مشک میں پانی بھر کر اور چلو میں پانی لیکر اور پھر پھینک کر یہ بتا دیا کہ دریا پر میرا قبضہ ہے۔ کوئی پانی لینے یا پینے سے بھی نہیں روک سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ پانی لیکر لوٹتے وقت تیروں کی بوچھار نے مشک کا پانی بہا دیا اور درختوں کی آڑ سے حملہ کر کے آپؑ کے شانے قطع کئے گئے اور گرزِ تیغ تبر سے آپؑ کو فرات اور خیمہ گاہ کے درمیان شہید کیا گیا۔ عباسؑ کے دریا تک پہنچنے، چلو میں پانی لینے اور نہ پی کر پھینک دینے کی ایک ہوبہو تمثیل مومن کامل کی قرآن میں ملتی ہے۔ سورہ بقر کی آیت ۲۴۹ ہے، فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ (ترجمہ:۔ پھر جب طالوت لشکر لیکر روانہ ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو آگے ایک نہر ملے گی۔ اس سے یقیناً اللہ تمہارے صبر کی آزمایش کریگا۔ پس جو شخص اس کا پانی پی لے وہ مجھ سے نہیں۔ مگر ہاں جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے تو کچھ ہرج نہیں۔ اور جو شخص اسکو نہ چکھے وہ بیشک مجھ سے ہوگا) تفسیر کے اعتبار سے طالوت ایک مخلص مومن اور ایک بڑی سلطنت کے بادشاہ تھے جنکا پایۂ تخت شہر ایلیا تھا۔ انھوں نے جالوت کافر کی فوج کا مقابلہ کیا۔ حضرت داؤدؑ پیغمبر طالوت کی فوج میں تھے۔ انھوں نے جالوت کو قتل کیا جسکی بناء پر طالوت نے اپنی سلطنت حضرت داؤدؑ کو بخش دی اور اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا۔ جناب طالوت نے پیشنگوئی کر دی تھی کہ ایک نہر کے پانی سے اللہ ان کے ساتھیوں کا امتحان لے گا جبکہ گرمی کی شدت تھی اور لوگوں کے حلق سوکھ رہے تھے۔ ان مذاکراتِ قرآنی کے لحاظ سے جو پانی پی لے گا وہ مومنین کے زمرہ سے خارج

ہو جائیگا اگر کوئی چلّو بھر پانی پی لے تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔ البتہ جو چلّو میں پانی لیکر بھی نہ پیئے وہ حقیقی مومن ہوگا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت عباسؑ کا عمل ان آیاتِ قرآنی کی کیسی مکمل تفسیر ہے۔ شدید گرمی اور تین دن کی پیاس میں حکم امامؑ کی بنا پر نہر پر پہنچ کر چلّو میں پانی اٹھا کر ایک طرف تو اپنی شجاعت و قوت دکھلا دی اور پھر چلّو سے پانی پھینک کر اپنے ایثار و وفا کا سکہ بٹھا دیا اور اپنے بڑے درجہ کے مومنِ کامل ہونے کو بھی بر روئے قرآن ثابت کر دیا۔

حضرت امیرؑ کو صفین میں ستر لڑائیاں پیش آئیں۔ ان میں سے لیلۃ الہریر کا واقعہ ایک خصوصی نوعیت کا تھا۔ اس رات میں جناب امیرؑ جس وقت کسی آدمی کو قتل کرتے تو بآواز بلند تکبیر پڑھتے۔ شمار کیا گیا کہ اس رات میں آپ نے پانچسو تیس ۵۳۰ تکبیریں یا پانچسو تیس آدمیوں کے قتل کرنے پر پڑھیں۔ لوگ اس رات میں سیل کی طرح موجزن تھے۔ جب صبح نمودار ہوئی مقتولوں کی تعداد تیس ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات تھی۔

شرح نہج البلاغہ میں روایت ہے کہ صفین کی لیلۃ الہریر میں نماز عشاء کے لئے دونوں صفوں کے درمیان آپ کے لئے جانماز بچھائی گئی تھی۔ آپ اس پر نماز پڑھنے لگے اور تیر آپ کے سامنے سے آتے تھے اور آپ کے کانوں کے پاس سے ہو کر دہنے بائیں نکل جاتے تھے اور آپ بالکل خوف نہ کرتے تھے۔ جب تک اپنے وظائف سے فارغ نہ ہوئے اپنے مقام سے نہ اٹھے۔

صبح کو جناب امیرؑ اور آپ کا سارا لشکر میدان میں مصروف قتال تھا۔ آپ قلب لشکر میں رونق افروز تھے میمنہ پر مالک اشتر اور میسرہ میں عبداللہ ابن عباسؓ گرم پیکار تھے۔ جناب امیرؑ کی فوج پر فتحمندی کے آثر نمایاں تھے۔ مالک اشتر میمنہ سے مصروف تیر اندازی تھے پھر اپنے لشکر سے یہ کہتے تھے کہ اس نیزہ کے فاصلہ سے تیر ڈالو کبھی کہتے تھے اس مکان کے فاصلہ سے تیر چلاؤ کبھی کہتے تھے اسی انداز سے تیر پھینکے۔ جاؤ۔ مالک اشتر نے خود بھی بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ معاویہ نے دیکھا کہ شام کی فوج سست ہو چکی ہے اور عراق والے غالب آ گئے ہیں۔ شامی بھاگنے پر کمر بستہ ہیں۔ ابن عاص سے کہنے لگا کہ اسوقت کوئی چال ایسی ہے جس سے ہم بھاگنے سے بچ جائیں ابن عاص نے کہا تدبیر یہ ہے کہ ہم قرآن مجید نیزوں پر بلند کریں اور اہل عراق سے یہ کہیں کہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اگر انھوں نے قبول کر لیا تو ہم لڑائی کو دوسرے وقت پر ٹال دیں گے اور اگر سب نے قبول نہ کیا تو بعض ضرور قبول کریں گے اور اس طرح ان میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ پس شامیوں نے چند قرآن مجید نیزوں پر باندھ کر علم کئے جناب امیرؑ نے اپنے لشکر والوں سے فرمایا اے بندگان خدا ان لوگوں نے از راہ مکر و فریب قرآن شریف کو نیزوں پر بلند کیا ہے۔ معاویہ ابن عاص ابن ابی محیط اور ابن ابی سرح اور ضحاک کو میں خوب جانتا ہوں یہ لوگ قرآن والے نہیں ہیں۔ تم لوگ اپنے حقوق کو مت چھوڑو اب یہ لوگ شکست کھا چکے ہیں اور بھاگنے پر آمادہ ہیں قرآن کو نیزہ پر بلند دیکھ کر جناب امیرؑ کے لشکریوں میں دو رائیں ہو گئیں مالک اشتر بدستور مردانہ وار حملہ کرتے رہے مگر بعض لوگوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا میں ان سے صرف اس لئے جنگ کرتا ہوں کہ وہ خدا کی کتاب کا حکم مانیں لیکن وہ خدا کے حکم سے نافرمانی کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے ہیں۔ انھوں نے خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے۔ مگر لشکریوں کی سمجھ میں نہ آیا۔ مالک اشتر نے کہا کہ اے ذلت اور خواری کے آشنا اب تم

غالب ہو رہے تھے اور یہی دیکھ کر معاویہ اور ابن عاص نے مکر کیا ہے مجھے دم بھر چھوڑ دو۔ ابھی فتح ہوئی جاتی ہے۔ چند لڑنے تیار تھے مگر بعض کے پھر بھی سمجھ میں نہ آیا اور معاویہ کی چالبازی سے جنگ اس طرح رُک گئی۔ اور حکم مقرر کرنے کا تصفیہ ہوا۔ معاویہ کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج میں سے پینتالیس ہزار مارے گئے اور حضرت امیرؑ کی نود ہزار فوج سے پچیس ہزار مارے گئے اور حضرت عمار بن یاسر بھی جناب امیر کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق حضرت رسول خدا کا ارشاد تھا کہ عمار باغیوں کے گروہ کے ہاتھ سے قتل کئے جائنگے تاریخ خمیس میں ہے کہ اویس قرنی باوجود اپنی کبیر سنی کے زادراہ کا تھیلا پیٹھ پر لئے اور پانی کی چھاگل لٹکائے پاپیادہ دور دراز کا سفر کرتے ہوئے مقام صفین پر حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ میں دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے تاریخ میں ہے کہ خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین بھی حضرت علیؑ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تاریخ کامل میں ہے کہ حذیفہ بن یمان کے دو بیٹے سعید اور صفوان اپنے باپ کی وصیت کے موافق صفین میں حضرت علیؑ کی رفاقت میں لڑ کر شہید ہوئے۔

شواہد النبوۃ میں حبۃ عرنی سے روایت ہے کہ معاویہ کی جنگ کے دنوں میں جب حضرت امیرؑ دریا کے کنارے اترے ہوئے تھے ایک شخص آیا اور السّلام علیک یا امیرالمومنین و امام المتقین کہا۔ جناب امیرؑ نے جواب سلام دیا۔ اُس شخص نے کہا میں شمعون بن یوحنا اس دیر کا مالک ہوں اور ایک دیر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر عرض کی ہمارے پاس کتاب انجیل ہے جو اصحاب عیسٰی ایک دوسرے سے میراث میں لیتے رہے ہیں اگر اجازت ہو تو اس میں سے آپ کے اوصاف کے متعلق پڑھ کر سناؤں۔ اس میں لکھا تھا کہ ایک روز فلاں دریا کے کنارے پر ایک شخص اترے گا جو قرابت و نسب میں خاتم النبیینؐ سے اقرب ہوگا اور اہل مشرق کے دین کو آراستہ کرے گا اور اہل مغرب کے ساتھ جنگ کرے گا۔ وہ ایسا شخص ہے کہ دنیا اس کے نزدیک اس خاکستر سے زیادہ ذلیل و خوار ہے جس پر آندھی کے دن سخت ہوا چل رہی ہو اور خدا کی محبت میں مرجانا اس کے نزدیک پانی پینے سے بھی زیادہ آسان تر ہے جس کو پیا جائے۔ اس کی یاری اور مدد کرنا خدا کی خوشنودی ہے اور اس کی ہمراہی میں قتل ہونا شہادت ہے۔ یہ مرد سعادت مند مسلمان ہوا اور حضرت امیرؑ کی ہم رکابی میں معاویہ کے خلاف لڑتا ہوا لیلۃ الہریر میں شہید ہوا۔

جہاں حضرت عمر کے بڑے بیٹے عبداللہ بن عمر نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی (گو کہ انھوں نے یزید کی بیعت کی اور حسب روایت بخاری دولاکھ درہم بطور رشوت دے کر لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کیا (اور بعد میں عبدالملک بن مروان کی بھی بیعت کی) وہیں حضرت عمر کے چھوٹے بیٹے عبیداللہ بن عمر بھی حضرت علیؑ کے مخالف رہے اور جیسا کہ ریاض منتخابہ یحیٰی عامری میں ہے عبیداللہ بن عمر معاویہ کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں مارے گئے۔

مندرجہ بارہ واقعات کے ذکر سے مقصد یہ تھا کہ جناب امیر علیہ السلام کی شجاعت کی چند مثالیں دکھائی جائیں کہ ساٹھ برس کی عمر میں بھی دستِ خدا کی طاقت ویسی ہی جوان تھی جیسی عمر عبدود، مرحب و عنتر و حارث و ابو جندل و ولید و شیبہ وغیرہ کو قتل کرتے وقت بیس پچیس برس کی عمر میں تھی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ کے صفحہ ۳۲۵ پر لکھتے ہیں "حضرت معاویہ اگر اپنے معاملہ میں انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح حضرت علیؑ کی بیعت کر لیتے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے وارثوں کو لیکر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے۔ لیکن ان کو قصاص سے کہیں زیادہ اسکی فکر تھی کہ خلافت کا رُخ کسی طرح حضرت علیؑ کی طرف سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی وفات اور حضرت حسنؑ سے مصالحت کے بعد جب ان کیلئے حکومت کا میدان صاف ہو گیا تو قصاص یا دربارہ قاتلوں کی تلاش اب ان کو امن و امان یکجہتی اور اتحاد اچھا معلوم ہونے لگا"۔

ڈاکٹر صاحب صفحہ ۳۸۵ پر لکھتے ہیں۔ بالعموم مسلمانوں کی زبردست اکثریت اور خصوصاً انصار و مہاجرکا آپ (حضرت علیؑ) پر اتفاق ہو چکا تھا۔ اب امیر معاویہ کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے اور ان کے شامی ساتھی یہی کرتے۔ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو ان کی حیثیت ایک باغی جماعت کی ہے جس سے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب تک یہ جماعت راہ راست پر نہ آجائے اور صلح سے انکار کرتی رہے اس سے جنگ جاری رکھو"۔

ڈاکٹر صاحب صفحہ ۵۴۵ و ۵۴۶ پر لکھتے ہیں:- "اگر امیر معاویہ کا معاملہ یہیں تک ہوتا تو شائد لوگ کہتے کہ انھوں نے اجتہاد کیا جس میں غلطی اور صحت دونوں کا احتمال ہے۔ لیکن زیادتی تو یہہ ہے کہ ایک طرف انھوں نے حضرت عثمان کے قصاص کے نام سے حضرت علیؑ سے جنگ کی اور دوسری طرف یہہ بتایا کہ اس جنگ کا مقصد مسئلہ خلافت مسلمانوں کے شوریٰ کے حوالہ کرنا ہے لیکن جب اقتدار پر قبضہ ہو گیا تو بھول گئے کہ یہ لڑائی کیوں کی تھی۔ اور اپنی بات سے پلٹ گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ اپنے لئے فضا سازگار پانے سے پہلے خلافت کیلئے شوریٰ کے قائل تھے اور مصالحت کے دوران میں جب وہ اپنے معاملات ٹھیک کر رہے تھے شوریٰ کی بنیاد تسلیم کرتے تھے لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنا خیال بدل دیا اور سب کچھ بھول گئے"۔

صفحہ ۳۸۰ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں"۔ یہہ بات پیش نظر رہے کہ بصرہ کی جنگ کے موقعہ پر قرآن مجید بلند کرنے کی کاروائی حضرت علیؑ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے کی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ مقابل کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ طلحہ زبیر اور عائشہ کا نبی کریم کے نزدیک جو درجہ ہے اس کا تقاضا تھا کہ حضرت علیؑ احتیاط اور تدبیر سے کام لیتے۔ ان کو قرآن مجید اور اس احکام یاد دلاتے اور اپنی دعوت کے جواب

جب تک مایوس نہ ہو جاتے لڑائی کا آغاز نہ کرتے۔ چنانچہ جب بصرہ والوں نے اس قرآن اٹھانے والے جوان کو تیروں کا نشانہ بنالیا تب حضرت علیؑ نے کہا اب کوئی چارہ کار نہیں۔ شام کے لوگ اگر واقعی فتنہ اور لڑائی سے بچنا چاہتے تھے تو یہ کام ان کو لڑائی کے شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ بار بار ان کو قرآن اور احکام قرآن کی یاد دلائی گئی اور انھوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ کتنے مرتبہ انھوں نے حضرت علیؑ کے سفیروں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا نہ صلح کی نہ صلح جیسی کوئی بات پیش کی۔ پھر لڑائی پر ہفتوں گزر جانے کے بعد اب قرآن مجید نیزوں پر بلند کرنا مکاری کے سوا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ تو فتنہ سے بچنا نہیں شکست سے گریز کرنا ہے؟

صفحہ ۲۸۹ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "حضرت علیؑ کی فوج باغی جماعت پر غالب آ رہی تھی اور اس کو اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی اتنے میں قرآن مجید بلند کئے گئے اور جنگ روک دی گئی اور قوم ایک ایسے فیصلہ میں الجھ گئی جو بالکل مبہم اور غیر واضح تھا حضرت علیؑ خود امام نے قرآن مجید اٹھانے کے فریب میں آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ معاویہ اور ان کے درباری قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں یہ تو تلوار سے بچنے کی ایک چال ہے۔ لیکن اکثریت نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور حضرت علیؑ کو ان کی طبیعت کے خلاف مجبور کیا۔ اس کے نتیجے میں یہ ثالثی کا فیصلہ سامنے آیا"۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۲۴۵ پر لکھتے ہیں:- "اس تجویز کا مقصد فی الواقع قرآن کی بنیاد پر فیصلہ کرانا نہ تھا۔ بلکہ اسے صرف ایک جنگی چال کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ کیا اسے واقعی اجتہاد کا نام دیا جا سکتا ہے؟ ا ...... آخر کون انصاف پسند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اجتہاد تھا"۔

صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۳ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں "یہ سازش یہیں آکر نہیں رکی بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ خطرناک میدان
خطرناک میدان میں اس نے قدم بڑھائے۔
دو ثالثوں کا انتخاب تھا۔ اس لئے کہ اشعث بن قیس اور اس کے یمنی آدمیوں کا اسی وجہ سے سخت اصرار تھا کہ ابو موسیٰ اشعری کو حکم چنا جائے حضرت علیؑ کو اسبات کی آزادی نہیں دی گئی کہ اپنے بھروسہ کا آدمی ثالث بنا سکیں۔ حالانکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ابو موسیٰ نے لوگوں کو کوفہ میں حضرت علیؑ کی امداد سے باز رکھا تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے ان کو معزول کر دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو ثالثی کے فیصلہ پر مجبور کیا گیا اور پھر ایک خاص ثالث کے انتخاب پر بھی مجبور کیا گیا۔ یہ تمام باتیں اتفاقیہ ظہور پذیر نہیں ہوئیں بلکہ مکر اور چال سے ہوئیں۔
ڈاکٹر طٰہٰ حسین مزید لکھتے ہیں "۔ حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے یہ بات نہیں مانی کہ ابن عباسؓ کو حضرت علیؑ اپنی طرف سے حکم بنائیں اس لئے کہ وہ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں اور یہ بھی نہیں مانا کہ مالک اشتر حکم ہوں اس لئے کہ انہیں جنگ اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کی اسپرٹ بہت زیادہ تھی احنف ابن قیس چاہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کی نمائندگی کریں۔ یا کم از کم ابو موسیٰ کے ساتھ رہیں حضرت علیؑ کی مجبوری کا

یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھیوں نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اور اصرار کیا کہ نمائندگی تو صرف ان کے پرانے حاکم ابو موسیٰ اشعری ہی کریں گے جنہوں نے ان کے لئے فتنہ پسند نہیں کیا نہ لڑائی میں کسی کی طرف سے حصہ لیا۔ ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ عمر بن العاص (معاویہ کے حکم) نے تو جنگ میں حصّہ لیا ہے۔ (ور اپنی زبان سے تلوار سے اور دماغ سے جنگی خدمت انجام دی ہے۔ یہ خیال تو ضرور آیا ہوگا لیکن ان لوگوں نے اسباب کی طرف توجہ نہیں کی۔ *

بہرحال امیر معاویہ کی طرف سے عمر بن العاص اور حضرت علیؑ کی جانب سے آپ کے خلاف مرضی ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا گیا۔ خصائص نسائی روضۃ الاحباب حبیب السیر اور روضۃ الصفا میں ہے کہ جب معاویہ اور حضرت علیؑ کے درمیان حکم مقرر ہو کر صلحنامہ لکھا جانے لگا تو اس میں امیر المومنین علیؑ لکھا گیا تو عمر بن العاص بولا علی تمہارے امیر ہیں ہمارے نہیں اس لفظ کو مٹادو۔ احنف نے کہا امیر المومنین کا لفظ محو نہیں کیا جاسکتا اشعث بن قیس نے کہا ضرور محو کرنا چاہئیے۔ حضرت علیؑ نے کتبہ لے کر اپنے ہاتھ سے لفظ امیر المومنینؑ کاٹ دیا اور فرمایا اللہ اکبر یہ معاملہ مطابق سنت نبوی ہے کہ صلح حدیبیہ کے روز حضرت رسول کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ تاریخ کامل میں ہے کہ (حدیبیہ میں) صلحنامہ لکھتے وقت جب سہیل نے کہا بجائے رسول اللہ کے اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو اور حضرت علیؑ نے کہا میں قلم زد نہیں کرتا اور حضرت رسولؐ نے کاغذ لے کر خود قلم زد کر کے لفظ رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھ کر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ ایک وقت تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ ابو موسیٰ اشعری کو جو حضرت علی سے کوئی ہمدردی نہ رکھنے کے علاوہ موٹی عقل کے آدمی تھے عمر بن العاص نے اپنی چال میں پھانس لیا اور یہ کہا کہ ہم دونوں پہلے یہ اعلان کریں گے کہ امیر معاویہ اور حضرت علیؑ کو معزول کر دیا گیا ہے اب مسلمان اپنے مشورہ اور مرضی سے جس کو چاہیں امیرؑ مقرر کرلیں۔ ابو موسیٰ اس پر راضی ہو گئے۔ اسکے بعد عمر بن العاص نے کہا کہ پہلے آپ تقریر کریں اور حضرت علیؑ کی معزولی کا اعلان کریں چنانچہ ابو موسیٰ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد عمر بن العاص کھڑے ہوئے اور یہ کہا کہ اے لوگو تم نے دیکھ لیا کہ حضرت علیؑ کے حکم ابو موسیٰ نے ان کو خلافت سے معزول کر دیا ہے۔ اب میں امیر معاویہ کے حکم کی حیثیت سے حضرت علیؑ کی معزولی کو تسلیم کرتا ہوں اور امیر معاویہ کو ان کی امارت پر برقرار رکھتا ہوں اور ان کو مسلمانوں کا خلیفہ قرار دیتا ہوں۔ اس اعلان پر ابو موسیٰ بھی (بظاہر) حیرت میں پڑ گئے اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا کہ یہ تو علانیہ مکر و فریب ہے۔

شیعوں نے اس تصفیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السّلام نے لوگوں کی بے عملی پر ان کو نصیحت کر کے معاویہ کے خلاف جہاد کے لئے آمادہ کیا اور ایک فوج بھی اس غرض کے لئے تیار ہوگئی اور جیسا کہ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں حضرت علیؑ کی منزل آپ کے سامنے تھی کہ سازش کر کے مسجد کوفہ میں آپ کو شہید کرا دیا گیا۔ اس کا ذکر علیحدہ آیا ہے۔

* ابن عبد البر نے استیعاب میں اور عبد اللہ بن قیس بن سلیم نے لکھا ہے کہ ابو موسیٰ حضرت علی سے بغض رکھتا تھا۔ بخاری کتاب الفتن میں ہے کہ ابو موسیٰ نے یزید کی بھی بیعت کی تھی۔ عمر بن العاص کے متعلق ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں لکھا ہے کہ اس کے پیدا ہونے پر چار آدمیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ ہمارا نطفہ ہے۔

جنگِ نہروان حضرت امیر علیہ السلام کو منافقوں، باغیوں اور خارجیوں نے کبھی اطمینان کا سانس نہ لینے دیا۔ ۳۸ھ میں جب صفین کی جنگ اور حکم مقرر ہونے کے بعد حضرت امیرؑ کوفہ واپس ہو رہے تھے۔ خارجیوں نے بارہ ہزار کے لشکر سے آپ پر خروج کیا۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا تھا کہ ہمارے لشکر کے دس آدمی بھی مارے نہ جائیں گے اور دشمن کے دس آدمی بھی باقی نہ بچیں گے کچھ خارجی دہشت سے بھاگ گئے کچھ اپنی غلطی کو محسوس کر کے لوٹ گئے اور باقی حملہ آور ہوئے۔ حضرت امیرؑ نے اپنے لشکر سے فرمایا جب تک وہ لوگ تم پر آن نہ پڑیں تم پہل مت کرو۔ اتنے میں خارجی الرواح الرواح الی الجنۃ پکارتے ہوئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت امیرؑ کے لشکر نے دو حصوں میں منقسم ہو کر خارجیوں کو بیچ میں گھیر لیا کچھ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ بجز سات آدمی کے باقی سب کے سب خارجی فی النار ہو گئے۔ ان سات میں سے دو خراسان کی طرف بھاگ گئے چنانچہ اب تک اس ملک میں ان کی نسل پائی جاتی ہے دو آدمی یمن کی طرف فرار ہو گئے جہاں ان کی نسل اباضیہ کے نام سے موسوم ہے کیونکہ ان کے مورث کا نام عبداللہ بن اباض تھا دو آدمی تل مردن کی طرف بھاگ گئے۔ حضرت امیرؑ کے لشکر میں سے بروایت صرف دو آدمی بروایت سات آدمی شہید ہوئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ حصّہ دوم صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں (خوارج پر فتح پانے کے بعد) حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ آپ کچھ متردد سے ہیں اور اپنے قریب کے لوگوں کو کہہ رہے ہیں ذَاالثُّدَیَّۃ (چھاتی والے) کو تلاش کرو۔ ایک پیدائشی طور پر ناقص ہاتھ والا آدمی تھا جس کے بازو پر عورت کے سینہ کی طرح ابھار تھا۔ اور اس ابھار پر چند سیاہ بال تھے۔ لوگ مقتولوں میں جو پچھاڑ کھا کر گرنے والوں میں تلاش کرتے ہیں اور واپس آ کر کہتے ہیں کہ تلاش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت علیؑ کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے اور فرماتے ہیں بخدا نہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔ دیکھو تلاش کرو وہ آدمی مقتولوں میں ہے اتنے میں ایک آنے والا آتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ وہ مل گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ سر اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں واللہ نہ میں جھوٹا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا تم نے بدترین انسان کو قتل کیا ہے۔ مورخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ یہ ناقص ہاتھوں اور چھاتی والا آدمی وہی ہے جس نے نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اے محمد انصاف کرو تم نے انصاف نہیں کیا۔ جب حنین کے موقعہ پر آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور جس میں بعض عربوں کی آپ نے دلجوئی کی تھی اس کے کہنے پر آپ نے ایک مرتبہ دو مرتبہ کچھ خیال نہیں کیا لیکن جب اس نے تیسری بار کہا تو آپ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اسوقت بعض مسلمانوں نے چاہا کہ اس بدبخت کا کام تمام کر دیں۔ لیکن آپ نے ان کو روکا آپ نے فرمایا کہ اس شخص کی آل سے ایک قوم نکلے گی جس سے دین اس طرح دور ہو جائے گا جیسے کمان سے تیر دور ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں

اترے گا (ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۴ صفحہ ۳۴۳ و باب ۱۲ صفحہ ۲۲۹ و صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۴۳۱)

جمل وصفین کے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی کا اظہار خیال

علامہ مناظر احسن گیلانی صاحب (صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) اپنی کتاب "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" میں جنگ جمل وصفین کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السّلام کے متعلق لکھتے ہیں! "ثروت و دولت کا جو طوفان مسلمانوں کے گھر گھر ابلنے لگا تھا یقیناً اس بے ہوش و بد حواس کرنے والی دنیا کے ساتھ دینی زندگی کے مطالبات کی تکمیل شاید مشکل ہی ہو جاتی اگر خدا کے اس راست باز ...... بندہ کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے نہ ہوتا جو استغنا اور تونگری کی بلند ترین منزلوں پر پہنچنے کے بعد بھی دین کے جزئی مطالبہ کو زندگی کے آخری لمحوں تک پورا کرتا رہا۔ اگر ان سارے واقعات کا ظہور اسلام کی تاریخ میں ٹھیک ٹھیک اپنے وقت پر ہوتا رہا تو مسلمان اس غیبی امداد کے شکریہ سے کیا سبکدوش ہو سکتے ہیں کہ جب دین کو چاہا جا رہا تھا کہ دنیاوی جاہ و جلال شوکت و اقتدار کو صرف ایک حیلہ اور بہانے کی حیثیت عطا کرکے اس کے سارے زور اور واقعیت کو ختم کر دیا جائے دنیا کو بھی دینی کامیابیوں کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا لیا جائے جو اسلام اس کی تعلیم دینے آیا تھا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہیں اس کو بھی دنیا کی اس چلتی پھرتی چھاؤں کی تاریکیوں میں گم نہ کر دیا جائے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس وقت سب سے بڑی فیصلہ کرنے والی قوت عین وقت پر ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر وہ سب کچھ کرنے کے لئے اگر تیار نہ ہوتی جس کے تصور سے بھی آج مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا اسلام جو صرف دین ہے دین کے سوا کچھ نہیں ہے اپنے دین ہونے کی حیثیت برقرار رکھ سکتا تھا...... کیا اسلام کو یہی تحویری خندوں کے ان تھپیڑوں سے کوئی بچا سکتا تھا؛ مسلمان مر رہے ہیں مارے جا رہے ہیں کٹ رہے ہیں اور کاٹے جاتے ہیں لیکن اسلام بچ رہا ہے اور بچایا جا رہا ہے۔ اس بلند حوصلہ اور فولادی عزم کے ساتھ خدا کے دین کی آخری مشکل کو بچانے کے لئے کھڑا ہونے والا اگر جمل اور صفین کے میدان میں سینہ تان کر کھڑا نہ ہوتا تو کیا اسلام کو بچائے جانے میں وہ کامیاب ہو سکتا تھا جو صرف مسلمانوں کو یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کو بڑھانا چاہتے تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے ٹیکس دہندوں کو بڑھانا چاہتے تھے اور یہ طے کرکے بڑھانا چاہتے تھے کہ اسلام اس کی وجہ سے گھٹ رہا ہو تو گھٹنے دو۔ اسی حیواۃ الدنیا کا وہ دور جو حضرت مرتضیٰ علیہ السّلام کے سامنے آگیا تھا۔ یعنی ایک طرف اسلام تھا اور دوسری طرف مسلمان تھے۔ ان دونوں چیزوں میں پیدا کرنے والوں نے ایک ایسا تعلق پیدا کر دیا تھا کہ ایک کو پکڑا جاتا ہے تو دوسری چیز بگڑتی ہے۔ پھر کیا کیا جائے ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ "اقضاء ھم" (اقضاء ھم علی) کی قوت فیصلہ اگر مسلمانوں کو اسوقت نہ مل جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمان نام رکھنے والی کوئی قوم دنیا میں رہ جاتی لیکن اسلام باقی رہتا یا نہیں اسکی پیشین گوئی مشکل تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے غائب ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ مسلمان قوم تو باقی رہ گئی کچھ بے معنی سی بات ہے۔ الغرض یہ اور ایسے بیسیوں پریشان کن سوالات تھے جنہیں وہی حل کر سکتا تھا

جسے پیغمبر کی زبان نے مسلمانوں کا سب سے بڑا قاضی قرار دیا تھا... جنگ جمل و صفین کے حالات پڑھئے اور دیکھئے اس بوکھلا دینے والے ماحول میں مرتضٰی علیہ السلام نے کتنے ٹھنڈے دماغ سے ہر موقع پر اس کے مناسب رائیں قائم کی ہیں ان پر خود عمل کیا ہے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا دوسروں سے عمل کرایا ہے۔ اسلامی نظام سیاست میں اتنی اہمیت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عملی نمونہ نے پیدا کر دی ہے.... جمل و صفین میں یہ کرکے دکھایا گیا کہ دس پانچ نہیں ہزار ہا القول بعض لاکھوں تک نوبت قتل و شہید ہونے والے مسلمانوں کی پہنچتی چلی جاتی تھی۔ کشتوں کے واقعی پشتے لگتے چلے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن یہ حد تھی کسی نصب العین پر اصرار کی کہ کسی قسم کا کوئی حادثہ یا کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی۔ میں نہیں جانتا کہ نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت پیش کر سکتی ہے۔ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا بلکہ کربلا کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے علیؑ کے گھرانہ کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا اور اب سمجھ میں آتی ہے اہمیت اس سیاسی نظام کی جسے اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ لوگوں نے اس پر بعد کو عمل کیا یا نہیں یہ الگ سوال ہے لیکن جمل و صفین و کربلا کے خون سے جریدۂ روزگار پر جس نہ ختم ہونے والے آثار کا نقش دوام قائم ہو گیا کیا اس کو کوئی مٹا سکتا ہے"

باب یازدہم

دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السّلام کے مختصر حالات اور معجزات

ابوالائمہ امام اوّل حضرت علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسّلام

وقتیکہ بہ کعبہ مرتضٰی شد پیدا اللہ اللہ
در ارض و سما جلوہ نما شد پیدا ماشاء اللہ

جبریل ز آسمان فرود آمد و گفت اے ختم رسل
فرزند بہ خانۂ خدا شد پید اذا للہ باللہ

خواجۂ اجمیریؒ

حضرت علی علیہ السّلام کی پیدائش بتاریخ ۱۳ ارجب یوم جمعہ ۳۰ عام الفیل م ۶۰۰ء بعثت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دس سال قبل عین کعبہ کے اندر ہوئی۔ حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ پر اور نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ فصل اول صفحہ ۱۴ پر لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کو جب دردِ زہ شروع ہوا تو دعا مانگنے کے لئے وہ کعبہ میں حاضر ہوئیں۔ حکم رب سے دیوار کعبہ شق ہوئی اور آپ کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں اور مولود کعبہ پیدا ہوا۔ خانہ کعبہ کے اندر آپکی ولادت کے مزید اسناد کے لئے

ملاحظہ ہوں: مروج الذہب مسعودی جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ شاہد عینیہ علامہ آلوسی مطالب السئول صفحہ ۲ شیخ زرالدین ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ بشائر المصطفیٰ بروایت بریدہ اسفار موسیٰ مولفہ شیخ محسن احمد ہدایت السعدا۔ منافع الاولاد مولفہ ملا نیاض الدین شامی آپ والد اور والدہ دونوں طرف سے ہاشمی ہیں آپ کے والد حضرت ابوطالب جن کا نام عمران بن عبدالمطلب اور کنیت ابوطالب تھی حضرت رسول خدا کے حقیقی چچا تھے اور جب رسول خدا کے دادا حضرت عبدالمطلب کا جو آپ کے کفیل تھے انتقال ہو گیا تو حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے بموجب حضرت ابوطالب حضرت رسول خدا کے کفیل ہوئے اور اپنی خاص اولاد سے زیادہ محبت کر کے آپ کو پالا۔ اس خیال سے کہ کوئی آپ کو گزند نہ پہونچائے حضرت فاطمہ بنت اسد روزانہ جگہ بدل بدل کر سلاتی تھیں اور رسول خدا کے بستر پر اپنے کسی نہ کسی فرزند کو سلایا کرتیں۔ تاریخ ابوالفدا میں حضرت ابو طالب کے حسب ذیل اشعار نقل کئے گئے ہیں جن کو نواب شیخ احمد حسین خاں نے بھی تاریخ احمدی میں درج کیا ہے۔ ترجمہ "اے محمد تم نے مجھے دین اسلام کی طرف بلایا اور میں نے سمجھ لیا کہ تم درحقیقت صادق القول، راستباز، امانت دار ہو۔ اور بیشک مجھے یقین ہو گیا کہ دین محمدی تمام دنیا کے دینوں سے بہتر ہے خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں قریش میں سے کوئی شخص تمہارا کچھ نہیں کر سکتا" حضرت ابوطالب اور جناب فاطمہ بنت اسد نے اس طرح حضرت رسول خدا کی پرورش کی۔ جب حضرت رسولؐ کی عمر بڑھی اور خود کسب معاش کے قابل ہوئے اور ۳۵ عام الفیل میں مکہ میں سخت قحط پڑا تو یہ دیکھ کر کہ حضرت ابوطالب کی آمدنی ان کے بڑے خاندان کے لئے کافی نہیں ہو رہی ہے ایک دن رسولؐ خدا کے چچا حضرت عباس اور خود حضرت رسول خدا نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ ہم یہ عرض کرنے آئے ہیں کہ آپ کے کنبہ کے بارے آپ کو کچھ سبکدوشی دیں اور آپ کے کچھ بچوں کے ہم کفیل ہو جائیں حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ علیؑ کا میں کفیل ہوتا ہوں اور حضرت عباسؓ نے حضرت عقیل کو لیا۔ صرف جعفر حضرت ابوطالب کے پاس رہے۔ اس طرح پانچ سال کی عمر سے حضرت علیؑ کی پرورش حضرت رسول خدا نے فرمائی اور یہ شرف کس قسم کا ہے۔ بجائے خود قابل غور ہے۔ آپ کی والدہ نے حیدر نام رکھا اور حضرت ابوطالب اسد پکارتے تھے سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ میں بروایت عباس ابن عبدالمطلب جس کو شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ میں اور محمد بن یوسف شافعی نے کفایت الطالب باب ۷ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد اپنے فرزند کے نام کیلئے دعا مانگنے کوہ ابوقبیس پر گئے اور دعا کی۔ حضرت ابوطالب کو آسمان کی طرف سے ندا آئی اور جب سر اٹھایا تو زبرجد سبز کے مانند ایک لوح نظر آئی جس پر لکھا ہوا تھا میں نے تم دونوں کو پاک و پاکیزہ اور منتخب فرزند کے ساتھ مخصوص کیا اس کا نام میرے نام علی اعلیٰ سے مشتق علیؑ ہے۔ چنانچہ آپ کا نام علیؑ رکھا گیا۔ روایت ہے کہ بعد پیدائش علیؑ نے ماں یا باپ کسی کے سامنے اپنی آنکھیں نہ کھولیں اور جب

حضرت رسولِ خدا نے اپنے ہاتھوں پر لیا تو جھٹ آنکھیں کھول دیں اور تلاوت قرآن فرمانے لگے۔

جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

(جوش ملیح آبادی)

مولود کعبہ کی تلاوت قرآن پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ ارشاد رب العزت ہے :- ویقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شھیدًا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب (سورہ رعد آیت ۴۳) اس آیت کی تفصیل باب سوم میں آئی ہے۔ یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جب حضرت علیؑ کی عمر نو دس سال کی تھی اور بعثت کے جس ابتدائی زمانہ میں حضرت رسول کو لوگ ساحر و مجنون و شاعر کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسالت رسول کا گواہ ایک تو خود میں ہوں اور دوسرا وہ ہے جس کے پاس تمام کتاب خدا کا علم ہے۔ ثابت ہے کہ بچپن میں حضرت علیؑ کو پوری کتاب خدا کا علم حاصل تھا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ خود رسول خدا کو یہ علم حاصل نہ تھا آپ اس وقت سے نبی تھے جب کہ حضرت آدم آب و گل کی منزل میں تھے اور خلقت آدم سے چودہ ہزار سال قبل سے حضرت رسول خدا اور حضرت علی کا نور تسبیح و تقدیس کیا کرتا تھا (جس کے متعلق روایات مع اسناد باب چہارم میں آ چکی ہیں) قبل بعثت ظاہری حضرت رسول کا نماز پڑھنا اور ایک دو سال کی عمر سے حضرت علیؑ کا آپ کے ساتھ نماز پڑھنا بھی روایات سے ثابت ہے۔ امام احمد بن حنبل اور علامہ جریر الطبری نے عفیف الکندی سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ میں ایام جاہلیت میں مکہ میں آیا اور عباسؓ بن عبد المطلب کے پاس فروکش ہوا۔ جب آفتاب بلند ہوا میں کعبہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک جوان نے آ کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور بڑھ کر کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک لڑکا آ کر اس جوان کے داہنے بازو کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ دیر نہیں گزری کہ ایک عورت آ کر ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ پس اس نوجوان نے رکوع کیا تو اس لڑکے نے اور عورت نے بھی رکوع کیا اور جب اس نوجوان نے سر اٹھایا تو اس لڑکے اور عورت نے بھی سر اٹھایا پھر اس جوان نے سجدہ کیا تو ان دونوں نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے عباس بن عبد المطلب سے کہا یہ کچھ انوکھی بات ہے۔ وہ کہنے لگے تو جانتا ہے یہ نوجوان کون ہے۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا انھوں نے کہا یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب میرا بھتیجا ہے۔ اور یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ یہ چھوٹا لڑکا کون ہے۔ میں نے کہا نہیں اس نے کہا یہ علیؑ ابن ابی طالب بن عبد المطلب ہے۔ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور یہ بھی تجھے معلوم ہے یہ عورت کون ہے۔ میں نے کہا نہیں معلوم۔ کہنے لگے یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجے کی بیوی ہے۔ اس جوان نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میرا خدا آسمانوں اور زمین کا خدا ہے صرف اسی بات پر ان کے دین کا مدار ہے۔ تمام روئے زمین پر ان تین شخصوں کے سوا کوئی اور اس دین پر نہیں۔

احمد نے مناقب میں اور طبرانی نے الکبیر میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ جو پہلی بات میں نے جناب رسولِ خدا سے سیکھی یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک کام کے لئے میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مکہ گیا۔ پس ہم عباسؓ ابن

عبدالمطلب کے پاس گئے۔ وہ کعبہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ہم وہاں ان کے پاس بیٹھ گئے اتنے میں باب صفا سے ایک سرخ وسفید رنگ کا آدمی آیا اور اس کے رخسار کے گھونگروالے بال کانوں کی نصف حد تک تھے۔ اس کی ناک نہایت اونچی تھی اس کے دانت سفید تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور نہایت سیاہ تھیں۔ اسکی داڑھی بہت گھنی تھی اس کی ہسلی نہایت پتلی تھی۔ ہاتھوں پر گٹی بڑی ہوئی تھی۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکا اور بی بی تھی۔ جس نے کہ اپنا منہ چھپایا ہوا تھا۔ اس جوان نے بڑھ کر حجر اسود کا بوسہ لیا اور اس لڑکے اور بی بی نے بھی اس کو چوما۔ پھر وہ جوان سات مرتبہ بیت اللہ کے گرد پھرا اور اس کے ساتھ وہ لڑکا اور بی بی بھی گرد پھرے۔ ہم نے عباسؓ سے کہا یا ابا الفضل ہم نے تو یہ طریقہ تم میں کبھی نہیں دیکھا۔ شائد کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگے یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے اور یہ لڑکا علیؑ ابن طالب ہے۔ یہ بی بی خدیجہ بنت خویلد اس جوان کی بیوی ہے۔ واللہ! ان تینوں شخصوں کے سوا کوئی دوسرا ساری زمین پر اس دین والا نہیں ہے۔

نسائی" احمد" حافظ ابو نعیم" ابو زید عثمان" ابن ابی شیبہ" ابن عاصم حاکم اور العقیلی نے روایت کی ہے۔ کہ عباد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جناب علیؑ فرمایا کرتے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور صدیق اکبر ہوں۔ یہ بات میرے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا مگر جھوٹ بولنے والا۔ میں نے سب لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی ہے۔

نسائی نے خصائص میں اور حافظ الثقفی نے روایت کی ہے کہ جناب علیؑ فرمایا کرتے تھے میں اپنے سوا اس امت کے کسی آدمی کو نہیں جانتا جس نے مجھ سے پہلے حضرت رسول خدا کے بعد نماز پڑھی ہو۔ میں نے نو برس پہلے حضرت رسولؐ کے ساتھ عبادت کی ہے قبل اس کے کہ کوئی اس کی عبادت کرتا۔ علیؑ نام رکھنے کے متعلق تذکرۃ الخواص الامہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب کبھی ایام حمل میں حضرت فاطمہ بنت اسد کعبہ کے سامنے جھکنا چاہتیں جس میں بت رکھے ہوئے تھے تو پیٹ میں جناب امیرؑ کے پہلو کی طرف اوپر چڑھ جاتے اور سجدہ کرنے سے ان کو روک رکھتے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام علیؑ رکھا گیا۔ جس کے معنی اونچے اور بلند کے ہیں حیدر نام رکھنے کے سلسلہ میں۔ نجم الدین فخر الاسلام ابوبکر بن محمدؐ نے اپنی کتاب مناقب الاصحاب میں یہ روایت درج کی ہے کہ جناب امیر ابھی دودھ پیتا بچہ ہی تھے اور گھر میں تنہا تھے۔ آپ کی والدہ گھر سے باہر کسی کام کو گئی ہوئی تھیں۔ اور ان کا گھر مکہ میں ایک پہاڑ کے پہلو میں تھا۔ ایک سانپ پہاڑ سے اترا جناب امیرؑ کو کاٹ کر مار ڈالنا چاہا۔ جناب امیرؑ نے ہاتھ بڑھا کر مضبوط پکڑ لیا۔ اور اس زور سے دبایا کہ وہ آپ کے ہاتھ ہی میں مر گیا (ایک روایت میں ہے کہ جھولے میں لیٹے ہوئے آپ نے اس بڑے اژدہے کے کلہ کو دونوں ہاتھوں سے چیر کر مار ڈالا) اتنے میں آپ کی والدہ ماجدہ باہر سے تشریف لائیں۔ اور سانپ کو

آپ کے ہاتھ میں مرا ہوا دیکھ کر کہنے لگیں۔ اے میرے شیر خدا تجھے خدا زندہ رکھے اس لئے آپ کا نام حیدر مشہور ہو گیا۔ حیدر کے معنی شیر کے ہیں۔

فتوحات القدس میں مرقوم ہے کہ جب حضرت امیرؑ اپنی والدہ کے شکم میں تھے اور حضرت رسولؐ (قبل بعثتِ ظاہری) تشریف لاتے تو سلامٌ علیکم فرماتے اور شکم مادر سے حضرت امیرؑ جواب دیتے (علیکم السلام) روایت میں یہ بھی ہے کہ دونوں کی باتیں ہوتی تھیں۔ حضرت ابو طالب یہ گفتگو سُنکر فرماتے میرا بھتیجہ محمدؐ مثیلہ، خاتم الانبیاء ہے اور میرا پیدا ہونے والا بیٹا اس کا وصی ہے۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ جب بنی ہاشم میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ابو جہل بتوں کے پاؤں کی خاک کا سرمہ اس بچہ کی آنکھوں میں لگایا کرتا تھا۔ اس طرح جب حضرت امیرؑ کی پیدائش پر اُس نے وہ خاک لاکر لگانی چاہی تو اول تو اس مولود کعبہ کو پوری قوت صرف کرکے بھی اٹھا نہ سکا اور جب آنکھیں قوت سے کھولنا چاہا تو اس شاہ ولایت نے ایک طمانچہ اس زور سے ابو جہل کے منہ پر مارا کہ اسکی گردن کج ہو گئی اور آخر عمر تک سیدھی نہ ہو سکی۔

روضۃ الشہداء میں ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ جب جناب امیرؑ تولد ہوئے اور کعبہ سے گھر میں لائے گئے تو عرب کے دستور کے موافق مضبوط کپڑے کے ٹکڑوں میں لپیٹ کر آپ کو لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آکر دیکھا تو ہاتھ کپڑوں کی گرفت سے آزاد ہیں اور یہ نومولود اس طرح ہمک رہا ہے جیسے کوئی چھ سات مہینہ کا بچہ۔ ابو طالب جھولے کے پاس دیکھنے کو تشریف لائے۔ جناب امیرؑ نے ہاتھ بڑھا کر ان کے چہرہ کو خراشیدہ کر دیا۔ حضرت ابو طالب نے کہا میرے بیٹے کے ہاتھوں میں شیر کی طاقت ہے۔ انھوں نے فاطمہؑ بنت اسد سے پوچھا تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا میں نے اپنے والد کے نام پر اس کا نام اسد رکھا ہے۔ جس کے معنی شیر کے ہیں۔ ابو طالب نے کہا ہمارے جد اعلیٰ جامع قبائل عرب قصے کے نام پر زید رکھو۔ اتنے میں حضرت پیغمبر خدا تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کا نام علیؑ رکھو۔ حضرت ابو طالب و فاطمہ بنت اسد نے کہا بخدا ہم نے ایک روز ہاتف سے یہی نام سُنا تھا۔

دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد بچہ کے نام کے لئے کعبہ میں گئے اور حضرت ابو طالب اور جناب فاطمہ بنت اسد نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر یہ شعر پڑھا۔

بین لنا بحکمک والمرضی ماذا اتری من اسم ذے الصبی یعنی اے پروردگار اس لڑکے کے نام کی نسبت جو کچھ تیری رضا ہو اس سے ہمیں آگاہ کر۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی۔

فاسمہ من شامخ العلی علی اشتق من العلی۔ یعنی اس کا نام علی ہے۔ علی مشتق ہے العلی سے جو خدائے پاک کے اسماء الحسنیٰ میں سے ہے۔

نجم الدین فخر الاسلام محمد بن ابو بکر نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے کہ جب جناب امیرؑ تولد ہوئے تو

ابوطالب نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر یہ شعر پڑھا۔ "میں تجھے پکارتا ہوں اے مالک اندھیری رات اور صبح روشن کے ہم سے اپنی رضا کا حکم کر جو نام کہ تو اس لڑکے کا مناسب سمجھے" ناگاہ ہاتف نے پکارا "تو نے ہم سے اس پاک اور مہذب اور ستودہ لڑکے کی نسبت پوچھا ہے۔ اس کا نام آسمان کی بلندیوں میں علیؑ ہے اور وہ مشتق ہے العلی سے جو خدائے پاک کے اسماء الحسنیٰ میں سے ہے۔ حضرت علی کی نو دس سال کی عمر کا ذکر ہے کہ جب بعد بعثت حضرت رسول کہیں تشریف لیجاتے تو مشرکین مکہ کے اشارے پر لڑکے آپ کو چھیڑا اور پتھر مارا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ اس عمر میں بطور باڈی گارڈ حضرت رسول کے ساتھ جاتے اور اپنے سے دو چند عمر کے لڑکوں کو اُٹھا کر پٹک دیتے۔ حیات القلوب میں ہے کہ لڑکے آپ کو دیکھتے ہی بھاگ جایا کرتے اور خصمنا علی یعنی ہم کو علیؑ نے مارا ہے کہتے۔ بچپن میں آپ کا نام خصم پڑ گیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوالحسن ، ابوالحسینؑ ، ابو محمدؑ ، ابوالریحانتین ، ابوتراب اور ابوالسبطین ہے۔ آپ کے القاب سیکڑوں ہیں۔ بہر حال اس ذات والا تبار نے کعبہ میں پیدا ہو کر آغوش رسول میں تربیت پائی۔

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارہ بلندی

حضرت رسول نے اس ہونہار بچہ کی اعلیٰ تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور یہ بچہ رسولؐ کے قدم بہ قدم چل کر بڑا ہوا۔ تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال قبل بہ حالت نور جو ساتھ تھا وہ اس طرح برقرار رہا کہ بالفاظ مولانا مناظر احسن گیلانی "بہ ظاہر اس وقت جدا ہوئے جب حضرت رسول کو دفن کرکے روضہ پاک سے باہر نکلے" حقیقت یہ ہے کہ بغیر علیؑ کے حضرت رسولؐ کا تصور اور بغیر حضرت رسولؐ کے علیؑ کا تصور دشوار ہے یہ لازم و ملزوم ہیں۔ ذات علیؑ سے جو بے پناہ محبت حضرت رسول کو تھی اور جو اعتماد کلی آپ کی صداقت پہ اور جو مکمل ایقان آپ کی عصمت پر تھا وہ حدیث طیر اور رسول اللہؐ دعا فرمانے اور حدیث جنب اور حضرت علیؑ کی شکایت کرنے والوں پر غضبناک ہونے اور کعبہ سے خود مع حضرت علیؑ بلا شرکت غیرے بتوں کے نکالنے کے واقعات سے ظاہر ہیں۔ اپنے مقام پہ یہ حدیثیں درج ہوئی ہیں۔ یہاں صرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک دفعہ حضرت علیؑ کسی لڑائی پر گئے تھے تو رسول اللہؐ نے دُعا فرمائی کہ یا اللہ مجھے اسوقت تک نہ مار جب تک علیؑ کو نہ دیکھ لوں۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کی شکایت کی تو بلا شہادت لئے ان پر غضبناک ہو کر فرمایا تم جھوٹے ہو علیؑ ہرگز خطا نہیں کر سکتا۔ رسول کی زبانی یہ علی کی عصمت مطلقہ کی دلیل ہے۔ مسجد نبوی میں بجز اپنے اور علیؑ کے باقی تمام صحابہ کے دروازے بند کروا دئے اور فرمایا کہ میں اور علیؑ اور اس کے گھر والے ہر حالت میں پاک و طاہر ہیں۔ متعدد مرتبہ حضرت علیؑ سے سرگوشی فرماتے اور بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا علیؑ سے میں نہیں بلکہ اللہ سرگوشی کرتا ہے۔

خانہ کعبہ سے بتوں کو نکالنے کا کام بھی حضرت رسول نے بشرکت حضرت علیؑ انجام دیا اور کسی اور کو اس کام

شریک نہ فرمایا۔ بادی النظر میں بتوں کو کعبہ سے نکالنے کا واقعہ اہم نہ معلوم ہو مگر غور کیا جائے تو انتہائی اہم تھا۔ حضرت رسولؐ نے اس کام میں بہ نفس نفیس خود حصّہ لیا اور اپنے کندھوں پر ایسے شخص کو چڑھایا جس پر آپ کو اعتماد کلی حاصل تھا اور جو اس کا اہل تھا۔ بت کعبہ کے اندر طاقوں میں بلندی پر رکھے ہوئے تھے اور چھوٹے بڑے ہر قسم کے ملا کر تین سو ساٹھ بت تھے اور مشرکین نے سال کے ہر ایک دن کے ساتھ ایک ایک بت کو منسوب کر رکھا تھا۔ منافقین حضرت رسولؐ کے اردگرد موجود تھے جیسے کہ سورۂ منافقون شاہد ہے۔ ان میں وہ بھی موجود تھے جو نماز میں بھی بتوں کو آستین میں چھپا کر بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ اگر یہ کام کسی اور کے سپرد کیا جاتا اور وہ منافقین میں سے ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ منافق اوپر کے کسی طاق میں کسی چھوٹے ایک یا دو چار بتوں کو چھپا ہوا موجود رہنے دیتے اور اصل مقصد خانہ کعبہ کو بتوں کے وجود سے پاک کرنے کا حاصل نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ نے اس کام کو خود بمعیت حضرت علیؑ انجام دیا۔ حضرت رسول کندھوں پر حضرت علیؑ کو لئے ہوئے ہر ہر طاق کے سامنے جاتے رہے اور حضرت علیؑ بتوں کو نکالتے گئے۔ کذا فی المدارج میں لکھا ہے کہ جب بعد تکمیل کار حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے کاندھوں سے نیچے کودے تو ہنسے۔ رسول اللہ نے سبب خندہ دریافت فرمایا تو کہا میں اس قدر بلندی سے کودا مگر گزند نہ آیا۔ رسول اللہ نے فرمایا گزند کیسے پہنچتا کہ تم کو اٹھانے والا سید المرسلین تھا اور نیچے اتارنے والا سید الملائکہ۔

جناب امیر علیہ السلام کی غذا انتہائی سادہ اور لباس بھی بے حد معمولی ہوا کرتا تھا۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۸ پر ہے کہ ایک دن عبداللہ ابن عباسؓ نے عمدہ کپڑا نہ پہننے کا سبب پوچھا فرمایا "مجھے پیوند لگانے والے سے بار بار کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے لیکن دنیا چند روزہ ہے اور اس کی لذتوں کو دوام نہیں۔ خدا کا حکم ہے مسلمانوں کے امیر رعایا کے غریب سے غریب فرد کی طرح بسر کریں تاکہ ان کو دیکھ کر امیر اقتدا کریں اور غریبوں کو اپنی مفلوک الحالی کا صدمہ نہ ہو۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۸ اور ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۶ پر روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت (ظاہری) میں ممبر پر فرمایا کہ کون میری تلوار خریدنا پسند کریگا۔ اگر میرے پاس لنگی خریدنے پیسے ہوتے تو میں تلوار کبھی نہ بیچتا۔ حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اور لنگی کے لئے رقم قرض دینے کا پیش کش کیا۔ فاقوں میں شکر کرنا اور پیٹ پر پتھر باندھنا بھی جو رسولؐ کی دی ہوئی تربیت کا جزو تھا عمر بھر آپ کا شعار رہا۔ آپ صرف جو کی روکھی روٹی کھایا کرتے تھے اور جب روٹی سوکھ جاتی تو بعض دفعہ اس کو گھٹنے پر توڑنے کی نوبت آتی تھی اور پانی میں بھگو کر یہ سوکھے ٹکڑے آپ کھا لیا کرتے تھے۔ خشک روٹی کو آپ ایک تھیلے میں سر بہ مہر فرما دیا کرتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا یا علیؑ اس خشک روٹی کو کوئی شخص بھی نہ کھائیگا آپ سربمہر کیوں فرما دیتے ہیں۔ جواب دیا کہ ڈرتا ہوں کہیں میرے بچے روٹی پر روغن زیت نہ لگادیں۔ گوشت سے آپ کو پرہیز نہ تھا مگر

معمولاً نہیں کھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے پیٹ کو مردہ جانوروں کا قبرستان مت بناؤ۔ ایک دفعہ ایک مسکین مسافر وارد مدینہ ہوا اور پہلے مسجد میں گیا اور پھر امام حسن علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا جن کا دستر خوان نہایت وسیع تھا اور آپ کبھی تنہا کھانا نہ کھایا کرتے تھے۔ مساکین اور فقراء آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے تھے۔ جب یہ مسکین مسافر امام حسن علیہ السلام کے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے لگا تو ایک نوالہ خود کھاتا اور ایک نوالہ اپنی زنبیل میں ڈالتا جاتا۔ اس طرح جب وہ شکم سیر ہو کر کھا چکا تو امام حسن علیہ السلام نے اس کو علیحدہ لیجا کر پوچھا کہ بھائی بتا یہ ایک ایک نوالہ تو نے زنبیل میں کس کے لئے جمع کیا ہے تیری اور کوئی حاجت ہے تو بیان کر کہ میں پوری کروں۔ وہ شخص کہنے لگا میں جب مدینہ میں داخل ہوا تو پہلے مسجد میں گیا اور دیکھا کہ ایک شخص جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھا رہا ہے اس نے مجھکو بھی اپنے کھانے میں شریک کیا مگر مجھ سے سوکھے ٹکڑے نہ کھائے گئے اور پھر لوگوں نے مجھے آپ کا پتہ دیا تو یہاں چلا آیا۔ وہ شخص جو مسجد میں ہے یقیناً کوئی مسکین ہے اس کے لئے میں نے یہ نوالے جمع کئے ہیں۔ یہ سنکر امام حسن علیہ السلام رو پڑے اور فرمایا وہ میرے پدر بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ ہیں ان کی یہی غذا ہے۔ آپ حضرت رسول خدا کی نعلین کی بھی مرمت کر دیتے اور خود اپنی نعلین بھی درست درست کر لیا کرتے تھے۔ ریاض النضرہ جلد۲ صفحہ ۲۲۹ پر ہے کہ جب لباس آپ کا بہت کہنہ ہو جاتا تو اپنے غلام قنبر کو ساتھ لیجاتے اور دو بہت سادہ قسم کے کرتے خرید فرماتے اس کے بعد قنبر سے فرماتے ان میں سے جو تجھے بہتر معلوم ہو وہ لے لے جو بچتا وہ خود لیتے۔ یہ کہنا پڑے گا کہ

کو دنیا میں سب سے پہلے آپ نے اجاگر کیا۔ کسی کے کھیت میں مزدوری پر آپ کام کر دیا کرتے تھے اور مزدوری پر باؤلی سے پانی سینچ دیا کرتے تھے۔ اہل ایمان غور فرمائیں کہ یہ اس شخص کا عمل ہے جو خاتم سلیمان خیرات میں دے سکتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے پاس اونٹوں کی ایک قطار تھی جس میں سے ایک پر کچھ غذا بار کی ہوئی تھی ایک سائل نے آ کر کہا کئی دن سے بھوکا ہوں غذا کا محتاج ہوں آپ نے قنبر سے فرمایا کہ اس کو کھانا دیدے۔ قنبر نے کہا اونٹ پر سے نکال کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا معہ اونٹ کے دیدے۔ قنبر نے کہا اونٹ قطار میں بندھا ہوا ہے اونٹ کو کھول کر دیدیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا معہ قطار کے دیدے۔ یہ سنتے ہی قنبر نے پوری قطار سائل کے حوالہ کر دی اور خود دور جا کھڑے ہوئے اور خیال ہوا کہ مولا کا دریائے کرم جوش پر ہے کہیں مجھ کو بھی اونٹوں کے ساتھ خیرات نہ کر دیں اور آپ کی خدمت کی سعادت سے دور ہو جاؤں۔ ایک دفعہ بازار میں آپ ایک خرما بیچنے والے کی دوکان سے گزر رہے تھے کہ اس دوکان والے کے گھر سے لڑکے نے آ کر کوئی ضروری پیغام اس دوکاندار کو دیا اور یہ کہتا ہوا دوکان بند کرنے لگا کہ میں نے ابھی دوکان کھولی تھی اور کچھ بیوپار بھی نہ ہوا تھا حضرت امیرؑ نے اس سے فرمایا بھائی میں تیری دوکان پر بیٹھ کر تیری طرف سے فروخت کرتا ہوں تو اپنا کام کر آ میں تیری پوری امانت تیرے حوالہ کر دونگا۔

مختار متمار مطہر البصری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب امیرؑ علیہ السلام کھجور بیچنے والوں کے

پاس سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک لڑکی رو رہی ہے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ بچی تو کیوں رو رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے مالک نے مجھے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے کیلئے بھیجا تھا۔ پس میں نے اس دکاندار سے کھجوریں خریدیں۔ جب مالک کے پاس کھجوریں لے گئی تو اسے پسند نہ آئیں اور اسنے واپس کر دینے کو کہا لیکن جب دکاندار کے پاس آئی تو اس نے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حضرت امیر علیہ السلام نے اس کھجور فروش سے فرمایا کہ اے اللہ کے بندے یہ لڑکی صرف نوکرانی ہے اور اسے کچھ اختیار نہیں ہے تو اس سے کھجوریں واپس لے لے اور اس کا درھم اسے دیدے۔ یہ سُنکر وہ کھجور فروش اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت امیر علیہ السلام کو دھکا دیا۔ آپ نے تحمل فرمایا۔ لوگوں نے اس کھجور فروش سے کہا کہ بھلے مانس جانتا بھی ہے۔ یہ کون ہیں جن کے ساتھ تو ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا یہ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین ہیں وہ کھجور فروش ڈر گیا اور خوف کے مارے اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔ وہ کھجوریں اس نوکرانی سے لیں اور اس کا درھم دیدیا۔ پھر حضرت علی علیہ السلام سے معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے فرمایا میری خوشی تو اسی میں ہے کہ تم لوگوں کو ہر شے پوری دیا کرو اور خریداروں سے بددیانتی نہ کیا کرو۔

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں کوفہ میں ایک جذامی رہتا تھا کہ اس کے اہل خاندان نے اس کو آبادی سے باہر ایک مقام پر ڈالدیا تھا۔ اور اس کے کثرت مرض کی وجہ کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا حضرت علی علیہ السلام روزانہ کھانا اور پانی لیجاکر اس جذامی کا منہ ہاتھ دھلا کر کھانا کھلا آتے تھے۔ جب بعد شہادت حضرت علی علیہ السلام رات کو حضرت حسن کا گذر اس طرف سے ہوا تو آپ نے اس جذامی کو کہتے ہوئے سُنا کہ آج تین دن ہوگئے میرا کھانا دینے والا نہیں آیا۔ یہ سُن کر حضرت حسن نے اس کا احوال پوچھا جذامی نے کہا تمہاری آواز اور لب ولہجہ تو وہی ہے کیا تم ہی وہ ہو جو مجھے کھانا دیا کرتے تھے تین دن سے کہاں تھے حضرت حسن نے جذامی کو کھانا کھلایا اور مولا کی شہادت کی خبر سُنائی تو جذامی نے ایک آہ کی اور مر گیا۔ حضرت رسولِ خدا کے ہر ہر ارشاد پر حضرت علی کو کیسا واثق الایمان تھا اس واقعہ سے ظاہر ہو امام ابوالحسن واحدی اسباب النزول میں ذیل کی آیت کی شان نزول میں بیان کرتے ہیں۔ یَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ (سورۂ ممتحنہ آیت ۱) اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ اور دوستی سے ان سے مت ملو) روایت حسب ذیل ہے۔

عمر بن صیفی بن ہشام بن عبد مناف کی ایک لونڈی ظعینہ مکہ سے مدینہ میں آئی ان دنوں حضرت رسول خدا فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ جب وہ لونڈی حضرت کے حضور میں پہنچی تو آپ نے پوچھا کیا تو مسلمان بن کر آئی ہے کہنے لگی نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر کیوں آئی ہے۔ عرض کرنے لگی آپ میرے اہل اور میرا کنبہ ہیں۔ مجھے ایک سخت ضرورت پیش آئی ہے۔ جس کے لئے یہاں آئی ہوں۔ آپ مجھے کچھ دیں اور کپڑے پہنائیں حضرت نے

بنی عبدالمطلب اور بنی عبدمناف کو آمادہ کیا۔ انھوں نے اس کو کپڑا اور روپیہ دیا وہ لیکر مکہ کو واپس چلی۔ وہ جانے کے بعد جبرئیلِ امین نازل ہوئے۔ اور کہا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کی طرف ایک خط اس مضمون کا لکھا ہے کہ حضرت تمہاری طرف آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ تم اپنا بچاؤ کر لو۔ اور وہ خط ظعینہ کو دیا ہے۔ اور اس کو دس دینار اس خط کے پہنچانے کی اُجرت میں دیئے ہیں۔ جب جبرئیل نے حضرت سے یہ بیان کیا آپ نے اس کام کیلئے حضرت امیرؑ کو منتخب فرمایا اور ان کے ہمراہ رکاب زبیر اور مقداد کو روانہ کیا۔ فرمایا کہ فلاں روضہ میں ظعینہ ٹھہری ہوئی ہے۔ اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے۔ جو مشرکین مکہ کی طرف اس نے لکھا ہے تم وہ خط اس سے لو اور اسے چھوڑ دو۔ اگر نہ دے تو اسے مار ڈالو۔ تینوں صاحب اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور حضرت نے جو مقام بتایا تھا وہاں پہنچ گئے۔ جب اس سے حاطب کا خط طلب کیا تو اس نے بحلف انکار کیا تینوں صاحبوں نے اس کی تلاشی کی مگر وہ خط دستیاب نہ ہوا۔ دیگر دو صاحبوں نے کہا کہ اس لونڈی کے پاس خط نہیں ہے واپس چلے چلیں مگر حضرت علیؑ نے کہا واللہ حضرت رسول خدا نے ہم سے جھوٹ نہیں فرمایا۔ اور تلوار نکال کر بضد ہو کر بولے کہ خط نکال دے ورنہ ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ جب آپ نے اس کے قتل کا مصمم عزم کر لیا اور اس نے جناب امیرؑ کی ہٹ کو دیکھا تو خط چوٹی کی موباف میں سے نکال کر حوالہ کیا۔ وہ خط لیکر حضرت کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے اس خط کو پڑھا اور جبرئیل امین کی اطلاع کے بموجب پایا۔ محمد بن طلحہ شافعی اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ ایقان و عزم مصمم و متانت و احتیاط حضرت امیرؑ ہی کا حصّہ تھی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ پہلے حضرت ابوبکر و عمر بھیجے گئے مگر وہ بمقابلہ ارشاد رسولؐ کے اس لونڈی کے کہنے پر یقین کر کے واپس آگئے تھے۔

بہر حال بے شمار واقعات ہیں جن کی سمائی اس مختصر باب میں ممکن نہیں۔ محرابِ عبادت میں کھڑے ہوتے تو ساری رات گزر جاتی۔ ایک ایک رات میں دو ہزار تکبیروں کی آواز آپ کے گھر سے سُنی گئی۔ حالت نماز میں جسم مثل لکڑی کے سخت اور رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ آپ انتقال کر گئے۔ خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ جو تیر بوجہ شدت تکلیف کے آپ کے جسم سے نہیں نکالا جا سکتا تھا وہ لوگوں نے حالت نماز میں کھینچ کر نکال لیا اور آپ کی نماز میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ باعتبار حرکات و سکنات وقفہ قیام و قعود و طرز ادا و لب و لہجہ ظاہری طور پر بھی آپ کی نماز حضرت رسول کی نماز کا مکمل نمونہ تھی۔ چنانچہ تین خلافتوں کے گزرنے کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو بخاری اور مسلم کی روایتیں ہیں کہ مطرف بن عبداللہ صحابی کا بیان ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین (صحابی) نے علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بیشک انھوں نے ہم کو حضرت محمد مصطفےٰ والی

نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری اور مسلم میں یہ روایت بھی درج ہے کہ عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی۔ اور ختم نماز کے بعد کہا کہ انھوں نے ہم کو وہ نماز یاد دلائی جو ہم رسول اللہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی زندگی پر جتنا جتنا کوئی غور کرتا جائے ابتدائے پیدائش سے لیکر بچپن جوانی بڑھاپے اور شہادت تک کا بلکہ سر پر تلوار لگنے کے بعد کا بھی ہر ہر واقعہ اور ہر ارشاد اور ہر قول اور ہر فعل اور ہر عمل فقید المثال اور کائنات عالم میں یادگار ہے۔ نہ کوئی مرد میدان ایسا عالم ہوا نہ کوئی عالم ایسا مرد میدان ہوا اور نہ کوئی مرد میدان ایسا مرد میدان ہوا اور نہ کوئی عالم ایسا عالم ہوا۔ نہ کسی کا نفس نفس اللہ ہوا نہ کسی کی زبان لسان اللہ ہوئی نہ کسی کا ہاتھ ید اللہ ہوا نہ کسی کا چہرہ وجہ اللہ نہ آنکھ عین اللہ نہ کان اُذن اللہ نہ خود مجسم آیت اللہ یہ ذات قدسی ماورائے فہم ہے۔

ملا علی قوشجی انتہائی تعصب کے باوجود لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؑ کے بارے میں عقلمندوں کی عقلیں مبہوت ہیں کیوں کہ آپ نے پچھلے اور اگلے لوگوں کے کارناموں پر خط تنسیخ کھینچ دیا اور شرح تجرید میں انسان حضرت علیؑ کے حالات اور طریقہ زندگی کو سن کر دم بخود رہ جاتا ہے۔"

میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان اپنی کتاب:۔ Hazrat Ali As An Amir کے صفحہ اول پر تحریر فرماتے ہیں۔

To describe the wonderfully illustrious personality of Amirul Mominaen Ali Ibne Taleb is to describe the Holy Prophet of Islam, for both these godly ones were of one and the same light ( ) and manifested the divine attributes in their personal conduct and character .. .. .. The wonderful qualities of Hazrat Ali as a man, as the most Faithful devotee of the Holy Prophet, as a Mujahid, as the greatest defender of the faith, as the Commander in Chief of the Muslim forces, as a divinely inspired scholar, as a Heavenly Commissioned Imam, as a Caliph (the Ruler of the Muslim Empire) as an humble labourer earning the sustenance for himself and his family, as

a social worker for the cause of protection and the maintenance of the helpless widows and destitute orphans, are so numerous that even after enumerting them in a detailed volume none can confidently say that he has done full justice to the subject or has drawn a perfect picture of the great Hero,

حضرت علی علیہ السلام کی شان میں جو بیشمار آیات قرآنی اور احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض کا ذکر اس کتاب کے باب سوم و چہارم میں کیا گیا ہے۔ یہاں ہم یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں مہاجرین و انصار کی تعریف آئی ہے وہ بلا کسی شخص کی تخصیص کے عمومی طور پر آئی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ہر مہاجر اور انصار سے متعلق نہیں ہو سکتی بلکہ صرف ان مہاجرین و انصار سے متعلق ہے جو تادم زیست ایمان پر قائم رہے اور عمل صالح کرتے رہے۔ اگرچہ ان عمومی آیتوں کا اطلاق بھی حضرت علی علیہ السلام پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے اور جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں ایھا الذین آمنو آیا ہے وہاں سمجھنا چاہیئے کہ ان مومنین کے امیر و شریف حضرت علیؑ ہیں مگر خاص بات یہ ہے کہ متعدد مخصوص آیتیں صرف حضرت علی علیہ السلام کی تعریف میں ہیں اور صیغہ واحد استعمال کر کے ایک شخص منفرد سے آیت مخصوص کی گئی ہے۔ یا بعض مختص امور آیت میں بیان کئے گئے ہیں جو مسلمہ طور پر سوائے ذات علیؑ کے اور کسی سے متعلق ہی نہیں تھے سورۂ رعد کی آیت ۴۳ ویقول الذین کفر والست مرسلا قل کفی باللہ شہیدا بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب یا سورۂ تحریم کی آیت ۴ میں صالح المومنین یا سورۂ ھود کی آیت ۱۷ ویتلوہ شاھد منہ وغیرہ میں صیغہ واحد استعمال ہوا ہے۔ اور متعدد احادیث مندرجہ کتب اہل سنت سے ثابت ہے کہ یہ آیتیں مخصوص ذات علیؑ سے متعلق ہیں۔ اسی طرح بعض آیات ہیں جن میں کسی مخصوص صفت یا واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو مسلمہ طور پر سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی اور سے متعلق نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ مائدہ کی آیت ۵۵ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین ..... الخ میں جس صفت کا ذکر ہے یعنی بحالت رکوع زکوٰۃ ادا کرنا وہ ذات علی مرتضیٰ سے مخصوص ہے تاریخ اسلام شاہد ہے کہ کسی اور نے ایسا عمل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بعض مخالف لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ بحالت نماز زکوٰۃ دینے کی طرف خیال کیسے منتقل ہوا اور خلوص دل کہاں باقی رہا۔

خیر یہ معاملہ تو وہی جانے جس کی نماز پڑھی جارہی تھی اور جس نے حضرت علیؑ کو سب خلائق کا ولی اسی طرح ہونے کی سند عطا فرمائی جس طرح اللہ اور رسول ولی ہیں۔ بہرحال اس آیت میں بجز ذات علیؑ کے اور کسی کی شرکت نہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ۶۱ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ .... الخ میں کوئی اور بجز علی مرتضیٰ کے نفس رسول قرار نہ پاسکا۔ حالانکہ آیت میں انفسنا (نفسون) کے الفاظ آئے ہیں۔ جمع ہے ایک سے زیادہ اشخاص کے شریک کئے جانے کی گنجائش تھی مگر حضرت رسول نے بتا دیا کہ نفس رسول سوائے علیؑ کے اور کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح سورہ بقر کی آیت ۲۰۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ مخصوص ذات علیؑ سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ چند وہ مخصوص آیتیں ہیں جن میں صرف اہل بیت اطہار بہ حیثیت مجموعی شامل ہیں۔ مگر کوئی غیر اہل بیت ان میں شامل نہیں۔ مثلاً آیت تطہیر اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورۂ احزاب آیت ۳۳) قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى آیت مودت (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳) یا سورۂ صفٰت کی آیت ۱۳۰ سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يٰسِيْنَ یا سورۂ ھود کی آیت ۷۳ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور پورے کا پورا سورہ ھل اتیٰ۔

آیات قرآنی کے علاوہ متعدد ارشادات رسولؐ ایسے ہیں جن سے حضرت علیؑ کی منفرد اور مخصوص شان ظاہر ہوتی ہے جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں مثلاً من کنت مولاہ فعلی مولاہ " اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا " عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ " سَيِّدُ الْعَرَبِ " وَلِيُّ مُؤْمِنِيْنَ " حدیث منزلت وغیرہ۔ پھر کچھ مخصوص احادیث اھل بیت علیھم السّلام کی شان میں ہیں۔ مثلاً حدیث ثقلین" حدیث سفینہ" حدیث باب الحطہ امت کے لئے امان ہونا وغیرہ وغیرہ۔ باب سوم و چہارم میں ان کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے یہاں ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے۔

شہادت حضرت علی علیہ السلام

سنہ ۴۰ھ کا رمضان شروع ہو چکا تھا حضرت علی حسب دستور دن کو روزہ رکھتے اور رات کا بڑا حصہ نماز میں گزارتے۔ اشرار کی شورشیں ہر طرف جاری تھیں دن میں فوجی انتظامات میں بھی مصروف رہتے۔ انیسویں شب آئی تو بڑی رات تک نمازوں کے بعد بھی آنکھ نہ لگی بار بار صحن میں آکر آسمان کی طرف دیکھتے اور بے چینی سے سحر کا انتظار فرماتے رہے۔ سحر کا وقت قریب آنے لگا تو وضو کر کے مسجد کی طرف چلے اور چلتے ہوئے فرمایا موت کیلئے کمر ہمت باندھ لے آج وہ تجھ سے ملاقات کرنے والی ہے گھر سے نکل رہے تھے کہ پلی ہوئی بطخیں آکر قدموں سے لپٹ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مالک کو باہر جانے سے روک رہی ہیں۔ لوگوں نے ہٹانا چاہا تو آپ نے فرمایا ان سے تعرض نہ کرو یہ میری نوحہ خوان ہیں۔

مسجد میں پہنچ کر پہلے اذاں کہی پھر اوراد و دعا میں مشغول ہوگئے ابن ملجم پہلے سے آکر تلوار کپڑوں میں چھپا کر مسجد میں سونے والوں کے درمیان لیٹ گیا تھا۔ حضرت نے دعاؤں سے فارغ ہو کر سوتوں کو جگایا اور ابن ملجم سے بھی کہا کہ اُٹھ نماز پڑھ۔ اس کے بعد آپ محراب مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ آپ سربسجدہ تھے کہ ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے سر پر وار کیا۔ دو دن آپ کو سخت تکلیف رہی۔ زہر آلود تلوار کا اثر جسم میں سرایت کر گیا ۲۱ رمضان کو آپ واصل بحق ہوگئے۔ اسوقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ پر یہ روایت درج ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن ابن ملجم حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہو کر مدد کا خواستگار ہوا تھا آپ نے اس کی مدد فرمادی اور پھر فرمایا یہ شخص میرا قاتل ہے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اسکو قید کیوں نہیں کر دیتے آپ نے جواب دیا "لیکن ابھی تک اس نے مجھے قتل نہیں کیا ہے"۔

ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ پر ابن شہاب سے روایت ہے کہ جب میں عراق جاتے ہوئے دمشق پہونچا تو خلیفہ عبدالملک سے ملنے گیا۔ خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کیا تم یہ جانتے ہو علیؑ کے قتل کے بعد بیت المقدس میں کیا ہوا۔ میں نے کہا کہ میں اس سے واقف ہوں۔ اس پر وہ مجھے بلا کر دور لے گیا کہ کوئی اور سُن نہ سکے۔ پھر اس نے کہا اب بتاؤ وہ کیا بات تھی۔ میں نے جواب دیا کہ بیت المقدس میں اس روز جو پتھر بھی اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون تازہ جوش مارتا تھا۔ پھر عبدالملک نے کہا یہ راز سوائے تمہارے اور میرے اب کسی کو معلوم نہیں کیونکہ جو جانتے تھے ان میں سے اب کوئی زندہ نہیں ہے اب تم اس کو زبان پر بھی نہ لانا چنانچہ میں نے عبدالملک کی حیات تک اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ تاریخ ابوالفدا میں بھی ہے کہ جس صبح کو حضرت علیؑ شہید ہوئے تو بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا۔

پروفیسر ایم جی رینالڈ اپنی مشہور کتاب "روحانیت اور اسلام" کے تیسرے باب کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"جو مرتبہ علیؑ کو ملا ہے وہ آج تک بھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت علیؑ نے روحانیت کے ساتھ دُنیا پر حکومت کی اور اہل دُنیا کو امن و سلامتی کے ساتھ حکومت کرنے کا طریقہ سکھلایا۔ ان کی شہادت کے روز جہاں کو فہ کے کلمہ گو روئے وہاں سب سے زیادہ عیسائیوں نے بُکا کی۔ علیؑ کے مرنے پر ہزاروں یہودی اور عیسائی عورتیں اور بچے جو بے وارثی کے عالم میں محض ان کے دست فیض سے پرورش پاتے تھے محروم ہوگئے اور بھوکے پیاسے مارے مارے پھرنے لگے۔ جب بیت المقدس میں بطریق اعظم کو شہادت علیؑ کی خبر پہنچی تو دو دن تک اس مُبارک شہر کے گلی کوچوں میں افسوس و حسرت چھائی رہی۔ بطریق اعظم کی آنکھوں سے اس سانحہ میں آنسو نہ تھمے"۔

۱۹۱۰ء میں میجر ان ہال نے حضرت علیؑ کی شہادت پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "حضرت علیؑ کے اُٹھ جانے سے دُنیائے روحانیت حکومت سے خالی ہوگئی۔ حضرت علیؑ تمام عالم کے لئے مشعل ہدایت تھے۔ ان کا وجود دوسری اقوام کے لئے بھی امن و سلامتی اور رحمت کا باعث تھا۔۔۔۔۔ دنیا میں حضرت علیؑ سے بڑھ کر دلعزیز

کوئی دوسرا نہ ہو سکا۔ اگرچہ اُن کا جنازہ رات کو اٹھا مگر اسوقت بھی کوفہ کے تمام گلی کوچے عیسائی، یہودی "آتش پرست سوگ نشینوں سے بھرے پڑے تھے اور وہ ہمیشہ اس طرح روتے رہے جیسے کوئی اپنے باپ کو روتا ہے"۔

علی کے کردار کے متعلق ہٹی آسبرن اور ڈیورنٹ کی رائے

فلپ۔ کے۔ ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف عرب ہسٹری کے صفحہ ۱۸۳ پر لکھتا ہے :۔ "مذہب میں راسخ، میدان جنگ میں شجاع، بزم میں شعلہ نوا دوستوں کے ساتھ وفادار اور دشمنوں کے ساتھ کریم و عالی ظرف ہونے کی وجہ علی اپنے ماننے والوں کیلئے مسلم شرافت اور عرب کی بہادری کا مثالی نمونہ تھے"۔ اصل عبارت یہ ہے۔

"Orthodox in religiom, valiant in battle,eloquent in speech, true to his friends and magnanimous to his foes he(Ali) became to his followers the paragon of Moslem nobility and Arab Chivalry'.

میجر آسبرن لکھتا ہے :۔ "قاتل کی تلوار نے اسلام کی اُمیدوں کو منقطع کر دیا۔ علی کیا گئے کہ مخلص ترین دل والا اسلام کا مثالی نمونہ اٹھ گیا جس کو کسی تاریخ نے محفوظ کیا ہو۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

'The dagger of an assasin destroyed the hope of Islam. With him (Ali) pereshed the truest hearted and best Muslim of whom Mohammedan history has preserved the rememberance'.

ڈاکٹر ول ڈیورنٹ لکھتا ہے :۔ "علی اپنی جوانی میں انکساری تقدس اور غیر متزلزل وفاداری کا مجسمہ تھے۔ اب ان کی عمر پچپن سال کی ہو چکی تھی اور پھر بھی وہ مضبوط، خود پہننے کی وجہ سے سر کے بال کم، ملنسار، دریا دل، تفکر پسند اور کم آمیز تھے۔ وہ ایسے معاشرہ سے محترز تھے جہاں سیاسیات نے مذہب کی جگہ لے لی ہو اور دینداری کی جگہ ساز باز نے اپنا مقام بنا لیا ہو۔ اصل عبارت یہ ہے۔

'He (Ali) had been in his youth a model of modest piety and energetic loyalty. He was now fifty five, bald stout genial and charitable, meditative and reserved. He shrank from a society in which religion has been displaced by politics and devotion by intrigue.

حضرت علی علیہ السلام کی وصیئت

حضرت علی علیہ السلام نے انتقال فرمانے سے پہلے ایک وصیت نامہ امام حسنؑ کے نام تحریر فرمایا اور اس پر امام حسینؑ محمدؐ حنیفیہ اور اپنے دیگر فرزندانِ اعزا اور مخصوص اصحاب کی گواہیاں ثبت کرائیں اور وصیت نامہ امام حسنؑ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اسے حسینؑ کے سپرد کر دینا۔

تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۸۵ و کافی جلد ا صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے کہ تذکرہ صدر وصیت نامہ کے علاوہ ایک وصیت آپ نے حسنؑ و حسینؑ دونوں فرزندان سے مشترک طور پر فرمائی وہ یہ تھی کہ :۔

"میں تم کو فرض شناسی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم کو کبھی دُنیا کے طلبگار نہ ہونا چاہیئے۔ دُنیا خود تمہاری طلبگار ہو کسی دُنیاوی نقصان پر رنجیدہ نہ ہونا ہمیشہ حق کے لئے زبان کھولنا سچائی کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اس پر قائم رہنا اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنا۔ ثواب کیلئے کام کرنا اور ظالم کے مدمقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا۔ میں تم کو تمام اپنی اولاد اور اعزاء اور ان لوگوں کو جن تک میرا پیغام پہونچے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا اور اپنے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دینا اور اپنے درمیانی جھگڑوں کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرتے رہنا یتیموں کا خیال رکھنا۔ انکی برابر خبر گیری کرتے رہنا۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ قرآن کا خیال رکھنا۔ تم سے بڑھ کر کوئی قرآن پر عمل کرنے والا نہ ہو۔ نماز کا خیال رکھنا یہ تمہارے دین کا ستون ہے اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کا خیال رکھنا۔ زندگی بھر اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا۔ خدا کی راہ میں جان و مال و زبان سے جہاد کرتے رہنا۔ آپس میں صلہ رحم رکھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی سے پیش آنا کبھی خلقِ خدا کو نیک اعمال کی ترغیب دینے اور بد اعمالیوں سے روکنے سے باز نہ آنا تاکہ تم پر برے لوگوں کا اقتدار قایم نہ ہونے پائے میرے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ بنی ہاشم مسلمانوں سے میرے خون کے بہانہ خون ریزی شروع کر دیں۔ تم زیادہ سے زیادہ میرے قصاص کے طور پر میرے قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو ایک ضربت کی پاداشں میں ایک ضرب سے زیادہ نہ لگانا۔ میں زندہ رہا تو معاف کرنے یا عوض لینے کا مجھے اختیار ہے"۔

ارباب نظر غور فرمائیں گے کہ یہ وصیتیں سب کی سب امور دین کی ہدایتیں ہیں۔ عام طور پر دُنیا سے جانے والے باپ اپنی اولاد کو اپنے گھر کے معاملات کے متعلق وصیت کرتے ہیں مگر آلِ محمدؐ تو دین و شریعت کتاب و سنّت کو اپنی ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے یوں تو یہ فرزند وہ تھے جو بربنائے علم لدنی خود صحیح اور مناسب ہی کام کرتے مگر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بظاہر اسباب ایک مربی باپ کی طرح اپنا فرض انجام دینا تھا۔

معجزات مظہر العجائب والغرائب

ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح معجزے عطا فرمائے جیسے انبیاء کو عطا ہوئے تھے ذیل میں ہم حضرت علی علیہ السلام کے چند مشہور معجزات کا ذکر کریں گے۔

(۱) ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں درج کیا ہے کہ حضرت علیؑ جس وقت گھوڑے پر سوار ہونے کو رکاب میں پیر دیتے تھے تو تلاوت قرآن شروع کر دیتے تھے اور جب کہ دوسرا پیر دوسری رکاب میں پہونچایا بلکہ پشت فرس پر راست ہو بیٹھتے تو پورا قرآن ختم کر دیتے۔

(۲) شواہد النبوۃ میں اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ سے میرا ازدواج ہوا تو میں نے دیکھا کہ زمین ان سے باتیں کرتی تھی۔ اس مشاہدے سے مجھے ایک قسم کا ڈر ہوا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اے فاطمہ بشارت ہو تجھ کو پاکیزگی نسل سے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات پر تیرے شوہر کو فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ مشرق سے مغرب تک جو واقعات اس پر گزریں وہ سب اس کے سامنے پیش کیا کرے۔

(۳) کفایۃ المومنین میں سعید ابن ابی طالب سے روایت ہے اور اس کو علامہ سید صالح کشفی حنفی نے مناقب مرتضوی کے صفحہ ۸۰ پر نقل کیا ہے کہ ایک دن سرور کائنات کو تپ محرقہ عارض ہوا۔ جس کی شدت کا ذکر آنحضرتؐ نے حضرت امیرؑ سے کیا۔ حضرت امیرؑ نے اپنا داہنا ہاتھ حضرت کے سینۂ مبارک پر رکھ کر یہ کلمات فرمائے۔ یا داءُ اُخرِجِیۡ فَاِنَّہٗ عبدُ اللہِ و رسولہٗ۔ پس آنحضرتؐ اٹھ بیٹھے اور فرمایا اے علی اللہ تعالیٰ نے جو فضائل تجھ کو عطا کئے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ تمام دردوں اور بیماریوں کو تیرا مطیع بنایا ہے۔

(۴) ردشمس کا معجزہ دومرتبہ ظاہر ہونے کو متعدد مورخین و محدثین مثلاً طحطاوی، سیوطیؒ، ابوعبداللہ محمد بن یوسف، قاضی عیاض، حافظ ابن سید الناس اور حافظ علاؤ الدین محطلائی، حضرت جامی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اور نیز کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور علامہ یوسف گنجی الشافعی نے کفایت الطالب میں درج کیا ہے۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ ایک روز بوقت نزول وحی حضرت رسول خدا اپنا سر زانوئے علیؑ پر رکھے ہوئے تھے۔ سورج چھپ گیا تب رسول خدا نے دریافت کیا یا علیؑ نماز عصر فوت ہوئی۔ آپ نے کہا یا رسول اللہ اشاروں سے ادا کی ہے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا تم دعا کرو سورج لوٹ آئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے دعا کی سورج لوٹ آیا اور نماز عصر وقت پر ادا کی۔

دوسری مرتبہ جنگ صفین کے موقعہ پر جب کہ دریا سے اترتے ہوئے دیر ہو گئی اور لوگوں کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ نے دعا کی اور آفتاب بعد غروب پھر طالع ہوا اور تمام لشکر نے وقت پر نماز عصر ادا کی۔

(۵) شواہد النبوۃ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول خدا بروز صلح حدیبیہ مکہ کی طرف چلتے ہوئے جحفہ کے مقام پر ٹھیرے تو کہیں پانی نہیں ملا اور کئی مرتبہ بہت سے اصحاب سقاؤں کو لیکر ایک کنوئیں پر گئے مگر بسبب خوف جنات کے کوئی شخص کنوئیں تک نہ پہنچ سکا۔ وہ کنواں گنجان درختوں میں تھا۔ اور وہاں سے ہولناک آوازیں آتیں اور سر بے تن اور تن بے سر نظر آتے تھے اور آگ کے شعلے دکھائی دیتے تھے۔

جب کوئی صحابی وہاں تک نہ پہنچ سکا تو حضرت رسولؐ خدا نے جناب امیرؑ کو روانہ فرمایا۔ جناب امیرؑ آگے آگے ہوئے اور لوگوں سے کہا پانی کے برتن لئے ہوئے میرے پیچھے چلے آؤ اور خوف نہ کرو۔ جب ان درختوں میں پہنچے تو وحشت ناک آوازیں آئیں اور مہیب عجیب الخلقت صورتیں نظر آئیں اور ہرچند انھوں نے ڈرایا مگر حضرت علیؑ بے خطر کنوئیں پر پہنچ گئے آپ کے ساتھیوں نے ڈول کنوئیں میں ڈالے مگر جنّات نے رسّی کاٹ لی۔ حضرت نے فرمایا اور ڈول لشکر سے لے آؤ مگر کسی کی ہمّت جانے کی بھی نہ ہوئی۔ تب حضرت ذوالفقار لے کر کنوئیں میں کود پڑے۔ کچھ عرصہ تک چاہ کے اندر سے عجیب عجیب آوازیں آنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور چاہ اور درختوں میں خاموشی چھاگئی اور امن ہوگیا۔ پانی اچھی طرح بھر لیا۔ اس معرکہ میں کئی جنات ذوالفقار کے گھاٹ اترے اور بہت سے مسلمان ہوگئے۔ ایک جن نے حضرت کی تعریف میں شعر پڑھا جس کو سب نے سُنا۔ واپس آکر آپ نے حضرت رسول خدا سے واقعہ بیان کیا۔ پھر اس چاہ پر نہ کوئی صورت نظر آئی نہ آوازیں آئیں حضرت علی علیہ السّلام کے مسلمان کئے ہوئے انھیں جنات میں سے زعفر جن تھا جو میدان کربلا میں روز عاشورا امام حسین علیہ السّلام کی نصرت کے لئے معہ اپنے لشکر کے حاضر ہوا تھا مگر حضرت امام نے اس کو قبول نہ فرمایا تھا کیونکہ آپ کا تکیہ قوتِ ظاہری پر نہ تھا۔ احسن الکبار، فوحات القدس اور مناقب صالح کشفی حنفی میں حضرت علی علیہ السلام کی اجنہ اور شیاطین سے جنگ اور مومن اجنہ کو تعلیم دینے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

(۵) سیوطی نے مختلف راویوں کی زبانی لکھا ہے کہ بروز جنگ خیبر آپ نے دروازہ قلعہ خیبر جو دو ہزار من کا تھا بائیں ہاتھ سے اٹھا لیا اور آپ کے دست مُبارک نے جنبش تک نہ کھائی۔ پھر اس دروازہ پر لوگوں کو سوار کراکر خندق کے پار قلعہ خیبر میں پہنچا دیا اور دروازہ کو مثل سپر پکڑ کر جنگ فرماتے رہے اور پھر اس کو دور پھینک دیا۔ روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے درِ خیبر اکھاڑا تو پورے قلعہ کو لرزش ہوئی اور حضرت صفیہ جو اندر تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں نیچے گر کر دانت ٹوٹ گیا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ بعد میں ۸۰ آدمیوں نے دروازہ کو ہٹانے کی کوشش کی مگر نہ ہٹ سکا۔ شواہد النبوۃ میں مولانا جامی لکھتے ہیں کہ جب آپ درخیبر کو اٹھائے ہوئے لوگوں کو اُس پر بٹھا کر خندق سے پار اتار رہے تھے تو آپ کے پیر نیچے ٹکے ہوئے نہ تھے بلکہ ہوا میں معلق نظر آتے تھے۔

(۷) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی رحمۃ اللہ علیہ جامع الکلم قلمی نسخہ صفحہ ۱۲۸ پر درج فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام جہاد میں آنکھیں بند کرکے تلوار چلاتے تھے اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی اپنے والے کو آپ کی ضرب لگ گئی ہو۔

(۸) شواہد النبوۃ میں درج ہے کہ جس زمانہ میں جناب امیرؑ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے ایک سال فرات میں طغیانی ہوئی اور پانی بہت چڑھ آیا اور اہل کوفہ نے شکایت کی تو آپ نے حضرت رسول خدا کا لباس پہنا عمامہ سر پر رکھا اور عصا ہاتھ میں لیکر حضرات حسنین کے ساتھ لب فرات پہنچے اور عصا سے پانی کی طرف

اشارہ کیا اور ساتھ ہی پانی ایک گز کم ہو گیا۔ لوگوں نے اور کمی کی درخواست کی پھر اشارہ کیا پانی اور ایک گز کم ہو گیا اس طرح تین مرتبہ اشارہ سے ۳ گز پانی کم ہو گیا!

(۹) مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت میں رسالہ راحت القلوب میں خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے مرشد خواجہ فریدالدین شکر بار کے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے اقوال جمع فرمائے ہیں۔ اسی کے صفحہ ۲۱۰ پر درج کرتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس ایک یہودی آیا اور مال و زر کا سوال کیا۔ اسوقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ نے اس کی ہتھیلی پر دس مرتبہ درود پڑھ کر دم کیا اور فرمایا مٹھی بند کر لے جب یہودی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے ہنسی اڑائی اور کہا منہ سے پھونکنے سے تجھے کیا مل سکتا ہے۔ یہودی نے جب مٹھی کھولی تو دس اشرفیاں برآمد ہوئیں اس معجزہ کو دیکھ کر کئی ہزار یہودی اسی روز مسلمان ہو گئے۔

(۱۰) مولانا جامی نے جناب ابن عبدالازدی سے روایت کی ہے کہ جنگ نہروان کے موقعہ پر ان کے دل میں شبہ آیا کہ طرفین مسلمان قرآن خوان ہیں ان کا قتل کرنا کار عظیم ہے۔ اتنے میں ایک سوار نے آکر عرض کیا کہ دشمن نہروان سے پار ہو گئے جناب امیر نے فرمایا نہیں۔ اسی طرح پے در پے تین سواروں نے خبر دی آپ نے فرمایا غلط ہے کیونکہ ان کے خون گرنے کی یہی جگہ ہے۔ جناب نے دل ہی میں کہا کہ امتحان کرنے کا یہی موقعہ ہے۔ اگر آپ کا مقولہ صحیح ہے تو آپ حق پر ہیں۔ جب موقعہ پر پہنچکر تحقیقات کی گئی تو سواروں کا کہنا غلط پایا گیا۔ جناب امیرؑ نے جناب کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا اے جناب اب تیرا شبہ دفع ہوا۔ جب آگے چلنے لگے تو حضرت نے ارشاد فرمایا دشمن کے دس سے کم آدمی بچیں گے اور ہمارے دس سے کم شہید ہوں گے۔ چنانچہ چار ہزار میں سے دشمن کے (۹) آدمی بچے اور حضرت کی فوج سے صرف (۹) شہید ہوئے۔

(۱۱) ایک روز جناب امیرؑ کو چالیس مختلف اشخاص نے مختلف مقامات پر دعوت دی اور آپ نے ہر ایک کی دعوت قبول فرمائی۔ ایک ہی وقت چالیس مختلف مقامات پر آپ دعوت میں شریک رہے۔ بعد میں لوگوں میں ذکر ہوا کہ حضرت امیرؑ میرے پاس تشریف لائے تھے۔ دوسرے نے کہا نہیں اسوقت تو میرے پاس تھے تیسرے نے اپنا دعا پیش کیا اس طرح جب سب کو خبر ہوئی تو چالیسوں نے اپنے اپنے پاس آنا بیان کیا اور ہر ایک قسم کھانے لگا۔ سب نے کہا کہ چلو۔ خود حضرت سے ہماری صداقت کا تصفیہ کرائیں۔ ہر ایک آپ سے کہتا کہ مولا کیا آپ اسوقت میرے پاس تشریف فرما نہ تھے آپ نے فرمایا ہاں پھر دوسرے نے وہی کہا اور حضرت نے فرمایا ہاں۔ اسی طرح چالیسوں کو جواب دیا۔ تب سب نے کہا کیا مولا آپ چالیسوں جگہ تھے آپ نے فرمایا ہاں چالیسوں جگہ تھا سب کے سب نادعلی مظہرالعجائب کہتے ہوئے واپس ہوئے۔

(۱۲) شواہدالنبوۃ میں ملا عبدالرحمٰن جامی درج کرتے ہیں کہ صفین کو جاتے وقت آپ کے لشکر کو پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی کسی جگہ نہ ملا۔ دریافت کیا تو پانی کئی فرسخ تھا۔ حضرت امیر ہمراہیوں کو ایک جانب

نے چلے۔ تھوڑی دور پر ایک دیر نظر آیا۔ لوگوں نے راہب سے پوچھا اس نے کہا پانی میرے پاس بھی نہیں۔ یہاں سے ۳ فرسخ دور ہے۔ حضرت نے رو بقبلہ ہو کر مرکب کو چند قدم چلایا اور سواری سے اُتر ے اور ایک جگہ نشان کر کے وہاں کھودنے کا حکم دیا۔ تھوڑا سا کھودا تھا کہ پتھر کی ایک سل نمودار ہوئی۔ آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کو نکالنے کی کوشش کی مگر نہ ہلا سکے۔ کوئی اوزار بھی بیکار گر نہ ہوا۔ تب آپ نے آستین چڑھا کر اس پتھر کو اکھاڑ کر دور پھینک دیا۔ اس کے نیچے سے آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری ہوا کہ ایسا پانی کبھی کسی نے نہ پیا تھا۔ جب سیراب ہو چکے تو آپ نے اس چشمہ کو پوشیدہ کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر راہب فوراً حاضر ہوا۔ اور حضرت سے کہنے لگا کیا تم پیغمبرؑ ہو یا وصی یا فرشتہ کیوں کہ ہماری کتب میں لکھا ہے کہ اس چشمہ کو سوائے پیغمبرؐ وصی پیغمبر یا فرشتہ کے کوئی نہیں نکال سکتا آپ نے فرمایا میں وصی ہوں پیغمبر آخر الزماں کا چنانچہ وہ راہب ایمان لایا اور اس طرح کلمہ پڑھا اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھدُ ان محمد الرسول اللّٰہ واشھد انکَ وصی رسول اللّٰہ۔ سورہ ھل اتیٰ کی تفسیر میں آیت ویُفجّرُونہا تفجیرا کے تحت مفسرین باتفاق درج کرتے ہیں کہ یہ چشمہ بہشت جس کا نام کافور ہے متعلق بہ اہلِ بیت محمدؐ ہے جہاں چاہے اس کو نکال سکتے ہیں۔ بوقت شہادت امام حسینؑ علیہ السلام نے بھی یہ چشمہ درویش کو دکھلایا تھا۔

(۱۳) شواہد میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ بعد وفات حضرت رسول خدا بوقت نزاع حضرت امیرؑ نے صحابہؓ سے گواہی طلب کی کہ میرے حق میں رسول خدا نے من کنت مولاہ فعلی مولیٰ فرمایا ہے۔ منجملہ اصحاب کے صرف بارہ یا بروایتے تیس مرد انصاری نے قسم کھا کر گواہی دی کہ حضرت رسولؐ نے یہی فرمایا تھا اور لوگ خاموش ہو رہے۔ منجملہ ان کے ایک شخص تھا جس کا نام ملا جامی نے نہیں لکھا مگر واقعہ درج کیا ہے۔ مگر اور کتابوں سے انس بن مالک صحابی بتلائے جاتے ہیں ان سے آپ نے فرمایا تو نے کیوں گواہی نہیں دی حالانکہ تو اسوقت موجود تھا۔ اس نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اس لئے مجھ کو یاد نہیں رہا۔ اس پر حضرت امیرؑ نے دعا کی کہ الٰہی اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے چہرہ پر سفیدی ظاہر کر کہ عمامہ اسکو پوشیدہ نہ کر سکے اسی وقت وہ مبروص ہو گیا اور چہرہ پر مابین دو چشم کے برص ظاہر ہوا۔ زید ابن ارقم نے بھی کئی روایتوں میں اعتراف کیا ہے کہ میں نے بھی باوجود علم اخفائے شہادت کیا تھا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کی بد دعا سے اللہ تعالیٰ نے میری بینائی چشم لیکر مجھے اندھا کر دیا۔ تا بعمر زید ابن ارقم طلب مغفرت کرتے رہے۔

(۱۴) فتوحات القدس میں منقول ہے اور علّامہ صالح کشفی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ ۳۵ پر درج کیا ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ جنگل میں تشریف لے گئے خالد بن ولید ایک لشکر لئے جا رہا تھا۔ جب جناب امیرؑ کو دیکھا ایک گرزِ آہنی جو اس کے ہاتھ میں تھا اُٹھا کر سر پر مارنا چاہا۔ امیر المومنین نے ہاتھ بڑھا کر گرز اس سے چھین لیا اور اس کو موڑ کر قلادہ یعنی گردن بند کی طرح اسکی گردن میں ڈالدیا۔ تمام

لوہاروں کو بلا کر اس کو نکالنے کی تدبیریں کیں سب نے کہا جب تک آگ پر گرم نہ کریں اس کو سب مل کر بھی موڑ نہیں سکتے اور گرم کرنے سے یہ مر جائیگا۔ اس کو وہی شخص کھول سکتا ہے جس نے تیری گردن میں ڈالا ہے۔ آخر مجبور ہو کر خالد نے چند صحابہ کو جمع کیا اور سفارش کے لئے ساتھ لے گیا۔ سب نے بہت منتیں اور تضرع وزاری کی اور حضرت رسولؐ کی روح کی قسم دی کہ خالد پر رحم فرمایئے پس امیر المومنین نے دو انگلیوں سے اس قلادہ کو کھولدیا۔

(۱۵) (۱) متعدد روایتوں میں ہے اور ملا جامی بھی لکھتے ہیں کہ حضرت نے اپنی موت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی اور قاتل کا نام بھی بیان فرما دیا تھا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے آواز دی کہ سب باہر چلے جاؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے آپ کو غسل دیا اور جنازہ ایک طرف سے حسنین اور ایک طرف سے جبرئیل و میکائیل اٹھا کر لے چلے لوگوں نے دیکھا کہ صرف ایک طرف حسنین اٹھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف سے جنازہ خود چلتا ہے جس مقام پر جنازہ رک گیا وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں حضرت آدم اور حضرت نوح کی قبریں پنہاں تھیں۔ کئی سال بعد آپ کا مزار حضرت آدم و نوح کی قبروں کے درمیان معہ ان قبروں کے نمودار ہوا۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی جوامع الکلم کے قلمی نسخہ کے صفحہ ۹ پر اس کے متعلق اسطرح لکھتے ہیں۔ سر تربت آنحضرت (علیؑ) بیرون آمد یکجا نشستہ حضرت آدم صفی علی نبینا علیہ السلام ودیگر نوح علی نبینا علیہ السلام ودیگر حضرت امام برحق علی وصی علیہ التحیۃ و الثنا علیہ السلام۔ زمین ہموار کردند و قبہ و گنبد ویران برآوردند۔ از آں روز باز مشہد علی علیہ السلام پیدا شدہ۔ روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے جنازہ پر آپ خود بشکل سوار برقعہ پوش ظاہر ہوئے تھے۔

علامہ صالح کشفی ترمذی نے زہرۃ الریاض روضۃ الشہدا فصل الخطاب وغیرہ کے حوالہ سے اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ ۴۰۸ و ۴۱۸ پر لکھا ہے کہ وقت رحلت حضرت علی علیہ السلام نے وصیت فرمائی کہ جب میں اس عالم سے انتقال کر جاؤں تو گھر کے ایک گوشہ سے ایک لوح ظاہر ہوگی مجھے وہاں لٹا کر غسل دینا اور گھر کی دہلیز سے کفن و حنوط ملیگا مجھ کو اس میں کفنا کر تابوت میں رکھ دینا۔ غسل کے متعلق یہ روایت ہے کہ فرشتوں نے آپ کو غسل دیا۔ تابوت گھر میں رکھ کر میرے فرزندوں کو بلانا کہ وہ اپنے باپ کو وداع کریں۔ ایک دفعہ حسنؑ مجھے نماز پڑھائے اور ایک دفعہ حسینؑ میرے تابوت کا اگلا حصہ زمین سے اٹھ جائے تو تم اس کا پچھلا حصہ اٹھانا اور جہاں پر تابوت کا اگلا حصہ زمین پر رکھا جائے مجھ کو وہیں رکھ دو اور قبر کھودو۔ وہاں ایک تابوت ساج کا بنا ہوا نکلیگا مجھ کو اسی جگہ دفن کر دینا۔ الغرض وصیت کے موافق عمل کیا گیا اور جہاں جنازہ خود رک گیا اور اگلا سرا زمین پر رکھا گیا وہاں دفن کر کے قبر مبارک کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ زہرۃ الریاض میں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ کشتی تیار کرو۔ حضرت نے مقررشدہ لوحوں سے کشتی تیار کی جب ۳ لوحیں بچ گئیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ان کو کیا کروں وحی آئی کہ اے نوحؑ علیؑ نام میرا ایک دوست آخری زمانہ میں پیدا ہوگا۔ فلاں جگہ کھود کر یہ تینوں لوحیں وہاں رکھ دے۔ یہ میرے اس دوست کی

دفن کی جگہ ہوگی میں فرشتوں کو اس کی قبر کی زیارت کرنے کا حکم دوں گا کتب مذکورہ صدر میں اس کا بھی ذکر ہے کہ آنجناب کی شہادت کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد تک مزارِ مبارک پوشیدہ رہا اور بجز ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے مزارِ مبارک سے کوئی واقف نہ تھا ہارون رشید کے زمانہ میں (جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا) واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک روز ہارون اُس نواح میں شکار کیلئے گیا چند ہرنوں نے جان کے خوف سے اس مقام پر جہاں حضرت علی علیہ السلام کا مدفن تھا۔ جا کر پناہ لی۔ ہر چند ہارون نے ان پر شکاری کتے اور چرغ چھوڑے مگر انھوں نے اس طرف سے اپنا منہ پلٹا لیا۔ ہارون اور اس کے ہمراہی اس حالت کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور اُس سرزمین کے لوگوں سے اس کا راز پوچھا۔ تحقیقات کرنے پر ایک بڈھے نے بیان کیا کہ ہمارے باپ دادا سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ امیرالمومنین حیدر کا جسدِ اطہر یہاں دفن ہے۔ ہارون نے وہاں شکار کرنا ترک کیا اور مزارِ مبارک کا طواف کر کے واپس ہوا۔

(۱۶) ڈاکٹر محی الدین قادری زور مرحوم نے "حیاتِ میر مومن" میں اس کو درج کیا ہے کہ حضرت شاہ نور الہٰی جن کا مزار دائرہ حضرت میر مومن میں بنا ہوا ہے۔ وصیت کی تھی کہ میری نمازِ جنازہ حضرت امیر علیہ السلام نے پڑھانے کا وعدہ فرمایا ہے مجھے غسل و کفن دیکر رکھ دینا اور کوئی نماز نہ پڑھانا۔ چنانچہ جب آپ کو غسل و کفن دیکر رکھا گیا تو ایک سوار نقاب پوش نمودار ہوا اور آکر نمازِ جنازہ پڑھانی شروع کر دی۔ بعد ختم نماز جب وہ سوار چلنے لگا تو لوگوں نے جراءت کر کے آگے بڑھ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا انا علی ابن ابی طالب۔ دوسرا بالکل اسی قسم کا واقعہ شاہ چراغ کا بھی ڈاکٹر زور نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر درج کیا ہے۔

(۱۷) احسن الکبار اور مناقب صالح کشفی میں منقول ہے کہ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں سلمان فارسی کا انتقال مدائن میں ہوا جو مدینہ سے سینکڑوں میل دور ہے باعجاز ولایت حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ میں فرمایا کہ سلمان کا انتقال صبح میں ہوا ہے۔ حضرت رسولؐ نے انپر نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی میں ابھی نماز پڑھا کر آتا ہوں باعجاز آپ مدائن پہنچے اور نماز میت پڑھا کر نماز ظہر سے قبل مدینہ واپس آگئے۔ چند لوگوں کو یقین نہ آیا اور مدائن سے اطلاعیں منگوائیں۔ کئی دن میں قاصد وہاں پہنچے اور کئی دن میں واپس ہوئے اور آکر تصدیق کی کہ سلمان کی نماز حضرت علیؑ نے پڑھائی ہے۔

(۱۸) تذکرۃ الاولیا، مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی میں حضرت شجاع الدین بو علی قلندر کا واقعہ درج ہے کہ جنگل میں پوشیدہ مقام پر سالہا سال پانی میں کھڑے ہو کر معروف عبادت و ریاضت رہے آپ کو القا ہوا کہ اب تمہارا مقصد پورا ہوا نکل آؤ۔ حضرت قلندر نے عرض کی اے باری تعالیٰ میں کہاں جاؤں تو ہی مجھے نکال۔ ان کا یہ التجا کرنا تھا کہ انھوں نے محسوس کیا کسی بزرگ نے ان کو دونوں شانے پکڑ کر درمیان دریا سے باہر لا کھڑا کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ تو ہی مجھے نکال آپ کون ہیں کہ اس پوشیدہ مقام پر آگئے۔ آپ نے فرمایا میں ہوں علی ابن ابی طالب۔ بو علی قلندر آپ کے قدموں پر گر پڑے۔

یہ انہیں بوعلی قلندر کا واقعہ ہے جو لکھتے ہیں :-

حیدریم قلندرم مستم بندۂ مرتضیٰ علی ہستم
من بغیر از علی ندانستم ھُو اللہ ھُو العلی ہستم

(۱۹) معارج النبوۃ اور زہرۃ الریاض میں منقول ہے اور علامہ سید صالح کشفی ترمذی حنفی نے مناقب مرتضوی کے صے ۱۲ پر اس کو درج کیا ہے کہ سرکار دو عالم کے انتقال کے دس دن بعد ایک اعرابی ہاتھ میں تازیانہ لئے اور منہ پر نقاب ڈالے مسجد نبوی میں داخل ہوا اور حاضرین پر سلام کر کے کہا تمہارے پیغمبر کا وصی کون ہے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علی علیہ السّلام کی طرف اشارہ کیا اس اعرابی نے آنجناب کی طرف رخ کر کے کہا السّلام علیک یا فتی (اے جوان تم پر میرا سلام ہو) جناب امیرؑ نے فرمایا علیک السلام یا مفر و یا صاحب البیر (تجھ پر بھی میرا سلام ہو اے مفر اور صاحب بیر یعنی کوئیں والے) حضرت ابوبکر اور تمام حاضرین حضرت امیرؑ کے جواب سے حیران رہ گئے اعرابی بولا اے جوان تو نے میرا نام کس طرح جانا اور مجھ کو صاحب بیر کیونکر کہا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا میرے بھائی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تیرے احوال سے خبر دی کہ تیرا نام مفر اور تیرے باپ کا نام دارم ہے اور تیری عمر تین سو ساٹھ برس ہو چکی ہے جب تو سو برس کا تھا تو تو نے اپنی قوم کو سرورِ کائنات کے ظہورِ رسالت کی بشارت دی اور ان پر ایمان لانے کی فہمائش کی۔ اس پر تیری قوم تیری مخالف ہو گئی اور تجھے ایذائیں دیکر ایک گہرے کنوئیں میں ڈال دیا جہاں تو اب تک محبوس تھا۔ جب سرورِ کائنات نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کو سیلاب سے ہلاک کر دیا اور تجھ کو اس قید سے نجات دی۔ اور ندائے غیبی تیرے کان میں پہنچائی کہ سید کائنات کا انتقال ہو چکا ہے تو ان کے اصحاب میں سے ہے مدینہ جا کر ان کی قبر کی زیارت کر اس لئے تو رات اور دن منزلیں طے کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ جب مفر نے یہ باتیں سنیں تو رونے لگا اور آپ کا نام پوچھا آنجناب نے فرمایا میرا نام علی ابن ابی طالب ہے۔ سرورِ کائنات صلعم نے فرمایا تھا جب تیری مجھ سے ملاقات ہو تو آنجناب کا سلام تجھ کو پہنچا دوں۔ مفر نے سلام کی خوشخبری سنی اور آنحضرت کے پیام کی سعادت سے کامیاب ہو کر جناب امیرؑ کے سر پر بوسہ دیا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا اے مفر بیٹھ جا اور اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دے۔ جب اس نے برقعہ اٹھایا تو اس کی پیشانی سے ایک نور نکلا جس سے مسجد روشن ہو گئی۔ بعد ازاں اس نے عرض کی میرے کچھ سوال ہیں جن کے جواب سے نبی یا اس کے وصی کے سوا اور کوئی واقف نہیں جناب امیرؑ نے فرمایا سوال کر اس نے کہا وہ مذکر و مونث کون ہیں جو ماں اور باپ نہیں رکھتے اور وہ مذکر کونسا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا اور وہ عورت کونسی ہے جس نے ۳ ساعت میں بچہ جنا اور وہ رسول کونسا ہے جو نہ تو قوم جن سے ہے نہ بنی آدم سے نہ ملائکہ سے اور نہ چوپایوں نہ درندوں سے اور وہ قبر کونسی ہے جس نے اپنے صاحب کو اپنے ساتھ سیر کرائی اور وہ حیوان کونسا ہے جس نے اپنے

جس نے زندہ چیز جنی اور وہ جماد کونسی ہے جس نے کھایا مگر پیا نہیں اور وہ جسم کونسا ہے جس نے اصحاب کو ڈرایا اور وہ زمین کونسی ہے۔ جس پر ابتدائے آفرینش سے صرف ایک دفعہ سورج چمکا اور پھر نہ چمکیگا اور وہ دشمن کون سے ہیں جو کبھی دوست نہ ہونگے شئے سے کیا مراد ہے اور لاشئے سے کیا مطلب ہے (معمر نے اور کئی سوالات کئے) جناب امیرؑ نے جواب دیا بن ماں باپ کے پیدا ہونے والے مذکر و مونث آدم و حوا ہیں اور بن باپ کے پیدا ہونے والا مذکر عیسیٰؑ ہیں اور ۳ ساعت میں بچہ جننے والی عورت مریم ہیں کہ ایک ساعت میں حاملہ ہوئیں اور ایک ساعت میں دردِ زہ میں مبتلا رہیں اور عیسیٰ کو جنا۔ وہ رسولؑ جو نہ جن وانس و ملائکہ سے ہے نہ چوپایہ و درندسے وہ غراب یعنی کوا ہے۔ جس کو حق تعالیٰ نے قابیل کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ (پس اللہ نے ایک کوّے کو مبعوث کیا جو زمین کو کھودتا تھا) (سورۂ مائدہ آیت ۳۱) وہ قبر جس نے صاحب قبر کو سیر کرائی وہ مچھلی تھی جس نے یونس کو ۳ دن اپنے پیٹ میں رکھا اور سمندر کے اطراف و جوانب میں پھراتی رہی اور وہ حیوان جس نے اپنے اصحاب کو ڈرایا وہ چیونٹی تھی جو اپنی قوم کے ساتھ رزق کی تلاش میں نکلی تھی اور سب ایک ستون پر چڑھ رہے تھے جو سلیمان کے سر پر تھا اور چیونٹی نے کہا خبردار سلیمان کے سر پر مٹی نہ گرے۔ وہ جسم جس نے کھایا مگر پیا نہیں وہ موسیٰ کا عصا تھا جو جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا جس کے متعلق وارد ہے تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ (اعراف آیت ۱۱۷) (انکے تمام باطل سانپوں کو نگل گیا) وہ جماد جس سے حیوان پیدا ہوا ایک پتھر تھا جس سے ناقہ صالح نکلا اور وہ زمین جس پر ایک دفعہ سے زیادہ سورج نہیں چمکا وہ دریائے نیل تھا جس کو حق تعالیٰ نے قوم موسیٰ کیلئے شگافتہ کیا اور اس کی تہ کو ظاہر کیا اور جس پر سورج چمکا اور گرد اٹھی اور موسیٰ کے گزر جانے کے بعد پانی پھر مل گیا۔ وہ دشمن جو کبھی دوست نہ ہونگے زندگی اور موت ہیں اور شئے سے مراد مومن اور لاشئے کافر ہے۔ معمر نے جب یہ جوابات سنے تو کہنے لگا بیشک یہ وصی برحق ہے اور اٹھکر حضرت امیرؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اصحاب رسول بھی موجود تھے آپ کے فرقِ مبارک کو بوسہ دینے لگے اور جناب کو علم رسول کا وارث اور وصی جان کر آپ کے فضائل اور مناقب اپنی زبانوں پر جاری کئے اس وقت معمر نے عرض کی اے وصیٔ رسول ..... مجھے رسول کے مرقد اطہر کی رہنمائی فرمایئے تاکہ اس ذاتِ عالی صفات کے فوت ہونے پر گریہ و زاری کروں۔ حضرت امیرؑ نے اس کو قبر مطہر کے پاس پہنچوا دیا۔ معمر نے اپنا سر و سینہ قبر اطہر پر رکھ کر رونا شروع کیا۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ اس کی مفارقت کا وقت قریب ہے۔ ایک ساعت کے بعد دیکھا تو معمر کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اس کو حضرت حمزہؑ کی قبر کے نزدیک دفن کر دیا گیا۔

(۲۰) فتوحات القدس میں منقول ہے اور علامہ صالح کشفی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ (۲۲۹) پر اسکو درج کیا ہے کہ خلفائے بنو عباسؑ کے زمانہ میں بلخ کا باشندہ ایک مداح اہلبیت معمر

رہتا تھا اور مجمع عام میں فضائل علی علیہ السلام بیان کیا کرتا تھا ایک خارجی نے اس کو دعوت کے بہانہ گھر لیجا کر ہاتھ پاؤں کاٹ کر اور آنکھیں پھوڑ کر ایک قبرستان میں ڈلوا دیا۔ اسوقت حضرت خضر پیغمبر جناب امیر علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کو نجف آئے ہوئے تھے اور قبر مطہر کے گرد طواف کر رہے تھے۔ یکایک قبر کے اندر سے آواز آئی اے بھائی خضر فوراً مصر جاؤ اور ہمارے اُس چاہنے والے کی خبر لو جو ایک قبرستان میں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ڈال دیا گیا ہے۔ بعد ازاں تلقین کے دروازے حضرت خضر پر کھولے اور اُس محب کے ہر عضو بُریدہ کے لئے ایک اسم اعظم حضرت خضر کو تعلیم فرمایا کہ اس طرح اس کو صحیح سالم کر دیں اور پھر کہیں کہ اُسی مسجد میں جا کر حسب دستور مدح اہلبیت کرے اور اس کے بعد وہ ایک عجیب بات دیکھے گا۔ حضرت خضر بموجب ارشاد چشم زدن میں مصر پہنچے اور حضرت علی علیہ السلام کے تعلیم کردہ اسم اعظم پڑھے جس سے وہ مظلوم بالکل صحیح و سالم ہو گیا اور حسب ہدایت اُسی مسجد میں جا کر مدح اہلبیت کرنے لگا۔ ایک شخص نے بہ منت و سماجت اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ مداح اہلبیت دل میں ڈرا مگر چونکہ حضرت علی علیہ السلام کا ایما تھا۔ اس شخص کے ساتھ چلا گیا۔ دیکھا کہ یہ وہی گھر ہے جس میں گزشتہ رات اس خارجی نے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اندھا کیا تھا۔ اس شخص نے کہا تم ڈرو نہیں وہ ظالم شخص میرا باپ تھا اور اس کا تم پر ظلم کرنا مجھے بہت ناگوار گذرا تھا مگر میں مجبور تھا۔ رات کو خواب میں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ آنجناب نے غضبناک ہو کر میرے باپ سے کہا اے خرس سیاہ (کالے ریچھ) تو نے ہمارے محب پر ظلم کی سزا دیکھی کہ دنیا میں مسخ ہوا اور آخرت میں دوزخ کا مستوجب ہو گیا۔ اس خواب کی دہشت سے میری آنکھ کھل گئی اور دیکھا تو اپنے باپ کو ریچھ کی شکل میں پایا اور اس کو ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ چنانچہ اب بھی موجود ہے تم دیکھ لو۔ مداح اہلبیت یہ دیکھ کر زمین پر سجدۂ شکر میں گر پڑا اور اہلبیت کی مدح و ثنا کرنے لگا۔ جب اس جوان نے باپ کا یہ حال دیکھا تو خوارج کے عقیدے سے بیزار ہو کر اہلبیت کا تولا اختیار کیا اور ان کے دشمنوں سے تبرا کیا۔

(۲۱) مخدوم جہانیاں قدس سرہ کے ملفوظات میں لکھا ہے اور صالح کشفی حنفی نے اپنی کتاب کے صفحہ (۲۰۱) پر اس کو نقل کیا ہے کہ۔ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص ثابت نامی چوری اور زنا کے الزام میں لایا گیا۔ حضرت عمر نے اُس کے سنگسار کا حکم دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع ملی تو حضرت عمر سے فرمایا تم سوچ سمجھ کر کیوں حکم نہیں دیا کرتے خصوصاً قتل کے باب میں۔ بعد ازاں آپ نے اُس عورت کو طلب فرمایا جس سے زنا کرنے کا الزام ثابت پر تھا اس عورت سے فرمایا سچ بیان کر۔ اس نے اپنے جھوٹ پر اصرار کیا کہ مجھ سے اس شخص نے زبردستی زنا کیا اور میرا زیور چرایا جو اس کے اسباب میں سے برآمد ہوا۔ اسوقت حضرت علیؑ نے اپنے گھر سے ایک عصا اور کپڑا منگوایا اور چند عورتوں کو بلوا کر اس کے شکم پر وہ کپڑا اڑھوا دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے نطفہ جو اس عورت کے شکم میں ہے حقیقت حال بیان کر۔ اس نے شکم مادر سے

کہنا شروع کیا اللہ ایک ہے محمد مصطفٰیؐ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور علی مرتضیٰ رسولؐ کے وصی اور جانشین ہیں۔ اس کے بعد وہ واقعہ بیان کیا کہ اس عورت نے کئی مرتبہ اپنے کو اس مرد ثابت پر پیش کیا جو نہایت حسین اور عابد و زاہد ہے۔ جب اُس کی طرف وہ متوجہ نہ ہوا تو غلبۂ شہوت میں ایک غلام سے زنا کر کے وہ حاملہ ہوئی اور اپنا زیور مرد کے سامان میں چھپا دیا اور اس کو متہم کیا۔ جب بیٹے کے بچہ نے گواہی دی تو اس عورت نے جرم کا اقرار کر لیا۔ اس مرد بیگناہ کو چھوڑا گیا اور عورت پر حد جاری کی گئی۔ حضرت علیؑ کے اس صاف معجزہ کو دیکھ کر سب خلقت حیران رہ گئی۔ حضرت عمر نے اپنی دونوں آنکھیں حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ملیں اور کہا خدا کی قسم یا علیؑ حضرت رسولؐ کے جانشین آپ ہی ہیں نہ کہ کوئی اور۔ خدائے تعالیٰ عمر کو آپ کے بغیر زندہ نہ رکھے۔"

(۲۲) مصابیح القلوب اور مناقب صالح کشفی میں منقول ہے کہ ایک خارجی نے خصومت سے حضرت علی علیہ السلام کے پاس آکر بلند آواز سے بات کی۔ آنحضرت نے اس کو بلند آواز سے پکارا اور وہ کتا بن گیا۔ ایک شخص نے کہا یا امیر المومنین آپ نے اس شخص کو دھمکایا وہ کتا بن گیا آپ کو معاویہ کے دفع کرنے میں کونسی چیز مانع ہے۔ فرمایا اگر میں چاہتا تو معاویہ کو جنازہ کے تختہ پر ڈال کر میرے سامنے لاتے اور ذرا بھی توقف نہ ہوتا۔ لیکن ہم خازنانِ خدا ہیں۔ جس چیز میں کوئی سرِّ خدا ہوتا ہے، اس سے ہم معترض نہیں ہوتے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے بل ھم عبادٌ مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (سورۂ انبیاء آیت ۲۷) یعنی بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔ بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور اس کے امر کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ کو پڑھکر فرمایا آخرت کا عذاب و نکال دُنیا کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا یعنی ان کے عذاب میں جلدی نہ کرو کیونکہ ہم ان کیلئے عذاب کے دن گن رہے ہیں۔ (سورہ مریم آیت ۸۴)

(۲۳) علامہ صالح کشفی مناقب مرتضوی کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں: "نصارا اپنی زبان میں حضرت علیؑ کا نام شمطیا کہتے ہیں اور مشکلکشائے حاضر و غائب جانتے ہیں۔ اور بڑی بڑی مہمات میں آپ کے الطاف حامی کی پناہ لیتے ہیں۔ ان کے مزید اعتقاد کا باعث ایک واقعہ ہے جو میں نے ایک صادق القول بزرگوار کی زبانی سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ان کی ایک معتبر کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مومن کو نصرانی عالم کے ساتھ جہاز میں سفر کا اتفاق ہوا۔ طوفان میں جہاز بھنور میں پھنس گیا اور بہت مدت تک چکر کھاتا رہا۔ اور کوئی صورت نجات کی سوائے عنایتِ صمدی نظر نہ آتی تھی اس مومن نے چند بار نادِ علیاً مظھر العجائب کا ورد کیا اور بعدہ استطاعت امیر المومنین کے مناقب کو ذکر کیا۔ عالم نصارا نے کہا جس بزرگ کا تم نام لیتے ہو میں نے بھی انجیل میں اس کا نام دیکھا ہے۔ اگر وہ واقعی بزرگ مددِ حق ہے تو خدا اس بزرگوار کے طفیل سے ضرور خلاصی عطا فرمائیگا۔ قدرتِ خدا سے اسی وقت ایک برقعہ پوش سوار سطح سمندر پر گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور اس ڈوبتے ہوئے جہاز کو بھنور سے اٹھا کر

ایک تیر کی مار کے فاصلہ پر رکھدیا اور فوراً نظروں سے غائب ہو گیا. چنانچہ یہ بات قوم نصاریٰ میں نہایت مشہور و معروف ہے اور اُسوقت سے وہ قوم بھی آپ کے مخلصین اور حلقہ بگوش معتقدین میں شامل ہے۔

(۲۴) احسن الکبار میں ہے اور علامہ صالح کشفی نے مناقب مرتضوی کے صفحہ ۲۷۵ پر اس کو درج کیا ہے کہ ابو لیلیٰ سے روایت ہے کہ قیصر روم نے بہت سا مال سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا. جب وہ مال مدینہ پہنچا تو آنحضرت کا انتقال ہو چکا تھا. شاہِ روم کے ایلچیوں نے سارا احوال اپنے بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ اس نے جواب لکھ بھیجا جو ان تین سوالات کا جواب دے وہی وصی پیغمبر ہے مال اس کے حوالہ کردو۔ اور اگر کوئی اس کا جواب نہ دے تو مال واپس لے آؤ۔ پس شاہِ روم کا سفیر حضرت ابوبکر پاس آیا اور کہا کیا تم رسولِ خدا کے خلیفہ ہو۔ انھوں نے کہا ہاں. سفیر نے کہا مجھ کو خبر دیجئے (۱) وہ چیز کونسی ہے جو خدا کے واسطے نہیں ہے (۲) وہ چیز کونسی ہے جو خدا کے پاس نہیں ہے (۳) وہ کیا چیز ہے جس کو خدا نہیں جانتا۔ حضرت ابوبکر نے یہ سوالات سُن کر کہا یہ کیا کفر ہے جو تو کہتا ہے اور حضرت عمر بھی اُس ایلچی کیساتھ بہت سختی سے پیش آئے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا یہ کیا انصاف ہے کہ تم سائل کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہو۔ اس سے کہدو کہ ہم نہیں جانتے۔ حضرت ابوبکر و عمر نے ابن عباسؓ سے کہا کیا تم جانتے ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا میں تو نہیں جانتا مگر اس شخص کو جانتا ہوں جو ان سوالات کے جوابات کو جانتا ہے اور وہ شخص علی ابن ابی طالب ہے۔ پس سب اس ایلچی کو لئے ہوئے حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوئے. اسوقت آپ قرآن شریف کی تحریر سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایلچی نے بعد سلام وہ سوالات پیش کئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ جو چیز خدا کے واسطے نہیں ہے وہ شریک ہے اور جو چیز جو خدا کے پاس نہیں ہے۔ وہ ظلم ہے اور جو چیز کہ خدا نہیں جانتا وہ تمہارا قول ہے کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اور خدا ان کو اپنا بیٹا نہیں جانتا چنانچہ قرآن میں فرماتا ہے۔ بما لا یعلم فی السموٰاتِ فی الارض (سورۂ یونس آیت ۱۸) یعنی خدا نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں میں اسکا کوئی بیٹا ہے۔ یہ جوابات سُن کر ایلچی بولا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ و اشھد و انک وصی رسول اللہ اور مال کو حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا اور آنجناب نے مال اہل ایمان پر تقسیم کر دیا۔

(۲۵) احسن الکبار میں ہے اور صالح کشفی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۲ پر اس کو درج کیا ہے کہ عمار سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا اور حضرت عمر ان کی جگہ بیٹھے تو ایک یہودی عالم نے آ کر کہا تم میں کتاب خدا اور سنت مصطفےٰ کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ حضرت عمر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا۔ اس عالم نے کہا اے خلیفہ جب کہ تو خود اقرار کرتا ہے کہ وہ اعلم ہے تو پھر لوگوں سے تو بیعت کیوں لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالم حضرت علی کی طرف متوجہ ہو گیا اور بہت سے سوالات کئے اور سب کے جوابات سُنکر زار و قطار رونے لگا اور مسلمان ہو گیا اور کہا اشھد انک وصی رسول اللہ یعنی

اس کے بعد اس عالم نے ایک ورق خط عبرانی میں لکھا ہوا
میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسولِ خدا کے وصی ہیں۔ اس کے بعد اس عالم نے ایک ورق خط عبرانی میں لکھا ہوا اپنی آستین سے نکال کر حضرت علیؑ کو دیا۔ آنجناب نے اس کو پڑھ کر گریہ فرمایا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے یاد کیا ہے اور ورق میں میرا نام لکھا ہے اور ورق پر نام کی نشاندہی کر کے فرمایا توریت میں میرا نام ہابیل اور انجیل میں میورا بھی آیا ہے۔

(۲۶) کفایت المومنین میں لکھا ہے اور صالح کشفی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۵ پر اس کو درج کیا ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں ایک شخص آذربائیجان کا رہنے والا ایک اونٹ رکھتا تھا جس پر اس کے اہل و عیال کی گذر بسر کا دار و مدار تھا۔ وہ اونٹ مجنون ہو کر بیابان میں چلا گیا اور کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا۔ لوگوں نے کہا سرکار دو عالم کے زمانہ میں کوئی مصیبت کسی پر آتی تو آنحضرت کوئی دعا تعلیم فرما دیا کرتے تھے اس لئے تم بھی خلیفۂ وقت کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت عمر کے پاس پہنچا۔ انھوں نے کہا تو استغفار کر۔ اس نے کہا میں نے استغفار بہت کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس پر حضرت عمر بولے اچھا میں ایک خط لکھ کر تجھ کو دیتا ہوں وہ لیجا کر اونٹ کے سامنے ڈالدے۔ خط میں یہ لکھا! "اے جماعت جن و گروہ شیاطین۔ یہ خط امیر المومنین عمر کی طرف سے تمہارے نام ہے تم کو چاہیئے اس نافرمان اونٹ کو مطیع و فرماں بردار کر دو اور اس حکم کی مخالفت سے ڈرو" اس شخص نے وہ خط لیجا کر اس اونٹ کے سامنے ڈالدیا۔ اس کے ساتھ ہی اونٹ نے اُس شخص پر حملہ کر دیا اور زمین پر گرا کر دانتوں سے کاٹنے لگا۔ اُس شخص کے بھائی اور دیگر چند لوگوں نے اس کو اونٹ کے نیچے سے نکالا۔ اس کے بعد وہ شخص بہت دن بیمار پڑا رہا اور چہرہ پر زخم کے نشان باقی رہ گئے۔ جب کچھ درست ہوا تو حضرت عمر کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ آپ کا خط اونٹ کے سامنے ڈالنے سے مجھ پر یہ مصیبت پڑی اب آپ میرے اہل و عیال کی معاش کا انتظام کریں۔ حضرت عمر نے ابن عباسؓ سے کہا اس شخص کو حضرت علیؑ کے پاس لیجاؤ۔ حضرت علیؑ اس شخص کو دیکھتے ہی مسکرا کر فرمانے لگے جہاں تیرا اونٹ ہے وہاں جا کر یہ دعا پڑھ اور ایک دُعا تعلیم فرمائی۔ چنانچہ اونٹ کے پاس پہنچکر جیسے ہی اس شخص نے وہ دعا پڑھی اونٹ نے اطاعت کیلئے اس کے سامنے گردن ڈالدی اور فرماں بردار بن گیا۔ اس اونٹ کی کمائی میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ شخص مالدار ہو گیا اور حج کے لئے حاضر ہوا تو حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں کچھ تحفے بھی لایا۔

علامہ صالح کشفی نے اپنی کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کے معجزات کے بکثرت واقعات درج کئے ہیں جن سے کئی اکابر صحابہ پر طعن و قدح نکلتی ہے۔ اس کے متعلق موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں "مولف عرض کرتا ہے کہ اس قسم کی تحریرات کے ذکر سے معاذ اللہ صحابہ کی شکست اور تنقیص مقصود نہیں ہے۔ بلکہ محض امیر المومنین (علی) کے کشف کا اظہار کرنا مطلوب ہے۔ اگر کوئی

معترض اس مقام پر اعتراض کرے تو اسکا اعتراض مجھ پر نہیں بلکہ اعثم کوفی پر ہوگا جو خود اصحاب میں داخل تھا اور ان روایتوں کا راوی ہے۔ جناب امیرؑ کے مزید معجزات اور وحوش و طیور کی منطق و گفتگو کے جاننے کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۲۷۵ پر نعمانی کا یہ شعر درج کیا ہے۔

امام اوست کہ داند رموزِ منطقِ طیر نہ آنکہ رہزنِ مردم شود بہ دانہ و دام

یعنی امام برحق وہ ہے جو پرندوں کی گفتگو اور راز بھی جانتا ہے۔ نہ کہ ایسا شخص امام ہے جو مال وزر کی لالچ دیکر اور فریب کا جال بچھا کر لوگوں کے ایمان کی رہزنی کرتا ہے۔

کتاب مسطول میں حضرت علی علیہ السلام کے غلام قنبر کے علم و حاضر جوابی کا واقعہ بھی درج ہے اور علامہ صالح کشفی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۶ پر درج کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام نے قنبر کے ذریعہ معاویہ کے پاس ایک نصیحت کا خط بھیجا۔ معاویہ نے قنبر کی درازی قامت کو دیکھ کر مسخرے پن سے کہا کیا تیرے پاس آسمان کی کچھ خبر ہے قنبر نے فوراً جواب دیا ہاں۔ امیرالمومنین تیرے پیچھے آرہے ہیں اور عزرائیل فرشتہ تیری تلاش میں ہے۔ یہ سنکر معاویہ خجل ہوا۔ اس کے بعد قنبر نعلین پہنے ہوئے معاویہ کے قالین پر چلنے لگے۔ معاویہ نے کہا فاخلع نعلیک (جوتے اتار دو) قنبر نے کہا ھذا اوادی المقدس کیا یہ بھی وادی مقدس ہے؟ (برسبیل تذکرہ میں نے اسکو درج کر دیا۔)

علامہ برسی اپنی کتاب مدینۃ المعاجز میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رسولِ مقبول کی صحبت میں ایک جن بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت علی تشریف لائے۔ یہ جن چیخ اٹھا کہ یا رسول اللہ مجھے ان سے بچائیے۔ حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ جن بولا کہ حضرت سلیمان نبیٔ خدا سے میں متمرد ہوگیا تھا۔ نبیٔ خدا نے چند جنات میری گرفتاری کیلئے بھیجے تھے۔ میں اُن پر غالب آیا اسی اثنا میں یہ مجاہد (علی) نمودار ہوا۔ مجھے ایک ضرب لگائی اور گرفتار کرکے اُن جناب کے حوالہ کر دیا۔ یہ کہکر اُس نے وہ زخم دکھایا جو ہزارہا سال گذرنے کے بعد اسوقت تک بھی مندمل نہ ہوا تھا۔

اسی طرح لال کافر کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ شاہِ ذوالفقار کی ضرب کا زخم اسکو اب تک موجود ہے اور یہ کافر کوہِ ہمالیہ کی وادیوں میں اب بھی کبھی نظر آجاتا ہے اور اپنا زخم بتاتا ہے۔ مطلوب حسن خاں صاحب معمر ایک سو سال متوطن صوبہ سرحدی پریس مین مطبع کاظمی حیدرآباد سنی المذہب نے بھی لال کافر کو خود دیکھنے کا واقعہ مجھ سے اور کارپردازان مطبع سے بیان کیا۔

غرض بے شمار معجزات ہیں جن کے لکھنے کیلئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے ان معجزوں پر کہ وقتِ واحد میں آپ نے چالیس مختلف مقامات پر دعوت قبول کرکے لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا یا یہ کہ آپ کے لئے دومرتبہ ردشمس ہوا یا یہ کہ زمین آپ سے باتیں کرتی تھی یا یہ کہ آپ گھوڑے کی

ایک رکاب میں پاؤں ڈال کر دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے تک قرآن شریف کا ایک ورد فرمایا کرتے تھے کسی کو حیرت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ذات ذاتِ رسول کے ساتھ اس وقت خلق ہوئی جب کہ زمان و مکان تھے نہ زمین و آسمان نہ ملائکہ نہ جن و انس۔ ان ذوات قدسیہ کے قیام کیلئے نہ تو مقام و محل کی ضرورت تھی نہ ان کے سامنے وقت کے ہونے یا گزرنے کا کوئی سوال تھا کیوں کہ زمان و مکان کی تخلیق کے قبل ہی ان کا وجود برقرار تھا اور اس طرح زمان و مکان کی قید سے آزاد تھا۔ آپ وقتِ واحد میں ہر جگہ موجود رہ سکتے تھے تو آن واحد میں پورا قرآن بھی ختم کر سکتے تھے اور چونکہ حسب ارشاد رب العزت کل شئی احصینٰہ فی امام مبین۔ آپ کی امامت ہر شئے پر محیط ہے اور قوت ربانیہ آپ کو عطا ہوئی ہے اس لئے آفتاب کو پلٹا دینا یا زمین کا آپ سے باتیں کرنا اور زمین پر گزرتے ہوئے واقعات کی آپ کو روزانہ خبر دینا آپ کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

آپ کے اس معجزہ کو علامہ اقبال کے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے :-

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب   باز گرداند ز مغرب آفتاب

حیاتِ رسولِ خدا میں ردِ شمس کا جو معجزہ جناب علی مرتضیٰؑ سے ظہور میں آیا تھا وہ واقعہ فتح خیبر کے تھوڑے دنوں بعد کا تھا۔ جب لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح اس آہنی دروازہ کو اکھیڑ کر ایک ہاتھ پر اٹھا لیا اور لوگوں کو اس پر سوار کرا کر خندق کے پار کرا دیا تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے یہ کام قوت ربانیہ سے انجام دیا ہے نہ کہ قوتِ جسمانیہ سے۔

یہاں یہ امر لائق ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پیغمبری کا اعلان کر کے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور نمرود سے آپ کا مکالمہ ہوا تو آپ نے نمرود سے فرمایا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے تو نمرود نے شیخی میں آکر کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں تمہارے خدا میں کونسا کمال ہے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ (سورہ بقر آیت ۲۵۸) یعنی ابراہیم نے کہا اللہ تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تو اس کو پچھم سے تو نکال۔ معلوم ہوا کہ بحکم قرآن قوت ربانیہ کی ایک دلیل آفتاب کا مغرب سے نکالنا بھی ہوتی ہے چنانچہ جب علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا کہ قوت ربانیہ سے میں نے در خیبر اکھیڑا ہے اس کے تھوڑے ہی دن بعد آپ کے لئے ردِ شمس ہو کر آپ کی قوت ربانیہ کا ثبوت فوراً ہی مل گیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی ماورائے فہم ہستی کو دیکھ کر لوگوں کو آپ پر خدا کا دھوکا ہو گیا۔ اور نصیری آپ کو خدا ماننے لگے۔ نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۰۰۱ ابن شریک عامری سے روایت ہے کہ۔

کسی اہل یمن نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہاں مسجد کے دروازہ پر ایسے لوگ ہیں کہ وہ آپ کو رب تصور کرتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلا کر فرمایا برا ہو تمہارا یہ تم کیا کہتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا آپ تو ہمارے پروردگار ہیں

اور آپ ہمارے پیدا کرنے والے اور رزق دینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا برا ہو اس میں شک نہیں میں تو خدا کا بندہ مثل تمہارے ہوں۔ میں کھانا کھاتا ہوں مثل تمہارے اور پانی پیتا ہوں مثل تمہارے۔ اگر میں خدا کی فرمانبرداری کروں گا تو ثواب پاؤنگا اگر نافرمانی کروں تو خوف ہے کہ مجھ کو عذاب دے۔ تم خدا سے ڈرو اور بُرے کاموں سے بچو اور اپنے قول سے باز آجاؤ۔ ان لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ دن گزر گیا اور جب دوسری صبح ہوئی تو ان کو آپ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ تو اتفاقاً آپ کے غلام قنبر بھی آگئے آپ نے فرمایا قسم ہے خدا کی کیا یہ لوگ اپنی ہٹ سے باز آئے یا نہیں۔ حکم ہوا کہ ان کو لیجاؤ اور وہ لوگ اسی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ جب تیسرا دن ہوا تو پھر حاضر کئے گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم وہی اپنا کہو گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا اور سخت تر عذاب دونگا پھر بھی وہ لوگ اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے اور وہی کہتے رہے کہ آپ ہمارے خدا پیدا کرنے والے رزاق ہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کے واسطے خندقیں کھودی جائیں قریب مسجد جب خندقیں کھودی گئیں۔ آگ تیار ہو گئی تو آپ نے فرمایا یہ آگ تمہارے لئے تیار ہے۔ اگر اب بھی تم اپنے قول سے باز آجاؤ تو بہتر ہے ورنہ اس میں تم کو ڈال دیا جائے گا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارا ایمان ہے کہ آپ ہمارے پروردگار اور رزاق ہیں ہم اس ایمان کو نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے ان کو آگ میں ڈال دیئے جانے کا حکم دیا اور وہ لوگ مسکراتے ہوئے آگ میں داخل ہو گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ان کو اپنے اعجاز سے پھر زندہ کر کے پوچھا اپنے قول سے باز آئے یا نہیں۔ انھوں نے جواب دیا اب تو ہمارا ایمان اور پکا ہو گیا کہ ہمارے مارنے اور جلانے والے آپ ہی ہیں۔

شفا قاضی عیاض کی شرح میں العلی القادری کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایک غلام نصیری آپ کو خدا کہنے لگا اور کہنے سے باز نہ آیا۔ حضرت علیؑ نے اس کو آگ میں ڈلوا دیا۔ وہ جلتا ہوا کہنے لگا۔ اگر یہ خدا نہ ہوتا تو آگ کا عذاب مجھ پر روا نہ کرتا۔ یہ تو رہی نصیریوں کی سرگزشت۔ بعض بڑے بڑے اولیاء اور صوفیائے بھی حضرت علی علیہ السلام کے متعلق کچھ اس طرح کی باتیں کہی ہیں کہ لوگوں کو خواہ مخواہ حضرت علی علیہ السلام کے رب ہونے کے شبہ کی گنجائش میں اضافہ ہو جائے مثلاً حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:۔

مات شافعی ولیس یدری علی ربہ ام ربہ اللہ

ترجمہ:۔ شافعی مر گیا مگر پھر بھی نہ سمجھ پایا کہ اس کا رب علی ہے یا اللہ ہے۔ حضرت شمس تبریز فرماتے ہیں:۔

تا صورتِ پیوند جہاں بود علی بود تا نقشِ زمین بود و زماں بود علیؑ بود

ایں کفر نہ باشد بخدا کفر نہ انیست تا ہستی علی باشد و تا بود علیؑ بود

ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن ہم عبدہ و ہم واعدہ و موعود علیؑ بود

چنداں کہ در آفاق نظر کردم و دیدم از روئے یقیں در ہمہ موجود علیؑ بود

یہ امر ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ اول و آخر ظاہر و باطن کے وہ الفاظ ہیں جو سورہ حدید کی آیت

۳ میں خاص ذات باری تعالیٰ کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ھوالاول والاخروالظاہرو الباطن وھوابکل شیٔ علیم۔ ایک اور مقام پر منقبت حضرت علیؑ میں شمس تبریز فرماتے ہیں۔

عالم وحدت است منزل او　　او برون از صفاتِ مافیھا

مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:۔

توسلطانِ صاحب سریر آمدی　　عَلیٰ کلِّ شیٔ قَدیر آمدی

عَلی نام کردی بہ ملکِ عرب　　بَسوئے غریباں امیر آمدی

یہ بھی واضح رہے کہ علیٰ کل شیٔ قدیر کے الفاظ بھی قرآن میں محض ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے آئے ہیں۔

حضرت بوعلی قلندر فرماتے ہیں۔

حیدریم قلندرم مستم　　بندۂ مرتضیٰ علیؑ ہستم

من بغیر از علی نہ دانستم　　ھوالاالله ھوالعلی ہستم

نورالابصار کی روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ملل ونحل" میں جن لوگوں کا آگ میں جلانے کا ذکر آیا ہے وہ ایک جماعت روافض سے تھی اور ان کا دعویٰ حضرت علی کی ربوبیت کا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت شافعی فرماتے ہیں ؎

ان کان رفضاحب آل محمد　　فانّنی ارفض العباد

یعنی اگر آل محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو بندوں میں سب سے بڑا رافضی میں ہوں۔ ایک صوفی فرماتے ہیں ؎

نام حیدر من بخوانم خلق گوید رافضی　　پس خدا و مصطفٰےؐ جبرئیل باشد رافضی

گوکہ حضرت علی علیہ السلام کی ہستی کو سمجھنا کچھ آسان نہیں پھر بھی آپ کے نام کا ظہور ہر جگہ کسی نہ کسی رنگ میں برابر نظر آئے گا۔ یوں تو بہت سے اہل ہنود حضرات بھی ذات علیؑ سے عقیدت رکھتے ہیں جیسا کہ اس کتاب کے باب پانزدھم میں بعض ہندو شعراء کا کلام درج کیا گیا ہے مگر بعض لوگوں کی تحقیق کے بموجب فلسفہ اہل ہنود میں بنیادی طور پر حضرت علی علیہ السلام کی تعظیم وتکریم بلکہ پرستش داخل ہے۔ اس ضمن میں ہم مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب کی تصنیف "سرور عالم" کا حوالہ دیتے ہیں صاحب موصوف (خواہ ان کے اعتقادات کچھ بھی ہوں) ایک صاحب فکر واہل تحقیق ضرور تھے۔ ان کی تحریک مسلمانوں اور ہندوؤں کو متحد کرنے کی تھی اور انھوں نے بھگوت گیتا اور دیگر ویدوں میں متعدد پیشنگوئیوں کی نشاندہی کی ہے جو حضرت رسول خدا اور حضرت علی مرتضیٰ کے متعلق ہیں یہ امور ہمارے نقطہ خیال سے ہنوز تحقیق طلب ضرور ہیں مگر اس موقعہ پر بیان کرنا صرف اتنا بھی ہے کہ حضرت علی کا نام ہر مقام منزلت پر کسی نہ کسی طرح ضرور جاتا ہے۔

صدیق دیندار صاحب اپنی کتاب محولہ صدر میں لکھتے ہیں:-

”گنان شاستر یعنی فلسفہ ہندو میں حضرت علیؑ کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اسی وجود کو علم کا دروازہ کہتے ہیں اور ہندو اب تک علیؑ کی پوجا کرتے ہیں۔ جسطرح حدیثوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم کا دروازہ ہیں۔ اسی طرح آپ کے نام کو بصورت گنپتی لکھکر یہ کہتے ہیں کہ یہ علم کا دروازہ ہے۔ اب تک ہندو اپنے بچوں کو بسم اللہ خوانی کرواتے (یعنی تعلیم شروع کرواتے ہیں) تو پہلے یہ صورت گنپتی کی سامنے رکھتے ہیں اور ہر درس والے مکتوب پر گنپتی کی صورت موجود رہتی ہے وہ درحقیقت لفظ علیؑ ہے اور جس طرح عربی میں حضرت علیؑ کو ابو تراب کہا گیا ہے اسی طرح فلسفہ ہندو میں آپ کو مٹی کا باپ کہا گیا ہے اور کھلے الفاظ سید یوجاتی (سید ذات) کہا گیا ہے اُن موحد فرقوں نے اسی لفظ کو جو درحقیقت علیؑ ہے سامنے رکھا۔ جس طرح بصورت بت یہ سب سے اول پوجنے کے قابل سمجھا جاتا تھا اسی طرح یہ بصورت حرف سب سے اول رکھا گیا۔

مختصر یہ کہ حضرت علی علیہ السلام کی ہستی کو سمجھنے کی کوشش کرنا بڑا مشکل مقام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ناممکن ہے کیونکہ حضرت رسول خدا کا ارشاد ہے کہ نہیں سمجھا کسی نے خدا کو بجز میرے اور علیؑ کے اور نہیں سمجھا کسی نے مجھکو بجز خدا کے اور علی کے اور نہیں سمجھا کسی نے علیؑ کو بجز خدا کے اور میرے۔ حقیقتاً یہ وہ معاملہ ہے کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمہ را۔ ہر شخص اپنی اپنی طاقت فہم کے بموجب اس بحر عمیق و ناپید کنار میں غواصی کی کوشش کرتا ہے پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اہل دل و ایمان پر اس ذات قدسی صفات کے عشق کا غلبہ کچھ ایسی شدت سے ہوتا ہے کہ عقل دل کے سامنے اور بھی دست و پا شکستہ ہو جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم تو نہ ذات رحمت العالمین خاتم المرسلین لولاک لما خلقت الافلاک حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کچھ بھی سمجھ سکے اور نہ ذات علی ہی ہماری سمجھ کے احاطہ میں آسکی۔ ذات رسول کا سمجھنا تو ہمارے خیال میں اور دشوار تر ہے۔ البتہ خیال کو راستہ دکھانے والا معیار یہ ہے کہ جس کا وصی علی جیسا ہو وہ خود بھی کیا ہوگا۔ بقول راقم سے

بتایا رتبۂ احمد وصیِ مصطفےٰ ہو کر
خود دکھلائی خدا کی شان ہم نام خدا ہو کر

اس موقعہ ہم حضرت قبلہ وکعبہ عالیجناب مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی مدظلہ کی اس نصیحت کو بھی درج کر دیتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق غور کرتے وقت حضرت رسول خدا اور حضرت علی کے ذیل کے ارشادات کو دھیان میں رکھنا چاہیئے۔

خود حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ ھلک فی اثنان محب غال و مبغض قال۔ یعنی ہم سے متعلق غلو کر کے (خدا سمجھنے والا) اور مجھ سے دل صاف نہ رکھنے والا دشمن دونوں ہلاک ہوگئے۔ بزار، ابو یعلیٰ

حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا کہ یا علیؑ تم عیسیٰ کے مانند ہو کہ ایک قوم نے ان سے یہاں تک محبت کی کہ ان کو خدا کہنے لگے اور ہلاک ہوئی اور ایک قوم نے ان سے بغض رکھا یہاں تک کہ وہ اس میں ہلاک ہوئی پھر آپ نے فرمایا کہ منافق راضی نہیں کہ وہ عیسیٰ کے مانند ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (سورہ زخرف آیت ۵۷)

یہاں کوئی اس غلط فہمی میں نہ پڑ جائے کہ علیؑ سے بہت زیادہ محبت رکھنے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔ علیؑ سے بہت زیادہ محبت رکھنا تو عین ایمان ہے جیسا کہ ارشاد رسولؐ ہے حب علی ایمانؐ النظر الی وجہ علیؑ عبادت ذکر علی عبادۃ" اور یہ بھی ارشاد رسول ہے کہ علیؑ کی محبت کے بغیر ایمان دل میں داخل نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جو شخص علی کی محبت میں سوئی کے ناکہ برابر بھی کمی کرے وہ دوزخ میں اوندھے منہ گرایا جائیگا۔ لہٰذا بعد رسول علیؑ کو سب سے افضل اور رسول کا جانشین برحق وصی رسول ماننے اور آپ کی امامت اور ولایت کو دل سے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا پھر یہ امر بھی خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ اس ذات قدسی صفات کی ظاہر بظاہر بلندیوں سے جو شخص قطع نظر کر کے آپ کی تنقیص شان کرنے لگے اور آپ کو ایسے لوگوں سے بھی مفضول اور کمتر ٹھہرا دے کہ خود جن کے لئے اس مولائے مومنین ولی خدا کی مولایت ولایت اور امامت کا اقرار اور اسکی مودت اور تمسک اور پیروی و فرمانبرداری لازمی ہو تو ایسے شخص کے متعلق یہ امر بدیہی طور پر مسلم ہو جائیگا کہ اس کا دل حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے صاف نہیں ہے بلکہ اس کو یقیناً کوئی نہ کوئی خلش اور کد لاحق ہے ورنہ ان کو عرش سے زیادہ ارفع بلندیوں سے بلاوجہ کوئی آنکھیں بند کر کے آپ کو اپنے درجہ سے ہرگز نیچے نہ گراتا۔

حضرت رسول اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کے اقوال متذکرہ صدر کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کوئی شخص ایسا غلو نہ کر دے کہ کہیں ان محیر العقول شواہد کو دیکھکر علیؑ کو اللہ ہی کہنے لگے۔ معتبر روایت ہے کہ جسکو مولانا سیدؒ آقا علی اللہ مقامہ بھی ذکر فرمایا کرتے تھے کہ کچھ اعرابی حضرت رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حق کیسا ہوتا ہے۔ ہم حق کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت رسول نے اس طرف اشارہ فرما دیا جہاں حضرت علیؑ موجود تھے کہ جاؤ دیکھو حق وہاں ہے۔ دور سے یہ سنتے ہی حضرت علیؑ نے نماز کی نیت باندھا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اعرابی جب اس طرف پہنچے تو حق کو نماز پڑھتے پایا۔ حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کے یکجائی عمل نے یہ بتا دیا کہ مجسمہ حق و صداقت اور ایمان مجسم علیؑ ہے اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ علیؑ کو حق کہیں کسی اور معنوں میں نہ سمجھ لینا کیونکہ علیؑ خود اللہ کا بندہ ہے اور اسکی نماز ادا کر رہا ہے۔ خوارزمی نے روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کہتے ہیں کہ جس روز میں نے خیبر کو فتح کیا مجھ سے جناب رسالت مآب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت تیرے حق میں ایسی بات نہ کہے جو نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے حق میں کہتے ہیں تو البتہ میں ایک ایسی بات تیرے حق میں کہوں کہ نہ گزرے بزرگانِ اسلام پر کہ مگر تیرے پاؤں کی مٹی نہ اٹھائیں اور تیرے وضو کا پانی نہ لیں اور اس سے شفاء کے طلب گار نہ ہوں

لیکن تیرا حصہ یہی ہے کہ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔ تو مجھ سے ورثہ پائے گا اور میں تجھ سے ورثہ پاؤں۔ اور تو
مجھ سے۔ ایسا ہے جیسا کہ ہارون موسیٰ سے مگر میرے بعد نبی نہیں۔ تو میرے قرض کو ادا کرنے والا ہے اور میری سنت پر لوگوں سے لڑنے والا ہے
آخرت میں تو سب سے میرے زیادہ قریب ہوگا۔ کل قیامت کے روز میرے حوض پر میرا خلیفہ ہوگا۔ تو منافقوں کو
حوض سے ہٹائیگا اور تو سب سے اول حوض پر وارد ہوگا تو میرے ساتھ میری امت سے پہلے جنت میں داخل
ہوگا۔ تیری لڑائی میری لڑائی تیری صلح میری صلح ہے۔ تیرا بھید میرا بھید تیرا اعلان میرا اعلان تیرے دل کا بھید میرے
دل کا بھید ہے تو میرے دل کا دروازہ ہے۔ تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیرے بیٹے میرے
بیٹے ہیں۔ حق تیرے ساتھ ہے اور حق تیری زبان پر اور تیرے دل میں اور تیری آنکھوں کے درمیان ہے۔ ایمان
تیرے گوشت اور خون میں ملا ہوا ہے۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے بشارت دوں کہ تو اور تیری عترت جنت میں ہوگی تیرا
دشمن دوزخ میں ہوگا۔ حوض پر تیرا دشمن نہیں وارد ہو سکیگا اور تیرا دوست اس سے کبھی غائب نہیں ہوگا۔" جناب علی کہتے ہیں
میں یہ بشارت سنکر خدا کے سجدہ میں گر گیا اور اسلام اور قرآن کی نعمت جو خدا نے مجھے عطا کی ہے۔ اس کا شکر بجا لایا۔

مزار علی سے متعلق حضرت ابراہیم کی پیشنگوئی

مشہور سیاح ابن جبیر کے سفر کے حالات ایک انگریز مورخ نے لکھے
ہیں ٹراویلس آف ابن جبیر رائیٹس ٹکسٹ گبس میموریل جلد ۵ صفحہ ۲۱۱ پر وہ رقم طراز ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے
زمانہ پیغمبری میں نجف آئے اور ایک زمین خرید کی اور بیان کیا کہ یہاں ایک مزار بنیگا اور زیارت گاہ قائم
ہوگی جس کے فیض سے ستر ہزار آدمی بلا پرسش جنت میں داخل ہوں گے

روضہ مطہر حضرت علی علیہ السلام (نجف اشرف) کے معجزات کے متعلق ابن بطوطہ کا اظہار خیال

مشہور سیاح ابن بطوطہ (علامہ مغربی ابو عبداللہ
محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم طنجی (اندلسی)
جنہوں نے آٹھویں صدی کے اوائل میں عراق
حجاز۔ مصر۔ ہندوستان۔ حبشہ اور دیگر ممالک کا سفر کرکے اپنا سیاحت نامہ مرتب کیا تھا جو رحلہ ابن بطوطہ کے
نام سے شائع اور مشہور ہے اس کے صفحہ ۱۰۱ کی عبارت کا ترجمہ ہم درج ذیل کرتے ہیں: "اس روضہ سے بہت معجزات کا
ظہور ہوا جن کی بنا پر یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مدفن یہیں ہے منجملہ ان کے
یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کی رات کو جو ان لوگوں میں لیلۃ المحیاء کے نام سے مشہور ہے مخصوص اس شب کے
واسطے شہر شہر سے زوار سفر کرتے ہیں اور دس دن تک عظیم اجتماع رہتا ہے عراق و عجم و خراسان و فارس (ا
و روم میں جتنے اپاہج ہیں وہ اس روضہ تک لائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تیس چالیس تک پہنچ
جاتی ہے جب نماز عشاء کا وقت گزرتا ہے تو یہ لوگ سب ضریح کے پاس ڈالدیئے جاتے ہیں اور لوگ اس انتظار
میں کھڑے رہتے ہیں کہ ان کو کب شفا ہوتی ہے اور وہ لوگ اس وقت میں برابر نماز تلاوت قرآن و ذکر خدا

اور زیارت حرم میں مشغول رہتے ہیں آئی صورت پر جب رات کا نصف یا دو پہر یا اس کے قریب حصّہ گزر جاتا ہے۔ دفعتہً یہ سب مریض صحیح و سالم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ان پر مرض کا کوئی اثر بھی پایا نہیں جاتا اور ان لوگوں کی زبان پر اسوقت یہ کلمہ ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ " ابن بطوطہ کا مذہب کیا تھا ان کے ذیل کے جملہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے:

"پھر ہم کوفہ سے روانہ ہوئے اور مقام برالملاحہ میں توقف کیا بیرون شہر قیام کیا اندر جانا مکروہ معلوم ہوا کہ یہاں کے رہنے والے سب کے سب رافضی شیعہ ہیں۔"

ایک سَو دو سال قبل کے اخبار ٹائمز آف انڈیا میں نجف اشرف کے ایک معجزہ کی اطلاع

اخبار ٹائمز آف انڈیا اور بعض دیگر قدیم اخباروں کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی روزانہ کی اشاعت میں اُس تاریخ سے عین سَو سال قبل کے شمارہ میں شائع شدہ کسی اہم خبر کو بجنسہ ایک مخصوص کالم میں درج کرتے چنانچہ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء میں ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۵ مارچ ۱۸۸۲ء (اٹھارہ سو بیاسی) یعنی سَو سال قبل شائع شدہ ایک خبر کو درج کیا ہے جل کا عنوان ہے یعنی "ایران میں ایک معجزہ — شیراز سے ہمارے خاص نامہ نگار کی ۶ مارچ کو پہنچی ہوئی رپورٹ" ہم نے اصل اخبار ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء کا تراشہ حاصل کر لیا جسکو بجنسہ فوٹو پرنٹ کیلئے ہم ذیل میں چسپاں کر دیتے ہیں۔ آخر میں اسکا ترجمہ بھی نوٹ کر دینگے۔

A Hundred Years Ago

From *The Times of India*
(NOT ISSUED ON SUNDAY, MARCH 26, 1882)

Saturday, March 25, 1882

A MIRACLE IN PERSIA
(FROM OUR OWN CORRESPONDENT)

SHIRAZ, MARCH 6. — About a fortnight ago Shiraz was electrified by the report that some belated pilgrims having applied for admission into Najef and been refused by the keeper of the town gate which, according to standing orders, must be kept closed from soon after dusk until morning, invoked the aid of their Imaum by exclamations of "ya ally ya ally," and behold — a miracle — the gate flew open and the pilgrims repaired to his shrine to pay their adorations! According to another account the gate fell down in utter destruction. When the report became generally known the people of Shiraz, inspired by religious enthusiasm, resolved upon getting up an illumination in expression of their sense of the glorious triumph of their fatih. His Excellency the Saheb Dewan, the Governor General of Fars, however, thought it prudent to postpone the entertainment until inquiry had been made and the authenticity of the report established. The telegraphic reply of a mustahid (high priest) of Najef not only corroborated the report, but spoke of the miraculous recovery of one affected with palsy who had been carried to the shrine for cure. Scarcely a couple of hours had passed when the whole population of this city was in possession of the purport of the telegram.

اخبار ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء کا اصل انگریزی تراشہ ہے اس کا اردو ترجمہ اگلے صفحہ پر درج ہے۔

ایک سو سال پہلے

ٹائمز آف انڈیا - مورخہ شنبہ مارچ ۲۵ ۱۸۸۲ء

(۲۶ مارچ کو یکشنبہ ہونے سے شائع نہیں کیا گیا)

پرشیا (ایران) میں ایک معجزہ ہمارے خاص نامہ نگار کے ذریعے۔

شیراز - مارچ ۷ - تقریباً دو ہفتہ قبل شہر شیراز کو برقی قمقموں سے منور کیا گیا جو اس اطلاع کی بناء پر تھا کہ نجف اشرف میں کچھ زائرین دیر گئے رات کو پہنچے اور روضہ میں داخل ہونے کی اجازت چاہی مگر کلید بردار نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ احکام نافذہ کی رو سے مغرب کے فوراً بعد سے صبح تک روضہ کے دروازے بند رکھے جاتے ہیں۔ اجازت نہ ملنے پر زائرین نے اپنے امام کو مدد کیلئے پکارا اور یا علی یا علی کے نعرے لگانے لگے اس کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ - ایک معجزہ ہوا روضہ کا دروازہ یکایک کھل گیا اور زائرین حرم کے اندر دوڑے اور اپنے امام کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے لگے۔ ایک دوسری رپورٹ میں بصراحت ہے کہ روضہ کے دروازہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر پھیل گئے جب یہ خبر شیراز میں عام ہوگئی تو لوگوں نے اپنے مذہب کی اس شاندار فتح کو منانے کے لئے شہر میں روشنی کرنے کا اہتمام کیا۔ مگر فارس کے گورنر جنرل ہز ایکسلنسی صاحب دیوان نے یہ مناسب سمجھا کہ اس تقریب کو ملتوی رکھا جائے جب تک کہ تحقیقات کیجا کر توثیق نہ کرلیجائے چنانچہ دریافت پر نجف اشرف کے مجتہد اعظم نے ذریعہ ٹیلیگرام نہ صرف اس خبر کی تصدیق کی بلکہ یہ بھی اطلاع دی کہ زائرین میں سے ایک مفلوج شخص جسکو علاج کیلئے روضہ کے اندر اٹھا کر لیجایا گیا تھا معجزانہ طور پر شفایاب ہو گیا۔ ٹیلیگرام وصول ہو کر دو گھنٹے بھی بمشکل ہوئے تھے کہ شہر کا ہر آدمی اس ٹیلیگرام کے مضمون سے واقف ہو گیا"

نوٹ مترجم:

چونکہ ٹائمز آف انڈیا ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوتا ہے اسلئے مضمون کی کمپوزنگ بوقت واحد ایک سے زیادہ تعداد میں کیجاتی ہے۔ جو کمپوزنگ نسبتاً موٹے حروف ہوا نہیں خبر کا کچھ حصہ متروک ہو جاتا ہے اور باریک کمپوزنگ میں پورا متن آجاتا ہے۔ اسی ٹائمز آف انڈیا کے دوسری کمپوزنگ والے شمارہ میں جسکا تراشہ جناب مولانا سہیل آفندی صاحب کے پاس محفوظ ہے اس خبر کی جو اضافہ عبارت آئی ہے ہم اسکا ترجمہ بھی درج ذیل کر دیتے ہیں۔ یہ حصہ صرف جشن کی کچھ تفصیلات سے متعلق ہے۔ "مضمون سے واقف ہو گیا" کے بعد کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:) "اِسکے ساتھ ہی نقاروں کی گھن گرج کے ساتھ جشن شروع ہو گیا اور ترانے گائے گئے اور اس کا سلسلہ گزشتہ ہفتہ سے رات دن صرف مختصر وقفوں کے ساتھ کل صبح تک برابر چلتا رہا۔"

قضایا حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عمر کا اپنے غلط فیصلوں کی اصلاح حضرت علیؑ سے کرانا اور لولا علی لھلک عمر کہنا

ہم اس عنوان کے تحت حضرت علی علیہ السلام کے بعض قضایا کا ذکر کریں گے اور اس ضمن میں بعض وہ واقعات بھی آجائیں گے جہاں دربار خلافت سے غلط فیصلے ہوا کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام ان کی اصلاح فرمایا کرتے تھے ان میں بعض ایسے معاملات بھی ملیں گے جہاں خلیفہ وقت نے اپنے غلط فیصلہ کی اصلاح کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے دیر میں استدعا کی اور آپ کے اصلاح فرمانے کے قبل غلط فیصلہ کا نفاذ ہو کر بے گناہ لوگ موت کے گھاٹ بھی اُتار دیئے گئے۔

حضرت عمر زیادہ تر تو اس ہوشیاری کو کام میں لاتے تھے کہ جہاں کہیں کوئی کٹھن اور مشکل معاملہ درپیش آیا قبل از قبل ہی حضرت علی علیہ السلام سے ہدایت طلب کیا کرتے تھے اور جہاں معاملہ کو اتنا مشکل نہ سمجھکر کوئی غلط فیصلہ کر دیا اور بعد میں گڑ بڑ مچی تو پھر مولائے مشکل کشا کے پاس رجوع ہو کر فیصلہ کی اصلاح کرواتے تھے اور بارہا ایسا موقعہ ہوا کہ حضرت عمر لولا علی لھلک عمر یا اسی کے ہم معنی دیگر جملے کہتے رہے۔ ملاحظہ ہو ریاض النظرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۴ و ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۶۸۔

احمد نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر خدا کی طرف پناہ مانگتے تھے اس مشکل امر میں جس میں جناب ابوالحسن نہ ہوں نیز ملاحظہ ہو ریاض النظرہ صفحہ ۱۹۴۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ و اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۳ و اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۶۷۔

الخجندی نے یحییٰ بن عقیل سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر مشکل امور حضرت علی سے پوچھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تیرے بعد یا علی مجھے خدا زندہ نہ رکھے (نیز ملاحظہ ہو ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۵ پر ہے کہ حضرت عمر حضرت علی کو کہا کرتے اطال اللہ بقائک اور ایدک اللہ، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ پر زہری سے روایت ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے لوگوں کے تصفیہ کے لئے مجھے علی ابن ابی طالب کفایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے اعلمنا علی واقضانا یعنے ہم سب سے زیادہ علم والے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۳ صفحہ ۱۱ و باب ۲ صفحہ ۲۴۳ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲ و مسند احمد حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۱۳ و کنز العمال صفحہ ۳۶ و کنز الحقایق صفحہ ۲۱ و مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۳۸۔ استیعاب میں ایک اور روایت عبدالرحمٰن بن اذنہ العبدی سے درج ہے کہ ان کے والد نے حضرت عمر سے پوچھا کہ میں کہاں سے عمرہ کیا کروں حضرت عمر نے کہا حضرت علی سے جاکر پوچھو۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ سنن ابن ماجہ صفحہ ۴۲ و مسند امام احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۹۶ و جلد ۶ صفحہ ۲۸ میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں شریح ہانی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے موزہ کے مسح کی نسبت سوال کیا حضرت عائشہ نے کہا حضرت علیؑ سے جاکر پوچھو۔

حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں ما انہ اعلم من لقی بالسنت یعنے علی سب سے بڑے عالم ہیں سنت جاننے والوں میں۔ مسند احمد حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۱۳ و کنوز الحقائق صفحہ ۱۲ و مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۳۶ پر ہے کہ مغیرہ نے حلف لیکر بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے اپنے تمام فیصلوں میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۵ پر ہے کہ خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر کو لکھا کہ نواح عرب میں بعض مرد مرد سے جماع کرتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم دیا جائے حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ سے ہدایت چاہی۔ حضرت علیؑ نے سابقہ اُمتوں کے افعال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی سزا آگ میں ڈالا جانا ہے۔ حضرت ابوبکر نے خالد کو اسی طرح جواب دیدیا۔

استیعاب ابن البر میں یہ واقعہ درج ہے۔ علقمہ نامی ایک صحابی رسول جو ائی مدینہ میں رہا کرتے تھے انکو اھدنا الصراط المستقیم کے معنوں کے متعلق شبہ ہوا کہ جب مسلمان راہ مستقیم پر ہی ہیں تو سیدھے راستہ کی ہدایت کر نیکی دعا کیا معنی رکھتی ہے وہ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر کے پاس گئے مگر وہ تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔ علقمہ کے دل میں شبہ اور گہرا ہو گیا اور وہ مذہب اسلام ترک کرکے روم چلے گئے اور مذہب عیسائی اختیار کر لیا۔ دو سال بعد حضرت ابوبکر نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ علقمہ روم جاکر عیسائی ہو چکے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے وہ سوال جو علقمہ نے کیا تھا لکھکر حضرت علیؑ کی خدمت میں بھیجا۔ آنجناب نے فوراً دو آیات قرآنی کا حوالہ دیکر اس کے یہ معنی فرمائے کہ ہم کو راہ ہدایت پر برقرار رکھ۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کی وہ تحریر علقمہ کے پاس روم کو روانہ کی۔ علقمہ اسوقت عیسائی چرچ سے باہر نکل رہے تھے مولا مشکلکشا کی تحریر دیکھتے ہی معنی سمجھ میں آگئے۔ اور علقمہ پھر مسلمان ہوکر مدینہ واپس آگئے۔

کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۸ پر ہے کہ ابن جریح نے عبداللہ بن ابوبکر سے روایت کی ہے کہ ایک مرد انصاری حیان بن منقذ خلیفہ وقت حضرت عثمان کے پاس آکر بیوی کی طلاق بحالت رضاعت وصحت کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے ہدایت چاہی۔ حافظ خطیب تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں۔ قاضی شریک ایک دفعہ خلیفہ مہدی عباسی کے پاس گئے مہدی نے ان سے پوچھا آپ علیؑ کے حق میں کیا کہتا ہے۔ شریک نے کہا جو بات میرے دو دادے حضرت عباس اور عبداللہ ابن عباس آپ کے حق میں کہتے تھے وہی میں کہتا ہوں۔ مہدی کہنے لگا وہ کیا کہتے تھے۔ شریک نے کہا حضرت عباس کا مرتے دم تک یہی اعتقاد تھا کہ علیؑ سب صحابہ سے افضل ہیں حضرت عباس دیکھا کرتے تھے کہ اکابر مہاجرین کو عبادات میں جو مشکلیں پیش آتی تھیں وہ جناب علیؑ سے پوچھا کرتے تھے اور جناب امیر کو اپنی وفات کے وقت تک کبھی کسی بات میں صحابہ سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ سنکر مہدی نے شریک کو قضائت کے عہدہ سے معزول کر دیا۔

دیلمی خوارزمی الفضائلی حافظ السلفی، اور ابن سمان ابوالقاسم محمود الزمخشری روایت کرتے ہیں کہ دو

شخص حضرت عمر کے پاس کنیز کی طلاق کا مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے۔ حضرت عمر وہاں سے اُٹھکر جس مجمع میں حضرت علیؑ رونق افروز تھے وہاں آئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ آپ کنیز کی طلاق کی نسبت کیا حکم دیتے ہیں۔ ان میں ایک شخص حضرت عمر سے کہنے لگا آپ امیرالمومنین ہیں ہم آپ سے مسئلہ پوچھنے کو آئے تھے۔ آپ ان سے پوچھنے کو آئے ہیں۔ حضرت عمر کہنے لگے افسوس ہے تو نہیں جانتا یہ کون ہیں۔ یہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جناب رسالت مآب کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے طبقے ترازو کے ایک پلّہ میں رکھے جائیں اور علی کا علم ایک پلّہ میں رکھا جائے تو علیؑ کا علم ہی بھاری رہے گا۔

خوارزمیؒ دار قطنی، محب الطبری اور ابن سمان نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ دو اعرابی جھگڑتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے جناب علی علیہ السلام سے عرض کیا یا ابوالحسن آپ ان کا فیصلہ کر دیں۔ جناب علیؑ نے ان کا فیصلہ کیا۔ لیکن ایک شخص ان میں سے کہنے لگا یہ کیا ہمارا فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمر نے کود کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگے افسوس ہے تجھ پر تو نہیں جانتا یہ کون ہے یہ میرا اور ہر ایک مومن کا مولا ہے۔ جکا یہ مولا نہیں وہ مومن نہیں۔ فقیہ گنجی شافعی نے کفایت الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب باب ۵۷ میں حذیفہ بن الیمان کے حوالے سے روایت کی ہے اور نیز نورالابصار میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ لوگ ایک شخص کو حضرت عمر کے پاس لائے اس سے یہ بات صادر ہوئی تھی کہ ایک گروہ نے اس سے پوچھا تھا تو نے آج کس طرح صبح کی۔ اس نے جواب میں کہا میں فتنہ کو دوست رکھتا ہوں اور حق سے کراہت کرتا ہوں اور یہود اور نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہوں اور جس کو نہیں دیکھا اس پر ایمان لاتا ہوں اور جو چیز کہ نہیں پیدا ہوئی اس کا اقرار کرتا ہوں۔ صلواۃ بغیر وضو کے پڑھتا ہوں اور زمین میں میرے لئے وہ ہے جو خدا کیلئے آسمان میں نہیں۔ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس شخص کو مسلمان کہیں یا کافر اور اس کا کیا تصفیہ کریں حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص سچ کہتا ہے۔ دوست رکھتا ہے۔ فتنہ کو چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بجز اس کے نہیں ہے کہ مال تمہارا اور اولاد تمہاری فتنہ ہیں اور حق سے کراہت رکھتا ہے یعنی موت سے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ آئی بیہوشی موت کی ساتھ حق کے اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہتے ہیں یہود کہ نہیں ہیں نصاریٰ کسی شئے پر اور کہتے ہیں نصاریٰ کہ نہیں ہیں یہود کسی شئے پر اور جس چیز کو نہیں دیکھا ایمان لایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل وعلا پر ایمان لایا ہے اور جو چیز کہ نہیں پیدا ہوئی اس کا اقرار کرتا ہے جس سے مراد قیامت ہے۔ صلواۃ بغیر وضو سے مراد رسول و آل رسول پر درود بھیجتا ہے جس کے لئے وضو کی ضرورت نہیں زمین میں میرے لئے موجود ہے سے مراد زوجہ ہے کیونکہ خدا کیلئے زوجہ و اولاد نہیں۔ حضرت عمر نے یہ سنکر کہا کہ میں ایسی شکل سے کہ جس کے دفع کرنے کے لئے ابوالحسن نہ ہوں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

سیوطی نے ابوہریرہ سے روایت درج کی ہے کہ حضرت عمر کا قول ہے کہ حضرت علیؑ ہم سب سے زیادہ معاملہ فہم ہیں اور مشکل امورات کا تصفیہ فرمایا کرتے ہیں۔ سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ اگر حضرت علیؑ موجود نہ ہوتے تھے اور پیچیدہ معاملات آپڑتے تھے تو حضرت عمر ہمیشہ گھبرایا کرتے تھے۔ ابوالمؤید موفق بن احمد خوارزمی مناقب لکھتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ عمر نے تعجب کے ساتھ حضرت علیؑ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جو مسئلہ یا حکم دریافت کیا جائے آپ بلا تامل اسکا جواب دیتے ہیں۔ حضرت علی نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا بتاؤ اس میں کتنی انگلیاں ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ۵، حضرت نے فرمایا تم نے ایسا جلد کیسے جواب دیدیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ آنکھوں کے سامنے ہے تامل کی کیا وجہ تھی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تمام مسائل احکام اور علوم اسی طرح میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ابن سمان نے کتاب الموافقہ میں سو سے زیادہ ایسی روایتیں درج کی ہیں کہ حضرت عمر نے غلط حکم دیا اور اسکی اصلاح حضرت علیؑ کو کرنی پڑی۔ نورالدین صباغ مالکی، شاہ سلیمان بلخی حنفی، محمد بن طلحہ شافعی، اخطب خوارزمی اور امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمر نے ستر مرتبہ لولا علی لہلک عمر کہا۔

حضرت عمر کی نوعیت فہم کا اندازہ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۹۸ کی اس روایت سے ہوتا ہے۔ جو عبدالرزاق نے قتادہ اور شعبی سے کی ہے کہ ایک عورت نے آکر حضرت عمر سے کہا کہ میرا شوہر دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو شب بھر نماز پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا تب تو تیرا شوہر واقعی قابل تعریف ہے۔ کعب بن سوار وہاں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا یہ تعریف نہیں کرتی بلکہ اپنے شوہر کا شکوہ کرتی ہے کہ وہ اس کا حق زناشوئی ادا نہیں کرتا جب آپ پر یہ امر واضح ہوگیا تو پھر کہا امیر المومنین خدا نے چار عورتیں حلال کی ہیں اور حساب سے چوتھا دن اور چوتھی رات اوس کے شوہر کو اس کے لئے مخصوص کرنی چاہیئے۔

مولانا شبلی الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۷ پر لکھتے ہیں:-

"کلالہ کے مسئلہ پر جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انھوں (حضرت عمر) نے آنحضرت سے اس قدر دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی آخر آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے۔۔ حضرت عمر نے خود آنحضرت سے چند بار دریافت کیا اس پر تسلی نہ ہوئی حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھکر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کرکے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر بھی ان کو کافی تشفی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھے دنیا ومافیھا سے عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ، ربا"۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے اگرچہ خلیفہ بنایا اور خود خلیفہ ہے مگر ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ خلافت ہے کیا چیز اور اسکی حقیقت کیا ہے اور ان مسائل میں حضرت رسول کو دق کرکے دریافت کرنے کے

بعد کبھی تشفی نہیں ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد بھی صحابہ سے دریافت کیا کرتے تھے کیا (معاذ اللہ) حضرت رسول کے سمجھانے میں کوئی نقص تھا یا انتہا درجہ کا فرلیس اور سیاس کہلاتے ہوئے بھی حضرت عمر کی سمجھ کا قصور تھا۔ آخر یہ معمہ کیا ہے ناظرین غور فرمالیں۔ حضرت عمر کی معلومات اور فہم کا اندازہ صحاح کی ان روایتوں سے بھی ہوتا ہے۔ بخاری، مسلم ابی داؤد اور نسائی نیز صاحب جامع الاصول نے شفیق سے نیز بخاری نے سعد بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے اور علامہ فخرالدین رازی اور ابن ابی الحدید، سیوطی، ابن کثیر زمخشری، قرطبی، سندی، قسطلانی، متقی حاکم ابوبکر باخلانی عجلونی قاضی سوکانی ذہبی حمیدی ابن اثیر ابن مغازلی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن اپنے خطبہ میں اعلان کیا کہ اگر میں سنونگا کہ کسی عورت نے اپنا مہر ازواج رسول کے مہر سے زیادہ لیا ہے پر آئیندہ اس سے پھیر لونگا۔ ایک عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا تمہارا یہ عمل قرآن کے خلاف ہے کہ اگر تم اپنی عورتوں میں سے کسی کو ایک قنطار دیئے ہوئے ہو اسے پھیر نہ لو۔ حضرت عمر نے کہا عورتیں بھی مجھ سے زیادہ فقہ جانتی ہیں۔

کتب متذکرہ صدر نیز مسند احمد بن حنبل سنن بیہقی وغیرہ میں یہ روایتیں بھی درج ہیں کہ حضرت عمر پانی میسر نہ آسکنے کی صورت میں بھی غسل جنابت کے بدل تیمم کے جواز سے منکر تھے اور انھوں نے اس مسئلہ کو اس طرح سمجھا تھا کہ خواہ ایک مہینہ تک بھی پانی میسر نہ آئے نماز پڑھنی ہی نہ چاہئے۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن مسعود ابو موسیٰ اشعری اور عمار یاسر کی موجودگی میں ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا کہ میں جنب ہوا اور مجھے پانی نہ ملا تو حضرت عمر نے کہا نماز نہ پڑھ۔ عمار یاسر نے حضرت عمر سے کہا آیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ میں اور تم ایک سفر میں ہمراہ تھے اور دونوں جنب ہوئے تم نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے خاک میں لوٹ کر نماز پڑھی اس کے بعد حضرت رسول سے یہ حال بیان کیا تو حضرت نے فرمایا تیرے لئے کافی تھا کہ اس طرح تیمم کرلے ...... حضرت عمر کو اس پر بھی اطمینان نہ ہوا اور کہا عمار خدا سے ڈر۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر کا یہ خیال واضح احکام قرآنی اور ارشاد رسول کے خلاف تھا۔

الفاروق ص۲۸۹ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا۔

ص۴۹۲ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے ان (حضرت عمر) سے اختلاف کیا اس میں سے بعض مسائل میں جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمم جنابت منع تمتع حج طلقات ثلث وغیرہ میں حضرت عمر کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت رسول سے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے الفاروق کے ص۳۸ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداً حضرت عمر کی فہم میں نہ آسکی تھی

وہ بھی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۃ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

صـ۶۳۲ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا اور اگر ہمارا تھا تو اس میں سے تمکو لینے کا کیا حق تھا۔

صـ۱۵ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قبائل مرتدین میں سے جو لوگ لونڈی غلام لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا، غور کیا جائے تو یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ واقعہ تو دراصل یہ تھا کہ مالک ابن نویرہ اور ان کے قبیلہ والوں نے زکواۃ دینے سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ مال زکواۃ حضرت ابوبکر کے حوالے کرنے سے انکار کیا تھا۔ کیونکہ حضرت علی کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ ماننے سے ان لوگوں کو انکار تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو فوج دیکر ان کے قتل کے لئے بھیج دیا اور خالد نے جو عمل کیا اور مالک ابن نویرہ اور اس قبیلہ کے پورے مردوں کو تہ تیغ کیا اور مالک کی بیوی سے اسی رات زنا کیا اس کا ذکر علیحدہ آچکا ہے۔ حضرت ابوبکر کے حکم سے اس قبیلہ کی عورتیں اور لڑکے وغیرہ سب لونڈی غلام بنائے گئے اور ان کا مال بطور مال غنیمت لے لیا گیا۔ یہ سب لونڈی غلام مختلف مسلمانوں میں تقسیم ہوئے کوئی عورت کسی کی کنیزی میں آئی تو کوئی مرد کسی کا غلام بنا ظاہر ہے کہ ان کنیزوں کی ان کے آقاؤں سے اولادیں بھی ہوئی ہوں گی۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کرا دیا۔ قابل غور ہے کہ بیچارے مسلمان مرد عورتوں کی کیا افراتفری اور مٹی پلید ہوئی شوہر بے قصور قتل بھی ہوئے اور عورتیں لونڈیاں بنیں اور جب واپس آئیں تو نا جائز اولادیں ساتھ لئے ہوئے ہمکو یہاں توجہ اسی حد تک دلانا ہے کہ بدیہی اور منطقی طور پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں میں سے کسی ایک کا عمل لازماً غلط تھا اور غلطی بھی اس درجہ کی جسکا اندازہ لگانا مشکل۔ یہ بات کوئی لیپا پوتی کرتے یا حسنی ان حسنی کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یا تو مسلمان ناجائز قتل کئے گئے اور لونڈی غلام بنائے گئے یا پھر لوگ اپنے جائز غلاموں اور کنیزوں سے محروم کئے گئے اور پھر ان کنیزوں سے جو اولادیں پیدا ہوئیں وہ سب زنا زادے قرار پائے اور عمر بھر معلق رہے۔

ایک اور واقعہ بھی قابل غور ہے جو خود حضرت عمر کے قتل پر منتج ہوا۔ مغیرہ کا ایک غلام ابولولو چکیاں بنایا کرتا تھا اور مغیرہ نے اس پر چار درہم ٹیکس روزانہ لگا رکھا تھا۔ ابولولو نے حضرت عمر کے پاس آکر شکایت کی کہ مغیرہ نے اسقدر زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے جو وہ چکیاں بنانے سے کبھی ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر نے کہا یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے تجھے اپنے آقا سے اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ ابولو نے کہا یہ تو کچھا نصاف کی بات نہیں ہے اور اسی وقت سے حضرت عمر سے بصورت قتل انتقام لینے کا ارادہ کر لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس رومیوں کا ایک وفد کٹھن سوالات لے کر آیا کہ اگر دین اسلام سچا ہے تو ان سوالات کے جوابات دیجئے یہ سوالات علوم قرآنی دعلوم انبیا اسلف توریت وانجیل وزبور وغیرہ سے متعلق تھے جنہیں اصحاب کہف کے ناموں اور صفات اور ان کی تاریخ سے بھی متعلق استفسارات تھے۔ حضرت عمر کو کچھ سمجھ میں نہ آیا اور یہ سوالات لے کر حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں پہنچے۔ مولانے بغور سوالات دیکھنے کے قلم برداشتہ جوابات لکھکر حوالہ فرما دیئے جو عالم علم لدنی اور مفتی جامع فرعلیعنے علوم قرآن وتوریت وانجیل وزبور پر حاوی ہو اسی سے ایسا عمل ممکن تھا۔

زن حاملہ کے سنگسار کے حکم کا واقعہ صحیح بخاری مسند احمد بن حنبل میں ہے اور حمیدی۔ شیخ سلیمان بلخی حنفی۔ محمد بن یوسف شافعی محب الدین طبری امام الحرم محمد بن طلحہ شافعی اور متعدد محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے بھی سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے اس واقعہ کو بیان کیا تھا۔ ایک زن حاملہ زنا کی مرتکب ہوئی اور حضرت عمر نے اس کے فوری سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور عاملان حکومت سنگسار کرنے کیلئے اس عورت کو لئے جاتے تھے اور عورت فریاد کرتی جاتی تھی کہ میرے پیٹ میں بچہ ہے اسکی خبر علی مرتضےٰ کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمر سے دریافت فرمایا کہ کیا اس زن عاملہ کے سنگسار کا حکم آپ نے دیا ہے تو حضرت عمر نے کہا ہاں۔ پھر علی مرتضیٰ نے پوچھا اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے متعلق کیا حکم دیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اس کا حکم میں نہیں جانتا آپ ہی فیصلہ کیجئے۔ حضرت علیؑ نے حکم دیا عورت کا وضع حمل ہو جانے دیا جائے اور بچہ کی پرورش کا انتظام کر کے عورت کو سنگسار کیا جائے۔ تب حضرت عمر نے کہا لولا علی لہلک عمر یعنی علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ربیع الابرار میں درج ہے کہ حضرت عمر کعبہ کے زیورات کو مسلمانوں کے لشکر میں تقسیم کرنا چاہتے تھے اور آپ نے حضرت امیرؑ سے استفسار کیا (روایت میں ہے کہ حضرت امیر نے ارشاد فرمایا کہ مال کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں اور اس کا مصرف کس طرح ہونا چاہیئے اور آخر میں) فرمایا کہ اس مال کو اسی طرح رہنے دو جس طرح کہ خدا نے اور خدا کے رسولؐ نے اُسے رہنے دیا۔ حضرت عمر کہنے لگے یا علیؑ اگر آپ نہ ہوتے ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔

مشکوٰۃ کتاب المناسک باب طواف صفحہ ۲ اور موطا باب تقبل الرکن صفحہ ۱۳۴ پر ہشام بن عروہ سے

روایت ہے اور نیز خجندی نے فضائل المکہ میں، ابوالحسن القطانی نے مطولات میں، حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے شعب الایمان میں سیوطی نے ؟؟ میں اور مسافر نے احوال الآخرۃ میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت عمر کے ساتھ حج کو گئے تھے جب حضرت عمر طواف کرنے لگے اور حجر اسود کے سامنے بوسہ کے لئے کھڑے ہوئے تو کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کہ نقصان دے سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اگر ہم کو رسولِ خدا حکم نہ دیتے تو میں تجھے نہ چومتا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا یہ نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ حضرت عمر نے کہا یہ بات آپ کہاں سے کہتے ہیں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا خدا کی کتاب سے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جب تیرے رب نے بنی آدم سے اسکی پشتوں میں عہد لیا.... الخ پس جب خدائے پاک نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا پھر ارواح نے اقرار کیا کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔ اور خدا نے ان سے عہد و میثاق لیکر ایک ورق پر لکھا اور اس پتھر کی زبان اور آنکھیں تھیں پس خدا نے فرمایا اپنے منہ کو کھول۔ اس نے منہ کو کھول دیا اور ورق کو نگل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو قیامت کے دن اس کی گواہی دیجیو جو تجھ سے عہد پورا کرنے کی وجہ سے ملے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے کہ قیامت کے دن حجر اسود آئے گا اور اسکی زبان نہایت تیز ہوگی گواہی دیگا اس شخص کی جو توحید کے ساتھ اسکو چومیگا پس یہ نفع اور نقصان دے سکتا ہے۔ حضرت عمر نے کہا خدا کی پناہ لیجاتا ہوں کہ میں زندہ رہوں ایسی قوم میں کہ جس میں اے ابوالحسن آپ نہ ہوں (نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۶ صفحہ ۹۱ و مستدرک جلد ۱ صفحہ ۴۵۸ و منتخب کنز العمال صفحہ ۲۵۲)

حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے سامنے پانچ اشخاص لائے گئے جنھوں نے زنا کیا تھا۔ حضرت عمر نے ان پانچوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ حضرت علیؑ کو اطلاع ہوئی آپ نے ان پانچوں کو دیکھا اور لوگوں سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد حضرت عمر سے فرمایا کہ تمہارا حکم قرآن کے خلاف ہے۔ ان پانچ میں سے ایک کافر ذمی تے مسلمان عورت سے زنا کیا تھا اسکی گردن مارنے کا حکم دیا۔ دوسرا شادی شدہ تھا۔ اس کے سنگسار کا حکم دیا۔ تیسرا مجرد تھا اسکو سو تازیانوں کی حد کا حکم دیا چوتھا غلام تھا اس پر نصف حد پچاس تازیانوں کا اور پانچویں پر جو ابلہ اور کم عقل تھا اسکو ۲۵ تازیانوں کا حکم دیا۔ حضرت عمر نے اس موقعہ پر بھی کہا لولا علی لہلک عمر صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے اور امام الحرم عبداللہ شافعی الشیخ سلیمان بلخی، ابن حجر عسقلانی، سبط ابن جوزی۔ حاکم، بیہقی، قسطلانی طبری لکھتے ہیں۔ نیز احمد ابن حنبل مسند میں خطیب نے مناقب میں اور ابوالقاسم محمود الزمخشری حسن بصری کی طرف مرفوع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لوگ حضرت عمر کے پاس ایک مجنون عورت کو لائے کہ اس نے زنا کیا تھا۔ جب حضرت عمر نے اس کے رجم کا قصد کیا تو حضرت علیؑ نے ان سے کہا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ حضرت رسول خدا نے کیا فرمایا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کیا فرمایا ہے۔ جناب امیرؑ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ مجنوں سے جب تک وہ تندرست

نہ ہو جائے۔ اور لڑکے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔ اور سوئے ہوئے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو۔ پس حضرت عمر نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۲۲۷ و مسند احمد حنبل جلد ۱ ص۱۰۱ و استیعاب جلد ۲ ص۴۷۴ (ریاض النضرہ جلد ۱ ص۱۹۷ و کنز العمال ص۲۲۷ (ازالۃ الخفا ص۲۶۸)

ابن سمان نے اور الخلیج نے اور محب طبری نے ریاض النضرہ میں ابی حزن بن ابی الاسود سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے ایک عورت کے رجم کا ارادہ کیا جو نکاح کے چھ مہینے بعد بچہ جنی تھی پس جناب امیرؑ نے قرآنی آیات تلاوت فرمائے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بچہ کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینوں کے بعد ہے اور دوسری جگہ خدا فرماتا ہے بچہ کا دودھ چھڑانا دو برس کے بعد ہے پس حمل کی مدت چھ مہینے ہوئی۔ پس حضرت عمر نے اس عورت کے رجم کرنے کے حکم کو منسوخ کردیا اور کہا اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

اسی طرح حد شرب خمر میں حضرت عمر نے بجائے چالیس کے اسی کوڑے لگانے کا حکم دیدیا۔ موطا ص۲۲ و ص۲۵ پر ہے کہ نماز واجبہ صبح میں حضرت عمر سورہ یوسف اور سورہ حج پڑھتے گئے اور اسی طرح حضرت ابوبکر نے سورۂ بقر کو پڑھا۔ ایسی طولانی سورتوں کے پڑھنے سے وقت نماز ختم ہوکر آفتاب طلوع ہوگیا۔ ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۹۶ پر ہے اور نیز خوارزمی نے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کی خلافت میں لوگ ایک عورت کو لائے۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا اس عورت نے اپنے زنا کا اقرار کیا۔ حضرت عمر نے اسکو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ راستہ میں اسے جناب علیؑ نے دیکھا اور حضرت عمر سے کہا کہ تم نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عمر نے کہا ہاں اس نے میرے پاس اپنے قصور کا اعتراف کیا ہے۔ جناب علی علیہ السلام نے فرمایا شاید تم نے اس کو جھڑکا اور دھمکایا ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا ہاں میں نے دھمکایا تھا۔ حضرت علیؑ نے کہا شاید تم نے نہیں سُنا ہے جو کچھ آنحضرت نے فرمایا ہے بعلہ تشدد اعتراف کرنے والے پر حد نہیں ہے۔ جسکو تم نے قید کیا اور دھمکایا پس اس کا اقرار نہیں۔ پس حضرت عمر نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور کہا کہ عورتیں علی ابن ابی طالب جیسے کے جننے میں عاجز ہیں۔

مناقب خوارزمی میں روایت ہے کہ دو آدمی قریش کی ایک عورت کے پاس سو دینار امانت رکھ گئے اور کہہ گئے کہ جب تک دونوں اکھٹے تیرے پاس نہ آئیں تو کسی ایک کو یہ امانت نہ دیجیو اس پر ایک سال گزر گیا۔ ان میں سے ایک نے آن کر بیان کیا کہ میرا دوست مر گیا ہے وہ سو دینار مجھے دیدے۔ اس عورت نے سو دینار اسکو دیدیئے۔ اس کے بعد پھر ایک سال گزرا اور وہ دوسرا آکر کہنے لگا وہ سو دینار مجھے دیدے۔ اس عورت نے جواب دیا کہ تیرا دوست میرے پاس آیا تھا اس کا خیال تھا کہ تو مر گیا ہے وہ مجھ سے امانت لے گیا۔

اس نے کہا کیا ہمارا یہ وعدہ نہیں تھا کہ جب تک اکھٹے ہم دونوں نہ آئیں تو امانت کیلئے کسی ایک کو نہ دیجئے۔ پس اس عورت اور مرد میں جھگڑا شروع ہوا اور وہ دونوں حضرت عمر کے پاس فیصلہ کیلئے آئے۔ معاملہ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا اور آپ نے دونوں کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس روانہ کیا۔ حضرت علیؑ فوراً سمجھ گئے کہ ان دونوں آدمیوں نے اس عورت سے مکر کیا ہے اور اس عورت سے فرمایا کہ اس آدمی سے کہدے کہ تم دونوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ جب تک ہم دونوں اکٹھے تیرے پاس نہ آئیں اکیلے کسی ایک کو امانت واپس نہ دینا۔ تیرا مال ہمارے پاس موجود ہے اپنے دوست کو لے آ ہم تجھے دیدیں گے۔

الحرب الطائی نے محمد بن یحییٰ بن حیان سے روایت کی ہے کہ حیان بن منقذ کی دو بیویاں تھیں ایک ہاشمیہ اور ایک انصاریہ۔ اس نے انصاریہ کو طلاق دیدی تھی۔ پھر اسی برس حیان مر گیا۔ انصاریہ کہنے لگی۔ میری عدت ابھی پوری نہیں ہوئی۔ پس اس کا مقدمہ خلیفہ حضرت عثمان کے پاس گیا حضرت عثمان نے کہا مجھے اس کے فیصلہ کا علم نہیں۔ حضرت علیؑ کے پاس لیجاؤ۔ حضرت علیؑ نے اس انصاریہ سے فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منبر کے پاس حلف اٹھائے کہ تجھے تین طہر نہیں گزرے تو تجھے میراث میں شریک کیا جائیگا۔ پس اس انصاریہ نے حلف اٹھایا اور میراث میں شریک کی گئی۔

ابوبکر نجم الدین محمد بن الحسین البغدادی نے اپنی کتاب فی المناقب الاصحاب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ایک لڑکے کی نسبت دو عورتوں میں جھگڑا ہوا ہر ایک ان میں سے اس لڑکے کو اپنا بیٹا بیان کرتی تھی حضرت عمر کو اس کے فیصلہ میں دشواری پیش آئی اور ان دونوں کو حضرت امیر کے خدمت میں بغرض فیصلہ روانہ کیا۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے پاس ایک کاریگر بڑھئی کو لاؤ تاکہ اس لڑکے کو دو برابر حصوں میں کاٹ ڈالے کہ لڑکے کا ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیدیا جائے۔ لڑکے کی ماں چلانے لگی۔ آپ سالم یہ لڑکا اس عورت کو دیدیں دوسری عورت اجنبیہ کہنے لگی ضرور لڑکا کاٹ ڈالا جائے۔ جناب امیرؑ نے لڑکے کو اٹھا کر اس کی ماں کو دیدیا۔

طبری نے ریاض النضرہ میں محمد بن زبیر سے روایت کی ہے کہ بحالت احرام چند شتر مرغ کے انڈے کھا لینے کا معاملہ حضرت عمر کے پاس پیش ہوا۔ آپ حضرت علیؑ کے پاس پہنچے کہ ہم آپ کی خدمت میں آنے کے حقدار تھے۔ حضرت علیؑ نے فیصلہ فرمایا اور عمر جب لوٹے تو کہنے لگے اے پروردگار مجھ پر ایسی سختی نازل نہ فرما مگر کہ ابوالحسن میری داہنی طرف موجود ہوں۔

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ یا ابوالحسن مجھے تین باتیں سمجھنے کی طلب ہے آپ سمجھا دیجئے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے کہے (اور جھوٹے خواب اور بغیر کوئی نیکی یا برائی دیکھے محبت یا بغض ہو جانے اور بات

کرتے کرتے یکایک اس کا ذکر ہونے جانے کے متعلق سوال کئے۔ حضرت علیؑ نے وہیں ان کے جوابات فرما دیئے حضرت عمر نے کہا یہ تین چیزیں تھیں جن کی مجھے طلب تھی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے موت سے پہلے ان تک پہنچا دیا۔

یہاں ہم حاجی محمد بن عبداللہ بن نورالدین (حنفی المذہب) کی کتاب "النجم الثاقب فی اقضیۃ علی ابن ابی طالبؑ" سے حضرت علیؑ کے چند اور قضایا درج کرتے ہیں۔ مصنف کتاب نے ایک سو اکتالیس قضایا درج کئے ہیں اور عنوان کتاب پر ہی یہ نوٹ کر دیا ہے کہ جملہ قضایا کتب اہل سنت مثل صحاح ستہ مستدرک و بیہقی و استیعاب وطبقات ابن سعد و تاریخ الخلفاء سیوطی و کنز العمال و مسند امام احمد وغیرہ سے ضبط قلم کئے گئے ہیں۔ مصنف کتاب نے بحوالہ اسناد ان فیصلوں کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت عثمان نے غلط صادر کئے تھے اور جن کی اصلاح حضرت علیؑ نے فرمائی ان میں وہ بھی کئی روایتیں شامل ہیں جن موقعوں پر حضرت عمر نے لولا علی لہلک عمر کہا تھا اور نیز وہ روایتیں بھی درج کی ہیں جو مسائل کی نسبت حضرت ابوبکر حضرت علیؑ سے استمداد کرنے کے متعلق ہیں۔

کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۶۶ پر حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ یا ابوالحسن آپ مجھے نصیحت کیجئے حضرت علیؑ نے فرمایا اپنے یقین پر بھروسہ مت کر اور نہ نامعلوم عمل پر اور نہ حق پر گمان کر۔ خوب جان تو وہی ہے تیرے لئے جو تو نے خیرات کیا اور گزر گیا اور تقسیم کیا وہ پہنچ گیا اور پہنا بود ا کیا۔ حضرت عمر نے کہا صدقت یا ابا الحسن۔

حاجی محمد بن عبداللہ صاحب اپنی کتاب متذکرہ صدر کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کرایا تھا اور اس نے حضرت عمر کے سامنے اقرار زنا بھی کر لیا اور حضرت عمرؓ اسکو سنگسار کرنے کا حکم بھی دیدیا۔ مگر حضرت علیؑ نے فرمایا شاید اسکو کسی عذر کی وجہ سے مجبوری لاحق ہوئی ہو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھ کو کس امر نے اس زنا پر مجبور کیا۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ ایک خلیط تھا یعنی ملکر اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ اس کے اونٹوں میں دودھ اور پانی تھا اور میرے اونٹوں میں نہ دودھ تھا نہ پانی جب میں بہت پیاسی ہوئی اس سے پانی طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر تو اپنے نفس پر مجھے قابو دے تو میں دوں گا ورنہ نہیں۔ تو میں نے انکار کر دیا۔ اس طرح تین مرتبہ میں نے اس سے پانی مانگا، اور وہ اسی شرط پر انکار کرتا رہا۔ جب مجھ پر پیاس بہت غالب ہوئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری جان اب پیاس سے نکل جائے گی تو میں (جان بچانے کے لئے) مجبوراً راضی ہو گئی۔ جب اس نے اپنا ارادہ پورا کر لیا تو مجھے پانی دیا۔ حضرت علیؑ نے اللہ اکبر فرمایا اور یہ آیت تلاوت کی۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم (البقرۃ آیت ۱۷۳) یعنے جو شخص سخت مضطر ہو کر مگر باغی اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اسپر کوئی گناہ نہیں (اگر اس

کوئی گناہ ہو جائے) بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) یہ سنکر حضرت عمر نے حد زنا کا حکم واپس لے لیا۔

سنن بیہقی میں ابی عبدالرحمن سلمی سے بھی ایسی ہی روایت درج ہے۔ ایک اور روایت کتاب مذکور کے صنا۱۲ پر جعفر بن محمد سے بحوالہ الطرق الحکمیہ صنا۵ اس طرح درج ہے۔ ایک عورت حضرت عمر کے پاس فریاد لے کر آئی جو ایک انصاری جوان کی خواہشمند تھی اور اس پر عاشق تھی لیکن اس جوان نے اس عورت کی خواہش پوری نہیں کی تو اس عورت نے ایک مکر و حیلہ کیا کہ ایک انڈا لے کر اس کی زردی پھینک دی اور سفیدی کو اپنی رانوں اور کپڑوں پر مل دیا۔ حضرت عمر سے کہنے لگی کہ فلاں انصاری شخص نے مجھ پر غلبہ پا کر میرے ساتھ زنا بالجبر کیا اور مجھ کو اپنے گھر والوں میں رسوا کیا اور اس کی بدکاری کا اثر میری رانوں اور کپڑوں پر موجود ہے۔ حضرت عمر نے عورتوں سے تصدیق کروائی تو انھوں نے دیکھ کر کہا کہ واقعی مادۂ تولید کا اثر رانوں پر موجود ہے۔ حضرت عمر نے اس جوان پر حد شرعی جاری کرنے کا حکم دے دیا تو اس جوان نے شور و فریاد کی اور کہا قسم ہے اللہ کی میں نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ اور نہ اس کے ساتھ زنا کیا اس عورت نے مجھ پر افترا پردازی کی ہے۔ حضرت علیؑ نے اس سفیدی پر جو کپڑے پر لگی ہوئی تھی غور فرما کر دیکھا اور کھولتا ہوا گرم پانی منگوا کر اس کپڑے پر ڈال دیا۔ تو وہ سفیدی جم کر سخت ہو گئی اور تحقیق میں انڈے کی سفیدی ثابت ہوئی آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ تیرا مکر ثابت ہو گیا تو اس نے اقرار کیا۔ حضرت عمر نے حکم رجم واپس لے لیا۔

بیہقی جلد عنا صکاا ابو عبدالرحمن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ کا ایک قاضی پر گزر ہوا آپ نے اس سے فرمایا تو ناسخ و منسوخ سے واقف ہے اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو خود بھی ہلاک ہوا۔ اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا بہ سبب جہالت۔

کنز العمال جلد ۶ صنا۱۹ پر روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو ایک عورت کے پاس بھیجا جو اکثر آیا جایا کرتا تھا کہ وہ عورت غائب تھی اس نے جانے سے انکار کیا لیکن پھر اسی کو بھیجا اس نے جا کر اس عورت سے کہا کہ چل کر حضرت عمر کے سوال کا جواب دے کہ تو کہاں تھی۔ اس نے کہا ہائے مصیبت بھلا مجھکو حضرت عمر سے کیا واسطہ۔ اس کے دل میں ایک دہشت ہو گئی اور جب گھر سے چلی تو راستہ ہی میں تھی کہ اس کو یکایک درد زہ شروع ہوئے وہ کسی گھر میں داخل ہو گئی اور بچہ جنی اور اسکو ٹپک دی اس بچہ نے دو چیخیں ماریں اور مر گیا۔ حضرت عمر نے صحابہ کرام سے اس امر میں مشورہ لیا تو بعض صحابہ نے یہ کہا کہ آپ تو ناصح اور والی ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ تو مودب ہیں اس بارے میں آپ پر کوئی مواخذہ اور الزام نہیں ہے۔ اس کے بعد جب حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا تو آپ نے حضرت عمر سے فرمایا جنھوں نے آپ کو رائے دی ہے انھوں نے اپنی رائے سے کہا ہے تو خطا کی اور اگر خوشامدانہ رو سے آپ کی خوشی کیلئے کہا تو انھوں نے آپ کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی میں تو دیکھتا ہوں کہ اس بچہ کا خون بہا

آپ پر ہے کیونکہ آپ اس بچہ کی ہلاکت کے باعث ہوئے کہ آپ نے اس عورت کو بدنام کیا اور اسکو بلاکر دہشت دلائی جس سے آپ کے پاس آتے ہوئے راستے میں اس کا وضع حمل ہوگیا۔ پس حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس بچہ کا خون بہا ادا کر دیا جائے۔

ابن سلمی بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس ایک ایسا آدمی لایا گیا کہ اس کے دو سر اور دو منہ اور چار آنکھیں اور چار ہاتھ اور چار پاؤں اور دو شرمگاہ تھے سب لوگوں نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ اس آدمی کے لئے میراث کا حکم دو کا ہے یا ایک کا۔ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا آپ نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی اور حضرت علیؑ نے تصفیہ باصواب فرمایا جس کی تفصیلات یہاں موجب طوالت ہوں گی۔

اسی طرح کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ پر سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت عمر کے پاس ایک عورت ایسے لڑکے کو لائی جس کے دو پیر دو بدن دو پیٹ چار ہاتھ دو سر اور مرد اور عورت دونوں کی علامتیں تھیں۔ عورت اس کے باپ کے ترکہ کی طالب تھی حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا اور آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر آپ نے حضرت علیؑ سے کہا یا ابوالحسن ان دونوں عجیب الخلقت میں فیصلہ کیجئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ان کا فیصلہ بہت واضح اور سہل ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکم مناسب دیا۔ اس وقت حضرت عمر نے کہا ابوالحسن آپ ہمیشہ ہر ایک مشکل کو سہل اور ہر ایک حکم کو واضح کر دیتے ہیں۔

کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۷۴ پر اسود سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بیت اللہ میں قتل کیا۔ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کریں اور حضرت علیؑ سے استمداد کیا اور آپ نے فیصلہ مناسب فرما دیا۔

روضۃ الاحباب دفتر ثانی اور حبیب السیر جلد اول۔ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۴۴۲ پر مالک سے مروی ہے کہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلیفہ سوم کے پاس قبیلہ جہنیہ کی لڑکی کو لائے جو نکاح کے بعد چھ مہینہ میں بچہ جنی تھی آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ کو جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وحملہ و فصالہ ثلاثون شہرًا یعنی حمل اور دودھ بڑھائی ۳۰ مہینہ پھر ارشاد ہے۔ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ ایام رضاعت کامل دو برس ہیں تو دو برس کے چوبیس مہینے جب تیس میں سے چوبیس مہینے نکل گئے تو چھ مہینے حمل کے رہے۔ حضرت عثمان نے یہ سنکر لڑکی کو سنگسار سے واپس بلانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ سنگسار ہو چکی ہے (فاعتبروا یا اولی الابصار)

مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ اور کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ پر حارث بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان حج کے لئے مکہ آئے تو میں ان کے پاس گیا۔ چشمہ کے لوگوں نے ایک تیتر مارا جو بڑے کبوتر کے برابر تھا۔ اور پانی اور نمک میں پکا کر حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو پیش کیا ان کے ساتھیوں نے کھانے میں پس و پیش کیا مگر حضرت عثمان نے کہا نہ تو ہم نے خود تیر مارا ہے۔ اور نہ مارنے کا حکم دیا لہذا اگر تیتر

ایسے لوگوں نے مارا ہے جنھوں نے احرام ابھی نہیں باندھا تھا تو ہمارے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر حضرت عثمان نے کہا ایسا کوئی ہے جو اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکے بعض لوگوں نے کہا صرف حضرت علیؑ ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ حضرت علیؑ کو خبر کی گئی اور جب وہ آئے تو حضرت عثمان نے اپنی رائے دھرائی۔ حضرت علیؑ برہم ہوئے اور فرمایا کہ جو کوئی حضرت رسولؐ کے ساتھ رہا ہو کھڑا ہو جائے اور یہ کہہ سکے کہ ایسا نہیں ہوا ہے جو میں کہتا ہوں پھر آپ نے فرمایا حضرت رسول احرام باندھے ہوئے تھے جب گوشت کی ایک ران آپ کو پیش کی گئی آپ نے کھانے سے یہ کہکر انکار فرمایا کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ صرف انہی کو یہ گوشت کھلایا جاسکتا ہے۔ جو احرام کھول چکے ہیں۔ اس پر کم از کم بارہ صحابہ رسول اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کے بیان کی تائید کی پھر حضرت علیؑ نے قسم دے کر ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس کے گواہ نہیں ہیں کہ شتر مرغ کا انڈہ حضرت رسول کو پیش کیا گیا تھا اور آپ نے اس کے کھانے سے اس بناء پر انکار فرمایا تھا کہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے اور ان لوگوں سے فرمایا تھا کہ وہ صرف ان کو دے سکتے ہیں جنھوں نے احرام نہیں باندھا ہے۔ پھر بارہ صحابہ رسول کھڑے ہوئے اور حضرت کے بیان کی تصدیق کی۔

ایک اور روایت اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت عمر نماز صبح کے لئے مسجد میں گئے تو مسجد کی رواق میں ایک مقتول مرد کی لاش دیکھی جس پر زنانہ کپڑے تھے۔ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ واقعہ کیا ہے اور کہا حضرت علیؑ سے پوچھو۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ اس نعش کو تو دفن کرادو نو مہینے بعد اسی رواق میں تم ایک نوزائیدہ بچہ دیکھو گے۔ اس کی پرورش دایا کے ذریعہ کرانا۔ پھر عید کے موقعہ پر ایک عورت آئیگی اور اس بچہ کو "اے ظالم باپ اور اے مظلوم ماں کے بیٹے" کہکر پیار کرے گی اس عورت کو میرے سامنے لے آنا چنانچہ نو مہینے بعد ایک نوزائیدہ بچہ رواق مسجد میں پایا گیا۔ جس کی پرورش دایا کے ذریعہ کی گئی۔ پھر عید کے موقعہ پر ایک عورت اس بچہ کے قریب آئی اور وہی الفاظ جو اوپر مذکور ہوئے کہکر اس کو پیار کیا۔ پھر وہ عورت حضرت امیرؑ کے سامنے پیش کی گئی آپ نے فرمایا تیرا سب حال ہم کو معلوم ہے تو اپنی زبان سے سب کو سنا دے۔ یہ ایک انصار کی نا کتخدا لڑکی تھی جس کا باپ ایک جنگ میں شہید ہوا تھا اور ماں بھی مر چکی تھی اس نے اپنا ماجرا بیان کیا کہ کس طرح ایک مرد نے ایک بوڑھی بظاہر پارسا عورت کے ذریعہ اس کو فریب دیا اور زنانہ لباس میں اس کے قریب آیا اور بالجبر اس سے قضائے شہوت کی اور آخر میں جب لڑکی نے ایک خنجر اس مرد کی کمر میں دیکھا وہی لیکر اس کے گلا میں گھونپ دیا اور آدھی رات کو اسکی لاش لیجا کر مسجد کی رواق میں ڈالدی۔ حضرت امیرؑ نے اس بوڑھی عورت کو تلاش کروا کر بلوایا اور اس پر حد رجم جاری کروائی۔ حضرت عمر نے کہا خدا مجھے زندہ نہ رکھے جب ابوالحسن مشکلوں کو حل کرنے موجود نہ ہوں۔

علامہ کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری کے ص۱۹۱ پر بحوالہ کتاب احسن الکبار درج کیا ہے کہ عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں ابو عبداللہ انصاری نے وفات پائی۔ اسی ہزار دینار ترکہ اور ایک لڑکا تین برس کا وارث چھوڑا۔ اس کی بیوی نے دوسرا شوہر کر لیا۔ جب وہ لڑکا بارہ سال کا ہوا تو ایک دن اس نے دیکھا اس کی ماں کچھ رقم اپنے شوہر کے دامن میں ڈال رہی ہے۔ اس نے کہا تجھے خدا سے لحاظ نہیں آتا کہ میرا مال غیر کے حوالہ کرتی ہے۔ عورت کو جب اندازہ ہو گیا کہ اس کے عیش میں خلل پڑ لیگا تو لڑکے سے کہا تو ابو عبداللہ کی نسل اور میرے شکم سے نہیں ہے بلکہ زرخرید غلام ہے اور تیرا نام فرزندی رکھا گیا تھا۔ لڑکے نے اس کی شکایت عمر سے کی۔ عورت نے سات سو درہم دیکر سات جھوٹے گواہ فراہم کرلئے۔ عمر نے اپنے غلام افلح کو عورت کو بلانے کو بھیجا۔ عورت نے گواہوں کو لاکر شہادت پیش کی کہ یہ لڑکا زرخرید غلام ہے۔ اس کی بنا پر عمر نے لڑکے کو جیل خانہ بھیج دیا۔ چار مہینہ قید خانہ میں رہکر یہ لڑکا بیمار اور قریب المرگ ہو گیا حضرت عمر کے لڑکے ابو شحمہ کا قید خانہ کی طرف گزر ہوا اور لڑکے کے گلے میں طوق دیکھکر پوچھا کہ کس قصور میں اس سزا کا مستوجب ہوا ہے۔ لڑکے نے کہا میرا کوئی قصور نہیں۔ تیرے باپ نے میرا مال پامال کر دیا ہے اور مجھکو اس حالت میں رکھ چھوڑا ہے۔ ابو شحمہ نے کہا تو حضرت علی مرتضیٰ کے پاس جا میں ضامن ہو کر تجھے جانے کے لئے چھڑوا دیتا ہوں جب لڑکا حضرت علی کے حجرے کے پاس پہنچا تو بہ سبب ضعف پاؤں پھسل کر گر گیا۔ حضرت علی نے اسے اٹھا لیا اور نہایت مہربانی سے اسکا حال دریافت کیا۔ امیرالمومنین عبداللہ کا نام سنکر روئے اور فرمایا تیرے باپ نے رسول اللہ کی خدمت میں ستر قرآن ختم کئے تھے۔ پھر قنبر سے فرمایا اس یتیم کے سر کی جوئیں دور کرو اور اسکو نہلا دھلا کر سفید کپڑے پہناؤ۔ جب یہ ہو چکا تو اسکا ہاتھ پکڑ کر دارالشرع تشریف لائے اور فرمایا ابو حفص تم نے اس یتیم کا مال غیر کے حوالہ کیوں کیا۔ عمر نے گواہوں کی کیفیت بیان کی۔ حضرت علی نے مسکرا کر فرمایا اس عورت کو بلواؤ جب وہ آگئی تو فرمایا اے عورت اپنے حقیقی بیٹے کی دشمن کیوں ہو گئی ہے۔ عورت نے اپنے قول پر اصرار کیا۔ حضرت نے گواہ طلب کئے تو انھیں ساتوں کو بلایا اور انھوں نے وہی جھوٹی گواہی دی۔ عمر نے کہا اے ابوالحسن میں کسی کو بلا وجہ تکلیف نہیں دیتا حضرت امیر نے مسکرا کر حکم دیا۔ ایک فصد کرنے والے کو بلاؤ اور ایک طشت لاؤ۔ حضرت نے اپنی چادر اس طشت پر ڈالکر اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم پڑھکر اس پر دم کیا۔ تو فوراً طشت میں سے باواز بلند زمزمہ پیدا ہوا کہ اے وصی خیرالمرسلین میں لڑکے کی حقیقی ماں ہوں۔ دنیوی اغراض سے میں نے اس سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ پھر حضرت امیر کے حکم سے اس عورت اور ساتوں گواہوں کو تعزیز دیگئی اور ابو عبداللہ کا ترکہ اس کے بیٹے کے سپرد کیا گیا۔

احسن الکبار میں ہے نیز کوکب دری ص۱۹۲ پر درج ہے کہ ایک لڑکا حضرت عمر کے پاس آیا اور فریاد کی کہ میری ماں مجھے اپنا بیٹا ہونے سے انکار کرتی ہے۔ عمر نے عورت کو طلب کیا۔ اس نے کہا میں اس کو نہیں جانتی

اس نے مجھے رسوا کرنے ایسا دعویٰ کیا ہے میں تجارت کیلئے اس شہر میں آئی ہوں۔ عمر نے عورت سے گواہی طلب کی عورت نے اپنے چار بھائی اور مزید چالیس گواہ پیش کئے کہ لڑکا اسکا نہیں ہے۔ عمر نے لڑکے کو قید کرنے کا حکم دیا۔ راستہ میں لڑکے نے شور مچایا کہ فیصلہ جھوٹا ہے۔ حضرت امیر کے سامنے واقعہ بیان کیا گیا اور آپ دارالشرع تشریف لائے اور اس عورت سے پوچھا کہ کیا تو اس جوان کی ماں نہیں ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو مجھکو اپنا ولی مقرر کرتی ہے۔ اس نے کہا بیشک کرتی ہوں۔ اس وقت حضرت امیر نے قنبر سے فرمایا چار سو درہم لاکر اس عورت کے دامن میں ڈالدے اور فرمایا حاضرین گواہ رہو میں چار سو درہم پر اس عورت کا نکاح اس جوان سے کرتا ہوں۔ اب عورت نے چیخنا شروع کیا یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اس سے نکاح کیسے کروں یا امیرالمومنین مجھے خدا و خلق خدا کے سامنے رسوا نہ کیجئے اصل میں مجھے میرے بھائیوں نے آمادہ کیا تھا کہ لڑکا اپنے باپ کی میراث نہ پائے۔ حضرت نے فرمایا گواہوں پر جھوٹی گواہی کی حد جاری کریں اور ماں اپنے بیٹے کو گھر لیگئی حضرت عمر نے کہا لولا علی لہلک عمر۔

ملفوظات مخدوم جہانیاں میں ہے اور مولانا صالح کشفی نے کوکب دری کے صفحہ ۱۴۹ پر نقل کیا ہے کہ عمر کے زمانہ میں ایک مالدار سوداگر رہتا تھا۔ اس کے تین غلام اور ایک لڑکی تھی۔ مرض الموت میں اس نے وصیت کی کہ ایک غلام کو لڑکی نقد و جنس اور جائداد حوالہ کریں اور ایک غلام کو ہزار دینار دیکر آزاد کریں اور ایک کو قتل کر ڈالیں۔ جب اس کا انتقال ہوا تو تینوں غلام لڑکی اور مال کے دعویدار ہوئے۔ لڑکی تینوں غلاموں کو لیکر دارالشرع میں حاضر ہوئی عمر اور تمام اصحاب نے ہر چند غور کیا کوئی تجویز سمجھ میں نہ آئی۔ پس عمر بہت سے اصحاب مع غلام کو لیکر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی امیرالمومنین تشریف لائے اور ایک چھری ایک غلام کو دیکر فرمایا جاکر قبر کھود کر اپنے آقا کا سر کاٹ لا۔ اس غلام نے عرض کیا یا امیرالمومنین اس قسم کی بے ادبی مجھ سے نہیں ہو سکتی اس پر کسی قدر تاکید و تشدد فرماکر چھری دوسرے غلام کے ہاتھوں میں دی اس نے چند قدم راہ طے کر کے سوچا کہ بھلا یہ کیونکر جائز ہوگا کہ اپنے آقا کی قبر اکھیڑوں یہ خیال کر کے راستے پلٹ گیا۔ بعد ازاں چھری تیسرے غلام کے حوالے کی اور اس کو بھی وہی حکم دیا۔ وہ فوراً چھری لیکر روانہ ہوا۔ جب وہ کچھ راستہ طے کر چکا تو حضرت نے اس کے پیچھے ایک شخص کو روانہ کیا کہ اگر وہ قبر پھاڑنی شروع کرے تو اسکو روک دے۔ وہ غلام جاکر قبر کھودنے لگا۔ دوسرا شخص اسکو روک کر واپس لے آیا۔ امیرالمومنین نے فرمایا جس غلام نے آقا کے حقوق کو مد نظر رکھکر چھری نہ پکڑی لڑکی اور جائداد اس کے حوالے کیجائے جو غلام تھوڑی دور جاکر لوٹ آیا اسکو ہزار دینار دیکر آزاد کیا جائے اور جس نے اپنے آقا کی قبر پھاڑنے کی جرأت کی وہ اپنے آقا کی وصیت کے بموجب واجب القتل ہے مگر شریعت کے موافق اس کا قتل جائز نہیں۔ لہذا انسب و اولیٰ یہ ہے کہ یہ غلام اس کا خدمت گزار ہے جسکو لڑکی دیگئی ہے خلیفہ نے حسب احکام جاری کئے اور کہا جو کچھ کہ حضرت

حضرت رسولؐ نے علی کی شان میں کہا ہے سچ کہا ہے۔

علامہ صالح کشفی حنفی نے کوکب دری کے ص۳۱۲ پر بحوالہ احسن الکبار حسین بن عبدالرحیم عمار سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں زلزلہ سے قبرستان بقیع حرکت میں آیا اہل مدینہ نے فریاد کی۔ عمر لوگوں کو ہمراہ لئے مدینہ سے باہر آئے اور دعا کی کہ خدا قبروں کو زلزلہ سے سکون عطا کرے۔ اس سے بجائے فائدہ ہونے کے زلزلہ اور بڑھنے لگا اور بڑھتے بڑھتے اس کا اثر شہر کی دیواروں تک آ گیا اہل مدینہ مجبوراً شہر چھوڑنے پر آمادہ ہوئے یہ سُنکر حضرت عمر اصحاب کی ایک جماعت کو لیکر امیرالمومنین حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے ابوالحسن زلزلہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس سے شہر ویران ہو رہا ہے۔ ذرا توجہ فرمایئے۔ حضرت امیر نے فرمایا اصحاب رسولؐ میں سے سو آدمی حاضر ہوں۔ جب وہ حاضر آئے تو ان میں سے حضرت نے دس آدمی مثل سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ عمار یاسرؓ اور مقداد بن اسود کندی کے انتخاب کر کے اپنے ساتھ لئے اور اہل مدینہ بھی آپ کے ساتھ گئے جب بقیع میں پہنچے تو جناب امیر نے زمین پر پاؤں مار کر تین مرتبہ فرمایا مالِکِ مالِکِ مالِکِ یعنی تجھے کیا ہو گیا ہے۔ فوراً زلزلہ ساکن ہو گیا اور لوگ جلا وطنی کے دغدغے سے فارغ ہو کر آپ کو دعائیں دینے لگے۔

کفایتہ المومنین میں سلمان فارسی سے نیز احسن الکبار میں منقول ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے ص۳۲۳ پر درج کیا ہے کہ ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں ایک نہایت نیکوکار محب اہلبیت عورت اُم فروہ رہتی تھی ایک دن ایک مالدار منافق سے اسکا مناظرہ و مُباحثہ ہوا۔ چونکہ اس پاکدامن نے اہلبیت رسولؐ کے فضائل و مناقب بہت بیان کئے تھے اُس منافق نے سبِ شیخین کی وجہ بیان کر کے اسکو اس قدر مارا کہ وہ ہلاک ہو گئی۔ اس کے شوہر نے ابوبکر کے پاس استغاثہ کیا اور طلب اعانت کی مگر دربار خلافت سے اس کی دادرسی نہ ہوئی۔ شوہر نے اسکو دفن کر دیا اور در دولت حضرت امیر پہ حاضر ہوا۔ آنجناب اُس روز وادیٔ قربیٔ میں تشریف فرما تھے اسلئے اُدھر کا رُخ کیا اور گریہ وزاری کے ساتھ سارا واقعہ بیان کیا۔ جناب امیر نے اُس مظلومہ کی قبر پر جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا فرمائی کہ اس مظلومہ کو زندگی عطا کر کے عاصی نافرمانوں کیلئے عبرت کا سامان بنا۔ ناگاہ قبر شگافتہ ہوئی اور اُم فروہ سندس کی ایک چادر سر پر اوڑھے باہر آئی اور حضرت امیر کو سلام کر کے عرض کرنے لگی کہ اے مولائے مومنان منافق چاہتے ہیں کہ تیری ولایت کے نور کو پوشیدہ کریں لیکن کہاں کر سکتے ہیں۔ ام فروہ زندہ ہو کر کئی سال اپنے شوہر کے ساتھ رہی۔ اس کو کئی بچے ہوئے جو میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

ملفوظات مخدوم جہانیاں میں درج ہے اور علامہ کشفی ترمذی نے بھی کوکب دری کے ص۲۴۴ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے زمانہ میں یہ شکایت کی کہ وہ ہمیشہ اپنی عورت سے دُبر کی طرف سے جماع کرتا ہے اور وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ اس لئے اس پر حدِ زنا جاری کی جائے۔ عمر نے حدِ زنا جاری کر دی عورت نے

فریاد و شور مچایا کہ میں بے گناہ ہوں۔ لوگوں نے حضرت امیر سے واقعہ رجوع کیا۔ حضرت نے فرمایا عورت کے اعضا کی ساخت کے اعتبار سے جبکہ دبر کا راستہ اندر رحم کے راستہ کے قریب پہنچتا ہے، اس کا احتمال ہے کہ کوئی قطرہ رحم تک پہنچ جائے۔ لہذا عورت پر زنا کا الزام ثابت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب رہا یہ مرد جو خود کہتا ہے کہ دبر کی طرف سے جماع کرتا تھا۔ سزا کا مستوجب ہے اور حضرت رسول کے دوارشادات بھی اس سلسلہ میں بیان فرمائے۔ عمر نے کہا صدقت یا ابوالحسن خدا عمر کو آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔

جیسا کہ حضرت رسولؐ نے بار بار فرمادیا تھا کہ آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں منافقین کا گروہ پیدا ہو چکا تھا جنکے دلوں میں علی کی طرف سے بغض آگیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت امیر سے مذاق بیجا کرنے اور آپکو شیکی دینے کے خیال سے ایک زندہ شخص کو مردہ بیان کرکے ڈولے میں چادر کے اندر لٹا کر آپ کے پاس آئے اور خواہش کی کہ اسکی نماز جنازہ پڑھادیں۔ مولا نے فرمایا کیا واقعی نماز جنازہ پڑھادوں لوگوں نے کہا ہاں ہاں اسی غرض سے تو مُردہ کو لائے ہیں۔ مولا نے نماز جنازہ پڑھادی اور فرمایا لیجاؤ اپنی میّت۔ کو اب جو ان لوگوں نے تمسخر کے خیال سے چادر ہٹائی تو وہ واقعی مردہ تھا۔ سب لوگوں کے اور خصوصًا اُس متوفی کی ماں نے جب عاجزی کی تو مولا نے مردہ کو حکم دیا کہ اللہ کے حکم سے اُٹھ جا۔ وہ شخص ڈولے سے اُٹھ بیٹھا اور توبہ کی۔

مستدرک حاکم، احسن الکبار، صواعق محرقہ و کوکب دری کے صفحہ ۱۳۱ پر حضرت ابوبکر سے روایت ہے کہ سید کائنات کے زمانہ میں ایک بیل نے ایک گدھے کو مار دیا۔ بیل اور گدھے کے مالک حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا آنحضرت نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا اسمیں حکم کرو۔ اصحاب نے کہا بیل اور گدھے کے مالکوں پر کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی اور نہ حیوانوں کا کچھ قصور ہے۔ ازاں بعد آنحضرتؐ نے جناب امیر سے فرمایا علی تم حکم کرو۔ جناب امیر نے جانوروں کے مالکین سے دریافت کیا دونوں جانور کھلے ہوئے تھے یا بندھے ہوئے یا ایک کھلا ایک بندھا۔ دونوں نے کہا۔ بیل کھلا ہوا تھا اور اسکا مالک ساتھ تھا گدھا بندھا ہوا تھا، امیر نے فرمایا گدھے کا تاوان بیل والے پر ہے پس رسول اللہؐ نے علی کے فیصلہ کو جاری فرمایا۔

کتاب لطائف الطوائف میں منقول ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صفحہ ۱۳۲ پر درج کیا ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز جناب سرور کائناتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ خرمے تناول فرمارہے تھے اور ظرافت و مزاح کے طور پر گٹھلیاں امیرالمومنین کے سامنے رکھتے جاتے تھے اور حضرت کے اشارے سے اصحاب بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ جب فارغ ہو چکے تو اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے خرما کس نے زائد کھائے۔ انھوں نے عرض کیا جس کی گٹھلیاں زیادہ ہوں اس نے زیادہ کھائے۔ امیرالمومنین نے جواب دیا جس نے گٹھلیوں سمیت کھائے اس نے زیادہ کھائے۔ حضرت رسولؐ نے

فرمایا میرے بھائی کو کسی بات میں مات دینا مشکل ہے اِسلئے کہ میں علم کا شہر ہوں تو یہ اسکا دروازہ ہے۔

الطرق الحکمیہ صفحہ ۶ پر روایت ہے کہ ایک عورت نے ایک جوان لڑکی پر مرافعہ کیا کہ اس نے حرام سے اپنی بکارت زائل کرائی ہے اور اس کے بالغ ہونے پر بھی شہادت دیگئی دراصل اس کا واقعہ یہ تھا کہ یہ لڑکی یتیمہ تھی اور خوبصورت تھی جو ایک شخص کے زیر پرورش تھی جس کی ایک بیوی بھی موجود تھی۔ اور یہ شخص اکثر سفر میں رہا کرتا تھا اور چونکہ یتیمہ لڑکی جوان ہوگئی تھی اس لئے عورت کو یہ ڈر ہوگیا کہ کہیں اس کا شوہر اس لڑکی سے نکاح نہ کرے۔ چند پڑوسی عورتوں کو دعوت دیکر اس لڑکی کو پکڑوا کر اس کی بکارت ہاتھ سے زائل کردی۔ جب اس کا شوہر سفر سے واپس آیا تو عورت نے کہا کہ اس لڑکی نے زنا کرایا ہے اور ثبوت میں پڑوسی عورتوں کو پیش کیا۔ یہ مقدمہ حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ آپؑ نے فرمایا زنا کے کون گواہ ہیں۔ عورت نے انہیں پڑوسیوں کو پیش کردیا حضرت علیؑ نے ایک ایک عورت کو طلب فرما کر ایک تلوار درمیان میں رکھ کر حالات دریافت فرمائے مگر اس نے اصلی واقعہ بیان نہیں کیا۔ حضرت نے اسکو پھر علٰحدہ مقید کر کے ان گواہی دینے والی عورتوں میں سے ایک کو طلب فرما کر اس سے فرمایا کہ پہلی عورت نے جو کچھ کہا سب سچ کہدیا اس لئے میں نے اسکی جان کی امان دے دی۔ اب اگر تو نے صحیح واقعہ بیان نہ کیا تو جو تیرا حشر ہونا ہے وہ ہوگا۔ عورت نے قسم کھا کر کہا کہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ یتیمہ خوبصورت اور جوان ہے۔ اس عورت کو یہ خوف ہوا کہ اس کا شوہر اس سے نکاح کریگا تو اس نے ہم کو بلا کر کہا تو ہم سب نے اس لڑکی کو پکڑ لیا تو اس نے ہاتھ سے اس کا ازالہ بکارت کردیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اس عورت پر حد قذف کا حکم دیا اور اس کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکی سے نکاح کرلے اور عورت کو طلاق دیدے اور آپؑ نے اس کا مہر اپنے پاس سے ادا کردیا۔

نجم الثاقب صفحہ ۱۲۱ پر روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو وصیت کی کہ یہ ایک ہزار دینار لیکر جسقدر تجھکو پسند ہو وہ خیرات کردے باقی خود لے لے۔ اس نے اس کا دسواں حصہ ایکسو دینار خیرات کئے اور نوسو دینار خود رکھ لئے۔ خیرات لینے والوں نے کہا کہ آدھا ہم کو دے دے اور آدھا تو لے لے۔ اس نے نہیں مانا۔ آخر فریاد حضرت علیؑ کے پاس لے کر گئے آپؑ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے تیرے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا کہ آدھا مانگا اور آدھا تجھ کو چھوڑ دیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ موصی نے مجھے یہ وصیت کی کہ اس سے جتنا تجھ کو پسند ہو خیرات کر کے باقی کا تو لے لے۔ یہ سُنکر حضرت علیؑ نے فرمایا تجھکو نوسو دینار خیرات کردینا چاہیئے۔ اس نے کہا کیونکر۔ آپ نے فرمایا موصی کی وصیت یہ تھی کہ اس میں سے جتنا تجھ کو پسند ہو خیرات کردے تو نے نوسو دینار پسند کئے اس لئے ایک سو رکھ اور نوسو خیرات کردے۔

حبیب بن ثابت کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؑ کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں آپؑ نے فرمایا تین طلاقوں نے تو تیری عورت کو تجھ پر حرام کردیا باقی ماندہ طلاقوں کو اپنی دوسری عورتوں پر تقسیم کردے۔

کنز العمال، بیہقی، نیل الاوطار، تاریخ الخلفاء سیوطی، ابن اثیر، نہایہ، دارقطنی، طرق الحکمیہ اور صحاح ستہ میں حضرت علیؑ کے متعدد فیصلجات درج ہیں جن سے حضرت رسول خدا کے اس ارشاد کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے کہ اقضاھم علی ابن ابی طالب (عن عبداللہ بن مسعود استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۶۲) سب لوگوں میں سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلہ کی دو چار روایتیں اور بیان کر کے اس سلسلہ کو تمام کریں گے۔

کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۶۹ پر زر بن حبیش سے روایت ہے کہ دو شخص روٹی کھانے بیٹھے تھے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین تھیں کہ اتنے میں ایک تیسرا شخص آ گیا۔ ان دونوں نے اسکو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ ان تینوں نے وہ آٹھ روٹیاں کھالیں۔ جب وہ تیسرا شخص جانے لگا تو اس نے آٹھ درہم ان کو دے کر کہا کہ جو کچھ میں نے کھایا ہے یہ اس کا معاوضہ ہے ان دونوں میں ان درھموں کی تقسیم میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میں ۵ درہم لونگا اور تجھکو رسدی ۳ درہم دونگا تین روٹیاں والے نے کہا کہ میں برابر آدھا حصہ لوں گا۔ قضیہ حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ آپ نے تین روٹیوں والے کو فرمایا کہ تو وہی لے لے جو تیرا ساتھی تجھ کو خوشی سے دے رہا ہے کیونکہ اس کی روٹیاں زیادہ تھیں اور تیری کم تھیں۔ اس نے کہا کہ واللہ میں کبھی راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا حق مجھکو نہیں ملیگا۔ آپ نے فرمایا اگر تو حق چاہتا ہے تو تیرا حصہ ایک ہی درہم ہے اور دوسرے کے سات ہیں۔ اس نے کہا سبحان اللہ یہ کس طرح۔ ذرا مجھکو سمجھا دیجئے تاکہ میں اسکو منظور کروں۔ آپ نے فرمایا دیکھو کل آٹھ روٹیاں تھیں اور تم تین آدمی تھے مساوی طور پر ان کی تقسیم نہیں ہوسکتی اس لئے آٹھ کو ۳ پر ضرب دینے سے چوبیس ٹکڑے ہوتے ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ اس لئے لامحالہ ہم اسکو تسلیم کریں گے کہ اوسطاً سب نے برابر ۸ ٹکڑے کھائے۔ اس لحاظ سے تمہاری ۳ روٹیوں کے ۹ ٹکڑے ہوئے۔ جن میں سے تم نے آٹھ کھائے اور ایک بچ گیا ۵ روٹیوں والے کے ۱۵ ٹکڑے ہوئے جن میں سے ۸ اُس نے کھائے اور ۷ باقی رہے۔ اب اب درہم دینے والے نے تیرا ایک ٹکڑا کھایا اور اس کے سات ٹکڑے کھائے اس لئے تجھکو ایک درہم ملنا چاہئے اور تیرے ساتھی کو سات درہم۔ یہ سنکر اس شخص نے کہا کہ اب میں راضی ہو گیا۔

ایک اور روایت ہے کہ تین شخصوں نے ملکر اونٹوں کی تجارت کی ایک نے نصف رقم لگائی دوسرے نے ثلث اور تیسرے نے ثلث والے کی تہائی یعنی ۱/۹ حصہ رقم لگائی جو کچھ منافع ہوتا آپس میں حصہ رسدی تقسیم کرتے رہے اور آخر میں ۱۷ اونٹ ان کے پاس بچ رہے اور اسکی تقسیم کی نسبت نزاع پیدا ہوئی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان ۱۷ کی تقسیم تین آدمیوں میں کس طرح کی جائے۔ پہلا کہتا کہ میرا حصہ ساڑھے آٹھ اونٹ کا ہوتا ہے۔ دوسرا کہتا میرا حصہ ساڑھے پانچ اونٹ کا قرار پاتا ہے اور تیسرا کہتا مجھے ڈیڑھ اونٹ

زائد ملنا چاہیئے۔ مگر ان کسرات کی تقسیم کیسے ہو۔ آخر سب حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ دیگر لوگ بھی دیکھنے آئے کہ ۱۷ اونٹ کی تقسیم کسطرح ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تمہارے سترہ ۱۷ اونٹ میں میں بھی اپنا ایک اونٹ تمہارے اونٹوں میں شامل کر دیتا ہوں۔ اس طرح اٹھارہ اونٹ ہوئے۔ اب آپ نے نصف حصّہ والے سے فرمایا کہ بجائے سترہ میں کے نصف یعنی ۸½ کے تم اٹھارہ میں کا نصف ۹ اونٹ لے لو۔ اس نے ۹ اونٹ لے لیئے۔ دوسرے سے فرمایا کہ ۱۷ کے ثلث یعنی ۵⅔ کے بجائے تم ۱۸ کا ثلث یعنی ۶ اونٹ لے لو اس نے ۶ لے لئے تیسرے سے فرمایا تم ۱۷ کے ۱/۹ حصّہ کے بجائے ۱۸ کا ۱/۹ یعنی ۲ اونٹ لے لو۔ اس نے دو لے لئے اب جو دیکھا گیا تو ۹ اور ۶ اور ۲ یعنی ۱۷ اونٹ کی تقسیم ہو گئی اور حضرت علیؑ نے جو اپنا اونٹ شریک کیا تھا وہ واپس لے لیا۔ ہر شخص کو اپنے ادعا سے زیادہ حصّہ ملا اور پھر آپ کا اونٹ بھی محفوظ رہا۔

محمد بن طلحہ الشافعی نے مطالب السؤل میں لکھا ہے کہ ایک عورت حضرت امیرؑ کے پاس اس وقت آئی جب آپ اپنے گھر سے نکل کر سوار ہو رہے تھے ایک پاؤں رکاب میں رکھا تھا۔ وہ عورت بولی یا امیرالمومنین میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ مرا ہے مگر لوگوں نے مجھکو ایک دینار دیا ہے۔ میں آپ سے اپنا حق و انصاف چاہتی ہوں۔ حضرت نے فی الفور جواب دیا کہ تیرے بھائی کی دو بیٹیاں رہ گئی ہوں گی۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا تیرے بھائی کی ماں بھی ہوگی۔ اس نے کہا پھر فرمایا زوجہ بھی ہوگی۔ اس نے کہا ہاں۔ حضرتؑ نے فرمایا تیرے بارہ بھائی ہوں گے عورت نے کہا ہاں۔ اس کے بعد فرمایا تیرا حق تو پا چکی لوٹ جا۔ وہ اس طرح سے کہ ۶۰۰ کے دو ثلث یعنی چار سو دینار تیرے بھائی کی دو بیٹوں کے اور اس کی ماں کے سدس یعنی ایک سو دینار تیرے بھائی کی دو بیٹوں کے اور اس کی ماں کے سدس یعنی ایک سو دینار اور زوجہ کے ثمن ⅛ یعنی پچھتر دینار جملہ پانسو پچھتر ہوئے رہے پچیس اس میں سے تیرے بارہ بھائیوں کو فی کس دو جملہ چوبیس ملے۔ رہا ایک وہ تجھے دیا گیا۔ حضرت نے گھوڑا بڑھاتے بڑھاتے مع وضاحت یہ تصفیہ فرما دیا۔ یہ مسئلہ دیناریہ کے نام سے مشہور ہے۔

ایک اور مسئلہ منبریہ کے نام سے بھی محمد بن طلحہ نے درج کیا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کوفہ کے منبر پر تشریف فرما تھے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا امیرالمومنین میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے اور اس کا ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے اور میرے داماد کے وارث اسکو نواں حصّہ دیتے ہیں آپ سے انصاف کا خواہاں ہوں جناب امیرؑ نے فرمایا تیرا داماد دو بیٹیاں چھوڑ مرا ہے۔ اس نے کہا بجا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے ماں باپ بھی زندہ ہیں۔ اس نے تسلیم کیا آپ نے فرمایا تیری لڑکی کا آٹھواں حصّہ اب نواں حصّہ ہو گیا ہے۔ پس تو اس سے زیادہ مت طلب کر۔

صاحب نجم الثاقب نے صفحہ ۲۰۷ پر ایک قلمی کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت امیرؑ کے

زمانہ خلافت میں دو عورتوں نے ایک جگہ ایک رات میں زچگی کی ایک کا لڑکا دوسرے کی لڑکی۔ لڑکی والی نے اپنی لڑکی کو لڑکے کے جھولے میں ڈال کر لڑکے کو لے لیا اور لڑکے والی نے کہا لڑکا تو میرا ہے۔ یہ مقدمہ حضرت امیر کے دربار میں آیا۔ گواہ کوئی نہ تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ دونوں کے دودھ وزن کئے جائیں۔ جس کا جس کا دودھ وزنی ہوگا لڑکا اس کا ہے۔ قلمی کتاب میں ایک اور روایت اس طرح نقل کی گئی ہے۔ ایک شخص ایک غیر آباد زمین میں مر گیا۔ اس کیساتھ اس کا ایک لڑکا اور ایک غلام تھا۔ غلام نے حضرت علیؑ کے دربار میں دعویٰ پیش کیا کہ جو دراصل بیٹا تھا وہ اسکا غلام ہے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ حقیقت میں یہی غلام ہے اور میں بیٹا ہوں۔ حضرت علیؑ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ ایک ایک دیوار میں دو سوراخ کئے جائیں۔ یہ دونوں اپنے اپنے سر ان سوراخوں سے باہر نکالیں (دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا کہ وہ دو آنکھیں بند کرکے فرش پر لیٹ جائیں) جب یہ ہو چکا تو آپ نے باواز بلند قنبر کو حکم دیا کہ تلوار سے غلام کی گردن اڑا دو۔ مالک کا بیٹا اطمینان سے آنکھیں بند کئے لیٹا رہا۔ غلام بسبب خوف اپنے غلام ہونے کو چھپا نہ سکا اور یہ دیکھ کر کہ میری ہی گردن ماری جائیگی کود کر فرار ہو گیا۔ اس کو پکڑ کر آقا کے حوالہ کر دیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی ذہانت کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے ایک مرتبہ رسول خداؐ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ آج فرشتوں کے آنے کا دن ہے۔ تم دروازہ پر موجود رہو اور کسی کو اندر نہ آنے دو۔ تھوڑی دیر میں جوق در جوق فرشتے آنا شروع ہوئے اور رسول اللہ سے گفتگو کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ جب سب فرشتے جا چکے تو حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ کیا فرشتوں کی تعداد تین سو چھبیس تھی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں مگر تم نے کیسے جانا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے جواب دیا ہر ایک کی آواز سے شمار کر لیا۔ زاذان سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن علیؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ یہودیوں کے عالم راس الجالوت اور نصرانیوں کے عالم جاثلیق کو ساتھ لئے ہوئے حضرت کے پاس آئے۔ آپ نے پہلے راس الجالوت سے پوچھا تجھے کچھ اسکی بھی خبر ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد ان کی امت کے کتنے فرقے ہو گئے۔ وہ بولا کتاب دیکھوں تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا تجھ پر پھٹکار ہو تو کس برتے پر لوگوں کا امام بنا ہوا ہے۔ اگر تیری کتاب جل جائے یا چوری ہو جائے اور پھر تجھ سے کوئی مسئلہ پوچھے تو کیا یوں ہی کہے گا کہ کتاب ہوتی تو بتلاتا۔ علم سینہ میں ہونا چاہیے نہ کہ کتاب سفینہ میں۔ اس کے بعد جاثلیق کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تجھے کچھ خبر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد نصاریٰ کے کتنے فرقے ہوئے۔ وہ بولا لا علم فرمایا قسم بخدا تو جھوٹا ہے۔ میں توریت کو اس سے بہتر جانتا ہوں اور انجیل کو تجھ سے بہتر۔ امت موسیٰ کے اکہتر فرقے تھے ستر ناری اور ایک ناجی جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق ۔ (اعراف آیت ۱۵۹) اور امت عیسیٰ کے بہتر فرقے ہوئے اکہتر ناری اور ایک ناجی جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق (مائدہ آیت ۸۳) اور مسلمانوں کے تہتر فرقے ہوئے۔ بہتر ناری اور ایک ناجی جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ وممن

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ (سورہ اعراف آیت ۱۸۱) اور وہ میرے شیعہ ہیں۔
ایک مرتبہ دس اہل علم جو حضرت علی علیہ السلام سے شدید مخالفت رکھتے تھے آپ کے علم و فضل کا امتحان لینے کے ارادہ سے آپ کے پاس آئے اور ہر شخص نے ایک ہی سوال کیا۔ علم بہتر ہے یا دولت اور جواب میں ہر مرتبہ ایک نئی دلیل کی خواہش کی حضرت نے فرمایا علم بہتر ہے اور ہر ایک سائل کو جو دلیلیں یکے بعد دیگرے بلا وقفہ ارشاد فرماتے چلے گئے۔ وہ حسب ذیل روایت ہوئی ہیں:

(۱) علم بہتر ہے دولت سے کیونکہ دولت فرعون، ہامان اور قارون کے متروکات سے ہے اور علم انبیاء کا ورثہ ہے۔ (۲) دولت کی نگہبانی انسان کرتا ہے اور علم انسان کا نگہبان رہتا ہے (۳) صاحب دولت کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور صاحب علم کے دوست (۴) دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ (۵) دولت مند بخیل کہلاتا ہے اور صاحب علم سخی (۶) دولت مندوں سے قیامت میں حساب اور مواخذہ ہوگا اور علم کی دولت حساب و مواخذہ سے بری ہے (۷) دولت کیلئے چور کا خطرہ ہے اور علم اس سے محفوظ ہے (۸) علم سے دل کی روشنی بڑھتی ہے اور مال و دولت سے سیاہی چھا جاتی ہے (۹) مال و دولت امتداد زمانہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور علم روشن اور تر و تازہ رہتا ہے (۱۰) کثرت مال و دولت سے فرعون و نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اہل علم نے عجز و انکسار سے کام لیا۔ یہ ایک مختصر سی مثال تھی پورا نہج البلاغہ ارشادات عالیہ اور خطبات حکیمانہ و تجلیات نورانیہ کا مجموعہ ہے۔ جسکو اس کا شغف ہو دیکھ سکتا ہے۔

علامہ واحدی فواتح میں لکھتے ہیں کہ جب سورہ شوریٰ کی ابتدائی دو آیتیں جو حروف مقطعات کی صورت میں ہیں یعنی حٰمٓ عٓسٓقٓ نازل ہوئیں تو حضرت رسولؐ بہت غمگین ہوئے۔ کچھ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا جو آیت نازل ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت مختلف بلاؤں میں مثل زمین دھنس جانے یا مسخ ہو جانے یا دیگر مصائب میں مبتلا ہوگی۔ عبداللہ ابن عباس اس آیت کو پڑھتے تو کہتے کہ حضرت علیؑ صرف ان دو لفظوں سے تمام فسادات جو آئندہ ہونے والے ہیں جانتے تھے۔ تفسیر ثعلبی میں بھی یہی مضمون درج ہے۔ نیز صحیح مسلم میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت علیؑ جتنی جماعتیں یا بستیاں روئے زمین میں ہو چکی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان سب کو جانتے تھے حجۃ الاسلام غزالی نے لکھا ہے کہ امام المتقین علی ابن ابی طالب کے لئے ایک کتاب ہے جس کا نام ہے جفر جامع الدنیا والآخرہ اور وہ کتاب تمام وحقائق و دقائق و اسرار و حالات غیب خواص اشیا اثرات ما فی العالم اور خواص اسماء و حروف پر مشتمل ہے جس سے سوائے آپ کے اور آپ کے ان گیارہ بزرگوار فرزندوں کے جو بہ نص رسول خدا امامت و ولایت کے منصب پر فائز ہیں اور کوئی شخص آگاہی نہیں رکھتا کیونکہ یہ چیز ان حضرات کو وراثت میں ملی ہے۔ اس کے متعلق شاہ سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ

دُرّ المنظم محمد بن طلحہ شافعی سے نقل کیا ہے کہ جفر جامع مفاتیح علوم کے سلسلہ میں ایک ہزار سات سو صفحات پر مشتمل اور امام علی ابن ابی طالب سے مخصوص ہے یہ کتاب حروف رموز و اشارات کی شکل میں ہے جسکو بجز ائمہ اہلبیت کے اور کوئی نہیں پڑھ سکتا۔

صاحب مروج الذہب مسعودی اپنی کتاب اثبات الوصیۃ کے صـ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ جبرئیل نے خدائے عزوجل کی طرف سے ایک مہر شدہ کتاب حضرت رسول خدا کے حوالہ کی اور کہا اللہ تعالیٰ بعد سلام فرماتا ہے یہ وہ تحریر ہے جس پر میں نے تم سے عہد و پیمان کیا ہے اور اپنے ملائکہ کو گواہ بنایا ہے اور میں بھی گواہ ہوں حضرت رسول نے وہ کتاب پڑھی اور حضرت علی کے حوالے کی اور فرمایا تم سے اِن ان چیزوں کا عہد لیا گیا ہے۔ حضرت علیؑ نے حضرت رسول کی تبلیغ رسالت کی گواہی دی اور اپنے سے متعلقہ عہد و پیمان کو قبول کیا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ میکائیل ملائکہ مقربین کو حضرت علیؑ پر گواہ قرار دیا گیا۔ جناب فاطمہ زہراؑ حسنؑ حسینؑ علیہ السلام کو بھی اسی طرح ذمہ داریاں سپرد کیں اور ان حضرات کو پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بیان کر کے ان سے اقرار لیا۔ اس کے بعد اس کتاب پر بطور تبرک پائے ہوئے سونے کی مہریں لگا کر حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا گیا۔

حضرت علی علیہ السلام سے آپ کے مخالفین بھی سوال کرتے تو جواب ادا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ کنز العمال کی جلد ۴ صـ۲۳۰ پر یہ روایت درج ہے کہ معاویہ جو حضرت علیؑ سے لڑ کر ملک شام پر قابض ہو گئے تھے ایک شرعی مسئلہ سمجھ نہ سکے اور اپنے حالی موالی سے بھی اس کا حل معلوم نہ ہوا تو حضرت علیؑ کو لکھ کر بھیجا کہ اس معاملہ میں رہنمائی فرمایئے۔ حضرت علیؑ نے مسئلہ کا جواب لکھ دیا اور فرمایا خدا کا شکر ہے جو ہمارا دشمن بھی ہے ہم سے مسئلہ دریافت کرتا ہے جب اسکو امر دین میں مشکل پڑ جاتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ کہا کرتے تھے "قضیۃ" ولا ابا الحسن لہا" یعنی مقدمہ تو ہے لیکن علی نہیں جو فیصلہ کرے حضرت علی علیہ السلام کے قضایا اور حضرت عمر کے بار بار لولا علی لہلک عمر کہنے کے ذکر کے ساتھ ساتھ ایک ستم ظریفانہ روایت کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جسکو سیوطی نے حضرت عمر کے علم کے متعلق درج کیا ہے کہ "اگر دنیا کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور حضرت عمر کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمر کا پلڑا بھاری رہے گا۔ آپ کو دس حصہ علم میں سے نو حصہ دیئے گئے اور پھر اس دسویں حصہ میں بھی آپ نے مزید حصہ پایا" باب العلم مَنْ عِندَہٗ علم الکتاب وارث کتاب خدا کی یہ تنقیص شان کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ استاد کو شاگرد۔ شاگرد کو استاد بنا دینا کہاں کا انصاف ہے۔ بیسیوں مرتبہ لولا علی لہلک عمر کہنے والوں کو تو علم کے دس میں سے نو سے زیادہ حصوں کا مالک قرار دیا جائے اور جس باب العلم نے ہر مرتبہ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائی اس کے لئے باقی ۱/۱۰ میں سے لاکھوں کروڑوں اشخاص کے ساتھ ایک ناقابل شمار حصہ تجویز کیا جائے۔ سورہ زمر کی آیت ۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۵ یعنے پوچھو تو سہی بھلا نہ جاننے والے لوگ کہیں جاننے والوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی عقلوں پر اظہار تعجب کیا ہے جو عالم کو چھوڑ کر بے علم کی پیروی کرتے ہیں اور واضح فرما دیا کہ حق کا راستہ دکھانے والا ہی پیروی کا حقدار ہے نہ کہ وہ شخص جو دوسروں سے پوچھے بغیر راستہ نہیں دیکھ پاتا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے اَفَمَن یَّھدِی اِلَی الحَقِّ اَحَقُّ اَن یُّتَّبَعَ اَمَّن لَّا یَھِدِّی اِلَّا اَن یُّھدٰی فَمَا لَکُم کَیفَ تَحکُمُونَ ۵ (سورۂ یونس آیت ۳۵) ترجمہ آیا وہ شخص قابل اتباع ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا وہ شخص جو خود ہی جب تک دوسرا اس کو راہ نہ دکھائے راہ نہیں دیکھ پاتا تم لوگوں پر کیا وبال ہے (اور) کس طرح سے تم حکم لگاتے ہو۔

دوسرے امام حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

آپ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے فرزند اکبر ہیں۔ ۱۵ رمضان ۳ھ کو آپ کی ولادت ہوئی اور آپ چھ مہینے کے پیدا ہوئے یعنی بطن مادر میں چھ مہینہ رہے۔ آپ کا نام حسن اور سید تقی، طیب زکی اور مجتبےٰ آپ کے القاب ہیں۔ بحکم خدا آیت مباہلہ کی رو سے آپ اور حضرت امام حسین علیہ السلام فرزند رسول قرار پائے۔ رسول خدا نے آپ کا نام بحکم خدا اللہ کے نام سے مشتق حسن اور حضرت ہارون کے فرزند اکبر شبّر کے نام پر رکھا جو عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی حسن کے ہیں۔

مسند احمد بن حنبل۔ دار قطنی اور ناسخ التواریخ میں درج ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے تو جبرئیل خدا کی طرف سے یہ حکم لے کر آئے کہ علیؑ کو آپ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ اس لئے بچوں کے نام بھی ہارون کے بچوں کے نام پر رکھئے۔ ہارون کے بڑے بیٹے کا نام شبّر تھا اور دوسرے بیٹے کا نام شبیر اور سب سے چھوٹے بیٹے کا نام مُبشّر۔ عربی میں اس کا ترجمہ حسن، حسین اور محسن ہے۔ طبقات میں ابن سعد نے عمران بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ دو اسم ہیں اسمائے اہل جنت سے۔ کبھی عرب میں یہ نام آپ سے پہلے نہیں رکھے گئے تھے۔ حضرت حسنؑ کا چہرہ اور اوپر کا جسم بالکل رسول خدا سے مشابہ تھا اور حضرت حسین کا نیچے کا نصف جسم حضرت رسول خدا سے مماثلت تامہ رکھتا تھا۔ آل عبا میں امام حسن علیہ السلام چوتھے اور داخل آیت تطہیر اور قرآن پاک کے حکم کے اعتبار سے معصوم ہیں۔ متعدد آیات قرآنی کی رو سے جن کا ذکر علیحدہ آیا ہے آپ اور تمام ائمہ اہل بیت منصوص من اللہ امام ہیں۔ باعتبار فرمودہ رسول آپ اور امام حسینؑ سرداران اہل جنت ہیں آپ کی اور حضرت حسینؑ کی وہ شان ہے کہ آپ کے والد اور والدہ دونوں معصوم ہیں اور آپ کا اور حضرت حسینؑ کا یہ وہ مخصوص شرف ہے جو خود حضرت رسول خدا جناب علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ زہرا کو بھی حاصل نہ تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ حسب ارشاد رسول اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہوئے

اور خلافت ظاہری پر بھی متمکن ہوئے۔ مگر معاویہ نے آپ کو دق کر کے چھ مہینہ کے اندر ہی خلع خلافت پر مجبور کر دیا اور بنو امیہ اور یزید کی سازشوں سے متعدد مرتبہ آپ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی آپ اپنے پینے کا پانی بھی اسی وجہ سے سربمہر رکھتے تھے۔ بالآخر آپ کی ایک زوجہ جعدہ کو سازش میں لے کر اور یزید سے اسکی شادی کا وعدہ کر کے اور ایک لاکھ درہم نقد دے کر اس کے ذریعہ معاویہ نے آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کا یہ حلم و خلق تھا کہ باوجود جعدہ پر واضح شبہ بلکہ یقین ہو جانے کے بھی چونکہ ثبوت ظاہری موجود نہ تھا آپ نے وصیت کی کہ اگر میں زندہ رہا تو جو مناسب سمجھوں گا کروں گا اور زہر سے جانبر نہ ہوا تو جعدہ سے معترض نہ ہونا۔ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو آپ کی شہادت ہوئی۔ امام حسن علیہ السلام کی وصیت تھی کہ مجھے اپنے نانا کے پہلو میں دفن کرنا اور اگر لوگ تعارض کریں تو میری ماں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بائیں دفن کرنا اپنے زمانہ کے طور طریق سے آپ کو اندازے ہو گئے تھے کہ آپ کا اپنے نانا حضرت رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جانا بھی منظور نہ کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے آپ نے متبادل وصیت بھی فرما دی تھی۔ جب امام حسینؑ آپ کی میت قبر رسولؐ کے پاس دفن کرنے لیجانا چاہتے تھے تو حضرت عائشہ کی طرف سے اجازت نہیں دی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے جنازہ پر تیر برسائے گئے اور ستر تیر آپ کے جسد مردہ میں پیوست ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے پھر آپ کو جنت البقیع میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے قریب دفن کر دیا۔ آپ حلم و تواضع کے مجسمہ تھے۔ آپکا دستر خوان وسیع تھا۔ اور بغیر مساکین کو اپنے ساتھ بٹھائے کھانا نہ کھاتے۔ ایک دفعہ ایک غلام نے دستر خوان پر سالن رکھتے وقت گرم گرم شاہ کاسہ آپ کے جسم پر گرا دیا۔ آپ نے تکلیف سے جونہی غلام کی طرف دیکھا اس نے آیت قرآن پڑھنی شروع کی والکاظمین الغیظ آپنے فرمایا کظمتہ (میں نے اپنے غصہ کو پی لیا) غلام نے پڑھا والعافین عن الناس آپنے فرمایا میں نے معاف کر دیا غلام نے پڑھا واللہ یحب المحسنین آپ نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔

اس مضمون کو مولانا شیخن احمد صاحب کامل شطاری مدظلہ نے یوں ادا فرمایا ہے۔ شعر:۔

نہال ہوتے رہے کرم سے خطائیں کر کے غلام ان کے

یہ شان رحمت یہ شان رافت حسن علیہ السلام کی ہے

ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش "کشف المحجوب" کے صفحہ ۱۰۵ و صفحہ ۱۰۶ پر لکھتے ہیں "ان حضرات اہل بیت کے ذکر میں جو کہ طریقت والوں کے امام ہوئے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے جو ازلی طہارت سے مخصوص ہیں۔ ہر ایک کو ان معانی میں کامل تر دسترس تھی اور سب کے سب اس طائفہ (اہل طریقت) کے امام و پیشوا تھے۔

امام حسن علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے داتا گنج بخش نے اپنے سلسلہ کے مرشدین اولیٰ میں سے حسن بصریؒ کے ایک خط کا مضمون درج کیا ہے جو انھوں نے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں مسئلہ جبر و قدر دریافت کرنے

کیلئے رکھا تھا۔ داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اشارات وعلم میں کامل ہونے کے باوجود امام حسنؑ کا دسواں حصہ علم بھی نہ رکھتے تھے۔ حسن بصریؒ کے خط کا مضمون یہ ہے۔

خدا کا سلام ہو تم پر اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور ان کی آنکھوں کے نور اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر ہوں کہ آپ سب کے سب بنی ہاشم ان کشتیوں کی طرح ہو جو کہ نہایت گہرے دریا میں چل رہی ہوں، اور چمکنے والے ستارے اور ہدایت علم اور دین کے امام ہو۔ جو شخص آپکی فرمانبرداری کریگا نجات پائیگا جیسے کہ نوحؑ کی کشتی میں بیٹھنے والوں کی نجات ہوئی تھی۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے آپ ہمارے اس تحیر میں جو کہ ہمیں قدر و استطاعت کے اختلاف میں واقع ہو رہا ہے کیا فرماتے ہیں۔ تاکہ ہم معلوم کریں کہ آپ کی اس میں کیا روش ہے اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں۔ آپ کا علم کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور آپ کا علم اللہ عزوجل کی تعلیم سے ہے اور آپکا محافظ اللہ عزوجل ہے اور آپ اللہ عزوجل کے حکم سے مخلوقات کے محافظ ہیں" داتا گنج بخشؒ نے یہ روایت بھی درج کی ہے۔ ایک اعرابی جنگل سے آیا اور امام حسن علیہ السلام کوفہ میں اپنے مکان کے دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس اعرابی نے آتے ہی آپ کے خاندان کا نام لے کر گالیاں آپ کو دینی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا تو مجھے معذور تصور کر ہمارے گھر میں بجز اس کے اور کوئی روپیہ نہیں ہے۔ ورنہ میں تجھ سے دریغ نہ رکھتا۔ جب اعرابی نے یہ کلام سنا تو جھٹ کہا اشھد و انک ابن رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور وارث صفات ہیں اس جگہ میں آپ کے حلم کی آزمائش کے لئے آیا تھا۔

داتا گنج بخشؒ صہ ۳۸ پر یہ روایت درج کرتے ہیں۔ ایک مرد امام حسن علیہ السلام کے دروازے پر آیا۔ اور اس نے کہا اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجکو چار سو درہم کی ضرورت ہے امام حسنؑ نے فرمایا اور آپکے غلاموں نے چار سو درہم لا کر دے دیئے اور آپ روتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ حاضرین نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں آپ نے فرمایا میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ کیوں میں نے اس آدمی کو سوال کرنے کی فرصت دی۔ کیوں میں نے اس کے سوال سے پہلے اس کی حاجت کو پورا نہ کیا۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ جنھوں نے بیسیوں حج پاپیادہ کئے تھے ایک حج کے موقع پر حسب عادت پاپیادہ جا رہے تھے قافلہ حجاج سوار پیچھے سے پہنچا۔ سبطین رسول کو پیدل دیکھکر قافلہ والے بھی نیچے اتر گئے اور چند میل اسی طرح چلتے رہے مگر بالآخر بیزار ہو کر قافلہ والوں نے سعد بن ابی وقاص صحابی کے ذریعہ کہلوایا کہ آپ لوگ بھی سوار ہو جائیں آپ کے پیدل چلتے ہم سوار نہیں ہو سکتے۔ امام حسنؑ نے جواب دیا یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے اپنے اوپر فرض بھی قرار دیا ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف اپنے پیروں سے چلکر جائیں گے۔ لیکن لوگوں کو تکلیف دینا بھی ہمیں گوارا نہیں اس لئے ہم اس راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں بزرگوار شاہراہ سے ہٹ کر کسی اور راستہ سے روانہ ہوگئے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ گھر میں جب کبھی تھوڑا بہت کچھ مال جمع ہو جائے اپنا گھر راہ خدا

میں لٹا دیتے تھے۔ بھکنوں کے لئے گھر کھول دیتے تھے جسکی جو طبیعت چاہے لیکر چلا جائے۔ معاویہ کا یہ طریقہ تھا کہ برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام کے نام پر سب وشتم کروایا کرتے تھے۔ خلع خلافت کے وقت آپ یہ شرط بھی درج صلحنامہ کروانا چاہتے تھے کہ حضرت علی کو برسر منبر گالیاں نہ دی جائیں مگر معاویہ اس پر راضی نہ ہوئے اور شرط اس حد تک قرار پائی کہ جہاں امام حسن علیہ السلام موجود ہوں آپ کی موجودگی میں آپ کے پدر والا تبار کو گالیاں نہ دی جائیں۔ مروان آپ سے یہ کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کی کیفیت اس خچر کی ہے کہ جس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون تھا تو کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی۔ آپ ہمیشہ تحمل فرماتے اور یہ کہنے پر اکتفا کرتے کہ میں تیرے کلام کے تصفیے کو خدا پر چھوڑتا ہوں جب زہر سے آپ کی شہادت واقع ہوئی تو جنازہ پر مروان رونے لگا امام حسینؑ نے فرمایا کہ زندگی بھر تو میرے برادر بزرگوار کو ستاتا رہا اور اب رو رہا ہے۔ مروان نے کہا میں اس شخص کے لئے روتا ہوں جو حلم میں پہاڑ سے بھی زیادہ بردبار تھا۔ ہم ذیل میں اس خطبہ کے چند جملوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو امام حسن علیہ السلام نے آپ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت خلافت کے وقت ارشاد فرمایا تھا۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے زیبا ہیں۔ جس نے ہم اہلبیت کو خلافت سے سرفراز کرکے احسان فرمایا میں نے اپنے محبوب نانا سے سنا ہے کہ امر امامت کے متکفل ہم اہل بیت میں سے بارہ آدمی ہوں گے اور وہ سب یا تلوار کے گھاٹ اتریں گے یا زہر دغا سے مارے جائیں گے"۔

معاویہ کو جب حضرت علی السلام کی شہادت کی خبر پہنچی تو انھوں نے سات ہزار کا لشکر دیکر ضحاک بن قیس کو عراق پر حملہ کرنے بھیج دیا اور جابجا جاسوس مقرر کر دیئے جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے اور بڑی بڑی رشوتیں دیکر معاویہ کی تائید میں پروپگنڈہ کرتے۔ بحار الانوار میں عللُ الشرائع کے حوالے سے روایت ہے کہ معاویہ نے عمر بن حریث اور اشعث بن قیس، حجر بن الحجر و شیث ربعی کے پاس علیحدہ علیحدہ یہ پیغام بھیجے کہ جس طرح ہو سکے حسن بن علی کو قتل کرا دو جو شخص یہ کام کر گزریگا اسکو دو لاکھ درہم نقد اور فوج کی سرداری دونگا اور اپنی کسی لڑکی سے اس کا نکاح کر دوں گا۔

ان سازشوں اور رشوت دہانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے لشکر میں خود با غیانہ اسپرٹ پھیل گئی اور بعض خارجی سپاہیوں نے آپ کے خیمہ پر حملہ کرکے سامان لوٹ لیا۔

ایک دوسرے شخص نے خنجر سے حملہ کرکے آپ کی ران کو بری طرح زخمی کر دیا ایک چارپائی پر ڈالکر آپ کو مدائن لیجایا گیا۔ جہاں آپ کا علاج کیا جا رہا تھا۔ اِدھر آپ کی فوج کے بعض سردار معاویہ سے خفیہ خط وکتابت کر رہے تھے کہ اس وقت حملہ ہو جائے تو ہم امام حسن کو گرفتار کرکے آپ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہاں تک بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ ابن عباس تک معاویہ کی طرف میں آ گئے تھے اور دس لاکھ درہم ملنے کی لالچ میں وہ معاویہ کے ہوا خواہ ہو گئے تھے۔ معاویہ نے وہ اصل خطوط امام حسن کو بھیجے

سرداران لشکر کے آپ کے پاس بھیجکر یہ لکھا کہ آپ کے آدمی سب میرے ہو چکے ہیں۔ اب بھی وقت ہے صلح کر لیجئے ورنہ انجام تو معلوم ہی ہے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں امام حسن علیہ السلام کو صلح کے لئے مجبور کیا گیا۔

شرائط صلحنامہ

طبری اور دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ شرائط صلحنامہ یہ تھے (۱) معاویہ کتاب خدا اور سنتِ رسول کے مطابق حکومت کریں گے (۲) معاویہ کے بعد نظام مملکت امام حسن کی طرف واپس ہوگا (۳) عراق و حجاز وغیرہ میں کسی جگہ شیعان علی کے ساتھ برا برتاؤ نہ کیا جائیگا (۴) اہل بیت اور خاندان بنی ہاشم کی کفالت کے لئے ہر سال پچاس ہزار درہم معاویہ امام حسن کو بھیجتے رہیں گے، اور "داراب گرد" کا خراج اہل بیت رسول کو ملتا رہے گا۔ (۵) اہل بیتِ رسول سے دغا فریب نہ کیا جائیگا اور ان کو خفیہ یا علانیہ کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔ (۶) قنوت یا خطبہ کسی موقعہ پر علی ابن ابی طالب پر سب و شتم نہ کی جائے گی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس شرط میں معاویہ نے یہ ترمیم کردی کہ اس جلسہ میں علی ابن ابی طالب کو برا بھلا نہ کہا جائیگا جہاں ان کے رشتہ دار اور اعزا موجود ہوں۔

ابن اثیر، ابن جوزی، ابن عبدالبر اور ابوالفرج اصفہانی مورخین لکھتے ہیں کہ صلحنامہ کی تصدیق کیلئے معاویہ نے ایک مجمع کیا اور حضرت حسن سے تقریر کی خواہش کی آپ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

"لوگو! ہمارے خاندان کے فرد اول کے ذریعہ سے اللہ نے تمہاری ہدایت کی اور اب ہمارے آخری فرد کی بدولت تم کو خونریزی سے بچا لیا۔ ہم تمہارے نبی کے اہل بیت ہیں۔ اس نے ہم کو رجس سے دور رکھا ہے اور اور ایسا پاک و پاکیزہ رکھا ہے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ ہم اللہ کا فلاح یافتہ گروہ ہیں اور اس کے رسول کی پاک و طیب اولاد ہیں اور ان کا پاک اور طاہر خاندان ہیں اور ان دو گرانبہا چیزوں میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہ نے اپنے بعد چھوڑا تھا۔ پس ہماری اطاعت فرض ہے اور خدا کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے۔ پس اگر تم کسی شئی میں جھگڑا کرو تو اس تنازعہ کو اللہ اور رسول کی طرف رد کردو۔ آگاہ ہوکر خلیفہ وہ ہے جو کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرے۔ وہ خلیفہ نہیں ہے جو ظلم و جور کو اپنا شعار بنائے جس کی بناء ظلم و جور پر ہو وہ خلافتِ رسولؐ نہیں کہ چند روز اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ پھر لذت ختم ہو جاتی ہے اور (برائیوں کا) خمار باقی رہ جاتا ہے"۔ امام حسن علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں صاف طور پر فرمایا کہ رسول کے جانشین خلیفہ برحق آپ ہی ہیں اور آپ کی اطاعت امت پر فرض ہے اور جس چیز کی بنا ظلم پر ہو وہ خلافتِ رسول نہیں اس طرح آپ نے واضح فرمایا کہ آپ خلافتِ رسول معاویہ کے سپرد نہیں کر رہے ہیں بلکہ چند شرائط پر صلح کر کے آپ نے حکومت ظاہری سے دست بردار فرمائی۔ نہ تو آپ نے معاویہ کی بیعت کی اور نہ ان کو خلیفہ رسول کہا بلکہ اس تصور کی صراحتاً تردید فرمادی۔ صلح اور چیز ہے

بیعت ادا رہے۔

صـ۵۰۵ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں۔ حضرت حسن نے (بعض محبان اہل بیت سے) کہا "تم ہماری جماعت ہو ہم سے محبت کرتے ہو۔ اگر میں دنیا کے لئے شدت سے کام لیتا اور میرے پیش نظر دنیاوی اقتدار ہوتا تو معاویہ مجھ سے زیادہ شان و شوکت والے نہ تھے اور نہ مجھ سے زیادہ خود دار اور ارادہ کے پکے۔ لیکن میری نگاہ تم سے جدا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس سے میرا مقصد خونریزی روکنا تھا اور کچھ نہیں پس اللہ کے فیصلہ پر راضی رہو اور معاملہ اس کے حوالے کر دو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور رکے رہو اور اپنے ہاتھ کو روکے رہو تا آنکہ مرد نیک چین پائے یا پھر بدکار سے لوگوں کو نجات مل جائے۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مزید لکھتے ہیں۔ گویا حضرت حسن ان کو تیار کر رہے تھے جب موقعہ آئے گا تو جنگ ہوگی اور ابھی ہنگامی صلح کے دن ہیں جس میں آرام کریں اور تیاری، شاید اللہ معاویہ سے نجات دیدے پھر امت صالحین کے مشارکے مطابق اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیگی۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین صـ۵۰۶ پر لکھتے ہیں۔ وہ (حضرت حسنؑ) امیر معاویہ کے مخالف تھے اور اپنی مخالفت چھپاتے نہ تھے۔ اپنے مقام مدینہ میں جس طرح چاہتے اس کا اظہار خیال کرتے جب کبھی حج کے زمانہ میں مکہ آجاتے تو اس سے باز نہ رہتے۔ لیکن اگر کسی نے آپ کے والد کا تذکرہ خلاف طبیعت انداز میں کر دیا یا کسی ایسے آدمی سے آپ کی ملاقات ہو گئی جس نے حضرت علیؑ سے دشمنی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تھی تو پھر آپ سخت ہو جاتے اور سنگ دلی تک نوبت پہنچ جاتی۔

امام حسن علیہ السلام سے خلع خلافت کروانے کے بعد ابھی صلحنامہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ معاویہ نے اپنے گورنروں اور عاملوں کو حکم بھیجدیا کہ علیؑ کے شیعہ جہاں ملیں تلوار کے گھاٹ اتار دو اور ان کے گھروں کو کھدوا کر ہل چلا دو اور ان میں کسی کے پاس کوئی جاگیر یا جائیداد ہو تو ضبط کر لو خبردار کوئی فضائل علیؑ بیان نہ کرنے پائے۔ حضرت علی کے فضائل میں کوئی حدیث ہو تو جبتک اس کے مقابلہ میں دس حدیثیں دوسرے خلفاء کے لئے بنا کر پھیلا نہ دو اس وقت تک آرام نہ کرو۔ معاویہ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ امام حسن کو زہر دلوانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ جملہ چھ مرتبہ آپ کو زہر دیا گیا اور ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ کسر رہ گئی آخری مرتبہ کے وار نے قلب و جگر کے ٹکڑے کر دیئے۔ جعدہ بنت اشعث حضرت کی ایک بیوی تھی اس کے پاس معاویہ نے مروان کے ذریعہ پیام بھیجا کہ زہر ہلاہل بھیجتا ہوں امام حسنؑ علیہ السلام کو کھلا کر تمام کر دے اس کے صلہ میں ایک لاکھ درہم نقد انعام دوں گا اور یزید سے تیری شادی کر دونگا۔ پے در پے زہر دیئے جانے سے حضرتؑ کی صحت خراب ہو گئی تھی اور پیاس بہت لگتی تھی۔ رات کو کئی بار اٹھکر پانی پیتے۔ کوزہ آپکے سرھانے رکھا رہتا تھا اور حضرت اسکو سربمہر رکھا کرتے تھے موقعہ پا کر جعدہ نے رات کو اس کوزہ میں زہر ملا دیا ۲۸ صفر ۵۰ھ ۴۷ سال کی عمر میں حضرت کی شہادت ہوئی۔

معاویہ نے مدینہ سے دمشق تک ڈاک بٹھادی تھی کہ لمحہ لمحہ کی خبر پہونچتی رہے جب وفات امام حسنؑ کی خبر پہنچی تو معاویہ سجدۂ شکر میں گر پڑے اور اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ ادھر ادھر کے لوگ متوجہ ہوکر پوچھنے لگے تو فرط مسرت سے جھوم کر کہنے لگے حسن بن علیؑ ہلاک ہو گئے۔ حیواۃ الحیوان دمیری واسد الغابہ ابن اثیر میں ہے کہ امام حسن نے اپنے بھائی حسینؑ کو اپنا وصی کیا۔ حبیب السیر میں ہے کہ امام حسن نے اپنے بھائی حسینؑ کو وصیت کرکے امر امامت ان کے تفویض فرمایا۔

معجزاتِ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

آپ کی شان میں جو متعدد آیات قرآنی اور ارشادات ہیں وہ اس کتاب کے دوسرے حصے میں درج ہوئے ہیں یہاں ہم آپ کے چند معجزات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں (۱) ملا جامی کی شواہد النبوۃ میں درج ہے کہ ایک شب حضرت حسن مجتبیٰ حضرت رسول خدا کے پاس تھے اور بہت کم عمر تھے جب گھر کو جناب سیدہ کے پاس واپس جانے لگے تو رات اندھیری تھی مگر قدرت خدا سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور ساتھ ساتھ آپ کے گھر تک پہنچی جس وقت آپ مکان پہنچ گئے روشنی غائب ہوگئی۔ (۲) جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ سفر میں تھے اور آپ کے ساتھ ایک شخص اولاد زبیر میں سے تھا اتفاقاً ایک مقام پر ٹھیرے جہاں کچھ کھجور کے سوکھے درخت تھے۔ ایک درخت کے نیچے حضرت کا بستر لگا اور قریب ہی ایک درخت کے نیچے ابن زبیر کا بستر لگا۔ ابن زبیر نے کہا کہ اچھا ہوتا کہ یہ درخت ترو تازہ اور بار آور ہوتے آپ نے کہا کیا خرمے کھائے گا اس نے کہا ہاں۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور زیر لب آہستہ کچھ کہا۔ فوراً ایک درخت سرسبز ہو گیا اور خرما تازہ لگ گئے۔ سب نے کھائے۔ ایک شتربان جو یہ حال دیکھ رہا تھا بولا یہ بڑا جادو ہے۔ ابن زبیر نے کہا یہ جادو نہیں دعائے مستجاب ابن رسول ہے۔

(۳) کتاب اعلام الوریٰ میں ابو علی الفضل بن حسن الطبرسی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب بتول عذرا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا گریاں رسول خدا کے پاس تشریف لائیں کہ حسنین کو گھر سے گئے بہت دیر ہوئی واپس نہیں آئے حضرت نے فرمایا اے فاطمہ خدا تعالیٰ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے ان پر بہت مہربان ہے تم کچھ فکر مت کرو بعد ازاں حضرت نے دعا کی کہ الٰہی ان کی حفاظت فرما۔ اتنے میں جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ اے رسول خدا کچھ غم نہ کیجیے کہ دونوں صاحبزادے آپ کے دنیا میں فاضل اور آخرت میں بزرگ ہیں اور باپ ان کا ان سے بہتر ہے اور وہ دونوں اس وقت خطیرہ بنی نجار میں ہیں اور اللہ جل شانہٗ نے ان پر دو فرشتے موکل کر رکھے ہیں کہ حفاظت ان کی کریں۔ یہ سنکر رسول خدا اٹھے اور ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ خطیرہ بنی نجار میں پہونچکر دیکھا کہ دونوں بھائی باہم گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے سوتے ہیں اور فرشتہ نے ایک بازو اپنا نیچے بجائے بستر

بچھا رکھا ہے اور ایک بازو سے اوپر سایہ کر رکھا ہے۔ حضرت نے دونوں صاحبزادوں کو لا کر جناب سیدہ کے حوالہ فرما دیا۔ (۴) ایک دفعہ حضرت حسنؑ اور حسینؑ نے کوئی عبارت لکھی اور اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں گئے کہ تصفیہ کیجیے کس کا خط اچھا ہے۔ جناب سیّدہ نے نہ چاہا کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیکر دل شکنی کا باعث ہو اور فرمایا کہ اپنے باپ کے پاس جاؤ وہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جب صاحبزادے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا حضرت رسول خدا کے ہوتے ہوئے مجھے فیصلہ کی جرات نہیں۔ اپنے نانا جان کے پاس جاؤ جب صاحبزادے حضرت رسول کی خدمت میں آئے تو آپ کو کب منظور تھا کہ کسی صاحبزادہ کی ذرہ برابر بھی دل شکنی ہو۔ فرمایا اپنی ماں کے پاس پھر جاؤ وہی فیصلہ کر دیں گی۔

صاحبزادے پھر حاضر ہوئے۔ جناب سیّدہ نے فرمایا کہ دونوں کا خط بہتر ہے۔ مگر صاحبزادوں نے کہا زیادہ بہتر کا تصفیہ فرمایئے۔ جناب سیّدہ نے اپنے گلوبند کے موتی زمین پر بکھیر دیئے اور فرمایا جو زیادہ دانے اٹھائے گا اسی کا خط زیادہ اچھا ہے۔ دونوں شہزادے دانے موتی چننے میں مصروف ہو گئے اور جب اٹھا کر ماں کے سامنے پیش کئے تو دونوں کے ہاتھ میں برابر موتی تھے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایک فرشتہ کو متعین کر دیا تھا کہ موتیوں کو نصفا نصف کر دے تاکہ دونوں میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ (۵) بروایت صحیحہ ثابت ہے اور ابو عبداللہ نیشاپوری نے بھی کتاب امالی میں نقل کیا ہے کہ ایک سال عید قریب آئی اور نہ ہونے مال دنیا کے جناب علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا کے پاس کوئی لباس حسنین کیلئے قابل عید نہ تھا۔ صاحبزادوں نے ماں سے عرض کیا مدینہ کے سب اطفال کے ماں باپ نے عمدہ لباس اپنے بچوں کے لئے بنوائے ہیں اور وہ سب نیا لباس پہنکر عید کریں گے۔ ہمکو بھی لباس بنوا دو۔ جناب فاطمہؑ اپنی ناداری اور کمسن صاحبزادوں کی خواہش پر خیال کر کے بہت روئیں۔ یہ رات کا ذکر ہے کہ صبح کو عید ہونے والی ہے۔ دونوں شاہزادے ضد کر رہے ہیں۔ ہر چند آپ تسلی فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ درزی تمہارے لئے کپڑے لائے گا تو پہناؤں گی۔ غرضکہ شاہزادے سو گئے اتنے میں صبح ہوئی اور کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پکارا میں خیاط ہوں اور آپ کے صاحبزادوں کے کپڑے سی کر لایا ہوں۔ دیکھا تو واقعی ایک بقچہ کپڑوں کا اس نے دیا جس میں دو جوڑے معہ موزہ سیاہ بندھے ہوئے ہیں۔ جناب سیدہ نے خیال کیا کہ شاید میرے پدر بزرگوار نے درزی کو سینے کے لئے دئے ہوں گے آپ نے حضرت کی خدمت میں سب حال بیان کیا آپ نے فرمایا اے فاطمہ وہ خیاط نہ تھا رضوان جنّت تھا۔ خدائے تعالیٰ نے جنّت سے یہ پوشاکیں تیرے بچوں کے لئے بھجوائی ہیں (۶) حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم اصفہانی ارجح المطالب نور الابصار صـ۱۲۲ پر منقول ہے کہ ایک شخص نے امام حسنؑ کے مزار سے بے حرمتی کی۔ اس کے بعد اسکو جنون ہو گیا اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ وہ جب مر گیا اور دفن کیا گیا تو قبر کے اندر سے بھی بھونکنے کی آواز آتی رہی۔

تیسرے امام حضرت امام حُسین شہیدِ کربلا علیہ السلام

امام حُسین علیہ السلام کی ولادت ۳ شعبان ۴ھ کو ہوئی حضرت رسول نے حُسینؑ نام رکھا۔ آپ کی کنیت ابا عبداللہ اور لقب، سید طیب، زکی، وفی، سبط رشید، مبارک، المرضات اللہ اور دلیل علیٰ ذاتِ اللہ اور شہید اکبر ہیں۔ معارج النبوۃ میں ابن عباس سے روایت ہے اور علامہ سید صالح کشفی حنفی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸ پر درج کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو ملائکہ فوج در فوج لاکھوں کی تعداد میں جناب سیّدہ کے بیت الشرف میں حاضر ہوتے تھے اور صاحبزادہ کی زیارت کرکے سرکار دو عالم کو مبارک بادپیش کرتے تھے۔

بجز جناب سیدہ کے آپ نے کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیا۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ آپ کی شہادت کی تاریخ ہے۔ بحکم قرآن آپ زندہ جاوید ہیں اور آپ کی ذات برگزیدہ سے دُنیا کی ہر قوم وملت کا بچہ بچہ واقف اور آپ کا عقیدت مند ہے۔ کسی قوم یا مذہب والوں میں کوئی مذہبی یا تاریخی جلوس ایسا نہیں نکلتا جس میں لوگ بلالحاظ تفریق مذہب وملت دِل کھول کر بحُسنِ عقیدت اس طرح شریک ہوتے ہوں جیسے اس مظلوم شہید راہ خدا کے عَلَم کے ساتھ دس محرم کو نکلتے ہیں۔ بہت سے اہل ہنود بھی امام حسین علیہ السلام کا عَلَم ایستادہ کرتے ہیں اور تعزیئے نکالتے ہیں، بیشمار اہلسنت عاشور خانوں کے متولی ہیں۔ کوئی دِل غمِ حسین کے احساس سے خالی نہیں ہے اور امام مظلوم کے واقعات لکھنے کو بڑا دِل، بڑا دماغ اور بڑا ظرف چاہیئے۔ ہر شخص کا کام نہیں کہ آپ کے متعلق قلم اٹھانے کی جرأت کرسکے اور کچھ تھوڑا سا بھی حق ادا کرسکے۔ اول تو شہادت حسینؑ کے اسرار و رموز کو سمجھنا اور پھر اس غم کی کائنات کے خدو خال کو قرار واقعی طور پر صفحہ قرطاس پر لانا میرے خیال میں ایک امر منجملہ محالات ہے جس طرح کہ حضرت رسولِ خدا نے خود اپنے اور حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا کہ نہ سمجھا کسی نے مجھے بجز اللہ کے اور علیؑ کے اور نہ سمجھا علی کو کسی نے بجز اللہ کے اور میرے اور نہ سمجھا کسی نے اللہ کو بجز میرے اور علیؑ کے سو جس ہستی کے متعلق رسول کی وہ بالائے فہم ہستی یہ فرمائے کہ انا من الحسین تو ذات حسین کا ادراک بھی ویسا ہی ناممکن قرار پایا جیسا کہ ذات محمدی وذاتِ علی کا ہے۔

ہم یہاں دو ایک مشہور روایتوں کو دہرا دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ کی عظمت وشان کے متعلق حضرت رسول خدا کے ارشادات اور مخصوص آیات قرآنی کا ذکر اس کتاب کے باب سوم و چہارم میں آیا ہے۔ مشکواۃ المصابیح میں صحیح ترمذی، صحیح نسائی اور صحیح سنن ابی داؤد میں بریدہ کی زبانی متعدد روایتیں درج ہیں کہ حضرت رسولِ خدا منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوتے اور شہزادگان حسنؑ وحسینؑ کھیلتے ہوئے مسجد نبوی میں آجاتے تو رسولِ خدا خطبہ روک کر منبر سے اُتر کر حسنینؑ کو اٹھا کر

پھر منبر پر تشریف لے آتے اور صاحبزادوں کو اپنے زانو پر بٹھا لیتے اور بوقت نمازِ جماعت حسنینؑ کبھی پشت پر سوار ہو جاتے تو رسول خدا سجدہ کو طول دیتے۔ حتیٰ کہ ستر مرتبہ سُبحٰنَ رَبِّیَ الاَعلیٰ وَبِحَمدِہٖ فرماتے اور جب تک حسینؑ نیچے نہ اتر جائیں سر نہ اٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو غشی کا شبہ ہو کر سجدہ سے سر اٹھا کر دیکھنے کی نوبت آتی۔ بحالت قیام ورکوع حسنین رسولِ خدا کے پاؤں کے بیچ میں سے نکل جاتے۔ اس طرح نماز کی حالت میں بھی شاہزادے سرکارِ دو عالم سے لپٹے رہتے تھے۔ کبھی سینے پر سوتے۔ کبھی گود میں بیٹھتے کبھی رسول اللہ کی پشت پر سوار ہو کر چلتے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ رسول اللہ کا اوڑھنا بچھونا یہ شاہزادے تھے۔ تھوڑی دیر بھی ان کو نہ دیکھیں تو سرکار کو چین نہ آتا۔ کبھی شاہزادوں کو پیار کرتے کبھی اپنی زبان چسواتے اور بار بار فرماتے کہ بیٹا تم وہ ہو جس پر میں نے ابراہیم کو نثار کر دیا۔ ابراہیم کے مرنے کا غم مجھے گوارا ہے مگر تمہارے مرنے کا غم میں نہیں اٹھا سکتا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت رسول خدا جس راستے سے گزرتے تھے۔ کبھی ایک بچہ رویا کرتا تھا جسکی آواز حسینؑ کی آواز سے مشابہ تھی۔ آپؐ نے اس بچہ کی ماں سے فرمایا کہ تم کسی طرح اس بچہ کو سمجھا لیا کرو رونے نہ دو۔ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی آواز میرے حسینؑ کی آواز سے ملتی ہے۔ ہر نانا کو اپنے نواسہ سے جتنی محبت ہو سکتی ہے ظاہر ہے مگر وہاں بچوں سے محبت کا انداز کچھ اور ہو جاتا ہے جہاں خود بزرگ کی بقا اور اس کے اصول کا تحفظ بھی بچہ سے وابستہ ہو جائے یہ مصداق اَنَا مِنَ الحُسَین رسول اسلام کے دین کا تحفظ حسینؑ کی ذات میں مضمر تھا۔ حسینؑ سے حضرت رسولؐ کی محبت خود اپنے دین سے محبت کے مترادف تھی۔ اسی لئے حضرت حسینؑ سے کچھ ایسی بے پناہ محبت فرماتے جس کی کوئی حد نہ تھی اور دوسروں کو بھی محبت کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی جناب فاطمہؑ کی ان یادگاروں سے ایسی محبت فرماتے کہ شاید ہی کسی باپ نے اپنے بچوں سے کی ہو اور اپنے دیگر صاحبزادوں سے فرماتے تم میرے لڑکے ہو اور یہ دونوں پیغمبر کے خلف ہیں۔ چنانچہ اپنے ہونہار ذی وقار فرزند ابا الفضل العباس کو میدان کربلا میں حسینؑ کی نصرت کیلئے اپنا نمائندہ مقرر کر کے بقول میرانیس ؎ عباسؑ سے فرمایا امام اپنا سمجھنا — بچو شبیرؑ سے فرمایا غلام اپنا سمجھنا

حضرت رسولؐ کی جس آغوش میں اسلام پھلا پھولا اسی آغوش میں حسینؑ نے تربیت پائی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی تھا۔ حسینؑ کو اسلام سے اتنی ہی محبت تھی جتنی ایک گود کے پالوں کو آپس میں ہوتی ہے۔

حضرت رسول کا یہ تمام عمل حسنؑ و حسینؑ کی اہمیت و عظمت کو بتلانے کیلئے بحکم خدا تھا روایتیں بتاتی ہیں کہ دورانِ نماز جبرئیل یہ حکم خدا لیکر نازل ہوتے تھے کہ جب تک حسینؑ پشت سے اتر نہ جایا

سجدے کو جاری رکھو۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ نماز جماعت میں حسینؑ پشت پر سوار ہو جایا کریں۔ اور رسولؐ اللہ ان کے اترنے کا انتظار کریں اور آئندہ کے لئے بھی ایسا کوئی انتظام نہ کریں کہ نماز کے وقت شاہزادوں کو اور طرح مصروف رکھا جائے۔ مطلب تو یہی نکلا کہ گویا حسینؑ کی دلدہی بھی جز و عبادت تھی۔ خدا اور رسول کو یہ بتانا منظور تھا کہ یہ محض بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بڑی بڑی اٹل حقیقتیں اور معارف چھپے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ذبح حسینؑ کی خبر جبرئیل کے ذریعہ ایک سے زاید مرتبہ حضرت رسول کو پہنچائی اور اس تکرار سے بھی اس واقعہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ جب کبھی بھی جبرئیل یہ خبر لائے حضرت رسولؐ روتے اور حسینؑ کو لپٹا کر پیار کرتے اور پوچھتے بیٹا تیرے لئے یہ امتحان عظیم رکھا گیا ہے کیا تو راضی ہے یہ شاہزادہ اپنی پانچ چھ سال کی عمر میں کہا کرتا تھا ہاں میں اس امتحان کو قبول کرتا ہوں اور اپنے عزم کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور گویا اپنے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل کے الفاظ میں یوں کہتا سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ خلا (سورہ صفٰت آیت ۱۰۲)۔ جیسا کہ توریت و انجیل میں درج ہے اور جسکی تفصیل مکاشفہ یوحنا میں ہے یہ وعدہ تو حسینؑ نے روز الست کیا تھا جس کا ذکر باب پنجم میں آچکا ہے۔

اس امام ہمام کی شہادت کسی وقتیہ اضطراری کیفیت کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ یہ وہ معرکہ عظیم تھا جس کے لئے رسول کا نواسہ بچپن سے اپنے کو تیار کر رہا تھا اور اپنے عزم کو مستحکم کر رہا تھا۔ تمام انبیائے سلف کے اخبار سے اس معرکہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو ذبح عظیم فرمایا ہے۔ یہ واقعہ انوار و حقائق ربانی کا ایسا بڑا خزانہ ہے کہ ان کو سمجھنے اور ان جواہرات کو سمیٹنے سے ہر عقل کا دامن کوتاہ ہے۔ یہ خزانہ تا حشر ختم ہونے والا نہیں۔ جتنا جتنا سنتے جاؤ سوچتے جاؤ ہر سال ہر مجلس میں ہر روز کوئی نہ کوئی نیا نکتہ سننے میں آتا ہے۔ حسینؑ نے اپنا سب کچھ دیکر اپنے نانا کے دین کو بچا لیا۔ اب دین محمدی درحقیقت دین حسینی ہے۔ حضرت رسول نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ حسین منی و انا من الحسین۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ کہتے ہیں۔ ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

مشہور محدث ابن ابی شیبہ امام حسین علیہ السلام کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ کان عالمًا بالقرآن عاملًا علیہ زاھدًا تقیا ورعًا جوادًا فصیحا بلیغا عارفًا باللّٰہ و دلیلا علیٰ ذات تعالیٰ! علامہ ابن عربی لکھتے ہیں۔ الحسینُ السبط آیت من آیات اللّٰہ!

متذکرہ صدر دونوں علماء لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ ذات باری تعالیٰ پر دلیل اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہیں۔ یہاں نہ تو ہم کو امام حسین علیہ السلام کے سفر کربلا کی روئیداد یا واقعات درج کرنا ہے۔

اور نہ اس اعتقادی پہلو سے بحث کرنی ہے کہ آپ کی ذبح عظیم کی خبر انبیائے سلف کے صحیفوں اور قرآنِ پاک میں آچکی تھی اور آپ اپنے سفر کی ہر منزل پر یہی فرماتے تھے کہ مشیت ایزدی یہی ہے اور مجھے ایک امر کی تکمیل کرنا ہے۔ بلکہ یہاں ہم صرف آپ کے چند اقوال اور آپ کی نمازوں کی مناجات اور خطبات کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جس سے آپ کے خیالات اور عزم و ارادہ کا اندازہ لگایا جاسکے اور یہ معلوم ہوسکے کہ آپ کس بلند درجہ کے نفس کے انسان تھے۔ آپ کے سفر کی روداد کا کچھ ذکر صرف برسبیل تذکرہ ان ارشادات کا ربط ظاہر کرنے کیلئے ہوگا۔ فصول مہمہ اور کشف الغمہ میں ہے کہ

آپ فرمایا کرتے تھے "خالق سے لو لگا کر مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ تو پھر کبھی جھوٹے سچے کی تمہیں پرواہ نہ رہے گی۔ مانگنا ہو تو خدا ہی سے مانگو۔ غیر خدا روٹی دینے والا نہیں ہے جس کا خیال ہو کہ لوگ اسے غنی کردیں گے اسکو خدا پر اعتماد نہیں اور جو یہ سمجھتا ہو کہ لوگ اس کے لئے کافی ہیں وہ یقیناً بڑی پستی میں گرنے والا ہے۔ جو خدا سے متصل ہوگیا وہ خدا کے غیر سے جدا ہوگیا۔ جب زمانہ کے دانت تمہیں زخمی کریں تو خلق خدا کی طرف بھی نہ جھکو اور سوائے خدائے برتر کے جو رزق کا تقسیم کرنے والا ہے کسی سے سوال نہ کرو۔ اس لئے کہ مغرب سے مشرق تک چکر لگانے کے بعد بھی تم کو کوئی شخص ایسا نہیں ملیگا جو مقدر کو بنا یا بگاڑ سکتا ہو۔ اہل حاجت کا تمہارے پاس آنا بھی تم پر خدا کی نعمتوں میں سے ہے" آپ فرمایا کرتے تھے "گزر گئے وہ افراد جن کو میں محبوب رکھتا تھا۔ اب میں رہ گیا ہوں ایسے لوگوں میں جو مجھے کسی طرح پسند نہیں۔ ان کا کردار یہ ہے کہ میں انہیں ذرا بھی برا بھلا نہیں کہتا مگر وہ پیٹھ پیچھے مجھے گالیاں دیا کرتے ہیں اور ہمیشہ میرے نقصان کے درپے رہتے ہیں۔ دراں حالیکہ میں ان کو فائدہ پہنچاتا رہتا ہوں۔ وہ میرے گرد و پیش شرارتوں کے گھنس اڑتے دیکھتے ہیں مگر اتنا نہیں کرتے کہ انہیں ہٹا دیں۔ بلکہ جب دلوں میں عداوت کی آگ بجھنے لگتی ہے تو اسے اور ہوا دیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی سمجھ سے کام لیں۔ کیا ایسا نہ ہوگا کہ ان کی طرف عقل واپس آئے کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نتیجتاً خود انہیں کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ میرے لئے میرا پروردگار کافی ہے جس کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے ناممکن ہے کہ کسی پر ظلم و ستم کیا جائے اور خدا اسکی مدد نہ کرے۔

اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ دنیا کوئی اچھی جگہ ہے تب بھی خدا کے اجر و ثواب کا محل بہت زیادہ بلند و برتر ہے اور جب کہ یہ حقیقت ہے کہ رزق میں ہر ایک کا حصہ معین ہے تو اس کے بارے میں ہوس سے کام نہ لینا ہی انسان کے لئے مناسب ہے اور جبکہ یہ یقین ہے کہ اموال جمع ہوتے ہیں بعد میں چھوڑ جانے کے لئے تو کیا یہ حماقت نہ ہوگی کہ ایسی چیز کے بارے میں انسان بخل سے کام لے اور جب کہ یہ صحیح ہے کہ اجسام پر موت طاری ہونا لازم ہے تو انسان کا راہ خدا میں تہ تیغ کردیا جانا زیادہ بہتر ہے"۔ آپ صبح و شام یہ دعا پڑھتے تھے۔ "خداوندا میں تیرے سپرد کئے ہوئے ہوں اپنے نفس کو اور تیری طرف موڑنے والا ہوں اپنے رُخ کو

اور ڈرے ہوئے ہوں اپنے کو تیرے ہاتھ میں خداوندا تو ہر دوسرے شخص کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مجھکو لیکن تیرا غیر مجھکو تیرے قہر سے نہیں بچا سکتا۔" (منہاج الدعوات ص۲)

آپ روزانہ کی نمازوں میں جو مختلف قنوت پڑھتے تھے ان میں سے ایک قنوت کا ترجمہ ہے:۔

"خداوندا تیری ہی طرف سے انعام واحسان کی ابتدا ہے اور جو کچھ مشیت اور طاقت اور قوت ہے وہ صرف تیری ہے۔ اس سب کے ہوتے ہوئے میں تیری ہی طرف پناہ لیتا ہوں اور تیری ہی قوت وطاقت کا سہارا ڈھونڈتا ہوں اور تیرے اس فیصلہ پر راضی ہوں جو میرے بارے میں تو پہلے ہی کر چکا ہے۔ میں چلنے والا ہوں اسی راستہ پر جس پر کہ مجھے تو نے چلایا ہے۔ اور قصد رکھتا ہوں وہی جو تیری مرضی کے مطابق ہے اور ان امور کے متعلق جو تیری رضامندی کے باعث ہو سکتے ہیں۔ اپنے نفس کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتا۔ نہ میں اپنی طرف سے تیرے احکام کی تعمیل میں جدوجہد کے سلسلہ میں کوتاہی ہونے دیتا ہوں بلکہ تیزی سے چلتا ہوں اسی راستہ پر جسکی تو نے مجھے ہدایت کی اور عہدہ برآ ہوتا ہوں ان فرائض سے جن کا تو نے مجھے محافظ قرار دیا ہے تو بھی مجھے اپنی حمایت میں رکھ اور اپنی نظر رحمت سے مجھے علیحدہ نہ کر اور اپنی طاقت کی امداد سے مجھے محروم نہ کر اور اس مقصد سے الگ نہ کر جس کے ماتحت میں تیری مشیت کو پورا کرنا چاہتا ہوں اور بصیرت پر قرار دے میری رفتار کو اور ہدایت پر میرے مسلک کو اور صحیح منزل کی طرف میرے راستے کو یہاں تک کہ تو مجھے پہنچا میری آرزو تک اور مجھے اتارے تو اسی منزل پر جسکا تو نے میرے لئے ارادہ کیا اور جس کے لئے تو نے مجھے پیدا کیا۔ اور جس کی طرف تو نے مجھے متوجہ کیا"۔

اس قنوت کے الفاظ صاف طور پر آپ کے عزم محکم کی ترجمانی کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کسی مقصد عظیم کے لئے آپ اپنی زندگی وقف کئے ہوئے تھے اور آپ کی حیات کا ہر لمحہ اور آپ کا ہر قدم خالق کے اشاروں کا تابع تھا۔ آپ کی ایک اور قنوت کا ترجمہ یہ ہے:۔

"خداوندا میرا پناہ دینے والا بس تو ہے اور میرا سہارا دینے والا صرف تو ہے۔ تو اپنی اس عظمت کیساتھ جس پر نہ کسی کی نفسانی خواہش اثر انداز ہو سکتی ہے نہ بدظنی اور نہ اس میں کسی طرح کی بدگمانی اور کسی وقتی خورش مزاجی کا دخل ہے۔ آزمائش کے وقت مجھے محفوظ رکھ فتنہ میں مبتلا ہونے سے اور شیطانی جماعت سے مرعوب ہو جانے سے یہاں تک کہ تیری طرف میری بازگشت ہو تیرے منشاء کے مطابق اس طرح کہ نہ میرے دل میں بُرے خیالات ہوں اور نہ دوسرے میری نسبت بُرے خیالات قائم کر سکیں نہ دوسروں کے متعلق میں کسی شک میں مبتلا ہوں اور نہ میرے متعلق دوسروں کو شک ہو سکے"۔

حضرت امام حسینؑ کی ایک ایک دعا دعائے عرفہ کے نام سے کتب ادعیہ میں درج ہے۔ جو آپ دوران حج میں یوم عرفہ پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایک طویل دعا ہے جس میں کے الفاظ ذیل آپ کے عزم وارادہ اور بلند

تصورات کے آئینہ دار ہیں :۔

مَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَكَ وَمَا الَّذِي فَقَدَ مَنْ وَجَدَكَ

یعنی پالنے والے جس نے تجھے نہ پایا اس نے دنیا حاصل کر کے بھی کیا پایا اور جس نے تجھے پالیا اس نے اپنا سب کچھ کھو کر بھی کیا کھویا۔ جب آپ اس اطلاع پر کہ حکومت کے کارندے حاجیوں کے بھیس میں یوم حج آپ کو کعبہ میں قتل کرنا چاہتے ہیں حج کو عمرہ سے بدل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے تو یہی دعا آپ نے پڑھی۔

حضرت حسینؑ کی حیات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ آخری سانس تک بھی آپ کی زندگی ان دعاؤں اور بلند نظریات کا عملی مجسمہ تھی۔ جب رجب ۶۰ھ میں معاویہ کا انتقال بہ عمر ۸۵ سال ہوا تو یزید کو اس کے شکار کیمپ سے بلا کر تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ اس زمانہ میں ولید بن عقبہ بن ابی سفیان مدینہ کا حاکم تھا۔ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی ولید کو حکمنامہ بھیجا کہ حسین ابن علیؑ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے میری بیعت لے لو اور اگر انکار کریں تو حسین ابن علی کا سر کاٹ کر بھیجدو۔ دوسرے دو حاجیین کے متعلق بصورت انکار کوئی متبادل حکم نہ تھا۔ قتل کا حکم صرف حسین ابن علی کیلئے تھا۔ عبداللہ بن عمر نے (جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بھی بیعت نہ کی تھی) کچھ نامہ و پیام کے بعد یزید کی بیعت کر لی۔ عبداللہ ابن زبیر اپنی خلافت کے خواب دیکھتے ہوئے علحدہ اسکیم بنانے لگے۔ ولید نے جب امام حسین کو طلب کیا تو معاویہ کے انتقال کی خبر سنکر بنی ہاشم کو اندازہ ہوگیا کہ یہ بلایا جانا کسی مقصد سے خالی نہیں ہے اور جان کا خطرہ ہے چنانچہ آپ کے بھائی ابوالفضل العباس اور دیگر بنی ہاشم حضرت حسینؑ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت حسینؑ ولید کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اعزاء کو دروازہ پر ہی چھوڑا اور یہ فرمایا کہ اگر میری آواز بلند ہو جائے تو تم لوگ اندر آجانا۔ ولید کے پاس مروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب امام حسینؑ یزید کی بیعت کے پیشکش کو قبول نہ فرماکر واپس آرہے تھے تو مروان نے کہا یہی موقعہ ہے حسینؑ کو قتل کر دو۔ اس پر حضرت حسینؑ نے فرمایا تیری کیا مجال ہے جو مجھے قتل کرے حضرت کی یہ آواز کسی قدر بلند تھی اور اسکو سنتے ہی بنی ہاشم تلواریں کھینچکر اندر داخل ہوگئے۔ مروان یا ولید یا اس کے آدمیوں کی ہمت کسی اقدام کی نہ ہوئی اور امام حسین علیہ السلام مع بنی ہاشم واپس تشریف لے آئے اب آپ کو اندازہ ہوگیا کہ مدینہ میں آپ کو زندہ رہنے دیا جائیگا۔ آپ نے اہل و عیال کو سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے جد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کی قبروں سے بہ آہ و زاری رخصت ہو کر ۲۸ رجب ۶۰ھ اتوار کی رات مدینہ سے کوچ فرمایا اس وقت آپ کی زبان پر یہ آیت تھی۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (قصص ۲۱) اس آیت میں حضرت موسیٰ کا ذکر ہے جب کہ فرعون کے ظلم و تشدد سے تنگ آکر یہ کہتے ہوئے مصر سے باہر نکلے تھے کہ یا اللہ مجھے ان ظالموں سے نجات دلا۔

شب جمعہ ۳ شعبان ۶۰ھ آپ کا مکہ میں ورود ہوا یہاں شعب علی میں قیام فرمایا۔ بوقت ورود مکہ آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (قصص ۲۲)

یعنی جب مدین کی طرف رُخ کیا تو آپ ہی آپ بولے مجھے اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھادےگا)
مکہ میں اس زمانہ میں یحیٰی بن حکم بن صفوان بن اُمیہ حاکم تھا مکہ دارالامن ہے اور بیت اللہ کے مقام پر
خونریزی حرام قرار دی گئی ہے۔ حضرت حسینؑ کو خیال تھا کہ یہاں آپ کو امن مل سکیگا۔ اس طرح معہ اہل و
عیال یہاں آپ کے تین مہینے گزرے اور حج کا زمانہ قریب آنے لگا۔ اس دوران میں کوفہ والوں کے دو تھیلے
بھر خطوط آئے کہ ایک فاسق و فاجر خلافت رسول پر متمکن ہے آپ اگر ہماری دستگیری نہ فرمائیں تو روزِ
حشر ہم آپ کے دامن گیر ہوں گے۔ ادھر یحیٰی بن حکم جس کے دل میں کچھ نیکی تھی حضرت حسینؑ کے مرتبہ وجلال کے
پیشِ نظر کوئی فوری اقدام کرنا نہ چاہتا تھا مگر جب اس کی اطلاع یزید کو پہنچی تو اس نے یحیٰی بن حکم کو معزول
کرکے عمر بن سعید بن عاص کو گورنر مقرر کیا اور انتظام یہ کیا گیا کہ حاجیوں کا بھیس بنائے ہوئے اور احرام
میں خنجر چھپائے ہوئے چند آدمی آپ کے قتل کیلئے مامور کئے گئے اور اس موقعہ کے منتظر تھے کہ جب آپ
ارکان حج بجالانے لگیں گے تو بحالت طواف یا حجر اسود کے قریب جاتے وقت بہرحال کسی طرح حاجیوں کے
ہجوم میں آپ کو قتل کردیا جائے جب ۸ر ذالحجہ کو یہ اطلاعیں مُوثّق طور پر آپ کو پہنچ گئیں اور آپ کو
یہاں رہنا بھی دشوار ہوگیا تو آپ ۸ر ذی الحجہ کو عمرہ فرماکر معہ اپنے اہل وعیال کوفہ کی طرف عراق روانہ
ہوگئے۔ مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے فرمایا

"موت فرزند آدم کے گلے سے اسی طرح لپٹی ہوئی ہے جیسے گلوبند جوان عورت کے گلے سے اور مجھے اپنے
اسلاف سے ملاقات کا اشتیاق اتنا ہی ہے جتنا یعقوب کو یوسف سے ملنے کا اشتیاق تھا اور میرے لئے
بہت اچھی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہوکر رہونگا۔ گویا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ سماں کہ میرے
جوڑ بند کو انسانی درندے جدا کررہے ہیں۔ کوئی چارہ کار نہیں اس دن سے جو خط تقدیر میں گزرچکا۔ خدا کی
مرضی میں ہم اہلبیت کی مرضی ہے ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں اور صابروں کے اجر کو حاصل کرتے ہیں۔ رسولؐ اور ہم
ان کے جسم کے ٹکڑے الگ نہیں ہوسکتے" آپ نے پھر فرمایا "خدا کی تقدیر اگر ہماری خواہش کے مطابق ہو تو
ہم خدا کی حمد کریں گے اور ادائے شکر کیلئے اسی سے مدد کے طالب ہوں گے اور قضائے الٰہی ہمارے سدراہ ہوئی
تو انسان کیلئے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں سچائی اور وہ راہ حق میں جہاد کررہا ہو"۔

مدینہ سے مکہ پہنچنے کے بعد مکہ سے کربلا تک حضرت کے سفر کی منزلیں یہ تھیں (۱) منزل صفاح (۲)
منزل تنعیم (۳) ذات عراق (۴) بطن الرمہ وحاجر (۵) منزل زرود (۶) منزل ثعلبیہ (۷) منزل زبالہ (۸)
بطن عقیق (۹) منزل سراۃ (۱۰) منزل شراف (۱۱) منزل ذوحسم (۱۲) منزل بیضہ (۱۳) عذیب الہجانات
(۱۴) قصرِ بنی مقاتل (۱۵) نینوا (۱۶) کربلا۔

سفر کی چھٹی منزل ثعلبیہ پہ حضرت کو اطلاع ملی کہ آپ کے قاصد چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو

اور ہانی ابن عروہ کو کوفہ میں قتل کرکے پاؤں سے رسی باندھ کر شہر میں گھسوایا گیا ہے۔ اسدی قاصدوں نے یہ کہا کہ کوفہ میں آپ کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالئے کوفہ نہ جایئے حضرت امام نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ فرمایا اور عِنْدَ اللّٰهِ نَحْتَسِبُ اَنْفُسَنَا کہا یعنی ہم اللہ کے پاس حساب کرتے ہیں اپنی جانوں کا۔ پھر حضرت نے اعلان فرمایا "مسلم بن عقیل اور ہانی ابن عروہ قتل کر دیئے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا۔ جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے۔ ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ آٹھویں منزل بطن عقیق پر قبیلہ عکرمہ کا ایک شخص عمر بن لوذان ملا اور بیان کیا کہ ابن زیاد کی جانب سے قادسیہ اور عذیب کے درمیان ناکہ بندی ہوگئی ہے۔ سامنے سوائے تلواروں اور تیروں کے کوئی چیز آنے والی نہیں ہے۔ برائے خدا واپس جایئے۔ امام آگے بڑھتے چلے گئے۔

منزل سراۃ اور پھر دسویں منزل شراف سے آگے بڑھنے کے بعد گیارہویں منزل ذُو حُسُم پر حر کے لشکر نے حائل ہو کر آپ کا راستہ روک دیا اور کہا میں آپ کو کوفہ نہ جانے دوں گا مجھے حکم ہوا ہے کہ آپ کو بے آب و گیاہ مقام پر ٹھہراؤں آپ اپنے پر رحم کریں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ آپ نے جواب دیا "تم مجھے موت سے ڈراتے ہو" اور قبیلہ اوس کے شاعر کا ایک شعر سنایا۔ جس کا مطلب یہ تھا بلکہ میں اپنے ارادہ پر قائم ہوں گا۔ اور حق کی راہ میں موت سے دوچار ہونے میں جوانمرد کے لئے کوئی ننگ و عار نہیں ہے" اس کے بعد حضرت امام نے خود اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا "صورتِ حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ نہیں رہ گیا ہے سوائے تھوڑے حصہ کے جو پانی بہنے کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی مثل زہریلی گھانس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان ظالموں کے ساتھ وبال جان ہے۔

اس کے بعد حضرت حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے واضح طور پر فرما دیا کہ جو میرے ساتھ رہے گا مارا جائے گا۔ میں نے تم پر سے اپنی بیعت اٹھالی ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔ اس موقعہ پر آپ کے اصحاب جان نثار نے جو جواب دیا اس کے منجملہ بطور نمونہ دو تین کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

زہیر ابن قین جو اس جماعت میں تازہ شریک ہوئے تھے پہلے تقریر کر کے اجازت دوسروں سے لیکر بعد حمد و ثنائے الٰہی کہنے لگے "اللہ آپ کو مقصد تک پہنچائے اے فرزند رسول ہم نے آپ کے ارشاد کو سنا۔ بخدا دنیا اگر ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی مگر جدا ہونا اس سے محض آپ کی نصرت اور ہمدردی کی بناء پر ہوتا تو بھی ہم آپ کا ساتھ دینے کو دنیا میں ہمیشہ قیام پر ترجیح دیتے"۔ نافع بن ہلال جملی نے کھڑے ہو کر کہا:- "فرزند رسول آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جد بزرگوار

(حضرت رسول خدا) کیلئے بھی یہ ممکن نہیں ہوا کہ لوگوں کو اپنی محبت گھول کر پلا دیں اور لوگ حضرت کی اس طرح اطاعت کرنے لگیں جس طرح حضرت چاہتے تھے اور حضرت کے ساتھ والوں میں بہت سے منافق تھے۔ جو حضرت سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے تو دماغ میں غداری کا خیال مضمر رکھتے تھے۔ وہ باتیں تو ایسی بناتے جو شہد سے زیادہ شیریں ہوتیں مگر کردار سے مخالفت کرتے ایسی جو انتہائی تلخ ثابت ہوتی یہاں تک کہ رسول اللہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ کو بھی اسی صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ ان کی نصرت پر متفق ہوئے اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے ناکیثین قاسطین و مارقین سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ حضرت کی وفات ہوگئی اور آج ہمارے سامنے وہی صورت درپیش ہے لہٰذا جو شخص اپنے عہد کو توڑیگا اور نیت خراب کریگا وہ خود اپنا بُرا کریگا اور خدا آپ کو اس سے لا پرواہ کردیگا۔ بسم اللہ چلئے ہمکو لے کر خیر و سلامتی کے ساتھ چاہیے پورب کی طرف چاہیے پچھم کی طرف ہم بخدا خدا کے مقرر کردہ فیصلہ سے خوفزدہ نہیں اور نہ اپنے رب کی ملاقات (موت) سے کراہت رکھتے ہیں۔ ہم اپنی نیتوں اور اعتقادوں پر قائم ہیں۔ موالات رکھتے ہیں اُس شخص سے جو آپ کے ساتھ موالات رکھے اور دشمن ہیں اس کے جو آپ سے دشمنی کرے"۔

بریر بن خضیر ہمدانی نے یہ تقریر کی:۔ "خدا کی قسم اے فرزند رسولؐ۔ یہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمکو موقعہ دیا اس بات کا کہ ہم آپ کے سامنے جنگ کریں اور آپ کی نصرت کے سلسلہ میں ہمارے اعضاء و جوارح قطع کئے جائیں یہاں تک کہ آپ کے جد بزرگوار روز قیامت ہمارے شفاعت خواہ ہوں۔ کیونکہ وہ جماعت کبھی نجات نہیں پا سکتی جس نے اپنے نبیؐ کے نواسہ کو تہ تیغ کیا ہو اور وائے ہو ان کے لئے وہ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور ان کا کیا حال ہوگا اس دن جب وہ آتش جہنم میں نالہ و فریاد کرتے ہونگے"۔

جب حضرت حسینؑ منزل عذیب الہجانات پر پہنچے تو طرماح بن عدی کی رہنمائی میں پانچ آدمی عمر بن خالد اسدی صیداوی ان کے غلام سعد مجمع بن عبداللہ عائذی ان کے فرزند عائذ بن مجمع اور جنادہ بن حارث سلمانی آپ سے آکر ملے۔ حُر نے جو امام کی نقل و حرکت کا نگران تھا بڑھکر کہا کہ یہ کوفہ کے لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ آنے والوں میں نہیں ہیں۔ لہٰذا میں انہیں قید کروں گا یا کوفہ واپس کردوں گا۔ امام نے فرمایا جب یہ میرے پاس پہنچ گئے تو ان کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔ اب وہ میرے انصار و اعوان کی جماعت میں داخل ہوگئے ہیں۔

انھوں نے اہل کوفہ کی حالت بیان کی کہ کوفہ کے بڑے آدمیوں کو رشوت دیکر مال و زر سے پُر کردیا گیا ہے وہ سب آپ کے خلاف متفق ہیں۔ رہگئے دوسرے ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں ان کی بنی اُمیّہ کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے قیس بن مسہر کی شہادت کا حال بیان کیا۔ حضرت امام نے یہ

آیت پڑھی۔ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔ (احزاب ع۳) یعنی ان میں سے ایک وہ ہے کہ پورا کر چکا اپنا کام اور ایک وہ جو انتظار کرتا ہے۔ مگر انہیں سے کسی نے بھی اپنے عہد کو نہیں بدلا۔

طرماح نے اپنے محفوظ قلعہ میں لے چلنے اور بیس ہزار قبیلہ طے کے سپاہیوں کی امداد کا پیشکش کیا۔ امام نے ان کے مخلصانہ مشورہ پر دعائے خیر دی مگر اس کو قبول کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی۔ اس کے بعد چودھویں منزل قصر بنی مقاتل بند صوریں نینوا طے ہوئی۔ اس کے بعد امام تھوڑا سا چلے تھے کہ حُر کی سپاہ نے کہا کہ اب آپ کو ایک انچ آگے بڑھنے نہ دیں گے۔ اور دریا کے قریب بھی قیام نہ کرنے دیں گے۔ امام نے اس جگہ کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کربلا۔ فرمایا اچھا کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔ یہی ہمارا مقام ہے۔ یہ کہکر گھوڑے سے اتر پڑے۔ معلوم ہوا کہ یہ زمین قبیلہ بنی اسد کے لوگوں کی ہے جو کچھ فاصلہ پر رہتے ہیں۔ ان کو بلا کر آپ نے وہ زمین جہاں آپ اپنے اہلِ حرم اور انصار کے خیمے نصب کرنے والے تھے اور نیز وہ جگہ جو آپ کی شہادت کے لئے معین تھی بنی اسد والوں سے سات ہزار درہم میں خریدی اور خرید کر پھر ان ہی کو ہبہ کر دی اور اس کے عوض میں ان سے یہ خواہش کی کہ اگر بعد شہادت ہماری نعش بے گور و کفن پڑی رہیں تو تم دفن کر دینا۔ بنی اسد کی عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اگر تمہارے مرد حکومت کے خوف سے ہمارے دفن و کفن سے ڈریں تو تم ان کو غیرت دلانا اور آخر درجہ اپنے بچوں سے کہنا کہ کھیلتے ہوئے جا کر ایک ایک مٹھی خاک۔ ادے جسموں پر ڈالدیں۔ خریدنے سے مقصد یہ تھا کہ آپ شہید ہونے کے بعد بھی کسی غیر کی زمین پر بار منصور نہ ہوں اور ہبہ کر دینے سے مطلب یہ تھا کہ اس کے عوض میں کچھ حصۂ زمین میں آپ کو اور آپ کے اعوان کو دفن کر دیا جائے۔ یہ اہتمام حضرت نے اپنی زمین قبر کیلئے فرمایا۔

حضرت حسینؑ کے عزم و استقلال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی اولو العزم حضرت عیسٰی نے صلیب پر یہ آواز بلند کی کہ "ایلی ایلی لما سبقتنی" (اے خدا اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) حضرت حسینؑ نے ۳۲ سوار اور چالیس پیادوں کے ساتھ دشمن کی ایک لاکھ یا اقل درجہ تیس ہزار سپاہ کے مقابلہ میں میدان جہاد میں اگر اس طرح مناجات کی کہ جب یزید کی فوج کے سپہ سالار عمر سعد (صحابی رسول سعد ابن ابی وقاص کے بیٹے) نے اپنی فوج کو گواہ رکھکر پہلا تیر فوج حسینی پر چلایا اور اس کے ساتھ ہی ہزاروں تیروں کا جھکڑ چلا تو حضرت امام نے نہایت سکون کے ساتھ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "کھڑے ہو جاؤ تم کے استقبال کے لئے جو بہر حال آنے والی ہے۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے۔ یہ تیر نہیں بلکہ دشمن کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف روانہ کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ مناجات کی۔

"خداوندا تو میرا سہارا ہے ہر تکلیف میں اور میرا قبلۂ امید ہے ہر سختی میں اور یہ ہم میں جو مجھے درپیش ہو کہ پر بھروسہ ہے کتنے ہی صدمے ایسے ہیں جن کے برداشت کرنے سے دل کمزور ہوتا ہے اور حیلہ و تدبیر کی

راہیں بند نظر آتی ہیں۔ دوست ان میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن انہیں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں میں ان کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں عرض معروض کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا نہیں جانتا۔ تو تکلیف کو دور کرتا اور اس کا تدارک کرتا ہے۔ یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک اور احسان کا مرکز اور ہر مقصد کیلئے ماوا اور ملجا ہے۔"

اس کے بعد حضرت امام نے ایک ناقہ طلب کیا اور اس پر سوار ہو کر قرآن اپنے سامنے رکھکر دشمن کے قریب گئے اور باواز بلند ارشاد فرمایا "اے گروہ مردم میری بات سنو۔ جلدی سے کام نہ لو۔ یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے ماتحت تمکو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کر دوں" ...... اس کے بعد نصیحت فرماکر اتمام حجت فرمایا جب شب عاشور سے قبل سہ پہر کو لشکر یزید نے آپ کے خیام پر حملہ کر دیا تو ایک شب کی مہلت طلب کرتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا "اس شب کو ہم عبادت و ذکر الٰہی میں بسر کر لیں۔ خدا ہی جانتا ہے مجھے اسکی عبادت و ذکر سے کتنی محبت ہے" چنانچہ یہ شب آپ نے اور آپکے ساتھیوں نے اس طرح گزاری۔ کَدَوِیِّ النَّحْل یعنی ان کی تسبیح و تہلیل اور ذکر و مناجات کی آوازرات کے تاریک سناٹے میں اس طرح گونج رہی تھی کہ جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے سے آواز بلند ہوتی ہے۔

روز عاشور نماز ظہر کے وقت تک ۷۲ کے منجملہ آپ کے ۵۰ ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ ادائی نماز کیلئے آپ نے لشکر یزید سے فرمایا کہ اتنی دیر لڑائی سے ہاتھ روک لو کہ ہم نماز پڑھ لیں تو لشکر مخالف سے حصین ابن تمیم نے نکل کر کہا کہ "حسینؑ تمہاری نماز قبول نہیں" اور جنگ روکنے سے انکار کر دیا اور تیر برسانے کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت حسینؑ نے نماز خوف اس طرح ادا کی کہ آپ کے دو جانباز ساتھی زہیر ابن قین اور سعید بن عبداللہ سامنے کھڑے ہو کر ہر تیر اور ہر حربہ کو اپنے جسموں پر لینے لگے اور ادھر نماز تمام ہوئی ادھر سعید بن عبداللہ جان بحق تسلیم ہو کر گرے۔

اس تین دن کے بھوکے پیاسے زخموں سے چور امام نے ریگ گرم کربلا پر نماز عصر اس وقت ادا فرمائی جب آپ کے پورے کے پورے ساتھی بیٹے" بھائی" بھانجے " بھتیجے حتی کہ فرزند ششماہہ بھی شہید ہو چکے تھے اور آپ یکہ و تنہا باقی تھے۔ لشکر اعدا کئی مرتبہ خیام اہل حرم کی طرف دھاوا کرنے بڑھتا تھا اور آپ للکارتے تھے کہ ابھی میں زندہ ہوں مجھ سے لڑو۔ خیموں سے بچوں کی صدائے العطش بلند تھی۔ نماز عصر کا وقت آنے تک بھی آپ نے نہ تو دشمن کے آگے ہتھیار ڈالے اور نہ جہاد سے ہاتھ روکا اور ذوالفقار اسی وقت میان میں گئی جب آپ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور پایا کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ چونکہ جسم و سینہ تیروں سے مُشَبَّک تھا اور آدھے تیر جسم کے اندر آدھے باہر رہنے کی وجہ سے سجدہ کیلئے آپ زمین تک جھک نہیں سکتے تھے اس لئے ریگ گرم کربلا کو قریب کرکے

ایک تودہ بنایا اور اللہ اکبر کہکر نماز عصر کی نیت باندھ لی۔ بقول شاعر ؎

جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں
اور پسند آئی نمازی کو اقامت رن میں

قبلۂ دین نے کیا قصدِ عبادت رن میں
شکل محراب بنی تیغ شہادت رن میں

سورۂ حمد نبی زادہ پڑھا چاہتا تھا
شمر خنجر لیئے سینہ پہ چڑھا چاہتا تھا

معجزات امام حسینؑ علیہ السّلام

حضرت امام ہمام کے بے شمار معجزات کتابوں میں درج ہیں۔ ہم بطور تمثیل دو چار ہی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں (۱) روضۃ الشہداء میں ملا حسین واعظ کشفی لکھتے ہیں کہ "جب امام حسین علیہ السلام تولد ہوئے اور حضرت جبرئیل تہنیت کے لئے جناب باری کی طرف سے آئے تھے تو فطرس فرشتہ کو کہ سردار فرشتگان آسمان سوم کا ہے غضب الہٰی میں پر و بال سوختہ و نالاں و فریاد کناں پایا۔ حال ولادت شاہزادہ کا جبرئیل امین سے سنکر مصر اس بات پر ہوا کہ مجھکو خدمت رسولؐ خدا میں لے چلیئے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اسکو اٹھا کر لائے اور بموجب حکم رسولؐ خدا کے فطرس نے قدم مبارک جناب سید الشہداء کے اپنے بدن سے مس کئے۔ اس کے ساتھ ہی جو بال غضب الہٰی سے جل گئے تھے از سرِ نو حاصل ہو گئے اور فطرس آسمان پر اڑتا ہوا گیا۔ اب وہ فرشتہ معہ ستر ہزار ملائکہ قبر امام حسین علیہ السلام پر متعین ہے۔"

(۲) ابن شہر آشوب نے حسن بصری اور حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ اکثر حضرت جبرئیل بشکل دحیۂ کلبی رسولِ خدا کے پاس آتے تھے۔ ایک روز حسنینؑ رسول خدا کے پاس تھے اور جبرئیل دحیۂ کلبی کی صورت میں آئے۔ دحیۂ کلبی کی عادت تھی کہ جب سفر سے آتے تو کچھ تحفے شاہزادوں کیلئے ضرور لاتے اور آتے ہی گود میں اٹھالیتے۔ اس طرح حضرات حسنینؑ جبرئیل کو دحیۂ کلبی سمجھ کر گود میں آگئے۔ حضرت نے باین خیال کہ یہ دحیہ کلبی نہیں بلکہ جبرئیل ہیں شاہزادوں کو گود سے اتر جانے فرمایا۔ تب جبرئیل بولے یا حضرت شاید آپ میری گود میں صاحبزادوں کا بیٹھنا میرے لئے گراں خیال فرماتے ہیں اور اکثر راتوں کو جب والدہ شریفہ ان صاحبزادوں کی جناب سیدہ طاعت و عبادت سے فرصت پاکر سو جاتی ہیں اور صاحبزادے چونک پڑتے ہیں تو مجھکو حکم باری ہوتا ہے کہ فوراً زمین پر پہنچکر گہوارہ جنبانی صاحبزادوں کی کروں۔ حضرت رسول خدا نے جبرئیل سے بچوں کو پلٹنے کی کیفیت بیان کی کہ تم کو یہ دحیۂ کلبی سمجھ رہے ہیں تو جبرئیل نے ہاتھ اپنا آسمان کی طرف بلند کیا اور ایک ایک سیب اور بہی اور انار صاحبزادوں کو دیا۔

(۳) ملا حسین واعظ کشفی نے فی الکنز الغرائب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی بچہ آہو زندہ پکڑ کے حضرت رسول خدا کی خدمت میں لایا۔ اس وقت حضرت کے پاس بڑے شاہزادے تشریف

رکھتے تھے۔ ان کو وہ بچہ عطا فرما دیا۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام بہت خوش ہو کر اس بچہ آہو کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اتنے میں امام حسینؑ آئے اور بھائی سے پوچھا یہ بچہ آہو تمہارے پاس کہاں سے آیا بولے کہ ہمارے نانا جان نے ہمکو دیا ہے یہ سنکر مسجد میں دوڑے ہوئے گئے اور بولے نانا جان بھائی کو تو بچہ آہو دیا اور ہمکو نہ دیا اور آزردگیٔ خاطر کا اظہار کیا۔ حضرت رسول تسلی فرمانے لگے۔ حسینؑ کے آنسو نکلنے والے تھے کہ ناگاہ مسجد سے ایک شور کی آواز بلند ہوئی۔ بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ مادہ آہو کی معہ بچے کے دوڑتی ہوئی آتی ہے اور بچہ کو بھی اشارہ کہلو سے ہمراہ بھگاتی ہے اور اس نے کچھ خوف آدمیوں کے مجمع کا نہ کیا اور بزبان فصیح بیان کیا یا رسول اللہ دو بچے میرے تھے۔ ایک صیاد نے پکڑا اور دوسرا میرے پاس رہا۔ میں اسکو دودھ پلاتی تھی کہ ندا ہوئی فوراً روبرو رسول خدا کے حاضر ہو کہ حسینؑ ان کے روبرو دکھڑا ہوا بچہ آہو طلب کرتا ہے اور قریب ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں پس قبل رواں ہونے اشک کے وہاں پہنچ۔ شکر ہے خدا کا کہ میں وقت پر پہونچی امام حسین علیہ السلام آہو بره کو لیکر خوش ہو گئے اور تھوڑی دیر کھیل کر شاہزادوں نے وہ دونوں بچے اس آہو کے حوالے کر دیئے۔

(۴) امام حسین علیہ السلام کا سر بریدہ نوک نیزہ پر تلاوت قرآن کرنا کربلا و کوفہ شام کے اثنائے راہ سر مبارک جہاں بھی رکھا گیا وہاں نور کا ساطع ہونا اور فرشتوں کا آسمان سے اترنا مختلف کتب میں درج ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ امام حسینؑ کے علم مبارک سے آج تک معجزات کا ظہور جاری ہے اور مسلمانوں ہی پر کیا موقوف غیر قوم والوں سے بھی ہر سال علم کے کسی نہ کسی معجزہ کا مشاہدہ سننے میں آنا ایک معمول بنا ہوا ہے۔

حضرت رسول کا قتل حسینؑ کی خبر دینا اور قتل حسینؑ کے بعد آثار قہر الٰہی

بیہقی نے دلائل میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک روز میں نے حضرت رسول خدا کو دوپہر کے وقت دیکھا کہ آپ خاک آلودہ تشریف لئے چلے آرہے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے میں اس روز سے اسے رکھے ہوئے تھا۔ روز قتل حسینؑ کو دیکھا تو وہ خون خالص تھا۔ مستدرک جلد ۴ صفحہ ۳۹۸ و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳ و مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۴ پر بھی عبداللہ ابن عباس حضرت رسول کو خواب میں پریشان اور سر خاک آلودہ دیکھنے اور امام حسینؑ کے قتل کی خبر دینے سے متعلق درج ہیں۔

احمد ابن راہویہ، بیہقی اور ابو نعیم نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا خواب استراحت فرما کر اٹھے ان کے دست مبارک میں سرخ مٹی تھی جس کو لوٹ پلٹ کر رہے تھے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مٹی کیسی ہے آپ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ حسین عراق کی سرزمین میں شہید کیا جائیگا یہ وہاں کی مٹی ہے۔

ابوداؤد اور حاکم نے ام الفضل بنت حارث سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے دیلمی نے عمار بن یاسر روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ آسمان یحییٰ بن زکریا کے قتل پر رویا ہے اور میرے بیٹے کے قتل سے روئیگا اور آفتاب چالیس دن تک سُرخ رہیگا اور اگر اس کو اذن دیا جائے تو وہ گداختہ ہو جائیگا۔ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ و ۲۹۰ و جلد ۳ صـ۱۷۸ اور کنز العمال صـ۱۱۱ پر درج ہے کہ حضرت رسول نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ یحییٰ بن زکریا کے قتل کے عوض ستر ہزار آدمی مارے گئے اور تمہارے نواسہ کے قتل کے عوض اس سے دو چند آدمی مارے جائیں گے۔

ترمذی نے صـ۲۱۲ پر سلمہ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس گئی تھی تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابھی رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک خاک آلودہ ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں یہ کیا حال دیکھ رہی ہوں آپ نے فرمایا واقعہ قتل حسین دیکھنے گیا تھا جنکی شہادت بہ حالت قرائیر داری کا میں گواہ تھا (نیز ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۱ صفحہ ۱۹ و مشکوٰۃ جلد ۸ صـ۱۳۹)

سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد دُنیا سیاہ ہو گئی سات دن برابر دیواروں پر دھوپ کا رنگ زعفرانی معلوم ہوتا تھا۔ تارے ایک دوسرے پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے اُس روز سورج کو گہن لگ گیا تھا آسمان کے کنارے چھ ماہ تک سرخ رہے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون تازہ نکلتا تھا اور جتنا کُسم لشکر مخالف میں تھا سب جل کر راکھ ہو گیا۔ لشکر یزید میں ایک اونٹ ذبح کیا گیا تو اس کا گوشت آگ کی طرح جلتا ہوا تھا۔ اور جب اسکو پکایا گیا تو کڑوا زہر ہو گیا۔ ایک شخص نے امام حسین کی نسبت کوئی کلمہ گستاخی کا کہا تو آسمان سے دو ستارے ٹوٹ کر گرے اور اسکی آنکھیں جاتی رہیں۔

ابونعیم سے روایت ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے امام حسین پر جنات کو روتے اور نوحہ کرتے سنا ہے۔ ثعلب روایت کرتے ہیں کہ ابو حباب الکلبی کہتے ہیں کہ میں کربلا کو پہنچا تو میں نے ایک شخص منجملہ روساء عرب سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ لوگوں نے جنات کو نوحہ کرتے سُنا۔ اس نے کہا کہ تم جس سے پوچھو تو سب کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا ہے میں نے کہا تم نے جو سنا ہے وہ بتلاؤ اس نے کہا میں نے جنوں سے یہ اشعار سنے ہیں یہ کہکر اس نے وہ اشعار سُنائے۔

ابنِ عساکر نے منہال بن عمر سے روایت کی ہے کہ واللہ میں نے دیکھا کہ جبکہ امام حسین علیہ السّلام کا

سر اقدس نیزہ پر چڑھایا گیا اور میں اس وقت دمشق میں تھا۔ سر اقدس کے سامنے ایک شخص اسوقت سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جب اس آیت کریمہ پر پہنچا کہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا جانا تو نے اصحاب کہف اور رقیم ہے ہماری عجیب نشانیوں میں سے سر اقدس بزبان فصیح بولا کہ اصحاب کہف سے میرا قتل اور نیزہ پر چڑھایا جانا زیادہ تعجب انگیز ہے۔

ابو نعیم نے ابن قتیل سے روایت کی ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے اور آپ کا سر اقدس نیزہ پر چڑھایا گیا اور وہ لوگ پہلے مرحلہ میں بیٹھکر شراب پینے لگے۔ غیب سے ایک قلم نکلا اور اس نے خون سے یہ سطر لکھدی: آیا وہ امت جس نے امام حسینؑ کو شہید کیا ہے قیامت کے روز اس کے جد کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

تذکرۃ الخواص الامۃ میں حضرت واقدی روایت کرتے ہیں کہ قاتلان حسین میں سے ایک شخص نے جناب امام کا سر اقدس اپنے گھوڑے کی رسی سے باندھ لیا۔ بعد چند روز کے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا کیا ہوا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو تو عرب کے سبز رنگ والوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ وہ کہنے لگا جب میں نے سر اقدس کو اٹھایا تو مجھ پر ایک رات گزرنے نہیں پائی تھی کہ کیا دیکھتا ہوں کہ دو آدمی میری گردن پکڑ کر بھڑکی ہوئی آگ میں ڈھکیلتے ہیں اور میں پیچھے ہٹتا ہوں پس آگ نے منہ جھلس دیا جیسے کہ تو دیکھتا ہے۔ پھر وہ برُے حال سے مر گیا۔
بیہقی ابو نعیم نے بصرہ ازدیہ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو خون کا مینہ برسا صبح ہمارے ڈول ہمارے مٹکے اور ہماری ہر ایک شئے خون سے لبالب تھی۔ بیہقی ابو نعیم اور طبرانی زہری علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمکو یہ خبر لگی ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت کے روز بیت المقدس کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے تازہ خون نہ پایا گیا ہو۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ میری دادی بیان کرتی تھیں کہ میں جناب حسین علیہ السلام کی شہادت کے زمانہ میں جوان لونڈی تھی۔ آسمان کئی دن تک ان پر روتا رہا۔

صواعق محرقہ میں ابو سعید سے روایت ہے کہ روز شہادت حسینؑ کوئی دنیا کا پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے تازہ خون نہ ہو اور آسمان سے خون برستا رہا اور اس کا اثر ایک مدت تک کپڑوں پر رہا یہاں تک کہ وہ کپڑے پھٹ گئے صواعق محرقہ میں ہے کہ جب آپ کا سر اقدس (دار زیاد) ابن زیاد کے محل میں لایا گیا تو دیواروں سے خون جاری ہو گیا۔ صواعق محرقہ میں درج ہے اور ثعلبی نے بھی لکھا ہے کہ چھ مہینے تک آسمان کے کنارے سرخ رہے اور ہمیشہ کے لئے سرخی قائم ہو گئی۔ روضۃ الاحباب میں جمال الدین محدث لکھتے ہیں کہ :-
یزید کے لشکریوں میں سے ایک شخص مالک بن عروہ نے روز عاشورہ امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ اے حسین تم نے اس جہاں کی آگ سے پہلے یہ آگ اختیار کی۔ حضرت کے جانثار ساتھیوں میں سے مسلم ابن عوسجہ نے کہا حکم ہو تو اس کے منہ پر تیر ماروں۔ حضرت امامؑ نے فرمایا۔ میں پیش دستی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے

دُعا کی کہ یارب اسکو عذاب نار میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد ہی اس ملعون کا گھوڑا بدکا اور اس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا اور یہ نیچے گرا۔ گھوڑا اسکو گھسیٹتا ہوا لیکر بھاگا یہاں تک کہ مالک بن عروہ خندق میں گرا جس میں آگ جل رہی تھی اور اس طرح وہیں داخلِ جہنم ہوگیا۔

حیواۃ الحیوان دمیری میں ہے کہ بعد شہادت حسینؑ جب اسیران اہلبیت رسُول کو لیکر یزید کے لشکریوں کا قافلہ روانہ ہوا اور ایک دوپہر کو ایک دیر کے قریب پہنچکر کچھ وقفہ کے لئے ٹھیر گیا تو لوگوں نے دیر کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ وہ حسینؑ کے جد کی شفاعت کے بھی اُمیدوار ہیں" قافلہ والوں نے راھب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ اب کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ ہم سنتے چلے آتے ہیں کہ تمھارے نبی کی بعثت سے پانسو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

مولانا سیّد شاہ ظفر سجاد صاحب سجادہ نشین خانقاہ ابو العلائیہ داناپور پٹنہ اپنے مقالہ میں زہری کی روایت کے حوالہ سے لکھتے ہیں" جو کوئی حضرت امام کی شہادت کے مشورے میں شریک ہوا یا کربلا میں اہلبیت کے مقابلہ میں آیا وہ سب بہ ہزار ذلت و خواری تھوڑے ہی دنوں میں مقتول ہوئے اور انواع و اقسام کے عذاب میں مبتلا ہوئے بعض اندھے ہوگئے۔ بعضوں کا مُنہ سیاہ ہوگیا کہ دیکھنے والے اس سے خوف کھاتے تھے۔ کوئی برص و جذام میں مبتلا ہوکر داخل نار ہوا۔ یزید پلید ابن زیادؔ عمر بن سعدؔ خولی بن یزید شمر وغیرہم بھی قلیل مدت میں عبرت ناک طور پر ہلاک ہوئے اور معاویہ کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوا"۔

قتلِ حسینؑ کے وقت جیسے آثار ظاہر ہوئے تھے۔ ایسے ہی آثار قہر الہٰی اس وقت نمودار ہوئے جب متوکل خلیفہ بنو عباس نے لوگوں کو زیارت قبر حسینؑ سے منع کر دیا اور مزارات حسینؑ و شہدائے کربلا پر ہل چلا کر زراعت کرنے کا حکم دیا اور اس نواح کے مکانات محبانِ اہلبیت کو تباہ و تاراج کر دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کا مزار مبارک ہے اور حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا مزار اور گنج شہیداں تھے۔ وہاں زراعت کے جانور کبھی قدم نہ رکھتے تھے۔ شعرا نے متوکل کی ہجویں لکھیں جس سے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

واللہ بنو اُمیہ نے نبی کے نواسہ کو مظلوم قتل کر دیا۔ جب وہ مرگئے تو ایک اور بنی امیہ پیدا ہوگیا۔ اسکو یہ رنج تھا کہ وہ قتل حسینؑ میں شریک نہ ہوا۔ اِس لئے اُس نے قبروں کو ویران کر دیا۔ اگر وہ ان کے جسموں پر ظلم نہ کرسکا تو ان کی بوسیدہ ہڈیاں ہی اکھڑوا کر جی ٹھنڈا کیا۔

سیوطی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کی قبر کی بے حرمتی کے بعد اہل خلاط نے ایک تند آواز آسمان سے سنی جس سے بہت سے آدمی مرگئے۔ عراق میں بڑے بڑے پتھروں کے مانند اولے گرے اور مغرب میں تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تارے بہت سے ٹوٹے اور بڑی رات گئے تک آسمان میں ستارے ٹڈی کی طرح بکھرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور یہ ایسا عجیب ہولناک واقعہ تھا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ تیونس اور قرب اور رے

(جسکی حکومت کا وعدہ حسینؑ کو قتل کرنے کی شرط پر یزید نے ابن سعد سے کیا تھا) اور خراسان و طبرستان وغیرہ میں سخت زلزلے آئے۔ پہاڑوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اکثر جگہ زمین پھٹ کر آدمی سما گئے۔ مصر کے ایک گاؤں میں آسمان سے پتھر برسے۔ جن کا وزن ارطل کے قریب تھا۔ یمن میں پہاڑوں نے اس طرح حرکت کی کہ کھیت ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل ہوگئے۔

حلب میں ماہ رمضان میں ایک سفید پرندہ نمودار ہوا جو مردار خوار نہ تھا۔ لوگوں نے اسے نہایت فصیح طور پر یہ کہتے ہوئے سُنا "اے لوگو اللہ سے ڈرو۔ اللہ، اللہ" چالیس مرتبہ یہ کہکر اڑ گیا۔ دوسرے روز بھی پھر یہ پرندہ نمودار ہوا اور یہی واقعہ ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے اس واقعہ کو بذریعہ تحریرات مشتہر کیا اور قریباً پانچ سو آدمیوں نے اسکی شہادت خود سننے کی دی۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد پھر سخت زلزلے آئے اور شہر اور قلعے اور پل گر پڑے انطاکیہ میں ایک پہاڑ سمندر میں گر پڑا اور آسمان سے سخت ہولناک آوازیں سُنائی دیں اور مصر میں زلزلہ عظیم آیا اور باشندگان ملیس (نواح مصر) نے ہولناک آوازیں آسمان سے سنیں اور اس شہر کے بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے۔ اور مکہ شریف کے چشموں کا پانی غائب و چشمے تباہ ہوگئے۔ یہ سب متوکل کے دور میں قبر حسینؑ کی بے حرمتی کے بعد ہوا۔

عزاداریٔ حسینؑ شعائراللہ ہونا

اس موضوع پر میرے تایا مولوی سید علی بشیر صاحب قبلہ مرحوم نے اپنی کتاب حیات السید الشہداء میں جو لکھا ہے اس کا ایک اقتباس ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

"وہ لوگ جو مراسم عزاداری حسینؑ کو بدعت بتاتے ہیں یا وہ جو کہتے ہیں کہ یہ رسم یہود ہے۔ یا جن کا خیال ہے کہ بروز عاشورہ امام حسینؑ درجہ شہادت پر فائز ہو کر جنت میں نعمات الٰہی سے متلذذ ہو رہے ہیں لہٰذا یہ خوشی کا دن ہے نہ کہ حزن و ملال کا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ خیالات بیجا ہیں اور ان کی کچھ کا پھیر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین بخیال خود یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اسلام صرف تیرہ سو سال سے ہے حالانکہ اسلام دُنیا میں اسوقت سے ہے جب کہ انسان کا وجود صفحہ ہستی پر آیا اور جب سے نبوت کے ساتھ وحی و الہام کا سلسلہ شروع ہوا۔ بلحاظ ضروریات زمانہ احکام میں اضافہ و ترمیم ہوئی۔ لیکن توحید و رسالت و امامت جو اہم جزو مذہب ہیں ہر زمانہ میں قائم رہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے مُتّبعین دینِ حق کا نام مسلمان رکھا۔

شہادت امام حسین علیہ السلام کی مُصیبت عظمیٰ کی یادگار قبل از وقوع واقعہ اس وجہ سے کہ اسلام ہمیشہ سے وہی ایک ہے جو ابتداء سے قائم تھا بطور شعائر اللہ کے ہزاروں برس قبل قائم ہو چکی ہے اور اسے ہر زمانہ میں اسلام کی تعلیم کا ایک اصول تمثیلی مانا گیا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ کم و بیش تیرا سو سال کا ہے۔ لیکن علم الٰہی مقید نہیں ہے۔ ہر زمانہ اور ہر عہد میں اس کی وہی ایک شان ہے۔

(راقم - اسکی مثال یوں غور فرمائے کہ تین مختلف رنگ کے دھاگے مثلاً سبز سفید و سیاہ ایک کے بعد ایک بندھے ہوئے ہیں۔ ایک چونٹی سبز دھاگے پر چلنا شروع کرتی ہے۔ ہم دُور سے دیکھ رہے ہیں اور تینوں دھاگے بہ یک وقت ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ مگر چیونٹی کی محدود نظر صرف اسی دھاگے پر ہے جس پر وہ چل رہی ہے۔ جب تک سبز دھاگے پر چل رہی ہے وہ اس کے لئے "حال" ہے اور باقی دو دھاگے اس کے لئے مستقبل ہیں۔ جب وہ سبز دھاگے کو طے کر کے سفید دھاگے پر آئے تو سفید اس کے لئے "حال" ہوا اور سبز دھاگہ ماضی۔ بن گیا اور سیاہ دھاگہ اس کا مستقبل ہے اور چیونٹی کے لئے اگرچہ ماضی حال و مستقبل کی کیفیتیں بدلتی گئیں مگر ہمارے لئے وہ سب بہ یک وقت نظر کے سامنے ہیں اور چیونٹی کا ان تینوں دھاگوں پر سے گزرنا ہمارے لئے سب "حال" ہی کی کیفیت رکھتا ہے۔ نہ وہاں ماضی ہے نہ مستقبل۔ اسی طرح علم الٰہی میں از ازل تا بہ ابد پوری کائینات کے مختلف ادوار کے نقشے یکساں طور پر عیاں ہیں۔ نہ اس کے لئے کوئی ماضی ہے نہ مستقبل بلکہ ہر چیز آئینہ کی طرح سامنے ہے۔ نہ اس کے لئے قیدِ مکان ہے نہ قیدِ زمان۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر مشیت الٰہی میں کوئی اہم واقعہ موجود ہے تو وہ گو کہ انسان کی گزری ہوئی موجودہ یا آنے والی نسلوں کیلئے مستقبل، حال یا ماضی کی کیفیت رکھ سکے مگر علم الٰہی میں ہر وقت یکساں طور پر موجود ہے۔ لہٰذا خداوند عالم کا کسی اہم واقعہ کی یادگار علم و زمانہ انسانی کے اعتبار سے اس کے واقع ہونے کے قبل سے قایم کر دینا کوئی حیرت انگیز بات نہیں بلکہ عین قرین عقل ہے۔ واقعہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بطریق صدر یادگار بنائے جانے کا ثبوت دیگر متعدد انبیاء کے صحائف و کتب سے بھی ملتا ہے۔ جن کا ذکر اسی کتاب کے باب پنجم میں آچکا ہے۔

(حضرت تایا صاحب کا سلسلہ عبارت جاری):

"پس ظاہر ہوا کہ رسم عزا جس کا شمار شعائر اللہ میں ہے اصول اسلام کے مطابق اس کو قائم رکھنا بھی ضروری خیال کیا گیا تاکہ اس سے توحید، رسالت، امامت، سزا، جزا، صداقت، اخلاق، معاد، صبر، استقلال، تسلیم، رضا، ایثار، تحمل، ہمدردی، غیرت و شجاعت اور دیگر اعلیٰ صفات کا سبق حاصل ہوتا رہے اور خداوند عالم کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی سچی تعلیم اور اسکی مجسم تصویر دیکھنا چاہے تو وہ مراسم عزا سے متاثر ہو کر جو علی الاعلان کئے جاتے ہیں حسینؑ کے حالات سے معرفت الٰہی کا سبق لے تاکہ دنیا میں نیک نام اور آخرت میں رستگار ہو۔ افسوس ہے کہ ہم اپنی سطحی نظر سے اس حیات بخش نکتہ کو نہیں سمجھتے اور نہیں دیکھتے کہ یہ ظاہری شعائر عزا ہمیں ہر سال کیا تعلیم دیتے ہیں اور اس رسم عزا کو بطور یادگار کے دوا ما قائم و جاری رکھنے کے لئے ابدی قانون قرار دینے سے خداوند عالم کی غایت اصلی اور مقصود حقیقی کیا ہے۔ اعتراضات صدران لوگوں کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں جن کی نظر سرسری اور سطحی ہے اور جو تمام تر مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور تمدنی علوم سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اسلام کی مداومت کے معتقدین کے لئے

رسم عزا ایک اصول اسلام ہے جو ہمیشہ سے اسلام کے ساتھ رہا ہے اور اسلام کے ساتھ رہیگا یہ رسم بیہودہ ہے نہ پیروان دین محمدؐ کیلئے بدعت۔ در اصل بدعت تو وہ ہے جس کی اصل دین میں نہ ہو۔ لیکن اس کا وجود دین حق میں قدیم سے پایا جاتا ہے۔ اور اسوجہ سے کہ علم الہٰی میں اس کا وقوع پذیر ہونا ضروری تھا اس کا علم بھی ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السّلام کو دیا گیا کیونکہ ان کا مذہب فلسفۂ الٰہی پر قائم ہے۔ خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب باسباب ظاہر جبرئیلؑ سے شہادت حسینؑ کی خبر سُنی تو خود روئے اور جب حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ کو بھی اس روح فرسا سانحہ کی خبر سُنائی گئی تو سب ملکر خوب روئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حالانکہ یہ واقعہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ مگر خود رسول اللہ نے اس کا غم منایا جو لوگ سنت رسول کے پیرو ہیں ان پر بھی اسی طرح غم حسین منانا لازم ہے اور خصوصاً جب یہ واقعہ جاں گداز وقوع پذیر ہو چکا اور اس کے جملہ روح فرسا خدوخال سامنے آچکے تو فطرت انسانی کا تقاضا سوائے اس کے اور کیا ہے کہ آدمی غمزدہ ہو اور بطریق پیغمبران سلف و رسولؐ اللہ غم کا اظہار کرے۔ اظہار غم خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ اس کا نام خواہ رسم عزا رہے۔ رسم عزا "شعائر عزا" غم امام ہمارے عقلی مشاہدات اور احساسات سے تغیر پذیر نہ ہوں گے۔ قدرت کے قلم نے اس حادثۂ عظیم کے اثرات کو صفحۂ روزگار پر اس طرح کندہ کر دیا ہے کہ ان اثرات کا زائل کرنا قوت بشری سے باہر ہے۔ دل میں جب تک حرکت ہے اس غم سے متاثر ہوگا اور آنکھ روئے گی جب تک حلقۂ چشم میں اس کا مقام ہے"۔

جن ذوات قدسیہ سے اللہ تعالیٰ نے محبت فرض گردانی اور اس محبت کو اسلام وایمان کی قیمت قرار دیا ان کی ایسی زبردست مصیبت پر وہی شخص نہ روئیگا جس کے دل میں ان ذوات کی محبت نہ ہوگی۔ ایسے ملکوتی اور خدائی صفات رکھنے والی ذوات سے محبت ہونا فطری امر بھی ہے۔ اور اگر کسی کو ان سے محبت نہ ہو (محض منہ سے کہنے کی نہیں بلکہ دلی محبت) تو اس کے معنی صاف طور پر یہی نکلیں گے کہ اس شخص کو ان ذوات قدسیہ سے بغض وعناد ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ ان ذوات سے کوئی کیوں بغض رکھے گا۔ مگر حضرت رسول خدا کے بکثرت وبہ تکرار ارشادات سے یہ واضح ہے کہ خود حضرت رسول کو یہ اندیشہ (بلکہ علم) تھا کہ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ان ذوات قدسیہ سے بغض رکھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ نے کہیں یہ فرمایا کہ جس شخص نے ان ذوات سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور کہیں فرمایا کہ جو ان ذوات سے لڑے میں ان سے لڑوں گا اور جو ان سے دوستی رکھے میں ان سے دوستی رکھوں گا۔ فلسفہ انسانی اور فلسفہ الٰہی میں فرق بھی ہے کہ انسان جذبات اور اپنے ماحول سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ کسی چیز کا اثر اس پر دیرپا نہیں ہوتا۔ خوشی ہو یا رنج وقتیہ ہوتے ہیں۔ آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں ۔ کسی عزیز قریب کی موت کو بھی آدمی چند دن چندماہ یا چند سال تک

بھول ہی جاتا ہے اور نہ کوئی بڑی سے بڑی خوشی بھی وقتیہ طور پر کسی محبوب عزیز کے مرنے سے غم میں تبدل ہو جاتی ہے۔ بہر حال انسان کا نہ غم پائیدار ہے نہ خوشی برخلاف اسکے فلسفہ الہٰی کے اصول ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک قائم ہیں اور ہمیشہ برقرار رہیں گے۔ جیسے کہ سورہ فتح آیت ۲۳ میں ارشاد ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیلاً ؕ جہاں فلسفہ الہٰی کا یہ انداز ہو اور علم الہٰی میں جہاں ایسا واقعہ موجود ہو جو ایک طرف تو انتہائی غم والم کا حامل ہو اور دوسری طرف حق و باطل میں فرق کرنے والا اور حق کی تعلیم دینے اور حق کو قائم کرنے والا اور اس کے غم والم کی گہرائیاں دل پر انمٹ نقوش قائم کرنے والی ہوں تو اللہ تعالیٰ ایسے قابل یادگار واقعہ کی یادگار کیوں نہ قائم کرتا۔ لہذا عقل تسلیم کرتی ہے کہ فلسفہ الہٰی کے اعتبار سے اس عظیم الشان واقعہ کی یادگار قایم کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و فلسفہ و سنّت کے عین مطابق اور ضروری تھا۔ حدیث قدسی میں رب العزت کا ارشاد ہے "میرے عزت و جلال کی قسم ایک قوم پیدا کروں گا جو میرے حسینؑ کا ماتم کرتی رہے اور اسکی عزا کے قیام کیلئے اپنے جان و مال سے کوشاں رہے" شہر ورنگل سے نکلنے والے ایک ماہنامہ میں جسکے ایڈیٹر ایک ذی علم سنّی صاحب تھے ۱۹۵۳ء کے محرم نمبر کے سرورق پر ہی اس حدیث قدسی کو جلی حروف میں شائع کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر سلطان احمد نے ۵ اراپریل ۱۹۴۲ء کو ایک کانفرنس کے خطبہ صدارت میں شیعوں کے تصور عزا کے متعلق اس طرح اظہار خیال فرمایا:- اس واقعہ شہادت کی وہ سالانہ یادگار جو عزاداری کے مختلف مراسم کی شکل میں منائی جاتی ہے۔ شیعوں کی حیات اجتماعی کی ایک ایسی کارفرما روح ہے جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حکمران ہے۔ اگر آپ اس میں مداخلت کریں گے تو گویا ان کے اس خزینہ پر ڈاکہ ڈالیں گے جس کو وہ اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جو ان کے لئے موت اور زندگی کا سوال ہے"۔

علم حسینؑ علم حسینؑ کیا ہے یہ در حقیقت علم احمد مختار کی نشانی ہے جو یوم عاشورا حسین کا علم تھا۔ حضرت رسول خدا ہر جنگ میں اپنا علم رکھتے تھے۔ ہر غزوہ میں آپ کا علمدار لشکر ہوا کرتا تھا کبھی جعفر ابن ابی طالب اور تقریباً ہر دفعہ علی ابن ابی طالب جنگ خیبر میں بھی حضرت رسول نے ایک بڑی تمہید کے بعد (جسکا ذکر علیحدہ آیا ہے) اپنا علم حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کو عطا فرمایا تھا۔ یہی علم تھا جو میدان کربلا میں حضرت حسینؑ کے پاس تھا۔ آپ نے اپنے بھائی قمر بنی ہاشم ابا الفضل العباس کو عطا فرمایا تھا اور حضرت ابا الفضل علمدار میدان کربلا نے اپنے دونوں شانے کٹا کر اور جان دے کر بھی جس طرح اس علم کو سر بلند رکھا یہ تاقیامت یادگار رہے گا۔ رسول اور اہل بیت رسول سے محبت رکھنے والے اسی علم کی یادگار میں علم بٹھاتے ہیں۔ علم ایک قسم کی نشانی SYMBOL ہوتا ہے اور علم کے معنی ہی نشان کے ہیں۔ علم کسی نشانی کی ایک بہتر اور واضح شکل ہے جو اپنی بلندی کی وجہ سے ہر ایک کو نظر آکر اپنے منسوب الیہ کی یاد دلاتا ہے۔ اور زبان حال سے ہر طرف اپنے مقصد کا اعلان کرتا ہے نشانی کی یہ شکل خود اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے

روز قیامت بھی اللہ تعالیٰ کا ایک علم ہوگا جس کا نام لوار الحمد ہے۔ جیساکہ حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ
اور یہ علم حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں ہوگا اور تمام انبیاؑ اس کے زیر سایہ چلیں گے۔
ہر ایک ملک و قوم کا بھی ایک علم ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ اقوام ہیں۔
اپنے علم کی اتنی ہی زیادہ تعظیم و تکریم کرتی ہیں۔ یہ قومی نشان ایک عمارت سے دوسری عمارت میں منتقل کیا جائے تو لاتے لیجاتے وقت بھی فوج اس کو جنرل سیلیوٹ پیش کرتی ہے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے جس شخص کو بہادری کا اعزاز وکٹوریا کراس عطا ہوا اسکو اپنے مکان پر انگریزی جھنڈا لگانے کی اجازت ہے جب کبھی ایسے کسی سپاہی کے گھر کے سامنے سے انگریزی فوج گزرتی ہے تو اس جھنڈے کو سلامی دینا فرض ہے جب کبھی کسی عمارت پر قومی نشان بلند کیا جائے یا اتارا جائے ہر شہری و پردیسی کیلئے جسکی حد نظر میں وہ نشان ہو لازم ہے کہ اپنے مقام پر ایستادہ ہو جائے۔ ایک ملک کا پریسیڈنٹ یا وزیر اعظم دوسرے ملک میں جائے تو اپنے ملک کے نشان کے ساتھ مہمان وزیر کے ملک کے نشان کو بھی بلند کرکے اسکو سلامی دی جاتی ہے۔ علم اور نشان کا یہ اعزاز اور اس کی تعظیم ایک قدرتی اور روایاتی اور مسلمہ امر ہے جس سے کوئی متمدن اور مہذب قوم انکار نہیں کرتی۔

ہر سال کعبہ شریف پر غلاف حکومت مصر کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں یہ غلاف کعبہ حکومت مصر نے پاکستان کے کاریگروں سے تیار کروایا ابھی یہ غلاف نہ مکہ معظمہ لیجایا گیا تھا اور نہ بیت اللہ پر چڑھایا گیا تھا۔ مگر صرف اس کے تیار ہو جانے پر یہ غلاف نہ پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں جلوس کے ساتھ نکالا گیا اور لاکھوں مسلمانوں نے اسکو آنکھوں سے لگا کر اور چوم کر اپنے جذبات عقیدت پیش کئے۔ ہمارا اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر یہ سب کچھ محض اس نسبت کی تعظیم کی وجہ سے تھا کہ وہ غلاف ہے جو بیت اللہ پر چڑھایا جانے والا ہے۔ ایک اور مثال پر غور فرمایئے بین الاقوامی اولمپک Olympic کھیلوں کی تقریب دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں باری باری سے منائی جاتی ہے جس میں ہر ملک کے کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔ ان کھیلوں کے آغاز سے قبل اس ملک کا حکمران پریسیڈنٹ ایک شمع روشن کرکے ایک منتخب کھلاڑی کے ہاتھ میں دیتا ہے یہ شمع عالمی بھائی چارگی اور خیر سگالی کی ایک تمثیل سمجھی جاتی ہے اور اس کی اس قدر عزت اور احترام کیا جاتا ہے کہ جس ملک میں یہ کھیل منعقد بھی نہ ہوں صرف یہ شمع روانہ کی جاتی ہے اور اس ملک کی مقتدر ہستیاں اس کا استقبال کرکے جلوس نکالتی ہیں۔ چنانچہ جب ۱۹۶۳ء میں شمع جاپان میں جلائی جاکر ہندوستان لائی گئی تو یہاں کے وزراء نے جاکر اس کا استقبال کیا اور انتہائی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا اور پھر ایک مقام پر جمع ہوکر ایک بڑے جلسہ کا انعقاد کیا اور پھر واپسی کے وقت جہاز تک جاکر اس شمع کو احترام سے رخصت کیا۔ آخر ایک گیس سے جلنے والی معمولی شمع کا اس قدر احترام

کیوں۔ یہ فقط اس جذبہ کا احترام ہے جس کی تمثیل اس شمع کو قرار دیا گیا ہے۔

جہاں ہمارے مذہبی نشان کا سوال ہو اور یہ علم درحقیقت علم احمد مختار ہو جو حسینؓ کے ہاتھ میں رہا ہو اور جہاں حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کرکے اپنے نانا کے دین کو بچا لیا اور علم رسول کو سر بلند رکھا اور اس طرح یہ علم رسول اس واقعہ شہادت عظمیٰ کے بعد علم حسین کہلانے لگا۔ جیسا کہ خود حضرت رسولؐ نے بھی فرما دیا تھا کہ حسین منی وانا من الحسین تو اس علم کی یادگار رکھنے اور اسکی تعظیم کرنے میں کونسا امر مانع ہے اور اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ اس علم حسین کو دیکھنے سے ان واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جو مسلمانوں کا ایک عظیم مذہبی اور قومی ورثہ ہیں اور تعظیم اس نسبت کی دی جاتی ہے جو حسین اور حیدر کرار اور احمد مختار کے اس علم کو حاصل ہے اور جو اللہ کے دین کو بچانے کے لئے بلند کیا گیا اور بلند رکھا گیا تھا۔ اس علم کی بلندی تا قیامت برقرار رہے گی اور علم بھی برقرار رہے گا۔ کسی اہم واقعہ کی یادگار منانا نہ صرف ایک فطری امر ہے بلکہ سنت خدا بھی ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی نا تمام قربانی کی یاد (جو امام حسینؑ کی ذبح عظیم کے سبب ہی سے ملتوی ہو گئی تھی) اللہ تعالیٰ نے حج کے مناسک میں داخل فرما دی اور تمام صاحبان استطاعت کے لئے حج اور حج میں قربانی کرنا لازم قرار دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ حضرت اسمٰعیل کی پیاس بجھانے کے لئے جب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہ پہاڑیوں کے بیچ میں بحالت پریشانی دوڑی تھیں تو حج میں اس کی یاد بھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے قائم فرما دی۔ قربانی کے جانور کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت ۳۶ میں ارشاد ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (یعنی قربانی کے اونٹ بھی ہم نے تمہارے واسطے خدا کی نشانیوں میں سے قرار دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ قربانی کے جانور کے گلے میں جو رسی باندھی جاتی ہے اس کو بھی قابل تعظیم قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ آیت ۲ میں ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی مت کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ قربانی (کے جانور) کی اور نہ قلائد کی (یعنی قربانی کے جانوروں کے گلے میں بندھی ہوئی رسی کی) حالانکہ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ رسی اسی جانور کے بول و براز میں آلودہ بھی ہو۔ باوجود اس کے بھی وہ لائق تعظیم ہے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ رسی اس جانور کی گردن میں رہی جو اللہ کے نام پر قربان کیا جا رہا ہے۔ یعنی تعظیم اس نسبت کی ہے۔ سورۂ حج کی آیت ۳۲ میں ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۔ یعنی اور جس شخص نے خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی تو کچھ شک نہیں کہ یہ بھی دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے باب پنجم میں ذکر کیا گیا ہے۔ صحف انبیائے سلف اور قرآن شریف کی رو سے ثابت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی قربانی اسی واقعہ کی تکمیل ہے۔ جو حضرت اسمٰعیل کی نا تمام قربانی کی شکل میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

صاحبانِ انصاف وایمان کے نزدیک کسی ناتمام قربانی سے ایک مکمل قربانی جسکو خود خدائے تعالیٰ ذبحِ عظیم قرار دیتا ہے بہر طور زیادہ گراں قدر اور اہم ہے اور پھر ادھر بہ سبب اس ذبحِ عظیم امام حسینؑ علیہ السلام کے حضرت اسمٰعیل کے صحیح سلامت بچ جانے کے واقعہ سے امام حسین علیہ السلام کا مع اپنے تمام اعوان وانصار کے تین دن کے بھوکے اور پیاسے قتل کیا جانا جس کی خبر حضرت رسولؐ بھی دے گئے تھے اور اس سانحہ عظمیٰ پر بے انتہا گریہ فرمایا تھا اور حضرت ام سلمیٰ کو آپ ریش و سر مبارک خاک آلودہ نظر آئے تھے کہیں زیادہ اہم اور قابلِ یادگار ہے اور انبیائے سلف نے جس کی یاد اس کے وقوع سے کئی ہزار برس پہلے ہی قائم کر دی تھی ایسے اہم واقعہ کی یاد منانا اور اس معرکۂ عظیم کے وقت جو علم امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا اس کی یادگار علم حسین استادہ کر کے قائم کرنا عین قرینِ فطرت اور ضروری ہے۔ بدعت تو وہ امر ہوا کرتا ہے جس کا عدم جواز ثابت ہو اور شرع میں جس کے خلاف حکم موجود ہو۔ یادگار قائم کرنا خود سنتِ الٰہی اور انبیاء کی سنّت ہے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ علم تو اسی کی یادگار ہے جو دراصل علم احمد مختار تھا جو حضرت رسولؐ ہر معرکہ کے موقعہ پر اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اور جو بحکم رسول انہیں ہاتھوں میں رہا کرتا تھا جو بروز حشر حامل لواء الحمد ہوں گے اور پھر جو میدان کربلا میں حضرت حسینؑ کے ساتھ رہا اس علم کی یاد قائم کرنا کوئی بدعت نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو عین پیروی سنت رسولؐ ہے۔ اب دنیا جس بات کو چاہے اپنے حسبِ مطلب رنگ دیدے اور حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرے اور تعظیم کو بھی پرستش قرار دیدے۔ علم کی شکل کسی قسم کی بھی ہو سکتی ہے۔ خواہ اس پر یا اللہ کندہ ہو یا یا محمدؐ یا علیؑ یا حسینؑ یا پنجتن پاکؑ کے نام ہوں یا کلمہ کندہ ہو۔ علم کی شکل یا اس پر کا کتبہ اتنا زیادہ اہم نہیں ہے جتنا کہ قیام علم کا بنیادی تصور، غرض وغایت، اسکی اسپرٹ اور نسبت۔

یہاں ہم ایک محترم ہندو اہل فکر کے اظہار خیال کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ غیر جانب دار لوگ اسکو کس لائٹ میں لیتے ہیں۔ جناب گردھاری لال صاحب آنند (کشمیر) اپنے مقالہ کربلا کی آواز مطبوعہ محرم ۱۳۸۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ مذہب اور ہر زندہ قوم کے افراد بڑے بڑے اوتاروں مذہبی بانیوں محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کسی صورت میں مفقود ہونے نہیں دیتے اور ہر قوم اپنے ماضی کے قومی شہیدوں کے سنہری کارناموں کا احترام کرتی ہے نیز انسانی عظمتوں کی یاد کو یادگاروں قومی روایتوں اور تہوار کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جس قوم نے اپنے بزرگانِ دین اور شہیدوں کی قربانیوں کو نظر انداز کیا اس قوم کا نام دنیا کے نقشہ سے حرف غلط کی طرح حک کردہ گیا۔ آج کی دنیا میں جہاں عام طور پر دھرم وایمان ایثار وقربانی کی جگہ اخلاقی پستی اور خودغرضی نے

نے رکھی ہے۔ کون ایسا شخص ہوگا جس نے ایام محرم میں عزاداروں کی آہ و غم کی چیخیں اور اضطراب والم کی پکاریں نہ سنی ہوں اور جس نے ایک خاص دن اور ایک خاص مقام سے تعزیہ کے ساتھ کچھ یا زیادہ لوگوں کو اپنا سر و سینہ پیٹتے نہ دیکھا ہو۔ مذہبی خیال سے ایسے اشخاص کو شیعہ یا حضرت امام حسینؑ کے عزادار کہتے ہیں تاریخ عالم کی سب سے بڑی اور بے مثل قربانی جو حضرت امام حسینؑ نے باطل اور ظلم و ستم کے خلاف کربلا کے میدان میں دی تھی اسکی یاد کو یہ لوگ ہر سال نہ صرف تازہ کرتے ہیں بلکہ ان کا پبلک طور پر اس قسم کا تذکرہ جھوٹ اور جبر و تشدد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیزاری اور ظالم کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کا اظہار ہے۔ ہر ذی فہم انسان خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا کہ امام کی قربانی نے نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کی شان کو دوبالا کر دیا۔ آپ کا جذبۂ شہادت سورج کی طرح چمکا جو دنیا کے آخر تک غروب نہ ہوگا۔ جب میں سنتا ہوں کہ بعض اسلامی ممالک میں مسلم بھائیوں کی زبان اور دماغ پر تالے لگے ہوئے ہیں اور وہ وقتی حکومتوں کے جبر سے خوف زدہ ہیں جس کا رن وہ صحیح اور صداقت پر مبنی بات کرنے سے بھی ترستے ہیں تو افسوس ہوتا ہے۔ در اصل وہ اپنے بزرگان دین کی مذکورہ قسم کی قابل تقلید قربانیوں کو آہستہ آہستہ بھولتے جا رہے ہیں۔

جوازِ گریہ و ماتم | بعض لوگ عزائے حسینؑ منانے اور غم حسینؑ میں رونے پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم بعض مستند احادیث اور بعض اہل طریقت کے اقوال کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یوں بھی غم کے موقعہ پر رونا ایک فطری امر ہے اور انبیا بھی ایسے مواقع پر روئے ہیں۔ گریۂ آدم و نوح مشہور ہے۔ اور حضرت یعقوب کے اپنے فرزند حضرت یوسف کے فراق میں مدت العمر رونے اور بصارت زائل ہو جانے کا ذکر قرآن شریف میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے رونے کا ذکر قرآن شریف میں متعدد جگہ فرمایا ہے۔ سورۂ النجم آیت ۴۳ میں ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى یعنی اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ اس سے ہنسنا اور رونا فطری عمل ہونا ظاہر ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹ میں ارشاد ہے۔ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ یعنی اور یہ لوگ سجدہ میں منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے چلے جاتے ہیں اور یہ قرآن ان کی خاکساری کو بڑھاتا جاتا ہے۔ اسی طرح سورۂ مریم آیت ۵۸ میں ہے: اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا یعنی اور جب ان کے سامنے خدا کی نازل کردہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو زار و قطار روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ سورہ دخان آیت ۲۹ میں ارشاد ہے۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ یعنی تو ان لوگوں پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا غم فی الواقع رونے کے لائق ہے ان پر بحکم خدا آسمان و زمین بھی روتے ہیں۔ چنانچہ متواتر

روایات سے ثابت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کے بعد آسمان سے خون برسا اور لوگوں کے برتن خون سے بھر گئے اور زمین سے جس پتھر کو اٹھایا گیا اس کے نیچے سے خون تازہ نکلا یعنی آسمان و زمین کا رونا تھا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف شہادت کی خبر پر مصیبت حسینؑ پر روئے ہیں بلکہ جنگ احد میں حضرت حمزہ کی شہادت پر بھی آپ نے گریہ فرمایا۔ اور گریہ کرنے والوں کی نیکی کا ذکر فرمایا۔

انسان العیون میں محدث علی بن برہان الدین شافعی ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ کی شہادت پر حضرت رسول خدا نے بے انتہا گریہ فرمایا اور آپ کی صفات کو دہرا کر نوحہ کیا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول نے حمزہ کو مقتول پایا تو گریہ فرمایا اور جب ان کے اعضائے بریدہ پر نظر پڑی تو چیخ مار کر روئے علامہ ابن ابی الحدید نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ روز احد حضرت رسولؐ خدا کی یہ حالت تھی کہ جب صفیہ (ہمشیرہ حضرت حمزہ) روتی تھیں تو حضرت پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا اور جب روتے روتے ان کے گلہ میں پھندا پڑ جاتا تو حضرت کی بھی وہی حالت ہوتی تھی۔ کتاب مغازی میں ہے کہ رسالت مآب کا گزر بنی اسد کی طرف ہوا۔ اسوقت وہ اپنے مقتولین احد پر رو رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا افسوس حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔ سعید بن معاذ اور سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل نے جب یہ سنا تو اپنے گھرانے کی عورتوں کو خانۂ رسول میں لائے اور انھوں نے حمزہ پر نوحہ کیا۔ آنحضرت نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ تم نے بڑا نیک کام کیا۔ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ نے مدینہ پہنچکر زنان بنی عبدالاشہل کا رونا سنا جو اپنے مقتولین کو رو رہی تھیں تو فرمایا کہ افسوس حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں ہے۔ یہ سنکر سعد بن معاذ صحابی زنان بنی عبدالاشہل کے پاس گئے اور ان کو در دولت نبوی پر لائے انھوں نے آکر حضرت حمزہ پر نوحہ و بکا کیا جسے سنکر حضرت رسول نے عورتوں کے لئے دعائے خیر کی اور پھر ان کے گھروں کی جانب واپس فرمایا۔ پس اس کے بعد انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو بغیر حضرت حمزہ پر نوحہ کئے ہوئے اپنی میت کیلئے روتی۔ حضرت حمزہ بھی شہید راہ خدا تھے اور اس طرح زندہ جاوید کی کیفیت رکھتے تھے۔ حضرت رسولؐ کے عمل متذکرہ صدر کی روشنی میں لوگوں کا یہ کہنا قابل غور ہے کہ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے" صحیح بخاری کتاب الجنائز صـ۳ پر درج ہے اور ابن الاثیر نے استیعاب میں زید بن حارثہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت رسولؐ نے جعفر اور زید پر گریہ کیا اور فرمایا میرے بھائی مونس تنہائی اور مجھ سے باتیں کرنے والے۔ ابوداؤد اور حاکم نے ام الفضل بنت حارث سے بیہقی نے دلائل میں ابن عباس سے روایت کی ہے ایک روز میں نے حضرت رسول خدا کو دو پہر کے وقت دیکھا کہ آپ خاک آلود تشریف لے چلے آرہے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کا

کیا حال ہے اور اس شیشہ میں کیا ہے آپ نے فرمایا یہ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔

ترمذی نے سلمہ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس گئی تھی تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابھی حضرت رسول خدا کو خواب میں دیکھا کہ آپ سر اور ریش مبارک خاک آلودہ ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں یہ کیا حال دیکھ رہی ہوں آپ نے فرمایا واقعہ قتل حسینؓ دیکھنے گیا تھا جن کی شہادت بحالت زار بنزاری کا میں گواہ تھا۔

ام الفضل بنت الحارث کہتی ہیں کہ میں امام حسینؓ کو لئے ہوئے ایک دن آنحضرت کے حضور میں گئی اور میں نے ان کو آپ کی گود میں دے دیا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ آنجناب کی چشم مبارک اشکبار ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ یہ کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے آکر یہ خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسین میری اُمت کے لوگوں کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا اور مجھکو وہاں کی سُرخ مٹی لاکر دکھائی ہے (مشکوٰۃ) یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب امام حسین علیہ السلام کی عمر چار ماہ کی تھی۔

صاحبِ روضۃ الشہداء نے روایت بیان کی ہے کہ جب امام حسین پیدا ہوئے تو حق سبحانہٗ تعالےٰ نے جبرئیل کو اپنے حبیب کی خدمت میں ادائے تہنیت کیلئے بھیجا۔ اس وقت آنحضرت امام حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے ان کے حلق پر بوسہ دے رہے تھے جبرئیل نے آکر پہلے تہنیتِ فرزند عرض کی اور اس کے بعد ہی تعزیت بھی شروع کی۔ حضرت رسول نے فرمایا سبب تہنیت تو معلوم ہوا تعزیت کی کیا وجہ ہے۔ جبرئیل نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ جس حلق نازک کو آپ بوسہ دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد تیغ جفا سے مجروح کیا جائے گا۔ پھر کچھ قدرے حالِ کربلا عرض کیا۔ آنحضرت یہ خبر مصیبت اثر سنکر شدت سے گریہ فرمانے لگے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا اور جب واقعہ شہادت سُنا تو وہ بھی رونے لگے اور اسی حالت سے اسکی اطلاع جناب فاطمہؑ کو دی۔ جناب سیدہؑ نے ایک نالۂ جگر خراش کھینچا اور روتی ہوئی اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں گئیں اور فریاد کی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں اے فاطمہ جبرئیل نے اسی طرح مجھے آگاہ کیا ہے۔ جناب فاطمہ رونے لگیں اور کہا میرے حسین نے کیا خطا کی ہے۔ بچپن میں اس پر ایسا ظلم کیا جائیگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جفا کا یہ حادثہ اس وقت ہوگا جب نہ میں ہوں گا نہ علیؑ ہوں گے نہ تم ہوگی نہ حسن۔ نواب صدیق حسن خاں اپنے رسالہ حج الکرامت میں لکھتے ہیں۔ "خبر شہادت حسین پیش ازاں بچندسال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دادہ بود و قاتلانِ وے را نفرین و لعنت کردہ آنچہ روز قتلِ وے از تغیرآسمان و زمین واقع شدہ بر ہیچ کس پوشیدہ نیست"۔

مجموعہ ملفوظات خواجگانِ چشت میں بہ رسالہ راحت القلوب میں خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے مرشد خواجہ فریدالدین شکر بار کے مرشد شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اقوال

جمع فرمائے ہیں۔ صلہ ۲۲۳ و صلہ ۲۲۴ پر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت بختیار کاکی کی خدمت میں شمس دبیر شیخ جمال الدین و شیخ بدرالدین غزنوی اور بہت سے اصفیا حاضر تھے۔ اور گفتگو روز عاشورا پر نکلی تو فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ آٹھوان دشتی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی دوستی کے سبب اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتے۔ آدمیوں کے حال پر افسوس و تعجب ہے کہ وہ کھانا پینا جاری رکھتے ہیں۔ اس روز کھانا پینا موجب خواری ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے مزید فرمایا امیر المومنین حسین کے شہادت پانے سے ایک دن قبل ایک بزرگ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات کے ہمراہ تشریف لائی ہیں اور دامن مبارک کمر سے کس کر دشت کربلا میں جھاڑو دیتی ہیں اور جو آنسو آنکھوں سے رواں ہیں ان کو دامان مبارک سے پونچھتی جاتی ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ اے خاتون جنت و اے شافعہ روز محشر یہ معاملہ کیا ہے۔ جواب دیا اس مقام پر کل میرا حسین شہید ہوگا۔

حضرت بختیار کاکی نے مزید فرمایا جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرئیل ؑ نے شہادت امام حسین علیہ السّلام کی خبر دی تو آنحضرت ؐ نے جبرئیل سے فرمایا جب ہم سے کوئی بروز واقعہ ھائلہ کربلا زندہ نہ رہے گا پس تعزیت میرے اہل بیت کی کون کریگا۔ جواب دیا کہ یا رسول اللہ آپ کے امتی آپ کے فرزندوں کی تعزیت کریں گے اور وہی ماتم برپا کریں گے اور ماتم حسین ؑ ہر سال قائم ہوتا رہے گا اور آٹھوانِ صحرا اپنے بچوں کو ان ایام میں دودھ نہ دیں گے۔ جب حضرت رسول خدا نے حضرت علی ؑ کو یہ اطلاع دی کہ یزید بن معاویہ حسن ؑ اور حسین ؑ اور ان کی تمام اولاد کو شہید کریگا تو حضرت علی ؑ روے اور پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ اسوقت موجود رہیں گے فرمایا نہیں۔ کیا میں رہوں گا فرمایا نہیں کیا فاطمہ رہیں گی فرمایا نہیں۔ یہ سنکر حضرت علی ؑ رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ کون ماتم ہمارے غریبوں کا کریگا آنحضرت نے ارشاد کیا کہ ماتم ان کا میرے سچے امتی کریں گے۔ حضرت بختیار کاکی نے پھر فرمایا بغداد میں ایک بزرگ رہتے تھے انھوں نے جب قصہ شہادت امیر المومنین حسن ؑ و حسین ؑ رضی اللہ عنہما کا سنا تو اپنے سر کو اس قدر زمین سے مارا کہ سر سے خون رواں ہوا اور تھوڑی دیر میں زمین پر گر کر مر گئے۔ کسی بزرگ نے اسی روز ان کو خواب میں دیکھا کہ امام حسن ؑ و حسین ؑ رضی اللہ عنہما کے روبرو کھڑے ہیں۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جواب دیا کہ مجھکو نعمات جنت سے سرفراز فرمایا اور دوستداران خاندانِ مصطفوی میں میرا نام لکھا اور حکم دیا کہ خدمت اِمامین میں حاضر رہوں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں بروایت احمد ابن حنبل مروی ہے کہ امام حسین نے فرمایا کہ جس شخص کی آنکھیں ہمارے غم میں اشکبار ہوں یا جو شخص ہماری مصیبت کو یاد کرکے ایک قطرہ آنسو

بہائے خدا اسکو جنت عطا کرے گا۔ اس روایت کو نواب شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی تاریخ احمدی میں درج کیا ہے۔ حیدرآباد کے ایک مشہور و معروف اہل طریقت بزرگ مولانا سید شیخن احمد شطاری کامل مدظلہٗ فرماتے ہیں ؎

اگر یہ پیروئی نعلِ آنجناب نہیں ۔۔۔ بتاؤ کیا ہے یہ رونا حسین کے غم میں

جناب سلطان محی الدین صاحب سیف حموی الجیلانی فرماتے ہیں ؎

منکر کو اعتراف نہیں ہے تو کیا ہوا ۔۔۔ دراصل ہے نشانیٔ ایمان غم حسینؑ

عالیجناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ ہند اپنے مقالہ "حسین اور انسانیت" مطبوعہ محرم ۱۳۸۲ھ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"انسان کی انانیت کا سارا شرف اسمیں ہے کہ یہ ادنیٰ پر اعلیٰ کو ترجیح دینے کے لئے اپنے ضمیر کی پکار اپنے قلب کے حقیقی میلان اپنی عقل سلیم کے سچے رجحان کی وجہ مجبور ہے۔ یہ اس پکار کو ٹالتا ہے اس میلان کو دباتا ہے۔ اس رجحان کو توڑتا مروڑتا ہے۔ لیکن اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ باطل کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن حق سے دامن نہیں چھڑا سکتا ...... مجھے تو اس واقعہ (کربلا) میں انسانی ارتقاء کے اصل اصول کا راز چھپا نظر آتا ہے۔ اس کو یاد کر کے اسے یاد رکھ کر انسانیت جو بھولتی بھی ہے بھٹکتی بھی ہے سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر پگڈنڈیوں پر پڑی بھرا بھی کرتی ہے اور آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹتی رہتی ہے وہ انسانیت اس واقعہ کو یاد کر کے سچ یہ ہے کہ اپنی صحیح راہ کو یاد کرتی ہے۔" مولانا عینی شاہ صاحب نظامی قبلہ مرحوم حیدرآباد کے ایک مشہور صوفی تھے۔ ان کے تحقیقی مقالہ "ھٰذا حُسین فاعرفوہ" کا ایک اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"عزاداریٔ امام حسین پر آئے دن بڑی لے دے ہو رہی ہے۔ اس کا ایک الزامی جواب تو یہ ہے کہ جہاں جمعیۃ علمائے ہند یوم محمد علی۔ یوم شہید گنج، یوم فلاں اور یوم فلاں منا رہی ہے اور اسکو جائز و مباح تصور کر رہی ہے وہاں یوم حسین اور عاشورا منانے پر کیا اعتراض ہے۔ کیا امام حسین اس کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ اب دوسرا اصلی جواب حدیث و تاریخ سے یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے ۵۵ سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس امر ناشدنی کا بار بار ذکر فرماتے ہوئے خود زار زار رویا کرتے تھے اور سامعین کو بھی رلایا کرتے تھے جب کہ حسین ہنوز آپ کی گود میں پرورش پا رہے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ ملک العصر و دیگر مقرب ملائکہ بھی آنحضرت کو اس واقعۂ ہائلہ کی نصف صدی سے پہلے ہی خبر دیتے رہے اور آنحضرتؐ کو رلاتے رہے۔ بلکہ کربلا کی خاک بھی پیش کی اور آنحضرتؐ اس کو لے کر خوب روئے اور حضرت ام سلمہ کے پاس رکھوا کر فرمایا جس دن یہ خاک تازہ خون ہو جائے گی اس دن حسین شہید ہوگا۔ آنحضرت کا قبل از واقعہ یہ عزاداریٔ حسین فرمانا احادیث مرویہ عبداللہ بن احمد و ابن عساکر و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن سعد و ابن راھویہ و ابونعیم و بیہقی و طبرانی و بغوی از حضرت ام سلمہ و احادیث مرویہ ابن ابی شیبہ و احمد بن

حنبل، و ابو العلیٰ و طبرانی و ضیاء مقدسی از سیدنا علی. و احادیث مرویہ حاکم و ابوداؤد و بیہقی از حضرت ام الفضل و احادیث مرویہ ابن سعد و طبرانی و خلیلی از حضرت عائشہ و احادیث ابن سعد و ملا از ام سلمہ و احادیث مرویہ ابو العلیٰ و عقیلی و طبرانی از حضرت زینب بنت حجش و احادیث مرویہ ابو حاتم و ابن حبان و احمد بن حنبل و ابو نعیم و بیہقی از حضرت انس و احادیث مرویہ احمد بن حنبل و عبدالرزاق و ابن سعد و ابن طبرانی از حضرت ابو امامہ و احادیث مرویہ عبدالرزاق و ابن عساکر و ملی از حضرت ابن عمر و معاویہ سے ثابت و مروی ہے. خاصکر روز واقعہ کربلا آنحضرت کا عالم روحانیت اعلیٰ سے بنفس نفیس میدان کربلا میں تشریف فرما ہونا اور خون شہداء شیشہ میں جمع کرکے اسی دن مدینہ منورہ میں حضرت ام سلمہ کو مکہ معظمہ میں حضرت ابن عباس کو اور دمشق میں حضرت عامر بن سعد کو بعالم رویا دکھانا اور شہادت امام حسینؑ کی انہیں خبر دینا اور اپنا حالِ پریشان انہیں معائنہ کرانا ترمذی و احمد بن حنبل و حاکم و بیہقی و ابن ابی الدنیا قرطبی طبرانی وغیرہم کی روایات سے ثابت ہے۔ اس واقعۂ ہائلہ پر انبیاءؑ اولیاءؑ اصفیاءؑ اجنہ صحابہؑ طیور و وحوش کا اندوہ و بُکا کرنا اور جنّات کا اور مُخدرات اہل بیت کا امام پر مرثیہ خوانیاں کرنا سنن ابن السکن مدارج نبوت محدث دہلویؒ سیرت ابن ہشام حلیہ ابونعیمؒ کتاب السقہؒ ابو الشیخ و محدث جلیل ابو عبداللہ الحاکم و ابن ابی حاتم کی تاریخ میں بکثرت مروی ہے اور آسمان و زمین و آبادِ فلکیہ کا اظہار رنج و الم حضرت ام سلمہ نفریہ اور سید ابو سعید حذری جابر بن عبداللہ انصاری۔ عیسیٰ بن حارث کندی۔ عبداللہ ابن زبیرؓ عبداللہ ابن جعفرؓ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباسؓ امام زین العابدین علیہ السلام محمد بن علی ابن ابی طالب ہشام بن عروہؓ ابوحنیفہؒ امام شعبیؒ عطا بن ابی رباح اور زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے۔ رہا امتِ مرحومہ کا امام ہمام پر سال کے سال رونا اور نوحہ کرنا حدیث مرفوع امالی بن علی سے ثابت ہے کہ

زیاد بن منذر نے سعید بن جبیر سے انھوں نے حضرت عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک دن حضرت سے عرض کیا معلوم ہوتا ہے کہ حضور عقیل کو بہت چاہتے ہیں فرمایا۔ ان سے دہری محبت ہے ایک تو میری ذاتی ہے اور دوسرے میرے چچا ابوطالب کی چاہت کی وجہ سے اے ابوالحسن میرے بعد ایک دن آئیگا کہ میرے حسین شہید ہو رہے عقیل کا بیٹا مسلم بن عقیل سب سے پہلے قربان ہو گا۔

ان شہداء کے غم میں مومنین ہر سال رویا کریں گے اور ملائکہ مقربین ان شہیدوں پر درود و سلام عرض کیا کریں گے یہ فرما کر آنحضرت اتنا روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے دامن اطہر تر ہو گیا (امالی ابن علی المحدث) نیز محدث جلیل و مفسر نبیل علامہ فخرالدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی صاحب تفسیر حسینی اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ روز ولادت امام حسینؑ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ کو مبارکباد دی اور تعزیت بھی ادا کی فرمایا تعزیت کیسی عرض کیا جب آپ اور ان کے والدین دنیا میں نہ ہوں گے یہ آپ کے حسین بے آب و دانہ آپ کی امت کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ آنحضرت زار زار رونے لگے اور فرمایا پھر حسین پر

روئیگا کون، جبرئیل نے کہا آپ کی امت ہر سال رویا کرے گی نیز حضرت محبوب الٰہی شیخ الاسلام بابا فرید سے راحت القلوب مجلس بست دیکم صفحہ ۲۲۳ پر اسی روایت کو نقل فرما رہے ہیں کہ حضرت جبرئیل نے آنحضرت سے عرض کیا کہ عزاداری حسین ہر سال محرم میں ہوا کرے گی اور حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۳۸ طبع مصر میں فرماتے ہیں:۔

اخبرنا ابونصر عن والدہ باسنادہ عن ابی اسامہ عن الامام الھمام ابی عبداللہ الجعفر بن محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام قال حیط علی قبر الحسین بن علی بن ابی طالب اجیبا بہ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ یَبْکُوْنَ عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ یعنے ستر ہزار فرشتے قبر حسین پر مقرر کئے گئے ہیں جو تا قیام قیامت روتے رہینگے حضرت محبوب سبحانی کی روایت سے ثابت ہے اور احادیث حضرت ابن عباس و حضرت انس بن مالک سے مومنوں کا سال کے سال گریہ و بکا کیا کرنا مصرح ہے اور کبار اولیائے امت کا اس سالانہ عزاداری امام حسینؑ کا کرنا مسلم الثبوت ہے تو ملا دشما کی آئیں بائیں شائیں لغو اور ناقابل توجہ ہے" واضح رہے کہ متذکرہ صدر پوری عبارت حضرت عینی شاہ صاحب قبلہ کی ہے) اسی سلسلہ میں ہم ایک مشہور سنی عالم کے اظہار خیال کو بھی درج کر دیتے ہیں۔ جن کا ابتدا میں یہ خیال تھا کہ ذکر حسین اور اسکی اشاعت نہ کرنی چاہیئے۔ لیکن (انہیں کے الفاظ میں) برکات ہدایت یا اس مقدس جماعت کی کرامت نے ان کو کس خیال کا کر دیا انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی اپنے مقالہ" اسلام کے دامن پر ایک بدنما داغ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۲ھ میں تحریر فرماتے ہیں:" واللہ مجھے انصاف سے بتاؤ کہ میرے آقا و وسیلہ سیدنا و اماما حسینؑ سے سوائے ترقی اسلام اور تقویت حق کے اور کس چیز کا خطرہ تھا اور اس قصور پر ان کا اس جماعت کے ہاتھوں تباہ ہونا جو اپنے کو ان کے نانا کا کلمہ گو اور ان کے گھر سے ترقی پانے والے دین کا پیرو کہتے تھے مسلمانوں کے لئے کس قدر عبرت ناک اور شرمناک ہے۔ یہی تخیل تھا جو اواخر عہد طالب علمی میں اس واقعہ کے ذکر و اشاعت سے مجھے روکا کرتا تھا اور میں اس ذکر مقدس کو غیر ضروری بلکہ ایک حد تک اقرار جرم کے مترادف سمجھتا تھا۔ لیکن برکات ہدایت یا اس مقدس جماعت کی کرامت یا خود واقعہ کی غیر فانی قدوسیت کا یہ کرشمہ کہ آج میں اس واقعہ کی یاد کو مریض اسلام کے لئے دم عیسوی سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں۔"

آگے چلکر مولانا موصوف لکھتے ہیں: میرے رسول کا پارۂ جگر اور اپنے وقت کا جانشین رسول کوئی پولیٹیکل بندہ نہ تھا کہ اس سے تم کو صرف سیاسی ہی منافع ہوں۔ بلکہ اس واقعہ کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ یہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی روشن تفسیر تھا قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ حسینؑ زندگی سے زیادہ

توی حیات رکھتے ہیں۔ رکھیں گے قیامت تک اور بعد قیامت تک زندہ رہیں گے۔ لیکن بتاؤ آج یزید کا نام لیوا کون ہے۔ شمر ذی الجوشن کے خلف کہاں ہیں۔ ابن سعد کی قبر پر چراغ جلانے والا کدھر ہے اور خولی کا فاتحہ دینے والا دنیا کے کس گوشہ میں ہے۔ نہیں ہے۔ اور قسم برب حیّ وقیّوم نہیں ہے۔ کیا اتفاق ہے کہ سیکڑوں آدمی جو (ظاہر میں) مٹنے اور شکست کھانے والے حسینؑ کی نسل میں نہیں ہیں وہ اپنا شرف و وقار بڑھانے کیلئے جھوٹ موٹ اپنے کو سید کہدیتے ہیں اور بہت سے لوگ جو حقیقت میں یزید ابن سعد اور شمر کی اولاد ہیں اپنے جد اکبر کا نام لیتے شرماتے ہیں۔"

جیسا کہ مولانا موصوف نے ذکر فرمایا ہے یزید و عمر سعد و شمر کی نسل کے لوگ بھی مسلمانوں میں موجود ہیں چنانچہ حیدرآباد میں بھی اسی قسم کے کچھ لوگ موجود ہیں۔ جن کے پاس کہا جاتا ہے کہ شمر یا یزید کا خنجر ہے اور عاشورا محرم کو وہ عید مناتے ہیں اور یزید کی کامیابی کی یاد میں سرخ فرش اور تخت پر بیٹھکر خنجر نکالتے ہیں اور جشن کرتے ہیں اس بات کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ایک دفعہ متذکرہ صدر خاندان کے چند لوگوں نے ۹ اور ۱۰ محرم کی درمیانی شب یعنی شب عاشورا ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے میرے چھوٹے بھائی سے (ان کے خیالات سے ناواقفیت کی بنا پر) اس دعوت میں شریک ہونے کی خواہش کی تھی۔ مختصر یہ کہ اس زمانہ میں یزید نہ سہی مگر آل یزید اور ہوا خواہانِ یزید مسلمانوں کی صفوں میں ضرور موجود ہیں۔ بقول حضرت سید شیخ احمد شطاری صاحب کامل مدظلہ۔

ابھی صفین ہیں باطل سے پاک کرنی ہیں نہ جانے کتنے ہیں ایسے جو بے نقاب نہیں

مولانا سید شاہ محمد قایم صاحب قبلہ رضوی چشتی سجادہ نشین خانقاہ داناپور ضلع پٹنہ اپنے مقالہ "کفر یزید" مطبوعہ ۱۳۸۳ھ میں متعدد آیات قرآنی کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"کلام ربانی کی ان آیتوں سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یزید اور اس کے ساتھی تو ایک طرف رہے یہ سب تو لعنتی اور جہنمی ہو ہی چکے مگر وہ لوگ جو دُنیا سے جا چکے اور وہ لوگ جو دُنیا میں موجود ہیں اور وہ لوگ جو اس وقت سے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے ان میں سے جس نے بھی یزید پلید کے اس فعل کو سراہا سراہتا ہے یا سراہیگا۔ یزید کو حق بجانب جانا جانتا ہے یا جانے گا واللہ ثم باللہ ان آیتوں کی زد میں آکر مستحق جہنم ولعنت ہو گیا اور ہو جائے گا۔ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اٹل ہیں اور زبردست معیار ہیں۔ واضح اور آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ یزید اور اس کے تمام ساتھی سنگھاتی اور قیامت تک جو اس کے ہمدرد طرفدار پاس کرنے والے ہیں وہ سب کے سب کافر ہیں اور ابدالآباد جہنم میں اللہ کی لعنت وعذاب شدید وعذاب مہین وعذاب الیم میں مبتلا رہیں گے اور دنیا میں بھی اشک ندامت بن کر قعر ملامت میں گرتے رہیں گے۔ یزید کے کفر کا انکار مجھے خوف ہے کہ مسلمانوں کو بڑے فساد اور بڑے خطرے میں نہ ڈال دے۔

اور یہ کی وہ آیات قرآنی بھی نگاہ میں رہیں ورنہ یہ ناؤ ڈوب جائے گی۔ میں بلا تامل کہتا ہوں کہ یزید یا یزیدیوں کی ذرا بھی تائید حمایت پاس طرفداری احکام خداوندی کی رو سے اسی صف میں لیجا کر کھڑا کر دے گی"۔

مولانا ابوالکمال سید احمد شمسی کاظمی مفتی اعظم ٹونک نے اپنے مقالہ مسلک اہل سنت اور عزاداری پر تحقیقی نظر شریعت اور طریقت کی روشنی میں" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ میں مسئلہ تعزیہ داری پر بڑی تحقیق و تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور مختلف علماء کے فتوے اور بہت سے بزرگان اہل طریقت کے عزاداری کرنے اور غم حسینؑ میں گریہ و بکا کرنے کے واقعات لکھے ہیں ذیل میں ہم اس کا ایک مختصر اقتباس درج کرتے ہیں"۔

"مولانا عبدالواحد حنفی فرنگی محلی نے جواز تعزیہ داری کا یہ فتویٰ دیا: - علمائے صالحین ایں عصر امر مذکورہ را از شعائر اسلام تصور فرمودہ قطعاً فتویٰ برائے ترویج و قیام آں دادہ اند۔ در خزینۃ المتقین مصرح است کہ مفتی را باید کہ بہ نظر حال و عصر و زماں فتویٰ دہد۔ پس دریں عصر و زماں علمائے صالحین فتویٰ برائے ترویج و قیام تعزیہ امام مظلوم کہ دادہ اند نہایت بجا و مناسب است و ترویج آں موجب ثواب و اجر عظیم و فتوائے علما صحیح و صواب است و ہمچنیں علما یقیناً مثاب خواہند شد۔ علاوہ بریں مراسم تعزیہ داری امام علیہ السلام از صدہا سال جاری و مروج است در زمان سلاطین اہل اسلام و متشرع مانند جلال الدین اکبر و جہانگیر و عالمگیر اورنگ زیب وغیرہ کہ در تمامی مسلک خود نافذ الامر کلی بودند لوازم تعزیہ داری بوجہ احسن بتقدیم رسید"۔

علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی جو کہ معظمہ کے مفتی اعظم بھی تھے صواعق المحرقہ ص۱۱۰ پر لکھتے ہیں :-

(ترجمہ) آپ اپنے آپ کو بچائیے پھر بچائیے۔ ایسا نہ ہو کہ ناصبیوں کی بدعات جو اہل بیت رسول کے خلاف تعصب رکھتے ہیں کہیں آپ کرنے لگیں۔ یعنی فرح و سرور کو ظاہر کرنا اور عاشورہ کے دن عید منانا اور آرائش و زینت کرنا جیسے خضاب کرنا سرمہ لگانا اور نئی پوشاک پہننا اور خرچ میں فیاضی کرنا اور کھانے وغیرہ معمول سے زیادہ پکانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ امور مسنون و معتاد ہیں غلط ہے۔ بلکہ ان تمام امور کا ترک کرنا سنت ہے"۔

حضرت شرف الدین بوصیریؒ نے جن کا قصیدہ بردہ شریف آج بھی دار العلوم دیوبند وغیرہ میں داخل درس ہے امام مظلوم کا مرثیہ کہا جو ہمزیہ کے نام سے مشہور ہے، حضرت شہاب الدین احمد بن عبدالقادر بکری الحجیلی اپنی کتاب ذخیرۃ الملال فی شرح عقد جواہر السلال الدیۃ میں مرثیہ مذکورہ کے ایک شعر کی شرح میں فرماتے ہیں :- جو شخص اس مصیبت عظمیٰ پر نہ روئے اسکو چاہیئے کہ اپنے کو بہ تکلف رونے والا بنائے اس لئے کہ اس مصیبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم روئے ہیں اے شخص جب تک دم میں دم ہے تو بھی روتا رہ۔ اس لئے کہ اس مصیبت کے مقابلہ میں رونا بہت کم چیز ہے یہ رونا اور اندوہ کرنا صرف روز عاشورا یا زمین کربلا کے لئے مخصوص نہیں ہے

اور یہ صرف رافضیوں کا فعل نہیں ہے۔ بلکہ اس فقیر اور ہر اسیر محبّتِ اہل بیت کا یہ حال ہے۔ علامہ شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی کتاب ہدایۃ السعدا میں تعزیہ داری امام علیہ السلام کے جواز میں ایک مستقل باب تحریر فرمایا ہے جس کا عنوان ہے۔ جلوہ نہم بیان میں عزاداری امام حسین علیہ السلام کے "وہ حسین علیہ السلام جن کے مصائب پر رسول اللہ حضرت علی حضرت سیدہ قبل شہادت اور بعد شہادت دونوں زمانوں میں روئے اور جن پر حضرت آدم و حوا اور فرشتے اور عرش و کرسی آسمان و زمین صحابۂ رسول پرندے چرندے درندے جانور پتھر انسانوں اور جنوں کے تمام گروہ نے گریہ کیا اور دسویں محرم کے رونے کے ثواب میں" علامہ سلیمان بلخی قندوزی نقشبندی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ جلد ۲ ص ۳۵۷ میں ایک خاص باب فضائل گریہ میں تحریر فرمایا ہے جسکا عنوان ہے "باب ساٹھواں ان احادیث کے ذکر میں جو امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت پر گریہ و بکا کرنے والوں کے کثرت ثواب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں" روضۃ الشہدا ملا حسین واعظ کاشفی میں درج ہے کہ شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ روز عاشورا میں حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رویا اور دل میں کہنے لگا کہ اگر میں عاشورا کے دن نہ تھا کہ امام کے لئے خون بہاتا تو کم از کم چند آنسو اپنی آنکھوں سے بہا دوں رات کو جب میں سویا تو حضرت رسالتمآب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت جلالِ خداوندی کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ اے سہیل میرے فرزند حسینؑ کے غم میں تمہارا ایک آنسو بھی ضائع نہ ہوگا آج کے دن جو تم نے گریہ کیا ہے اس کے عوض میں کل قیامت کے دن اتنا ثواب ملیگا کہ جس کا حساب و شمار بھی نہ ہو سکے گا۔"

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سید محمد حسینیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ دس دن محرم کے وہ برابر گریہ و زاری میں گزارتے تھے اور فرماتے تھے "طرفہ دلے باشد کہ در ماتم خاندان رسول و جگر گوشگانِ بتول نہ گرید و عزائے او نہ دارد سبحان اللہ چہ جائے ناز است۔

کسے کو در چنیں ماتم نہ گرید ۔۔۔ دلِ آں کس مگر از سنگ باشد

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ عاشورا کے دن واقعہ کربلا کا کچھ ذکر کر کے ہائے ہائے کا نعرہ مارتے تھے اور بیہوش ہو جاتے تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اولاد فاطمہؑ کی محبت میں ان کے تمام گوناگوں مصائب پر جزع و فزع کر کے اظہار غم و گریہ وزاری وہی شخص کرے گا جس کے دِل میں کچھ بھی ایمان ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو اس قدر روئے کہ کنپٹیاں پھڑکنے لگیں۔ کہنے لگے خدا اس امت کو ذلیل کرے کہ اس نے اپنے نبی کے نواسہ کو شہید کیا۔ حضرت مولانا حافظ شاہ محمد فائق صاحب واسطی حنفی نظامی نے ایک مستقل رسالہ جواز تعزیہ داری میں تصنیف فرمایا جو ۱۳۳۲ھ میں مطبع عصر جدید میرٹھ میں چھپا ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں ہو شیخ احمد شیبانی قدس سرہ اور دیگر بزرگان دین کا بھی یہی دستور رہا ہے کہ عاشورہ کے دن وہ لوگ سادات کے گھروں پر کھانا لے جاتے اور

گریہ وزاری کرتے تھے۔ ہمارے دیار میں یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشورا مجتمع ہوکر گھروں میں
گریہ وزاری کرتی ہیں۔ حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانیؒ محرم کا چاند دیکھ کر بے قرار ہوجاتے
تھے اور رسم عاشورا برپا کرتے اور گریہ وزاری
میں مصروف ہوجاتے تھے۔ ذکر مقتل پڑھتے اور اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے۔ سید عبدالرزاق ہانسوی
کی بھی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا بھی یہی حال ان کے ملفوظات فتح المعانی سے
ظاہر ہوتا ہے۔ خواجہ منصور اصفہانی مقتدائے خاف خواجہ علی غزنوی۔ خواجہ مجدالدین ہمدانی شیخ ابوالفتوح
نصیر آبادی۔ خواجہ محمود حمدزی حنفی۔ شیخ احمد شیبانی۔ خواجہ تاج اشعری نیشاپوری۔ خواجہ امام شرف الائمہ ابونعیم
سجانی وغیرہم بہت سے صوفیا کا تذکرہ اخبار الاخیار نقص الفضائح ملا عبدالجلیل رازی میں موجود ہے۔ مولانا
عبدالرحمن محدث پانی پتی مخدوم وارث علی شاہؒ حافظ محرم علی شاہ خیرآبادی۔ مولانا شاہ نیاز احمد بریلویؒ
اور مولانا عبدالرحمن مقبول النبی لکھنوی جو بزرگ صوفیائے کرام ہیں جنھوں نے اہل سنت کی پیشوائی کی ہے۔
ان بزرگان دین کو عزاداری امام مظلوم علیہ السلام میں بڑا توغل رہا ہے۔ انہیں سے اکثر بزرگ ایسے ہیں جنکے
مزار پر اب تک تعزیے رکھے جاتے ہیں۔"

اویس قرنی کا واقعہ بطور خاص توجہ کا محتاج ہے۔ حضرت رسول کے کچھ دانت جنگ احد میں شہید
ہونے کی خبر پر اویس قرنی نے پتھر اپنے منہ پر مار مار کر اپنے دانت توڑ ڈالے۔ حضرت رسول کے تو چار ہی دانت
شہید ہوئے تھے مگر اویس نے اس تصور میں کہ نہ معلوم وہ کونسے چار دانت ٹوٹے ہیں اپنے پورے دانت
توڑ ڈالے یہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس واقعہ کے وقت اویس قرنی کافی جوان العمر تھے اور کچھ یہ
بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اویس نے ہلتے ہوئے یا آدھے گرے ہوئے دانتوں کو برائے نام توڑ لیا۔ حضرت اویس کی
عمر پورے طور پر اس طرح مشخص ہوجاتی ہے کہ جنگ صفین میں جو ۳۶ھ میں واقع ہوئی آپ کی عمر تخمیناً
ساٹھ سال کی تھی اور آپ حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے معاویہ کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔
جنگ احد کا واقعہ ۳ھ کا ہے۔ اس طرح جب ۳۶ھ میں ساٹھ سال کی عمر تھی تو ۳ھ میں ستائیس ۲۷
سال کی عمر قرار پاتی ہے۔ ۲۷ سال عمر والے شخص کے دانت خوب مضبوط ہی ہوتے ہیں اور اویس کے
اپنے پورے دانت پتھر سے مار کر توڑنے میں ظاہر ہے کہ نہ صرف دانتوں اور منہ سے بلکہ چہرہ اور رخساروں سے
بھی خوب خون بہا ہوگا۔ حضرت رسول کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اویس کے جذبۂ محبت کی تعریف
ہی فرمائی اور قرن کی سمت سے جب ہوا آتی تو آنحضرت اسکو ریح الرحمٰن فرمایا کرتے تھے۔ کبھی حضرت رسولؐ نے
یہ نہ فرمایا کہ اویس نے یہ کیا فعل عبث یا بُرا کام کیا۔ حضرت امام حسین روحی لہ الفدا کے عاشقین اگر
حضرت امام کا سارا بدن تیغ و سنان و تیر و خنجر سے چھلنی اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوجانے پر اپنے
سینوں کو پیٹ لیں یا چھپتی یا تموں سے ماتم کریں تو اس میں سوائے جذبۂ محبت کے اور بات ہی کیا ہے۔
کوئی کسی پہ جبر نہیں کرتا کہ زنجیروں یا چھروں سے ماتم کرو سرشاران محبت حسین اور آپ کے سوگوار

اپنے دل سے بہ طیب خاطر یہ عمل کرتے ہیں نہ کسی کی فہمائش کی ضرورت ہے نہ کسی کو دکھانے کا خیال۔ اسکو بدعت کیوں ٹھیرایا جائے۔ بدعت تو وہ ہے جو خلاف شرع ہو دین کے مغائر ہو جسکو شریعت نے روکا ہو۔

حضرت رسول پر گزری ہوئی مصیبت کی تاتی میں اُدیس قرنیؓ کا یالعمد اپنے سارے دانتوں کو توڑ ڈالنا اور اس طرح اپنا خون بہانا اور حضرت رسول کا نہ صرف اسکو ناجائز نہ ٹھیرانا بلکہ اس جذبۂ محبت کی قدر اور تعریف کرنا حضرت رسول کی اتباع کرنے والوں کی رہنمائی کے لئے کافی و وافی ہے اور سینہ زنی و ماتم حسینؑ کے نہ صرف ناجائز نہ ہونے پر بلکہ اس جذبۂ محبت کے لائق تحسین ہونے پر بُرہانِ قاطع ہے۔

حال ہی میں میرے ایک سُنّی دوست نے کہا کہ غیر مسلم لوگ شیعوں کے ماتمی جلوس کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور ایسا مظاہرہ کرنا اچھی بات نہیں ہے اور اس کے بجائے گھر میں قرآن پڑھکر حضرت حسینؑ کی روح کو بخشنا بہتر ہے۔ تفصیلی گفتگو کا موقع نہ تھا اور میں نے اسی حد تک کہا کہ ہر چیز کو اس کے پس منظر میں دیکھنا اور اسکی فلاسفی کو سمجھنا چاہیئے۔ مضحکہ تو غیر مسلم ہمارے حج کے بہت سے مناسک کا بھی اڑاتے ہیں۔ پہلے حج کے متعلق غیر مسلموں کو ذاتی مشاہدہ کا موقع حاصل نہ تھا مگر اب حج کے فلم بھی بننے اور منظر عام پر آنے لگے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں حج کا فلم دیکھکر میرے ایک غیر مسلم دوست نے کہا کہ یہ بڑے شیطان منجھلے شیطان اور چھوٹے شیطان کو پتھر اور چپلیں مارنے کا منظر بھی بڑا دلچسپ ہے اور پھر بوڑھے بوڑھے لوگ بھی صفا اور مروہ کے درمیان جو اچھل اچھل کر بھاگتے ہیں وہ بھی عجب معاملہ ہے۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دینے کے متعلق مہاراجہ کشن پرشاد کا یہ شعر سنایا ؎

سنگِ اسود کو دیا کرتے ہیں حاجی بوسہ یاد باقی ہے ابھی کعبہ میں بتخانے کی

رمی جمرات کی حج کے مناسک میں بڑی اہمیت ہے اور بغیر اس کے حج مکمل نہیں ہوتا۔ ایک خاص ترتیب کے ساتھ اور دو دن ان تینوں شیطانوں کو سات سات کنکریاں مارنا لازمی ہے۔ جہاں لاکھوں حاجی بہ یک وقت جمع ہوں اور عورت مرد سب کے لئے ان ہی مقررہ ایام اور اوقات میں تینوں شیطانوں پر ایک مقررہ ترتیب میں کنکریاں مارنا ضروری ہو تو لاکھوں کے مجمع میں سو دو سو گز بلکہ اور دور سے بھی بوڑھوں جوانوں عورتوں غرض سب کا تان تان کر کنکریاں پھینکنے میں خوب زور لگانا اور دوسروں کے سروں پر کنکریوں کی بارش سطحی نظر سے دیکھو تو یہ سب کچھ عجیب منظر پیش کرتا ہے اور کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ایسے بڑے اہم مذہبی فریضہ کی ادائی میں یہ اُچھل کود اور شیطانوں کے مجسموں کی پتھروں اور چپلوں سے مرمت اور ایک پتھر کو بوسہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی توجیہہ پیش کرنے کی ضرورت

نہیں ہے یہ سب کچھ مناسک حج ہیں اور درست اور واجبی اور فرض ہیں اور ان کے پیچھے مستحکم حقیقتیں ہیں۔ اسی طرح حسینؑ کے دیوانوں کو جس کی محبت بحکم خدا نہ صرف فرض بلکہ دائرہ ایمان میں داخلی ہونے کے لئے باد ائی اجر رسالت پاسپورٹ کی کیفیت رکھتی ہے تو حسینؑ کی بیکسی مظلومی اور دردناک شہادت پر بعالمی وارفتگی اپنا سر و سینہ پیٹ لینا کونسے تعجب کی بات ہے۔ بقول شاعر۔

ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

اویس قرنی کے واقعہ کا ذکر ہیں نے اوپر کیا ہے جس کے جواز کی سند حضرت رسول نے عطا فرمائی ہے۔ کوئی بلا وجہ اپنا خون نہیں نکالتا۔ کسی کے بچہ کی انگلی بھی ذرا کٹ جائے یا کانٹا لگ جائے تو ماں کو گوارا نہیں ہوتا مگر شیعہ مائیں اپنے بچوں کو غم حسینؑ میں زنجیر و چھیچھی سے ماتم کرکے خون میں نہاتا دیکھ کر روحانی مسرت سے پھولی نہیں سماتیں۔ یہ حضرت رسول اور ان کے نواسوں سے محبت کا معاملہ ہے۔ بقول حضرت جوش ؎

میر بزم آب و گِل ہیں عاشقانِ بوتراب خسروانِ عقل و دانش ہیں محبانِ حسین

ماتم کرنا خواہ صرف ہاتھوں سے ہو یا چھیچھی یا زنجیروں سے جس میں دھاردار چھریاں لگی ہوتی ہیں بڑے بڑے چھروں سے (جسکو قمع کہتے ہیں) سر پر ماتم کرنا اصولِ دین یا فروعِ دین میں سے کسی اصل یا فرع کی کوئی مستقل سرخی اپنے لئے نہیں رکھتا اور کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف وغیرہ میں جب لوگ بڑے بڑے چھروں سے سر پر ماتم کرتے ہیں اور سینکڑوں سر شگافتہ ہوتے اور پھر خود ہی درست بھی ہوتے رہتے ہیں تو وہاں کے علماء کمروں میں بند خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب کسی مجتہد سے پوچھو تو یہی کہتا ہے کہ "از مادرِ حسینؑ مے ترسم" یعنی اس معاملہ میں منہ کھولتے ہوئے بھی حسینؑ کی والدہ ماجدہ سے ڈر لگتا ہے۔

علماء شیعہ نے کسی طرح کے بھی ماتم کے خلاف خواہ وہ چھیچھی، زنجیر، تلوار یا قمعوں کا خون افشاں ماتم ہو کبھی ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکالا۔ شیعہ علماء کا تو کیا ذکر ہے ہم نے اِس کتاب میں ایک اہل طریقت بزرگ صدر جمعیت العلماء مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب قبلہ کے اِس اعلان کا ذکر کیا ہے جو اپنے آخری حج کے بعد انہوں نے اپنے مریدین میں کیا تھا کہ دربارِ رسالت سے انکو اِس مرتبہ دو چیزیں عطا ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ "بعد رسول علی بادشاہ باقی سب ان کی رعیت" اور دوسرے یہ کہ ہر ملک میں حسینؑ کا غم منانے کا الگ الگ طریقہ ہے کسی بھی طریقہ کو برا مت کہو۔

مصالح مرسلہ فقہ میں "مصالح مرسلہ" کا بھی ایک مقام ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اصول و فروعِ دین کے علاوہ شرعی طور پر جائز امور عملی جامہ پہننے میں ملک کے حالات، معاشرت فضا اور احول سے اثرات قبول کر لیتے ہیں مگر ان سے ان کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسے امور کا جائز قرار دیا جانا "مصالح مرسلہ" میں شامل ہے۔ شرط یہ ہے کہ فقیہ اپنے فتوے میں صرف اپنے ذوق کی رعایت نہ کرے بلکہ ان مصالح کو ملاحظہ کرے جنکا تعلق عام اسلامی ذوق سے ہے۔

یہاں ہم ایک سنّی عالم علامہ شیخ علی محفوظ پروفیسر جامعہ ازہر کی کتاب "الابداع فی مضار الابتداع" مطبوعہ مصر ۱۹۵۱ء کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جو عربی سے اقتباسی ترجمہ ہے:-
بعض لوگوں کو بدعت اور مصالح مرسلہ کے مابین دھوکہ ہوجاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں ہی کیلئے بطور خاص کوئی شرعی دلیل یا سند قائم نہیں ہوتی۔ مصالح مرسلہ کی اساس ایک مناسب پہلو کے لحاظ پر مبنی ہے جس کے لئے شہادت کا کوئی خاص قاعدہ نہ ہو علماء اصولِ فقہ نے اس مناسب پہلو کی تین قسمیں قرار دی ہیں:-

(۱) جس کے لئے شرع میں اعتبار ثابت ہو چکا ہو۔ جیسے قصاص کا مشروع ہونا۔

(۲) دوسری صورت وہ کہ جس کے عدم (نہ ہونے) کا اعتبار از روے شرع ثابت ہو چکا ہو۔ جیسے واجب روزہ کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے پر قادر ہونیکی صورت میں پے در پے روزے کی رشق کا اختیار نہ کرنا۔

(۳) تیسرے وہ کہ نہ تو بطور خاص اسکا اعتبار ثابت ہوا ہو اور نہ عدم اعتبار۔ اس تیسری شکل میں مصالح مرسلہ ہے جس کے اعتبار یا عدم اعتبار پر کوئی خاص قاعدۂ شرع شہادت تو نہیں دیتا۔ لیکن اس کے ذریعہ اس مقصد کے منشا کی تکمیل ہوتی ہے جو شریعت کے عام احکام سے مطابقت رکھتا ہو اور چونکہ یہ امر اس مقصد کی تکمیل کے ذرائع اور وسائل میں ہے اسلئے یہ بدعت نہیں ہے۔

سید جمال علی شاہ چشتی الحسینی کا استدلال | ۲۱ محرم ۱۳۳۴ھ کے اخبار صفوہ حیدرآباد میں کسی سُنّی صاحب نے علم وتعزیہ پر اعتراض کیا جسکا جواب اہل طریقت بزرگ مولانا سید جمال علیشاہ چشتی الحسینی نے "نظر بر مضمون ماتم حسین" کے عنوان سے ۴ صفر ۱۳۳۴ھ کے اخبار صحیفہ میں دیا جو بعد میں علیحدہ مقالہ کی شکل میں بھی طبع ہوا۔ اسکے کچھ اجزاء اقتباساً ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

از روئے فقہ اصل شے کی اباحت (جواز) ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی اسکی مانع نہ ہو۔ جب حدیث و قرآن میں ایستادگی علم وتعزیہ ماتم کی ممانعت نہیں ہے تو اسکے جواز میں کیا شک ہے۔ ضریح قبر کا نمونہ ہے اور قبر کا نمونہ بنانے کا جواز حدیث سے ثابت ہے۔ "فقہ احمدی" میں بحوالہ جامع المتفرقات قبر کی نقل بنانے کے جواز میں ایک حدیث رسول کا حوالہ موجود ہے۔ کفایہ شعبی، فتاویٰ عالمگیری، مطالب المومنین اور خزینۃ الروایا میں بھی اس اصول کو تسلیم کرکے نقل قبر بنانے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

شرع کے اعتبار سے تو قبر کے متعلق احکام یہ کہ صرف مٹی کا ڈھیر ہو۔ نہ گچ نہ سنگ مرمر۔ اب جو تمام بزرگانِ دین، ائمہ معصومین اور خود آنحضرت صلعم کا روضہ مقدس ہے یہ آخر کس نمونے پر ہے اسیطرح علم پیغمبر خدا، اصحاب، تابعین، طبع تابعین و ائمہ معصومین کے زمانہ میں بطور نشان لشکر موجود تھے۔ اب صورت مروجہ حال ایک رسمی ارتقاء ہے جیسے مسجد کے مینار کلس وغیرہ یا کعبہ میں چادر، مصطفےٰ، مجلس میلاد شریف

جو بدعت کی ایجاد ہے جیسا کہ امام نووی نے فتح المبین شرح الاربعین میں تحریر فرمایا ہے۔ فریح علم و تعزیہ پر اعتراض نازیبا ہے۔

جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت رسول کی قبر کا نقشہ بنا کر اپنے پاس رکھے اسکو مقبولیت و عزت حاصل ہوگی۔ مزرع الحسنات اور دلائل الخیرات میں آنحضرت کی قبر شریف کا نقشہ اتار کر لکھا ہے کہ اسکی زیارت عین قبر کی زیارت کا ثواب رکھتی ہے۔ متعدد علماء اہلسنت نے تعزیہ اور امام باڑہ کی تعظیم کو ضروری خیال کیا ہے۔ مولوی سلامت علی بنارسی تبصرہ میں تحریر کرتے ہیں "شک نیست کہ امام باڑہ و نقل تربت شریف بعد مرتب شدن واجب التعظیم است"۔ صاحب مقالہ نے متعدد نام علماء فرنگی محل و کلکتہ کے دیئے ہیں کہ وہ جسوقت امام مظلوم کا تعزیہ دیکھتے اٹھ کھڑے ہوتے اور دونوں ہاتھ تعزیہ کی طرف دراز کر کے بصد احترام فاتحہ پڑھتے تھے اور استفسار پر کہتے تھے کہ یہ تعظیم و فاتحہ امام مظلوم کی ہے کیونکہ یہ تعزیہ موسوم بہ نام نامی امام مظلوم ہے۔ حیدرآباد میں حضرت سردار بیگ صاحب قدس سرہ کے خلیفہ منشی امداد علی صاحب قبلہ جو لوگوں کو صحاح ستہ کا درس دیتے تھے خود تعزیہ بناتے اور نہایت تعظیم سے استادہ کرتے تھے۔ شاہ نیاز احمد بریلوی جب تعزیہ انکے مکان کے روبرو آتا تو اسکو کاندھا دیکر تھوڑی دور تک پہنچایا کرتے تھے۔ اور عبدالرزاق صاحب بانسوی سر و پا برہنہ تعزیہ کے ساتھ رہا کرتے تھے مولانا مجید الدین عرف مولوی مدن صاحب مفتی کلکتہ نے حکام انگلشیہ کے استفسار کے جواب میں تعزیہ کے جواز اور اسکی تعظیم واجب ہونیکا تحریری فتویٰ دیا جو دفتر سرکاری میں محفوظ ہے۔

ثواب گریہ و ماتم کے متعلق صاحب مقالہ نے مشہور سنی عالم ملا حسین واعظ کاشفی کی روضۃ الشہداء کا حوالہ دیا ہے کہ فرماتے ہیں "گریہ و ماتم حسین موجب حصول رضائے ربانی است و سبب حصول ریاض جاودانی چنانچہ در حدیث آمدہ 'مَنْ بَکٰی عَلَی الْحُسَیْنِ اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃَ' (یعنی جو کوئی حسین کی مصیبت پر روئے رلائے یا رونے کی صورت بنائے اس پر جنت واجب ہے) و جار اللہ زمخشری فرماید کہ ہر کہ گریہ بہشت مراورا واجب باشد وہر کہ خود را گریان فرانماید بحکم مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ در وعدہ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃ داخل است۔ گریان فرانمودن ترجمہ ہے۔ "تَبَاکٰی یعنی رونے کی صورت بنانے کا۔ پھر ایکبار رونی صورت بنانا باعث معافی گناہاں کہا گیا تو یہ عقیدہ اسلام کے خلاف کیوں ہوا؟ مولانا جمال علی شاہ نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے مگر ہم نے بہت کچھ اختصار کیا ہے۔ مولانا نے مثنوی مولانا جلال الدین رومی جلد ششم سے حسب ذیل اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

گرد آید مرد و زن جمعے عظیم	؛	ماتم آں خاندان دارد مقیم
نالہ و نوحہ کنند اندر بکا	؛	روز عاشورہ برائے کربلا
روز عاشورہ نمی دانی کہ ہست	؛	یا نمی خوانی ز قرآنے کہ ہست
پیش مومن ماتم آں پاک روح	؛	مشتہر باشد ز صد طوفان نوح

مولانا سید احمد شمسی کاظمی مفتی اعظم ٹونک اور مولانا عبدالواحد فرنگی محلی کے فتاوی کا ذکر پہلے آچکا ہے جس میں انہوں نے قیام و ترویجِ مراسمِ عزا کو نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب و اجرِ عظیم قرار دیا ہے۔ وہاں فارسی کی اصل عبارت درج ہوئی ہے۔ اس کی کچھ سطور کا ترجمہ یہ ہے:۔ "مفتی کو چاہیئے کہ زمانہ کے ماحول معاشرتی حالات و فضا کو نظر میں رکھکر فتویٰ صادر کرے۔ لہٰذا اس عصر کے علمار صالحین نے مراسم عزا کو شعائرِ اسلام تصور کیا ہے اور انکے قیام اور ترویج کو نہ صرف نہایت بجا مناسب بلکہ موجب ثواب و اجرِ عظیم قرار دیا ہے۔"

گذشتہ چند سال کے دوران مخالف و موافق لوگوں کے استفسارات کی بنار پر بزرگ ترین علمار شیعہ سے فتوے حاصل کئے گئے جنمیں آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین النائینی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم طباطبائی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی، آیۃ اللہ سید جمال الدین گلپایگانی، فاضل اجل جناب شیخ عبدالرسول (آل المرحوم صاحب جواہر) اور دیگر متعدد علمار جلیل القدر شامل ہیں۔ انمیں سے ہر ایک نے بالصراحت یہ فتویٰ دیا کہ "علَم، تعزیہ، شبیہ، جلوس، چقچیق، زنجیر، تلوار یا قمع سے ماتم سب پوری طرح جائز ہیں، انکا شمار شعائر اللہ میں ہے اور یہ دین حق کے اعلان اور تبلیغ کا موثر اور بہترین ذریعہ ہیں۔ ان علمانے نصیحتاً یہ بھی فرمایا کہ مراسمِ عزار میں کوئی حرکت بطور کھیل تماشہ کے یا محض دکھانے کیلئے نہ ہونی چاہیئے اور عزا کا حقیقی جذبہ کارفرما رہے۔ تلوار اور قمع کے ماتم میں اپنے کو ہلاک کرڈالنے کی نیت نہ ہو۔" جذبہ عزار کی ایک مثال کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا کہ ۱۹۶۸ء میں ساتویں اور دسویں محرم کو میں نے مدراس میں دیکھا کہ پورا ماتمی گروہ اِدھر ماتم کررہا ہے کہ ہر ایک کے سینہ سے خون رواں ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بھی رواں ہیں۔

راقم الحروف یہاں شیدائیان حسین کو ایک اہل طریقت بزرگ کے اس عمل کی یاد دلا دیتا ہے جنہوں نے روزِ عاشورا غمِ حسین میں اپنے سر کو تیغ سے اس قدر مارا کہ جاں بحق تسلیم ہوگئے اور جنکو اسی روز خواب میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جنت المعلیٰ میں دیکھا گیا۔ یہاں ہم ہندوستان کے ایک مشہور اہل طریقت بزرگ مولانا خواجہ حسن نظامی قبلہ کی تحریر کا حوالہ دیتے ہیں:۔

شیعان علی داعیٔ اسلام غم حسین سب سے بڑا داعیٔ اسلام

اپنی کتاب فاطمی دعوت اسلام مطبوعہ ستمبر ۱۹۲۰ء میں مولانا خواجہ حسن نظامی صفحہ ۱۱ پر رقمطراز ہیں:۔ "حضرت علی اپنی خلافت کے زمانے میں بنی امیہ کی شورشوں کے سبب اس قدر مصروف رہے کہ ان کو اطمینان کے ساتھ ممالک غیر میں باقاعدہ اور باضابطہ دعوتِ اسلام کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ تاہم اُن کے شیعہ اور ان کے روحانی مرید (اہل طریقت) ایران و ہندوستان تک بطور خود اسلام کی دعوت کرتے پھرتے تھے لیکن مورخوں کو سیاسی واقعات لکھنے میں اس قدر محویت تھی کہ انھوں نے

بہت کم ان حالات کی تفصیل لکھی ہے۔ صرف ضمنی طور پر حضرت علی کے زمانۂ خلافت میں ممالکِ غیر کی اقوام کا اسلام قبول کرنا اور ان کے مریدوں اور شیعوں اور طرفداروں کا اشاعت اسلام کی کوششوں میں مصروف رہنا ثابت ہے۔"

صـ۱۱۶ پر "غم حسین داعی اسلام" کی سرخی کے تحت وہ لکھتے ہیں:-

"چونکہ آج تک کسی شخص نے ان طریقوں اور تاثیرات پر توجہ نہیں کی جو اشاعتِ اسلام کا باعث ہوئے تھے یا باعث ہوئے ہیں اسواسطے "غم حسین داعی اسلام" کا لفظ سُنکر بہت لوگوں کو تعجب ہوگا۔ مگر میں واقعی مثالوں سے ثابت کردوں گا کہ ایران اور خصوصاً ہندوستان میں لاکھوں غیر مسلم صرف غمِ حسین کے طفیل اسلام کے زیرِ اقتدار برغبت و رضامندی آئے ہوئے ہیں اگر کوئی باضابطہ جماعت دعوتِ اسلام کیلئے غمِ حسین کے ان طریقوں پر غور کرے جنکو میں آگے چل کر بیان کرنا چاہتاں تو مجھے یقین ہے کہ ان کروڑوں غیر مسلموں کی تعداد میں سے لاکھوں آدمی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ اسلام کے دائرہ میں آجائینگے۔"

غم حسین سے ہندوں کی غیر معمولی دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ صاحب صـ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:-

"غرض کہ ہنود میں سے اکثر غیر مسلم لوگ مسلمانوں سے کہیں زیادہ امام حسین کی ماتم داری میں پوری یکجائی اور پکے یقین و عقیدہ سے حصّہ لیتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں میں نے شمار کیا تو صرف لکھنؤ میں گیارہ سو تعزئے ہندو اقوام کے تھے قصہ مختصر غمِ حسین اسلام کا سب سے بڑا داعی ہندوستان و ایران میں ہے اور داعیانِ اسلام کو اگر اس سے کچھ کام لینے کا خیال پیدا نہ ہو اُن کی بڑی ہی بے عقلی ہوگی۔"

صـ۱۲۲ پر وہ لکھتے ہیں:- "ان تمام باتوں سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ غم حسین نے تیرہ سو برس سے لیکر آج تک جہاں اور بہت سے انقلابات مسلمانوں میں پیدا کئے وہاں اشاعتِ اسلام اور اشاعت اخروِ اقتدارِ اسلام کا کام بھی بہت بڑا انجام دیا ہے اور یہ غمِ حسین کے داعی اسلام ہونے کا بالکل کھلا ہوا اور پورا ثبوت ہے۔"

مولانا شاہد زعیم فاطمی اپنے مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" مطبوعہ رسالہ سرفراز لکھنؤ مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۷ء کے صـ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"اگر یہ واقعۂ کربلا سرے وجود میں نہ آیا ہوتا اور اسکی حیثیت محض ایک لوک کہانی کی سی ہوتی جب بھی یہ دردناک واقعہ اس امر کا حقدار تھا کہ سال میں چند مخصوص ایام اس کی یادتازہ رکھنے کے لئے وقف کر دیئے جاتے۔"

میرے خیال میں کسی شخص کا اور بالخصوص کسی مسلمان کا حضرت حسینؑ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہوئے

سیدالشہدا کی بے پناہ مصیبتوں اور دردناک شہادت اور خانوادۂ رسول کی تباہی پر کسی کے ماتم کرنے کو مضحکہ خیز قرار دینا بجائے خود مضحکہ خیز ہے اور نفسیات انسانی اور محبت حقیقی کے تقاضوں سے افسوسناک بیخبری کی خبر دیتا ہے۔ زبانی دعویٰ بلا دلیل و شہادت کوئی معنی نہیں رکھتا اور پھر محبت ایسی چیز ہے کہ اگر فی الواقع ہو تو چھپتی بھی نہیں اس کے آثار خود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ محبت کی نفسیات کا نقشہ مولانا حافظ نے دو شعروں میں خوب کھینچا ہے۔

دوش مرغ چمنی با گل نو خواستہ گفت ۔۔۔ ناز کم کن کہ دریں بزم بسے چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم و لے ۔۔۔ ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت

یعنی کوئی عاشق ایسی بات نہیں کہتا جسکی تاویل معشوق کے خلاف کیجا سکتی ہو۔ اس عنوان کو ہم مولانا سید شاہ غلام علی حسن صاحب الجائسی السمنانی سجادہ نشین درگاہ مخدوم جہانگیر اشرف کے ایک مرثیہ کے تین چار بند کے اندراج پر ختم کرتے ہیں جس سے ماتم کے متعلق اہل طریقت بزرگوں کے خیالات کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت جائسیؒ صوفی شاہ روشن علی قدس سرہ سے بیعت رکھتے تھے اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ لکھنو کے شیعہ مجتہد مولانا سید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہ سے آپکی خاص دوستی تھی۔ حضرت جائسی نے ایک لاکھ روپے کے صرفہ سے ایک بڑا امام باڑہ تعمیر کرایا اور امام حسین علیہ السلام کی ضریح کا نمونہ اسمیں رکھا۔ اس امام باڑہ میں آپکے مرید کثیر تعداد میں تھے۔ جب انھوں نے مرشد کا یہ رنگ اور عزائے حسین ہر انہماک دیکھا تو آپسمیں مشورہ کیا کہ محرم سے پہلے ان کو حج کیلئے بھیج دینا چاہئے اور رقم جمع کرکے مرشد کے سامنے رکھدی۔ مرشد نے کہا کہ سیدالشہدا کا مہینہ آ رہا ہے۔ ان کی سرکار سے حکم حاصل کرکے حج کو جاؤنگا۔ اور مریدوں کی وہ رقم واپس کردی۔ شاہ صاحب مراقبہ میں تھے کہ امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا علی حسن ہیں اس سال محرم میں تمہارے پاس آنے والا ہوں۔ شاہ صاحب محرم کی تیاری میں مصروف ہوگئے اور حج کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ماتم ہے چراغ حرم لم یزلی کا ۔۔۔ ہر قلب کو صدمہ ہے نبی ابن نبی کا
عالم ہے عزا خانہ امام ازلی کا ۔۔۔ ہر سمت ہے غل ہائے حسین ابن علیؑ کا
برپا ہے عزا سبط رسول مدنی کی
افلاک سے آتی ہے صدا شیعہ زنی کی

کہتا ہے تولا کہ ہے تعظیم علم فرض ۔۔۔ اور تولۂ ماتم سلطان امم فرض
یہ درد و مصیبت ہے بصد دیدۂ نم فرض ۔۔۔ اور جمع و مساشرکت ہر مجلس غم فرض
گر دغدغہ تشنگی روز جزا ہے
واجب پسر ساقی کوثر کی عزا ہے

بزمِ پسرِ حیدرِ کرّار کے صدقے | اور میرِ سرِ دفترِ اخیار کے صدقے
رعبِ عَلَمِ احمدِ مختار کے صدقے | اور نقلِ مزارِ شہِ ابرار کے صدقے

اس مجلسِ اقدس کے مکانوں کے تصدق
ماتم کے فدا تعزیہ خانوں کے تصدق

دن غم کے ہیں لیکن یہ وہ ہے عالمِ قدرت | ہر موج ہوا میں بخدا پھولوں کی نکہت
ہر گھر میں ہے پُر رونق کدۂ خلد کی زینت | ہر کوچہ ہے رشکِ روشِ گلشنِ جنت

ہر چار طرف جلوۂ الطافِ خدا ہے
فیضانِ عزاداریٔ شاہِ شہدا ہے

مختصر بات لوگ ایسے بے بصر ہیں کہ آنکھوں کے سامنے کی چیز نظر نہیں آتی۔ حضرت ابراہیم کو ایک دفعہ آگ نہ جلا سکی تھی تو آج تک اسکا چرچا ہے اور ہر شخص اُس واقعہ کی اہمیت کا معترف ہے۔ مگر یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ ایک دفعہ نہیں بلکہ چودہ سو برس سے ہزاروں لاکھوں دفعہ دیکھا گیا اور آج بھی شیعوں کے متعدد گھروں میں آگ کا فرش کر کے عَلَمِ حسینؑ ہاتھ میں لیکر سیکڑوں مرد، عورت، بچے اُس پر سے بے تکان گزر رہتے ہیں۔ یہی نہیں کہ شیعہ ہونے کی شرط ہو۔ کسی فرقہ کا مسلمان ہو۔ یہ بھی نہیں ہندو ہو کہ پارسی، عیسائی عَلَم کے پیچھے سب آگ پر سے گزر جاتے ہیں۔ بعض جگہ تو ہندو ہی عملِ آتشین کے نام سے اس آگ کا انتظام کرتے ہیں اور ہندو ہی علم ہاتھ میں لیکر ایک لمبے چوڑے آگ کے فرش پر سے گزرتے ہیں اور ان کے پیچھے ہندو، مسلمان سب آگ پر سے چلتے ہیں۔ حال میں ماہ محرم ۱۴۰۵ھ دور درشن دہلی سے لکھنو کی ایک مجلس عزا میں جوان بچے سب آگ پر سے چلنے کی تصویر کشی کر کے ٹی۔ وی پر دکھائی گئی تھی۔ یہی نہیں کہ علم حسینؑ ہی سے منسوب ہو۔ بلکہ کربلا میں حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والے حسینؑ کے بچوں، بھتیجوں، بھانجوں کسی کے نام کا علم ہو، بیمار کربلا امام زین العابدین کا علم ہو، ابا الفضل العباس علمدار کربلا کے نام کا علم ہو، شہزادہ علی اکبر یا شہزادہ قاسم کا علم ہو یا شہزادہ علی اصغر ششماہہ کا گہوارہ ہو، یا زندانِ شام میں شہید ہونے والی حسینؑ کی چار سالہ بچی سکینہ کا تابوت ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان سب کے پیچھے آگ پر سے سب اُسی طرح گزرتے ہیں جیسے علم حسینؑ کے پیچھے۔ اربابِ عقل ایمان سے بتائیں کہ یہ حسینؑ کا معجزہ ہے کہ نہیں۔ حضرت ابراہیم کے ایک منفرد واقعہ کا وہ شہرہ اور آج تک گویا روزانہ (خصوصاً محرم میں) علم حسین لیکر آگ پر سے چلنے کا سلسلہ جاری ہے لا متناہی کسی پر (بلطایہ) کوئی اثر نہیں کرتا۔ ورنہ یہ ایک ہی آنکھوں کے سامنے کا یہ واقعہ ایسا ہے کہ ہر شخص حسینی بن جائے یعنی دینِ حسینی اختیار کرلے۔ مگر جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ معجزہ کو دیکھ کر بھی کب قائل ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا (انعام آیت ۲۵) یعنی اگر وہ ساری خدائی کے معجزے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں جہاں حسبِ ارشادِ قرآن صفا و مروہ کی پہاڑیاں، قربانی کے جانور، انکے گلے میں بندھی ہوئی رسی تک شعائر اللہ ہو تو حضرت رسول کا علم جو کربلا میں حسین کا علم قرار پایا کس طرح شعائر اللہ نہ ہوگا جس سے معجزات کا ظہور روزمرہ کی بات اور اس قدر عام ہے کہ اسکو کوئی غیر معمولی بات سمجھنے کے تصوّر کی شدت میں بھی کمی ہوگئی ہے یعنی یہ کہ حسین کے لئے یہ تو معمولی بات اور روز کا معمول ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ؕ (سورۂ حج آیت ۳۲) یعنی جس شخص نے خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی تو کچھ شک نہیں کہ دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔

سورۂ یونس کی آیت ۷ وہ ہے: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

یعنی: جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکا ٹھکانا جہنم ہے۔

اِس سلسلہ میں ہمکو اور کچھ کہنا نہیں ہے۔

علم حسینؑ سے معجزات کا ظہور

علم حسین کے معجزات آج بھی دُنیا میں ایک زندہ اور جاریہ حقیقت ہیں۔ نہ تو یہاں کسی خرقِ عادات کا سوال ہے نہ کسب وریاض وشعبدہ کا۔ مرد عورت بوڑھے بچے خواہ کسی قوم وملت ہوں جس کا جی چاہے آج بھی علم حسینؑ کے نیچے آگ پر چل کر دیکھ لے۔ نارِ نمرود نے صرف ایک مرتبہ حضرت ابراہیم کے لئے اپنے آتشیں اثر کو چھوڑا تھا۔ مگر علم حسینؑ نے حسینؑ کا نام لینے والوں کے لئے تاقیامت آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ تاریخوں میں علم حسینؑ کے متعدد معجزے درج ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر ایک متعصب بادشاہ کہا جاتا ہے۔ مگر تاریخ میں دو واقعات ایسے ملتے ہیں (اور ممکن ہے کہ اور بھی ایسے واقعات ہوں) جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حسینؑ کے معجزات کا وہ بھی قائل ہو چکا تھا۔

اورنگ زیب کا ایک فرمان مورخہ ۱۸ رجب ۱۱۰۰ھ الاوہ سر طوق مبارک کے متولی کے پاس موجود ہے اور جس ضمن میں یہ فرمان جاری ہوا ہے اس کا عنوان ہے: "مسدودی عاشورخانجات"۔ جب اورنگ زیب وارد دکن ہوا اور آخری بادشاہ قطب شاہی ابوالحسن تاناشاہ کے مقابلہ میں اسکو جنگ میں کامیابی ہوئی اور تاناشاہ کو قید کر دیا تو اس کے بعد ہی اورنگ زیب نے تمام عاشورخانجات کی مسدودی کا حکم دیدیا۔ متذکرہ صدر فرمان کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تمام عاشورخانجات بند کروا دیئے گئے تو اورنگ زیب کے علم میں لایا گیا کہ بعض علم مبارک ایسے ہیں جن سے معجزے صادر ہوتے ہیں چنانچہ فرمان میں وہ لکھتا ہے اس نے چند علموں کے معجزوں کا اطمینان کرکے صرف ان کی حد تک ایستادہ کئے جانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد اس کے علم میں لایا گیا کہ "علمِ سر طوق مبارک" بھی ایسا ہے جس سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ

اس علم میں وہ اصلی قفل موجود ہے جو اس طوق میں ڈالا گیا تھا جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کے فرزند بیمار امام زین العابدین علیہ السلام کو زنجیر و سلاسل میں جکڑنے کے بعد آپ کی گردن میں پہنایا گیا تھا۔ یہ علم محلہ اعتبار چوک کے ایک عاشور خانہ میں ایستادہ ہوا کرتا تھا۔ اورنگ زیب نے اس کے معجزات کا اطمینان کرنے اپنے خاص معتمد علیہ وزرار کو مامور کیا۔ چنانچہ یہ علم ایک ہاتھی کی پیٹھ پر رکھکر عاشور خانہ اعتبار چوک سے باہر نکالا جانے لگا۔ جونہی ہاتھی اس کو لے کر آگے بڑھا تو ہاتھی کی کمر شق ہوگئی۔ اس کے بعد ایک دوسرا ہاتھی منگوایا گیا اور علم مبارک اس کی پیٹھ پر رکھکر پھر نکالا گیا۔ اس دوسرے ہاتھی کی کمر بھی شگافتہ ہوگئی اور علم کے بار کو نہ اٹھا سکا (حالانکہ با عتبار وزن کے اس علم کو ایک بچہ بھی اٹھا سکتا ہے) اورنگ زیب لکھتا ہے کہ "لیغور اس علم کے میں اجازت دیتا ہوں کہ اس علم کو ایستادہ کیا جائے اور چونکہ اعتبار چوک کا عاشور خانہ با اعتبار وسعت چھوٹا ہے اس لئے اس علم کو منتقل کر کے" دارالشفاء" میں ایستادہ کیا جائے جو ایک وسیع عمارت ہے تاکہ اس محلہ کے تمام رہنے والے اس علم کے فیض و برکت سے شفا پائیں۔ چنانچہ یہ علم مبارک دارالشفا کی اس عمارت میں اب تک ایستادہ کیا جاتا ہے جو اب الاوہ سر طوق کے نام سے موسوم ہے امام بیمار کربلا کے سر کے طوق کے قفل کی مناسبت سے اس عاشور خانہ کا نام الاوہ سر طوق پڑ گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس فرمان کا اصل متن درج کرتے ہیں۔

فرمانِ شہنشاہ عالمگیر

فرمان جہانمتاع خورشید شعاع منشور الامع واجب الاتباع از دیوان ہمایوں میمنت مقرون عزت و جلالت اقبال دستگاہ فراز شدہ رایات شجاعت و مردانگی طرازیدہ آیات شہامت فرزانگی خانمایاں عالیشان رفیع القدر منیع المکان سلطان السلطان نواب محمد عالمگیر بادشاہ غازی برائے مسدودی عاشور خانجات وغیرہ صادر شدہ کہ تا وقتیکہ از ہر علم وغیرہ معجزہ بر کرامات ملاحظہ نہ خواہیم جاری نخواہیم داشت پس آں وقت مرزا حشمت علی بیگ بحضوری والاحاضر آمدہ عرض نمودند کہ ایں تبرک مبارک وعبدالسلطان عبداللہ آغا محسن خراسانی ہمراہ خود از شام آورد بموجب حکم شاہی علم نیاز کنانیدہ در آوار چوک ایستادہ میکردند چنانچہ دو وقت بموجب فرمان علم مبارک را بر پشت فیل بروں آورد کمر فیل شق گردید پس بمجرد استماع ایں کشمت معجزات فرمان صادر شدہ کہ ایں متبرک علم مبارک را در دارالشفا شاہی کہ جائے وسیع ماندن تبرکِ بیمار کربلا در دارالشفاء برائے بیماران باعث شفا کلی ست ایستادہ نمایند در سال جاری دارند ہمچوں تبرک بعلم مبارک مرزا حشمت علی سپرد شد فرمان واجب الاذان صادر شدہ کہ روزِ روغن بلاوضع از جملہ خرچ شفا رخانہ برائے عود گل عاشور خانہ از تاریخ فرمان والا متولی مذکور رسانید۔ نقل فرمان مجلی گرفتہ

اصل را باز دھند و بحکم فرمان عالی آرند فقط تحریر التاریخ چہارم ماہ رجب المرجب ۱۱۱۰ھ

ایک روایت یہ کی جاتی ہے۔ جس کا ذکر پروفیسر سیل چند کی تاریخ عالمگیری میں بھی ہے کہ جب اورنگ زیب نے مسدودی عاشور خانجات کا حکم دیا اور کسی جگہ بھی علم نہ بٹھانے کا حکم دیا تو بہت سے عاشور خانے بند ہو گئے اور خانگی گھروں میں بعض لوگوں نے علم پوشیدہ طور پر ایستادہ کئے۔ ایک بڑھیا نے جو قدیم سے علم بٹھایا کرتی تھی، یہ ارادہ کیا کہ حسب معمول علم بٹھاؤنگی اور روز عاشورہ اورنگ زیب کی قیام گاہ کے سامنے سے لے کر نکلوں گی چنانچہ دسویں محرم کو یہ بڑھیا معہ اپنے کمسن نواسہ نواسیوں وغیرہ کے علم اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے حسینؑ حسینؑ کہتی ہوئی نکلی اور اورنگ زیب کی قیامگاہ سے گزری اورنگ زیب نے کہاکہ یہ کیسا شور ہے اور کھڑکی میں سے نظر ڈالکر اپنے مصاحبوں کو حکم دیاکہ بڑھیا کو گرفتار کر لیا جائے پھر جو اورنگ زیب نے نظر غائر ڈالی تو کیا دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علم حسینؑ کے جلوس میں بڑھیا کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں اورنگ زیب نے سر دپا برہنہ بڑھیا کے پیچھے دوڑ پڑا اور تعزیہ لیکر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے چھوٹے بیٹے معظم جاہ کو خط لکھا کہ بیٹا دُنیائے دو روزہ تو کسی طرح گزر جاتی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ عاقبت کا سہارا حسینؑ ہے"۔

مولانا ابوالکمال سید احمد شمسی کاظمی مفتی اعظم ٹونک اپنے مقالہ "مسلک اہل سنت اور عزاداری پر تحقیقی نظر شریعت اور طریقت کی روشنی میں" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صٖ پر تحریر فرماتے ہیں" ہندوستان کے مسلم سلاطین میں سب سے زیادہ کٹر سُنّی مسلمان حضرت محی الدین عالمگیر اورنگ زیب نقشبندی کو کہا جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تعزیہ داری کو انھوں نے بھی بند نہ کیا بلکہ اس میں دلچسپی لی۔ چنانچہ ایک عظیم مورخ سیل چند نے اپنی کتاب "تاریخ عالمگیری" میں لکھا ہے کہ روز عاشورہ اورنگ زیب نے ایک ضعیفہ کو دیکھا کہ سر پر تعزیہ رکھے قلعہ کی طرف جارہی ہے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی بادشاہ پر جذب و استغراق کی کیفیت جو کشف و مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے طاری ہو گئی جس سے وہ سر وپا برہنہ اس ضعیفہ کی طرف پیچھے پیچھے دوڑ پڑا یہاں تک کہ تعزیہ اس سے لیکر اپنے سر پر رکھ لیا اور قلعہ میں داخل ہوا اور اسی وقت سے عزاداری کرنے لگا۔ واضح ہو کہ عہد عالمگیری کے اسباب عزاداری ابھی آگرہ کے قلعہ میں محفوظ تھے جن کی حفاظت گورنمنٹ خود کرتی تھی یہی نہیں بلکہ آگرہ کے قلعہ میں گورنمنٹ کی طرف سے مجالس عزا بھی برپا ہوتی تھیں"۔

مفتی اعظم ٹونک صٖ پر مزید لکھتے ہیں:-

"اسی طرح عالمگیر کی تعزیہ داری کے سلسلہ میں ہم ایک داخلی شہادت پیش کرتے ہیں۔ عہد عالمگیر کا مشہور مورخ خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ برہان پور میں تعزیہ داروں کا یہ دستور تھا کہ مجلس کے بعد تعزیہ اٹھایا کرتے تھے جس پر وہاں کے متعصب سنیوں نے اعتراض کیا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کی

عدالت تک معاملہ پہنچا۔ لیکن منصف متشرع بادشاہ نے فیصلہ تعزیہ داروں کے موافق کیا۔

عالمگیر نے وقتِ آخر یہ وصیت کی تھی کہ خاک شفاء (کربلا معلےٰ کی مٹی) اس کی میت پر مل دی جائے اور قبر میں) چھڑک دی جائے اور وصیت میں یہ بھی لکھا کہ دریائے عصیاں میں غرق گنہ گاروں کے لئے امام حسین علیہ السلام کی درگاہ سراپا رحمت و مغفرت میں التجا کرنے کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔ اسی وصیت نامہ میں عالمگیر نے آیات وآتِ ذا القربیٰ حقہ۔ وقل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آل رسول کی محبت اجر نبوت ہے اور دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کا ثمر ملتا ہے اس نے اپنے ورثاء کو تاکید کی کہ سادات کرام کے احترام اور نیک سلوک میں کوئی فروگذاشت اور کوتاہی ہرگز نہ کرنے پائیں۔ عالمگیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا کفن اوسکی ٹوپیاں سینے کی آمدنی چار روپے ۲ دو آنے سے خریدا جائے اور کتابت قرآن سے جو تین سو پانچ روپے اس نے جمع کئے ہیں وہ فقراء میں تقسیم کئے جائیں اور کفن اور دیگر سامان اس سے نہ خریدا جائے کیونکہ فرقہ شیعہ کے نزدیک کتابت قرآن کی رقم سے کفن و ضروریات خریدنا جائز نہیں ہے۔ ان بارہ وصیتوں کے آخر میں عالمگیر نے یہ لکھا ہے کہ بحق و تبارک (ائمہ) اثنا عشر بارہ وصیتوں پر خاتمہ کیا گیا۔ عالمگیر کی بارہ وصیتیں وقائع عالمگیر میں طبع ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے چند کو بجنسہ نقل کرتے ہیں (ملاحظہ ہو وقائع عالمگیر سلسلہ نمبر ۵۔ ص ۱۲۳ تا ۱۲۶ طبع کردہ چودھری احمد سندھوی ۱۳۵۴ ف) وصایا در وقت آخر: اول آنکہ ایں عاصی غرق معاصی را تلحیف و تفریش تربت مطہرہ مقدسہ حسین علیہ السلام نمایند کہ مغرقان بحار عصیاں را بغیر از التجا باں درگاہ مرحمت و غفراں پناہ نیست۔ دوم آنکہ چہار روپیہ دو آنہ از وجہ کلاہ دوزی نزد آیہ بیگم محلدار است بگیرند و صرف کفن ایں بیچارہ نمایند و سہ صد و پنج روپیہ از وجہ کتابت قرآن در صرفِ خاص است روز وفات بہ فقرا بدہند۔ ازیں راہ کہ زر کتابت قرآن نزد فرقہ شیعہ حرمت دارد و مکفن و مایحتاج آں صرف نکنند۔ پنجم آں کہ بر بالائے صندوق تابوت پارچہ سفید کندہ کہ گزی گویند پوشش نمایند و از شامیانہ و بدعت مغنیان و مولود احتراز کنند۔ ہفتم آنکہ بہتر از ایرانی برائے متصدی گیری نیست و در جنگ ہم از عہد حضرت جنت آشیانی تاحال احدے ازیں فرقہ از معرکہ روگرداں نہ شدہ و پائے استقامت اینہا نہ لغزیدہ معہذا اگاہے خود سری و حرام نمکی نہ کردہ اند۔ لیکن چوں بسیار عزت طلب اند با اینہا ساختن بسیار مشکل بہرحال باید ساخت۔

نہم آنکہ۔ بہ سادات لازم السعادات بارھہ بموجب آیت وآتِ ذا القربیٰ حقہ عمل باید نمود۔ در احترام و رعایت فروگذاشت نباید کرد ازیں راہ کہ بموجب آیت کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ محبت ایں جماعت اجر نبوت است ہرگز مقصر نباید بود کہ ثمر خیر دینی و آخرت است۔ بہ سادات بارھہ کمال احتیاط باید نمود۔ در محبت باطنی قصور نباید کرد۔ بہ تبارک اثنا عشر اختتام بر دوازدہ وصیت

کردہ شدہ۔

شہنشاہ اورنگ زیب مختلف جنگوں میں جو تلوار اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے تھے اس پر یا اللہ یا علیؑ طغرہ کی شکل میں لکھا ہوا ہے۔ یہ تلوار دہلی کے لال قلعہ میں آثارِ قدیمہ کے میوزیم میں اب بھی محفوظ ہے۔

تاریخ فرشتہ جلد صفحہ ۱۱۵ پر درج ہے کہ دکن کے خاندان نظام شاہی کے سنی المذہب بادشاہ احمد نظام شاہ کا بیٹا برہان نظام شاہ ۹۱۴ھ سے لیکر ۹۶۱ھ تک بادشاہ تھا۔ اس کا بیٹا عبدالقادر تپ محرقہ میں مبتلا ہوا تمام حکیموں کے علاج کروائے ہندو مسلمان سب سے دعائیں کروائیں مسجدوں تبخانوں میں تک صدقے بھجوائے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور حالت دن بدن خراب ہوتی گئی اور زندگی سے مایوسی ہو گئی اس وقت مولانا سید شاہ طاہر نے جو ایک ایرانی عالم تھے اور احمد نگر آکر بحالت تقیہ بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر میری زندگی کی ضمانت فرمائیں تو شاہزادہ کی شفاء کے بارے میں ایک تدبیر عرض کروں بادشاہ نے کہا بیان کیجئے۔ سید شاہ طاہر نے کہا اگر خدا کے فضل سے شاہزادہ کو آج شب میں شفا ہو جائے تو آپ حضرات ائمہ معصومین کی اولاد یعنی سادات کو کچھ مال و دولت عطا فرمائیں جو کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ برہان شاہ نے کہا ائمہ معصومین کون ہیں۔ شاہ طاہر نے بارہ ائمہ اہلبیتؑ کے نام سنائے برہان شاہ نے کہا جب میں تبخانوں میں نذریں گزران چکا ہوں تو کیا مولا مشکل کشا اور بی بی فاطمہ کے فرزندوں کے نام لوازم نذر بجا لانے میں کوئی عذر کروں گا۔ شاہ طاہر کو ہمت ہوئی۔ آپ نے کہا بس تو آج شب جمعہ ہے بادشاہ نذر کرے کہ اگر جناب ہادی حضرت محمد مصطفےٰ فاطمہ زہرا اور حضرات ائمہ اثنا عشر کے طفیل میں آج شب کو شہزادہ عبدالقادر کو شفا عطا فرمائے گا۔ تو آپ ائمہ اثنا عشر کے نام کا خطبہ پڑھوا کر مذہب شیعہ قبول کریں گے۔ برہان نظام شاہ جو شہزادہ کی زندگی سے مایوس ہو چلے تھے شاہ طاہر سے ایسی امید افزا بات سنکر خوش ہو گئے اور اسی وقت شاہ طاہر سے عہد و پیمان کر لیا۔ نذر کے بعد بادشاہ شہزادہ کے پلنگ کی پٹی سے لگے بیٹھے رہے ہر چند شہزادہ کو لحاف اوڑھانے کی کوشش کی جاتی مگر وہ بے چینی میں تڑپ کر لحاف پھینک دیتا بادشاہ اور ملکہ امید و بیم کی حالت میں بیٹھے رہے صبح ہونے کے قریب بادشاہ پٹی پر سر رکھکر سو گئے خواب میں کیا دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت ان کے سامنے آئے اور ان کے داہنے بائیں بھی بارہ بزرگ تھے شاہ استقبال کر کے مودب کھڑے ہو گئے تو ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ تو جانتا ہے یہ کون ہیں یہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ بزرگ جو ان کے داہنے بائیں ہیں دوازدہ ائمہ علیہم السلام ہیں حضرت سرور کائنات رسالت پناہ نے فرمایا اے برہان حق سبحانہ تعالیٰ نے علیؑ اور ان کے فرزندوں کی برکت سے عبدالقادر کو شفا بخشی اب تجھے لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے سے تجاوز نہ کرے۔

برہان نظام شاہ خواب سے خوش حال بیدار ہوئے تو دیکھا شہزادہ پر لحاف پڑا ہوا ہے ملکہ اور

شہزادہ کی دایہ سے (جو برابر جاگتی تھی) معلوم ہوا کہ کسی نے اس پر لحاف ڈالا نہیں بلکہ اسی لحظ خود بخود حرکت کرکے شہزادہ پر جا پڑا بادشاہ نے ہاتھ ڈالکر دیکھا تو بخار اتر چکا ہے اور شہزادہ خواب راحت میں سوتا ہے اور بالکل صحتمند ہے۔ اس کے بعد برہان نظام شاہ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور مذہب شیعہ اختیار کرکے اپنی سلطنت کے خطبوں میں بارہ اماموں کے نام جاری کروا دیئے۔

مولوی عبدالرشید صاحب صدیقی یم اے بی ایڈ سابق مہتمم تعلیمات نظام آباد نے مجھ سے بیان کیا کہ زمانہ طالبعلمی علی گڑھ میں وہ ایام عزا کی طرف مطلق دھیان نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ دسویں محرم (روز عاشورہ) کو علم اور تعزیوں کے جلوس کا محض تماشہ دیکھنے کے خیال سے وہ نکلے اور ایک نیا جوتا جو پہلے سے خرید کر رکھا ہوا تھا پہن کر چلے۔ موصوف کا بیان ہے کہ وہ کسی آگ کے ڈھیر کی طرف بھی نہیں گئے تھے مگر نہ معلوم کیا واقعہ ہوا وہ جوتا پاؤں میں سے نکل گیا اور موصوف ایک آگ کے ڈھیر میں جا پڑے اور دونوں پاؤں بری طرح جلس گئے۔ ان کا بیان تھا اس دن سے انھوں نے توبہ کی کہ عشرہ محرم میں کوئی نئی چیز استعمال نہ کروں گا اور ایام عزا کا احترام کروں گا۔ چنانچہ موصوف نظام آباد میں خود اپنے مکان میں محرم میں مجلس عزا منعقد کیا کرتے تھے اور خود بھی سلام لکھتے تھے۔

مولوی قاضی بہاء الدین قاضی و جاگیردار کھم اپنی جاگیر میں علم خود اٹھایا کرتے تھے انھوں نے اور مولوی عبدالرحیم صاحب بنجدار کھم نے اور متعدد دیگر سنی اصحاب نے اپنے چشم دید معجزات علم حسین کے مجھ سے بیان کئے بخوف طوالت دہرانا مقصود نہیں۔

میری والدہ صاحبہ قبلہ کو (جن کو متعدد مرتبہ خواب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر انبیاء اور پنجتن پاک علیہم السلام و جناب خدیجہ علیہا السلام اور بعض ائمہ طاہرین کی بھی زیارت نصیب ہوئی) ایک مرتبہ خواب میں حضرت رسول خدا نے جبکہ حضرت علی مرتضی بھی آنحضرت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے ایک علم عنایت فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ یہ حسین ع کا علم ہے تم رکھو۔ حضرت والدہ صاحبہ نے یہ خواب سب سے بیان کیا اور علم مبارک استادہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے بعد میں نے اپنے مستقر ضلع سے آکر ایک بالکل اسی قسم کا علم تیار کروایا جیسا خواب میں والدہ صاحبہ کو عطا ہوا تھا۔ اور پھر انہیں کے ہاتھ سے ایستاد کروایا۔ ضلع سے آنے تیار کروانے اور ایستاد کروانے تک چوتھی محرم ہوگئی، اس کے بعد کا یہ حال رہا کہ متعدد سالوں میں عین چوتھی محرم ہی کو (یعنی جس تاریخ علم ایستاد ہوا تھا) میرے لئے کئی فائدے کے واقعات رونما ہوئے جن میں میری دو ترقیاں (ملازمت میں) میرے لڑکوں کی کامیابیاں اور کچھ غیر متوقع مالی فائدہ وغیرہ شامل ہیں جن میں سے ہر ایک واقعہ ہر محرم ہی کو ہوا۔ فیض روحانی یہ رہے کہ اس خادم ہیچ میرز کو بھی خواب میں پنجتن پاک علیہم السلام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام حضرت ابالفضل العباس علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، اسیران کربلا علیہم السلام اور معصوم شیر خوار حضرت علی اصغر علیہ السلام کی زیارتیں بعض ایک، بعض دو، بعض تین بعض چار، بعض پانچ مرتبہ نصیب ہوئیں۔

اور بعض امور دین کی تشفی میرے سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے آقا و مولا حضرت علی علیہ السلام نے فرمائی اور روحی لہ الفداہ سرکار دو عالم حضرت سرورِ کائینات رحمت اللعلمین نے میری بعض کوششوں کی داد دیکر فرمایا کہ میں اس کی تحریر کو اور خود اسکو عزیز رکھتا ہوں اور جب حاضرین نے کہا کہ یہ سوالات کرکے سرکار کو زحمت دیتے جاؤگے تو سرکار نے فرمایا اسکو مجھ سے پوچھنے دو۔ پوچھے گا نہیں تو معلوم کیسے ہوگا۔ سرکار دو عالم کے اس عطیہ علم مبارک کے متعلق ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے جس زمانہ میں میں ورنگل میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا پولیس محکمے کے ایک قابل اور نیک عہدہ دار عبدالمجید صاحب سبحانی کا بعض مبینہ سنگین جرائم کے تحت میرے اجلاس پر چالان پیش کیا گیا۔ یہ پولیس ایکشن کے بعد کا زمانہ تھا پراسیکیوشن نے شہادت ایسی پیش کی جو بادی النظر میں ہر طرح قوی تھی۔ بحث کی نوبت پر حیدرآباد کے قابل وکلا لائے گئے جن میں سے بعض کے تحت میں خود سابق میں کام کرچکا تھا۔ میں نے اپنے ضمیر و عقل کے مطابق عمل کرکے اس شہادت پیش شدہ کی بنیاد پر ملزم پر فرد جرم عائد کردی۔ اس دوران میں محرم کا زمانہ آیا۔ عبدالمجید سبحانی کی والدہ (سُنّی المذہب تھے) حیدرآباد میں جہاں ہمارا یہ علم ایستادہ ہوتا ہے آکر علم مبارک کے سامنے نذر مانی اور امام حسین علیہ السلام کا واسطہ دیکر دعا مانگی کہ ان کا بے گناہ بیٹا چھوٹ جائے (خدا شاہد ہے کہ اس بات کی اطلاع مجھے مقدمہ ختم ہونے کے بہت بعد ہوئی) مقدمہ کا یہ حال رہا کہ مرزا شکور بیگ صاحب ایڈوکیٹ نے جو اس وقت ملزم کی طرف سے پیروی کررہے تھے۔ پولیس کے بعض اہم گواہوں کو جرح مکرر کیلئے طلب کیا جن میں کھمم کے نیک نام اور ممتاز تاجر کنھیا پرشاد بھی شامل تھے۔ انھوں نے نہایت مخلصانہ طریق پر نہ صرف اپنے سابقہ بیان کے خلاف ہی بیان دیا بلکہ ملزم کی طرف سے ناقابل تردید حقائق کی شہادت دیدی اور بیان کیا کہ نہ معلوم سابقہ بیان کے وقت پریشانی میں ان کا دماغ ماؤف تھا یا کس طرح انھوں نے وہ بیان دیدیا تھا کنھیا پرشاد صاحب کے اس بیان پر میں نے عبدالمجید سبحانی کو بری کردیا۔ بعض دوستوں نے میرے بے لاگ انصاف پر مبارکباد بھی دی۔ اس کے بعد کے سال جب عبدالمجید صاحب کی والدہ علم مبارک پر اپنی نذر پوری کرنے آئیں تو اس وقت انھوں نے میری اہلیہ سے سارا حال بیان کیا۔ میرے فرد جرم عائد کرنے کے بعد باسباب ظاہر میرے ہاتھ سے ملزم کی برأت کی کوئی صورت نہ تھی۔ مگر منجانب اللہ ملزم کی برأت کا یہ سامان پیدا ہوا جس سے ایک طرف تو بیگناہ شخص سزا سے بچ گیا اور دوسری طرف میں غلط فیصلہ کرنے کے گناہ سے محفوظ رہا۔

سفر زیارات عراق و شام و مشہد مقدس میں بھی بعض واقعات چھوٹے چھوٹے ہی سہی ایسے گزرے جن کو میں ائمہ طاہرینؑ علیہم السلام کے معجزے سمجھتا ہوں۔ ان کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ بہرحال علم حسینؑ کے معجزات کے بکثرت واقعات سننے اور دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ آج بھی ہر سال ہر شہر میں متعدد

مقامات پر علم حسینؑ لئے ہوئے ہندو مسلمان ہر قوم و ملت کے لوگ ننگے پاؤں دھکتی ہوئی گھنٹہ برابر اونچی آگ میں سے نکل جاتے ہیں۔ محلہ شیر آباد حیدر آباد کے عاشور خانہ کے تو متولی ایک ہندو صاحب ہیں۔ جو خود علم حسین اپنے ہاتھ میں لے کر آگ میں سے گزرتے ہیں۔ زنانی مجلسوں میں عورتیں بھی علم مبارک لئے ہوئے آگ میں سے گزرتی ہیں یہ ایک زندہ معجزہ ہے جو سالہاسال سے آج تک برابر جاری ہے۔

ایک ہندو اہل دل کا اظہار عقیدت

ذیل میں ہم جناب وشوناتھ پرشاد صاحب ماتھر لکھنوی کے مقالہ "حسین اور بھارت" مطبوعہ محرم ۱۳۸۳ھ کا کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں جن کے مختلف مقالے "اسلام کیونکر پھیلا" اور "ہمارے ہیں حسینؑ" وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت حسینؑ کی ذات سے کیا عقیدت ہے۔

جناب ماتھر نے اس کو ایک اچھوتے اور خاص رنگ میں پیش کیا ہے اور اس وقت سے جب بھارت میں مسلمان آئے بھی نہ تھے بھارت والوں کی حسینؑ سے عقیدت کی ایک مستقل بنیاد پیش کی ہے جسکو ہم ناقابل تردید اور خلوص سے مستحکم پاتے ہیں موصوف رقم طراز ہیں:۔

آنکھ میں ان کی جگہ دل میں مکاں شبیرؑ کا — یہ زمیں شبیرؑ کی یہ آسماں شبیرؑ کا
جب سے آنے کو کہا تھا کربلا سے ہند میں — ہو گیا اس روز سے ہندوستاں شبیرؑ کا

محرم ۶۱ھ میں حضرت محمد صاحب کے چھوٹے نواسے حضرت امام حسینؑ نے بھارت کی سرزمین پر آنے کا ارادہ فرمایا تھا اور انھوں نے اپنے دشمن یزید کی ٹڈی دل فوج کے سپہ سالار عمر سعد سے اپنی چند شرطوں کے نامنظور ہونے کے بعد کہا تھا اگر میری کسی اور شرط پر راضی نہیں ہے تو مجھے چھوڑ دے تاکہ میں بھارت چلا جاؤں۔

حضرت امام حسینؑ کسی بھی نو مسلم ملک حبش، ایران، مصر، شام جانے کا ارادہ نہیں کرتے بلکہ اس ہندوستان کی جانب ان کا نورانی دل کھچتا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں اس وقت ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ آخر یہ کیوں۔ یہی وہ سوال ہے جو بار بار میرے دماغ کے روزنوں میں عقیدت کی روشنی کو تیز کرتا رہتا ہے اور اپنی جگہ پر میں اس فیصلہ پر اٹل ہو جانا چاہتا ہوں کہ جس طرح سے ہندوستان والوں کو حضرت امام حسینؑ سے محبت ہونے والی تھی اسی طرح سے امام حسینؑ کے دل میں ہم لوگوں کی محبت موجود تھی۔ ماننا پڑیگا کہ حضرت امام حسینؑ کے دلمیں ہندوستان اور اس کے رہنے والوں کی جو محبت تھی وہ اسی بلند معیار سے تعلق رکھتی ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمد صاحب کو اپنی امت سے ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اگر یہ محبت اعلیٰ معیار کی نہ ہوتی تو اس کا وجود وقتی ہوتا۔ اس عہد سے شروع ہوتی جب سے اسلام ہندوستان میں آیا یا دوسرے الفاظ میں مسلمان یہاں آباد ہوئے ہوں مگر نہیں۔ ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی محبت کا لامتناہی سلسلہ ۱۳۲۲ برس پہلے سے روز عاشورہ شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک باقی رہنے کا یقین ہے

جب تک دنیا اور خود ہندوستان کا وجود ہے حضرت امام حسینؑ کا ایسی ہی بلند ہستیوں میں شمار ہے جن کو آئندہ زمانہ کے واقعات اور حالات کا مکمل طور پر علم تھا اور اسی بنیاد پر وہ جانتے تھے کہ ان کے چاہنے والے ہندوستان میں ضرور پیدا ہوں گے جیسا کہ ان کا خیال تھا وہ ہو کر رہا اور یہاں اسلام کے آنے سے پہلے سے ہمالہ کی سربلند چوٹیوں پر "حسین پوتھی" پڑھی جانے لگی۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمان سرزمین بھارت پر آئے نہیں تھے اس وقت حسین کی پوتھی پڑھنے والے سوائے ہندوؤں کے اور کون ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وقت سے سرزمین بھارت پر حسینی برہمن نظر آنے لگے ہوں جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ یہ تمام برہمن مذہبا۔ ہندو مذہب کے ماننے والے ہوتے ہیں صدیوں سے لیکن محبت کے اصول پر وہ حسینؑ کی تعلیم کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

یوں تو حسینی برہمن پورے ملک میں دکھائی دیتے ہیں مگر خصوصیت سے جموں اور کشمیر کے علاقہ میں ان لوگوں کی کثیر آبادی ہے جو ہمہ وقت حسینی تعلیم پر عمل پیرا ہونا سبب فخر جانتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کی محبت کو اور ان کے غم کو ہندوستان میں لانے والا کون تھا جبکہ مسلمانوں کا اسوقت وجود ہی نہ تھا۔ ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ کے غم کو یا ان کی محبت کو سرزمین ہند پر پہنچانے والی وہی غیبی طاقت تھی۔
ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ کے غم کو یا ان کی محبت کو سرزمین ہند پر پہنچانے والی وہی غیبی
طاقت تھی جس نے ان کے غم میں آسمانوں کو خون کے آنسوؤں سے اشکبار کیا اور فضاؤں سے یاحسینؑ کی صداؤں کو بلند کرایا اور اب تو حسینؑ کی عظمت ان کی شخصیت اور ان کی بے پناہ محبت کا کیا کہنا۔ ہر شخص اپنے دماغ سے سمجھ رہا ہے اپنے دل سے جان رہا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ صرف مسلمان ہی محرم میں ان کا غم نہیں مناتے بلکہ ہندو بھی غم حسینؑ میں عزادار ہو کر اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ اگر امام حسینؑ نے عاشور کے دن ہندوستان آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا تو ہم ہندوؤں کے دل میں بھی ان کی محبت کے جوابی اثرات نمایاں ہو کر رہتے ہیں۔

محرم کا چاند دیکھتے ہی نہ صرف غریب ہندوؤں کے دل اور آنکھیں غم حسینؑ سے چھلک اٹھتی ہیں بلکہ ہندوؤں کی بڑی بڑی شخصیتیں بھی بارگاہ حسینی میں خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہتیں اب تو خیر ہندوستان میں خود مختار ریاستوں کا وجود نہیں رہا۔ لیکن بیس برس قبل تک گوالیار کی عزاداری اور مہاراجہ گوالیار کی امام حسینؑ سے عقیدت امتیازی حیثیت رکھتی تھی جنھوں نے کروڑوں روپیہ تعزیہ داری کے نام پر لٹا دیا۔ اگرچہ محرم اب بھی گوالیار میں شان و شوکت سے منایا جاتا ہے اور صرف گوالیار ہی پر منحصر نہیں ہے اندور کی ہندو ریاست کا محرم اور وہاں کا اونچا اور وزنی تعزیہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں شہرت رکھتا تھا حیدر آباد اور جنوبی ہندوستان میں عاشور کی رات کو حسینؑ کے

عقیدت مند آگ پر چل کر محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہاں اب بھی ایک مہاراج ہیں جو سبز
لباس پہن کر علم ہاتھ میں لے کر جب تک دہکتے ہوئے انگاروں پر دولہا دولہا کہتے ہوئے قدم نہیں
بڑھاتے تب تک کوئی مسلمان عزادار آگ پر پاؤں نہیں رکھتا۔ یہ کیا بات ہے ہم نہیں جانتے اور
حسینؑ کے متعلق بہت سی باتیں ایسی ہیں جبکہ چاہے عقل نہ بھی تسلیم کرتی ہو۔ نگاہیں برابر دیکھتی رہتی ہیں
یعنی اگر حضرت امام حسین کا غم یا ان کی عزاداری میں غیبی طاقت شامل نہ ہوتی تو وہ کرامتیں دنیا نہ دیکھ
سکتی جو ہر سال محرم میں دیکھتی رہتی ہے۔ آج اگر سگریٹ سلگانے میں دیا سلائی کا جز کا انگلی میں لگ جاتا
ہے تو چھالا پڑے بغیر نہیں رہتا۔ اس لئے کہ آگ کا کام جلا دینا ہی ہوتا ہے مگر دہکتے ہوئے انگاروں پر حسینؑ
کا نام لینے کے بعد راستہ چلنا اور پاؤں کا نہ جلنا چھالے نہ پڑنا حسینؑ کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح ہر قوم کے افراد عاشورہ اور چہلم کے دن زنجیروں اور تلواروں کا ماتم دیکھتے ہیں۔ اس بات
کو یوں غور فرمایئے کہ اگر کسی شخص کو ایک انچ کا زخم سر پہ پڑ جاتا ہے تو کم از کم تین ٹانکے ضرور دیئے جاتے
ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو زخم سڑ جائے۔ مگر خود ہم نے بارہا عزاداران حسینؑ کو تلوار سے ماتم کرتے اور ان کے
سروں پر تلواروں کے گہرے زخم پڑ کر سیروں خون ابلتے دیکھا ہے۔ مگر ماتم ختم ہونے یا عشرہ تمام ہو جانے
کے بعد ہماری نگاہوں نے کبھی کسی ایسے زخمی شخص کے سر میں پٹی تک بندھے ہوئے نہیں دیکھی یا کسی
اسپتال میں ان کو علاج کراتے نہیں سنا کہ اس نے بھی تلوار سے ماتم کیا تھا۔ ایسا ماتم کرنے والے دو چار
نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اور خدا جانے عاشورہ کے بعد وہ شہر سے کہاں چلے جاتے ہیں جو
نہ تو پھر نظر آتے ہیں اور نہ ان کے مجروح سروں کے زخم دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تلواروں کا ماتم
ہندوستان کے عزاداروں نے کربلا کے ماتم داروں سے سیکھا ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ
ہمارے بھارت میں عراق سے کم عزاداری نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ کیا ہے اسی حسین کی محبت کا کرشمہ
اور اثرات ہیں جس نے اپنی شہادت کے دن ہندوستان آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔

دنیا کے ہر مذہب میں مقتدر شخصیتیں گزریں مگر جتنے مذاہب کی جتنی بھی قابل عظمت ہستیاں
ہوتی ہیں ان کو صرف اسی مذہب والے اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اگرچہ احترام ہر مذہب کے رشیوں، پیشواؤں
پیغمبروں کا ہر شخص کرتا ہے اور کرنا ہی چاہیئے۔ لیکن اس حقیقت سے چاہے حضرت امام حسینؑ کے دشمن
اور خصوصیت سے شری محمود عباسی چشم پوشی کر لیں مگر ہم لوگ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت
امام حسین کی بین الاقوامی حیثیت اور ان کی ذات سے بغیر امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کو اتنی گہری
محبت ہے جتنی کہ کسی کو کسی اور سے نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی بھی
ہوتی ہیں جو زبان تک نہیں آ سکتیں مگر دل ان کو ضرور محسوس کر لیتا ہے۔ حقیقت تو یہی ہوتی ہے جسکو

دُنیا کا ہر وہ شخص تسلیم کرے جس کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو۔ لہذا ہندوستان میں چونکہ ہر قوم و مذہب کے انصاف پسند حضرات کی کمی نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہو کہ وہ ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مشیت کا یہ مقصد ضرور پورا ہو گیا کہ ہندوستان کی سرزمین پر رہنے والے بغیر امتیاز مذہب امام حسینؑ پر محبت و عقیدت کے موتی نچھاور کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے بقول شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی جن کی یہ رباعی میں اکثر پڑھتا رہتا ہوں ؎

کب صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ — چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

اپنے مقالہ "ہمارے ہیں حسینؑ" میں جناب ماتھر لکھنوی لکھتے ہیں :-

" حضرت امام حسینؑ کے تشریف نہ لانے کے باوجود بھی کیا سرزمین ہندوستان پر ان کے روضوں کی تشبیہیں موجود نہیں ہیں کیا اسی نقشہ کو سامنے رکھکر ہندوستان کے متعدد شہروں میں کربلائیں تعمیر نہیں کی گئیں یہ کربلائیں تو ہمارے شیعہ بھائیوں نے بنوائی ہیں اور انہیں بنوانا بھی چاہیئے تھیں۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ ہندوؤں نے امام باڑے نہیں بنوائے۔ گوالیار میں بھی امام باڑہ دیکھا جا سکتا ہے اور لکھنؤ میں بھی ٹما کر گنج کا امام باڑہ میوہ رام کا بنایا ہوا ہے اور چھاؤلال نے بھی ایک امام باڑہ بنوایا تھا۔ راجہ ٹکیٹ رائے کا وقف آج بھی موجود ہے۔ کچھ اسی پر منحصر نہیں ہے۔ ہندو شعراء نے مدح امام حسینؑ میں اپنے کلام کے انبار لگا دیئے۔ قدیم شعراء ہی نہیں بلکہ آج کل کے ہندو شعراء نے امام حسینؑ کی مدح کو اپنا پر خلوص فرض قرار دے لیا ہے۔ میں خود بھی زیادہ امام حسینؑ کی مدح پر اپنا وقت صرف کرتا ہوں شری لالتا پرشاد صاحب شاد مرحوم ایک عالم اور فاضل ہستی سال بھر پہلے موجود تھی اور دُنیا جانتی ہے کہ انھوں نے حسینیت کی جتنی خدمت کی شائد اپنے مذہب کی بھی اتنی خدمت نہ کی ہوگی۔ یہ تمام واقعات جو آپ نے ہمارے مضمون میں ملاحظہ فرمائے یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ حسینؑ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ ہر اس انسان کے ہیں جس کو اخلاق و محبت سے تعلق ہے۔ لہذا اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جہاں دُنیا کا ہر حسینی کہہ سکتا ہے کہ امام حسینؑ ہمارے ہیں وہاں ماتھر لکھنوی بھی یہ عرض کر سکتا ہے" ہمارے ہیں حسینؑ۔

چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام

آپ ائمہ اہل بیت میں چوتھے امام اور امام حسین علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو یزدجرد ابن شہریار شاہ ایران کی صاحبزادی اور نوشیروان عادل کی پوتی تھیں۔ آپ کو ابن الخیرتین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ

خدا کے بندوں میں سے دو گروہ بہتر ہیں۔ پس میں نے عرب سے قریش کو اور عجم سے فارس کو منتخب کر لیا ہے۔

اس بارے میں کہ حضرت شہربانو کس زمانہ میں مدینہ آئیں روایات مختلف ہیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت ظاہری میں جابر بن حریث کو خراساں کے ایک علاقہ پر حاکم بنا کر بھیجا۔ وہاں ان کو ایران کے آخری معزول بادشاہ یزدجرد بن شہریار کی دو لڑکیاں ملیں جنکو انھوں نے دربار خلافت میں بھیج دیا آپ نے ان میں سے ایک (شہربانو جن کا لقب ان کے ملک میں شاہ زنان تھا) کا نکاح امام حسین سے اور دوسری (گیہان بانو) کا اپنے فرزند ربیبہ محمد بن ابوبکر سے کر دیا جن کے بطن سے قاسم بن محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ جن لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ شہربانو اور گیہان بانو حضرت عمر کے عہد میں مدینہ آئیں وہ یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب یزدجرد کی لڑکیاں جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ آئیں تو سارے شہر میں ایک دھوم مچ گئی۔ ان کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ٹھیرایا گیا جب حضرت عمر سب قیدیوں کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت شہربانو کے قریب پہنچے تو انھوں نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور اپنی زبان (فارسی) میں کہا "سیاہ باد روز ہرمز کہ فرزند او اسیر تو شود" (ہرمز کا خانہ خراب کہ اسکی اولاد تمھاری بندی بنی) حضرت عمر کو خیال ہوا یہ لڑکی مجھے کوس رہی ہے۔ اس لئے بہت بگڑے اور سزا دینا چاہتے تھے اور ارادہ کیا کہ بطور کنیز ان کا نیلام کر دیں۔ حضرت علی تشریف لائے اور حضرت رسول کا وہ ارشاد سنایا کہ عزت دار کسی قوم کا کیوں نہ ہو اگر زمانہ کی دست برد سے ذلیل و خوار ہو کر تمہارے پاس آ نکلے تو اسکا اعزاز و اکرام کرو پھر فرمایا حضرت رسولؐ کے اس قول کے بموجب ان کی عزت کرو اور ان کو اختیار دیدو جس سے چاہیں عقد کر لیں۔ چنانچہ شہربانو نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو منتخب کر لیا۔

باعتبار روایت شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی روایت جناب امیر علیہ السلام کے عہد میں حضرت شہربانو کے لائے جانے کی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ حسب ذیل تواریخ کا حساب لگانے سے معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر کی خلافت جمادی الآخر ۱۳ھ میں قائم ہوئی۔ ایران کا جو حصہ ان کے عہد میں فتح ہوا وہ ۱۶ھ میں ہوا۔ ۱۶ھ میں امام حسین علیہ السلام کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۱۵ جمادی الثانی ۳۸ھ ہے اور شہربانو کے بطن سے امام زین العابدین علیہ السلام ہی امام حسین علیہ السلام کی واحد اولاد ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری ذی الحجہ ۳۵ھ میں آغاز ہوئی۔ اول تو یہ کہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یعنی بلوغ کی عمر سے کئی سال پہلے امام حسین علیہ السلام سے حضرت شہربانو کا نکاح کیا گیا ہو۔ پھر یہ بھی قرین قیاس نہیں ہے کہ ۱۶ھ میں نکاح کیا گیا ہو تو ۳۶ھ تک کوئی اولاد نہ پیدا ہو۔ ۳۵ھ میں زمانہ خلافت ظاہری حضرت علی علیہ السلام آغاز ہونے کے بعد ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں (جیسا کہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی روایت ہے) حضرت شہربانو کا لایا جانا عین قرین قیاس ہے کہ آپ اس زمانہ میں ایران

لائی گئیں اور ۳۸ھ میں امام زین العابدینؑ کی ولادت ہوئی اور آپ کی ولادت کے ایک یا ڈیڑھ سال کے اندر ہی حضرت شہر بانو انتقال فرما گئیں۔

یہ معاملہ مزید واضح اس طرح ہوتا ہے کہ جو دو بہنیں حضرت شہر بانو اور گیہان بانو ایک ساتھ ایران سے لائی گئی تھیں انہیں سے حضرت شہر بانو کا نکاح امام حسین علیہ السلام سے اور گیہان بانو کا نکاح محمد بن ابوبکر سے کیا گیا۔ محمد بن ابوبکر کی پیدائش کا زمانہ بھی تاریخ سے پوری طرح معین ہے۔ محمد بن ابوبکر کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں جو پہلے حضرت جعفر طیار کی بیوی تھیں۔ جعفر طیار اور اسماء بنت عمیس جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے ۷ھ میں واپس ہوئے۔ اس کے بعد جمادی الاول ۸ھ میں جنگ موتہ میں جعفر طیار کی شہادت واقع ہوئی۔ اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ ۸ھ ہی میں اسماء بنت عمیس حضرت ابوبکر کے حبالہ نکاح میں آئیں تو محمد بن ابوبکر کی ولادت ۹ھ سے پہلے نہیں ہو سکتی اس طرح ۱۶ھ میں حضرت عمر کے زمانہ میں ایران کا حصہ فتح ہونے کے وقت محمد بن ابوبکر کی عمر سات سال سے زیادہ نہ تھی۔ یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا کہ ادھر امام حسین علیہ السلام کی بارہ برس کی عمر میں آپکا نکاح حضرت شہر بانو سے تو ادھر محمد بن ابوبکر کی سات برس کی عمر میں آپ کا نکاح گیہان بانو سے کر دیا گیا ہو حضرت ابوبکر کا انتقال ۱۳ھ میں ہونے کے بعد اسماء بنت عمیس حضرت علی علیہ السلام کے حبالہ نکاح میں آئیں اور ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر بھی آئے جن کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ چار سال کی تھی۔ حضرت علی نے ان کو اپنے فرزند کی طرح پرورش فرمایا اور یہ بھی تا دم آخر حضرت علیؑ کے فرماں بردار اور والہ و شیدا رہے۔ یہ عین قرین عقل ہے کہ جب ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں وہ دونوں ایرانی شاہزادیاں لائی گئیں تو جب کہ محمد بن ابوبکر کی عمر تقریباً پچیس سال کی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایک شہزادی کا نکاح حضرت حسینؑ سے کر دیا اور دوسری کا نکاح اپنے فرزند ربیب محمد بن ابوبکر سے کر دیا۔ جنکو آپ ان کی سعادت مندی کی وجہ اپنے ہی فرزند کی طرح چاہتے تھے۔ بمقابلہ ان قرین عقل امور کے ۱۶ھ میں شہزادیوں کا لایا جانا اور سات ہی سال کی عمر میں محمد بن ابوبکر کا نکاح ایک شہزادی سے کر دیا جانا کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا۔

نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ یہ ایرانی شہزادیاں حضرت علی علیہ السلام کے عہد خلافت ظاہری میں ہی ایران سے لائی گئی تھیں۔ الفاروق جلد ۲ ص ۱۳۹ پر شبلی لکھتے ہیں" اس غلط قصہ (جناب شہر بانو حضرت عمر کے عہد میں لائے جانے) کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری کے جنکو فن تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اسکو لکھا ہے۔ زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرآئن اس کے بالکل خلاف ہیں حضرت عمر کے زمانہ میں یزدگرد اور شاہی خاندان پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاصل نہیں ہوا۔ مجھکو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔"

سیّد شاہ محمد کبیر صاحب ابوالعلائی داناپوری اپنی کتاب تذکرۃ الکرام تاریخ خلفاء عرب و اسلام کے صفحہ ۳۵۵ پر اپنی تحقیق کا یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت شہربانو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت (ظاہری) کے زمانہ میں معہ اپنی دو بہنوں مہربانو اور ماہ بانو کے ایران سے لائی گئیں۔

حضرت امام کے متعلق خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی، جوامع الکلم کے قلمی نسخہ کے صفحہ ۶۷ پر لکھتے ہیں "سبحان اللہ زین العابدین چہ سرور بود چہ محامد داشت۔ تعالی القدس بالا تر ازیں چہ می تواں گفت کہ فرزند حسین ابن علی مرتضیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام است ہر یکے از میان ایشاں سرے و سروریست کہ زبان در مدح ایشاں گنگ و دل در معرفت صفات ایشاں متحیر" نیز حضرت خواجہ بندہ نواز "یازدہ رسائل" مطبوعہ میں ہے۔ رسالہ در رویت و کرامات اولیا کے صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں "امام زین العابدین از دوازدہ امام است کہ ایشاں را ہمہ معصوم خوانند نقش خاتم امام زین العابدین بود "انا ذکی اللہ"۔

مولانا سید شاہ ظفر سجاد قبلہ ابوالعلائی سجادہ نشین خانقاہ ابوالعلائیہ داناپور پٹنہ اپنے مقالہ "آلِ اطہار و اہلبیت اخیار علیہم السلام" میں چراغ کعبہ صفحہ ۱۱ کے حوالہ سے ترمذی کی روایت درج کرتے ہوئے کہ کوئی اشرف الاشراف اور سید السادات ہیں تو یہی آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تحریر فرماتے ہیں۔

" راقم آثم ظفر سجاد عرض کرتا ہے کہ آل محمد و سادات کرام کی بزرگی کی انتہا نہیں ہے اگر کسی کی سمجھ میں ان کی بزرگی نہ آئے تو اس کے فہم و ادراک کی نارسائی ہے ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ان حضرات کی محبت عین ایمان ہے اسی طرح ان سے عداوت خسران ایمان ہے"۔ داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں امام زین العابدین علیہ السلام نبوت کے وارث اور امامت کے چراغ اور سردار مظلوم اور امام مرحوم اور بندوں کی زینت اور اوتادوں کی شمع اور تمام زمانہ کے عابدوں سے زیادہ عبادت کرنیوالے ہیں۔ سیّد عالیشان کے مناقب بے شمار ہیں احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے"۔

ابو عثمان عمر بن بحر الجاحظ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کی بزرگی کے بارے میں شک نہیں رکھتا۔ باوجود اختلاف مذہب تمام لوگ جناب علی ابن الحسین کی نسبت متفق ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز لوگوں سے کہتے تھے اگر اشرف الناس کو دیکھنا ہو تو علی ابن الحسین کو دیکھو "تاریخ نسائی اور حلیۃ الاولیا ابونعیم میں درج ہے کہ امام زہری جب تک زندہ رہے علی ابن الحسین کی مدح کرتے رہے اور کہتے تھے کہ میں نے علی ابن الحسین سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ ہشام بن اسماعیل جتنے دن مدینہ کا حاکم رہا آپ سے بدسلوکی کرتا رہا۔ ولید نے جب ہشام کو معزول کر دیا تو حکم دیا کہ اس کو سربازار کھڑا کر کے ملامت و شماتت کر رہے تھے اور اتفاقاً امام زین العابدین علیہ السلام معہ اپنے اصحاب کے ادھر سے گزرے آپ نے اپنے اصحاب کو اشارہ کر دیا کہ کوئی اسکی

شماتت نہ کرے۔ ہشام بن اسماعیل یہ دیکھکر کہنے لگا کیوں نہ ہو خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ ہیں۔

صاحبزادہ محمد محسن فاروقی سجادہ نشین درگاہ کلیمی دہلی اپنی کتاب "روحانیت کے تاجدار" میں امام زین العابدین کے حالات میں لکھتے ہیں ؎

"امام عصر ہو تم ہادی دُنیا و دیں تم ہو علی ابن الحسین پاک زین العابدین تم ہو

حسبِ معمول ایک رات آپ نماز تہجد میں مشغول تھے۔ خشوع اور خضوع اور حضوری قلب کا یہ عالم تھا کہ آپ کو مطلقاً سر دپا کا ہوش نہ تھا۔ ابلیس اژدہا کی صورت میں منتقل ہو کر امتحان کے لئے آپ کی جانماز کے قریب آ گیا۔ آپ قیام کی حالت میں تھے کہ سانپ نے آپ کے پیر میں کئی بار کاٹا۔ زہر کے تیز اثر سے آپ کو شدید تکلیف اور ورم کی شدت محسوس ہوئی مگر آپ نے نماز کو بدستور جاری رکھا۔ یہاں تک کہ غشی کے آثار شروع ہو گئے اس عالم میں آپ کو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اژدھا نہیں ہے شیطان ہے آپ اسکے منہ پر طمانچہ لگائیے۔ حضرت امام نماز سے فارغ ہو گئے تو اژدھے کے چہرے پر بسم اللہ کہکر زور سے طمانچہ مارا اور لاحول ولا قوت الّا باللہ العلی العظیم پڑھا اژدھے کی شکل معدوم ہو گئی اور جانماز کے نزدیک ایک دھواں سا بلند ہو کر فضا میں غائب ہو گیا۔ اسی وقت ایک آواز سنائی دی "یا زین العابدین" شب گزار کر جب آپ مسجد میں نماز فجر کے لئے تشریف لائے اور نماز سے فارغ ہوئے تو حاضرین مسجد میں سے ہر شخص جوشِ عقیدت میں خود بخود یا امام زین العابدین کہتا تھا۔ چنانچہ اسی روز سے آپ کا لقب زین العابدین مشہور ہوا۔ اسی طرح کثرت سجود نے آپ کو سید مشہور کر دیا۔ حضرت امام کی عبادت کا یہ انداز تھا کہ جب آپ فرائض یا سنن و نوافل کی نیت کرتے تھے اور نماز شروع فرماتے تھے تو فوراً چہرہ مبارک کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ سُرخ رخسار یکا یک زرد ہو جاتے تھے جتنی دیر آپ نماز میں مشغول رہتے آپ کے جسم مُبارک پر زردی کا اثر غالب رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام علیہ السلام مکان کے اندر نماز میں مشغول تھے کہ سوئے اتفاق سے گھر میں آگ لگ گئی جس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت امام مکان کے اندر موجود ہیں تو ہر طرف سے شور ہوا یا ابن رسول اللہ النار النار لیکن حضرت امام نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا اور بدستور عبادت الٰہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ آگ سرد ہوئی اور آپ بھی نماز سے فارغ ہوئے تو اصحاب نے عرض کیا کہ حضرت ایسی حالت میں کہ مکان کو آگ لگی ہوئی ہو خطرہ جان ہو کونسی چیز مانع تھی آپ نے نماز کو مختصر نہ فرمایا۔ حضرت امام نے جواب دیا تمہارے سامنے یہ آگ تھی میرے پیشِ نظر آتش دوزخ تھی۔

کتب تاریخ و سیر بتاتی ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السّلام صفات میں بالکل اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ رات رات بھر نماز پڑھتے نماز تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔ صبح سویرے مسواک کرکے وضو فرماتے تھے۔ بسبب کمال عبادت و تقوی سے آپ کا لقب زین العابدین اور سید الساجدین قرار پایا۔ فرماتے تھے: انی لاحب ان ادوم علی العمل و ان قل یعنی مجھے یہ پسند ہے کہ پابندی کے ساتھ عمل خیر بجا لاؤں

خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ خفیہ خیرات کرنا بھی آپ کا طریقہ تھا۔ رات کو روٹیاں یا آٹے کی بوریاں پیٹھ پر لادکر فقرائے مدینہ کو بانٹتے تھے اور دن میں ضعیف و نادار ہمسایوں کو مشک میں پانی پہنچا دیتے تھے۔ غسل دیتے وقت سیاہ داغ اسکی وجہ سے نظر آیا۔

ابوحمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بازار جاکر اپنے اہل و عیال کے لئے ضروریات ترکاری خریدنا راہ خدا میں ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو جتنا کھانا مقصود ہوتا اس قدر پہلے راہ خدا میں دیدیتے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے دادا علی ابن الحسین ایسے لوگوں کے ساتھ سفر کرتے تھے جو آپ کو پہچانتے نہ ہوں اور شرط کرلیتے تھے کہ جو خدمت ہو بے تکلف مجھ سے کہدینا فرمایا کرتے تھے شناسا لوگوں کے ساتھ سفر کرتا ہوں تو وہ قرابتِ رسولؐ کی رعایت سے میری سب خدمتیں بجالاتے ہیں اور مجھ سے کچھ کام نہیں لیتے۔ ایک ناقہ آپ سے بہت مانوس تھا مرتے وقت امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ اس ناقہ کی نگرانی کرنا میں نے اس پر پے در پے بیس حج کئے ہیں اور کبھی تازیانہ نہیں لگایا۔ جب آپ وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہوجاتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا تو فرمایا تم نہیں جانتے کس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔
صواعق محرقہ میں قرشی سے رعایت ہے کہ آپ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔
شہادت امام حسینؑ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد حنفیہ کو جو حضرت علی علیہ السلام کے ایک صاحبزادے تھے یہ خیال ہوا کہ باعتبار عمر و رشتہ امامت کا شاید میں مستحق ہوں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے چچا امامت اللہ کی طرف سے ہے اور مجھے مل چکی اور میرے پدر بزرگوار نے میدان کربلا میں رخصت آخر کے وقت رازہائے امامت میرے سپرد فرمائے ہیں۔ آپ کو شبہ ہو تو حجر اسود کو حکم قرار دیں گے اس سے شہادت لے لیجئے۔ چنانچہ کعبہ میں پہنچکر آپ نے حجر اسود سے شہادت طلب کی اس نے شرِ اللہ نے بفحوائے کل شئی احصیناہ فی امام مبین بحکم امام گویا ہوکر شہادت دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر لوگوں کے امام ہیں اے محمد حنفیہ کل امور دین میں آپ پر ان کا اتباع لازم ہے (شواہد النبوۃ)
آپ کی نو برس کی عمر کا واقعہ اکثر کتابوں میں مذکور ہے آپ حج کے لئے مدینہ سے پیدل روانہ ہوئے۔ نہ تو کوئی توشہ ساتھ تھا نہ بستر نہ سامان راستہ میں ایک قافلہ ملا اور سالار قافلہ نے یہ دیکھکر کہ ایک کم عمر لڑکا جس کے چہرہ سے نور برستا ہے لق و دق صحرا میں تنہا چلا جارہا ہے آپ کے پاس آیا پوچھا کہ صاحبزادے کہاں جاتے ہو فرمایا حج کے لئے اس نے کہا کہ آپ ابھی تو بالکل کم عمر ہیں حج کی زحمت تنہا پیادہ پا کیوں فرمائی۔ آپ نے جواب دیا اگر موت جلد آگئی تو حج کی سعادت سے محروم رہوں گا اس نے کہا زاد راہ آپ کے ساتھ کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا تقویٰ مومن کا زاد راہ ہے۔ اس نے کہا دہاں آپ کہاں ٹھیریں گے اور کیسے گزر کریں گے۔ آپ نے فرمایا جس کے پاس جارہا ہوں وہی میری خبرگیری کریگا۔ یہ فرماکر آپ روانہ ہوگئے اور سالار قافلہ

دیکھتا رہ گیا۔ تھوڑی دیر میں سالارِ قافلہ نے دیکھا کہ صحرا میں سے ایک جوان رعنا جو خود صاحبِ جلالت تھا نمودار ہوا اور قریب جا کر صاحبزادہ کی تعظیم کی اور پیشانی پر بوسہ دیا اور ادب کے ساتھ صاحبزادہ سے گفتگو کی۔ اور پھر تعظیم دیکر روانہ ہو گیا۔ سالارِ قافلہ سے پھر نہ رہا گیا اور دوڑا ہوا آپ کے پاس پہنچا اور عرض کرنے لگا صاحبزادے بتلایئے آپ کون ہیں اور یہ کون تھا جو صحرا میں سے آپ کے پاس آکر غائب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں حسینؑ کا بیٹا علیؑ ہوں اور یہ خضر تھے جو ہم آلِ رسولؐ کی زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

حافظ ابو نعیم حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ جب ہشام بن عبدالملک جو خلیفہ وقت کا بیٹا تھا اور بعد میں خود بھی خلیفہ ہوا حج کے لئے گیا۔ اس نے حجرِ اسود کے بوسہ کے لئے بہت زور مارا لیکن لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے پہنچ نہ سکا۔ پس ایک کرسی ڈالکر زمزم کے قریب بیٹھ گیا اور لوگوں کی آمد و رفت دیکھنے لگا اور اس کے گرد امرائے اہلِ شام کی ایک جماعت کھڑی ہوئی تھی وہ ابھی اس حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہاں امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے۔ جب حجرِ اسود کی طرف رُخ فرمایا تو تمام لوگ منتشر ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے حجرِ اسود کو چوما۔ اہلِ شام میں سے ایک آدمی نے ہشام بن عبدالملک سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں جن کی لوگ اسقدر تعظیم کرتے ہیں۔ ہشام اس خوف سے کہ مبادا لوگ آپ کے گرویدہ ہو جائیں دانستہ بھی یہ کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا یہ کون ہیں۔ ابو فراس فرزدق جو اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا قریب ہی تھا کہنے لگا تو نہیں جانتا تو میں ان کو بخوبی جانتا ہوں یہ کون ہے۔ اور ایک پُر زور قصیدہ فی البدیہہ آپ کی شان میں عرض کیا جسکو سنکر ہشام بن عبدالملک غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور فرزدق کو قید کر دیا۔ اس عربی قصیدہ کا ترجمہ حضرت عبدالرحمٰن جامی نے فارسی نظم میں فرمایا ہے جس کے چند اشعار ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

گفت من مے شناسمش نیکو — زو چہ پرسی بسوئے من کن رو
آنکس است اینکہ مکہ و بطحا — زمزم و بو قبیس و خیف و منا
حرم و حل و بیت و رکن و حطیم — ناودان و مقام ابراہیم
مروہ سعی صفا حجر عرفات — طیبہ و کوفہ کربلا و فرات
ہر یک آمد بقدر او عارف — بر علو مقام او واقف
قرۃ العین سیّد الشہداء است — زہ شاخ دوحۂ زہرا ست
میوہ باغ احمد مختار — لالۂ راغ حیدر کرار
جادہ عزتست منزل او — حامل دولتست محمل او
طاعتش آفتاب روز افروز — روشنائی فزائے ظلمت سوز
جد او مصدر ہدایت حق — از چناں مصدرے شدہ مشتق

برنکو سیرتاں و بد کارہ اں !! دست او ابر موھبت باراں
ھست زاں معشر بلند آئیں !! کہ گزشتند اوج علیین
حب ایشاں دلیل صدق وفاق بغض ایشان نشانِ کفر و نفاق
قرب شان پایۂ سعود جلال بعد شان مایۂ عتو وضلال
بر زبانِ کواکب وانجم ہیچ لفظے نیایدالاھم
ذکر شاں سابق است در افواہ برہمہ خلق بعد ذکر اللّٰہ
سرہر نامہ رواج عزای نام ایشا قست بعد نام خدا

زندگی میں دو مرتبہ آپ قید کیے گئے۔ پہلی مرتبہ میدانِ کربلا سے قتل امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کو بحالت بیماری برہنہ سر و برہنہ پا گردن میں آہنی طوق ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر بے مقنع و چادر ماں، بہنوں، پھوپیوں کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے بازاروں میں تشہیر کراتے ہوئے دربار یزید کے سات سو کرسی نشینوں کے سامنے مع بے پردہ اہل حرم رسول کے پیش کیا گیا۔ جب آپ کوفہ میں، پابجولاں ابن زیاد کے دربار میں پیش کیے گئے تو اس نے کہا اما قتل اللّٰہ علی ابن الحسین کیا علی ابن الحسین کو خدا قتل نہیں کر چکا۔ آپؑ نے نہایت متانت سے جواب دیا وہ جو شہید ہوا ہے میرا ہمنام چھوٹا بھائی علی اصغر ابن الحسین تھا۔

میدان کربلا میں شہید ہونے سے آپ اس وجہ بچ گئے کہ بہ شدت تپ آپ فریش اور بستر سے اٹھنے کے قابل نہ تھے دربار شام میں تشہیر کے بعد آپ کو مع اہل حرم ایک پرانے اندھیرے بوسیدہ مکان میں قید کر دیا گیا۔ اسی زندان میں امام حسین علیہ السلام کی چار سالہ صاحبزادی حضرت سکینہ علیہا السلام اپنے باپ کو یاد کر کے روتی رہی اور جب سر بریدہ حسین اسی بچی کو دکھایا گیا تو سر سے لپٹ کر اس بچی نے اسی دم جان دیدی۔ زندانِ شام میں اس شہزادی کا چھوٹا سا مزار اب بھی موجود ہے۔ جس کی زیارت کیلئے زوار اسی طرح حاضر ہوتے ہیں۔ جیسے کربلائے معلیٰ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس صاحبزادی کے اس طرح انتقال کے کچھ عرصہ بعد اہل حرم زندان شام سے رہا ہوئے اور امام زین العابدین علیہ السلام نے کربلائے معلیٰ واپس پہنچکر سر امام حسین علیہ السلام کو جس کے متعلق متواتر روایات ہیں کہ سورۂ کہف کی تلاوت میں معروف تھا جسم کے ساتھ ملا کر دفن کیا۔ جب پوچھا جاتا کہ سب سے زیادہ مصائب آپ پر کہاں پڑے تو امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے تھے الشام الشام الشام۔

زنداں سے اس رہائی کے بعد یزید کو پھر چین نہ آیا۔ جب چاروں طرف سے اس پر لعن طعن ہونے لگی۔ اور اس نے دیکھا کہ لوگ آلِ رسول سے ہمدردی کرنے لگے ہیں اسکو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ امام زین العابدینؑ کے

ہاتھ پر بیعت نہ کرلیں۔ قید کرنے کے خیال سے پھر ایک دفعہ آپ کو طلب کیا بعدہٗ عبدالملک بن مروان نے آپ کو قید کر دیا۔ اس طرح پھر ایک مدت تک آپ اسیر رہے۔ بوقت واقعہ کربلا آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور تقریباً ۳۵ سال اس کے بعد آپ زندہ رہے اور لوگوں نے کبھی آپ کو ہنستا ہوا نہ دیکھا اور جب کبھی پانی کا پیالہ سامنے آتا آپ گریہ فرماتے اور بسا اوقات آنسو پانی میں ملکر پینے کی بھی نوبت نہ آتی ۲۵ محرم ۹۵ھ کو آپ کی شہادت ہوئی۔ ابن صباغ مالکی کہتے ہیں اور ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں بھی روایتوں کا حوالہ دیا ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دلوایا۔

معجزات امام زین العابدین علیہ السّلام

(۱) شواہد ملا جامی میں درج ہے کہ جب شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد اہل حرم رسولؐ اور اور حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام طوق و سلاسل میں جکڑ کر شام کے ایک پرانے شکستہ و تیرہ و تار قید خانہ میں اسیر کر دیئے گئے تو اس کہنہ و شکستہ مقام میں جو سانپ اور بچھو تھے وہ حضرت امام کے قدموں کے سامنے آکر سر ٹیکنے اور لوٹنے لگے اور حضرت امام طوق و سلاسل سے خود بخود رہا ہو جاتے تھے ابن زیاد نے اس کیفیت کو دیکھا تو خوف سے گھبرانے لگا۔

(۲) شواہد میں درج ہے کہ طواف کعبہ میں ایک مرد اور عورت کے ہاتھ حجر اسود سے چپیاں ہو گئے کسی طرح نہ چھوٹے لوگوں نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے مس کیا تو دونوں کے ہاتھ چھوٹ گئے۔

(۳) جب بعد شہادت حسین محمد حنفیہ کو خیال گزرا کہ بہ حیثیت رشتہ و بزرگی شائد خلافت میرا حق ہے حجر اسود نے گواہی دی جسکو ملا جامی نے اس طرح لکھا ہے۔ "حجر اسود بہ جنبید و بزبان عربی گفت اے محمد مسلم دار امامت و وصایت بعد از حسین ابن علی حق علی ابن الحسین است"

(۴) امام زہری نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان نے آپ کو قید کر دیا طوق و سلاسل ایذا دہی کے لئے پہنائے گئے اور قید خانہ پر سنگدل پاسبان مقرر کئے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو بعد صدمہ ہوا اور میں انتہائی جوش و اضطراب کے ساتھ حضرت کی زیارت کے لئے قید خانہ پہنچا داروغہ نے مجھ پر ترس کھایا اور حضرت سے ملنے کی اجازت مجھے مل گئی۔ میں نے جس وقت حضرت امام کو اس حالت میں دیکھا تو بیتاب ہو گیا۔ اور زار و قطار رونے لگا اور حضرت امام سے عرض کرنے لگا کاش میں آپ کی جگہ قید کر دیا جاتا تاکہ آپ ان آہنی سلاسل کی اذیت سے محفوظ رہتے۔ حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد کیا زہری یہ تمام چیزیں تو ہمارے خاندان کی میراث ہیں۔ ان تکالیف و مصائب سے اللہ تعالیٰ ہمارے مراتب روحانی بلند فرماتا ہے۔ اور ہمیں اس سے کوئی اذیت نہیں ہوتی۔ اگر چاہیں تو ہم سلاسل آہنی

اسی وقت جسم سے دور کر سکتے ہیں پُر جوش انداز میں ابھی یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہی ہو رہے تھے کہ اسی لمحہ میں نے دیکھا کہ دستِ مبارک سے ہتکڑیاں پائے مقدس سے بیڑیاں اور گلوئے مبارک سے طوق خود بخود کھل کر زمین پر گر رہے ہیں۔ پھر حضرت امامؑ نے باطمینان بیٹھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا زہری تم میری اس حالت پر مغموم نہ ہوا اور خوشی اور خرمی کے ساتھ یہاں سے واپس جا کر آرام کرو۔ میں قدمبوس ہو کر قید خانہ سے لوٹ آیا۔ شہر میں آیا تو ہر شخص کی زبان پر یہ چرچا تھا کہ حضرت امام قید خانہ سے غائب ہو گئے ہیں اور زنجیریں قید خانہ کے اندر پڑی ہوئی ہیں۔

(۵) زہری کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں خلیفہ عبدالملک سے ملا اور کہا کہ حضرت امام حضور سلطان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ نظر اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں آپ ان سے تعرض نہ کیجئے۔ عبدالملک نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو میں نے ان کو محبوس کر دیا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ میری محل سرا کے اندر جہاں کوئی داخل نہیں ہو سکتا میرے پاس آئے اور ارشاد فرمایا "خلیفہ تو ہم اہل بیت رسول اللہ کو کیوں تکلیف دیتا ہے۔ وہ اتنا کہکر سب کی نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت سے مجھ پر اس قدر ہیبت طاری ہے کہ زبان گنگ ہوئی جاتی ہے۔ بالکل یارائے گفتگو نہیں ہے۔

(۶) ایک موقعہ پر حضرت امام صحرا میں اپنے رفقا کے ساتھ کھانے میں مشغول تھے کہ یکایک ایک آہوئے صحرائی نمودار ہوا حضرت امام علیہ السلام اس آہو کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائے" اے آہوئے صحرائی میں ابن حسین ابن علی ہوں۔ میری والدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام ہیں۔ میرے قریب آ اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جا۔ حضرت کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی وہ آہوئے صحرائی امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت امام کے دستِ مبارک سے چند لقمہ طعام کھا کر صحرا کی طرف چلا گیا۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ انہیں کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض نیاز مندوں نے عرض کیا کہ ہماری التجا ہے ایک بار آہو کو پھر طلب فرمائیں۔ حضرت امام نے فرمایا تم لوگ آہو کو پناہ دو تو میں بیشک مکرر اسکو بلا سکتا ہوں حاضرین نے اقرار کیا اور حضرت نے وہی الفاظ دہرائے ان کے سنتے ہی آہو پھر آ گیا۔

(۷) ایک دن حضرت امام صحرا میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک ہرنی امام کے قریب آ گئی اس نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ ہرنی کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ حاضرین نے عرض کیا یا فرزند رسول اللہ یہ ہرنی کیا فریاد لائی ہے۔ حضرت امام نے ارشاد فرمایا یہ ہرنی کہہ رہی ہے کہ آج میرے بچہ کو فلاں قریشی نے پکڑ لیا ہے اور فلاں جگہ لے گیا ہے۔ میرے بچے نے آج دودھ نہیں پیا تھا۔ میری فریاد یہ ہے کہ آپ میرے بچہ کو منگوا دیجئے تا کہ میں اسکو دودھ پلا دوں۔ حضرت امام نے اسی وقت

ایک شخص کو اس قریشی کے پاس روانہ کیا۔ فوراً ہی وہ ہرنی کے بچہ کو لیکر حاضر ہوا۔ حضرت امامؑ نے بچہ آہو کو اس آہو کے حوالہ کیا ہرنی نے بڑی محبت سے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور حضرت امامؑ کی طرف دیکھنے لگی۔ حضرت امام نے قریشی سے فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم اور تمہاری اولاد ظالموں کے ظلم اور قید و بند کی بلاؤں سے محفوظ رہے تو ہرنی کو اس کا بچہ دیدو قریشی نے تعمیل ارشاد کی اور بچہ کو چھوڑ دیا ہرنی اپنے بچہ کو لیکر باآواز بلند پکارتی ہوئی صحرا کی طرف بھاگ گئی۔ لوگوں نے دریافت کیا حضرت ہرنی کیا کہہ رہی ہے۔ فرمایا یہ کہتی ہے۔ جزاک اللّٰہ فی الدارین خیراً۔

(۸) روایت ہے کہ ایک شخص حضرت امامؑ کو اپنے گھر دعوت دینے کا متمنی تھا مگر اس کی زوجہ بدعقیدہ تھی اور کہتی ہمارے لئے ہی کافی نہیں دعوت میں کیوں خرچ کرتے ہو۔ بالآخر اس شخص نے دعوت کا سر انجام کیا اور حضرت امامؑ کی خدمت میں آکر مصر ہوا۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور تشریف لائے جب کھانے سے فارغ ہوئے اور صاحب خانہ ہاتھ دھلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ جیسے جیسے حضرت امام کے ہاتھ کا پانی گرتا جاتا طشت زر و جواہر سے بھرتا جاتا۔ آپ نے فرمایا یہ اپنی زوجہ کو دیدے۔

شواہد النبوۃ میں متعدد واقعات ایک ناقہ کا حکم ماننا آپ کی وفات کے بعد مزار شریف پر تین روز تک ناقہ کا رہنا اور مرجانا اور عصافیر کا ہجوم کرنا اور حضرت کا تسلی دینا اور ندائے غیبی "انت زین العابدین" اور دوسری ندا "زین الصالحون فی الدنیا والسا اعبون فی الاخرۃ" اور اس کا جواب غیب سے آنا بہر حال بکثرت واقعات درج ہیں۔

پانچویں امام حضرت محمدؑ باقر علیہ السلام

آپ امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی ام عبداللہ تھیں۔ یکم رجب ۵۷ھ کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ واقعۂ کربلا کے وقت آپ کی عمر ۳-۴ سال کی تھی اور آپ میدان کربلا میں موجود تھے۔ اس صغر سنی میں ۳ دن کی بھوک اور پیاس آپ کو بھی اٹھانی پڑی اور بعد شہادت امام حسین علیہ السلام اہل حرم کے ساتھ گرفتار ہو کر آپ بھی زندان شام میں رہے۔ ابن مدنی جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ جابر مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے سیاہ عمامہ باندھے یا باقر یا باقر پکارا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا یہ کیا دیوانہ پن ہے۔ جابر نے کہا واللہ یہ حقیقت ہے۔ ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام صغر سنی میں آپ کے قریب سے گزرے۔ جابر نے جن کی آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں کہا صاحبزادے ذرا میرے قریب آجائیے وہ قریب تشریف لائے تو کہا ذرا پیچھے جائیے جب آپ پیچھے ہٹے تو جابر نے کہا واللہ یہی چال ڈھال رسول اللہ کی تھی پوچھا صاحبزادے آپ کا نام کیا ہے فرمایا محمد جابر نے کہا کس کے صاحبزادے ہیں فرمایا علی ابن الحسین کا بیٹا ہوں

جابر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ ہی باقر ہیں۔ فرمایا ہاں۔ جابر نے آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ صاحبزادے نے فرمایا جابر وہ امانت جو میرے جد نامدار نے تمھارے سپرد کی تھی مجھے پہنچا دو۔ جابر نے عرض کیا حضرت رسولِ خدا نے آپ کو سلام فرمایا ہے۔ حاضرین نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے جابر نے کہا میں ایک روز سرورِ عالم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور حسین علیہ السلام آپ کی گود میں کھیل رہے تھے۔ سرکار نے فرمایا کہ اے جابر حسین کا ایک لڑکا ہوگا جس کا نام علی رکھا جائے گا۔ قیامت کے دن منادی ندا کرے گا زین العابدین اٹھیں اس وقت حسین کا بیٹا اٹھیگا۔ پھر اس کا بیٹا محمد ہوگا۔ جو توریت میں باقر سے معروف ہے اے جابر تو اس سے ملیو تو میرا سلام پہنچا دینا۔

عبدالروف منادی اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ آپکا لقب باقر اس لئے ہے کہ آپ نے علم کو پھاڑا ہے اور علوم کے زبردست خزانے بکھیرے ہیں۔ عطاء بن جریح امام زہری امام اوزاعی اور ابو حنیفہ اور سفیان ثوری بھی آپ کے شاگردوں میں تھے۔ امام زہری امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام اوزاعی ابن المبارک اور زیاد بن منذر وغیرہ نے آپ کی روایتوں سے احکام دینی مستنبط کئے ہیں۔ علامہ شبلی "سیرت النعمان" میں لکھتے ہیں۔

ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے آپ کی (امام محمد باقر) کی خدمت میں رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح اور آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادق علیہ السلام کے درس کا رہون منت تھا۔" آپ کے زمانہ میں علم فقہ کی تدوین ہوئی اور لوگوں نے حدیثوں سے مسائل استنباط کرنا شروع کئے اور جن مسائل کے متعلق کوئی آیت یا حدیث نہ ملتی ان پر قیاس سے حکم لگانے لگے۔ حضرت امام نے اس کی روک تھام کی۔ قیاس وظن کبھی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کبھی گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ جب قیاس کی جولانی ٹھہری تو پھر ٹھکانہ ہی کیا رہا۔ دین کے معاملات جن پر ایمان اور نجات اُخروی کا دارومدار ہے۔ قیاس اور ظن اور تخمین کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ حضرت رسول نے بحکم خدا کتاب اور اپنے اہل بیت کو اسی رہنمائی کی غرض سے چھوڑا تھا جو ہر آیت و حدیث کے حقیقی معنی اور ظاہر و باطن سے واقف تھے اور صحیح حکم کر سکتے تھے۔ مگر عام مسلمانوں نے وصی رسول مدینتہ العلم سے روگردانی کی اور اس لئے ان کو ایک طرف تو احادیث نبوی کا پورا ذخیرہ ہاتھ نہ آیا اور دوسری طرف آیات و حدیث کے صحیح معنی سے آگاہی نہ ہو سکی اور قدم قدم پر قیاس اور اندازوں سے کام لینا پڑا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں درج ہے کہ ایک دن کسی نے عبداللہ بن عمر سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ انھوں نے امام محمد باقر کی طرف اشارہ کر کے کہا اس نوعمر صاحبزادہ سے

دریافت کر لو۔ وہ شخص حاضر خدمت ہوا اور آپ نے جواب شافی ادا فرمایا۔ جب وہ لوٹ کر عبداللہ بن عمر کے پاس آیا تو انھوں نے کہا یہ اہل بیت رسول ہیں۔ علم انہیں کے گھر سے نکلا ہے۔

قاضی شریک حکومت کے مقررہ کردہ قاضی تھے۔ ان کے پاس دو آدمی آئے اور پوچھا کہ مسافر کی نماز کتنی مسافت پر قصر ہوتی ہے اور نماز جمعہ کب واجب ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا ظن وقیاس سے نہیں بلکہ حدیث رسول سے جواب دیجئے۔ قاضی شریک ہکے بکے ہو کر رہ گئے ان سائلوں نے کہا ہم نے محمد بن مسلم ثقفی سے سُنا ہے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور حضرت اپنے آبا و اجداد کی زبانی حضرت رسولِ خدا سے روایت کرتے ہیں (ان التقصیر یجب فی بریدین واذا اجتمع خمسۃ احدھم الامام فلھم ان یجمعوا) یعنی دو منزل کی مسافت پر نماز قصر ہو جاتی ہے اور جب پانچ آدمی جمع ہو جائیں جن میں ایک پیش نماز ہو تو ان کو چاہئیے کہ نماز جمعہ بجا لائیں۔

حضرت امامؑ صاف ستھرا لباس پہنتے اور آخر عمر میں خضاب بھی لگاتے تھے۔ حضرت کا یہ طریقہ اسلام کی حقیقی تعلیم پیش کرنے اور عمل سے بھی ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کا ایک طبقہ ترک دنیا اور رہبانیت کی طرف مائل ہو چلا تھا اور یہ لوگ دکھانے کے لیے ٹاٹ کے موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے اور اچھے کھانے چھوڑ کر روکھی سوکھی پر بسر کرتے۔ یہ لوگ حضرت امام کے صاف ستھرے لباس پر انگشت نمائی کرتے اور کہتے علی کا پوتا ایسا لباس پہنتا ہے۔ اور اس طرح کھانا کھاتا ہے۔ حضرت مسکرا کر فرماتے کہ زینت و اکل حلال سے خدا نے کسی کو نہیں روکا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں معاشرہ کی حالت اور تھی۔ عام طور پر غذا اور لباس کا معیار اونچا نہ تھا۔ حضرت علیؑ بھی عام مسلمانوں کی طرح وہ غذا کھاتے جو اس عہد میں آسانی سے میسر آسکتی تھی اور وہ لباس پہنتے تھے جو اس وقت کے شرفاء وصلحا کا لباس تھا۔ اب معاشی حالت بہتر ہے اور آسانی سے ہر ایک کو ملتی ہوئی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا کفران نعمت ہے اور چونکہ ایک طبقہ تقدس فروشی اور ریاکاری کے لئے موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا اور جو جوار کی روٹی کھا کر پرہیزگاری اور ترک دنیا کا رعب جتا کر عوام کا استحصال کر رہا ہے اس لئے ہم میانہ روی اختیار کرنے پر مجبور ہیں کہ ترک دنیا اور دنیا میں غرق ہو جانا دونوں تعلیم اسلام کے خلاف ہیں۔

محمد بن منکدر اس عہد میں ایک بہت بڑا صوفی سمجھا جاتا تھا۔ سارا دن نماز روزے میں بسر کرتا اور دوسروں کی داد و دہش پر اس کا گزارا تھا۔ نہ اپنے لئے کچھ کماتا تھا۔ اور نہ بیوی بچوں کی ذمہ داری کا کچھ خیال تھا۔ ایک دن گرمی اور دھوپ میں امام محمد باقر علیہ السلام کو معہ دو غلاموں کے اپنے باغ میں کام کرنے جاتے دیکھا۔ محمد بن منکدر اپنی عبادت اور زہد کے غرور میں کہنے لگا۔ آپ فرزند رسول ہیں دین آپ کے گھر سے نکلا ہے۔ طلب دنیا کے لیئے اس دھوپ میں مارے مارے پھرنا آپ کے شایان شان نہیں اگر

اس وقت موت کا فرشتہ آ پکارے تو کیا ہو۔ آپ نے فرمایا "خدا کی قسم روزی کی تلاش اور جائز ذریعہ معاش خود ایک عبادت ہے اگر اس وقت موت آ جائے تو مجھے اللہ کی اطاعت اور بال بچوں کی خدمت میں مشغول پائے۔ اپنا بوجھ دوسروں کے سر پر ڈال کر خود نچنت بیٹھنا دین کے خلاف ہے۔ محمد بن منکدر نے کہا میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے اپنے عمل اور قول سے دلنشیں نصیحت مجھے کر دی آج مجھے اسلام کی اصلی تعلیم سمجھ میں آگئی۔

حضرت کے غلاموں کو یہ تمنا رہتی کہ آپ ان سے خدمت لیں مگر آپ کام خود کرتے اور غلاموں کو بھی کھانا کھلانے کے بعد خود کھاتے عبادت کرنا روزے رکھنا اور ہدایت دین ہی آپ کے مشغلے تھے۔ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ اپنے والد ماجد کی طرح آپ بھی مسموم شہید ہوئے۔ ۷ شوال اور بروایت ۷ ذالحجہ سالا ھ م ۲۸ جنوری ۷۳۳ء آپ کی تاریخ شہادت ہے۔ خلیفہ ہشام آپ کا سخت دشمن تھا اور دمشق میں باربار آپ کو طلب کرتا اور قید کرنے کا ارادہ کرتا۔ ایک دفعہ جب آپ تشریف لائے تو ہشام اپنے امراء کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ آپ کو سبک کرنے کے خیال سے اس نے اصرار کیا کہ آپ بھی تیر چلائیں۔ آپ نے فرمایا میں اب مسن ہو گیا ہوں مجھے مشق نہیں۔ اس نے اصرار کیا اور ایک تیر و کمان آپ کے ہاتھ میں دیدی۔ آپ نے تیر عین نشانہ پر مارا۔ ہشام کو خیال ہوا کہ شاید اتفاقاً لگ گیا ہو۔ پھر دوسرا تیر دیا آپ نے پہلے تیر کے پیکان پر وہ تیر مارا اور اس طرح نو تیر ایک پر ایک مارتے گئے ہشام نے مرعوب ہو کر دوسرا ذکر چھیڑ دیا۔ آپ کی گفتگو کے دبدبہ سے اسکو قید کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے ایک مسموم گھوڑے کا زین آپ کو بطور تحفہ بھیجا آپ نے فرمایا اس میں کیا ہے مجھے معلوم ہے۔ مگر اسی میں میری موت مقدر ہے اسی کے زہر سے حضرت امامؑ کی شہادت ہوئی۔

معجزات امام محمد باقر علیہ السلام

(۱) شواہد میں ہے کہ فیض ابن مطہر بیان کرتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس اس مسئلہ کے دریافت کرنے کے لئے گیا کہ رات کو سفر میں راحلہ کے اوپر چلتے ہوئے کس طرف کو نماز پڑھنی چاہیئے حالاں کہ میں نے ہنوز زبان نہ ہلائی تھی کہ آپ نے خود بخود فرمایا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی راحلتہ حیث توجھت بلہ۔

یہ بھی درج ہے کہ جنات آپ کے پاس مسئلے دریافت کرنے آیا کرتے تھے۔

(۲) داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب کے صہ ۹۵ پر اہل طریقت کی اطلاعوں میں لکھتے ہیں کہ "امام محمد باقر علیہ السلام ارباب مشاہدہ کے برہان اور معاملت کی محبت اور نبی کی اولاد کے امام علیؑ کی نسل سے برگزیدہ ہیں آپ کے معجزات مشہور اور روشن ہیں۔ ایک دفعہ خلیفہ نے آپ کو مار ڈالنے کے ارادہ سے طلب کیا آپ فرستادہ کے ساتھ دربار میں گئے تو اس نے آپ کی بیحد تعظیم کی اور عذر خواہی کرنے کے بعد آپ کو ہدیہ دیا۔

اور بہت ہی حُسن سلوک سے آپ کو رخصت کیا۔ سب درباریوں نے کہا اے بادشاہ آپ نے تو ہلاک کر دینے کے ارادہ سے ان کو بلایا تھا اور آپ کا یہ سلوک اور خاطرداری دیکھکر ہم حیران ہیں۔ بادشاہ نے کہا امام موصوف جب میرے قریب پہنچے تو آپ کے دونوں طرف دو شیر تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تو نے امام کے ساتھ کوئی بُرا سلوک کیا تو ہم تجھے فی الفور ہلاک کر دیں گے۔

داتا گنج بخش رحمۃ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت امام روزانہ مناجات اور گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک مصاحب نے عرض کی اے میرے سردار اور میرے ماں باپ کے سردار آپ کب تک گریہ و خروش فرماتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ یعقوب علیہ السلام نے ایک فرزند گم کیا تھا وہ اتنا روئے کہ بالآخر نابینا ہوگئے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور بصارت کی سیاہی جاتی رہی اور میں نے اٹھارہ اشخاص اپنے باپ امام حسین اور قتیلان کربلا کے ساتھ گم کئے ہیں۔ ان سے کم نہیں کہ ان کے فراق میں اپنی آنکھیں سفید نہ کروں۔

داتا گنج بخش رحمۃ چند ائمہ معصومین علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر تمام اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ لکھوں اور ہر ایک کے مناقب معرض تحریر میں لاؤں تو یہ کتاب اسکی متحمل نہیں ہو سکتی اس مقدار پر اکتفا کرتا ہوں اور اتنے ہی سے ان لوگوں کی ہدایت ہو جائے گی جو عقل و ادراک کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ خواہ وہ اہل طریقت کے ارادتمندوں سے ہوں یا منکروں سے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ میری عمر میں پانچ برس باقی ہیں بروے حساب صحیح نکلے (۴) امام محمد باقر علیہ السلام ایک روز سوار ہو کر جاتے تھے کہ پہاڑ سے ایک بھیڑیا اترا اور آپ کے پاس آکر طالب دُعا ہوا۔

(۵) شواہد النبوت میں درج ہے کہ ایک شخص حضرت محمد باقر علیہ السلام کی زیارت کو بکمال اشتیاق مدینہ کے لئے روانہ ہوا اور جب مدینہ پہنچا رات کا وقت تھا اور بارش اور سردی سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ دروازہ پر پہنچ کر متردد تھا کہ اس وقت امام کو آواز دوں یا نہ دوں کہ خود حضرت نے جاریہ کو آواز دی کہ جلد دروازہ کھولدے فلاں شخص آیا ہے۔ (۶) راوی کہتا ہے کہ میں درمیان مکہ اور مدینہ کے سفر میں تھا کہ دور سے مجھکو ایک روشنی نظر آئی کبھی ظاہر ہوتی تھی اور کبھی پوشیدہ ہو جاتی تھی قریب آیا تو معلوم ہوا کہ ایک طفل ہفت سالہ ہے اس طفل نے سلام علیک کی۔ میں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے کہا اللہ کے یہاں سے میں نے پوچھا کہاں جاتے ہو کہا اللہ کی طرف۔ پھر میں نے پوچھا زاد راہ تمہارا کیا ہے بولا تقویٰ۔ پھر میں نے پوچھا تم کون ہو بولے کہ عرب کا آدمی ہوں۔ پھر پوچھا کہا قریشی ہوں۔ پھر ہاشمی پھر علوی ہونا بیان کیا۔ پھر میں نے زیادہ تفتیش کی تو کہا میں محمد بن علی بن حسین بن علی ہوں پھر آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو غائب ہیں۔ خدا جانے کہ آسمان پر چلے گئے یا زمین پر۔

(۷) راوی کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ ما حق المومن علی اللہ یعنی مومن کا حق اللہ پر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مومن کا حق اللہ پر یہ ہو کہ اگر اس درخت سے اشارہ کرے کہ آ تو چلا آئے یہ فرماتے ہوئے آپ نے درخت کی طرف اشارہ کیا کہ ساتھ ہی درخت اپنی جگہ سے چلا۔ پھر حضرت نے روکا تو رُک گیا اور فرمایا واپس جا تو اپنی جگہ پر جا کر قائم ہو گیا۔

(۸) ہشام بن عبدالملک ایک محل تعمیر کرا رہا تھا۔ آپ ادھر سے گزرے اور فرمایا کہ یہ مکان گرایا جائیگا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس مکان کو کون گرا سکتا ہے۔ جب ولید بادشاہ ہوا تو اس نے فوراً اس مکان کو بیخ و بنیاد سے گرا دیا۔

(۹) حضرت امام نے اپنے صاحبزادہ امام جعفر صادقؑ سے بوقت وفات وصیت کی کہ تمہارا برادر دعویٰ امامت کریگا۔ تم صبر کرنا کہ عمر اسکی کوتاہ ہے اور غسل میت تم مجھکو دینا کہ امام کو سوائے امام کے اور شخص غسل نہیں دے سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

(۱۰) ابونصیر نے جو نابینا تھا امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ تم ذرّیت رسول خدا ہو۔ فرمایا ہاں پھر پوچھا اس رسول خدا نے انبیاء سابق کے علوم سے میراث پائی ہے فرمایا کہ ہاں پھر پوچھا کہ تم نے بھی علم پیغمبر کی میراث پائی ہے۔ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا کہ مثل عیسیٰ کے تمکو یہ قدرت ہے کہ مردہ کو زندہ کر دو اور مادر زاد اندھے کو بینا اور برص کو اچھا کر دو اور لوگوں کے گھر کے ذخیرے وغیرہ تمکو معلوم ہیں۔ آپنے فرمایا ہاں حکم خدا سے ہم سب کر سکتے ہیں۔ مگر مصلحتاً ایسا نہیں کیا کرتے۔ ابونصیر کہتا ہے کہ یہ کہکر مجھکو فرمایا کہ آگے آؤ اور ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا کہ ساتھ ہی میں بالکل بینا ہو گیا۔ اور سب شئے نظر آنے لگی۔ پھر امام نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا کہ اپنی حالت سابقہ پر واپس آ گیا پھر فرمایا کہ دو بات میں سے ایک کو تو پسند کرتا ہے کہ بینا ہو جائے اور حساب محشر تیرے ذمہ رہے اور دوسری یہ کہ نابینا رہے اور بلا حساب بہشت میں جائے۔ میں نے اپنی حالت سابق پسند کی۔

(۱۱) حضرت امام علیہ السلام کے ایک مقرب خصوصی کہتے ہیں کہ حضرت امامؑ ایک سفر میں سواری پر تشریف لیجا رہے تھے۔ خدام پا پیادہ چل رہے تھے۔ اثنائے راہ میں دو شخص سامنے سے گزرے۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا یہ دونوں چور ہیں ان کو گرفتار کر لو اور حفاظت میں رکھو اور ساتھ ہی ایک غلام کو حکم دیا کہ سامنے پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ جہاں تمھیں ایک غار ملیگا اس میں جو چیز موجود ہو اسکو احتیاط کے ساتھ لے آؤ۔ غلام نے تعمیل حکم کی اور غار میں دیکھا کہ دو گٹھریوں میں سامان بندھا رکھا ہے۔ خادم دونوں گٹھریوں کو اٹھا لایا۔ حضرت امامؑ نے گٹھریوں کو دیکھکر فرمایا کہ ایک گٹھری کا مالک تو مدینہ میں موجود ہے مگر دوسرا لاپتہ ہے۔ جب مدینہ میں حضرت امام کی واپسی ہوئی تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کو گٹھریوں کا چور سمجھکر پکڑ لیا گیا ہے اور گٹھری کا مالک ان لوگوں کو حاکم کے سامنے لے جا رہا ہے۔ حضرت امام نے وہ گٹھری اس کے مالک کے حوالہ کی بے قصور جماعت کو رہائی دلائی اور چوروں کو انصاف کے حوالہ کیا۔ حضرت امام نے ارشاد فرمایا دوسری گٹھری کے

مالک کا نام محمد بن عبدالرحمن ہے جو اس وقت تمہارے انتظار میں شہر سے باہر بیٹھا ہوا ہے یہ شخص غیر مسلم تھا۔ لیکن جس وقت امام کی گفتگو سنی اور یہ معجزہ دیکھا کہ گٹھری کو ہاتھ لگائے بغیر اس کے اندر کے سب تفصیلات بتا دیئے تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ مستحسن فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر حضرت امام کے تفصیلی واقعات اور معجزات کو لکھا جائے تو ایک پوری کتاب ہو سکتی ہے۔

چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام

آپ امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ سنہ ۷۰۲ء اور بروایتے ۸۰ھ م سنہ ۶۹۹ء ہے اسم مبارک آپ کا جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب صادق، صابرؒ فاضل اور طاہر ہے۔ آپ کی والدہ کا نام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر ہے۔ قاسم محمد بن ابوبکر کے فرزند ایران کی شہزادی کیہان بانو کے بطن سے تھے جو جناب امیر علیہ السلام کے عہد خلافت ظاہری میں حضرت شہر بانو کے ساتھ ایران سے آئی تھیں۔

حافظ ابونعیم حلیۃ الابرار میں عمر بن المقدام سے ناقل ہیں کہ میں جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ انبیائے کرام کے سلالہ ہیں۔

امام مالک بن انس (فرقہ مالکی کے امام) کہتے ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا نہ کبھی کے دل پر علم و فضل ورع میں حضرت جعفر صادق سے بہتر انسان کا تصور ہوا۔ نیز امام مالک لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر صادق قائم الیل وصائم النہار تھے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینیؒ جوامع الکلم کے قلمی نسخہ صفحہ ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں "امام جعفر صادق علیہ السلام چہ سرورے بُود چہ بیان اسرار الٰہی کردہ است چہ معانی قرآن از و منقول است تحریر اتہ بحور علم الٰہی سینۂ او بود۔ دوم امیر المومنین علی علیہ السلام بود۔ ہر یکے از میان ایشان سرورے و سرورے است کہ زبان از مدح ایشان گنگ و دل در معرفت صفات ایشان متحیرؔ"

مصر کے مشہور عالم فرید وجدی لکھتے ہیں۔ کان من سادات اھل بیت النبوی لقب بالصادق لصدقہ فی الکلام وکان من افاضل الناس ہ یعنی آپ اہل بیت نبوی میں کے سرداروں سے تھے اور آپ کے کلام کی سچائی کی وجہ سے آپ کا لقب صادق پڑ گیا تھا اور آپ تمام لوگوں میں افضل تھے۔

ذیل میں ہم حضرت امام کے چند اقوال نقل کرتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ جب میں تنگ دست ہوتا ہوں تو خیرات دیکر اللہ سے تجارت کرتا ہوں۔ یعنی تھوڑا دیکر زیادہ فائدہ اٹھاتا ہوں۔ اپنے فرزند سے آپ نے فرمایا بیٹا ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے اور رزق کی کنجی تصدق و خیرات ہے۔ ایک روز امام نے چند مزدوروں سے اپنے باغ میں کام لیا۔ عصر کے وقت کام ختم ہو رہا تھا۔

تو آپ نے اپنے آدمی سے کہا کہ ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کی اجرت ادا کر دو۔

معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت امامؑ راستہ میں سجدے میں جھکے ہوئے پائے گئے۔ دریافت پر فرمایا کہ مجھے ابھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ملی ہے اس کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی مگر آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ اسے برداشت فرمایا اور شام میں ان سے پھر ملاقات ہوئی تو فرمایا صلہ رحم باعث تخفیفِ عذاب ہے۔ زکریا بن ابراہیم ایک عیسائی تھے وہ مسلمان ہو گئے۔ وہ حضرت امامؑ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میرے والدین اور سارا خاندان عیسائی ہے۔ میری ماں نابینا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم اپنی نابینا ماں کی ہمیشہ خدمت کرنا۔ زکریا کا بیان ہے کہ اس دن سے پہلے سے بہت زیادہ اپنی ماں کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے لگا۔ ایک دن ماں نے مجھ سے پوچھا کہ پہلے تم میری اتنی خدمت نہ کرتے تھے جب تم نے اسلام اختیار کیا تم میری خبر زیادہ لینے لگے ہو۔ میں نے کہا کہ مسلمانوں کے امام نے مجھے آپ کی خبرگیری کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ اس کا اثر ماں کے دل پر بہت ہوا۔ اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔

حضرت امام غلاموں سے برابری کا سلوک کرتے تھے۔ اگر کسی غلام نے آپ کو زیادہ تکلیف دی تو اسکو راہِ خدا میں آزاد فرما دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک غلام کو کام پر بھیجا، جب اس کے واپس آنے میں دیر ہوئی تو آپ اس کی تلاش کو چلے۔ دیکھا ایک مقام پر سو رہا ہے۔ سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ جب وہ جاگا تو اس سے فرمایا دن کام کے لئے ہوتا ہے اور رات سونے کے لئے۔

بعض دفعہ آپ غلاموں کی رہائی کی تحریر بھی لکھ دیا کرتے تھے اور اس پر گواہان بھی ثبت کروا دیتے تھے اور اس میں یہ تحریر فرماتے کہ اس شرط پر آزاد کیا گیا کہ نماز پڑھے روزہ رکھے حج کرے اور مقدرت ہو تو زکوٰۃ ادا کرے۔ دوستان خدا سے محبت کیا کرے اور دشمنان خدا سے بیزاری اختیار کرے۔

امامؑ بغیر مہمان کے کھانا نہ کھاتے تھے۔ مہمانوں کو اچھی غذا کھلا کر عموماً خود روٹی اور سرکہ تناول فرماتے آپ کو خوشحالی سے گریز نہ تھا اور کبھی کبھی اچھی غذا کھانے میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ رات میں مہمانوں کے انتظار میں دیر میں کھانا کھاتے۔ اگر مہمان کسی کام کو اٹھے تو امامؑ وہ کام خود اٹھکر انجام دیتے تھے اور فرماتے تھے ہمارے جد بزرگوار حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ میزبان کو لازم ہے کہ مہمان سے کسی قسم کی خدمت نہ لے رات کی تاریکی میں آپ غریبوں کو کھانا تقسیم کرنے نکلتے تھے۔ ابو جعفر خثعمی کا بیان ہے کہ مجھے ایک مرتبہ امامؑ نے ایک کاسئہ زر دیا اور فرمایا کہ فلاں شخص کو لیجا کر دے دو اور میرا نام نہ لو۔ جب وہ کاسئہ زر پہنچا دیا گیا تو اس شخص نے بھیجنے والے کو دعائے خیر دی اور امام کا شکوہ کیا کہ وہ ہماری مدد نہیں کرتے۔

مفضل بن ابی مرہ سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے کو دیکھا کہ آپ نے کچھ ضرورت مند

لوگوں کے پاس مال بھیجا اور کہا یہ کہدینا کہ یہ مال عراق سے آیا ہے۔ وہ مال انہیں پہنچا دیا گیا۔ انھوں نے امام کی شکایت کی کہ وہ ہماری مدد نہیں کرتے جب یہ معلوم ہوا تو حضرت نے سجدہ شکر کیا اور بولے اے خدا میرے باپ کی اولاد کے لئے میری گردن جھکا دے کہ ان کی زبان سے اپنی برائی سنوں اور اُف نہ کروں۔

آپ فرماتے تھے کہ صلہ رحم کرنا سخاوت کرنا اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنا گھروں کو آباد کرتا ہے اور عمر کو دراز کرتا ہے۔ جو شخص اپنے ہمسائے کو تکلیف نہیں دیتا خدا اس کے گناہ سے در گزر کریگا آپ فرماتے تھے تمھارے مکان کے چاروں طرف چالیس چالیس مکان ہمسایہ میں شامل ہیں۔ آپ فرماتے تقویٰ سے افضل کوئی زادراہ نہیں۔ خاموشی سے بہتر کوئی شئے نہیں ہا اگر کسی نے خیانت کرکے تمہیں فائدہ پہنچایا ہے یا تمھاری خاطر ظلم کیا ہے یا دوسروں کی چغلی تمھارے سامنے کی ہے تو وہ یہ سب تمھارے ساتھ بھی کرے گا۔

بہترین شخص وہ ہے جس میں تین صفتیں ہوں (۱) غصہ کو پی جانا (۲) خطا سے درگزر کرنا (۳) جان و مال سے فائدہ پہنچانا۔ نکتہ چینی سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ رازداری نہ کرنے سے انسان نظروں سے گرجاتا ہے۔ جس نے شر کو چھوڑا عزت ملی جس نے کبر و غرور کو چھوڑا اسکو کرامت ملی جس نے بخل کو چھوڑا اس کو شرف ملا۔ علم پرہیزگاری اور حسن اخلاق ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

جو شخص تین مرتبہ تم سے بدی دیکھے اور جسکی وجہ سے اسکو غصہ آئے اور پھر بھی تم کو نہ چھوڑے اسکو اپنی دوستی کے لئے منتخب کرو۔ نیکی تین باتوں سے کامل ہوتی ہے (۱) جلد دینے سے (۲) اپنے عطیہ کو حقیر سمجھنے سے (۳) اور اسکو چھپا کر دینے سے۔ آپ فرماتے میں دشمن کی حاجت برلانے میں جلدی کرتا ہوں۔ اندازہ سے خرچ کرنے والے کی روزی اللہ بڑھاتا ہے۔ فضول خرچی سے روزی گھٹتی ہے۔ بیس روز کی مصاحبت قرابت کے برابر ہوتی ہے۔

موسم سرما کو آپ مومن کے لئے موسم بہار فرماتے تھے کہ مومن راتوں میں عبادت کرتا ہے اور چھوٹے دنوں میں آسانی سے روزے رکھتا ہے۔ امانت کی واپسی کی اہمیت کے متعلق آپ اپنے جد حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام کا ارشاد یاد دلاتے تھے کہ اگر میرے پدر بزرگوار حسینؑ کا قاتل وہ تلوار میرے پاس رکھے جس سے ان امام کا گلا کاٹا تھا۔ تو بخدا میں اسے اسی طرح واپس کردونگا۔

رحمت خدا کے امیدوار رہو مگر اتنا نہیں کہ گناہوں پر دلیر ہو جاؤ۔ اور قہر خدا سے ڈرو لیکن اتنا نہیں کہ اسکی رحمت سے مایوس ہو جاؤ۔ ایسا دوست نہ ڈھونڈو جو تمام عیوب سے مبرا ہو کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ دوستی ضروری ہے جس کے لئے کچھ ناموافق باتوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ وہی آدمی ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ جو اپنی صلاحیت سے دوستوں کو گرویدہ بنالے۔

جو شخص تھوڑے رزق سے راضی ہو جاتا ہے خدا اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جاتا ہے۔ آپ

حضرت رسول خدا کا قول یاد دلاتے کہ مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ وہ خدا سے اپنا حق مانگتا ہے اور خدا کسی سے اس کا حق نہیں روکتا۔

ایک دفعہ ایک نجومی اچھے اور برے وقت کیلئے قرعہ ڈال رہا تھا اور نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلتا تھا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ رسول خدا کی حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن کی نحوست کو اپنے سے دور کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ اس کی صبح کو خیرات دے اور اگر رات کی نحوست دفع کرنا ہے تو سر شام تصدق کرے صواعق محرقہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور حج کرنے گیا تو کسی شخص نے اس کے پاس جناب امام کی طرف سے بہتان کیا۔ وہ بہتان دھرنے والا شہادت دینے آپ کے سامنے حاضر کیا گیا اور اسنے قسم لیکر بیان کیا۔ حضرت امام جعفر نے فرمایا ہم جس طرح کہتے ہیں اس طرح اس کو حلف دیا جائے چنانچہ اس طرح حلف دیا گیا۔ پس حلف لیتے ہی وہ شہادت دہندہ وہیں مر کر ڈھیر ہو گیا۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ آپ کے غلام کو چند اشرار نے مار ڈالا آپ نے دعا کی کہ یا اللہ ایک کتا مقرر کر دے۔ پس اس مارنے والے کو بھیڑیئے نے پھاڑ دیا۔

ابوالقاسم طبری نے اپنی تاریخ میں ابن وہب کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ بعد نماز عصر وہ جبل ابوقبیس پر گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ یارب یارب اور یاحیی یاحیی کہتے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں۔ ابن وہب نے دیکھا کہ وہاں کچھ میوے اور دو چادریں موجود ہو گئیں نہ ویسا میوہ اس نے دیکھا تھا اور نہ ویسی چادریں دیکھیں تھیں۔ آپ جب اتر کر آنے لگے ایک آدمی نے کہا یا ابن رسول اللہ مجھے لباس پہنائیں اس لئے کہ آپ کو خدا نے لباس پہنایا کیونکہ میں ننگا ہوں آپ نے دونوں چادریں اسکو دیدیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں اس نے کہا یہ جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

صاحبزادہ متحسن فاروقی سجادہ نشین خانقاہ کلیمی دہلی اپنی کتاب تاریخ الاولیا میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر سو گیا۔ بیدار ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ ایک ہزار درہم کی تھیلی کسی نے اٹھالی ہے۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو کوئی نظر نہ آیا اس وقت صرف حضرت امام سجاد ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے وہ شخص آپ سے واقف نہ تھا اس نے گمان کیا کہ اس کی تھیلی آپ نے اٹھالی ہے۔ آپ کے پیچھے پڑ گیا اور جو جی میں آیا کہتا رہا۔ آپ سنتے رہے۔ بالآخر فرمایا اس تھیلی میں کیا تھا۔ اس نے کہا ایک ہزار اشرفیاں تھیں اچھا میرے ساتھ آؤ۔ آپ اپنے دولت خانہ پر اسکو لے گئے اور ایک ہزار اشرفیاں اس کے حوالے کر دیں۔ وہ شخص یہ اشرفیاں لے کر مسجد نبوی میں آیا تو اسے وہ تھیلی بھی مل گئی وہ شخص سخت نادم ہوا۔ اور پھر امام کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگا اور وہ اشرفیاں واپس کرنی چاہیں تو حضرت امام نے فرمایا ہم جو کچھ تمہیں دے چکے ہیں اسے واپس لینا ہمارے طریقہ کے خلاف ہے۔

بعض مسلمان اس زمانہ میں راہبانہ زندگی کی طرف مائل ہو چلے تھے۔ مگر حضرت امام نے مثل اپنے والد ماجد کے اپنے قول و عمل سے مسلمانوں کو اس غلط راستہ سے روکا۔ علامہ کلینی نے کافی میں روایت کی ہے سفیان ثوری ایک دن مسجد میں آئے۔ امام جعفر صادق وہاں موجود تھے اور صاف ستھرا اور عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے سفیان ثوری راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت امام سے کہا ایسا عمدہ لباس نہ تو رسولؐ اللہ نے پہنا نہ حضرت علیؑ نے استعمال کیا۔ آپ ان کی اولاد میں ہو کر ان کے طریقے پر نہیں چلتے امام عالیمقام نے فرمایا رسولؐ اللہ کے زمانہ میں ملک میں اتنی دولت نہ تھی جو عوام کا معیار زندگی تھا وہ بھی اسی طرح معمولی لباس پہنتے تھے۔ اب جہاں معاشی حالات بدل گئے ہیں اور ہر شخص کو چیزیں میسر آ رہی ہیں تو اللہ کے بندوں کو حق ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم میں شریک و سہیم ہوں۔ اے سفیان قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی من حرم زینت اللہ (خدا کئے ہوئے سامان زینت کو کس نے حرام کیا ہے) پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے لباس کے اندر داخل کیا اور فرمایا اوپر کا لباس بخل کے الزام سے بچنے اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ورنہ نیچے وہی موٹا ٹاٹ کا کپڑا ہے۔ جس سے نفس آرام طلب نہیں ہوتا۔ پھر سفیان کے اوپر کے لباس کو اٹھا کر کہا دیکھو تو اوپر موٹا لباس پہنے ہوئے تھے اور اندر ملائم کپڑا تھا۔ حضرت امام نے فرمایا بس ہم میں اور تم میں یہی فرق ہے۔

ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ امام عالی مقام سے بہت سے لوگوں نے علوم و فنون حاصل کئے اور ساری اسلامی دنیا میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ منہاج المقال میں لکھا ہے کہ حجاز کے علاوہ اسلامی دنیا کے دور دور کے علاقوں سے بھی لوگ آپ کے درس میں حاضر ہوتے تھے۔ عراق، شام، خراسان، سندھ، ہندوستان اور بلادِ روم و فرنگ سے بھی طالب علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے حلقہ درس سے چار ہزار اصحاب نے استفادہ کیا۔

کافی کتاب العلم میں ہے کہ حضرت اپنی تقریروں کو لکھواتے جاتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ علم کا دریا ابل رہا ہے۔ طالب علم قلم کاغذ لئے حلقہ کئے بیٹھے رہتے اور قلمبند کرتے جاتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے ان کتابوں کی حفاظت کرو اور اپنے بھائیوں تک پہنچاؤ۔ تم مر جاؤ گے تو یہی کتابیں تمہاری اولاد کا ورثہ ہوں گی۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ حدیثیں لکھا کرو تو ان پر اعراب لگایا کرو تاکہ غلطی نہ ہو۔ تقریباً چار ہزار راویوں نے آپ سے روایت کی ہے۔ امام عالیمقام کے چار سو اصحاب نے براہ راست آپ سے فیض حاصل کر کے چار سو کتابیں مرتب کیں جو "اصول اربعمائۃ" کہلاتی ہیں۔ ان میں وہ تمام احادیث آ گئی تھیں جن سے احکام اسلام مرتب ہوتے ہیں۔ ۴۴۸ھ تک یہ کتب اصلی حالت میں باقی رہیں۔ بہاء الدولہ کے وزیر ابونصر شاپور بن اردشیر کا کتب خانہ بغداد کے محلہ کرخ میں تھا۔ اس میں ان کتابوں کے نسخے جمع تھے۔ طغرل بیگ سلجوقی نے

جب اس محلہ کو آگ لگائی تو یہ کتب خانہ بھی نذر آتش ہو گیا۔ پھر بھی ان کتابوں کے چیدہ چیدہ نسخے عرصہ تک پائے جاتے تھے۔ سید نعمت اللہ جزائری جن کی وفات ۱۱۱۲ھ میں ہوئی اپنی کتاب انوار النعمانیہ میں لکھتے ہیں۔ جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنے اجداد طاہرین سے قریب العہد تھے۔ چار سو کتب اُصول اور عہد معصومین کی پانچ ہزار تصنیفیں ان کے پاس موجود تھیں یہ کتب اُصول ابن ادریس کے زمانہ تک محفوظ رہیں اب ہمارے زمانہ میں صرف تیس ۳۰ کتب اُصول باقی رہ گئی ہیں۔ حضرت امام کی تصنیفات میں سے الجامع اور نیز کتاب جفر ہے۔ اپنی کتاب میں آپ نے ائمہ طاہرین کے لئے قیامت تک کی خبریں درج فرمائیں۔

صاحبزادہ مستحسن فاروقی حضرت امام کے حالات میں لکھتے ہیں کہ" زہد و تقویٰ و تصوف میں درجہ کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث بھی تھے۔ اسلام کے عظیم المرتبت محدثین و فقہا اور ائمہ حضرت یحییٰ بن سعید" یحییٰ القطان" شعبہ، سفیان ابن عینیہ، ابن جریج، ابوایوب سجستانی امام سفیان ثوری، امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے آپ سے حدیث کا درس لیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ اگر میری عمر کے دو سال حضرت جعفر صادق کی خدمت میں نہ گزرتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے ثقہ اور متقی ہیں کہ روایت حدیث کے معاملہ میں ان کے متعلق کوئی نقد و جرح نہیں ہو سکتی اور اسی ثقاہت و تقویٰ اور صدق گفتاری و راست کرداری کی وجہ سے دنیا نے آپ کو صادق کا لقب دیا ہے۔

حافظ عبدالعزیز بن اخضر جنابذی نے صالح بن اسود کی یہ روایت درج کی ہے کہ میں نے امام کو مجمع میں کہتے ہوئے سنا کہ پوچھ لو مجھ سے جو پوچھنا ہو قبل اس کے کہ تم مجھکو نہ پاؤ (رجال کشی)

علامہ شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ہم کو غابر اور مزبور کا علم دیا گیا اور ہمارے پاس جفر احمر اور جفر ابیض اور مصحف فاطمہ ہیں اور ہمارے پاس جامعہ ہے جس میں وہ سب کچھ جمع ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

امام سے جب ان الفاظ کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا غابر ان واقعات کا علم ہے جو ہونیوالے ہیں اور مزبور ان واقعات کا علم ہے جو گزر چکے ہیں۔ جفر احمر کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کے سلاح ہیں۔ جفر ابیض سے مراد توراۃ، انجیل و زبور اور خدا کی پہلی کتابیں ہیں۔ مصحف فاطمہ وہ کتاب ہے جس میں وہ تمام واقعات درج ہیں جو گزرنے والے ہیں اور تمام صاحب قدرت لوگوں کے نام درج ہیں اور جامعہ وہ کتاب ہے جسکو جناب رسولِ خدا نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا بخدا اس میں وہ سب امور ہیں جس کی لوگوں کو قیامت تک ضرورت ہوگی۔

بنوعباس کے دوسرے خلیفہ منصور دوانقی نے جب حضرت امام کی مقبولیت اور ہردلعزیزی دیکھی تو

اپنی نگرانی میں رکھنے کے خیال سے آپ کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا۔ یہاں بھی لوگ حضرت امام کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے لگے۔ منصور نے امام کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور ہر مرتبہ جب آپ کو دربار میں طلب کیا جاتا لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہے۔ عین وقت پر رعب امام اور اپنی بدنامی کے ڈر سے قتل سے باز رہ جاتا تھا۔ پھر اس نے حضرت امام کو بغداد سے بصرہ بھیج دیا اور جب وہاں بھی لوگ آپ کے آستانہ پر جمع ہونے لگے تو آپ کو عامل کوفہ کی نگرانی میں دیدیا۔ قتل امام کی منصور نے اب دوسری سازش کی اور آپ کو مدینہ واپس کر کے وہاں زہر دلوادیا۔

تذکرۃ الخواص الامہ میں ابن صباغ المالکی لکھتے ہیں۔ خلیفہ منصور دوانقی کی خلافت کے زمانہ میں آپ زہر سے شہید کئے گئے۔ منصور نے محمد بن سلیمان کے ذریعہ زہر آلود انگور آپ کو کھلادیئے۔ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ آپ کی تاریخ شہادت ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل تھے جن کا آپ کی وفات سے ۲۰ سال قبل ۱۲۸ھ میں انتقال ہو چکا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے چھوٹے فرزند موسیٰ کاظم علیہ السلام آپ کے جانشین وامام ہوئے۔ اسمٰعیلی خوجہ اصحاب اسماعیل بن جعفر صادق کو امام مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ گو اسماعیل انتقال کر چکے تھے مگر روحانی جانشینی ان کو والد کی وفات سے قبل حاصل ہو چکی تھی۔

معجزات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

(۱) خلیفہ منصور عباسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا اور آپ کے قتل کا حکم یہ کہکر دیا کہ تم مسلمانوں کی خونریزی چاہتے ہو کہ فلاں شخص نے یہ حال مجھ سے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسکو میرے روبرو بلاؤ۔ اس شخص نے قسم کھا کر بیان کیا۔ حضرت امام نے ایسا ایسا کہا تھا۔ حضرت امام نے فرمایا اس طرح نہیں بلکہ جیسے میں کہتا ہوں قسم کھا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا پھر جیسے آپ نے فرمایا تھا ویسے قسم کھائی۔ اسی وقت مجلس میں زمین پر گرا اور مر گیا۔ منصور نے کھچوا کر باہر پھکوا دیا۔

(۲) منصور ہمیشہ حضرت امام کے قتل کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے حاجب سے کہا کہ حضرت امام کو میرے پاس آنے سے پہلے قتل کر دے۔ یہ کہکر حضرت امام کو بلوا بھیجا۔ حضرت امام آکر منصور کے پاس بیٹھ گئے۔ منصور نے حاجب کو طلب کیا تو اس نے امام کو بیٹھے ہوئے دیکھا پھر وہاں سے تشریف لے گئے تو حاجب کو بلا کر پوچھا کہ میں نے تجھکو کیا حکم دیا تھا اس نے قسم کھائی کہ میں نے ان کو آتے دیکھا نہ جاتے ہوئے۔

(۳) مقربان منصور میں سے ایک شخص بیان کرتا ہے کہ ایک روز منصور نہایت متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے سبب دریافت کیا تو بولا کہ میں نے علویوں کی ایک جماعت کثیر کو فانی کیا اور ان کے پیشوا کو اب تک چھوڑ رکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہے بولا کہ جعفر صادق۔ میں نے کہا کہ وہ عبادت خدا میں مشغول ہیں اور دنیا سے مطلب نہیں رکھتے۔ بولا تو ان کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ جبتک

ان کی طرف سے خاطر جمع نہ کروں آرام نہ کروں۔ یہ کہکر جلاد کو بلایا اور کہا جسوقت جعفر بن محمد آئیں اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھکر اشارہ کروں تو ان کو قتل کرنا۔ اس کے بعد حضرت کو بلایا اور کہا جب وہ تشریف لائے تو میں ان سے قریب تھا۔ دیکھا میں نے کہ حضرت نے لب ہلائے اور قصر منصور کا جنبش کرتا ہے۔ پھر منصور کو دیکھا کہ سر و پا برہنہ کانپتا ہوا استقبال کو آیا اور بازو ان کا پکڑ کر اپنی مسند پر بٹھایا اور پوچھا کہ یا ابن رسول اللہ کیا وجہ آپ کی تشریف آوری کی ہوئی۔ فرمایا کہ تو نے بلایا تھا۔ منصور بولا کہ جو حاجت آپ کی ہو فرمائیے فرمایا کہ میری حاجت یہ ہے کہ تو مجھکو طلب نہ کرے۔ مقرب کہتا ہے کہ منصور نے مجھ سے بیان کیا۔ جب حضرت امام تشریف لائے تھے تو میں نے ایک اژدھا دیکھا کہ ایک لب اس کا زمین پر اور دوسرا بالائے قصر تھا۔ بزبان فصیح اس اژدہے نے مجھ سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ خبردار اگر امام کو گزند پہنچی تو میں تجھکو معہ تیرے قصر کے نگل جاؤنگا۔ یہ سنکر میں نے کہا کہ یہ سحر ہے۔ منصور نے کہا خبردار یہ خاصیت اسم اعظم کی ہے کہ رسول اللہ کے لئے آیا تھا۔

(۴) ابن جوزی نے کتاب صفوۃ الصفوہ میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ وہ موسم حج میں مکہ میں تھے کوہ ابوقبیس میں ایک بزرگ نے دیکھا کہ انھوں نے یارب یارب ایک سانس اور پھر یاربا یاربا ایک سانس یا حیُّ یا حیُّ ایک سانس اسی طرح یا رحیمُ یا ارحم الرّاحمین ایک ایک سانس میں کہکر خدا سے دعا کی اور فوراً ایک خوان میں دو ردا اور انگور موجود ہوگئے۔ حالانکہ روئے زمین میں انگور کا موسم نہ تھا۔ راستہ میں ایک سائل ملا آپ نے کپڑے اسکو دیدیئے۔ میں نے اس شخص سے پوچھا یہ کون ہیں وہ بولا کہ جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

(۵) داؤد بن علی عبداللہ بن عباس نے حضرت کے موالیان میں سے کسی کو مار کر مال ان کا لے لیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تجھ پر دعائے بد کروں گا۔ اس نے ہنسی اڑا کر کہا مجھے دعائے بد سے ڈراتے ہو۔ رات میں آپ مصروف عبادت رہے صبح ہوتے ہی داؤد کے حق میں بد دعا کی اسی وقت داؤد قتل کیا گیا۔

(۶) ابو بصیر بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ اسکو غسل کا موقع نہیں ملا اور ایک جماعت کے ساتھ جو حضرت امام کی زیارت کے لئے جارہی تھی اسی حالت میں چلا گیا۔ حضرت امام نے فرمایا اے ابو بصیر کیا تو نہیں جانتا پیغمبران و فرزندان پیغمبر کے گھر میں بجانب جنب نہیں آیا کرتے میں نے توبہ کی اور معذرت چاہی۔

(۷) راوی کہتا ہے کہ میں مکہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ پھر رہا تھا کہ ایک عورت ضعیفہ کی گائے مرگئی اور وہ عورت اور اس کے بچے رو رہے تھے کہ ہماری گزر بسر اسی کے دودھ کے فروخت پر تھی۔ امام نے فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ تیری گائے زندہ ہو جائے۔ ضعیفہ بولی میاں کیوں ایسی مصیبت کے وقت ہنسی کرتے ہو۔ آپ نے دعا کی وہ گائے اٹھکر کھڑی ہوگئی۔

(۸) راوی کہتا ہے کہ ہم بہت سے آدمی خدمت امام جعفر صادق علیہ السلام میں حاضر تھے کسی نے سوال کیا کہ جب خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک تو وہ چاروں طائر ایک ہی جنس کے تھے یا مختلف آپ نے فرمایا یہ چاہتے ہو کہ ویسا ہی تمکو کرکے دکھلایا جائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا یہی منشا تھا۔ اب آپ نے آواز دی اے طاؤس پس ایک طاؤس حاضر ہوا۔ پھر آپ نے آواز دی اے غراب تو ایک غراب حاضر ہوا پھر آواز دی اے باز تو ہ باز حاضر ہوا۔ پھر کبوتر کو آواز دی وہ بھی حاضر ہوا پس سب کو مار کر گوشت و پوست بال و پر سب ریزہ ریزہ کر دیئے اور سر سب کے علیحدہ رکھ باقی سب کو ملا دیا۔ پھر آپ نے طاؤس کا سر اٹھا کر آواز دی اے طاؤس۔ دیکھا ہم نے کہ گوشت و پوست اس کا سب سے جدا ہو کر نئے سرے سے چپاں ہو گیا اور جسم طاؤس درست ہو گیا اور زندہ ہو کر اڑ گیا اسی طرح پر تینوں پرندوں کا حال ہوا۔

ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں ۷ صفر ۱۲۸ھ آپ کی تاریخ ولادت ہے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور القاب الکاظم" الصابر" الصالح اور الامین ہیں۔ طبقات الحفاظ میں درج ہے کہ بباعث کثرت عبادت اور اجتہادات و بیداری کے آپ کو عبد الصالح بھی کہتے تھے۔ فصول مہمہ میں لکھا ہے کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی ہاتھ والے اور بزرگ نفس والے تھے آپ فقرائے مدینہ کے حال پر مہربانی فرماتے اور ان کے گھروں میں درہم و دینار اور کھانا وغیرہ بھیجتے اور ان لوگوں کو معلوم نہ ہوتا کہ کہاں سے آتا ہے اور یہ راز ان پر امام کی وفات تک نہ کھلا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام اہل عراق میں خدا کی طرف سے حاجتوں کے پورا ہونے کا دروازہ "باب القضاء الحوائج" مشہور تھے اور اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ عابد تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی ذہانت اور علم سے لوگ متاثر تھے۔ ایک دفعہ ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہم السلام کے پاس آئے۔ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر ۶ سال کی تھی۔ ابوحنیفہ کے ساتھی نے کہا کہ ان سے کچھ سوال کرکے دیکھو۔ ابوحنیفہ نے کہا صاحبزادے بتاؤ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر وارد ہو اور قضائے حاجت کرنی چاہے تو اس کے لئے کونسی جگہ مناسب ہوگی۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ مسافر کو چاہیئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے۔ ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں۔ ان سے حذر کرے مکانوں کے صحن سے علیحدہ شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں کو چھوڑ کر نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پشت پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں

چاہے رفع حاجت کرے۔ کم عمر صاحبزادے سے یہ جواب سن کر ابو حنیفہ مبہوت ہو گئے (مناقب صـ۶۹)۔

خلیفہ ہارون رشید آپ کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آپ کو قید کر دیا اور قتل کا حکم دیا۔ اسی کی قید میں زہر دینے سے آپ کی شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہوئی۔ ہارون سے قبل خلیفہ الہادی نے بھی آپکو قید کر دیا تھا۔ ایک دفعہ ہارون نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے آپ کو رسول اللہ کی ذریت کیسے کہتے ہیں آپ تو علیؑ کی اولاد ہیں۔ جناب موسیٰ کاظم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ومن ذریته داؤد و سلیمان ...... الخ یعنی ابراہیم کی ذریت سے داؤد اور سلیمان تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے نام تک پہنچے اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا اور دوسری یہ آیت پڑھی فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ...... الخ یعنی پس جو کوئی تجھ سے جھگڑے اس کے بعد کہ جس کا تجھے علم آ گیا ہے پس کہدے۔ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ...... الخ یہ آیت پڑھکر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ نصاریٰ کے مقابلہ میں سوائے علیؑ اور حسنؑ و حسین علیہم السلام کے دوسرے کسی کو نہیں لے گئے۔ پس حسنینؑ آپ کے ابنا ٹھیرے۔

اہلِ طریقت بزرگ سید جمال علیشاہ چشتی الحسینی نے اپنے مقالہ مطبوعہ ۲ صفر ۱۳۴۴ھ میں کشف الغطا عن اصول الموتی کے حوالے سے امام شافعی کا قول درج کیا ہے۔ "قبر امام موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مر اجابتِ دعا را" یعنی امام موسیٰ کاظم کی قبر بالخصوص قبولیت دعا کیلئے تریاق مجرب ہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید نے آپ کو کعبہ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا اور لوگ آپ سے اظہار عقیدت کر رہے تھے اور بہ حیثیت امام آپ کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ ہارون کو لوگوں کی یہ عقیدت دیکھکر آپ پر حسد پیدا ہوا اور معترض ہوا آپ نے فرمایا میں دلوں کا امام ہوں اور تو جسموں کا امام ہے۔ جس روز دلوں کا امام اور جسموں کا امام پیش رسول خدا ہوں گے تو جسموں کا امام کہیگا السلام علیک اے چچا کے بیٹے اور دلوں کا امام کہے گا السلام علیک اے میرے باپ یہی آپ کی گرفتاری کا سبب ہوا۔ ہارون آپ کو گرفتار کر کے بغداد لے آیا اور ایک کہنہ قیدخانہ میں آپ کو قید کر دیا کچھ دن بعد ہارون نے آپ کو بصرہ بھیج دیا اور عیسیٰ ابن جعفر ابن منصور حاکم بصرہ کو لکھا کہ ان کو قید تنہائی میں رکھو۔ کچھ دنوں کے بعد لکھا کہ ان کو قتل کر دو۔ قید میں بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ:۔ خدایا میں تجھ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ مجھے اپنی عبادت کے لئے فراغت عطا فرما تو نے میری دعا قبول کر لی تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ جب عیسیٰ نے یہ سب حالات دیکھے آپ کے قتل سے انکار کر دیا تو ہارون نے حضرت کو بغداد بلا کر فضل بن ربیع کی حراست میں قید کر دیا۔ فضل بن ربیع نے بھی آپ کو قتل کرنے سے انکار کیا اس پر ہارون نے فضل ابن یحییٰ کو مقرر کیا۔ اس نے بھی قتل سے انکار کیا۔ اس کے بعد ہارون نے سندی بن شاہک کو بلا کر کہا کہ

برسوں گزر گئے موسیٰ ابن جعفر کا معاملہ یوں ہی لٹک رہا ہے۔ مجھے اس فکر سے نجات دے۔ اس نے زہر آلود انگور دیکر کھانے کی تاکید کی۔ تین دن آپ اس زہر کی تکلیف سے بےچین رہے اور ۲۵ رجب ۱۸۳ھ بہ عمرہ ۵۵ سال آپ کی شہادت ہوئی۔ ضعف نقاہت کا یہ حال تھا کہ جب آپ کا انتقال ہو چکا اور دربان نے حاکم کو اطلاع دی اور لوگ قید خانہ کے حجرے میں آپ کی نعش نکالنے آئے تو یہ دیکھکر واپس ہو گئے کہ حجرہ میں سوائے ایک کہنہ چادر کے اور کچھ نہیں ہے۔ دربان سے پوچھا تو اس نے اسی چادر کی طرف اشارہ کیا۔ صعوبتِ قید سے آپ صرف پوست و استخوان رہ گئے تھے اور جسد اطہر بھی چادر سے زیادہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ آپ کو ایسے تنگ و تاریک کمرہ میں قیدِ تنہائی میں رکھا گیا تھا جس میں ہوا اور روشنی کے لئے ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ دن رات میں صرف بھوسی کی دو روٹیاں اور ایک کوزہ آب ملتا تھا۔ اس میں بھی آپ کم تناول فرماتے تھے۔ اور سارا وقت تسبیح و تہلیل و مناجات میں صرف ہوتا تھا۔

فصل الخطاب میں خواجہ محمد پارسا لکھتے ہیں۔ خلیفہ مامون سے روایت ہے کہ ہارون عباسی نے ایک دفعہ اپنے بیٹوں سے کہا کہ موسیٰ کاظم لوگوں کے امام اور اللہ کی مخلوق پر اسکی حُجّت اور خلیفہ ہیں۔ میں تو ایک جماعت کا پیشوا ہوں۔ زور اور غلبہ سے میں نے طاقت حاصل کی ہے۔ خدا کی قسم وہ رسول اللہ کی جانشینی کے لئے مجھ سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں مگر ملک و سلطنت کے معاملہ میں وہ تو وہ اگر تم بھی مجھ سے مخالفت کرو تو آنکھیں نکال دوں۔ آپ کی مشہور تصانیف میں سے مسند ہے جسکو حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء نے آپ سے روایت کیا ہے۔

معجزات حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

(۱) خلیفہ مہدی نے مدینہ سے بغداد بلاکر آپ کو اول مرتبہ قید کیا تو آپ نے مہدی پر یہ آیت پڑھی۔ فھل عسیتم ان تولیتم تفسدوا فی الارض ..... الخ اسی وقت مہدی نے رہائی دی اور حضرت کو مدینہ بھیجدیا۔

(۲) یحیٰی برمکی نے سندی بن شاہک کے ذریعہ حسب حکم ہارون رشید حضرت کو پوشیدہ طور پر زہر دلوایا تو حضرت نے فرمایا آج مجھے زہر دیا گیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہوگا پرسوں میری وفات ہوگی۔

(۳) شفیق بلخی سے روایت ہے کہ سفرِ حج میں قادسیہ پہنچا۔ ایک جوان خوبرو گندم گون کو دیکھا کپڑوں کے اوپر پشمینہ پہنے ہوئے اور شملہ کاندھوں پر ڈالے ہوئے آدمیوں سے علٰحدہ تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ مجھکو خیال ہوا کوئی چھوٹا صوفی ہے۔ آدمیوں کو ٹھگنے بیٹھا ہے۔ چلکر اس کا امتحان کروں۔ جب میں قریب گیا تو اس جوان نے فرمایا یا شفیق اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ جب میں نے یہ سنا تو تعجب ہوا اور خیال آیا کہ یہ کوئی مرد بزرگ ہے۔ معافی چاہوں۔ مگر وہ اس وقت تک جا چکے تھے۔

دوسری منزل میں میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا کہ اعضا میں لرزہ اور اشک جاری تھے۔ میں نے صبر کیا کہ نماز سے فارغ ہوں تو معافی چاہوں تو آپ نے بعد نماز بیشتر ہی فرمایا کہ اے شفیق یہ آیت پڑھو۔ وانی لغفار لمن تاب وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ یہ کہکر چلے گئے۔ مجھکو خیال ہوا کہ یہ نوجوان ابدال ہیں کہ سر باطن پر آگاہ ہیں۔ اگلی منزل میں میں نے دیکھا کہ وہ کوزہ لئے چاہ پر کھڑے ہیں پانی لینے کا ارادہ ہے۔ ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر چاہ میں گر پڑا۔ آسمان کی طرف دیکھکر فرمایا انت ربی ..... الخ واللہ میں نے دیکھا کہ پانی چاہ کا بلند ہوا اور کوزہ اوپر آگیا۔ پھر کوزہ میں پانی لے کر وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر ایک ریگ کے ٹیلے پر گئے۔ وہاں سے ریگ اپنے ہاتھ سے کوزہ میں بھری اور اسکو نوش فرمانے لگے۔ میں گیا اور آپ سے طعام مذکور طلب کیا۔ دیکھا کہ ستو اور شکر ہے۔ ایسا لذیذ طعام میں نے کبھی نہ کھایا تھا۔ اس کی تاثیر سے کئی دن میں محتاج آب وخور نہ ہوا۔ پھر مجھے ظن فاسد کرنے سے ممانعت فرمائی۔ پھر مکہ تک میں نے ان کو نہ دیکھا مکہ میں دیکھا تو بڑے خدم وحشم کے ساتھ کہ جس جگہ کو نکلتے تھے لوگ سلام کرتے تھے۔ تب میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں۔ بولے موسیٰ ابن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب میں نے کہا ایسے عجائب وغرائب ایسے سید بزرگ سے کیا بعید ہیں۔

(۴) ہارون رشید نے علی بن یقطین کو ایک خلعت گراں بہا اور کچھ روپیہ عطا کیا۔ علی بن یقطین حضرت موسیٰ کاظمؑ سے کمال عقیدت رکھتا تھا اس نے وہ خلعت اور روپیہ حضرت امام کی خدمت میں بھیجدیا۔ آپ نے روپیہ تو رکھ لیا اور خلعت واپس کردی اور فرمایا اسکو احتیاط سے رکھو۔ تھوڑے عرصہ بعد کسی نے بادشاہ سے مخبری کی کہ علی بن یقطین نے وہ خلعت حضرت موسیٰ کاظم کو دیدیا ہے۔ وہ یقیناً ان کی امامت کا قائل ہے۔ ہارون نے علی بن یقطین کو بلا کر پوچھا کہ وہ خلعت کہاں ہے۔ اس نے فوراً پیش کردیا۔

(۵) شواہد میں درج ہے کہ کشتی سے ایک عروس کا زیور دریا میں گر گیا وہ شوہر کے ڈر سے پریشان اور گریاں ہوئی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بحالت قید بصرہ لئے جارہے تھے اور آپ ایک دوسری کشتی میں سوار تھے۔ آپ کے فرمانے سے پانی کے اندر سے زیور صاف نظر آنے لگا اور پانی وہاں کم ہوگیا۔ ملاح نے وہ زیور اٹھا کر دیدیا۔

راوی کہتا ہے کہ علی بن یقطین نے مجھکو فرمایا اور کہا دو راحلہ وہاں سے خرید اور یہ مال اور خطوط حضرت امام کو پہنچادے۔ میں مدینہ کے اس مقام پر پہنچا کہ وہاں حضرت امام تشریف لائے اور فرمایا کہ وہ سب شئے جو لائے ہو ہمیں دیدو۔ میں نے سب دیدیا۔ حضرت نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالکر تمام خطوط کے جوابات مجھے دیدیئے اور فرمایا لوٹ جاؤ۔

تمام ائمہ اہل بیتِ اطہار کے روضجات مرکز عنایات الہیہ و توجہات ربانیہ رہے ہیں۔ ائمہ معصومین کی مقدس بارگاہیں جن میں کا ہر ایک شہید راہ خدا ہے اور حسب ارشاد خداوندی۔ لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا اور ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات زندۂ جاوید ہے) جو مذہبی عقاید کی رو سے ملائکہ مقربین کی فرودگاہیں اور انوار ربانیہ کی تجلی گاہ ہیں۔ ہمیشہ مظاہر قدرت اور معجزات و کرامات کا مرکز رہی ہیں جنکی گواہی تمام طبقات کے مسلمانوں نے دی ہے۔

دمیری نے حیواۃ الحیوان میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے امام شافعی کا قول اس طرح درج کیا ہے۔ "کان الشافعی یقول قبر موسیٰ الکاظم التریاق المجرب"۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ مشکواۃ میں اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد رشید الدین فاضل نے اپنی مکاتیب میں امام شافعی کے قول کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مراجابت دعا را چہ آں مقام متبرک مہبط برکات و انوار است پس در اسرع اوقات حصول متصور۔

یوں تو ہر سال ان روضجات مطہر سے معجزے صادر ہوتے رہتے ہیں اور آئے دن سننے میں آتے رہتے ہیں مگر ایک سال ۱۳۵۰ھ میں حیرتناک کثرت کے ساتھ معجزات کا ظہور تمام ائمہ معصومین کے مشاہد مشرفہ میں تابڑ توڑ اور متواتر کاظمین، نجف اشرف، کربلا معلیٰ، خراساں، سامرہ روضہ حضرت ابالفضل العباس اور روضہ حضرت مسلمؑ میں یکے بعد دیگرے ہوا اور ان معجزات کی ابتدا اور سب سے زیادہ کثرت کاظمین میں رہی۔ جہاں ایک مہینہ کے اندر سینکڑوں معجزات سرزد ہوئے اور سینکڑوں نابینا، اپاہج، مفلوج مسلول ناقابل علاج آن کی آن میں شفایاب ہو کر نکلے۔ حکومت بغداد نے (جو تمام تر سنی حکام پر مشتمل ہے) تحقیقات کیلئے ایک کمیٹی بٹھائی تاکہ یہ دیکھیں کہ کوئی غلط پروپگنڈہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ اس کمیٹی نے سینکڑوں نابیناؤں اور اپاہجوں کے نام بعد تحقیق درج کئے جو مسلمہ طور پر ناقابل علاج تھے اور ڈاکٹروں نے جواب دیدیا تھا اور جو روضہ مطہر پر توسل سے شفایاب ہو گئے ان میں پچاس سے زائد خاص شہر بغداد کے رہنے والے تھے۔

سید العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہٗ نے موقعہ پر پہنچکر سینکڑوں اشخاص کی دستخطی گواہیاں حاصل کرکے اور بیرہ علماء کی دستخط و مہر کے ساتھ معجز و بینات کے نام سے ایک کتاب ۱۳۵۰ھ میں شائع فرمائی تھی۔ جس میں گواہوں کے اصل بیانات بھی نقل کئے گئے ہیں اور متعدد شفایافتہ اشخاص کی عکسی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ شفایافتہ افراد میں بلا لحاظ مذہب و ملت سینکڑوں سنی اور شیعہ شامل ہیں۔ اور گواہوں میں بھی سنی اور شیعہ ہر طرح کے افراد ہیں۔

عصمت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خلیفہ، وقت کی فتنہ پردازیوں اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

عصمت و طہارت کے لوگوں پر اثر انداز ہونے کے تعلق سے ابن شہر آشوب نے اپنی مناقب میں اور نیز علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں اور محدث شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل جلد دوم صفحہ ۱۵۲ پر درج کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید حضرت امام کی آزار دہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا اور آپ کی تنقیص شان کیلئے کذب و افتراء کے مختلف طریقے اختیار کرتا رہتا تھا اور بالآخر اسی کی قید میں حضرت امام کی شہادت زہر دینے سے واقع ہوئی۔ ایک دفعہ ہارون نے اپنے ایک تیز طرار کنیز کو بڑے انعام کا لالچ دیکر قید خانہ میں حضرت امام کے کمرہ میں بند کر دیا اور یہ تاکید کی کہ صبح اٹھکر شور و فریاد کرنا اور حضرت امام کو متہم کرنا۔ کنیز اس پر راضی ہوئی اور کمرہ میں پہنچادی گئی۔ مگر اس نے دیکھا کہ امام مصلائے عبادت پر نماز و ذکر میں مصروف ہیں اور رات بھر عبادت کا سلسلہ جاری ہے" سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کی آواز فضا میں گونج رہی ہے۔ اس نورانیت نے کنیز کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ توبہ کرکے خود ذکر الٰہی میں مشغول ہوگئی جب صبح ہارون کے آدمی مختلف لوگوں کو لیکر امام کو اتہام دینے آئے تو دیکھا کہ کنیز عبادت میں مشغول ہے۔ حضرت امام نے فرمایا ہم طہارت کے سمندر ہیں اگر کوئی نجس بھی ہمارے قریب آجائے تو پاک ہوجاتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہلبیت ویطھرکم تطہیراً۔

امام ہشتم حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام

آپ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۸ھ کو مدینہ میں تولد ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور القاب صابر، زکی، ولی اور رضا ہیں۔ ابراہیم ابن عباس کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھا۔ آپ کم سوتے اور روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے۔ مامون الرشید آپ کو ولیعہد سلطنت مقرر کرنے کے بعد بھی آپ چٹائی یا کمبل پر بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کے غلام نوکر سب دستر خوان پر ساتھ کھایا کرتے تھے بہت کم اور آہستہ گفتگو فرماتے اور گھر میں کسی کو آواز سے بات کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ دو چار آدمی کے سامنے بھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور تکیہ نہ لگاتے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں جو متعدد روایتیں درج کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہارون الرشید کے بیٹے مامون الرشید نے بہت سارے اہل علم کو جمع کرکے علم حاصل کیا اور خود بھی حدیثیں جمع کیں اور علماء سے بحث و مباحثے کئے یہ بالآخر شیعہ ہوگیا اور ۲۰۱ھ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنایا اور اپنی بیٹی سے آپ کا نکاح کیا اور آپ کے نام کا سکہ جاری کرادیا اور اپنی زندگی ہی میں خلع خلافت کرکے خلافت آپ کے سپرد کرنے کا قصد کرلیا حکم جاری کیا کہ جو دعا یہ کا ذکر بغیر کرے اس کی حفاظت سے ہم دست بردار ہیں اور خطبوں سے خلفائے ثلاثہ کے نام خارج کروادئے اور حکم دیا کہ صرف حضرت علی علیہ السلام کا نام خطبہ میں لیا جائے۔ اس کے اہل خاندان کو اب یقین ہوگیا کہ خلافت گھر سے گئی تو

دُنیا بنانے کا ذریعہ ان کے لئے باقی نہ رہیگا اور مامون کو ڈرایا کہ خلع خلافت کرنے کے بعد بھیک مانگیگا۔ یہ چیز مامون کے ذہن میں آگئی۔ ۷ رصفر ۲۰۳ھ کو بدوران سفر اس نے آپ کو انگور میں زہر ملاکر دیدیا۔ حضرت امام کو مامون الرشید کے زہر دینے کے متعلق صاحب خزینۃ الاصفیاء کا قول صاحبزادہ محسن فاروقی سجادہ نشین خانقاہ کلیمی دہلی نے بھی اپنی کتاب روحانیت کے تاجدار میں درج کیا ہے۔

تاریخ پر بغور نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مامون الرشید نے زیادہ تر سیاسی مصالح کی بناء پر باوجود حضرت امامؑ کے انکار کرنے کے پہلے تو تخت خلافت دینے کا پیشکش کیا اور پھر مجبور کر کے آپ کو اپنا ولیعہد بنایا۔ مامون الرشید کا پہلا دارالخلافہ مَرو شاہیگان تھا جو صوبہ خراسان کا بڑا ناشہر ہے یہاں مامون نے بڑے اعزاز واحترام سے امام رضا علیہ السلام کو طلب کیا علامہ ابن حجر تاریخ نیشاپور سے ناقل ہیں کہ جب حضرت امام مامون الرشید کی طلبی پر مرو جاتے ہوئے نیشاپور پر سے گزرے تو زائرین کی کثرت سے چلنا دشوار تھا۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے اور سر پر چھتری لگی ہوئی تھی۔ ابوذر رازی اور محمد بن اسلم طوسی اس زمانہ کے مشہور حافظان حدیث محمد بن رافعؒ احمد بن حارث یحیٰی ابن یحیٰی اور اسحاق بن راہویہ نے آگے بڑھکر باگ تھام لی۔ محدثین اور طلباء کی جماعت کثیر ان کے ہمراہ تھی جو شمار میں نہیں آسکتی تھی ان بزرگوں نے عجز سے عرض کیا کہ حضور لوگوں کو اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں اور اپنے آبائے کرام کی کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے اپنے خچر کو کھڑا کر دیا اور چھتری کو اتار دیا۔ دو گیسو آپ کے کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے آپ کے روئے مُبارک کو دیکھکر خلقت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور لوگ روتے چلاتے اور مٹی میں لوٹتے اور خچر کے پاؤں کو چومتے تھے۔ حضرت امام نے حسب ذیل حدیث ارشاد فرمائی۔ جو لوگ دوات قلم لے کر حدیث کو لکھ رہے تھے ان کی تعداد چوبیس ہزار گنی گئی۔

ترجمہ حدیث :۔ مجھ سے میرے والد ماجد امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق نے حدیث بیان کی کہ ان سے ان کے پدر بزرگوار امام جعفر صادق اور ان سے ان کے والد ماجد امام محمد باقر اور ان سے ان کے پدر محترم امام زین العابدین ان سے ان کے والد ماجد امام حسین شہید کربلا۔ اور ان سے ان کے والد بزرگوار حضرت علیؑ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے ابن عم حضرت رسول مقبول سے حدیث سُنی ہے وہ فرماتے تھے کہ جبرئیل امین نے رب العزت سے سنکر مجھ سے بیان کیا وہ فرماتا ہے " میں اللہ ہوں سوائے میرے کوئی قابل پرستش نہیں۔ اے میرے بندو میری عبادت کرو۔ تم میں سے جو شخص میری وحدانیت کی شہادت باخلاص کے ساتھ باقی رہا اس کے شرائط اور لوازم کے ساتھ (بشرطہا وشروطہا) وہ میرے حصن میں داخل ہوگیا اور جو میرے حصن میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امن میں ہوگیا۔ پھر حضرت امام نے فرمایا " وانا من شروطہا " اور میں ان شرطوں میں سے ایک ہوں۔ حاضرین نے پوچھا اخلاص شہادت کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا اللہ اور رسول کی اطاعت اور ائمہ اہلبیت کی محبت سے۔

مامون حضرت امام کو ایک دن خلوت میں بلاکر کہنے لگا۔ جب امین سے لڑائی ہو رہی تھی اور سادی

دنیا مجھے اپنے خلاف نظر آئی تو میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ خدا مجھے فتح عطا کرے تو خلافت کو اس کے مرکز اصلی پر واپس کر دوں گا اور بنی فاطمہ میں سے اس عہدہ جلیلہ کا جو سب سے زیادہ اہل ہوگا اس کو تخت و تاج سپرد کر کے خود اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ ہر چند کہ میں نے دیکھا اور غور کیا آپ سے بڑھکر اس عہدہ جلیلہ کا اہل کوئی نظر نہیں آتا۔ حضرت نے جواب دیا" یہ منصب اللہ کی طرف سے تم کو عطا ہوا ہے تو تم اس کو دینے والے کون اور اگر تمہاری چیز نہیں ہے تو دوسرے کو عطا کرنے کا حق کہاں سے آیا" خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں " اس باب میں مامون الرشید اور امام رضا کے درمیان بہت سی گفت و شنید ہوئی مامون بار بار اصرار کرتا اور حضرت ہر مرتبہ انکار فرما دیتے اور کہتے میں اللہ کی بندگی کو (اس رسمی جاہ و جلال کے مقابلہ میں) اپنے لئے زیادہ باعث افتخار سمجھتا ہوں (اور اس (مکرو فریب کی) دنیا سے ترک تعلق کر کے اللہ کے دربار میں بلند مراتب حاصل کرنے کا امیدوار ہوں۔ جب اصرار کرتا تو فرماتے" اے اللہ تیرے سوا کسی کا عہد عہد نہیں ہے۔ اور ولایت وہی ہے جو تیرے دربار سے ملے۔ مجھے اپنے دین کے ارکان قائم کرنے کی اور اپنے نبی کی سنت کو زندہ کرنے کی توفیق دے۔ تو ہی بہتر مولا ہے تو ہی بہتر مددگار" اس بحث میں کئی دن گزر گئے مامون تخت و تاج پیش کرتا اور امام عالی مقام قبول کرنے سے اپنی معذوری ظاہر فرماتے تھے۔ ایک دن فضل بن سہل وزیر اعظم نے مامون سے ہنسکر کہا میں نے آج تک حکومت اور بادشاہت کو اتنا ذلیل و خوار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا کہ جہاں پناہ اس کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں اور امام رضا در خورا عتنا نہیں سمجھتے۔

غرض جب مامون کا اصرار اور حضرت امام کا انکار حد سے گزر گیا تو مامون نے جھنجھلا کر کہا۔ آپ دنیا میں اپنے زہد و اتقا کا اور میری عاجزی اور کمزوری کا نقش جمانا چاہتے ہیں۔ اگر خلافت قبول نہیں تو میرے بعد ولیعہدی قبول فرمائیے اگر اس سے بھی آپ نے انکار کیا تو یہ امر توہین و تحقیر حکومت سمجھا جائیگا اور اس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب گفتگو یہاں تک پہنچ گئی تو مجبوراً حضرت امام نے ولیعہدی قبول فرمائی مگر شرط یہ لگائی کہ میں کاروبار سلطنت میں کوئی دخل نہ دونگا۔ ہاں کسی معاملہ میں مشورہ لیا گیا تو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے مطابق مشورہ دوں گا۔ حضرت امام نے ولیعہدی قبول کرنے کے سلسلے میں جو تحریر لکھی اس میں یہ درج فرمایا" مجھے خود نہیں معلوم میرے اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائیگا۔ بیشک فیصلہ کا حق خدا ہی کو ہے۔ وہی حق کی ہدایت کرتا ہے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے میں نے اس وقت جو کچھ کیا ہے وہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اسکی مرضی رکھی ہے۔

اقرار نامہ ولیعہدی دوشنبہ ۷ رمضان ۲۰۱ھ کو مامون نے لکھا۔ تین ہی ہفتہ بعد عید الفطر تھی۔ مامون نے چوبدار بھیج کر حضرت سے نماز عید پڑھانے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نماز نشان بادشاہی میں شمار کی جاتی ہے اور میں تم سے وعدہ لے چکا ہوں کہ تم مجھے اس قسم کے امور سے دور رکھیں گے۔ لہٰذا میرا عذر قبول کرو۔

مامون نے کہلا بھیجا کہ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کا فضل و شرف تمام خلقت پر ظاہر ہو جائے۔ مجبوراً امام عالی مقام نماز کے لئے گھر سے اس طرح برآمد ہوئے جس طرح حضرت رسولِ خدا اور حضرت علی مرتضیٰ عیدگاہ جایا کرتے تھے۔ سر پر سفید سوتی عمامہ جس کا ایک سرا سر پر اور دوسرا پیچھے دونوں شانوں کے درمیان چھوٹا ہوا۔ دامنِ قبا کمر تک اور پاجامہ نصف ساق تک چڑھا ہوا۔ دستِ مبارک میں عصا اور پا برہنہ، دروازہ پر خدام، ملازم، امراء، روسا زرق برق لباس پہنے کھڑے تھے۔ جب آپ کو دیکھا کہ اس سادگی سے ننگے پاؤں عیدگاہ کی طرف چلے ہیں تو چار و ناچار امراء اور روساء نے بھی جوتے اُتار دیئے اور سواریوں سے اتر کر پیدل چلے۔ امیر و غریب سب حضرت کی یہ سادگی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب حضرت چند قدم آگے بڑھ کر تکبیر کہتے تو درو دیوار سے اللہ اکبر کی صدا آتی۔

وزیرِ اعظم فضل بن سہیل کو جب امام کی اس ہر دل عزیزی کی خبر ملی تو سخت پریشان ہوا۔ اور اس کو خود اپنی قوت کے زائل ہونے کا اندیشہ پیدا ہوا۔ فوراً بادشاہ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا اگر اس آن بان سے امام مصلے تک پہنچ گئے اور نماز پڑھا دی اور خطبہ سُنا یا تو حکومت خاندان بنی عباس سے نکل جائے گی اور اس شہر میں ایک متنفس بھی ہمارا طرفدار نہ رہے گا۔ بہتر ہے کہ امام کو راستہ سے لوٹا دیا جائے۔ مامون کی سمجھ میں آگیا۔ چوبدار شاہی راستہ ہی میں حضرت امام سے جا ملا اور مامون کا یہ پیغام دیا کہ ہجوم خلائق سے آپ کو ناحق زحمت ہو رہی ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ کو اس بھیڑ بھاڑ میں تکلیف دوں آپ گھر جا کر آرام فرمایئے۔ جو پہلے نماز پڑھاتا تھا وہی نماز پڑھائے گا۔

مامون کی سیاسی چالوں اور اس جبری ولیعہدی کے بعد حضرت امام ڈیڑھ سال بھی زندہ نہ رہ سکے اور زہر دینے کی نوبت آگئی۔ ادھر آپ کی ولیعہدی کے اعلان کے ساتھ ہی ملک میں بنو عباس شر و فساد مچانے لگے اور بہت سے بنی عباس نے ملکر مامون کو معزول کرنے کا اعلان کر کے ابراہیم بن مہدی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ہر طرح سے مامون کو ڈرانے لگے۔ حضرت امام کو ولیعہد بنانے کے بعد مامون کی کیفیت اُگلے چین نہ نگلے چین کی تھی۔ نہ تو آپ کو ولیعہدی سے ظاہر بہ ظاہر ہٹا کر بنی فاطمہ کو مطمئن رکھ سکتا تھا۔ اور نہ آپ کو ولیعہدی پر برقرار رکھکر بنو عباس کی مخالفت کا سامنا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کر لیا کہ حضرت امام کو کسیطرح شہید ہی کر دے۔ مامون ادھر اپنے وزیر فضل ابن سہیل سے بھی مطمئن نہ تھا اور اس کے جوڑ توڑ سے نالاں تھا۔ سیاسی شر و فساد کو رفع کرنے مامون نے مقام مرو سے بغداد چلنے کا ارادہ کیا۔ فضل نے بہت کچھ روکنا چاہا اور آخر درجہ اپنے کو مرو میں چھوڑ دینے کہا۔ مگر مامون نے نہ مانا اور فضل ابن سہل کو بھی اپنے ہمراہ رکھکر بغداد روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں مقام سرخس پر منزل کی اور ایک رات چار آدمیوں کو متعین کر کے فضل ابن سہیل کو قتل کرا دیا۔ جب شاہی لشکر سرزمین طوس کے قصبہ سناباد

بس منزل انداز ہوا تو امام علیہ السلام نے اپنے ساتھی ہرثمہ کو بتا دیا کہ بادشاہ کے تیور اچھے نہیں ہیں۔ وہ مجھے زہر دینے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اتنے میں شاہی چوبدار آیا اور پیغام دیا کہ بادشاہ نے بلایا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ نہ آسکیں تو بادشاہ خود حاضر ہو گا۔ حضرت امامؑ کاندھے پر عبا ڈالکر مامون کے پاس پہنچے۔ اس نے تعظیم و تکریم کیلئے اٹھکر مسند پر لا بٹھایا مزاج پرسی کے بعد خادم کو آواز دی کہ وہ انگور جو ہم نے خصوصیت کے ساتھ حضرت کیلئے رکھائے تھے لے آؤ۔ یہ زہر آلود انگور تھے جو مامون نے حضرت امام کو کھلائے۔ حضرت امامؑ کی شہادت اور غسل و کفن کی تفصیل ہم اس کے بعد کے عنوان کے تحت درج کریں گے۔

خراسان کے قیام کے زمانہ میں حضرت نے اپنے فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کو جو اسوقت ۹ سال کی عمر کے تھے جو خط بذل و سخا کی نصیحت کے طور پر لکھا اس کا مضمون لائق ملاحظہ ہے "جانِ پدر ہم نے سنا ہے کہ جب تم گھر سے نکلتے ہو تو ملازم چھوٹے دروازہ سے تم کو سوار کراتے ہیں اور واپس لاکر اسی سے اندر لیجاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مخلوق خدا تمہاری داد و دہش سے بہرہ مند نہ ہو۔ میں تم کو حق پدری کی قسم دیتا ہوں کہ ہمیشہ صدر دروازہ سے آمد و رفت رکھو۔ جب تمہارے پاس ہو تو روپیہ پیسہ ساتھ لیکر نکلو تاکہ کوئی سائل محروم نہ جائے۔ تمہارے چچا مانگیں تو پچاس دینار سے کم نہ دو تمہاری پھپیاں مانگیں تو ۲۵ دینار ضرور دو زیادہ کا تم کو اختیار ہے راہ خدا میں بذل و ایثار کرو اور ذرا اندیشہ نہ کرو۔ انشاء اللہ ارض کا مالک تم کو فقیر و مفلس نہ ہونے دے گا" آپ کی تصنیفات میں سے مشہور کتاب مسند اہل بیت ہے۔

معجزات امام علی رضا علیہ السّلام

(۱) جب کہ مامون رشید نے حضرت امام علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنایا تو تمام امرائے سلطنت اور حاجب حضرت سے عداوت رکھنے لگے اور آپس میں شورہ کیا کہ جب کبھی آپ آئیں تو نہ استقبال کرو نہ پردہ اٹھاؤ۔ مگر جب بھی آپ تشریف لاتے بیساختہ سلام کو اٹھتے اور پردہ اٹھاتے۔ ایک دن سب نے ملکر عہد کیا کہ آج کسی طرح نہ اٹھیں گے اور نہ پردہ اٹھائیں گے۔ جب حضرت امام تشریف لائے تو سب نے پھر بیساختہ سلام کیا مگر پردہ نہیں اٹھایا مگر قدرت سے ایک ہوا آئی اور اس نے وہ پردہ اسی طرح اٹھا دیا کہ حاجب اٹھایا کرتے تھے سب کے سب سخت نادم ہوئے۔

(۲) ایک شخص کوفہ سے خراسان آیا اور اسکو بہت سے مسائل حضرت امام سے دریافت کرنے تھے۔ چند بار درِ دولت پر حاضر ہوا مگر بسبب انبوہ عرض کرنے کی نوبت نہ آئی۔ ایک روز اندر سے غلام آیا اور ایک کاغذ اس کے حوالہ کیا۔ اس میں اس کے تمام سوالات کے جوابات درج تھے۔

(۳) ابو اسمٰعیل ہندی عربی نہ جانتا تھا۔ آپؑ نے دعا کی اور اپنی انگشت اسمٰعیل کے لب سے مس کی وہ فوراً عربی زبان جاننے اور بولنے لگا۔

(۴) ایک چڑیا حضرت امام کے سامنے آ کر زمین پر لوٹنے لگی۔ حضرت امامؑ نے ایک شخص سے ارشاد کیا یہ کہتی ہے میرے گھر میں سانپ آ گیا ہے تو اسکو جا کر مار دے۔ چنانچہ اس نے جا کر گھونسلہ سے سانپ کو مار دیا۔

(۵) سری السقطی کے استاد حضرت معروف کرخی امام رضا علیہ السلام امام کے غلاموں میں سے تھے اور وہ آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ حاکم نے محمد بن عیسی سے روایت کی ہے کہ اس نے حضرت رسول خدا کو خواب میں دیکھا کہ شہر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور خرموں کا ایک طبق آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے اس میں سے آپ نے خرمے عمر بن عیسی کو عطا فرمائے ۱۰ اس کے ۲۰ دن بعد امام رضا علیہ السلام مدینہ سے تشریف لائے اور مسجد میں اسی مقام پر بیٹھے جہاں محمد بن عیسی نے اپنے خواب میں حضرت رسول کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ کے سامنے بھی خرموں کا ایک طبق تھا۔ آپ نے عیسی کو مٹھی بھر خرمے عنایت کئے۔ اس نے گنا تو ۱۸ تھے۔ اس نے اور طلب کیا تو فرمایا رسول خدا تجھے زیادہ دیں تو ہم بھی زیادہ دینگے

(۶) ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں ابو خلیط سے روایت کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ فلاں جگہ سے خاک لا۔ میں جب لایا تو اسکو سونگ کر فرمایا کہ یہاں میری قبر کھودنا اور بوقت کھودنے کے سر کی طرف ایک تری نمودار ہو گی۔ جو کلام میں تجھے بتلاؤں اسکو پڑھنا کہ پانی جوش میں آئیگا اور لحد بھر جائیگی۔ اور مچھلیاں چھوٹی چھوٹی پیدا ہونگی۔ اور روٹی جو میں تجھکو دیتا ہوں توڑ کر اس میں ڈال دینا کہ مچھلیاں کھا جائینگی۔ پھر یہ کلمہ پڑھنا کہ پانی خشک ہو جائیگا اور یہ سب امور مامون کے روبرو کرنا اور کل میں مامون کے روبرو بلایا جاؤں گا۔ جب وہاں سے واپس آؤں اگر میرے سر پر کپڑا ہو تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ دوسرے دن صبح میں غسل کرکے کپڑے بدل کر امام منتظر بیٹھے کہ آدمی مامون کا آیا۔ آپ اس کے ہمراہ چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو مامون نے استقبال کیا۔ بغلگیر ہو کر پیشانی پر بوسہ دیا اور پاس بٹھلایا انگور زہر آلود سامنے رکھے ہوئے تھے تواضع کی اور تعریف کی کہ ایسے انگور آپ نے نہیں دیکھے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا بہشت میں اس سے بہتر ہوتے ہیں۔ مامون نے انگور کھلانے میں اصرار کیا اور کہا کہ آپ اسے تناول نہیں فرماتے کہ مجھکو متہم رکھتے ہیں۔ اس کہنے پر آپ کھانے لگے کہ ایک خوشہ مامون نے اٹھا کر دیا اور آپ نے اس میں سے دو انگور کھائے اور اٹھ کر تشریف لے چلے مامون نے کہا کہاں جاتے ہیں۔ فرمایا جہاں تو نے بھیجا۔ اس وقت سر پر کپڑا ڈالکر چلے۔ مکان میں تشریف لائے دروازہ اندر سے بند کرا دیا اور بستر پر تشریف لے گئے۔ میں نہایت غمگیں مکان میں کھڑا تھا کہ دیکھا میں نے کہ ایک نوجوان حسین نہایت مشابہ امام رضا علیہ السلام سے ہے باہر سے چلا آتا ہے۔ میں ان کے آگے گیا اور پوچھا کہ تم اندر کیسے آئے دروازہ بند ہے۔ فرمایا کہ اس نے بھیجا جو ایک ساعت میں مدینہ منورہ سے یہاں تک لایا۔ پھر میں نے عرض کیا آپ کون ہیں فرمایا حجت اللہ محمد بن علی رضا پھر اپنے والد کے پاس تشریف لیگئے اور رحجہ سے فرمایا کہ آؤ امام رضا علیہ السلام ان کو دیکھکر اٹھے اور معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور بستر پر لیگئے۔ صاحبزادہ نے اپنا منہ اپنے باپ کے منہ پر رکھ دیا اور کچھ باتیں مخفی ہوئیں کہ میں ان کو نہیں سمجھا۔

بعد ازاں ہر دو لب امام رضا علیہ السلام پر کف دیکھا۔ نہایت سفید کہ امام محمد بن علی اسکو چاٹتے تھے۔ پھر ہاتھ اپنے والد کے جامہ میں بجانب سینہ ڈالا اور ایک شئے مثل گنجشک وہاں سے نکال کر منہ میں ڈال لی اور نگل گئے۔ بعدہ حضرت امام رضا نے وفات پائی۔ صاحبزادہ نے مجھکو حکم دیا کہ خزانہ سے پانی اور تختہ لاؤ۔ میں نے عرض کی خزانہ میں پانی ہے اور نہ تختہ۔ آپ نے فرمایا میرے حکم کی تعمیل کرو۔ خزانہ میں گیا تو پانی اور تختہ موجود پایا۔ لے آیا اور میں نے غسل میں مدد دینی چاہی لیکن صاحبزادہ نے فرمایا کہ غسل کی مدد کے لئے میرے پاس اور آدمی ہے تم جاکر خزانہ سے جامدانی جس میں کفن اور حنوط ہے لے آؤ۔ میں نے پیشتر خزانہ میں جامدانی نہ دیکھی تھی۔ عذر کیا۔ پھر بھی فرمایا کہ حکم کی تعمیل کرو۔ دیکھا کر خزانہ میں جامدانی موجود ہے۔ لے آیا۔ صاحبزادہ نے اس میں سے کفن اور حنوط نکالا اور غسل دیکر کفن پہنا کر خزانہ سے تابوت طلب کیا۔ حالانکہ پہلے وہاں نہ تھا۔ لیکن اسوقت جاکر دیکھا تو تابوت موجود تھا۔ اٹھا لایا۔ تابوت تیار کر کے نماز پڑھنے لگے۔ ہنوز نماز ختم نہ ہوئی تھی کہ تابوت نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور چھت مکان کی کھل گئی اور تابوت اوپر چلا گیا۔ اتنے میں مامون آیا اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ میں نے اطلاع کی۔ فرمایا ذرا ٹھہر جا ابھی تابوت آیا چاہتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر نبی شرق میں اور وصی اس کا غرب میں فوت ہو تو بعد وفات جسم سے جسم اور روح سے روح ملائی جاتی ہے۔ اسی نظر سے تابوت گیا ہے۔ یہ بات ختم نہ ہونے پائی پھر چھت شق ہو گئی اور تابوت واپس آ گیا۔ تابوت سے امام کو نکال کر پھر بستر پر لٹا دیا۔ تب مامون آیا اور بہت گریہ وزاری کی اور حکم قبر کھودنے کا دیا۔ میں نے وہ جملہ امور جو امام نے تعلیم کئے تھے روبرو مامون کے انجام دیئے اور مچھلیوں کا قصہ دیکھکر مامون متعجب ہوا اور بعد تدفین مجھکو بلایا اور مصر ہوا کہ وہ کلمات جو اس وقت پڑھے تھے مجھکو سکھلا دے۔ مگر میں اسی وقت بھول گیا تھا مگر مامون کو میرے بھول جانے کا یقین نہ آیا اور مجھکو قید کر دیا۔ برس روز تک میں قید میں رہا ایک روز نہایت ملول ہوا۔ اور اور خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ امام محمد تقی علیہ السلام میرے پاس زندان میں تشریف لائے اور فرمایا ابو خلیط تو بہت دل تنگ ہوا۔ میں نے عرض کی ہاں یا ابن رسول اللہ مجھکو بہت اذیت ہوئی۔ آپ نے فرمایا ابو خلیط تو میرے ساتھ چل آپ نے اپنا ہاتھ میری قید و زنجیر پر مس کیا۔ سب ٹوٹ کر الگ ہو گئے اور میں حضرت کے ہمراہ چلا آیا۔

نویں امام حضرت محمد جواد التقی علیہ السلام

آپ امام رضا علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۰ رجب ۱۹۵ھ آپ کی تاریخ ولادت ہے۔

آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابو جعفر اور القاب تقی' جواد' القانع' اور المرتضیٰ ہیں آپ کی والدہ ماجدہ سبیکہ خیزران ریحانہ اور سکینہ کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کا سلسلہ قرابت ماریہ قبطیہ زوجہ حضرت رسول سے ملتا ہے۔ اپنے والد ماجد کی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۸ و ۹ سال کی تھی مگر علمی تبحر اور زہد و

تقویٰ کا وہی حال تھا جو اس خاندان کا نشان ہے۔ مطالب السئول میں لکھا ہے۔ کان صغیر السن فھو کبیر القدر و رفیع الذکرہٗ

صواعق محرقہ میں ہے کہ ایک دن آپ بغداد کی گلی میں کھڑے ہوئے تھے۔ لڑکے کھیل رہے تھے۔ مامون کی سواری آئی لڑکے بھاگ گئے آپ کھڑے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر نو برس کی تھی۔ مامون نے آپ سے پوچھا اے میاں لڑکے تم کیوں نہیں بھاگے۔ آپ نے جواب دیا۔ راستہ تنگ نہیں تھا کہ میرے ہٹ جانے سے تمھاری سواری کا راستہ کشادہ ہو جاتا اور میں مجرم نہیں تھا کہ تمھارے خوف سے بھاگ جاتا اور تمھاری نسبت میرا گمان بھی نیک تھا کہ بغیر جرم کے کسی کو نہیں ستاؤ گے۔ مامون نے پوچھا تمھارا اور تمھارے والد کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا محمد بن علی الرضا۔ مامون سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ اس وقت شکار کھیلنے نکلا تھا۔ اس کے ساتھ چند باز تھے۔ جب آبادی سے دور نکل گیا تو ایک باز کو تیتر پر چھوڑا کہ وہ غائب ہو گیا جب لوٹ کر آیا تو اس کی چونچ میں ایک ننھی سی مچھلی تھی۔ مامون دیکھکر نہایت متعجب ہوا اور وہاں سے لوٹا جہاں لڑکے کھیل رہے تھے۔ جناب امام کے سوا سب چلے گئے مامون نے قریب جاکر پوچھا یا محمد میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں ننھی سی مچھلیاں پیدا کی ہیں جو کبھی اونچی لہروں کے ساتھ ہوا میں پہنچ جاتی ہیں اور بادشاہوں کے باز ان کو شکار کرتے ہیں اور بادشاہ اہل بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون نے کہا بیشک آپ امام علی رضا علیہ السلام کے فرزند اور وارث علم ہیں۔ آپ کو اپنے ساتھ لے گیا اور نہایت تکریم سے پیش آیا۔ جس قدر کہ اس پر آپ کے علم و فضل اور کمال عقل اور ظہور براہان کی حقیقت کھلتی گئی اسی قدر وہ آپ کی تعظیم و تکریم باوجود اس کم عمری کے زیادہ کرنے لگا آخر اس نے حضرت امام سے اپنی بیٹی ام الفضل کے نکاح کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع ہوئے کہ کہیں ان کے باپ کی طرح سے ان کو بھی ولیعہد نہ بنائے مامون نے عباسیوں سے کہا میں نے باوجود اس صغر سنی کے تمام اہل فضل پر علم و فضل اور حلم میں ان کے ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کو اس بات کے لئے منتخب کیا ہے۔ بنی عباس آپ کے ان اوصاف میں تنازعہ کرنے لگے۔ اور ان لوگوں نے مقرر کیا کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائیں گے جو ان امور میں ان کا امتحان کرے۔ اس بات کے لئے انھوں نے اس زمانے کے بڑے عالم اور پختہ کار مناظر یحییٰ بن اکثم کو پیش کیا۔ سب اراکین سلطنت اسوقت جمع تھے۔ خلیفہ نے جناب امام کے لئے ایک مکلف مسند بچھوائی۔ جناب امام نے اس پر جلوہ فرمایا یحییٰ نے ان سے چند پیچیدہ مسائل پوچھے۔ آپ نے دلائل واضحہ سے جواب دیئے۔

یحییٰ بن اکثم کا ایک سوال یہ تھا کہ حالت احرام میں اگر کوئی شکار کرے تو اس کا کفارہ کیا ہے۔ حضرت امام نے جن کی عمر اس وقت ۱۰ سال کی اور بروایتے ۱۲ سال کی تھی فرمایا تمہارا سوال نامکمل ہے۔

کفارہ کے تعین کے لئے تمکو یہ بتانا چاہیئے کہ شکار کرنے والا عاقل و بالغ تھا یا نابالغ، مرد تھا یا عورت، دن کو شکار کیا یا رات کو حرم کے اندر شکار کیا یا باہر، شکار کرنے والا اپنے قصور پر نادم ہے یا نہیں۔ یحییٰ بن اکثم نے یہ تفصیل سُنی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ خلیفہ نے کہا یا ابا جعفر تم نے بہت ہی اچھی طرح سے ان کے مسائل کا جواب دیا۔ اگر چہ ایک ہی مسئلہ ہو مگر آپ یحییٰ سے ضرور پوچھیں۔ آپ نے یحییٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو کہ صبح کو ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا اور وہ اسوقت حرام تھی۔ پھر آفتاب کے طلوع کے وقت وہ اس پر حلال ہوگئی پھر ظہر کے وقت اس پر حرام ہوگئی اور عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی پھر مغرب کے وقت حرام ہوگئی پھر عشا کو حلال ہوگئی اور آدھی رات کو حرام ہوگئی اور پھر فجر کو حلال ہوگئی۔ یحییٰ نے کہا میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ جناب امام نے فرمایا۔ صبح کو ایک اجنبی نے ایک کنیز کی طرف دیکھا وہ اسوقت اس مرد پر حرام تھی اور آفتاب کے طلوع کے وقت اسکو خرید لیا وہ اس پر حلال ہوگئی ظہر کے وقت اس نے اسکو آزاد کر دیا اور عصر کے وقت اس سے نکاح کیا اور مغرب کے وقت ظہار کیا اور عشاء کو کفارہ دیا اور آدھی رات کو طلاق رجعی دی اور فجر کو اسے رجوع کر لیا۔ یہ سُنکر مامون نے بنی عباس سے کہا جس بات پر تم جھگڑتے تھے اب تم نے دیکھ لیا۔ پھر اسی مجلس میں جناب امام کے ساتھ اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح کر دیا۔ یہ گویا مامون کی خصوصیت تھی کہ اماموں کے علم و فضل و علم جودت سے متاثر ہو کر اپنی بیٹیاں دیتا اور پھر حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے زہر دیدیتا۔ چنانچہ جس طرح حضرت امام رضا علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا تھا آپ کو بھی زہر دلوادیا۔

سبط ابن الجوزی تذکرۃ الخواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ مامون کی بیٹی ام الفضل نے اپنے باپ کے حکم سے آپ کو زہر دیا۔ ۲۹ ذیقعدہ ۲۲۰ھ کو بہ عمر ۲۵ سال آپ کی شہادت واقع ہوئی اور بغداد کاظمین الشریفین میں اپنے جد موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر کے بازو دفن کئے گئے۔

معجزات امام محمد تقی علیہ السلام

(۱) جب امام رضا علیہ السلام نے وفات پائی تو اسوقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر نو یا بروایتے گیارہ سال کی تھی، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح آپ سے کر دیا۔ جب امام محمد تقی علیہ السلام دختر مامون سے شادی کرکے مدینہ کو تشریف لے چلے راستہ میں کوفہ پر ٹھیرے مسجد میں ایک بیر کا درخت تھا۔ جودت سے بار آور نہ ہوا تھا۔ آپ نے اسپر وضو کیا وہ فوراً بار آور ہوگیا لوگوں نے تبرک کے طور پر وہ پھل کھائے۔

(۲) راوی کہتا ہے کہ یہ بات مشہور ہوئی کہ ایک شخص کوفہ میں دعویٰ نبوت کرتا ہے اور وہ حاکم کی قید میں ہے۔ اسکو دیکھنے کو گیا اور اس سے حال پوچھا تو کہا کہ میں نے دعویٰ نبوت تو نہیں کیا اصلیت یہ ہے کہ ملک شام میں اس مسجد میں موجود تھا جہاں سر امام حسین علیہ السلام رکھا گیا تھا ایک شخص آیا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ اُٹھ میں اٹھا اور اپنے تئیں مسجد کوفہ میں پایا اور پھر وہاں سے مدینہ میں لائے اور پھر مکہ لے گئے اور وہاں سے وہ تشریف لے گئے تو میں نے اپنے آپ کو اسی مسجد میں پایا۔ اگلے سال پھر ایسا ہی اتفاق ہوا کہ مسجد کوفہ اور مدینہ اور مکہ میں آنا جانا میں لے گئے۔ تب میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں تو فرمایا کہ محمد بن علی الرضا ہوں۔ یہ حال میں نے لوگوں سے کہا تو مجھ سے عداوت رکھنے لگے اور حاکم سے دروغ تہمت لگائی کہ یہ شخص دعویٰ نبوت کرتا ہے اس نے مجھکو بلا دریافت قید کردیا۔ راوی کہتا ہے کہ جب مجھکو یہ حال معلوم ہوا تو حاکم کو اس حال کا خط لکھا اور اس نے جواب دیا کہ جو شخص اسکو طرفۃ العین میں شام سے کوفہ اور کوفہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ اور مکہ سے پھر شام لے گیا ہے وہی ہماری قید سے بھی چھڑا سکتا ہے۔ یہ جواب مجھکو نہایت گراں گزرا۔ مگر دوسرے روز سن لیا کہ وہ شخص زنداں سے غائب ہے۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی نے بھی اپنی کتاب "روحانیت کے تاجدار" میں حضرت امام کے حالات میں متذکرہ صدر معجزات درج ذیل کئے ہیں۔

ایک عورت صالحہ نے کسی شہر سے امام کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ اپنے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا کفن کے لئے دیں۔ جبکہ قاصد نے یہ پیغام دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب اسکو اسکی حاجت نہیں ہے۔ قاصد جب واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ چودہ روز ہوئے وہ عورت مرگئی۔

(۲) ملا جامی نے شواہد النبوت میں ابو خلیط سے روایت کی ہے کہ جب اسکو خلیفہ مامون نے قید کردیا اور برس روز تک قید میں رہا تو نہایت ملول ہوا اور خدا سے دعا مانگی کیا دیکھتا ہوں کہ امام محمد تقی علیہ السلام میرے پاس زنداں میں تشریف لائے اور فرمایا ابو خلیط تو بہت دل تنگ ہوا میں نے عرض کی ہاں یا ابن رسول اللہ مجھکو بہت اذیت ہوئی آپ نے فرمایا ابو خلیط تو میرے ساتھ چل آپ نے اپنا ہاتھ میری قید کی زنجیر سے مس کیا۔ حلقے ٹوٹ کر الگ ہوگئے اور میں حضرت کے ہمراہ چلا آیا۔

دسویں امام حضرت علی النقی علیہ السلام

آپ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی ولادت ۵ رجب ۲۱۴ھ کو ہوئی۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور آپ کے لقب، المرتضیٰ، المتوکل، الناصح، الفقیہ، الامین، الطیب اور نقی ہیں خلیفہ وقت نے آپ کو مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور آپ سر من رائے جسے سامرہ کہتے ہیں تشریف لے گئے۔ سامرہ کا دوسرا نام عسکریہ بھی تھا۔ اس لئے آپ کو علی العسکری بھی کہا جاتا ہے آپ کا علم اور سخاوت دور نزدیک مشہور تھی۔

ایک دفعہ کوفہ کا ایک اعرابی آپ کی خدمت میں آکر کہنے لگا میں آپ کے جد امجد کی دوستی کے ساتھ متمسک ہوں اور قرض کے بوجھ سے دب گیا ہوں۔ میں آپ کے سوا اس کے ادا ہونے کی سبیل نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا مجھے کتنا قرض ہے۔ اس نے کہا دس ہزار درہم آپ کے پاس روپیہ نہ تھا۔ آپنے فرمایا تو غم کھا۔

انشاء اللہ ادا ہو جائے گا۔ آپ نے اسکو دس ہزار درہم کا ایک تمسک لکھدیا اور فرمایا تو پھر آکر ہم پر اس کا تقاضا کیجیو جب آپ مجلس عام میں بیٹھے ہوئے تھے اعرابی نے آکر تمسک کی بناء پر تقاضا کیا۔ تیس ہزار درہم پیش ہوگئے اور آپ نے سب اسکو دیدیا۔ اعرابی نے کہا یا ابن رسول اللہ میری حاجت ہزار درہم کی تھی اور بیس ہزار درہم آپ کو واپس دینے چاہئے آپ نے فرمایا وہ سب تیرے ہی حصّہ کے ہیں۔ اعرابی یہ کہتا ہوا لوٹا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے مقام کو خوب پہچانتا ہے۔

بعض حافظان اخبار بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ متوکل عباسی کے سامنے ایک عورت نے سیدانی ہونیکا دعویٰ کیا۔ متوکل نے کہا کیا ایسا کوئی طریقہ ہے جس سے اس عورت کے دعویٰ کی آزمائش کیجائے۔ لوگوں نے جناب علی النقی علیہ السلام کی طرف دلالت کی متوکل نے جناب امام کو بلا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور اس عورت کے دعویٰ سیادت کے امتحان کی نسبت پوچھا۔ آپ نے فرمایا پروردگار نے درندوں پر حسین کی اولاد کا گوشت حرام کیا ہے۔ تم درندوں کو اس کے پیچھے ڈالدو۔ یہ سنکر اس عورت نے اپنے جھوٹ کا اقرار کیا۔ لوگوں نے متوکل سے کہا تم خود ان کا حضرت امام کا تجربہ کیوں نہیں کرتے۔ متوکل نے تین درندے قصر کے صحن میں چھوڑوائے اور پھر جناب امام کو اس میں داخل کرکے دروازہ بند کرادیا۔ اور خود چھت پر چڑھکر تماشا دیکھنے لگا۔ درندوں نے جو غرّا رہے تھے جب دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہوگئے۔ جب آپ صحن میں پہنچکر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے آپ کی طرف بڑھے اور سامنے آکر ٹھہر گئے اور آپ کو چھو کر گرد پھرنے لگے آپ اپنی آستیں ان پر ملتے تھے۔ پھر درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل جو دشمن آل رسولؐ تھا اور امام حسین علیہ السلام کی قبر پر زراعت کروانے کی کوشش کی تھی یہ دیکھکر سخت مرعوب ہوا۔ لوگوں نے متوکل سے کہا تو بھی ایسا کرکے دکھا جس طرح سے تیرے ابن عم نے کیا ہے۔ متوکل کہنے لگا شاید تم میری موت کے خواہاں ہو۔

متوکل عباسی نے سیاسی مصلحتوں سے زور وشور کی دعوتیں دیکر حضرت امام کو سامرہ میں بلایا۔ اور آپ کو لانے یحییٰ ابن ہرثمہ کو فوجی رسالہ دیکر بھیج دیا۔ انکار کرنا خلاف مصلحت پا کر حضرت تن بہ تقدیر آمادہ سفر ہوگئے۔ اور رخت سفر تیار کرنے لگے یحییٰ ابن ہرثمہ جو حشویہ عقائد کا شخص تھا بیان کرتا ہے کہ ایک دن جو میں امام عالیمقام کے در دولت پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ سفر کی تیاری کے لئے بڑے بڑے لحاف لبادے اور گرم کپڑے سل رہے ہیں اور بقچوں میں باندھے جا رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا لوگ اس شخص کو مسند نبوی کا وارث اور زمانہ بھر کا امام کہتے ہیں جسکو نہ موسم کا اندازہ ہے نہ ملک کی آب و ہوا کی خبر بھلا اس سخت گرمی کے زمانہ میں ان لحاف لبادوں کی کیا ضرورت ہے۔ آخر ہم مدینہ سے روانہ ہوئے اور راستہ میں ایک ایسے مقام پر منزل کرنی پڑی جہاں سے کوسوں آبادی نہ تھی نہ گھاس تھی نہ درخت نہ چشمہ نہ کنواں کھانے کا سامان ہمارے ساتھ کافی تھا اور پانی بھی ساتھ لے لیا تھا۔ اس لئے منزل انداز ہونے میں تامل نہ ہوا کیونکہ دن ختم ہونے کے قریب آگیا تھا۔ میرا

عقیدہ حشویہ تھا۔ اور میرا مددگار شیعہ تھا۔ اور ایک دوسرا شخص جو میرے تحت میں تھا سُنی تھا۔ جب ہم ہاتھ مُنہ دھو کر خیمہ میں بیٹھے تو میرے سُنّی دوست نے کہا شیعوں کے ہاں حضرت علی سے ایک حدیث منقول ہے کہ دنیا میں کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں قبریں نہ بنی ہوں۔ بھلا اس لق و دق صحرا میں کون دفن ہونے آیا ہو گا اور یہاں کس کی قبر بنی ہو گی۔ اتنے میں رات ہو گئی آسمان پہ گھٹا چھا گئی زوردار ہوا چلنے لگی اور موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ اور اولے بھی گرے۔ اور سردی اس قدر بڑھ گئی کہ دانت بجنے لگے۔ آدھی رات کے قریب یہ حال ہو گیا کہ لوگ سردی سے قریب بہ ہلاکت پہنچ گئے۔ میں اپنے خیمہ میں اکڑتا ہوا بے حس و حرکت پڑا تھا کوئی گرم کپڑا نہ تھا جو اوڑھتا۔ یکایک اس برف باری اور آندھی کے عالم میں کسی نے میرے خیمہ کے دروازے پر آواز دی۔ پردہ اٹھا کر دیکھا تو امام علی نقی علیہ السلام کا ایک آدمی تھا جو ایک بقچہ لیکر آیا تھا مجھے دیکھ کر کہنے لگا حضرت نے یہ گرم کپڑے آپ کو اور آپکے مددگار کو عطا فرمائے ہیں اس بقچہ کو کھولا تو دو لحاف دو لبادے اور دو گرم عبائیں نکلیں جن کو میں نے اور میرے مددگار نے استعمال کیا اور حضرت امام کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اپنے پرانے اعتقاد سے توبہ کی اور حضرت کی امامت کا اقرار کیا۔

صبح ہوتے ہوتے ہمارے ساتھیوں کی یہ حالت ہوئی کہ آدھے سے زیادہ مر گئے۔ انہیں میں میرے عملہ کا وہ آدمی بھی تھا جس نے حضرت علی علیہ السلام کے قول کا مضحکہ اڑایا تھا۔ یہ ہولناک اور عبرت خیز سانحہ دیکھ کر ہم امام عالیمقام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نماز سے فارغ ہو کر تعقیبات کے بعد قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے فارغ ہوئے تو مزاج پرسی کی اور فرمایا اپنے ساتھیوں کے کفن دفن کا انتظام کرو اسی طرح زمین کے قطعے انسانوں کا مدفن بنتے ہیں ہمارے جد امجد کا قول غلط نہیں ہے۔

متوکل انتہائی متلون مزاج اور ظالم شخص تھا ادھر تو انتہائی احترام و تکریم سے حضرت امام کو دعوت دیکر بلایا تو جب آپ سامرہ تشریف لائے تو توجہ بھی نہ کی اور پھر قید کر کے فوجی پولیس کے حاکم زراقی کی حراست میں دیدیا اور حکم دیا کہ قید خانہ میں کسی قسم کی آسانی میسر نہ آئے۔ زرانی ایک سیدھی وضع کا تند خو ردی الاصل فوجی تھا اس نے امام ہمام کا زہد و تقویٰ علم و فضل دیکھا تو آپ کا غلام ہو گیا صفرا ابن ابی الف ایک چھپے ہوئے شیعہ تھے۔ امام ہمام کی قید کا حال سنکر کسی طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہونے زراقی سے بہ حیلہ و حوائل گفتگو کی زراقی نے کہا اپنے شیعہ بن کر مجھ سے کیا چھپاتے ہو میں خود متوکل پر لعنت بھیجنے لگا ہوں۔ اس نے صفرا کو حضرت امام کے کمرہ قید میں پہنچا دیا صفرا نے دیکھا کہ امام ایک بوریئے پر بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں اور سامنے قبر کھدی ہوئی ہے حضرت کی مظلومی اور بیکسی کو دیکھ کر صفرا زار و قطار رونے لگے حضرت نے تسلی دی اور فرمایا ابھی مجھے ان اشقیاء سے کوئی گزند نہیں پہنچیگا۔ یہ قبر میں نے اس لئے تیار کر رکھی ہے کہ موت کا خیال ہر وقت رہے اور عبادت میں خضوع و خشوع پیدا ہو۔

جب متوکل کو اس کا علم ہوا کہ زراقی حضرت امام سے نرمی کر رہا ہے تو اس کی حراست سے نکال کر

سعید نامی ایک امیر کی نگرانی میں دیدیا۔ جو آپ پر ہر طرح کی سختی کرنے لگا۔ ابن رودمہ ناقل ہیں کہ کسی ضرورت سے وہ سامرہ گئے اور یہ سنکر حضرت امام امیر سعید کی حراست میں ہیں زیارت امام کے لئے سعید کے پاس پہنچا۔ دیکھتے ہی اس نے کہا کہ تم اپنے خدا سے ملنے آئے ہو۔ ابن رودمہ نے کہا توبہ کرو۔ میرا خدا اس سے منزہ ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک کر سکیں۔ اس نے کہا میری مراد یہ تھی کہ تم اس سے ملنے آئے ہو۔ جسے دُنیا اور آخرت میں اپنا امام سمجھتے ہو۔ رودمہ نے صاف صاف کہہ دیا۔ بیشک حضرت کی زیارت کو آیا ہوں سعید بولا متوکل نے مجھے ان کا کام تمام کرنے کا حکم دیا ہے اور کل تک میں انہیں ٹھکانے لگا دوں گا۔ آج تم ان کو دیکھ لو جب رودمہ اندر پہنچے تو دیکھا اندھیری کوٹھری میں حضرت تن تنہا تشریف فرما ہیں اور سامنے لحد کھدی ہوئی ہے۔ سعید کہہ ہی چکا تھا کہ حضرت کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے دیکھتے ہی رودمہ زار و قطار رونے لگے۔ حضرت تسلی دی اور فرمایا جب تک متوکل کا کام تمام نہ ہوئے میری جان کو خطرہ نہیں۔

امام علی النقی علیہ السلام کے مخالف بھی شاہد ہیں کہ برسوں کی نظربندی اور قید و بند نے آپ کے مزاج کو برہم نہیں کیا اور آپ کے صبر و سکون اور اعتدالِ نفس میں کچھ فرق نہیں آیا۔ دن بھر روزہ رکھتے۔ رات بھر عبادت کرتے۔ روکھی سوکھی جو کچھ قید خانہ میں میسر آجاتی شکر کے ساتھ کھاتے اور بھولے بسرے کوئی ملنے آنکلتا تو اس خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کرتے اور اس بشاشت سے گفتگو کرتے کہ یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ آپ ان حالات سے دل تنگ ہیں حضرت امام نے اپنے عمل سے یہ بتا دیا کہ اللہ کے مخلص بندوں کا معمول قید ہو یا آزادی گھر ہو یا مجلس ہر حالت میں یکساں رہتا ہے اور صبر و تحمل و برداشت کا جو سبق آپ نے قید کی اندھیری کوٹھری میں رہ کر دیا وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ رہے گا۔

متوکل نے ایک دفعہ بحالت نشہ مذاق اڑانے کے لئے حضرت امام کو قید خانے سے اپنے دربار میں طلب کیا جہاں ناچ رنگ ہو رہا تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ اس نے شراب کا پیالہ حضرت امام کی طرف بڑھایا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اس کو نہ کبھی میرے آباؤاجداد نے چھوا اور نہ میں چھوتا۔ متوکل نے کہا اچھا گانا سنئے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ متوکل نے کہا اچھا تو کچھ شعر سنائیے۔ امام عالیمقام نے حضرت علی علیہ السلام کے شعر نصیحتاً سنائے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رات گزارتے تھے اور بہت سے لوگ ان کی حفاظت میں مصروف تھے مگر ان بلند چوٹیوں نے ان کو کچھ فائدہ نہیں دیا۔ تزک و احتشام سے ان مستحکم مکانوں میں زندگی کرنے کے بعد ان کو قبروں کی پستی کی طرف اترنا پڑا۔ ہائے ان کی کیسی بُری گت بنی ان کے دفن ہونے کے بعد ایک پکارنے والے نے کہا تخت و تاج اور پوشاک کدھر گئی۔ وہ صورتیں کیا ہوئیں جن پر تم نقاب ڈالے رہتے تھے اور آگے پردے اور حجاب پڑے رہتے تھے قبر نے جواب میں کہا ان چہروں پر کیڑے رینگتے ہیں۔ مدتوں تک

وہ اکل و شرب میں مصروف رہے۔ اب وہ خود کیڑوں کا کھاجا بن گئے ہیں"۔

ان اشعار کا بادشاہ اور اس کے اہل دربار پر ایسا اثر ہوا کہ سب دھاڑیں مار کر رونے لگے اور بےثباتی دنیا کا نقشہ ان کی نگاہوں کے سامنے پھر گیا۔ اکثر حاضرین نے جام توڑ دیئے اور شراب نہ پینے اور لہو و لعب میں شریک نہ ہونے کی قسم کھائی۔

حضرت امام کے تیرہ سال قید میں گزرے۔ فتح بن خاقان وزیر نے جب مزاج شاہی میں دخل حاصل کیا تو بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حضرت امام کو قید خانہ سے نکال کر ان کے گھر میں نظر بند کر دیا جائے۔ فتح بن خاقان نے ایک زمین حضرت امام کے نام سے خریدی۔ اس پر جب مکان تعمیر ہوا تو حضرت امام وہاں منتقل کر دیئے گئے۔ متوکل نے وہاں بھی پہرہ قائم کر دیا۔

ایک دفعہ متوکل ایک سخت مرض میں مبتلا ہوا۔ تمام نامی گرامی حکیموں نے علاج کر کے مایوسی ظاہر کر دی۔ متوکل کی ماں نے حضرت امام کی خدمت میں عرض کروایا کہ میرے بیٹے کو شفا دیجئے۔ حضرت نے ایک معمولی سا نسخہ لکھ کر بھیج دیا جس سے متوکل دو چار ہی روز میں شفایاب ہو گیا۔ متوکل کی ماں نے دس ہزار دینار کی ایک تھیلی حضرت کی خدمت میں بھیجی جو آپ نے غریبوں میں تقسیم کروا دی۔ حضرت کی دور نزدیک شہرت ہوئی کہ ایک سادہ سی بلاقیمت دوا سے مرض مہلک کا علاج کر دیا اور پھر یہ کہ اپنے دشمن پر بھی رحمت کر کے اسکو صحت یاب کر لیا۔

حضرت امام سے لوگوں کی عقیدت کو دیکھ کر متوکل ہمیشہ آپ سے خائف رہتا کہ کہیں لوگ آپ کی طرف رجوع ہو کر مجھے تخت سے نہ اُتار دیں۔ قید و بند میں رکھنے سے بھی متوکل مطمئن نہ تھا۔ ایک دفعہ شراب کے نشہ میں آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ متوکل کا کاتب فضل بن احمد کہتا ہے کہ ایک دن میں متوکل کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ فتح بن خاقان کو سخت سست کہہ رہا ہے کہ تم امام علی نقی کو بے قصور کہتے ہو اور ان کی طرف صفائیاں پیش کرتے ہو مگر میرے جاسوس برابر یہ خبریں دے رہے ہیں کہ لوگ ان کی طرف رجوع ہوتے جاتے ہیں۔ آج میں نے طے کر لیا ہے کہ ان کا کام تمام کر دوں۔ یہ کہکر حضرت امام کی طلبی کا حکم دیا۔ اور چار ترکی غلاموں کو تلواریں دیکر تاکید کی کہ جب حضرت آئیں تو فوراً حملہ کر کے قتل کر دو۔ اتنے میں حضرت امام آ پہنچے چاروں ترکی غلام پردے کے پیچھے سے نکل کر ان کی طرف ہوئے امام علیہ السلام کے چہرہ پر نہ کوئی خوف تھا نہ ہراس وہ زیر لب کوئی دُعا پڑھتے ہوئے بادشاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب بالکل قریب آگئے تو متوکل گھبرا کر مسند سے اٹھا اور عزت و احترام سے آپ کو مسند پر بٹھایا اور کہنے لگا فرزند رسول اسوقت زحمت فرمانے کا کیا سبب ہے حضرت نے فرمایا ابھی تو تمہارا چوبدار طلبی کا پیام لے کر آیا تھا۔ متوکل نے کہا چوبدار نے غلط بیانی کی اور فتح بن خاقان کو حکم دیا کہ حضرت امام کے ساتھ گھر تک جا کر عزت و احترام سے پہنچا آئیں۔ جب امام رخصت ہو گئے تو متوکل نے غلاموں سے پوچھا کہ کیوں قتل نہ کیا۔ انھوں نے کہا۔ جب حضرت امام داخل ہوئے تو ان کے

سامنے ننگی تلوار لیا ایک دیو ہیکل شخص نظر آیا جو کہہ رہا تھا قدم آگے بڑھائے تو سر اڑا دوں گا۔ متوکل نے
کہا میں نے بھی نے بھی ایسا ہی دیکھا۔

ایک دن عید کے موقعہ پر متوکل کے دل میں یہ حالت نشہ سمائی کہ خود تخت رواں پر سوار ہو کر شہر
میں گشت کرے اور سب پا پیادہ پیچھے چلیں۔ اس میں حضرت علی النقی علیہ السلام کو بھی چلنے کا حکم دیا۔ تخت
برداروں کو تیز بھاگنے کی فرمائش کرتا جاتا اور جلوس میں چلنے والے سب بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت امام
فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون پڑھتے جاتے اور فرماتے تھے کہ اس نے میری تذلیل و توہین
کے لئے یہ حرکت کی ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک میری حرمت ناقہ صالح سے کسی طرح کم نہیں۔ زراقہ کا بیان
ہے کہ جب میں گھر پہنچا تو اپنے بچوں کے معلم سے امام علیہ السلام کی پریشانی اور تکلیف کا ذکر کیا اور حضرت کا
کلام بھی سنایا۔ معلم نے کہا تم اپنے معاملات سے ہوشیار رہو۔ تین روز کے بعد ملک میں کوئی انقلاب آئے گا۔
کیونکہ امام نے اپنے آپ کو ناقہ صالح سے تشبیہ دی ہے اور ناقہ صالح کے ستانے والے تین دن کے بعد ہلاک ہوگئے
دار کم ثلاثۃ ایام۔ تین دن نہ گزرنے پائے تھے کہ خود متوکل کے بیٹے منتصر نے اس کو قتل کر ڈالا
صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں خلیفہ منتصر نے حضرت امام کو زہر دلوایا۔
۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ کو آپ کی شہادت واقع ہوئی اور سامرہ میں اپنے گھر میں دفن ہوئے۔

معجزات امام علی النقی علیہ السلام

(۱) کسی نے متوکل عباسی کو مخبری کی کہ امام علی النقی علیہ السلام
کے گھر میں بہت روپیہ اور ہتھیار ہیں۔ اس نے ایک
شخص کو حکم دیا کہ رات کے وقت امام کے مکان کو جا کر سب مال لے آ۔ چنانچہ وہ رات کے وقت زینہ لگا کر مکان
میں داخل ہوا مگر اندھیرے کی وجہ کچھ نظر نہ آتا تھا آپ نے اس شخص کا نام لے کر فرمایا کہ اے سعید ابھی ٹھہر
مشعل آنے دے۔ اتنے میں مشعل آئی سعید نے دیکھا کہ ایک لباس پشمی اوڑھے چٹائی کے مصلے پر تشریف رکھتے ہیں
اور وہ تھیلی جو خود متوکل نے بھیجی تھی رکھی ہوئی ہے آپ نے وہ تھیلی اور مصلے کے نیچے سے ایک تلوار اٹھا کر
سعید کو دی کہ یہ لیجا۔ سعید خلیفہ کے روبرو یہ چیزیں لایا تو وہ بہت نادم ہوا اور معذرت کی۔
(۲) جب خلیفہ متوکل نے حضرت امام کو مدینہ منورہ سے عراق طلب کیا تو جو لوگ آپ کو لارہے تھے
بوجہ عداوت انھوں نے ایک نہایت ویران جگہ میں آپ کو ٹھیرایا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے مکان کو دیکھ کر ان
لوگوں کی دشمنی کی شکایت کی۔ مگر حضرت اس مکان میں داخل ہوتے ہی طرح طرح کے ایوان اور باغیچے ظاہر ہوئے۔
(۳) ایک شخص نے قاضی کوفہ کے ظلم کی شکایت کی آپ نے فرمایا دو ماہ اور صبر کرو۔ چنانچہ دو ماہ بعد وہ
قاضی معزول ہوگیا۔
متوکل کے مکان میں بہت سے درندے اور جانور تھے اور وہ ایسا شور و غل کرتے تھے کسی کی بات

سنائی نہ دیتی تھی لیکن جب حضرت امام تشریف لیجاتے تو وہ سب خاموش ہوجاتے اور جب واپس ہوجاتے تو پھر وہی شور و غل ہوتا تھا۔
(۴) ایک شعبدہ باز جادوگر ہندوستان سے متوکل کے پاس گیا اور بہت سے شعبدے اور سحر دکھلائے متوکل نے اسکو کہا کہ تو کسی طرح حضرت امام کو خجل کر میں تجھے کئی ہزار دینار دوں گا۔ اس نے اقرار کیا۔ متوکل نے امام کو کھانے کے لئے بلوایا اور روٹیاں بہت ہلکی پکوائیں۔ جب کھانا کھانے بیٹھے اور امام علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا تو اس جادوگر نے ایسا عمل کیا کہ روٹی ہوا سے اڑ گئی۔ دو مرتبہ ایسا ہوا اور سب حاضرین نے قہقہہ لگایا حضرت کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس سازش کو سمجھ گئے سامنے دیوار پر ایک شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے اسکی طرف اشارہ کیا وہ تصویر مجسم شیر بن کر شعبدہ گر کو کھا گئی اور متوکل اور سب کھانا چھوڑ کر بھاگ گئے۔
(۵) حضرت ایک دعوت میں تشریف لے گئے۔ ایک بیہودہ بے ادب حضرت کا ترک ادب کر رہا تھا۔ اور روا ہی تباہی بکواس کر رہا تھا۔ حضرت نے کہا اس کو کھانے کی بھی نوبت نہ پہنچے گی اور زندگی اس کی تلخ ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی وقت گھر سے غلام آیا کہ تیری ماں کوٹھے پر سے گر کر مر گئی۔

گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام

آپ امام علی النقی علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں۔ ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔

ابو محمد آپ کی کنیت اور السراج الخالص الزکی اور العسکری آپ کے القاب ہیں۔ صواعق محرقہ میں ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ بہلول دانا اور زید مجنون زائرین پر پابندی اور مزار مقدس امام حسین کے انہدام اور ظلم و جور کے خلاف احتجاج کرنے سامرہ آئے ہوئے تھے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام ابھی کم عمر لڑکے ہی تھے کہ آپ کو بہلول دانا نے دیکھا کہ لڑکے کھیل رہے ہیں اور آپ قریب کھڑے رو رہے ہیں۔ بہلول کو خیال آیا کہ شاید آپ اس چیز کے لئے رو رہے ہیں جس سے لڑکے کھیل رہے ہیں۔ بہلول نے کہا میاں صاحبزادے میں ایسی ہی کھیل کی چیز تمہارے لئے مول لے دوں۔ آپ نے کہا ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے۔ بہلول نے کہا ہم کس چیز کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا علم اور عبادت کے لئے۔ بہلول نے کہا آپ نے یہ بات کہاں سے حاصل کی آپ نے فرمایا۔ خدائے پاک کے کلام میں ہے کہ افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (یعنی کیا تم یہ جانتے ہو کہ ہم نے تمکو بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف رجوع نہیں کرو گے پھر بہلول نے چند شعر آپ کو سنائے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام شدت سے گریہ فرمانے لگے اور غش کی کیفیت ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا بہلول نے پوچھا آپ کو کیا ہوا ابھی تو آپ بچے ہیں آپ نے ابھی کوئی خطا نہیں کی۔ آپ نے فرمایا اے بہلول پرے پاس سے ہٹ جاؤ میں نے اپنی والدہ کو آگ جلاتے ہوئے دیکھا کہ موٹی لکڑیوں کو آگ نہیں لگی جب تک اس نے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں نہ جلائیں۔ اسی طرح سے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھی جہنم کی چھوٹی لکڑی نہ بن جاؤں۔
خلیفہ معتمد بن متوکل نے آپ کو مع آپ کے اصحاب کے سامرہ میں قید کر دیا۔ اور حضرت امام کو اپنے

غلام تحریر کی نگرانی میں دیدیا۔ اس نے آپ کو بیحد ایذادی کھانا تو کھا پانی بھی اتنا نا کافی دیتا تھا کہ حضرت اکثر تیمم کرکے نماز پڑھتے۔

ایک مرتبہ معتمد نے سازش کرکے آپ کو درندوں کے پنجرہ میں ڈلوادیا۔ پہلے تو درندے لپکے مگر قریب آکر قدموں میں لوٹنے لگے۔ حضرت نے مصلے بچھاکر وہاں نماز پڑھی۔ معتمد سخت خجل ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ جہاں آپ کو قید کیا جائے پاسبان آپ کے معتقد ہوجاتے ہیں تو اپنے محل کے قریب ایک اندھیری کوٹھری میں آپ کو قید کردیا۔ جس میں کوئی کھڑکی یا روشن دان بھی نہ تھا۔ چوبیس گھنٹہ میں دو روٹیاں اور دو کٹورے گرم پانی کے دیئے جاتے تھے۔ ہرچند کہ ابھی عالم شباب تھا مگر اس قید تنہائی کی سختیوں نے آپ کو ضعف و نقاہت سے بڑھا بنادیا تھا۔ بادشاہ اپنے مصاحبوں سے آپ پر آوازے کسوا کر قہقہے لگایا کرتا تھا۔ حضرت امام صبر و شکر کا مجسمہ بنے منہ سے اُف تک نہ کرتے۔ حضرت امام پر یہ مصائب و آلام کا ہجوم تھا اور بادشاہ اس بیکس و مظلوم امام کو اپنی قید و بند میں دیکھکر خوش ہوتا اور اپنی قوت و اقتدار کے نشہ میں مگن بیٹھا تھا کہ سرزمین عراق میں قحط پڑا اور تین سال تک پانی نہ برسا۔ معتمد نے لوگوں کو تین دن کی نماز استسقاء کیلئے شہر سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ لیکن مینہ نہ برسا۔ اس کے بعد عیسائیوں کا گروہ بھی شہر سے باہر نکلا ان میں ایک راہب تھا۔ جب اس نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے بارش ہونے لگی۔ دوسرے دن بھی اسی طرح سے ہوا۔ بہت سے مسلمانوں کو شک پیدا ہوگیا اور اپنے دین سے منحرف ہونے لگے۔ معتمد نے لوگوں اور علماء سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا جسکو تو نے قید کر دیا ہے اسی کی طرف رجوع کر۔ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید خانہ سے بلاکر کہا آپ اپنے جد امجد کی امت کی دستگیری فرمائیں قبل اس کے کہ امت ہلاک ہوجائے۔ جناب امام نے فرمایا لوگوں کو چاہیئے کہ شہر سے باہر نکلیں۔ انشاء اللہ شک زائل ہوجائیگا۔ اس راہب کو بھی طلب کیا جائے۔ خلیفہ نے حضرت امام کے تمام اصحاب کو قید خانہ سے نکال دینے کا حکم دیا۔ وہ سب رہا کئے گئے۔ جب نماز استسقاء کے لئے شہر سے باہر نکلے راہب نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے بادل پیدا ہوگیا۔ حضرت امام نے راہب کا ہاتھ پکڑنے کا حکم دیا اس کے ہاتھ میں ایک انسانی ہڈی پائی گئی۔ آپ نے وہ ہڈی اس کے ہاتھ سے لے لی اور فرمایا اب بارش طلب کر۔ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ ابر کھل گیا۔ آفتاب نکل آیا۔ خلیفہ نے حضرت امام سے پوچھا یا ابا محمدؑ یہ کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ایک نبی کے جسم مبارک کی ہڈی ہے۔ جو کسی قبر سے راہب کے ہاتھ لگ گئی ہے اور نبی کے جسم کی ہڈی کا یہ خاصہ ہے کہ جب برہنہ آسمان کو دکھائی جائے تو فوراً ابر پیدا ہوجاتا ہے۔ حضرت امام نے اس ہڈی کو ایک جگہ دفن فرمادیا۔ معتمد نے کہا بارش کا کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کل ہم دعا کریں گے سب لوگ موجود رہیں۔ چنانچہ دوسرے دن کثیر مجمع ہوا۔ حضرت امام نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ ہر طرف سے ابر کے دل کے دل آنے لگے۔ ایسی زبردست بارش ہوئی کہ قحط دفع ہوگیا۔

جتنے لوگ مُرتد ہوئے تھے پھر مسلمان ہو گئے نہ صرف یہ بلکہ بہت سے عیسائی بھی مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد تو حضرت امام کی رہائی نہیں ہوئی۔ لیکن عوام الناس پر آپ کا اتنا اثر قائم ہو گیا کہ حکومت علانیہ طور پر قید و بند کی سختیوں کو جاری نہ رکھ سکی اور قید خانے سے نکال کر آپ کے دولت خانہ ہی میں آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔ اب حضرت اپنے اہل خاندان کے ساتھ گھر ہی میں رہنے لگے۔ اسی زمانہ میں ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو آپ کے صاحبزادہ ابوالقاسم محمد حجۃ اللہ علیہ السلام قائم آل محمد کی ولادت ہوئی۔

سارے مسلمان جانتے تھے کہ اہل بیت میں سے بارہ امام ہوں گے۔ متعدد حدیثیں اس بارے میں موجود تھیں اور ہر امام پیشین گوئی کرتا آرہا تھا کہ سلسلۂ امامت بارہ پر جا کر رکیگا اور بارھواں امام تمام دنیا کو عدل و داد سے بھر دیگا حالانکہ اس سے پہلے ظلم و جور کی حد ہو چکی ہوگی۔ خاص و عام سب اسی اُمید میں جی رہے تھے اور بچے بچے کی زبان پر یہ بات تھی کہ بارھویں امام جب پیدا ہوں گے تو معاشرہ کی اصلاح کا وقت آئیگا جیسے جیسے امامت کا سلسلہ بڑھتا جارہا تھا نام نہاد خلفائے وقت پر خوف چھا تا جارہا تھا۔ جس طرح فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کو ضائع کیا اسی طرح عباسی حکومت کے کارکن مہدی آخرالزماں کی آمد کو روکنے کی پیش بندیاں کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔ امام علی النقی علیہ السلام اور خصوصاً امام حسن عسکری علیہ السلام کی دائمی قید و بند کا راز یہی تھا۔

ان حالات میں جیسا کہ اوپر تحریر ہوا۔ جب حضرت قائم آل محمدؐ کی ولادت ہوئی تو امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسکو راز میں رکھا اور بجز حضرت کے خاص الخاص وابستگان کے کسی کو اسکی اطلاع نہ فرمائی اور پانچ سال تک حضرت قائم پس پردہ ہی پرورش پاتے رہے۔ جب حکومت اپنی تمام کوشش صرف کرنے کے بعد بھی حضرات امام کے اثر کو زائل نہ کر سکی تو معتمد نے بالآخر وہی حربہ استعمال کیا جو خلفائے بنی عباس استعمال کرتے آئے تھے۔ کھانے میں ملا کر حضرت کو زہر دلوا دیا گیا اور ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو انتیس سال کی عمر میں شہادت واقع ہوئی۔

جب مرنے کی خبر عام ہوئی تو معتمد بھی دکھانے کے لئے مع مصاحبین کے تعزیت کیلئے آیا۔ جعفر بن امام علی نقی جو بوجہ جھوٹے دعوئ امامت کے جعفر کذاب کہلاتے تھے اور پھر توبہ کرکے جعفر تواب کہلائے اس زمانہ میں معتمد کے پاس رسوخ رکھتے تھے وہ بھی آئے۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو خادم عقید نے اطلاع دی کہ سب شیعہ اندر چلکر نماز جنازہ پڑھ لیں۔ جعفر اندر داخل ہوئے اور نماز جنازہ پڑھانا چاہتے تھے کہ ایک طفل پنج سالہ (علیہ السلام) کشادہ پیشانی جس کے چہرہ سے نور ساطع تھا حجرہ سے برآمد ہوا۔ اور جعفر کو یہ کہکر پیچھے ہٹا دیا کہ اے چچا جان ہٹ جائیے یہ کام میرے پدر کا ہے جعفر مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور قائم آل محمدؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام اسی گھر میں دفن ہوئے جس میں آپ کے والد ماجد امام علی النقی علیہ السلام دفن ہوئے تھے۔

علم امام حسن عسکری علیہ السلام | اسحاق کندی کا واقعہ مناقب ابن شہر آشوب میں ابوالقاسم کوفی

کتاب تبدیل کے حوالہ سے مذکور ہے جسکو محدث شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل
جلد دوم کے صفحہ ۳۳۶ پر نقل کیا ہے قابلِ ملاحظہ ہے:

امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں اسحاق کندی ایک بڑا عالم تھا اُس پر ایک دور ایسا آیا کہ گمراہ ہوگیا اور قرآن مجید کی آیات کے باہمی تناقص کے متعلق ایک کتاب لکھنے لگا یہ خبر امام حسن عسکری علیہ السلام کو پہنچی ایک روز اسحاق کندی کے کچھ شاگرد آپکے پاس حاضر ہوئے آپ نے فرمایا تم میں ایسا کوئی سمجھدار آدمی نہیں جو اپنے اُستاد کو اِس فضول مشغلہ سے روکے جو اُس نے قرآن کے بارے میں شروع کر رکھا ہے۔ حضرت نے کچھ آیتیں قرآن کی جنکے متعلق باہمی اختلاف کا شبہ ہوسکتا تھا تلاوت فرما کر اُن سے کہا تم اپنے اُستاد سے اتنا پوچھو کہ کیا ان الفاظ کے بس یہی معنی ہیں جنکے لحاظ سے وہ تناقص ثابت کرتا ہے اور اگر کلامِ عرب کے شواہد سے دوسرے متعارف معنی نکل آئیں جنکی بناء پر الفاظ قرآن میں باہم کوئی اختلاف نہ رہے تو پھر اُسے کیا حق ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ معنیٰ سے منسوب کرکے تناقص واختلاف کی عمارت کھڑی کرے۔ اس کے ذیل میں آپ نے کچھ شواہد کلام بھی اُن طلاب کے ذہن نشین کرائے۔ اُن شاگردوں میں سے ایک نے موقعہ نکالکر یہ سوالات اسحاق کندی کے سامنے پیش کردیئے۔ اُس نے کہا یہ باتیں تمہاری قابلیت سے بالاتر ہیں سچ بتاؤ یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں۔ بالآخر انھوں نے بتادیا کہ حضرت ابو محمد حسن عسکری نے ہمکو یہ باتیں بتائی ہیں۔ یہ سُنکر اس نے کہا اس گھرانے کے سوا اور کہیں سے علم نہیں مل سکتا۔ پھر اس نے آگ منگوائی اور جو کچھ لکھا تھا نذر آتش کردیا۔

معجزات حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

(۱) محمد بن علی بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ ہم بہت مفلس ہوگئے اور ارادہ حاضری خدمت امام حسن عسکری علیہ السلام کا کیا اور آپس میں ہم نے صلاح کی کہ اگر امام اسقدر روپیہ ہمکو دیں تو فلاں فلاں چیز میں خرید لیں گے اور حاجت پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ جب حضرت کے پاس پہنچے تو بے طلب آپ نے عین اتنی ہی رقم عطا فرمادی۔

(۲) خلیفہ مستعین عباسی کے پاس ایک گھوڑا نہایت شریر اور بد طینت تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکو لگام دے یا زین رکھے۔ اس کے وزیر نے کہا امام حسن عسکری کو مارنے کی یہ ترکیب اچھی ہے ان کو اس گھوڑے پر سوار ہونے کہا جائے۔ چنانچہ مستعین نے حضرت امام کو بلا کر اس گھوڑے پر سوار ہونے کی خواہش کی آپ نے بلا تکلف اسکو لگام دی زین کسی اور سوار ہوکر خوب پھرایا مستعین پہلے تو حیران ہوا سمجھا کہ گھوڑا رام ہوچکا ہے جب یہ رنگ دیکھکر ایک مصاحب گھوڑے پر بیٹھنے گیا تو اس نے ایسی دولتی جھاڑی کہ مصاحب کے دانت اکھڑ گئے۔

(۳) راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے اپنی مفلسی کی شکایت کی اسوقت ان کے ہاتھ میں چابک تھا

اسی سے وہیں کی زمین کھودی اور پانسو دینار برآمد ہوئے اور حضرت امام نے مجھے دیدیئے۔

(۴) ایک شخص مجوس نے امام کو شکایت لکھی اور چاہتا تھا کہ مفلسی کی شکایت لکھے مگر شرم سے نہ لکھ سکا آپ نے جواب میں لکھا کہ آج ظہر کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ تو رہا ہو جائیگا۔ چنانچہ اسوقت رہا ہو گیا اور جب وہ رہا ہوا تو اسی وقت قاصد امام سو دینار لیکر آیا اور رقعہ امام کا دیا اس میں لکھا تھا کہ اپنی حاجت بیان کرنے میں ہم سے شرم مت کرو۔

(۵) شواہد النبوۃ میں ملا جامی نے لکھا ہے کہ ام غانم کے پاس ایک سنگ پارہ تھا کہ جمیع اہل بیت علیہم السلام کی مواہیر اسپر ثبت تھیں۔ ایک روز ایک شخص اس سنگ پارہ کو مہر کرانے لایا۔ میں امام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ شخص کون ہے۔ حضرت نے میری طرف دیکھکر فرمایا کہ یہ ام غانم کا لڑکا ہے۔ پھر آپنے اپنی مہر کر دی کہ اس سخت پتھر پر مثل موم کے ابھر آئی اور صاف پڑھا جاتا تھا حسن بن علی۔

بارہویں امام حضرت محمد مہدی صاحب عصر علیہ السلام

قائم آل محمدؐ حضرت ابوالقاسم محمد مہدی صاحب العصر والزمان علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں۔ جمعہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو آپکی ولادت ہوئی۔ حضرت صاحب عصر کے سوا امام حسن عسکری علیہ السلام کی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت نرجس خاتون ہیں جن کا اصلی نام ملیکہ تھا۔ یہ آخری قیصر روم کی پوتی تھیں جن کے لشکر کو شکست ہو چکی تھی اور جن کے خاندان کی لڑکیاں بردہ فروشوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئی تھیں انکا سلسلہ قرابت جناب مریم بنت عمران کے خاندان سے ملتا ہے اور یہ حضرت عیسیٰ کے وصی حضرت شمعون کی ذریت سے ہیں۔ شاید یہ ظاہری ربط خاندانی قدرت کے پیش نظر اس ربط روحانی کی بناء پر ہو کہ حضرت مریم کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ حضرت ملیکہ کے اس چشم و چراغ صاحب عصر امام آخر کی نصرت کے لئے آسمان سے اتر کر اس کی اقتدا کرنے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے ہیں۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ مہدی موعود قیامت کے قریب ظہور فرمائیں گے۔ یہ بھی متفق علیہ ہے کہ وہ آل رسولؐ سے ہوں گے اور ان کا نام محمد اور لقب مہدی ہوگا۔ ان کا درجہ اتنا بلند ہوگا کہ آسمان چہارم سے عیسیٰ علیہ السلام اتر کر آئیں گے اور حضرت مہدی موعود کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی فوج میں مثل ایک سپاہی کے شریک ہو کر ان کی نصرت کریں گے۔ حضرت عیسیٰ خود وہ اولوالعزم پیغمبر ہیں جنکو پیدائش کے ساتھ ہی نبوت عطا ہوئی اور جھولے میں سے یہ کہکر دعویٰ نبوت کیا کہ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا اس شان کا نبی جس امام کی پیروی کرے اس امام کی کیا شان ہوگی۔ ارشاد رسولؐ کے اعتبار سے یہی بارہویں امام گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے محمد ابن حسن عسکری

الملقب بہ مہدی ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کی دسویں پشت میں ہیں۔ متعدد کتب میں درج ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت محمد مہدی ۵ سال کی عمر میں بہ مصلحت و فرمانِ الہٰی پردہ غیب میں چلے گئے اور سرداب کے قریب غار سُر من راہ میں تشریف لیگئے اور زندہ ہیں اور بہ منصب امامت پر فائز ہیں اور قریب قیامت ظہور فرمائیں گے۔

اولاً ۵ سال کی عمر میں آپ سرداب میں داخل ہو کر غائب ہوئے۔ یہ غیبتِ صغریٰ تھی۔ آپ پھر ظاہر ہوئے اور بعمر ۱۷ سال یا ۲۷۵ھ میں بعمر ۱۹ سال پھر غیبت اختیار فرمائی۔ یہ غیبت کبریٰ ہے اب آپ قریب قیامت ہی ظہور فرمائیں گے۔ جس کے سب مسلمان انتظار کش ہیں۔

بارھویں امام علیہ السلام کا پیدا ہو چکنا متعدد کتب اہل سنت مثلاً اسعاف الراغبین شواہد ملا جامی تاریخ ابو الفدا، سنن ابی داؤد اور ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ سے بھی ثابت ہے۔ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ مصر پر علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ امام مہدی بیٹے حسن عسکری کے ہیں اور ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے اور زندہ موجود ہیں۔

منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۰ پر مشہور سنی عالم ملا علی متقی لکھتے ہیں "لا تخلو الارض من قائم اللہ بحجتہ اما ھو مشہور اما ھو خائف مغمور لئلا تبطل حج اللہ و بیناتہ" یعنی زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی وہ حجت خدا خواہ مشہور و معروف ہو کہ لوگ اسکو پہچانتے ہوں خواہ خوفزدہ اور لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہو غرض اس کا وجود ہر زمانہ کے لئے ضروری ہے تاکہ اللہ کی حجت اور اس کی نشانیاں مٹنے نہ پائیں۔ مکاشفات منعمی (از اہل سنت) ۱۱۱۹ھ میں تحریر ہے۔ وجود ولی در ہر زماں لازم است۔ احیاناً اگر ولی از نشار عنصری رودیدانش دیگری میرسد و وقتی از اوقات بے وجود ولی از اولیا نمی باشد ؎

پس بہر دورے ولی قائم است ٭ تا قیامت آزمائش دائم است

مہدی و ہادی بداں اے نیک خو ٭ ہم نہاں و ہم نشستہ پیش رو

شیخ محی الدین العربی اپنی کتاب الفتوحات میں لکھتے ہیں۔ امام مہدی کا ظہور فرمانا ضرور ہے۔ مگر جب تک دنیا ظلم و جور سے بالکل پُر نہ ہو جائے ظاہر نہ ہوں گے اور جب امام ظاہر ہوں گے تو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور عترت رسول خدا اور اولاد فاطمہ سے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴ پر لکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابو القاسم ہے آپ خلف صالح، منتظر اور صاحب الزمان کے لقب سے موسوم ہیں آپ مستور اور غائب ہو گئے ہیں اور کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں تشریف لے گئے اپنے والد ماجد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر

پانچ برس کی تھی مگر اتنی ہی سی عمر میں اللہ نے آپ کو علم وحکمت عطاء فرما دی تھی۔

خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور امام قندوزی ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں "آپ کے والد ماجد امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ نرجس خاتون تھیں۔ حضرت امام حسن عسکری نے سوائے محمد المنتظر کے جو قائم حجت مہدی صاحب الزمان اور بارہ اماموں میں سے آخر کے نام سے موسوم ہیں اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ ۱۵ ؍شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے والد ماجد کی وفات کے وقت آپکا سن مبارک ۵ سال کا تھا اس وقت سے آپ پوشیدہ ہیں"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب مناقب میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں اور ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی نے ہدایت السعداء میں بھی حضرت امام علیہ السلام کی ولادت کے تفصیلی حالات درج کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ ثقہ لوگوں کا تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ حضرت امام علیہ السلام ۱۵ ؍شعبان ۲۵۵ھ کو شہر سامرہ میں پیدا ہوئے۔

امام قندوزی ینابیع المودہ میں لکھتے ہیں۔ ابوالقاسم جو آپ کا خادم تھا کہتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اللہ نے فرزند عطاء فرمایا تو آپ نے اس کا نام محمد رکھا اور ولادت کے تین دن بعد اسکو باہر لائے اور اپنے اصحاب کو دکھایا اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارا امام اور ہمارا خلیفہ یہی ہے اور یہی وہ قائم (آل محمد) ہے جسکا تم گردنیں اٹھائے انتظار کرتے رہوگے اور زمین جب ظلم وجور سے بھر جائے گی تو یہ عدل وانصاف سے پر کر دے گا۔

امام قندوزی نے مزید روایتیں بھی درج کی ہیں کہ جعفر ابن مالک ناقل ہیں کہ ہم سے معاویہ ابن حکم محمد بن ایوب اور محمد بن عثمان نے بیان کیا کہ ہم چالیس آدمی امام حسن عسکری علیہ السلام سے ملنے گئے تو آپ نے اپنے فرزند کو دکھا کر فرمایا۔ ہمارے بعد یہی تمہارا امام اور تم پر ہمارا خلیفہ ہے۔ اس کی اطاعت کرنا اور میرے بعد اختلاف نہ کرنا۔

ہمدان القلانسی کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عثمان العمری سے پوچھا کہ کیا حضرت امام حسن عسکری کا انتقال ہو گیا انھوں نے کہا ہاں آپ نے رحلت تو کی مگر اپنا وصی چھوڑ گئے ہیں اور اسکی بیعت ہماری گردن میں باقی ہے۔

کمال ابن ابراہیم مدنی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک کمرہ کے دروازہ پر پردہ پڑا تھا۔ ہوا جو آئی تو وہ پردہ ہٹ گیا۔ میں نے دیکھا ایک چاند سا لڑکا موجود ہے آپ نے فرمایا کامل تم لوگوں کی تمنا بر آئی یہی میرے بعد حجت خدا ہے۔

شیخ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ پر لکھتے ہیں "بارھویں امام محمد ابن حسن بن علی بن

محمد بن علی رضا علیہ السلام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ فرقہ امامیہ والے آپ کو حجت القائم مہدی منتظر اور صاحب الزمان کے لقب سے پکارتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ائمہ اثنا عشر میں سے آخری امام ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ سامرہ کے ایک سرداب میں داخل ہو گئے۔ ان کی والدہ ماجدہ دیکھتی رہیں اور پھر برآمد نہ ہوئے۔"

امام احمد بن یوسف دمشقی جو امام قرمانی کے نام سے مشہور ہیں اپنی تاریخ اخبار الاول فی آثار الاول میں لکھتے ہیں "خلف الصالح جناب امام ابو القاسم محمد بن حسن العسکری اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ برس کے تھے۔ اس سن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و حکمت عطا کی تھی جیسا کہ حضرت یحییٰ کو بچپن میں علم و حکمت عطا ہوئی تھی۔ آپ موزوں قد، قبول صورت چھوٹی ناک اور نورانی چہرہ والے تھے۔ شیعوں کا یہ خیال ہے کہ وہ جناب ۲۶۶ھ میں بغداد کے ایک سرداب میں غائب ہو گئے۔ آپ صاحب سیف القائم المنتظر ہیں جو قبل قیامت ظہور فرمائیں گے اور قیامت سے پہلے آپ کے لئے دو غیبتیں۔ ایک صغریٰ دوسری کبریٰ غیبت صغریٰ تو غیبت ابتدائی سے لیکر اس وقت تک نہیں ہوتی ہے جب آپ کے اور آپ کے شیعوں کے درمیان سفارت کا انتظام ختم ہو گیا اور غیبت کبریٰ غیبت صغریٰ کے بعد سے اس وقت تک ہے۔ جب آپ ظہور بالسیف فرمائیں گے۔"

سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامہ میں لکھتے ہیں "آپ کا نام محمد ابن حسن علی بن محمد بن علی ابن موسیٰ بن جعفر ابن محمد ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو القاسم ہے آپ ہی کو خلف صالح الحجۃ صاحب الزمان القائم المنتظر الباقی کہتے ہیں اور آپ ہی آخر الائمہ ہیں۔"

خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں لکھتے ہیں "اس باب میں حدیثیں شمار سے باہر ہیں اور امام مہدی علیہ السلام کے جو صاحب الزمان ہیں اور آنکھوں سے پنہاں ہیں اور ہر وقت اور ہر آن موجود ہیں مناقب بیحد و بے شمار ہیں آپ کے ظہور اور اشراق نور پر حدیثوں کا اتفاق ہے۔ آپ شریعت محمدیہ کی تجدید کریں گے جہاد کر کے دنیا کو نجاستوں سے پاک کریں گے۔ آپ کا زمانہ متقین کا عہد ہوگا اور آپ کے اصحاب شک و شبہ سے پاک اور عیبوں سے مبرا ہوں گے۔ آپ کی ہدایت اور طریقت پر چلیں گے اور ہر امر میں آپ کی پیروی کریں گے۔ خلافت و امامت آپ پر ختم ہوگی۔ وہ اپنے باپ کی وفات کے وقت سے قیامت تک امام ہیں۔ حضرت عیسیٰ آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔"

ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں لکھتے ہیں امام مہدی علیہ السلام حسن عسکری بن امام علی نقی علیہم السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اپنی غیبت کے وقت سے لیکر اس وقت تک زندہ اور قائم ہیں اور موجود ہیں اور آپ کے طول بقا کیلئے وہی دلائل ہیں۔

جو حضرت عیسیٰ، حضرت خضر اور حضرت الیاس کی طویل زندگی کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ محمد بن ابراہیم جوینی شافعی فرائد السمطین میں لکھتے ہیں۔

"دعبل خزاعی کے استاد سے منقول ہے کہ امام رضا ابن امام موسیٰ کاظم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد الجواد اور اس کے بعد اس کا بیٹا علی نقی اور اس کے بعد اس کا بیٹا حسن عسکری امام ہوگا۔ اور انکے بعد اس کا بیٹا محمد المہدی امام ہوگا۔ اس ہی کے ایام غیبت میں انتظار کرنا پڑیگا اور اسی سے امید لگانی ہوگی۔"

علامہ ذہبی نے جنہوں نے اہل بیت رسولؐ کے فضائل کی مختلف حدیثوں سے انکار کیا ہے حضرت علی علیہ السلام کی حسب ذیل حدیث درج کرتے ہیں جسکو بکثرت سنی محدثین مثلاً علامہ متقی نے کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۳۱ پر چار مختلف محدثین سے سنا۔ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودہ طبع قسطنطنیہ ۱۳۰۲ھ صفحہ ۵۲۳ پر نیز حاشیہ مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۱۴ پر اور نیز حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا جلد ۱ صفحہ ۸۰ پر درج کیا ہے۔

"خدا گواہ ہے کہ کبھی زمین قائم بالحجۃ سے خالی نہیں رہتی تاکہ خدا کی دلیلیں باطل نہ ہوں۔ یہ لوگ تعداد میں تو کم ہیں مگر خدا کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہے۔ انہیں کے ذریعہ خدا اپنی دلیلیں بھیجتا ہے تاکہ یہ لوگ اسکی دلیلیں صاحبان فہم کے سامنے پیش کریں اور ان کے دلوں میں ان کو بو دیں۔ انہیں کے سبب علم حقیقت امر تک پہنچتا ہے یہ ظاہرا جسم ہیں مگر ان کی روحیں بلند محل پر ہیں۔ یہی خدا کے خلیفہ ہیں اس کے شہروں پر اور اس کے دین کی طرف بلانے والے ہیں حجت الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یا ظاہر بظاہر مشہور ہیں یا خوف کی وجہ سے چھپے ہوئے ہیں۔"

بحار الانوار کی تیرھویں جلد میں لکھا ہے۔ احمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ۲۶۲ھ میں ہم چند لوگ جناب حکیمہ خاتون دختر حضرت امام محمد نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پس پردہ سے گفتگو فرمائی۔ میں نے موصوفہ سے عمداً سوال کیا کہ کیا واقعی امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد کوئی فرزند چھوڑا ہے جو امر امامت کا متکفل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیشک ان کے بعد ان کا فرزند جو خلف الصالح اور حجت کے نام سے موسوم ہے ہم سب کا امام ہے۔

باب چہارم میں عنوان (۱) کے تحت ہم نے مستند کتب حدیث (اہل سنت) سے حضرت محمد مہدی صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیس ارشادات سلسلہ نمبر ۵۵ تا ۷۴ پر درج کئے ہیں۔ ناظرین اس سلسلہ میں ان پر مکرر نظر ڈال سکتے ہیں۔ ہم یہاں اعادہ نہیں کرتے۔

حضرت قائم آل محمد ابتدا میں اپنے نائبوں کے ذریعہ احکام و ہدایات دیتے رہے اور سیاسی حالات اور ماحول ایسا نہ تھا کہ آپ علانیہ سامنے آسکتے۔ خلیفہ معتمد کو یہ علم تو تھا ہی کہ امام حسن عسکری علیہ السلام لاولد نہیں ہیں مگر ان کے صاحبزادے موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے فرائض انجام دیئے ہیں مگر

اس کے سیاسی مصالح اس کے مقتضی نہ تھے کہ وہ کھل کر امام صاحب العصر کی موجودگی کو تسلیم کرے اور دوسری طرف پوشیدہ طور پر ان کو گرفتار کرنے اور ٹھکانے لگادینے کی کوشش سے بھی باز نہ آنے دیتے تھے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک علاتی بھائی جعفر بن علی نقی تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ کچھ دنوں کذّاب کہلاتے رہے اور بعد میں توبہ کرکے توّاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خلیفہ معتمد نے ان کو (توبہ کرکے تواب کہلانے سے قبل) اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کی تھی اور سرکاری طور پر ان کا اعزاز واکرام کرکے وہ دُنیا کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ امام صاحب الزماں جن کی پیدائش اور وجود کا اس قدر غل وشور ہے کہیں موجود نہیں ہیں یا وہ حدیثیں جو ان کی پیدائش سے متعلق ہیں غلط ہیں یا ان کا یہ مطلب ہے کہ وہ قریب قیامت پیدا ہوں گے۔ سردست لوگوں کو صبر وسکون سے رہنا چاہیئے اور اچھی ہو یا بری ہماری حکومت کی خیر منانی چاہیئے۔

شیعان اہلبیت ہمیشہ اپنے امام زمانہ کی خدمت میں نذر بھیجا کرتے جو امام غریبوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ چنانچہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے فوراً بعد قم کے زائرین جو مال لیکر آئے اس کے حاصل کرنے کے لئے جعفر نے بہت زور لگایا۔ مگر ان لوگوں نے کہا وہ نشانات دکھاؤ اور علامتیں بتاؤ جو امام حسن عسکری علیہ السلام دکھایا کرتے تھے جعفر ان زائرین کو معتمد عباسی کے دربار میں لے گئے اور کہا کہ حق امام کا مال یہ مجھے نہیں دے رہے ہیں۔ معتمد نے ان لوگوں سے پوچھا تو کہنے لگے ہم تو سب ایلچی ہیں جن کا مال ہے انہوں نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ ہم یہ مال اس شخص کے سپرد کریں جو مال کی تعداد اور نوعیت اور بھیجنے والے کا نام وپتہ بتلائے۔ اب تک جو امام گزرے ہیں وہ یہی کرتے تھے۔ جعفر سے جو امامت کے جھوٹے دعویدار اور اس زمانہ میں جعفر کذّاب تھے ان باتوں کا جواب کہاں ممکن تھا۔ وہ زائرین اپنا مال لیکر واپس جانے لگے۔ شہر سے باہر تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کسی نے پیچھے سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا فلاں بن فلاں چلو تمہارے مولا تمکو بلارہے ہیں وہ لوگ اس آدمی کے پیچھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے دولتکدہ پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے حضرت صاحب الزماں کو دیکھا۔ حضرت نے مال بھیجنے والے کا نام پتہ اور مال کی نوعیت اور مقدار بتائی۔ تب وہ زائرین پابوس ہوئے اور وہ مال حضرت کی خدمت میں پیش کردیا اور کچھ مسائل دریافت کرکے خوش خوش اپنے مقام کو واپس ہوئے۔ حضرت نے ان لوگوں کو یہ بھی ہدایت کردی کہ اب تم لوگوں کو براہِ راست ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں اس سے ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے نائب مقرر کردیئے ہیں۔ ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

خلیفہ معتمد حضرت صاحب عصر کی گرفتاری کی فکر میں برابر لگا رہا اور وقت بے وقت پولیس والوں اور جاسوسوں کو آپ کے مکان پر چھاپہ مارنے بھیجا کرتا تھا۔ بعض اوقات تو شاہی سپاہی حضرت کی قیام گاہ کا

ایسی حالت میں محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جب آپ اندر موجود تھے اور آپ کی تلاوتِ کلام پاک کی آواز آرہی تھی مگر قدرتِ خدا سے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے سے صاف نکل گئے، جیسا کہ آپ کے جدِ امجد حضرت رسولِ خدا شبِ ہجرت نکل گئے تھے۔ اس زمانہ میں مخصوص لوگ حاضرِ خدمت ہو سکتے تھے اور مکان کے اندر جو سرداب ہے وہاں نشست رہتی تھی اور علمی گفتگو اور رشد و ہدایت کی باتیں ہوتی تھیں جب حکومت کی نگرانی اور بڑھی تو گھر کی نشست ختم ہوئی اور اب سامرہ کے مغرب میں ایک غار کے اندر کبھی کبھی حضرت کے نائبِ خاص کو پیشی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ جب سختیاں اور بڑھیں اور تلاش و تجسس کی رفتار تیز تر ہو گئی تو حضرت نے سامرہ چھوڑ دیا اور اپنی والدہ کو لے کر غیر متعارف مقامات کی طرف نکل گئے اور آج کہیں اور کل کہیں گزارنے لگے۔ امام عالیمقام ان دنوں شہر حلہ کے آس پاس مقیم رہے۔ آپ کے قیام کی یادگار میں ایک خوشنما عمارت اب تک وہاں موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

ملا محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار کی تیرھویں جلد میں حضرت امام صاحب الزمان کے ان مخصوص نائبوں کا ذکر کیا ہے جو غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں واسطہ و وسیلہ بنے رہے اور جن کے ذریعہ فیوض و برکات اور رشد و ہدایت صادر ہو کر وابستگانِ اہل بیت تک پہنچتے تھے۔ ان میں سب سے پہلا نمبر عثمان بن سعید عمری کا ہے۔ یہ امام علی النقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے زمانہ میں بھی رابطہ عوام کے منصب پر فائز تھے۔ عثمان بن سعید نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی اور ان کے بعد ان کے فرزند ابو جعفر محمد نائب ہوئے۔ ۳۰۵ھ میں انہوں نے وفات پائی اور ان کے بعد یہ عہدہ حسین بن روح کو تفویض ہوا۔ انہوں نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ اب سردابِ مقدس کی علمی مجلس بند ہو چکی تھی اور کسی کو امام عالی مقام کے حضور میں پیشی کی اجازت نہ تھی۔ خاص خاص حالات میں صرف ایک بزرگ آپ کی خدمت میں بڑی مشکل سے شرف باریابی حاصل کر سکتے تھے۔ یہ علی ابن محمد سمری تھے۔ حکومت کی جستجو اور تلاش اور بڑھ گئی تھی اور اب امام نے حکم دے دیا تھا کہ ہمارا ذکر بھی صرف اشارہ کنایہ سے کیا جائے اس لئے ناحیۂ مقدسہ کہہ کر آپ کا ذکر کیا جاتا تھا۔

غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں لوگ کچھ عرضیاں لکھ کر بھیجتے تھے جو نائبوں کے توسط سے خدمتِ امام میں پیش ہوتی تھیں۔ وہاں سے تحریری جواب آتا تھا۔ یہ تحریریں "توقیعِ مبارک" کے نام سے مشہور ہیں اور متعدد کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔ یہ مختلف قسم کے احکام مسائل اور ارشادات کا مجموعہ ہیں۔ علی ابن محمد سمری جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حسبِ ذیل توقیعِ مبارک شرفِ صدور لایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے علی ابن محمد سمری اللہ تمہارے برادرانِ ایمانی کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ تم چھ دن کے اندر انتقال کرنے والے ہو۔ پس اپنے کاموں کو درست کر لو۔ میری نیابت و وکالت کے

سلسلے میں کسی دوسرے کو وصی مقرر نہ کرو کہ اس منصب پر تمہارا قائم مقام ہو۔ کیونکہ غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا اب (میرا) ظہور اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بعد ہوگا اور وہ ایک طولانی مدت کے بعد ہو گا۔ جب دل سخت ہو جائیں گے اور زمین ظلم و جور سے بھر جائیگی اور بہت جلد ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو (غیبت کبریٰ کے زمانہ میں) ہم سے (علانیہ طور پر) ملنے اور ہمارا مشاہدہ کرنے کا دعویٰ کریں گے مگر جو شخص خروج سفیانی اور ندائے آسمانی سے پہلے ہمارے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور مفتری ہے لاحول ولا قوت الاّ باللہ ؕ"

علی ابن محمد سمری نے اس توقیع مُبارک کو شیعوں میں مشتہر کر دیا۔ علما کہتے ہیں کہ "کوئی ہمکو قبل ظہور نہ دیکھ سکیگا" کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے علانیہ ملاقات نہ ہوگی۔ ورنہ چلتے پھرتے اور حج و زیادت کے موقع پر اکثر حضرات نے آپ کو اس کے بعد بھی دیکھا ہے اور اب بھی دیکھتے ہیں لیکن یہ علم کہ آپ امام صاحب العصر ہیں آپ کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔

سنی اور شیعہ دونوں مکتب خیال کے علمار نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے بعد غیبت بھی حضرت کو علانیہ دیکھا اور آپ سے مسائل دین میں استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ علمائے سنّی میں سے شیخ محی الدین ابن عربی نے "عنقائے مغرب" میں امام عبدالوہاب شعرانی نے "الیواقیت والجواہر" میں شیخ عبداللطیف حلبی نے "سبعۃ المواریدؒ" میں محمد ابن طلحہ الشافعی نے "مطالب السئول" میں محمد ابن یوسف ابن گنجی شافعی نے "البیان فی اخبار صاحب الزمانؑ" میں امام حموینی نے فرائد السمطین میں نورالدین علی ابن محمد مالکی نے فصول المہمہ میں تفصیل کیساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

بعض اہل طریقت کی سوانح عمریوں میں یہ درج ہے کہ انھوں نے تعلیم دین بہ عالم ظاہری وجسمانی بارہویں امام حضرت صاحب عصر محمد مہدی بن حسن عسکری علیہم السلام سے حاصل کی۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن چشتی نے حضرت بدیع الدین قطب مدار الملقب بہ زندہ شاہ مدار کے واقعات ایک کتاب "مرأت مداری" میں لکھے ہیں۔ جس کا قلمی نسخہ ۱۰۶۴ء کا لکھا ہوا کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے لکھا ہے کہ حضرت بدیع الدین حضرت موسیٰ کے خاندان سے حضرت ہارون پیغمبر کی نسل سے تھے۔ ان کے والد کو حضرت موسیٰ نے خواب میں اس فرزند کے تولد اور ان کے کمالات کی بشارت دی تھی۔ حضرت بدیع الدین نے علاوہ قرآن کے توریت و انجیل و زبور کا بھی علم حاصل کیا مگر تشفی نہ ہوئی اور دربار رسالت مآب مدینہ طیبہ پہنچکر ریاضت کش رہے۔ بہ عالم روحانی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام حقیقی کی تلقین کی اور ان کو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے حوالہ فرمایا کہ ان کو تعلیم دو۔ حضرت بدیع الدین نجف اشرف حاضر ہوئے اور اس آستانہ مقدس پر ریاضت کش رہے۔ ہم ذیل میں مولانا عبدالرحمٰن کی اصل عبارت ہی درج کر دیتے ہیں:

"حضرت علی مرتضیٰ اسداللہ الغالب صلواۃ اللہ علیہ اُو را بہ فرزند رشید خود کہ وارث ولایت مطلق محمد مہدی بن حسن عسکری نام داشت در عالم ظاہری بوی آشنا گردانید واز کمال مہربانی فرمودہ کہ قطب المدار

بدیع الدین را من بفرزندی قبول نمودہ ام شما نیز متوجہ شدہ جمیع کتب آسمانی از راہ شفقت باین جوان شائستہ روزگار تعلیم بکنید۔ پس صاحب زمان مہدی صلواۃ اللہ علیہ از کمال الطاف شاہ مدار را در گوشہائے جبال بردہ در چند مدت دوازدہ کتب وصحف آسمانی تعلیم فرمود۔ اول کتاب کہ بر انبیائے اولاد آدم علیہ السلام نازل شدہ اند یعنی فرقان وتوریت وانجیل وزبور با ترتیب وشرائط تعلیم کرد۔ بعد ازاں کتاب کہ بر مقتدا وپیشوائے قوم جنات نزول یافتہ تعلیم فرمود۔ نام آں کتابہا این است۔ داکوری وجرجامی وستاوی والمان۔ بعدہ چہار کتب کہ بر ملائکہ مقرب درگاہ سبحانی نازل گشتہ بودند آں را نیز تعلیم نمودہ۔ نام آں کتاب این است مرات وحین الرب وبرھاجن ومنظہر الف از علوم اول وآخرین کہ ورثۂ ائمہ اہل بیت بود از راہ کرم بخشی بموجب ارشاد جد بزرگوار حضرت علی علیہ الصلواۃ والسلام قطب المدار را عطا فرمود وادرا کامل ومکمل گردانید۔

مولانا عبدالرحمٰن چشتی نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت صاحب عصر محمد مہدی بن حسن عسکری علیہ السلام کا وجود بہ حالت غیبت دنیا میں موجود ہے یہ کہتے ہوئے کہ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔ ہم موصوف کی اصل عبارت ہی درج کرتے ہیں۔ پس باید دانست کہ چوں این مسئلہ مختلف فیہ است ازاں جہت اقوال ہر یک طائفہ در محل نقل کردن لازم شد کہ بر احوال دوستان حق سبحانہ تعالیٰ از راہ بغض اعتراض پدید نیاید بہر کیف اکثرے از علمائے اہل سنت وجماعت از وجود حضرت امام محمد مہدی بن حسن عسکری صلواۃ اللہ علیہ منکر گردند کہ ایں مہدی موجود نیست ہر چند کہ از اہل بیت نبی آں مہدی موعود کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ قریب قیامت از نسل فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا خواہد شد ہنوز او در وجود نیامدہ است۔ جمیع علمائے امامیہ اثنا عشریہ از احادیث حضرت نبی علیہ السلام واز اقوال ائمہ اہل بیت علیہم السلام روایت میکنند کہ مہدی موعود وامام دوازدہم صاحب زمان وخاتم ولایت مطلقہ محمدیہ ہمیں امام محمد بن عسکری علیہ السلام است کہ پیدا شدہ است وبموجب امر الٰہی از نظر عام مختفی می باشد۔ ہر گاہ مشیت الٰہی در رسد قریب قیامت بفرمان حق تعالیٰ آشکار گردد ولیس انکار نمودن بر امام برحق باعث ضلالت باشد۔ وایں حدیث نبوی کہ در کتاب مشکواۃ مسطور است دریں محل می آرند قال النبی علیہ السلام مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً یعنے کسے کہ مُرد و نہ شناخت امام وقت خود پس بہ تحقیق مُرد مُردن جاہلیت وایں کفر چنانکہ اہل مقدم مفصل در کتب الجامعہ اندراج یافتہ است دریں مختصر گنجائش ندارد وصاحب کتاب خصوص الائمہ فی مدح الائمہ کہ مالکی مذہب بود از امام مالک رضی اللہ عنہ کو مقتدار وامام اہل سنت وجماعت است روایت میکند کہ مہدی موعود وصاحب زمانہ ہمیں امام محمد بن حسن عسکری است حضرت وشیخ محی الدین عربی در باب سی صد شصت وشش از

کتاب فتوحات مکی می فرماید کہ بدانید اے مسلمانان کہ چارہ نیست از خروج مہدی علیہ السلام ولد حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی الیٰ آخرہ و پس سعادت مندترین مردم با او اہل کوفہ خواہند بود او دعوت بکند مردم را سوئے حق تعالیٰ بشم پس ہر کہ ابا میکند بکشد او را کسے کہ منازعت می کند بہٗ او مخذول می شود چنانچہ دریں محل تمام احوال محمد مہدی در کتاب مذکور مفصل بیان نمودہ است۔ ہر کہ خواہد در آنجا مطالعہ نماید و حضرت مولانا عبدالرحمن جامی کہ مرد صوفی کارہا دیدہ در شافعی مذہب بود تمام احوالات و کمالات و حقیقت متولد شدن و مخفی گشتن امام محمد بن حسن عسکری مفصل در کتاب شواہد النبوۃ تصنیف خواجہ بود احسن از ائمہ اہل بیت وغیرہ از ارباب سیر روایت کردہ است و صاحب کتاب مقصد اقصا حضرت شیخ عزیز نصفی مینویسد کہ حضرت شیخ سعدالدین حموی خلیفہ شیخ نجم الدین کبری قدس سرہ در حق امام مہدی یک کتاب تصنیف کردہ است و در آں چیز ہائے بسیار ہموار نمودہ است کہ دیگر ہیچ آفریدہ را آں احوال و تصرفات ممکن نیست چوں او را ظاہر شود ولایت مطلق آشکارا گردد و اختلاف مذاہب و ظلم و بدخوئی برخیزد و چنانکہ اوصاف حمیدا و در احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد شدہ است کہ محمد مہدی در آخر زمانہ آشکارا شود تمام ربع مسکون را از جور و ظلم پاک سازد و یک دین و یک مذہب برحق پدید آید مجملاً ہرگاہ دجال بدکردار در زمانہ حضرت رسالت پناہ پیدا شدہ بود و زندہ و مخفی است و حضرت عیسیٰ صلوات اللہ علیہ بوجود آمدہ بود و زندہ و مخفی از نظر خلق مستور است پس اگر فرزند رسول خدا صل اللہ علیہ وآلہ وسلم امام محمد مہدی بن حسن عسکری ہم از نظر عوام پوشیدہ باشد و بوقت خود مثل عیسیٰ علیہ السلام و دجال موافق تقدیر الٰہی آشکارا گردد جائے تعجب نیست و از اقوال چندیں بزرگان دین و از فرمودہ اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکار نمودن از راہ تعصب چنداں ضرورت نیست"۔

احادیث سے یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان چہارم سے اتر کر حضرت مہدی علیہ السلام کی اقتدا کریں گے مگر بعض سنی علماء کا یہ خیال ہے چنانچہ در مختار میں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام ابوحنیفہ کی اقتدا کریں گے اسی ضمن میں بعض حضرات سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تیس برس حضرت ابوحنیفہ کی شاگردی کی اور ابوحنیفہ کے مرنے کے بعد بھی ان کی قبر کی شاگردی کرتے رہے۔ قابل غور ہے کہ حضرت خضر کو علم لدنی و رحمت عطا ہونیکا قرآن شریف میں ذکر ہے چنانچہ سورۂ کہف کی آیت ۶۵ ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (ترجمہ:- تو دونوں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا جسکو ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت کا حصہ عطا کیا تھا اور ہم نے اسے علم لدنی میں سے کچھ حصہ سکھایا تھا)

قابل غور ہے کہ حضرت خضر جیسا پیغمبر جسکو علم لدنی اور رحمت کا حصہ عطا ہوا تھا اور جو حضرت موسیٰ

جیسے اولوالعزم پیغمبر کے استاد بھی رہے تھے حضرت ابو حنیفہ کی جو محض ایک فقیہ تھے اور پھر ان کی قبر کی شاگردی کرے یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔ خود ایک حنفی عالم مولوی عبدالحی صاحب نے اپنی کتاب ہدایہ کے مقدمہ میں اس قسم کے خیال کو بے اصل قرار دیا ہے۔ بعض سنی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ خود حضرت امام مہدی جب ظہور فرمائیں گے تو ابو حنیفہ کی تقلید کریں گے مگر ملا علی قاری نے اس بے بنیاد خیال کی بھی تراز واقعی تردید کر دی ہے۔

قابل غور ہے کہ کیا کیا بے تکی باتیں حضرت ابو حنیفہ کے درجہ کو بڑھانے اور آل رسول کی شان کو گھٹانے کیلئے گھڑی گئی ہیں۔ حضرت مہدی موعود کے متعلق سنن ابوداؤد میں یہ الفاظ درج ہیں۔ جعل اللہ القائم بالخلافۃ الحق و بعث اللہ رجلا من اصل بیتی یملاء ھا عدلا کما ملئت جورا۔ و یکون فی آخر الزمان خلیفۃ۔ صواعق محرقہ میں بروایت احمد اسی کتاب میں یہ بھی درج ہے۔ ابن حجر مکی نے بحث فی المہدی کے ضمن میں نجعل اللہ القائم بالخلافۃ الحق لکھا ہے اس طرح متعدد علمائے اہلسنت کے عقیدہ کے اعتبار سے بھی امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام امام اور خلیفہ مبعوث منجانب اللہ ہیں۔ تو یہاں وہ اصول کہاں باقی رہا کہ خلیفہ یا امام منجانب اللہ مامور نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کے اجماع یا استخلاف سے ہوجاتا ہے۔ اگر یہ امر تسلیم ہے کہ بارھویں امام مبعوث منجاب اللہ ہیں تو پھر یہ اصول بقیہ خلفائے اثناء عشر سے کیوں متعلق نہیں کیا جاتا۔ بحث کسی ایک اصول پر ہونی چاہیئے۔ خود کوئی اصول قائم کرنا اور اسکو حسب مرضی جہاں چاہے چسپاں کرنا اور جہاں چاہے توڑ دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کوئی شخص کیسے تا قیامت زندہ و قائم رہ سکتا ہے یہ اعتراض سب نہیں بلکہ بہت موٹی عقل والے لوگ کرتے ہیں جہاں بحکم خدا اصحاب کہف اور ان کا کتا بھی سینکڑوں سال کی ایک نیند لے کر اٹھ سکتا ہے اور خضر و الیاس بھی برابر حیات ابدی پاکے ہوئے موجود ہوں اور نہ صرف حضرت عیسیٰ زندہ آسمان چہارم پر موجود ہونا مسلمہ ہو بلکہ زہرہ طوائف بھی بوجہ اپنی نیکیوں کے زندہ اٹھائی جاکر آسمان چہارم پر موجود ہونا بیان کیا جاتا ہو اور شیطان جیسی مردود ہستی بھی نہ صرف موجود ہو بلکہ تمام لوگوں کے دلوں کے حال سے واقف ہو کر بہکاتی پھرتی ہو اور دجّال بھی موجود تو خاتم النبین رحمۃ اللعالمین کے اہل بیت میں سے وارث کتاب الٰہی " صاحب تطہیر " صاحب امر" جانشین رسول خلیفہ رب کا تا قیامت زندہ رہنا کونسی حیرت کی بات ہے۔ الفاظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ "میرا فرزند محمدؐ قیامت کے قریب ظہور کرے گا" خود شاہد ہیں کہ وہ فرزند رسول پوشیدہ موجود ہے اور ظاہر ہوگا۔ ورنہ یہ الفاظ یوں ہوتے کہ قیامت کے قریب پیدا ہوگا۔ یوں بھی خدا کے عدل سے بعید تھا کہ شیطان کو تو مسلط کردے اور ہادی کو برقرار نہ رکھے۔ سورہ قدر گواہی دیتا ہے کہ ہر شب قدر کو تنزل الملئکۃ والروح

فیھا باذنِ ربھم من کل امر۔ جب ملائکہ اور روحیں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تمام احکام لیکر زمین پر نازل ہوتی ہیں تو آخر وہ پیامات اور احکام کسکو سونپ کر اور کسکو پہنچا کر جاتے ہیں یہاں کوئی نہ کوئی تو ہونا چاہیئے جو ان احکام خدا کے نزول کا متحمل ہو سکے اور اسکو نے کر نافذ کر سکے اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہو۔ خاندان رسالت کا یہی بارھواں امام وہ ذات ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔

سورہ یٰسین کی آیت ۱۲ کل شیٔ احصینٰہ فی امام مبین ثابت کرتی ہے کہ امام کی وہ شان ہے کہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے اور چونکہ یہ آیت کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے لہذا یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں ایک امام ہوتا ہے جس کا اقتدار ہر شئی بر محیط ہوتا ہے۔ حدیث ثقلین متفق علیہ بین الفریقین ہے کہ حضرت رسول قرآن اور اہل بیت کو امت کی ہدایت کے لئے چھوڑ گئے ہیں اور اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لَن یَّفتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الحَوضَ یعنی یہ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے تو جہاں قرآن موجود ہے تو اہل بیت میں کی بھی کوئی نہ کوئی فرد ہر زمانہ میں اور ہر وقت موجود رہنا چاہیئے ورنہ حضرت رسول کا وہ ارشاد بے معنی ہو جائیگا کہ قرآن اور اہل بیت کبھی ایک دوسرے سے تا قیامت جدا نہ ہوں گے۔ جس طرح سے بھی غور کیا جائے بارہویں امام علیہ السلام کا وجود ہر طرح ثابت ہے۔

بارہ اماموں میں سے یہ ہمارا وہ امام ہے جو بہ فضل خدا آج بھی زندہ موجود ہے خواہ بحکم و مصلحت الٰہی نظروں سے مستور ہے۔ مگر بحکم خدا یومنون بالغیب والوں کے لئے آنکھوں سے دیکھنا کچھ ضروری بھی تو نہیں خود خدا کو کس نے دیکھا ہے۔ یہ ہمارا وہ امام ہے جو ہمارے دلوں کی ڈھارس ہے اور ہماری روح کو طاقت بخشتا ہے اور ہر مشکل کے وقت ہم اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور جب اس کا نام لیا جائے ہم کھڑے ہو کر اسکو اسی طرح تعظیم دیتے ہیں جیسے ہم اس کے حضور میں حاضر ہوں اور بہ مصداق حکم رب جَعَلنٰکُم اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُونُوا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ وہ ہمارے اعمال کا گواہ ہے اور بہ حیثیت ہمارے امام کے ہر موقعہ پر ہماری ہدایت کرنے والا ہے اور شیطان کے بہکاوے سکے خلاف وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے وہی جانشین رسول اور زمین پر خلیفۂ رب ہے اور یہ ہمارا وہ امام ہے جس کے پیچھے بمصداق یَومَ نَدعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِم ہم روز قیامت پیش داور محشر بلائے جانے والے ہیں۔ زہے قسمت کہ اس کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس کی وہ شان ہے کہ دم عیسٰی والے یعنی حضرت عیسٰی بھی اس کا دم بھرتے ہیں اور اس کے ظہور پر آنکھ لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ پردۂ غیب سے ظاہر ہو تو آسمان چہارم سے اتر کر اسکی متابعت کریں۔ روحانی تعلق تو ہے ہی اور جو اس سے آگے بڑھکر اور امام زمانہ کی زیارت آنکھوں سے کرنا چاہتے ہیں یا کسی کٹھن وقت میں اس سے استمداد کرنا چاہتے ہیں تو دعائیں پڑھنے سے امام کی جسمانی حیثیت سے بھی زیارت

لوگوں کو آج بھی ہوتی رہتی ہے۔

تاریخوں میں محمدؐ جمّال اور علی قزوینی کا واقعہ درج ہے۔ محمد جمّال ایک محب اہل بیت بزرگ ہستی تھے نام ان کا محمدؐ تھا اور جمّال لقب تھا سو جہ سے کہ آپ اونٹ سواری کے لئے کرایہ پر دیا کرتے تھے اور جمل اونٹ کو کہتے ہیں۔ اسی پر آپ کی گزر بسر تھی ایک دن آپ کسی شخص کے ایک کام کے لئے علی قزوینی کے پاس گئے جو خلیفہ وقت کے وزیر تھے اور خود بھی محب اہلبیت تھے علی قزوینی نے کہلا بھیجا کہ مجھے اب ملنے کی فرصت نہیں آپ کبیدہ خاطر چلے آئے کہ اس غریب کا چھوٹا سا کام نہ نکل سکا۔ کچھ دن بعد علی قزوینی زیارات کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ وہ کسی باغ میں داخل ہو گئے اور ایک روش پر چل رہے ہیں اتنے میں کیا دیکھا کہ ایک جوان العمر نورانی ہستی ان سے مخاطب ہے جس کے چہرے سے جلال برستا ہے اس بزرگ عالی مرتبت نے فرمایا تمہارے پاس محمد جمّال آیا تھا انہوں نے کہا ہاں آیا تھا آپ نے فرمایا تم نے اس کو واپس کر دیا اور رنجیدہ کر دیا۔ اب زیارات کو جا کر کیا کروگے۔ پہلے اس سے معافی مانگو علی قزوینی پر رعب و جلال طاری تھا عرض کیا کہ حکم کی تعمیل کروں گا مگر یہ فرمائیے کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا تم نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا یہ فرما کر آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ علی قزوینی نے اب جو دیکھا تو پھر اپنے کو سفر کی معمولی راہ پر پایا اور وہیں سے واپس ہو کر سیدھے محمد جمال کے گھر پہنچے اور آواز دی اور ان کے دروازہ کی دہلیز پر رخسارہ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب محمد جمال باہر آنے لگے تو علی قزوینی نے عرض کیا کہ میرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھئے۔ محمدؐ جمال نے ہر چند انکار کیا مگر علی قزوینی نے خدا کی قسم دی اور جب محمد جمّال نے مجبوراً پاؤں رکھا تو اٹھے اور معافی چاہی اور سارا واقعہ بیان کیا۔

بعض دفعہ کوفہ سے قریب مسجد سہلا میں بہت سے لوگوں نے حضرت صاحب العصر علیہ السلام کو ظاہر بہ ظاہر دیکھا ہے اور حضرت خضر اور حضرت الیاس کو آپ کے پیچھے باادب چلتے مشاہدہ کیا ہے۔ کیوں نہ ہو حسب ارشاد رسول اولنا محمد اوسطنا محمد آخرنا محمد کلنا محمد میں سے یہ آخرنا محمد ہے۔ محمد ہی کا ٹکڑا ہے اور نام سے بھی محمد ہے۔ محمد ہی محمد ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمدؐ

معجزات امام دوازدہم حضرت محمد مہدی آخر الزماں علیہ السّلام

(۱) بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ کی والدہ شریفہ پر آپ کے حمل کے آثار مثل ام موسیٰ علیہ السلام کے نمایاں نہ تھے یہاں تک مخدرات عصمت میں بھی کسی کو اطلاع نہ تھی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے جب اپنی عمہ حضرت حکیمہ سے کہا کہ اے عمہ آج یہیں ٹھیرے رہیئے اللہ تعالیٰ آج میرے گھر میں فرزند عطا فرمائیگا تو حضرت حکیمہ نے کہا بی بی نرجس میں تو کوئی آثار حمل مجھکو آج تک معلوم نہیں ہوئے آپ نے فرمایا ہاں نرجس بھی مثل ام موسیٰ ہے کہ سوائے وقت

تولد کے آثار حمل مطلق ظاہر نہ ہوں گے۔ پھر بعد ادائے تہجد حضرت حکیمہ بی بی نرجس کے مکان میں تشریف لے گئیں دیکھا بی بی نرجس کے بدن کو لرزہ ہے۔ آپ نے قل ہو اللہ اور انا انزلنا اور آیت الکرسی پڑھ کر دم کی۔ جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ جو جو سورتیں میں شروع کرتی تھی وہی سورتیں بی بی نرجس کے شکم کے اندر سے بچہ پڑھتا تھا۔ حضرت حکیمہ فرماتی ہیں کہ بعد اس کے میں نے دیکھا کہ تمام مکان روشن ہو گیا۔ اور لڑکا پیدا ہوا۔ اور لڑکے نے تولد ہوتے ہی سجدہ کیا۔ اسی وقت دوسرے مکان سے حضرت امام حسن عسکری نے آواز دی کہ محمد میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ میں لیگئی تو انھوں نے بچہ کو گود میں لے کر اپنی زبان اس کے منہ میں ڈالدی اور فرمایا اے فرزند اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولو چنانچہ لڑکے نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ ۔ پھر دیکھا میں نے مرغان سبز نے مجھکو گھیر لیا۔ پھر امام حسن عسکری نے ان میں سے ایک مُرغ سبز کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یا خذہ ماحفظ حتی باذن اللہ فیعان اللہ بالغ حضرت حکیمہ فرماتی ہیں میں نے حسن عسکری سے پوچھا یہ مُرغ سبز کون ہیں۔ فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ رحمت ہیں پھر میں ان کو ان کی والدۂ شریفہ کے پاس لے گئی اور کہا کہ یہ صاحبزادہ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوا ہے اور ذراعِ یمین یعنی بازو راست پر آپ کے لکھا تھا۔ جاء الحق زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت آخرالزماں پیدا ہوئے تو دو زانو بیٹھے اور انگشت بجانب آسمان اُٹھائی اور چھینک لی اور الحمد للہ رب العالمین کہا۔

(۲) روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ان کے بعد کون آپکا خلیفہ و جانشین اور امام امت ہوگا۔ آپ نے پردہ مکان کا اٹھایا اور اس میں سے ایک خوبصورت لڑکا تین چار سال کی عمر کا نکلا۔ پھر آپ نے پردہ اٹھا کر حجرہ کے اندر بھیج دیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو حجرہ میں صاحبزادہ کو نہ پایا۔ روایت ہے کہ جب امام محمد حسن عسکری شہید ہوئے تو صاحبزادہ امام محمد بن حسن کو لوگوں نے دریائے دجلہ کے اندر پانی پر مصلیٰ بچھائے ہوئے بیٹھے دیکھا۔

مقامات مقدسۂ عراق و شام و ایران

میرے بعض دوستوں نے خواہش کی تھی کہ میں اپنے سفر زیارات کے حالات و تاثرات ایک سفرنامہ کی شکل میں قلمبند کروں۔ مگر فی الوقت مجھے فرصت نہیں کہ اسکی تکمیل کر سکوں البتہ اپنے نوجوان عزیزوں کی معلومات کے خیال سے اسی کتاب کے باب یازدہم کے آخر میں عراق و شام و خراسان کے روضہائے مقدس کے متعلق ایک مختصر خاکہ چند سطور میں پیش کر دیتا ہوں۔

ہندوستان سے باہر کسی مقام کو بھی جانے کے لئے پاسپورٹ لینا پڑتا ہے۔ انٹرنیشنل پاسپورٹ لے لیا جائے تو زیادہ سہولت بخش ہے۔ اسکی مدت بھی تین سال ہوتی ہے۔ معین الزائرین جناب سید محمد رضا صاحب اور جناب مولوی سید محمد جواد صاحب بمبئی میں زائرین کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں۔ ان سے پہلے خط و کتابت کر لیجئے تو بہ سہولت سارے انتظامات ہو جاتے ہیں۔ ان کا پتہ یہ ہے۔

دسٹرن ٹریول سروس ۲۰/۲۲ دھاپور اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳ تار کا پتہ یہ ہے "قبلہ نما بمبئی"۔

بمبئی سے جہاز روانہ ہو کر نویں یا دسویں روز بصرہ پہنچتا ہے ایک دن کی کمی زیادتی اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ سامان اُتارنا چڑھانا نہ ہو تو بعض چھوٹی بندرگاہوں پر جہاز نہیں ٹھہرتا۔ بمبئی سے بصرہ تک بندرگاہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بمبئی (۲) کراچی (۳) گواڈر (۴) مسقط (۵) دوبئی (۶) ام سعید (۷) بحرین (۸) بوشہر (۹) کویت (۱۰) خرم شہر (۱۱) بصرہ۔ بصرہ کو جہاز عموماً ۹ - ۱۰ بجے صبح پہنچتا ہے۔ بصرہ کی بندرگاہ سمندر کے کنارے نہیں ہے بلکہ دریائے فرات کے اس حصہ کو قابل جہاز رانی بنا کر بندرگاہ بنا دیا گیا ہے۔ (جیسے ہندوستان میں دریائے ہگلی میں جہاز چلتے ہیں) بڑے سے بڑا جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر کنارے لگ جاتا ہے۔ خرم شہر کے پاس سے سمندر کا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور جہاز دجلہ و فرات کے مشترکہ پانی میں چلتا ہے دونوں طرف ساحل نظر آتا رہتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں کھجور کے درخت اور باغات نظر آتے ہیں جن میں ان کے مالکین کے خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ بصرہ پر علی محمد بھائی صاحب اور شعبان بھائی صاحب جو اثنا عشری خوجہ جماعت کے نمایندے ہیں زائرین کو ہر قسم کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کا پتہ یہ ہے بتوسط جیٹھا بھائی گوکل کمپنی عشار۔ بصرہ۔ عراق۔

جیٹھا بھائی گوکل کا مسافر خانہ بندرگاہ سے ایک میل کے اندر ہے نل - لائٹ - غلش - چھت کے پنکھے وغیرہ ہر قسم کی سہولت موجود ہے زائرین کی خاطر تواضع بھی کی جاتی ہے۔ ریلوے اسٹیشن جو معقل کے نام سے موسوم ہے اس مسافر خانہ سے تقریباً ڈیڑھ میل پر ہے شام کے چھ بجے بصرہ (معقل) سے بغداد کو ریل روانہ ہوتی ہے۔ درمیان میں ہندیہ جنکشن ہے جہاں ٹرین صبح ۶ بجے پہنچتی ہے۔ ٹرین میں بھی مختلف چیزیں روٹی کباب، ابلے ہوئے انڈے، چائے، بسکٹ، کھجور وغیرہ مل جاتے ہیں اور ہندیہ اسٹیشن پر بہت سی عورتیں روٹی دودھ، بالائی، پنیر، انار، سیب وغیرہ فروخت کرنے لاتی ہیں۔ اسٹیشن پر نل پانی وغیرہ کا انتظام موجود ہے۔ یہاں اتر کر کربلا معلیٰ جانے دوسری ٹرین میں سوار ہونا پڑتا ہے ۹ بجے صبح ہندیہ سے ٹرین روانہ ہوتی ہے اور ساڑھے دس بجے صبح کربلائے معلیٰ پہنچ جاتی ہے اسٹیشن آنے سے پون گھنٹہ پہلے سے امام حسین علیہ السلام اور حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی ضریحوں کے طلائی گنبد دور سے نظر آتے ہیں۔ ٹرین ہی میں زائرین کی نوحہ خوانی و ماتم سے مجلس برپا ہو جاتی ہے۔ کربلا اسٹیشن پر موٹر ٹیکسیاں اور دو گھوڑے کی بگھیاں موجود

رہتی ہیں۔اسٹیشن سے تقریباً دو میل پر شہر کی آبادی ہے۔ پٹرول سستا ہونے کی وجہ سے پورے عراق، شام وایران میں ٹیکسیاں نہایت سستی ہیں۔ ایک عراقی دینار ہندوستان کے ۱۳ روپیہ ۰۔۴ پیسے کے برابر ہوتا ہے۔ ایک دینار کے ایک ہزار فلس (پیسے) ہوتے ہیں۔ علی الترتیب سو، پچاس، پچیس، دس اور ۵ فلس کے علیحدہ سکے ہوتے ہیں۔ پچاس فلس کا سکہ ایک درہم کہلاتا ہے۔ اسکو وہاں ایک روپیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ایران میں دو سو ریال کا نوٹ ایک دینار عراقی کے برابر ہے۔ ایک ریال کے سو قرش ہوتے ہیں۔ دس قرش کا ایک طومان ہوتا ہے اس طرح ایک عراقی دینار یعنی ہندوستان کے ۱۳ روپے ۰۔۴ پیسے ایران کے بیس طومان کے برابر ہوتے ہیں۔ شام کا دینار عراقی دینار کے مماثل ہے۔ شام کے دینار کے ۱/۲ حصہ کو ایک پونڈ کہتے ہیں۔ کویت کا دینار بھی عراق کے دینار کے مماثل ہے۔ تبادلہ کی شرح میں خفیف اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ جہاز میں ہر قسم کا سکہ چل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ ہندوستانی اور پاکستانی سکہ بھی لیتے دیتے ہیں۔ جہاز میں خرید و فروخت کا معیاری سکہ ہندوستان کا لال نوٹ ہے جو کہلاتا ہے۔ جہاز میں کبھی دو بجے سے لیکر کویت تک مختلف لائسنس یافتہ دوکاندار ولایتی سامان لاکر دوکانیں لگاتے ہیں۔ عراق، شام میں پچہتر یا سو فلس میں اور ایران میں ڈیڑھ دو طومان میں دو تین میل جانے بڑی ٹیکسی مل جاتی ہے تقریباً پچاس میل جانا آنا ملاکر گھومنے اور ۴/۵ گھنٹے کے وقت کے لئے بڑی گاڑی ایک دینار کرایہ پر مل جاتی ہے۔ دو تین میل کے مسافت کے لئے کرایہ کی بات چیت روپیوں میں نہیں بلکہ فلس (پیسوں) میں کیجاتی ہے۔ ہر جگہ سرکاری اور خانگی بسیں بھی چلتی ہیں۔ کربلائے معلیٰ سے نجف اشرف تک (۶۰ کلومیٹر) سرکاری بس کا کرایہ ۱۲۰ فلس فی کس اور خانگی کا سو فلس فی کس ہوتا ہے۔ خانگی بس والے آخر میں ایک دو نشستیں خالی رہگئی ہوں تو فی کس پچہتر یا پچاس فلس پر بھی بٹھالیتے ہیں۔ سرکاری بسیں نہایت آرامدہ اور صرف مقررہ ایک دو مقامات پر درمیان میں ٹھیرتی ہیں۔ اسی وجہ ان کا کرایہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ موٹر کے کرایہ کے مدات اس پورے سفر میں بالکل برائے نام ہوتے ہیں۔

کربلائے معلیٰ سے کاظمین اور کاظمین سے سامرہ جانے آنے کے کرائے بھی اسی طرح بہت کم ہیں۔ چار پانچ آدمی ایک ساتھ ہوں تو عموماً ایک ٹیکسی کرایہ پر لے لیتے ہیں ۱۲-۱۴ آدمی بیٹھنے کی وین بھی کم کرایہ پر مل جاتی ہے۔ بغداد سے شام جانے آنیکا بس کا ریٹرن ٹکٹ فی کس ۱/۲ ۳ یا چار دینار اور کاظمین سے طہران جانے آنے کا کرایہ فی کس چار دینار ہوتا ہے۔ ہر مقام پر "فندق" کے نام سے مسافر خانے بنے ہوئے ہیں۔ اچھے مسافر خانوں میں ایر کنڈیشنڈ کمرے ہیں لوگ عموماً خداموں کے مکانات میں ٹھیرتے ہیں جو کافی آرامدہ نل لائٹ پنکھوں فلش کے باتھ روم کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ریفریجریٹر کپڑے دھونے کی بجلی کے مشین ہر چیز موجود رہتی ہے اپنے یا اپنے عزیزوں سے سابقہ مراسم کے اعتبار سے لوگ اپنے مقررہ خدام کے پاس ٹھیرتے ہیں۔ یوں

اختیار ہے جہاں چاہو بیٹھ جاؤ۔ ہر جگہ کے لوگ۔ انتہائی خوش اخلاق ہمدرد اور مہمان نواز ہیں۔ ولایتی سامان ہر قسم کا سستے داموں بکتا ہے۔ میوہ ترکاری دنبہ کا گوشت بہترین ملتا ہے۔ گوشت "انڈے" ترکاری کی قیمت بالکل ہندوستان جیسی ہے۔ مگر میوہ بہت ہی ارزاں ہے۔

ہوٹلیں جا بجا ہیں۔ لوگ اپنے ساتھ چولھے اسٹو وغیرہ رکھ لیتے ہیں تو اپنے مذاق کا بہترین کھانا پک جاتا ہے۔ گیس کا تیل انتہائی شفاف اور نہایت سستا ہے۔ یعنی دس فلس کو ایک شیشہ۔ شام میں میوہ سب سے زیادہ عمدہ اور سب سے زیادہ سستا ہے۔ مثلاً ۳۔ ۴۰ فلس کو ایک کیلو اعلیٰ درجہ کے انگور ۲۰ فلس کو ایک کیلو انجیر۔ سیب اس سے کچھ زیادہ قیمت پر شام کے ہوٹلوں میں کھانا ہندوستانی مذاق سے بہت کچھ ملتا جلتا دستیاب ہو جاتا ہے۔ پانی کی ہر جگہ فراوانی ہے۔ دوسرے تیسرے منزل پر بھی نل اور شاور میں پانی چوبیس گھنٹے اس زور سے آتا ہے کہ یہاں زمین کے پیول پر بھی ویسا نہیں آتا۔ ایک زائر ضعیف محترمہ کے الفاظ میں "پانی کی تکلیف مولا پر ختم ہو چکی۔ اب سب کو آسانی ہو گئی"۔ بہر حال وہاں کھانے پینے کپڑے سامان کسی چیز کی کمی یا تکلیف نہیں ہے۔ جھوٹا کھانا نوکر کو دو تو قبول نہیں کرتا اور بڑے سے بڑا آدمی بھی ساتھ بیٹھ کر برابرانہ برتاؤ کرنے میں جھوٹا پانی اور جھوٹا نوالہ بھی کھا لینے میں تکلف نہیں کرتا۔ تصوّر اور عمل یہ ہے کہ مسلمان کا جھوٹا نہیں ہوتا۔ ہر شخص دوسرے پر انتہائی اعتماد کرتا ہے۔ دوکاندار گاہک کی خاطر آئسکریم لیمونڈ وغیرہ لانے گاہک کے سامنے ہزاروں روپے کا مال اور نقد کھلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور دوکاندار کی عدم موجودگی میں راستہ چلتے لوگ بھی خود گاہک سے پوچھکر کہ فلاں چیز کتنی قیمت پر آپ نے خریدی تھی دوکاندار کی طرف سے فروخت کر کے رقم دوکان پر رکھکر بازو یا سامنے کے کسی دکاندار کو آواز دیکر چلے جاتے ہیں کہ میں نے فلاں چیز بیچ کر رقم یہاں رکھ دی ہے۔ عام طور پر لوگ نہایت مضبوط اور قوی ہیں۔ بالخصوص عراق میں عورتیں انتہائی حیادار اور سخت پردہ کی پابند ہیں۔ پانچ برس کی عمر سے بچیوں کو برقع پہنے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ زیادہ عورتیں مُنہ پر پوری نقاب ڈالتی ہیں اور ان کا ناخن تک نظر نہیں آتا۔ بعض عورتیں آنکھیں اور تھوڑی تک کا حصّہ کھلا رکھتی ہیں۔ پیشانی تھوڑی ڈھکی ہوئی اور پورے جسم پر بھی برقعہ یہ اصل اسلامی پردہ ہے۔ ایران میں کالج کی لڑکیاں بلا برقعہ کے نکلتی ہیں۔ مگر باقی عورتیں سب برقعہ پہنتی ہیں۔

روضہائے اقدس کی عمارتوں کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ بڑے بڑے گنبد اور ان کے اطراف بڑی بڑی کمانیں ہیں۔ اطراف میں کئی ایکر کے صحن ہیں جس میں ہر طرف بہت بڑے بڑے دروازے ہیں۔ بعض صحنوں میں بارہ بارہ دروازے ہیں۔ سب گنبدوں کے اوپر اور کمانوں کے اندر ہزاروں من خالص سونا چڑھا ہوا ہے۔ اکثر روضوں کے ساتھ مسجدیں اور کلاک ٹاور بنے ہوئے ہیں۔ ان سب کے گنبد بھی

سونے کے ہیں۔ ضریحیں یعنی قبروں کے اطراف اور اوپر جالیاں اور دروازے چوکھٹیں سب سونے چاندی کے ہیں ہر روضے میں ایر کنڈیشنگ کے متعدد بڑے بڑے آلات لگے ہوئے ہیں۔

تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام کے روضوں کی کم و بیش صد فی صد یا بالکل ایک ہی شان ہے۔ شان باطنی بھی بالکل وہی معلوم ہوتی ہے اور شان بھی وہ جو رسول کے جگر کے ٹکڑوں اور خدا کی طرف سے منصب امامت پر فائز مصداق ان کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ اماموں کی ہوسکتی ہے۔ اس کے بیان کی کوشش لاحاصل ہے زائرین عموماً پہلے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے روضوں پر حاضر ہونے سے قبل خیال ہوتا ہے کہ شاید ایسی شان ظاہری و باطنی اور روضوں کی نہ ہو مگر زائرین اسکی گواہی دیں گے اور دیتے ہیں کہ خواہ نجف اشرف جائیے کربلا یا کاظمین پہنچ جائیے خواہ سامرہ خواہ مشہد مقدس ہر امام کی وہی شان ہے اور ارشاد رسول اولنا محمد اوسطنا محمد آخرنا محمد کلنا محمد کی تصدیق ہر ایک کا دل زبان حال سے کرنے لگتا ہے غم امام حسینؑ کی وہ مخصوص کشش ایک جداگانہ امر ہے کہ زائرین یہ کہتے ہیں کہ سب کے دل کربلائے معلیٰ میں دفن ہو کر رہ جاتے ہیں اور کہیں بھی جاؤ کہیں بھی آؤ۔ جب کربلائے معلیٰ میں پہنچ گئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں نہیں اپنے گھر میں آگئے ہیں۔ گھر کا لفظ محض سفر کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے ورنہ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ دارالامن اور جنت کے خطہ میں ہیں۔ نجف اشرف میں شیر ذوالجلال میزان الاعمال وجہہ اللہ قسیم النار والجنۃ کی ایک بیان سے باہر شان ہے۔ دل ایسا محسوس کرتا ہے کہ روز حساب کا رعب اور دبدبہ ایسا ہی ہوگا۔ یہاں آدمی اپنے نفس کے محاسبہ پر مجبور ہوجاتا ہے اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے کے لئے دل متنبہ کرتا رہتا ہے۔ پہلی مرتبہ حاضری کے بعد کئی دن توبہ و استغفار کرنیکے بعد جب میں تیسری مرتبہ کربلا و کاظمین سے نجف اشرف حاضر ہوا تو اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ اس دربار میں قدم رکھتے ہوئے اب اتنی جھجک نہیں ہے اور مولا اس غلام کو قبول فرمانے آمادہ ہیں۔

روضہ حضرت علی علیہ السّلام کے متعلق ایک پارسی اہل نظر و اہل قلم کے تاثرات

مسٹر ڈی۔ ایف کراکا ہفتہ وار Current بمبئی کے ایڈیٹر ایک ممتاز اہل قلم ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں یہ طلباء کی یونین کے صدر تھے جو ایک ہندوستانی طالب علم کیلئے غیر معمولی اعزاز تھا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۵۱ء کی رات جو ماہ ہلالی کے حساب سے ۳ شعبان یوم پیدائش امام حسین علیہ السلام کی شب تھی مسٹر کراکا نے حضرت علی علیہ السّلام کے متعلق ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر ماہ اگست ۱۹۶۵ء میں پوری ہوئی اس ضمن میں موصوف نے اپنے اخبار کے ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں ایک طویل مضمون شائع فرمایا ہے۔ جس کا اقتباس ہم ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے روضہ کی رفعت شان کے آگے تاج محل بھی ہیچ ہے اور تمام دنیا کے بڑے

شہنشاہ ملکر بھی ایسا روضہ تعمیر نہیں کر سکتے۔ انگریزی اقتباس درج ذیل ہے

"Fourteen and a half years ago I had a dream in the early morning of April 6,1954. I remembered it even more with a precision of detail because it was no ordinary dream. I saw a man whose name I had never heard of. He was dressed in Arab clothes, a strong powerful man with the physique of a pahelwan. As he waled a light shone ahead of him. The other people in the dream knew who he was. They bowed down with their heads touching the ground as Muslims do in prayer. In awe and respectfully utter his name Hazrat Ali... Hazrat Ali... Slowly he walks to some enclosed place of prayer while every one waits outside. He comes back after a while and the whole place is aglow with a blinding light. He comes towards, me moves aside the cloth which covers his face. To look at him was like looking into the sun. He extends his right hand to me and seems to pull me across the sheet of people bended low still say... Hazrat Ali...Hazrat Ali.......Then I woke up my heart thumping with palpitation and excitment. In time I heard who he was..............I have thought of him all the time in my hours of crisis...and these were many..........Early this year I began to feel a strange desire to go to his shrine................. Then I fell ill.......seriously ill. This was during the months of July and August (1968). Then out of the blue in the month of September (1968) came invitation from the Government of Iran.........I arrived first in Baghdad and again by a coincidence of circumstances, drove to Najaf the same afternoon to find

I had arrived there on the birthday of Hazrat Ali.

......The Mausoleum itself is...breath-taking. I have sat and wondered at the marbled splendour of our Taj Mahal......but despite its beauty, the Taj appears almost insipid in comparison with this splash of colour at Najal. This tomb surpass anything I have seen in gorgeous splendour. All the great Kings of the world put together could not have a tomb as magnificient asthis.

......One becomes speechless here. You do feel you are in presence of some great and spiritual force. I began to believe that Hazrat Ali had called me there on this particular day and this evening hour when his birthday was beginning. You either regard it as a strange coincidence or have a faith that it was so ordained. Because of my dream of fourteen and a half years ago, I naturally had the faith... My escort had earlier told me that as I was not a Muslim I could only see the tomb from outside.... I felt it impossible that Hazrat Ali would let me come from all this great distance only to stand in the outer courtyard. .....Then some thing happened to change my Arab Escort's mind. He said follow me but dont' touch anything. He led me to the entrance of the inner shrine........I felt almost electrified as I entered. I lit the incense sticks from the bundle I had carried with me all the way from India. I prayed for my family, my work, my friends and also for myself. I thanked him for having come to me in my dream which after all these years began to have more meaning for me than before...But I kept away

from the railing of the tomb as I was told so that no one could be offended. Just then an elderly priest came to us. He spoke in Arabic to my escort. My escort confused and turned to me. "He wants to say a prayer for you". I nodded my head. The priest prayed for me.

Then the priest beckoned me and took me near the silver railing. There he spoke to yet another younger priest. The younger man broke out into yet another prayer. He stopped and looked at me, after a few words. My Arab escort said: "Repeat after him he says". Not knowing a single Arabic word, I made sounds similar to his and he nodded that I was right.. Then he finished and the elder priest took my hand and placed my two fingers on the carved silver railing.. the very thing my escort had forbidden me to do. But if Hazrat Ali wanted it that way, no one could stop it.

By now my mind had become a total blank. All things I had come to say, just got blotted out. I bowed my head in respect, and with a last look at his tomb we came out, through the inner court yard and the outer one to the entrance. I stood there for quite a while about a half hour it must have been... and I said all things I had come to say.

****

اب ہم ان روضہائے فلک بارگاہ کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) کربلائے معلیٰ میں امام حسین علیہ السلام کا روضہ اور حضرت ابالفضل العباس کا روضہ ایک دوسرے سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہیں امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر کے پائنتی متصل آپ کے دو صاحبزادوں حضرت علی اکبر و حضرت علی اصغر کی قبر ہے جو ایک ہی جالی میں محصور ہیں۔ اس ضریح مبارک کے پائنتی ذرا سیدھے ہاتھ کی طرف گنج شہیدان ہے۔ یہ بھی ایک سونے چاندی کی جالی ہے۔ جس میں حضرت قاسم ابن الحسن عون و محمد اور دیگر شہدائے کربلا ایک ہی جگہ دفن ہیں۔ روضہ مطہر کے سرہانے کی طرف ذرا ہٹ کر ۱۰۔ ۵ گز پر دہ مقام ہے۔ جہاں حضرت امام ذبح کئے گئے تھے۔ یہ قتل گاہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کو ایک کمرہ کی شکل دیدی گئی ہے جسکی دیواریں اور دروازے سونے چاندی کے ہیں۔ روضہ مطہر اور قتل گاہ کے درمیان حبیب ابن مظاہر الاسدی کی چھوٹی ضریح علیحدہ بنی ہوئی ہے۔ یہ بھی سونے چاندی کی ہے یہ شہید حضرت امام کے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھے۔ اسی روضہ مطہر میں باب سلطانیہ کے رخ پر حضرت ابراہیم بن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بھی ضریح ہے جو واقعہ کربلا کے کئی سو سال بعد وہاں دفن ہوئے ہیں۔ حرم کے صحن کے بارہ دروازے ہیں اور کئی ایکڑ کا رقبہ صحن میں شامل ہے۔ جو رات دن زائرین کے ہجوم سے بھرا رہتا ہے۔ زبان زد خاص و عام ہے کہ جن و ملک بھی حاضر رہتے ہیں۔ ہزارہا برقی گولے آسرالائٹ سلفرلائٹ مرکیوری لائٹ وغیرہ روضہ مطہر کے اندر اور باہر رات بھر جلتے ہیں اور معلوم ہوا کہ لائٹ کی سستی شرح پر پچیس ہزار روپیہ ماہانہ صرف برقی کا بل ہوتا ہے۔ روضہ مطہر کے اوپر ایک سرخ رنگ کا حریر کا پھریرا لہراتا ہے جو خون امام کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

یہاں سے دو فرلانگ پر حضرت ابا الفضل العباس برادر امام حسین علیہ السلام کا روضہ مبارک ہے جو روضہ خورد کے نام سے موسوم ہے۔ یہ حضرت امام کے خیموں اور دریائے فرات کے درمیان وہ مقام ہے جہاں حضرت ابالفضل دریائے فرات سے پانی لیکر لوٹتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اس روضہ کی بھی وہی شان ہے۔ وہی سونے کے گنبد سونے کی کمانیں وسیع صحن زائرین کا بے پناہ ہجوم۔ رات بھر لائٹ جلتی ہے۔ جس کا ماہانہ بل ۱۵ ہزار کا ہوتا ہے۔ حال میں پاکستان کی بہنورہ جماعت نے لاکھوں روپے کے صرفہ سے چاندی سونے کی ایک نئی ضریح تیار کرائی ہے۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں پرانی ضریح (جو سونے چاندی ہی کی تھی) نکال کر نئی ضریح نصب کیجا رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ کئی اسلامی ممالک کے لوگوں نے یہ مسابقت کی تھی کہ ضریح بنانے کا موقعہ ہمکو ملے۔ بھنورہ جماعت کو اجازت مل گئی۔ کربلائے معلیٰ میں قابل زیارت مقامات خیمہ گاہ اور درتر پنیہ اور وہ مقام بھی ہے جہاں حضرت علی اکبر برچھی کھا کر گرے تھے۔ جس ترتیب سے میدان کربلا میں حضرت امام کے اہل حرم و اعوان و انصار کے ڈیرے تھے اسی ترتیب میں اب مسلسل

عمارتیں چھوٹے چھوٹے گنبدوں کے ساتھ بنادی گئیں ہیں۔ جو خیمہ گاہ کہلاتی ہیں۔ در زینبیہ قتل گاہ حضرتِ امام کے سرہانے کے رُخ تقریباً ۱۰۰ گز پر وہ مقام ہے جہاں سے حضرت زینب نے اپنے بھائی کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ دریائے فرات کا وہ گھاٹ بھی زائرین کو دکھلایا جاتا ہے۔ جہاں اتر کر حضرت ابا لفضل نے مشک بھری تھی۔ چار یا پانچ میل پر امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغ کے نام سے وہ مقام ہے جہاں آپ مدینہ سے قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے آکر ٹھہرا کرتے تھے اس میں کھجور کے درخت بھی ہیں۔

یوں تو کربلا معلیٰ میں ولایتی سامان کی ہزاروں دوکانیں کارخانے ہوٹل مسافر خانے مکتب مدرسے دفاتر سبھی کچھ موجود ہیں اور معمولی کاروبار ہوتے رہتے ہیں مگر اس شہر کی فضا تمام تر روحانی ہے۔ دن رات اپنے گھر میں سے یا راستوں سے گزرتے ہوئے کہیں سے قرأتِ قرآن کہیں سے بیانِ عزا عربی یا فارسی میں کہیں سے نوحہ خوانی کہیں سے دو دستی ماتم کی آواز مائکروفونوں پر آتی رہتی ہے اور یہ روزانہ کا معمول ہے۔ یہ آوازیں منقطع جب ہی ہوتی ہیں جب پانچ وقت کی اذانیں مائکروفون پر پورے شہر میں گونجتی ہیں۔ موٹروں اور بسوں میں ریڈیو لگے ہوتے ہیں ان پر بھی یہی چیزیں سنائی دیتی ہیں۔

(۲) کربلائے معلیٰ سے تقریباً ۶۰ کیلو میٹر نجف اشرف میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا مزار مقدس ہے۔ آپ کے سیدھے بازو حضرت نوح اور بائیں بازو حضرت آدم دفن ہیں۔ درمیان میں مولا کی قبر ہے۔ تینوں قبریں ایک ہی ضریح میں ہیں۔ لاکھوں کروڑوں کے جواہرات نذر چڑھائے ہوئے ضریح مبارک میں موجود ہیں۔ اس مقام کو بھی محفوظ کردیا گیا ہے جہاں سے حضرت شیر خدا نے دو انگلیاں نکال کر شانِ اہل بیت میں گستاخی کرنے والے قیس بن مرہ کو دو ٹکڑے کر دیا تھا ان دو سوراخوں کے اطراف زمرد و الماس جڑ دیئے گئے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ دو انچ لمبے چوڑے ہیں روضہ کے وسیع صحن میں ہر طرف بڑے بڑے دروازے ہیں اور ہر دروازے کے سامنے سے ایک شاہراہ جاتی ہے۔ ولایتی سامان کی ہزاروں دوکانیں ہیں۔ نجف اشرف میں علم کا چرچا بہت ہے۔ نئے زائرین کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے قریب آجاتے ہیں اور نہایت سنجیدگی سے پوچھتے ہیں۔ ہم آپ کو دعائیں اور زیارت پڑھائیں نجف اشرف کربلائے معلیٰ اور ہر جگہ نماز کی اذان کے ساتھ ہی لوگ دوکانوں کو چھوڑ کر ہزاروں کا مال کھلا ڈالکر نماز کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ کسی کی ایک پائی کوئی ادھر ادھر نہیں کرتا۔ فوج کے باوردی سپاہی وردی پہنے ہوئے پولیس کانسٹبل سب نماز کی صفوں میں نظر آتے ہیں۔ ہر ایک روضہ کی اذان مائکروفون کے ذریعہ شہر کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔ روایاتی طور پر نجف اشرف کی اذان اس قدر شاندار ہوتی ہے کہ لوگ جھومتے سنتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کوفہ میں قابل زیارت مقامات میں پہلے مسجد کوفہ ہے جہاں نماز پڑھاتے وقت حضرت علی علیہ السلام

تلوار سے شہید کئے گئے تھے۔ اس مسجد کے ایک طرف حضرت مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ کے روضے ہیں۔ بیت الامیر کے نام سے حضرت امیر علیہ السلام کا دولت کدہ ہے اس میں زائرین کو وہ کمرے اور مقامات بتائے جاتے ہیں جہاں بیٹھکر آپ امور خلافت انجام دیتے تھے اور زخمی ہونے کے بعد جہاں آپ تشریف فرما تھے اور پھر جہاں آپکو غسلِ میت دیا گیا۔ حسنین علیہم السلام کا مکتب خانہ اب بھی باہر کے حصہ سے متصل موجود ہے۔ حضرت زینب علیہا السلام کے لئے جو حصہ تھا اس میں اُس وقت کا اصلی دروازہ اب تک محفوظ ہے۔ کوفہ سے سات آٹھ میل پر مسجد سہلا ہے۔ جہاں بارھویں امام علیہ السلام لوگوں کو نظر آئے تھے۔ درمیان میں حضرت صالح اور حضرت یونس کے مزارات ہیں۔ نجف اشرف سے کوفہ جاتے ہوئے مسجد حنانہ ملتی ہے۔ جس کے مینار حضرت علی علیہ السلام کا جنازہ گزرتے وقت تعظیماً جھک گئے تھے۔ ایک بھی مینار جھکی ہوئی حالت میں ہیں۔ راستہ ہی میں عاشقان بوتراب حضرت کمیل اور میثم تمار کے مزارات ہیں۔ نجف اشرف ہی میں جانب شمال وادی السلام کا قبرستان ہے۔ اتنا بڑا قبرستان شاید ہی کہیں ہوگا اس میں لاکھوں قبریں ہیں اور کئی میل کے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔

(۳) کربلائے معلیٰ سے تقریباً ۱۵۰ کیلو میٹر پر کاظمین ہے جو شہر بغداد سے تقریباً ۵ میل پر ہے۔ کاظمین بجائے خود ایک مستقل شہر ہے۔ جہاں ہر قسم کی ہزاروں دوکانیں ہوٹل مسافر خانے وغیرہ ہیں۔ یہاں ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام اور نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کے مزارات ایک ہی ضریح کے اندر ہیں اس روضہ کے دو گنبد متصل بنے ہوئے ہیں یہ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کے گنبدوں سے بھی بڑے ہیں۔ یہ سب گنبد اور کلس سونے کی ہیں۔ نہایت وسیع صحن جس کے چاروں طرف حیدر آبادی مچھلی کمان کی برابر بڑے بڑے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ صحن میں رات دن ہزار ہا زائرین رہتے ہیں۔ اور رات کے ایک دو بجے بھی دیکھو تو ہر دروازے کے سامنے سو پچاس موٹریں کھڑی نظر آتی ہیں۔

شہر بغداد میں زیادہ تر سنّی آبادی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا مقبرہ یہیں ہے۔ جو وہاں شیخ کے مقبرہ کے نام سے موسوم ہے گنبد چونے یا سمنٹ کا بنا ہوا ہے اور اطراف لوہے کی سلاخیں لگا کر قفل ڈال دیا کرتے ہیں۔ یہاں میں دو دفعہ گیا ایک دفعہ دن میں نماز ظہر کے وقت کے قریب اور ایک دفعہ شام میں مگر دونوں مرتبہ مقبرہ کو مقفل پایا۔ دونوں مرتبہ سات آٹھ آدمی سے زیادہ وہاں نظر نہ آئے۔

(۴) کربلائے معلیٰ اور کاظمین کے درمیان دریائے فرات سے کچھ فاصلہ پر مُسَیَّب کے مقام پر فرزندان حضرت مسلم ابراہیم و محمد چھ اور سات سال کے مقبرے ہیں۔ جب حارث نے فرزندان حضرت مسلم کو قتل کر کے نعشیں دریا میں ڈالدی تھیں اور بہتی ہوئی اس مقام تک آئیں تو کسی مرد مومن نے نکال کر یہاں دفن کر دی تھیں۔ اب سونے کے گنبد اور مینار اور سونے چاندی کی ضریح اور شاندار روضہ ان

معصوموں کا بیٹا ہوا ہے۔

(۵) کربلا اور کاظمین کے درمیان راستہ سے کئی میل اندر حضرت سیّد محمد کا مزار ہے جو امام علی نقی علیہ السلام کے ایک فرزند تھے۔ خیال تھا کہ اس دشوار گزار راستہ پر دس بیس ہی زائر آئے ہوں تو آئے ہوں۔ مگر جب ہم پہنچے تو سینکڑوں موٹریں سروِس کی بسیں اور ہزارہا زائرین کا ہجوم دیکھنے میں آیا۔ یہ گنبد اور کمانیں بھی سب سونے کی بنی ہوئی ہیں نل لائٹ پنکھے ہر چیز موجود ہے۔ آلِ رسول کے خاندان کے بچہ بچہ کی عجیب شان دیکھنے میں آئی۔

(۶) کاظمین سے سامرہ تقریباً ۱۵۰ میٹر کی مسافت پر ہے۔ یہاں بھی شاندار سونے کے گنبد اور کمانیں اور زائرین کا وہی ہجوم نظر آیا دسویں امام حضرت امام علی النقی علیہ السلام اور گیارہویں امام حضرت حسن العسکری علیہ السلام مدفون ہیں۔ اسی ضریح مبارک میں حضرت صاحب عصر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی نرجس خاتون اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپی جناب حکیمہ خاتون بھی مدفون ہیں روضہ مبارک کے صحن میں وہ کنواں بھی محفوظ ہے۔ جہاں سے یہ ذواتِ مقدسہ پانی لیا کرتے تھے۔ اس روضۂ مطہر سے تقریباً دو سو گز پر حضرت صاحب عصر علیہ السلام کا مقام غیبت سُرّمَن راہ ہے۔ جو ایک پہاڑ کا حصّہ اور غار ہے غار کے اندر تک سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ہر جگہ لائٹ اور پنکھے بھی لگائے گئے ہیں۔ غار کے اوپر کے حصّہ میں ایک بہت ہی بڑی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس روضہ مبارک کے اور مقامِ غیبت کے سب خدام اہل سنّت سے ہیں۔

کربلا معلیٰ نجف اشرف کاظمین اور سامرہ کے درمیان تار کی پختہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں اور زائرین کی آمدورفت کا یہ حال رہتا ہے کہ دن بھر اور رات بھر ان شہروں کے درمیان اور بالخصوص کربلا معلیٰ اور نجف کے درمیان سرکاری بسوں ٹیکسیوں اور خانگی موٹروں کی قطاریں بندھی رہتی ہیں اور خصوصًا رات کے وقت آنے جانے والی قطار کے سُرخ بیک لمپ اور سامنے سے آنے والی قطار کے ہیڈ لمپوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لمبا راستہ نہیں بلکہ خود کوئی جگمگاتا شہر ہے۔

(۷) کاظمین و بغداد سے ۲۴ گھنٹہ کی موٹر کی مسافت پر شہر دمشق (ملک شام) میں حضرت زینب علیہا السلام کا روضہ اور جناب سکینہ علیہا السلام کی چھوٹی ضریح ہے۔ دونوں ضریحیں چاندی سونے کی ہیں۔ خدام زیادہ تر سُنّی مگر اہل بیت علیہم السلام سے گہری عقیدت رکھنے والے ہیں حضرت سکینہ کی ضریح میں عقیدتمندوں کے چڑھائے ہوئے جواہرات کے چھوٹے چھوٹے زیورات اور مختلف کھلونے وغیرہ موجود ہیں اس شہزادی کے روضہ پر ایک نور کے ساتھ ساتھ یاس بھی برستی ہے اور وہاں جو شخص نظر آیا روتا ہوا نظر آیا۔

جناب زینب علیہا السلام کا روضہ دمشق سے سات میل کے فاصلہ پر ہے یہ زینبیہ کے نام سے مشہور ہے اور بجائے خود ایک چھوٹا شہر بن گیا ہے۔ پاکستان کے حبیب بنک والے جناب زینب علیہا السلام کے مقبرہ کو اطراف سے وسیع کر کے لاکھوں روپیہ کے خرچ سے زائرین کی سہولت کے لئے دو منزلہ سینکڑوں کمرے رِواقیں اور فلش کی فٹنگس کے ساتھ بیسوں حمام وغیرہ تعمیر کروا رہے ہیں اور بھی متعدد مقامات پر خاندان اہل بیت رسول کے بچوں کے مزارات وغیرہ ہیں بعض جگہ درستی و اضافہ ہوتا ہوا نظر آیا اور حبیب بنک والوں کی فیاضی کا چرچہ کئی جگہ سننے میں آیا۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔

دمشق میں مسجد اموی کے نام سے ایک بڑی مسجد ہے ایک روایت کے بموجب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یہاں دفن ہے۔ اس مقام کو راس الحسین کہتے ہیں اسی مسجد میں حضرت یحییٰ پیغمبر کا مقبرہ بھی ہے۔

(۸) بغداد سے ۲۴ گھنٹہ کی موٹر کی مسافت پر ایران کا دارالخلافہ تہران ہے۔ یہ پوری سات سو کیلومیٹر کی سڑک تار کی بنی ہوئی اسقدر صاف ہے کہ سڑک پر گری ہوئی سوئی بھی نظر آجائے۔ ذری سی خرابی پر بھی مشینوں کے ذریعہ سڑک کی درستی ہوتی ہے۔ نصف مسافت پر کرمان شاہ کے مقام پر مسافر استراحت گاہوں میں آرام کرتے ہیں دو پلنگوں مع صاف ستھرے بستر لحاف وغیرہ کے ساتھ چار یا پانچ طومان یعنی کم و بیش ۳ روپیہ میں ایک کمرہ رات کے لئے مل جاتا ہے۔ موٹریں وقت مقررہ پر ایک منٹ کی بھی دیر سویر کے بغیر روانہ ہوتی ہیں۔ راستہ میں کسی حاجت کے لئے موٹر ٹھیرانا ہو تو موٹر والے نہایت خندہ پیشانی سے ٹھیرا دیتے ہیں۔ موٹر والوں کی سرد مہری کی سابقہ حکایات اب حرفِ غلط ہیں تہران سے ۲۲ گھنٹہ ریل کے سفر کے بعد مشہد مقدس ہے۔ ٹرین میں تھرڈ کلاس کی بھی ہر آدمی کی نشست محفوظ کی جاتی ہے اور جتنی سیٹیں ہیں اتنے ہی ٹکٹ جاری ہوتے ہیں۔ سب ٹرینیں ایر کنڈیشنڈ ہیں۔ راستہ میں نماز کے اوقات پر جہاں جہاں ٹرین پہنچتی ہے اسٹیشن میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور حوض نل پانی جانماز سجدہ گاہ ہر چیز مہیا ہے اور نماز پڑھنے کیلئے فجر کے وقت بھی ٹرین کا محافظ عملہ مسافروں کو صلواۃ صلواۃ کہکر بیدار کرتا ہے لوگ اٹھ اٹھ کر ٹرین سے مسجد کی طرف بھاگتے ہیں۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب نومبر کے مہینہ میں وہاں برف گر رہی تھی۔ جب تک سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر ٹرین میں واپس نہ آجائیں ٹرین نہیں چلتی۔ ہر ڈبہ کا جدا جدا محافظ مقرر ہے جو اپنے مسافرین کی گنتی رکھتا ہے اور موقعہ بہ موقعہ ان کی خبرگیری کرتا ہے۔ جتنے بھی مقامات پر بس سے سفر کیا جاتا ہے پانچوں نمازوں کے وقت پر بس ٹھیرائی جاتی ہے اور راستہ پر جو ہوٹل ہیں۔ ان میں تخت اور قالین بچھے ہوئے ہیں اور نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ خواہ کوئی ہوٹل میں کھائے یا نہ کھائے نماز سب پڑھ سکتے ہیں۔

بعض لوگ بغداد سے ٹرین میں خانقین تک جا کر وہاں سے تہران بس میں جاتے ہیں۔ خانقین عراق اور ایران کی سرحد پر بغداد سے ۱۵ گھنٹہ موٹر کی مسافت پر ایران کا شہر ہے۔ یہاں تک ریل میں سفر

کرنے میں کوئی خاص سہولت نہیں ہے اس لئے کہ خانقین سے بس میں سوار ہونا ہی پڑتا ہے اور سامان کی اٹھائی دھری کرنی پڑتی ہے۔ بجائے اس کے بغداد سے تہران بس میں سیدھے پہنچ جاتے ہیں۔

ہندوستان کے بعض زائرین جن کے پروگرام میں مشہد مقدس بھی شامل ہو پہلے بصرہ وکربلائے معلیٰ جانے کی بجائے ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد خرم شہر کی بندرگاہ پر اتر جاتے ہیں (مگر یہاں جہاز گودی سے نہیں لگتا بلکہ جہاز سے چھوٹی کشتی میں اتر کر کنارہ تک جانا ہوتا ہے) پھر خرم شہر سے تہران کا راستہ ہے۔ تہران سے مشہد مقدس ٹرین میں جانا ہوتا ہے۔ جیسا اوپر ذکر ہوا۔ مشہد مقدس سے تہران واپس آکر یا تو خرم شہر جاکر پھر جہاز میں بصرہ آتے ہیں یا تہران سے بس میں بغداد اور پھر وہاں سے کاظمین کربلا وغیرہ جاتے ہیں اور واپسی میں بصرہ سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں اس طرح اخراجات میں کچھ بچت ہوتی ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کو جتنے مرتبہ جانا آتا ہو مثلاً عراق سے ایران اور ایران سے عراق ہر مرتبہ جاتے اور آتے وقت ویزا کرانا پڑتا ہے جسکی فیس بھی دینی ہوتی ہے۔

مشہد مقدس میں امام رضائے غریب علیہ السلام کا روضہ بہت ہی بڑے اور وسیع رقبہ پر ہے جس کے دو بڑے بڑے صحن ہیں۔ جس میں سے ہر ایک میں کئی کئی لاکھ آدمی سما سکتے ہیں۔ بہت بڑی مسجد بھی ایک صحن میں ہے۔ ضریح مبارک کے گنبد کی کمانیں اور دروازے اور مسجد کے گنبد اور مینار سب سونے کے ہیں بہت ہی لمبے دالان روضہ کے اطراف ہیں۔ جن میں بیش بہا قالین اور پردے پڑے ہوئے ہیں۔ بعض قالین اتنے بڑے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک خاندان کی تین پشتوں نے اسکو مکمل کیا ہے یعنی دادا نے شروع کیا تو پوتوں نے ختم کیا یہ ایک ایک قالین کئی کئی لاکھ کا ہے۔ حرم کے اندر دروازے اور کمانیں کئی ہیں۔ عمارت کی وسعت ایسی ہے کہ آدمیوں کے ہجوم میں کسی دروازے سے داخل ہونے کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ کس دروازے سے آئے تھے کدھر نکل گئے۔ ہر مرتبہ ایک نئی جانب نکل آتے ہیں۔

کئی بادشاہوں کے تاج اور ملکاؤں کے گلہ کی مالائیں ضریح مبارک پر چڑھائی ہوئی ہیں لاکھوں روپیے مرصع قبضوں کی تلواریں بیش قبض جنبئے وغیرہ بھی مختلف ممالک کے اسلامی بادشاہوں کے چڑھائے ہوئے موجود ہیں اندر کے دروازوں پر اور ضریح کے پاس متعدد خدام رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ حرم کے صحن کے باہر کے دروازوں پر اعلیٰ درجہ کا نیلا اُونی لباس پہنے اور چاندی کے عصا ہاتھ میں لئے چوبدار کھڑے رہتے ہیں جو باری باری متعین ہوتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا آپ سرکاری عہدہ دار ہیں تو کہتے ہیں نہیں ہم امام رضا علیہ السلام کے ملازم ہیں ان چوبداروں کو روضے سے فی کس ۵۰۰ روپیہ ماہوار چند گھنٹہ کی خدمت کی تنخواہ ملتی ہے۔ متعدد بادشاہوں اور صاحب خیر اصحاب نے جو متعدد شہر اور اراضیات وجائداد روضہ کے لئے وقف کی ہیں ان کی روزانہ آمدنی پچیس لاکھ روپیہ ہے۔ حکومت یہاں روضہ کے آستانہ دار کی ہے۔ ایران کے

شاہ سال میں کئی مرتبہ روضہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ مگر احتراماً انھوں نے اپنے لئے یہاں کوئی محل نہیں بنوایا ہے بلکہ آستانہ دار کے پاس مقیم ہوتے ہیں۔

زائرین کی یہ کثرت ہے کہ ہر موسم میں روزانہ چوبیس گھنٹہ لاکھوں اشخاص مرد عورت جمع رہتے ہیں۔ لاکھوں کے ہجوم کے باوجود مرد اور عورت ایک دوسرے کو دھکا لگنے نہیں دیتے۔ ہم یہاں نومبر حاضر ہوئے تھے۔ جبکہ برف گر رہی تھی اور بے انتہا سردی تھی نہ کوئی مخصوص کا زمانہ تھا نہ کوئی خاص تاریخ پھر بھی چوبیس گھنٹہ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ضریح مبارک کو بوسہ دینا دعا اور جسمانی جدو جہد دونوں کے بعد بہ مشکل نصیب ہو سکتا تھا۔ ضریح مبارک کے چاروں طرف ضریح کو مس کرنے والوں اور بوسہ دینے والوں کی کئی صفیں ایک کے اوپر ایک ہوتی تھیں۔ یعنی کچھ لوگ فرش پر لیٹے ہوئے اپنا چہرہ ضریح کے فرش کے قریب لگائے ہوئے ہوتے۔ ان کے اوپر ایک قطار جھک کر ضریح کو بوسہ دینے والوں کی ہوتی تیسری قطار ان کے اوپر سے جسطرح ہو سکے آڑے پڑ کر بوسہ دینے والوں کی اور پھر چوتھی قطار ذرا کم عمر لڑکے لڑکیوں کی ہوتی جن کو ان کے باپ یا بھائی اپنے کاندھوں پر کھڑا کئے ہوئے ہوتے اور یہ وہاں سے سب لوگوں کے سروں کے اوپر سے جھک کر دیوانہ وار ضریح مبارک کو بوسہ دیتے ان کے پیچھے قطار در قطار ہزاروں لوگ منتظر کھڑے رہتے تھے۔ جدو جہد اور لوگوں کی منت سماجت کرکے دو مرتبہ میں ضریح مبارک کو بوسہ دے سکا۔ دونوں مرتبہ شیروانی کی گنڈیاں ٹوٹیں (کشتی نما) ٹوپی کئی مرتبہ گری آخر اتار کر جیب میں ڈالنے کی نوبت آئی اور تین گھنٹہ کی مسلسل کوشش ہا اور برف گرنے کے موسم میں پسینہ پسینہ ہو جانے کے بعد میں ضریح مبارک کے قریب جا سکا۔ جب نکل کر آیا تو کہیں پسلی میں درد کہیں سینہ میں درد کہیں ہاتھ میں درد اور دونوں مرتبہ بلا مبالغہ بخار چڑھ آیا۔ مگر فضل امام سے تھوڑی تھوڑی دیر ہی میں شفا بھی ہو گئی۔ بنارس کے مولوی سرل حسین صاحب دن کے وقت بوسہ دینے میں کئی دن ناکام ہو کر اس مقصد سے رات رات بھر بیٹھے رہے کہ رات کو شاید ہجوم کم ہوگا۔ ان کا بیان تھا کہ جیسے جیسے رات بڑھتی گئی ہجوم میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اجنہ بھی زیارت کو آیا کرتے ہیں۔ ہر زائر کی تین دن تک مہمانی روضہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ غیر مستطیع زائرین کو زاد راہ دیکر واپس کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مخصوص کے زمانوں میں یعنی کسی امام کی پیدائش یا شہادت کے ایام میں یا محرم میں یا حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے روز ۱۷ صفر کو ایسا مجمع ہوتا ہے کہ کئی کئی آدمی بیہوش دواخانہ کو بھیجے جاتے ہیں اور ضریح کے قریب جانا یا پھر نکلنا محال ہوتا ہے۔ نہ معلوم چند کون خوش قسمت قریب پہنچ جاتے ہیں۔ بہرحال آلِ محمدؐ کے دربار کی عجیب شان دیکھنے میں آئی جہاں بھی جاؤ۔

(۹) طہران سے ۵ گھنٹہ موٹر کے راستہ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی بہن فاطمہ بنتِ موسیٰ کاظم علیہا السلام کا روضہ ہے جو معصومۂ قم کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے بھائی پر مامون رشید کے جبر و استبداد کی

خبریں سن کر بہ حالت پریشانی بہ مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مقام قم پر جو مشہد مقدس سے تقریباً چار سو میل دور ہے پہنچی تھیں کہ وہاں اپنے بھائی کی شہادت کی خبر سنی۔ وہیں علیل ہوئیں اور انتقال کر گئیں آپ کا روضہ بھی بے انتہا وسیع اور سونے کے گنبد اور سونے کے میناروں کا ہے ضریح اور دروازے سب سونے چاندی کے ہیں۔ صحن میں حوض ایسے بڑے بڑے بنے ہوئے ہیں کہ ہزاروں آدمی وقت واحد میں وضو کر سکیں یہ زیادہ گہرے نہیں بنائے گئے ہیں تاکہ بچوں کے لئے خطرہ نہ ہو۔ ایک حوض میں فیروزہ کے پتھروں کا فرش ہے اور دوسرے میں سبز رنگ کے پتھروں کا فرش ہے معلوم ہوتا ہے کہ پانی فیروزہ یا سبز رنگ کا ہے فلش کے سیبوں حمام اور بیت الخلا بنے ہوئے ہیں۔ جن میں چینی کا فرش دیواروں پر چینی کے ٹائل، کھونٹیاں، ہینگر اور ہر ایک میں نل لوٹے وغیرہ موجود ہیں۔ زنانہ الگ مردانہ الگ۔

قم ایک ایسا صاف ستھرا شہر یہاں آباد ہوا ہے کہ چھوٹا تہران معلوم ہوتا ہے۔ ولایتی سامان ہر قسم کا سینکڑوں دکانوں میں بھرا پڑا ہے۔ بعض چیزوں کی قیمتیں یہاں تہران سے بھی کم پائی گئیں۔ لوگوں کا وہی ہجوم ہے۔ وہی دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھے ہوئے وہی آنکھیں آسمان سے لگی ہوئی آنکھوں سے آنسو جاری۔ کہیں مجلس کہیں ماتم کہیں قرآن خوانی ہر روضہ پر وہی نقشہ ہے۔ میری والدہ صاحبہ قبلہ جو بحمد اللہ خود بھی عبادت گزار ہیں فرماتی ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ صرف عبادت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کو کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔ نہ معلوم کھانا کب کھاتے ہیں کب اپنے کاروبار کرتے ہیں۔

حسب ارشاد خداوندی وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (قصص آیت ۵) (ہمارا یہ ارادہ ہے کہ ان لوگوں پر جو اس زمین میں کمزور کر دیئے گئے احسان کریں اور ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث قرار دیں) جو لوگ دنیا میں ضعیف کر دیئے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ شان قائم کر کے دکھا دی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ہ

بابُ دوازدہم

اہل سُنّت والجماعت کے بارہ خلفاء اور دیگر خلفائے بنو اُمیّہ و بنو عباس

اہل سنّت والجماعت کے بارہ خلفاء سابق کے ایک باب میں اہل سنت والجماعت کے بارہ خلفاء کی دو تین قسم کی فہرستیں جو مختلف علماء کے خیال کے بموجب ہیں درج کی جا چکی ہیں۔ یہاں ہم اس میں سے زیادہ عام فہرستوں کے ناموں کا اعادہ کر دیتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت امام حسنؑ (۶) امیر معاویہ (۷) یزید بن معاویہ (۸) عبداللہ بن زبیر (۹) عبدالملک بن مروان (۱۰) ولید بن عبدالملک (۱۱) سلیمان بن عبدالملک (۱۲) عمر بن عبدالعزیز۔

علامہ عبدالرحمن بن ابوبکر جلال الدین سیوطی کے بموجب بارہ خلفا حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت امام حسنؑ (۶) امیر معاویہ (۷) عبداللہ بن زبیر (۸) عمر بن عبدالعزیز (۹) ظاہر خلیفہ بنو عباس (۱۰) المہتدی خلیفہ بنو عباس (۱۱) ...... سنہ ۹۰۳ھ اور مہدی آخرالزماں سے پہلے گزرنے والا کوئی نامعلوم شخص (۱۲) حضرت محمد مہدی آخرالزماں از اہلِ بیتِ رسول۔

خلفائے ثلاثہ کے علاوہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے باسٹھ خلفاء گزُرے ہیں جن میں سے انتخاب کرکے علماء اہلسنت نے بارہ کی فہرست (وہ بھی ایک دوسرے سے اختلاف کے ساتھ) تیار کی ہے۔ ان میں سے ہم زیادہ مشہور خلفاء کے حالات کی طرف مختصراً اشارہ کریں گے جس سے معلوم ہوگا کہ اس سلسلہ کے خلفاء کا کردار وعمل کیا تھا اور یہ کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی موجودگی میں کیسے کیسے لوگ رسولؐ کی جگہ بیٹھنے کے قابل سمجھے گئے اور بطور واقعہ مسندِ رسول پر قابض رہے اور خلیفہ رسولؐ کہلاتے رہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ علاوہ انفرادی طور پر فہرست کے ہر فرد پر غور کرنے کے یہ ضروری ہے کہ جہاں حدیث خلفائے اثنا عشر کا سوال ہو تو پورے کا پورا بارہ کا سلسلہ ایسا ہونا پڑے گا جن میں کی ہر فرد ان ان شرائط وصفات خلافت کو پورا کرتی ہو۔ اگر اس سلسلہ کی ایک فرد بھی نااہل ہو تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس سلسلہ کے قائم کرنے ہی میں کوئی بنیادی غلطی اور خامی ہے اور جب پورے سلسلہ کی ہر فرد شرائط وصفات خلافت الہیہ کو پورا کرتی ہو تب ہی اس سلسلہ کو پورے کا پورا ماننا تسلیم کرنا پڑیگا یہ بھی درست نہ ہوگا کہ سلسلہ میں کا ایک قبول کیا جائے پھر دو چار خارج پھر ایک لیا جائے اور اس طرح وقفے بیچ میں حائل کردیئے جائیں۔

خلفائے ثلاثہ کے متعلق باب ہفتم و ہشتم ونہم میں) اور ضمناً باب سوم وچہارم میں ذکر آچکا ہے۔ ناظرین ائمہ اہلبیتِ اطہار کے صفات سے مقابلہ کرتے وقت خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہاں ہم انکا مکرر ذکر نہیں کرتے۔ ہم نے سرلائے کائنات خلیفۃ اللہ وخلیفۃ الرسول حضرت علی علیہ السلام کا ذکر علٰحدہ باب یازدہم میں کیا ہے جیساکہ ایمان کی بات یہ ہے کہ:۔

علی را ئیا میسر با دیگراں — کہ این ذاتِ قدسی رشیم دیگراست

(آصف سابع اعلیٰ اللہ مقامہ)

امام حسن علیہ السلام کو چھ ماہ کی مدت تک چونکہ خلافت ظاہری مل گئی تھی اسلئے بعض اہلسنت آپ کو بھی بارہ خلفاء کی فہرست میں داخل کرتے ہیں ورنہ حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کا اس فہرست میں داخل کیا جانا اُن کے خلیفہ رسول منصوص من اللہ ہونیکی بناء پر نہیں ہے۔ بعض اہلسنت امام حسن علیہ السلام کو بھی بارہ خلفاء کی فہرست میں داخل نہیں کرتے امام حسن علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہم نے باب یازدہم میں کیا ہے۔ اب ہم اہلسنت کے دیگر خلفاء کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

امیر معاویہ امام حسن علیہ السلام کے خلع خلافت کے بعد معاویہ خلیفہ بنے۔ جنھوں نے بیس سال خلافت کی اس سے قبل وہ بیس سال سے جبکہ حضرت ابوبکر نے ان کو حاکم شام مقرر کیا تھا امیر شام رہ چکے تھے اس طرح ان کی امارت چالیس سال رہی۔ حضرت ابوبکر نے پہلے معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کو امیر شام مقرر کیا تھا اور ان کے انتقال کے ساتھ ہی معاویہ کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

حضرت عمر نے معاویہ کو دمشق کے علاوہ اردن کا بھی حاکم بنا دیا حضرت عثمان نے ان کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ جب فلسطین میں حاکم علقمہ کنانی کا انتقال ہوا تو فلسطین کی حکومت بھی معاویہ کے سپرد کردی۔ پھر جب حمص کے حاکم عمیر بن سعد انصاری نے بیمار ہو کر استعفیٰ دیا تو حضرت عثمان نے حمص کی حکومت بھی معاویہ کے حوالہ کردی اس طرح حضرت عثمان نے چار بڑے مرکزی صوبوں کی قیادت معاویہ کو دے دی جسکی وجہ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے قوی فوج ان کے قبضہ میں تھی۔ ڈاکٹر طہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ صـ ۱۷۴ پر لکھتے ہیں "امیر معاویہ کو ان کی وسیع اور مضبوط حکومت نے قدم جمانے کا موقع دیا اور ایسی فرصت مہیا کی کہ وہ مصر میں اپنا آدمی بھیجکر اس کو مرکزی خلافت سے الگ کر دیں۔ حجاز اور دوسرے عربی بلاد میں حضرت علیؑ کے خلاف اپنی حکومت کی فضاء پیدا کریں اور حضرت علیؑ نے جب آنکھ کھولی تو ان کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ حکومت کے بہترین شہروں اور صوبوں پر قابض ہیں۔ اس میں شک نہیں حضرت عثمان نے امیر معاویہ کیلئے وہ راستہ ہموار کیا جس پر چل کر ان کو موقع ملا کہ وہ ایک دن ابی سفیان کی اولاد میں خلافت منتقل کرکے بنی اُمیّہ کے لئے مستقل کر دیں"۔

بنی اُمیہ قریش کا ایک ایسا قبیلہ تھا جو مکاری دغابازی غداری زناکاری شراب خواری اور دیگر افعالِ قبیحہ میں فرد تھا اور اس قبیلہ کو بنی ہاشم اور حضرت رسولؐ سے ایک دیرینہ عداوت چلی آرہی تھی اور ان کے ان عاداتِ قبیحہ اور حرکاتِ مذمومہ و بغض و خبث و عناد کی وجہ سے حضرت رسولؐ کو ان سے ہمیشہ نفرت رہی اس قبیلہ کی صفات کے نمائندہ ابوسفیان تھے معاویہ انہی ابوسفیان کے بیٹے تھے جن کی ساری عمر حضرت رسولؐ سے جنگ کرتے گزری اور فتح مکہ کے بعد بدرجہ مجبوری اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا اور مولفت

القلوب میں ان کا شمار رہا اور عُمر کا فرنہ توانی شد ناچار مسلمان شو کے مصداق تھے۔ معاویہ کی ماں ھندہ تھی جسنے جنگ اُحد میں حضرت رسول خدا کے چچا حضرت حمزہ کے شہید ہونے پر ان کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا اور ان کے کان اور ناک کاٹ کر اس کا ہار بنا کر گلہ میں پہنا تھا اور ہندہ جگر خوارہ کے نام سے عام طور پر مشہور ہے۔ اس قسم کے ماں باپ کے معاویہ بیٹے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے قاتل یزید کے باپ تھے۔ ان کے باپ ساری عمر حضرت رسولؐ سے لڑتے رہے تو یہ خود ساری عمر حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام سے لڑتے رہے۔ جیسا کہ ڈپٹی نذیر احمد خاں اپنی کتاب امہات الامہ میں لکھتے ہیں "معاویہ نے پیغمبر صاحب کے خاندان یعنی اہلبیتؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ آخر نسل پیغمبر کو برباد کر کے چھوڑا۔ مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں۔

داستانِ پسرِ ہند مگر نشنیدی	کہ ازو وز سہ کس او بہ پیمبر چہ رسید
پدرِ او دُرِ دندانِ پیمبر بشکست	مادرِ او جگرِ عمِّ پیمبر بہ مکید
او بہ ناحق حقِ داماد پیمبر بگرفت	پسرِ او سرِ فرزندِ پیمبر بہ بُرید
بر چنیں قوم تو لعنت نہ کنی شرمت باد	لَعَنَ اللّٰہُ یَزِیْدًا وَ عَلٰی قومِ یزید

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو ایک خط میں لَصِیق لکھا یعنی مجہول النسب اور یہ اس لئے کہ معاویہ کی ماں ہندہ کے متعلق بکثرت روایتیں ہیں کہ اس کا تعلق چار اشخاص سے بقول بعض مورخین کے دس اشخاص سے تھا انہیں تعلقات کے درمیان معاویہ کی پیدائش ہوئی۔ علامہ سبط ابن جوزی تذکرۂ خواص الامہ صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ خود معاویہ نے یزید سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہیں نہیں معلوم ہے کہ بعض قریشی جاہلیت میں گمان کرتے تھے کہ میں عباس کے نطفہ سے ہوں۔ اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:
"عمارہ اور مسافر عباس ابوسفیان کے دوست تھے اور یہ لوگ ہندہ کے ساتھ متہم تھے اور عمارہ

بن ولید قریش کے خوبصورت لوگوں میں تھا اور ہندہ شہوت والی عورت تھی اور کالے رنگ والے لوگوں کی طرف زائد مائل تھی۔ پس جب کوئی کالا بچہ اس کو پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتی تھی" علامہ زمخشری ربیع الابرار میں لکھتے ہیں "ابو سفیان کمزور پست قد آدمی تھے اور صباح ان کا مزدور موٹا تازہ جوان خوشرو تھا اس وجہ سے ہندہ کی طبیعت اس پر آگئی" علامہ زمخشری یہ بھی لکھتے ہیں کہ چار آدمی مدعی تھے کہ معاویہ انکی اولاد ہے ایک دفعہ صاحب صحیح ابو عبدالرحمٰن نسائی دمشق کی مسجد میں گئے تو لوگوں نے معاویہ کے فضائل کی نسبت سوال کیا۔ نسائی نے جواب دیا۔ مجھے ان کے فضائل کے متعلق کوئی حدیث سوائے اس کے یاد نہیں کہ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے" اس پر لوگوں نے لاتیں مار کر امام نسائی کو مسجد سے نکال دیا۔

علامہ جار اللہ زمخشری جو مشائخ علمائے اہلسنت سے ہیں ربیع الابرار میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کھڑے ہوئے تھے آپ نے دیکھا کہ ابو سفیان گدھے پر سوار ہے اور اس کا بڑا بیٹا یزید گدھے کو کھینچ رہا ہے اور معاویہ پیچھے سے ہانک رہا ہے تو حضرت نے فرمایا لعن اللہ الراکب والقائد والسائق یعنی خدا کی لعنت اس سوار پر اور کھینچنے والے پر اور ہنکانے والے پر۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا کی تفسیر میں امام ابو اسحاق ثعلبی اور علامہ فخرالدین رازی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ جس شجرۂ ملعونہ کا ذکر اس آیت میں ہے وہ بنی امیہ ہیں۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ معاویہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مشہور ہیں مگر ثابت نہیں ہوئیں۔ تاریخ ابن خلکان فی ترجمہ ابی عبدالرحمٰن نسائی میں امام نسائی نے حضرت رسولؐ کے اس ارشاد کا بھی حوالہ دیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ معاویہ آتش دوزخ سے بچ جائے تو بھی اس کے لئے غنیمت ہے اس کے لئے فضیلت کیا ہوگی شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۲۳ پر بحوالہ طبری حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ معاویہ کی موت شرع محمدی پر نہ ہوگی۔ نیز یہ بھی درج ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ معاویہ جہنم کے کسی درجہ میں تابوت آتشیں سے پکارتا رہے گا اے خدا حلیے حلیے۔ پس ملائکہ جواب دیں گے تو نے نافرمانی کی اور تو مفسدین سے تھا اور اسی سزا کے قابل تھا۔ مولانا سید امداد امام (سابق سی تی) اپنی کتاب مصباح الظلم میں فرماتے ہیں "وجود دوزخ کی بڑی دلیل وجود معاویہ ہے"۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۲۳۷ پر ہے کہ معاویہ نے بحالت بیماری ایک طبیب نصرانی کا دیا ہوا تعویذ بشکل صلیب گلہ میں ڈال لیا تھا اور اسی حالت میں مرے) ایک اہل طریقت بزرگ نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگوں میں معاویہ کی حیثیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس نام کا مادہ ہی "عوعو" کتے کی آواز ہے۔ اور آخر میں ہائے تانیث یعنی کتیا سے نسبت موجود ہے۔

جب حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد تمام صحابہ کے اصرار پر حضرت علی علیہ السلام نے خلافت

ظاہری قبول کی اور اپنے تمام صوبوں کے حاکموں کو طلبی کا خط لکھا تو سب حاضر ہوئے مگر معاویہ نے تین مہینے تک خط کا جواب بھی نہ دیا اور اس کے بعد ایک سادہ کاغذ لفافہ میں ڈالکر جواباً بھیج دیا اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ علاوہ ظاہری جنگ کے حضرت علیؑ کے خلاف سازشوں کی مہم بھی چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ نوبت کوفہ کی مسجد میں حضرت علیؑ کے شہید کئے جانے کی پہنچی اور جب امام حسن علیہ السلام کی خلافت ظاہری قائم ہوئی تو امیر معاویہ نے کوئی کسران کی آزار دہی میں اٹھا نہ رکھی۔

سیوطی نے ابن سعد سے روایت لکھی ہے کہ مروان جسکو امیر معاویہ نے حاکم مدینہ مقرر کیا تھا امام حسن علیہ السلام سے یہ کہا کرتا تھا کہ تمہاری کیفیت (نعوذ باللہ) ایسے خچر کی ہے جس سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون تھا تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی۔ امیر معاویہ نے برسر منبر حضرت علی علیہ السلام کے نام پر گالیاں دیئے جانے کا طریقہ رائج کیا امام حسن علیہ السلام نے اس طرف توجہ دلوائی تو بھی امیر معاویہ اس عمل سے باز آنے پر راضی نہ ہوئے۔ امام حسنؑ کو ہر طرح سے دق کیا گیا یہاں تک کہ چھ مہینے کی مدت میں آپ کو خلع خلافت ظاہری کرنا پڑا خلع خلافت کے صلحنامہ میں امام حسن علیہ السلام یہ شرط درج کروانا چاہتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کو برسر منبر گالیاں نہ دی جائیں مگر معاویہ اس شرط کو رکھنے آمادہ نہ ہوئے تو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ کم از کم یہ شرط رکھو کہ جہاں میں موجود ہوں میرے والد بزرگوار کو گالیاں نہ دی جائیں۔ باوجود خلع خلافت بھی ان لوگوں کو صبر نہ آیا۔ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی ماہنامہ منادی جلد ۲۹ شمارہ ۱۱ کے صفحہ ۱۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں " گالی گلوچ کی یہ رباد رسم بنی اُمیّہ اور خاصکران کے سرخیل امیر معاویہ کی پھیلائی ہوئی ہے "

مروج الذہب جلد (۱) صفحہ ۵۵ اور استیعاب جلد (۱) صفحہ ۱۴۳ و روضۃ الصفا شواہد النبوۃ عبدالرحمن جامی اور حدیقۃ الحقائق حکیم سنائی میں درج ہے کہ امیر معاویہ نے مروان بن الحکم کے ذریعہ سازش کر کے حضرت امام حسنؑ کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث ابن قیس کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور کہلوایا کہ اگر تو امام حسن علیہ السلام کو زہر دیدے تو اس کے علاوہ یزید سے تیرا نکاح بھی کر دوں گا۔ چنانچہ جعدہ کو ایک زہر قاتل لاکر دیا گیا جس کو اس نے آپ کے پانی کی صراحی میں ملا دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ پر درج ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سنکر معاویہ نے خوشی سے اللہ اکبر کہا اور سجدے میں گر گئے۔ تاریخ ابو الفدا عقد الفرید اور مروج الذہب مسعودی میں بھی ہے کہ شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام کی خبر پر معاویہ نے تکبیر کہی اور سجدہ شکر کیا۔ جب بعد شہادت امام حسنؑ جعدہ نے معاویہ کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو وہ اس وعدہ سے بھی یہ کہکر پھر گئے کہ تو نے ایک شوہر کو زہر دیا تو کیا عجب ہے کہ دوسرے کو بھی دیدے۔

صاحب حبیب السیر نے جلد اول میں تاریخ حافظ ابو ربیع الابرار زمخشری، اور کامل السفینہ سے

نقل کیا ہے کہ رجب ۵۶ھ میں معاویہ یزید کے واسطے بیعت لینے کی غرض سے مدینہ گئے۔ معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھدوایا اور اس کو تنکوں سے پاٹ دیا اور آبنوس کی ایک کرسی اسپر رکھدی اور حضرت عائشہ کو ضیافت کے بہانے بلاکر اس کرسی پر بٹھایا اور وہ یکبارگی کنوئیں میں جا پڑیں۔ معاویہ کنوئیں کے دھانے کو چونہ سے مضبوط کر کے مدینہ سے چلے گئے۔ صلحنامہ میں جو امیر معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان ہوا تھا ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ کے بعد ان کی اولاد کو خلافت پر کوئی حق نہ ہوگا۔ مگر وہاں تو مصلحتِ وقت اور لوگوں کے سمجھانے کو معاویہ نے یہ شرط درج کروائی تھی اور جب خود ان کی خلافت قائم ہو کر حکومت وتقسیم دولت ومناصب کے ذریعہ ان کا اثر قائم ہو گیا تو معاویہ نے اس شرط سے بھی انحراف کر دیا اور اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یزید کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت کروانی شروع کر دی۔

امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو معاویہ نے کہا "نہ تمہارے لئے خوشی ہو اور نہ برکت تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائیگا"۔ امام حسینؑ نے فرمایا چپ رہو ہم ایسے کلام کے اہل نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا "اس سے بھی بدتر کلام کے مستحق ہو۔ معاویہ نے رسول کے ایک نواسہ کو زہر دلوا کر جوش مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کرنے کے بعد دوسرے نواسہ کو قربانی کا دنبہ قرار دیکر خون گرانے کی جو قسم کھائی تھی سو اس کی تکمیل گو وہ اپنی زندگی میں نہ کر سکے مگر بمصداق "پدر نہ ہر چہ تواند پسر تمام کند" آپ کے صاحبزادے یزید صاحب نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ سلفی کی روایت ہے کہ عبداللہ بن امام احمد حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علیؑ اور معاویہ کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ اصلیت یہ ہے کہ حضرت علی کے دشمن بہت تھے وہ لوگ آپ میں عیب ڈھونڈتے تھے اور نہ پاتے تھے پھر وہ ایسے شخص سے جا ملے جس نے حضرت علیؑ سے جنگ وجدال کی اور اسکو اپنے حسب مدعا مکار پایا۔

ابن ابی شیبہ سے شعبی روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے امیر معاویہ نے بیٹھکر خطبہ پڑھنے کا طریقہ رائج کیا کیونکہ وہ بہت موٹے ہو گئے تھے اور ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا۔ مسند احمد ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۴۷ پر درج ہے کہ معاویہ نے آیت تحریم کے بعد بھی شراب ترک نہ کی۔ تنویر الایمان ص ۱۰۷ پر ہے کہ معاویہ نے مدینہ کا منبر اکھیڑ ڈالا۔ اس دن آفتاب سیاہ ہو گیا اور دن میں تارے نظر آئے۔ کعبہ کا پردہ اتروا کر دیواریں خالی کر دیں نماز جنازہ میں سے ایک تکبیر کم کر دی۔ مردوں کو خصی کر کے اپنی خدمت میں رکھا۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابو قتادہ انصاری کی روایت رسول اللہ کے ارشاد سے متعلق کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کریں گے اس طرح درج کی ہے:

مدینہ میں عبداللہ بن محمد بن عقیل امیر معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو قتادہ انصاری وہاں آگئے امیر معاویہ نے کہا کہ میرے پاس سوائے تمہارے تمام لوگ آئے۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا کہ ہمارے پاس

سواری نہیں ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ تمہارے اونٹ کہاں گئے انھوں نے کہا تمہارے اور تمہارے باپ کے تعاقب میں جنگ بدر کے روز ہم نے سب اونٹوں کو تھکا مارا۔ پھر کہنے لگے کہ ہم سے رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کریں گے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ پھر رسولؐ اللہ نے کیا فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہیے۔ ابو قتادہ نے کہا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی حالت میں صبر کرنا۔ امیر معاویہ نے کہا تو پھر صبر کرو۔ اسکی خبر رسول اللہؐ کے زمانہ کے شاعر حسان بن ثابت کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حسان کو پہنچی تو انھوں نے اشعار کہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

معاویہ بن حرب امیرالمومنین کا کلام مجھ تک پہنچا

ہم صبر کرتے ہیں اور تمکو قیامت تک مہلت دیتے ہیں

سازشیں کر کے حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کو قتل کروانے سے بھی معاویہ کا جی ٹھنڈا نہوا بلکہ حضرت علیؑ کے نام لیواؤں کو بھی قتل کرواتے رہے چنانچہ تاریخ ابوالفداء روضۃ المناظرین ابن شحنہ اور استیعاب ابن عبدالبر میں درج ہے کہ صحابی رسول حجر ابن عدی اور ان کے آٹھ رفقا کو حضرت علیؑ پر سب وشتم کرنے کے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر معاویہ نے قتل کر دیا۔ اسلام کے مشہور سپہ سالار مالک اشتر کو جو حضرت علیؑ کے وابستۂ دامن تھے ایک زمیندار کے ذریعہ زہر دلوا کر قتل کرا دیا۔ محمد بن ابوبکر کو جو شیعہ مشہور تھے ایک گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا۔ اپنی اغراض کے آگے معاویہ نے مخالف وموافق کسی کو نہ دیکھا حبیب السیر میں میں درج ہے کہ جب سیاسی اُمور میں حضرت عائشہ کی طرف سے دست اندازی معاویہ کے خلاف مطلب ہوئی تو فریب دے کر ایک خشک کنوئیں میں گرا کر حضرت عائشہ کو زندہ دفن کروا دیا۔

تاریخ بتاتی ہے معاویہ کو اپنی خواہش اور حکم کے آگے نہ زندوں کا احترام ملحوظ تھا نہ مُردوں کا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی جذب القلوب میں بحوالہ کتاب شفاء المقام سبکی لکھا ہے کہ جب معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں بمقام احد نہر جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے عمال نے لکھا کہ نہر کا نکالنا ناممکن ہے جب تک شہدائے احد کی قبور پر سے نہ نکالی جائے۔ اس کے جواب میں معاویہ نے لکھا کہ قبروں کو کھود ڈالو۔ اس حکم سے یہ حالت دیکھی گئی کہ لوگ مردوں کو قبروں سے نکال کر اپنے کاندھوں پہ لادے لے جا رہے تھے اور وہ مردے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا سو رہے ہیں۔ روایت میں یہ بھی درج ہے کہ اسی اثناء میں جبکہ قبریں کھودی جا رہی تھیں ایک کدال ناگہاں حضرت حمزہ کے پائے مبارک میں لگی جس سے خون تازہ جاری ہوا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲۱ و ۵۲۵ و ۵۲۸ پر لکھتے ہیں زیاد کو امیر معاویہ کو یا مغیرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زیادہ کا نسب بنی اُمیہ سے ملا دیا جائے خاص طور پر ابوسفیان سے اور وہ اس طرح کہ

طائف کے بعض سفروں میں ابوسفیان کا سمیہ سے تعلق ہو گیا تھا۔ امیر معاویہ نے یہ موقع غنیمت جانا اور زیاد کو اپنے پاس بلایا۔ پھر لوگوں کو جمع کیا اور گواہوں نے شہادت دی کہ ابوسفیان کے تعلقات سمیہ سے تھے جس دن دمشق کے مجمع عام میں اس نسب کا اعلان کیا گیا امیر معاویہ نے اسکو منبر پر اپنے بازو بٹھایا اس کے بعد گواہوں کو بلایا جنھوں نے گواہی دی کہ سمیہ کا ابوسفیان سے ناجائز تعلق تھا۔ امیر معاویہ نے اسکو یونہی گول رکھنا نہیں چاہا بلکہ حروف پر نقطے لگا دیئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زیاد ابوسفیان کی صلبی اولاد بھی ہے۔ چنانچہ گواہوں سے شہادت دلائی کہ ابوسفیان نے سمیہ کو گناہ کے موقع پر دیکھا اور بعض گواہوں نے تو یہ بھی اضافہ کیا کہ سمیہ کو ابوسفیان سے ملنے کے لئے درغلایا گیا جس پر اس نے کہا عبید (سمیہ کا شوہر حارث ابن کلدہ کی بیوی صفیہ بنت عبید کا رومی غلام) جب بکریاں چرا کر آ جائیں گے اور سو جائیں گے تو میں آؤں گی۔ اس طرح امیر معاویہ نے اپنے آپ کو اپنے باپ کو اور اپنے ساتھ زیاد کو ایک بڑی برائی سے آلودہ کر دیا۔ یونس بن سعد اللہ نے امیر معاویہ سے کہا کہ رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا بستر والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے اور تم نے زانی کو لڑکا دیا اور فرش والے کو پتھر۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنا خیال اسطرح ظاہر کرتے ہیں کہ اسکے یہ معنی ہیں امیر معاویہ نے ایک دینی حکم کی جس سے مسلمان آشنا تھے سخت مخالفت کی اور مخالفت میں زیاد کو بھی شریک کر لیا۔۔۔۔ وہ اور معاویہ شاید ایسے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے (علانیہ) اسلامی شرع سے انحراف کیا قرآن و سنت کے احکام سے روگردانی کی امیر معاویہ کی سیاسی مصلحت شاید بے نقاب ہے جسکی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۷ پر حسن بصری کا یہ قول درج ہے کہ "معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں جن میں سے ایک بھی ہو تو ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول جاہلوں کی مدد سے بغیر امت کے مشورہ کے انھوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ اس وقت صاحبان فضیلت اور اصحاب رسول موجود تھے دوسرے اپنے بیٹے کو جو نشہ باز اور زناکار تھا ریشم پہنتا تھا اور طنبورہ بجاتا تھا اپنا جانشین بنایا۔ تیسرے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کا (زیاد کی ماں سمیہ سے زنا کرنے کی بناء پر) بیٹا قرار دیا۔ حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اسی کا قرار دیا جا سکتا ہے جو اصلی شوہر ہو اور زناکار کے لئے بس پتھر ہے۔ چوتھے بے گناہ اصحاب رسولؐ حجر بن عدی اور اصحاب حجر (محبان اہلبیتؑ) کا قتل کرنا۔

حضرت شافعی کا قول ہے کہ معاویہ ان لوگوں میں ہیں جن کی گواہی قابل قبول نہیں۔ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ معاویہ اور ان کے باپ مولفۃ القلوب میں سے تھے۔ علامہ صالح کشفی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ" معاویہ بن ابوسفیان بے شک و شبہ طلیق ابن طلیق اور مولفۃ القلوب کی فہرست میں داخل تھا"۔ علامہ موصوف معاویہ کو حضرت علی علیہ السلام اور

امام حسن علیہ السلام اور حضرت عائشہ کے قتل کا ذمہ دار ٹھیراتے ہوئے صـ۴۸۶ـ پر لکھتے ہیں "لازم ہے کہ ایسے قاتلِ اہلبیت اور قاتلِ زوجۂ رسولؐ کو دائرہ اسلام سے خارج اور بیشک مشرک سمجھا جائے۔" امیر معاویہ کے کیرکٹر کا نقشہ جسٹس امیر علی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"The son of Abu Sufian, like most of his kinsmen whom Osman had appointed to the governorship of provinces, had with the gold lavished upon him by late pontiff, and the wealth of Syria, collected round him a band of mercenaries".

آگے چلکر جسٹس امیر علی یہ لکھتے ہوئے کہ ہم معاویہ کے خلاف کچھ کہیں تو شائد ہم سے تعصب منسوب کیا جائے مورخ آسبرن کے الفاظ نقل کرتے ہیں:۔

"lest it be considered our estimate of Muawiyah isactuated by prejudice, we give the words of a historian who cannot be accused of bias in favour of either side. Astute, unscrupulous, pitiless" says Osborn, "the first khalif of the Ommayas shrank from no crime, necessary to secure his position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable opponent".

معاویہ ہٹی کی نظر میں

فلپ۔کے۔ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف عرب کی صـ۱۹۷ـ پر لکھتا ہے "معاویہ کا اسلام مشکوک تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکی بنیاد اعتقاد پر نہیں بلکہ فائدہ مندی پر ہے (اصل عبارت یہ ہے):—

'Muawiyah's Islam was suspect, it looked more like one of convenience than conviction!

معاویہ کے زمانہ میں شیعوں پر ظلم کا ذکر کرتے ہوئے صـ۵۵ـ پر ہٹی لکھتا ہے:۔ "خواہ مرد ہو یا عورت تباہی اُس کا حِصّہ تھی اگر وہ سیاسی امتحان میں پورا نہ اُترے یعنی علی پر سب وشتم نہ کرے"۔ اصل عبارت یہ ہے:—

'Woe to him or her who failed to pass the political test: cursing the memory of Ali".

جناب مولوی سید قمر حسن صاحب جج ہائیکورٹ آندھرا پردیش نے اپنے ایک سُنی دوست سے (جو بظاہر کچھ اپنی علمیت کا بھی احساس رکھتے تھے) اپنے دلچسپ مکالمہ کا ذکر مجھ سے فرمایا وہ سُنی صاحب امیر معاویہ کو بہت اونچے درجہ کا صحابی رسولؐ سمجھتے تھے۔ قمر حسن صاحبؐ نے ان سے فرمایا اگر آپ صفین کے میدان جنگ میں موجود ہوتے اور ایک طرف سے آپ کو حضرت علیؑ آواز دیتے اور ایک طرف سے معاویہ آواز دیتے تو آپ کس کی طرف جاتے۔ انھوں نے کہا میں حضرت علیؑ کی طرف جاتا۔ پھر قمر حسن صاحب نے فرمایا اگر اس جنگ میں معاویہ آپ کی زد پر آجاتے تو آپ ان کو مارتے یا چھوڑ دیتے۔ ان صاحب نے کہا چھوڑتا تو نہیں تب قمر حسن صاحب نے فرمایا جو شخص آپ کے ہاتھ سے جائز القتل ہو اس کو آپ بڑے درجہ کے لوگوں میں کیسے شمار کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرتے رہے اور یوں تو معاویہ کے بھی ہزاروں ساتھی واصلِ جہنم ہوئے (کیونکہ حسب ارشاد رسول جسنے علی سے جنگ کی اس نے رسول سے جنگ کی اور علیؑ کا قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں) مگر حضرت علی علیہ السلام کے بھی ہزاروں ساتھی شہید ہوئے ظاہر ہے کہ ان سب مومنین کے قتل کی ذمہ داری معاویہ کے سر ہے۔ بعض نافہموں نے خطائے اجتہادی کا جو قدم درمیان میں لانے کی کوشش کی اسکو خود بہت سارے سُنی علما نے نکال پھینکا ہے جیسے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا قول دوسری جگہ نقل ہوا ہے کہ خطائے اجتہادی وغیرہ کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ معاویہ کی خطا ہی خطا تھی۔

خطائے اجتہادی مولانا شاہد زعیم فاطمی کی نظر میں

مولانا اپنے مقالہ مطبوعہ رسالہ "سرفراز" لکھنؤ مورخہ ۲ اگسٹ ۷۷ء کے صفحہ ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں: "یہ خطائے اجتہادی ایک ایسی ملعون اصطلاح ہے جس نے ہر گناہ کو نیکی اور ہر برائی کو بھلائی کا روپ دیدیا اور ہر بدنیت بدکردار شخص نے اس اصطلاح کی آڑ لیکر اُن تمام خباثتوں کا ارتکاب کیا جن سے اسلام کی روح کانپ جاتی ہے خلیفۂ برحق کے خلاف خروج و بغاوت گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کفر و ارتداد ہے۔ لیکن اگر اس کفر وارتداد کا ظہور معاویہ بن ابی سفیان کی جانب سے ہو تو یہ اجتہادی غلطی کہلائی جائے۔ ان دماغ سوختگانِ عقل ودانش کو اتنی موٹی بات بھی معلوم نہیں کہ اجتہادی غلطی کا تعلق فکری و نظری مسائل سے ہوتا ہے۔ جب اعمال میں غلطی رونما ہو اور بار بار ہو تو اسلام کی اصطلاح میں اسکو فسق و فجور اور گناہ و معصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواہ کوئی صحابی ہو یا غیر صحابی یکساں طور پر مستحق تعزیر ہے۔ بہر حال ابوبکر و عمر ہوں یا عثمان و معاویہ یا کوئی دوسری شخصیت محض صحابیت کا شرف کسی انسان کو قانون سے بالاتر نہیں کر سکتا۔"

صے ۳۵ و صے ۳۶ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر اجتہاد اِسے کہتے ہیں کہ اپنے عہد کے شریف ترین انسان ابن عم پیغمبر، دختر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے شوہر اور بقول اقبال تاجدار اہل اَتیٰ مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا مسلم اول شہ مرداں علی پر لعنت ملامت کی باقاعدہ مجالس منعقد کیجائیں اور تبرائیوں کو انعام اکرام سے نوازا جائے تو خدارا ہمیں بتائیے کہ یہ اجتہاد ہے یا الحاد اور کیا یہ اجتہادی غلطی ہے یا کفر و ارتداد؟ معاویہ دُنیا کی ذلت و رسوائی سے تو وقتی طور پر بچ گئے تاہم دُنیا میں بھی انکو ذلت و رسوائی کی سزا قیامت تک ملتی رہیگی اور آخرت کی گرفت میں تو وہ جکڑے ہی جا چکے ہیں"۔

صحابہ کے متعلق مولانا شاہد زعیم فاطمی کی رائے

اپنے مقالہ محولۂ بالا کے صفحہ ۶۹ پر مولانا تحریر فرماتے ہیں: "صحابہ کے حالات میں ایک علیحدہ کتاب مرتب کیجا رہی ہے۔ ابھی اب سب" اکابر مجرمین کا تذکرہ بڑی تفصیل سے آئیگا جنھوں نے حضورِ اکرم کے بعد حضور کے اہلبیت کے ساتھ اور خود حضور کے مشن کے ساتھ حد درجہ ہلاک اور نہایت ظالمانہ سلوک کیا اور اسلام کے مزاج تقویٰ و دیانت کو نفاق و خود غرضی میں تبدیل کر کے رکھدیا اور امت کو ایک ایسی راہ پر چلا دیا جو اسلامی تعلیمات کے بتائے ہوئے راستہ سے بخط مستقیم مخالف تھا ہماری بدقسمتی کا عالم یہ ہے کہ ہم نے ایک حضور کی ذات کو چھوڑ کر باقی سب کو حق و عدل کا معیار قرار دے لیا اور شخصیت پرستی کی لعنت میں اس درجہ مبتلا ہو گئے کہ جہاں کہیں واقعات و شواہد و نصوص قطعیہ موجود ہوں وہاں بھی ہماری نظر سب سے پہلے ایسے شخص کی طرف اُٹھتی ہے جو ہماری عقیدتوں کا مرکز ہو اور سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسکی رائے اس بارے میں کیا ہے اور وہ اس معاملہ میں کیسا موقف رکھتا ہے"۔

اب غور فرمائیے کہ جو ایک مومن کو بھی قتل کرے اللہ تعالیٰ اسکی سزا کیا مقرر فرماتا ہے۔ سورۃ نساء کی آیت ۹۳ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ یعنی جو شخص بھی کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کا عوض جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ خدا اس پر غضب ناک ہے اور اس پر لعنت کرتا ہے اور اس کے لئے زبردست عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اہل انصاف غور فرمائیں معاویہ جو ہزاروں مومنین کے قتل کے باعث ہوئے ان کی سزا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رو سے کیا ہوگی۔

معجم البلدان میں علامہ حموی لکھتے ہیں کہ معاویہ کے دور میں ان کے حکم سے ستر ہزار منبروں سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا تھا اور نماز جمعہ و عیدین کے خطبہ کیلئے معاویہ نے یہ حکم دیا تھا کہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جایا کرے تاکہ لوگ نماز کے انتظار میں رکے رہیں اور حضرت علیؑ کے نام پر سب و شتم سن کے

کانوں تک پہنچے ہولانا سید شاہ ظفر سجاد صاحب ابوالعلائی سجادہ نشین خانقاہ ابوالعلائی دانا پور پٹنہ اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:- "مورخین لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے یزید کی خلافت قائم کرنے میں ایسے ناجائز ذرائع استعمال کئے ہیں کہ ان کو لکھتے ہوئے شرم آتی ہے"۔

امام حسن علیہ السلام کے خلع خلافت کرنے کے بعد بھی معاویہ اس عمل سے باز نہ آئے۔ اپنی کتاب امہات الامہ میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "معاویہ نے پیغمبر صاحب کے خاندان یعنی اہلبیت کیساتھ وہ سلوک کیا کہ آخر نسلِ پیغمبر کو برباد کر کے چھوڑا"۔

ڈاکٹر طہٰ حسین فتنۃ الکبریٰ حصّہ دوم صفحہ ۳۰۲ پر لکھتے ہیں:

"معاویہ بہر حال احد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابوسفیان کے بیٹے تھے۔ وہ ہندہ کے لڑکے تھے جس کی حضرت حمزہ سے دشمنی کا یہ عالم کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کر کے ان کا پیٹ چاک کر کے اس کا کلیجہ چبائے اور نبی کریم کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔ مسلمان حضرت معاویہ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو امان یافتہ کے خطاب سے یاد کرتے تھے اس لئے کہ نبی کریم نے (فتح مکہ کے بعد) ان کے بارے میں فرمایا تھا جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو"۔

ڈاکٹر طہٰ حسین صاحب صفحہ ۳۵۲ پر لکھتے ہیں" شام کا حریف بہت بڑا تھا۔ اس کے پاس فوج کی خوفناک اور سخت قوت تھی اور اس کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ابوسفیان کا لڑکا ہے جس نے بدر کے بعد نبی کریم سے جنگ کی۔ اس جنگ میں وہ زبردست آزمائش کے دور سے گزرا اور چال بازی کا مظاہرہ بھی کیا۔ آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام تب مسلمان ہوا۔ حضرت معاویہ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی ساتھ ہی سنگدلی چالاکی چالبازی اور ریکھ بھی ملی۔ پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض عداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ مسلمانوں نے معرکہ بدر میں ان کو ڈرایا دھمکایا تھا مشرکوں نے احد کے معرکہ میں اس کا بدلہ لے لیا لیکن پھر بھی ان کے کینے اور دشمنی کی آگ فتح مکہ تک بھڑکتی رہی اس کے بعد شوہر کی طرح اسلام پر مجبور ہوئیں"۔

تاریخ سے یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے زہر دلوایا۔ مولانا خواجہ حسن نظامی یزید نامہ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء کے صفحہ ۹۵ پر لکھتے ہیں:

"معاویہ نے اموی سلطنت کے درخت کو مومن مسلمانوں کا خون پلا پلا کر پرورش کیا تھا... ان متعدد محمدی قتلوں سے دامنِ معاویہ کو کیونکر پاک کیا جا سکتا ہے جو روز روشن میں ہر تاریخ کے ورق پر اپنی سرخی دکھا رہے ہیں۔ پہلا خون سیدنا حضرت امام حسنؑ کا ہے جو تاریخ کی روایت و درایت سے

قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی جدید و قدیم محاکمہ تاریخی و قانونی ان کی بریت اس قتل کی شرکت سے نہیں کر سکتا۔"

صفحہ ۱۱۶ پر مولانا موصوف فرماتے ہیں! "ہم کو چاہیئے کہ اُن (معاویہ) کو اسلام سے خارج کرنے یا ان کی بے دینی کے ثبوت دینے میں وقت ضائع نہ کریں بلکہ ان کی مثال سے عبرت حاصل کر کے ان کی تقلید کو اپنے عقائد و حالات سے جدا کر دیں۔"

مولانا خواجہ حسن نظامی یزید نامہ کے صفحہ ۱۰۹ اور صفحہ ۱۱۳ پر فرماتے ہیں "امانت اور عہد کی پاسداری کو تو امیر معاویہ سے اتنی ہی دوری ہے جتنی بنی فاطمہ و بنی ہاشم کو خیانت اور عہد شکنی سے بُعد یا آسمان کو زمین سے علیحدگی ہے۔ ان کا کوئی کام بھی موافق عہد اور حسب شرائط امانت شعاری نہیں پایا جاتا۔ اگر وہ (معاویہ) زندہ نہیں تو نہ سہی ان کے اعمال و افعال تاریخوں میں زندہ ہیں جن کو جمہوریت کے تمام فدائی اور حریت کے کل شیدائی قیامت تک نفرت و حقارت سے یاد کریں گے اور مسلمانوں کا حزب الاحرار اپنی نئی نسلوں کو اس عدوئے سادات کی دشمنی ورثہ میں دیا کریگا۔"

صحابیٔ رسُول حُجر ابن عَدی کا قتل

حجر بن عدی شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے مع اپنے بھائی ہانی ابن عدی کے شرف باسلام ہوئے تھے اور صحابیوں میں سے تھے۔ علاوہ عالی خاندان ہونے کے عالم فاضل زاہد و عابد اور انتہائی بہادر شخص تھے حضرت علی علیہ السلام کے بے پناہ چاہنے والوں میں سے تھے اور آپ ہی کی محبت میں انھوں نے شہادت قبول کی۔ جنگ صفیں میں امیر المومنین نے ان کو بنی کندہ کا افسر مقرر فرمایا تھا اور جنگ جمل میں حضر موت، کندہ، قضاعہ اور مرہ کا افسر مقرر کیا تھا۔ جنگ نہروان میں لشکر کے میمنہ کے سردار تھے۔ جب معاویہ نے ضحاک بن قیس کو لشکر دیکر شیعوں کو دق کرنے کے لیے بھیجا تو اس کے مقابلے کے لئے امیر المومنینؑ نے حجر ابن عدی کو روانہ فرمایا تھا۔ جب معاویہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حجر بن عدی کو حکم دیا کہ علیؑ پر سب و شتم کریں تو انھوں نے منبر پر پہنچکر حضرت علی علیہ السلام کی مدح میں زبردست خطبہ دیا اور معاویہ پر لعنت کی۔ چنانچہ معاویہ نے قتل کا حکم دیدیا اور یہ شرط لگائی کہ علیؑ کو برا بھلا کہنے پر یہ حکم واپس لے لیا جائیگا۔ دوسرے دن جب طلب کیے گئے تو انھوں نے مکرر مدح علیؑ میں خطبہ دیا اور معاویہ پر لعنت کی۔ جب جلاد ان کے قتل پر مامور ہوا تو انھوں نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مہلت چاہی اور اپنے معمول کے خلاف بہت ہی مختصر نماز ادا کی اور قاتل سے فرمایا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ میں نماز کے بہانہ موت کے خوف سے وقت ٹال رہا ہوں تو میں اپنے معمول کی لمبی نماز پڑھتا۔ ان حالات میں یہ شیدائے علیؑ تلوار کے گھاٹ اتارا گیا۔ حجر ابن عدی فرمایا کرتے تھے کہ میں اہل عذرا سے ہوں جن کے

متعلق حضرت رسولؐ فرما چکے ہیں کہ یہ وہ اہل ایمان ہیں جن کے قتل پر خدا اور ملائکہ غضبناک ہوں گے
چنانچہ علیؑ کی محبت میں قتل ہو کر انھوں نے اپنے ایمان اور معاویہ کے نفاق پر مہر ثبت کر دی۔

اس امر سے تو کسی کو انکار نہیں ہے کہ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے علانیہ جنگ کرتے رہے اور ہر قسم کی سازشوں کا جال آپ کے خلاف پھیلاتے رہے۔ جیسا کہ یورپین مورخین نے بعد تحقیق لکھا ہے کہ معاویہ کا عادتی طریقہ تھا کہ اپنے مدمقابل کو قتل کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرتے تھے۔ اب شہادت حضرت علی علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیا جائے یہ الزام خارجیوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ خارجیوں نے یہ سازش کی کہ وار رمضان کی نماز فجر کے وقت حضرت علی کو کوفہ کی مسجد میں معاویہ کو دمشق کی مسجد میں اور عمرو بن العاص کو مصر کی مسجد میں قتل کیا جائے۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ روزانہ کے معمول کے خلاف عین اس دن معاویہ مسجد کو گئے ہی نہیں بلکہ ایک اور شخص کو نماز پڑھانے بھیج دیا اور اس طرح ان پر وار ہونے کی نوبت نہ آئی۔ عمرو بن العاص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس دن وہ ریشمی لباس پہن کر مسجد میں گیا تھا کسی نے وار کیا تو چونکہ تلوار ریشم کو نہیں کاٹتی تلوار پھسل کر نکل گئی اور ابن العاص کو ذرا بھی زخم نہ آیا اور حملہ کرنے والا فرار ہو گیا۔ جس کا پتہ تک نہیں چلا۔ ادھر تلوار زہر میں بجھا کر حضرت علی علیہ السلام کے سر پر وار کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ جس کے علم پر معاویہ فرط مسرت سے جھومنے لگے اور اپنی کنیز سے کہا کہ کوئی اچھا سا گانا تو سنا۔ کنیز نے جب اپنے گانے میں شہادت حضرت علیؑ کے متعلق معاویہ پر طنز کیا تو ڈنڈے سے اس کا سر پھوڑ دیا۔ عقد الفرید میں ہے کہ معاویہ نے مسجد نبوی کے منبر پر چڑھ کر حضرت علیؑ پر کلمات لعن کہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی عورت قطامہ نے یہ شرط اپنے عاشق ابن ملجم سے لگائی تھی کہ حضرت علیؑ کا سر کاٹ کر لائے۔ بھلا قابل غور ہے قطامہ ایک پردہ میں رہنے والی حضرت علیؑ کے متعلق کیا معلومات اور کیا دلچسپی رکھتی تھی اور اسکو حضرت علیؑ سے کیا ذاتی پرخاش لاحق ہوئی کہ وہ آپ کا سر کاٹنے کی خواہش کرتی۔ یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ یقیناً ممکن تھا (اور واقعہ بھی یہی تھا) کہ سیاسی اغراض رکھنے والوں نے قطامہ کو آلۂ کار بنا کر اس کام کو اس کے عاشق عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھ سے کروا دیا۔ معاویہ اور عمرو بن العاص اس سازش میں شریک نہ ہوتے تو یہ کس طرح ہوتا کہ معاویہ عین اس روز مسجد کو نہ جائیں اور ابن العاص کو ریشمی کپڑے پہنا کر ایک پھسلتا ہوا وار ان پر کروا کر ایک ڈرامہ کھڑا کر دیا جائے اور حقیقت میں نہ خفیف سا زخم بھی ابن العاص کو آئے اور نہ حملہ آور ہی گرفتار ہو۔ پھر اگر خارجیوں ہی کی یہ سازش ہوتی اور اس کے ایک جزو کی تکمیل میں یعنی حضرت علی کو قتل کرنے میں وہ کامیاب بھی ہو چکے تھے تو معاویہ پر کبھی تو کوئی حملہ ہوتا ابن العاص کا پھر کسی موقعہ پر پیچھا کیا جاتا۔ یہ کچھ نہیں۔ حضرت علیؑ کو شہید

کردیا تو میدان صاف ہوگیا۔ ساز شیں چھپ کر ہی کی جاتی ہیں اور اس کی تفصیلات کی شہادت ملنا ایک امر محال ہوتا ہے۔ مگر قانون کا یہ نظریہ ہے کہ گردوپیش کے حالات طور طریق اور واقعاتی شہادت سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ جہاں معاویہ کے حضرت امام حسنؑ اور حضرت عائشہ کے قتل کرانے اور محمد بن ابوبکر کو زندہ گدھے کی کھال میں جلانے مالک اشتر کو زہر دینے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی شہادتیں موجود ہوں اور حضرت امام حسینؑ کو بھی خون گرانے کی دھمکی دی ہو اور یہ بھی ثابت ہو کہ معاویہ کا عادتی طریقہ کار ہی یہ تھا کہ اپنے مدمقابل کو یا اپنے معاملات میں دخل دینے والوں کو قتل کروایا کرتے تھے تو متذکرہ صدر مربوط اجزاء واقعات کی موجودگی میں اہل فہم کے لئے یہ نتیجہ نکالنا ناگزیر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا قتل بھی معاویہ ہی کی سازش کا نتیجہ تھا۔ معاویہ کی فطرت سے یہ ممکن نہ تھا کہ جہاں انھوں نے اپنے کم قوت حریفوں تک کو قتل کرایا تو حضرت علیؑ ایسے صاحب قوت کو قتل کرانے کی فکر نہ کرتے۔

علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے ص۲۷۷ ترجمہ موسومہ کوکب دری ص۴۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں "اگرچہ حبیب السیر اور روضۃ الشہداء میں اس طرح پر منقول ہے کہ ابن ملجم کو قتل امیر علیہ السلام پر قطامہ بنت اشجع تیمیمی نے آمادہ کیا تھا لیکن قدوۃ المحققین حکیم سنائی نے ایسا تحقیق کیا ہے کہ ابن ملجم نے معاویہ کے کہنے سے امیرالمومنین کو شہید کیا چنانچہ سنائی نے حدیقۃ الحقائق میں ۲۸ شعر کی ایک نظم اسی عنوان پر لکھی ہے"۔

اب ایک ڈھونگ خطائے اجتہادی کا رچایا جاتا ہے۔ اس کے لئے اولاً یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ خطائے اجتہادی کسکو کہتے ہیں اور اس کے لئے کن شرائط کا لزوم ہے۔ بالفاظ مختصر کسی مجتہد کی نادانستہ خطا کا نام خطائے اجتہادی ہے۔ جیسا کہ اس لفظ ہی سے ظاہر ہے اجتہاد میں خطا ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے اولاً منصب اجتہاد حاصل ہونا ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مجتہد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں "مجتہد وہ ہے جو احکام فقہ کو معہ دلائل کتاب وسنت اجماع وقیاس تفصیل کے ساتھ جانتا ہو اور ہر حکم کو علت کے ساتھ مرتبط کر سکتا ہو اور قرآن کی قراءت و تفسیر اور احادیث کا علم معہ اسناد صحیح وضعیف اسے حاصل ہو"۔

خطائے اجتہادی کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "مجتہد احادیث نبوی کلام الٰہی سے بغیر نفسانیت پوری احتیاط اور غور و فکر کے بعد امر متنازعہ فیہ میں جو رائے دے اور وہ غلط ہوتی ہے تو اسے خطائے اجتہادی کہتے ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی خلافت وملوکیت کے ص۳۴۳ پر فرماتے ہیں "اجتہادی کی اصطلاح کا تعلق میرے نزدیک صرف اس رائے پر ہو سکتا ہے جس کے لئے شریعت میں کوئی گنجائش پائی جاتی ہو اور اجتہادی غلطی ہم صرف اس رائے کو کہہ سکتے ہیں جس کے حق میں کوئی نہ کوئی شرعی استدلال ہو مگر وہ صحیح نہ ہو یا بعید کر دوم۔ اب کوئی صاحب علم براہ کرم بتادیں کہ حضرت علیؑ کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے جواز کی کوئی کمزور سے کمزور

گنجائش بھی شریعت میں اگر تھی تو وہ آخر کہاں تھی؟ .... جن حضرات نے بھی قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کیلئے تلوار اٹھائی۔ ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے بھی درست نہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی غلط تھا ... میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں اسکو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔"

معاویہ کے واقف احکام قرآن وحدیث وفقہ ہونے کا شائبہ بھی تاریخ و روایات میں نہیں ملتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بڑی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پہاڑ کھود کر یہ چوہا برآمد کیا کہ۔

"بعد تفتیش و تفحص روایات کے معلوم ہوا کہ معاویہ نے اپنی اخیر عمر اجتہاد کا مرتبہ حاصل کیا تھا لیکن ان کا علمی پایہ بہت کم تھا اور جمیع احادیث پر عبور نہ تھا"۔

"یعنی پس از سی سال ایں معنی محقق شد بر خاقانی"۔ والی بات ہے کہ آخر عمر میں بھی یہ درجہ اجتہاد حاصل ہوا کہ علمی پایہ بہت کم تھا اور جمیع احادیث پر عبور نہ تھا۔ آخر عمر میں بھی جس کی یہ حالت ہوا ایسا آدمی آخری عمر سے بیس پچیس سال پہلے بھلا کیا خاک مجتہد ہوگا۔ پھر جس کے علم میں ہی کھلے ہوئے نقص مسلمہ ہوں تو اسکو مجتہد کیسے کہا جائیگا۔

معاویہ کا انتقال رجب ۶۰ھ میں ہوا۔ حضرت علیؑ سے انہوں نے جنگ صفین ۳۷ھ میں کی یعنی اپنے مرنے کے ۲۳ سال پہلے اول تو معاویہ کی عمر اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسولؐ سے لڑتے ہوئے گزری اور بعثت رسول کے ۲۱ سال بعد فتح مکہ کے وقت یعنی حضرت رسول کی وفات سے دو سال پہلے بطور مولفۃ القلوب انہوں نے اسلام قبول کرنے کا زبانی اقرار کیا۔ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد ہی حضرت ابوبکر نے معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کا انتقال چند ماہ میں ہونے کے ساتھ ہی معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اسطرح وہ ۲۰ سال شام پر حکمرانی کرتے رہے۔ (یہ علاوہ اس مزید بیس سال کے ہیں جو خلافت پر قابض ہو کر انہوں نے گزارے) اس پورے عرصہ میں شاہی ٹھاٹھ ترک و حشم پر ان کا خیال مرکوز رہا۔ حرمت شراب کے بعد بھی شراب ترک نہ کی جیسا کہ سیوطی نے لکھا ہے موٹاپا حد سے زیادہ ہو کر اور توند بڑھ کر وہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے تک کے قابل نہ تھے اور ضرورت ہوتی تو بیٹھ کر تقریر کرتے تھے۔ اس تن پروری ٹیم ٹام اور لہو و لعب میں درجہ اجتہاد حاصل ہوتا تو کیسے ہوتا جب بقول شاہ عبدالعزیز جنگ صفین کے ۲۳ سال بعد بھی یہ کیفیت تھی کہ علمی پایہ بہت کم تھا اور احادیث پر عبور نہ تھا تو قابل غور ہے کہ حضرت علیؑ سے لڑتے وقت معاویہ کہاں کے مجتہد تھے۔

اب اس کے بعد کے مرحلہ پر غور فرمایئے۔ آخر وہ کونسا امر تھا جس کے متعلق فتویٰ دیتے وقت معاویہ سے یہ مبینہ خطائے اجتہادی سرزد ہوئی تھی۔ سنی محدثین و مورخین اس بات پر تک متفق نہیں کہ معاویہ حضرت علیؑ سے آخر کس بات پر جنگ کر رہے تھے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت کو ناواجبی سمجھ کر

اپنی خلافت کیلئے جنگ کر رہے تھے مگر اکثر اہل سنت محدثین کی تحریروں سے اصل صورت حال واضح ہو گئی ہے۔

مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:۔

"اہل سنت والجماعت کے اعتقاد میں سے ہے کہ جو محاربات معاویہ اور حضرت علیؑ کے درمیان واقع ہوئے وہ خلافت کا جھگڑا نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی خلافت کے حق ہونے پر اجماع ہو چکا تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

جمیع اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ معاویہ ابن ابو سفیان حضرت علیؑ کی ابتدائے امامت سے لیکر خلع امام حسنؑ تک باغیوں میں سے تھے علامہ سعدالدین تفتہ زانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

"صحابہ سے جو محاربات ومنازعات وقوع میں آئے وہ کتب تاریخ میں درج ہیں اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پر مذکور ہیں یہ بظاہر اس امر پر دال ہیں کہ بعض صحابہ طریق حق سے تجاوز کر کے حسد فسق وظلم کو پہنچ گئے اور باعث اس کا کینہ عناد اور حسد اور شدت خصومت اور طلب ملک وریاست وشہوات نفسانی کی طرف میلان تھا کیونکہ ہر صحابی معصوم اور ہر شخص کو جسنے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی نیکی کے ساتھ موسوم نہ تھا۔"

مولوی عبیداللہ امرتسری بسمل اپنی کتاب ارجح المطالب میں جنگ جمل کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔ چونکہ حضرت عائشہ کی غرض حصول خلافت کی نہ تھی۔ اس لئے بعض علماء نے ان کے باغی قرار دینے میں تامل کیا ہے۔ اور امیر معاویہ کو باغی اول قرار دیتے ہیں:۔ مولانا بسمل امرتسری نے علامہ تفتہ زانی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ جس شخص نے اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کی وہ معاویہ ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق دو اسلام کے صلاا پر لکھتے ہیں" حضرت علی اولی الامر اور خلیفہ رسول تھے قرآن کے سچے عامل اور رسول کے صحیح پیرو تھے۔ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے لیکن معاویہ نے بغاوت کی اسلام میں لاانتہا مفاسد کا دروازہ کھول دیا۔ معاویہ کا یہ جرم ایسا تھا کہ جسکی پاداش میں وہ انتہائی سزا کے قابل تھا۔ لیکن علمائے اسلام نے اس کی تعریف میں بھی احادیث تراشیں"

رشیدالدین خاں تلمیذ شاہ عبدالعزیز صاحب "ایضاح لطافتہ المقال" میں لکھتے ہیں" اکثر اعاظم اہلسنت ہرگز خطائے اجتہادی کے قائل نہیں ہیں بلکہ (معاویہ) کو گناہ کبیرہ کا مرتکب مانتے ہیں اور جو لوگ خطائے اجتہادی کے قائل ہیں ان کا مذہب شاہ عبدالعزیز اور دیگر محققین کے نزدیک مطعون ہے"۔

متعدد اہل سنت علماء کی متذکرہ صدر آراء کے ساتھ ساتھ نفس واقعہ پر درایۃً بھی غور فرمایئے کہ وہ معاملہ کس نوعیت کا تھا جس میں خطائے اجتہادی کا واقع ہونا کہا جاتا ہے اگر کوئی مجتہد بھی ہو تو کیا نصی امور میں اپنا اجتہاد کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خدا کی توحید کا قائل ہونا چاہیئے یا نہیں، رسولؐ کو رسولؐ جانا جائے یا نہیں۔ فجر کی نماز دو رکعت کے بجائے تین یا چار رکعت پڑھا جانا بہتر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ رسول کو اپنے

نفس سے اولی ماننا چاہیئے یا نہیں اسی طرح رسولؐ و آلِ رسولؐ سے محبت رکھنی چاہیئے یا نہیں رسولؐ و آلِ رسولؐ پر نماز میں درود بھیجنا چاہیئے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ نصی معاملات میں یعنی جہاں قرآنی یا مسلمہ ارشادِ رسول کی نص ہو وہاں کسی اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان نصی امور کو تو یومنون بالغیب کے طور پر آنکھ بند کر کے تسلیم کر لینا ہے۔ اسلام نام ہی تسلیم کا ہے اب سرسری طور پر ایمان کی تعریف پر بھی غور فرمایئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ایمان معرفت بالقلب، اقرار باللسان و عمل بالارکان کا نام ہے شرح سفر السعادت صفحہ ۶۲۹ پر حضرت عائشہ کی زبانی یہ حدیث درج ہے " ایمان خدا اقرار باللسان تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان کو کہتے ہیں (شیعوں کے خیال سے قطع نظر) بہت سے سنی علماء نے بھی حضرت علیؑ کی خلافت کو نصی خلافت تسلیم کیا ہے۔ جیسے شاہ عبدالعزیز محدث فتاویٰ عزیزی میں لکھتے ہیں:-

" خلافت علی عند المحققین بہ نص ثابت است۔ در مقابل نص اجتہاد را اصلا اعتبار نیست"

یعنی محققین کے نزدیک حضرت علیؑ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ نص کے مقابلہ میں اجتہاد کی کوئی اصل نہیں ہے اب دیکھئے کہ نص قطعی کن کن چیزوں پر ہے۔

(۱) باعتبار آیت مودت حضرت رسولؐ کے اہلبیت سے مودت رکھنا نص قرآنی سے لازمی ہے۔ (۲) باعتبار آیت درود ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؕ وارشاد رسول کہ درود کس طرح بھیجنا چاہیئے آلِ رسولؐ پر بھی درود واجب ہے اور بغیر آلِ رسول پر درود کے نماز باطل ہے (۳) متعدد آیات قرآنی سے جن کا ذکر اس کتاب کے دیگر حصہ میں ہوا امامت منصوص من اللہ ہونا اور حضرت علیؑ کی امامت و ولایت پر مخصوص نص ہونا بھی ثابت ہے (۴) متعدد ارشاداتِ رسولؐ سے حضرت علیؑ کا حضرت رسول کا وصی و جانشین برحق ہونا ثابت ہے (۵) اس بارے میں بھی حضرت رسولؐ کے صریح ارشادات ہیں کہ جو علیؑ سے لڑے اس سے میری جنگ (۶) حضرت علیؑ کی خلافت پر علاوہ نص قرآنی و نص ارشاد رسولؐ کے ظاہری اعتبار سے اجماع بھی پورا ہو چکا تھا۔ اب حضرت علیؑ کی خلافت پر معترض ہونا کیا معنی۔ یہ کونسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل ہے۔ صریح نص قرآنی و نص ارشاد رسولؐ کے بعد کس مجتہد کو منصب اجتہاد حاصل ہے۔ کیا حضرت علیؑ سے جنگ کرنا نص قرآن و حدیث کو راست چیلنج کرنے اور حضرت رسولؐ سے لڑنے کا ہم معنی نہیں ہے بقول حضرت غالب سے یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اسکو

مشہور اہل طریقت بزرگ حضرت سید شیخن احمد شطاری مدظلہ بطور قول فیصل فرماتے ہیں سو
حق و باطل کی لڑائی کا نتیجہ دیکھ لو آج تک لعنت برستی ہے امیر شام پر

اب ایمانی نقطۂ نظر سے غور کیجیئے جیسا کہ ایمان کی تعریف اوپر درج کی گئی۔ علاوہ دل سے تصدیق کرنے زبان سے اقرار کرنے اور اسلام کے ارکان پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ ارکان اسلام میں نماز بھی داخل ہے۔

نماز میں آل رسول پر درود بھیجنا بھی واجب ہے اور حکم خداوندی کے اعتبار سے آل رسولؐ سے مودت رکھنا بھی لازمی اور ایمان کی قیمت ہے۔ جن پر درود بھیجنا لازم اور جن کی مودت اختیار کرنا لازم ہو کوئی شخص ان سے لڑے تو آیا عمل بالارکان کی تعریف اس پر صادق آئے گی۔ صرف ترک عمل یعنی عمل نہ کرنے اور خاموش رہنے والا بھی مومن کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے۔ مگر جہاں کوئی منفی عمل کرنے لگے یعنی بجائے درود بھیجنے اور مودت اختیار کرنے کے ان قابل درود و مودت ہستوں ہی کو گالیاں دینے لگے اور ان کو زہر دے کر شہید کرے تو اس کا ایمان کہاں برقرار رہا۔ ماننا پڑیگا کہ جس جس نے بھی جن جن موقعوں پر آل رسولؐ سے کوئی عمل خلاف مودت کیا یا ان کی مخالفت کی یا کسی اعتبار سے بھی ان سے تعرض کیا یا الفاظ یا تلوار سے ان سے لڑائی کی وہ سب ایمان کی کسوٹی پر کھوٹے نکلیں گے۔ اس ستم ظریفی کو ملاحظہ فرمائیے کہ معاویہ امام حسنؑ کے قتل پر نماز شکرانہ پڑھیں اور جسکو قتل کر چکے ہیں اسی پر اپنی نماز میں درود بھی بھیجیں۔ جیساکہ یزید کے لشکریوں نے بھی حسینؑ کو قتل کر کے نماز شکرانہ پڑھی تھی اور خود حسینؑ سے کہا تھا کہ تمہاری نماز قبول نہیں۔ آخر یہ کیسا تضاد ہے اس کی واجبیت میں کیا کوئی دلیل پیدا کی جا سکتی ہے۔ حضرت رسولؐ کے ارشادات سے یہ مسلّہ ہے کہ "بے حب اہل بیت عبادت حرام ہے" اور "حبِّ علیؑ ہی کا نام ایمان ہے" اور اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بغیر ایمان دلوں میں داخل ہی نہیں ہوتا۔

معاویہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے والے تمام ارشادات خدا اور رسول خدا کی روشنی میں معاویہ کو ان کے ان تمام اعمال کے آئینہ میں دیکھیں کہ ان کی صورت کیسی نظر آتی ہے۔ اگر وہ تعصب کی عینک نکالکر دیکھیں تو حقیقت کے آئینہ میں معاویہ ہی کیا بہت سے بڑوں کے چہرے مسخ نظر آئیں گے۔

علامہ سید محمد صالح کشفی ترمذی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی میں حضرت علی علیہ السلام کی پیروی کی نمائش کرتے ہوئے بعینہٖ حدیث اصحابی کالنجوم کو بھی صحیح مانا ہے اور کہتے ہیں کہ ہر صحابی رسول برحق تھا اور کسی کو بُرا نہ کہنا چاہیئے۔ مگر علامہ موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۲ پر معاویہ کے تعلق سے خود اپنے والد اہل طریقت میر عبداللہ شکیں قلم کا جو واقعہ درج کیا ہے اس سے ناظرین اپنا نتیجہ خود نکال لیں موصوف لکھتے ہیں "ایک روز میرے والد بزرگوار کے پاس ایک شخص آیا اور باصرار کہنے لگا یا حضرت معاویہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ مسکرا کر فرمایا ظاہراً اس سے بڑی تقصیر صادر ہوئی کہ کوئی مومن اپنے بیٹے کو معاویہ کے نام سے نامزد نہیں کرتا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اپنے باپ سے جاکر کہا کہ میر عبداللہ شکیں قلم تشیع کا پہلو رکھتے ہیں اور مجلس کا واقعہ من و عن بیان کیا۔ اس کے باپ نے کہا اسی وقت میری طرف سے جاکر کہنا حاجی صالح کہتا ہے کہ میرے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام معاویہ رکھونگا۔ جو کچھ اس کے باپ نے کہا تھا اس شخص نے آکر بیان کیا۔ میرے والد پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور انھوں نے اہل مجلس سے دریافت کیا کہ بچہ کتنے دن میں پیدا ہوتا ہے جواب دیا زیادہ سے زیادہ دس ماہ اور کم سے کم چھ ماہ فرمایا اپنے باپ سے جاکر کہدے اگر تو چھ مہینے دنیا میں زندہ رہا تو

ہم فقر کی ٹوپی سر پر نہ رکھیں گے اور امیر برحق اور امام مطلق کی حقیقی محبت کا دم نہ بھرینگے۔ خدا کی قسم چار مہینہ میں وہ مردود اس اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر اپنے مقام مقرر میں جا رہا جب معاویہ کے نام پر نام رکھنے والا مردود ہو جاتا ہے تو معاویہ کس درجہ کے مردود قرار پائے۔ غور کرو تو ایک معاویہ کا وجود ہی بنائی ہوئی حدیث اصحابی کالنجوم کی مکمل تردید کیلئے کافی ہے۔ پھر ہر صحابی برحق کیسے رہا۔ علامہ ابن ابی الحدید نے تو یہاں تک روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ نے معاویہ سے کہا کہ بنی ہاشم بالکل تباہ ہو چکے اب ان سے کوئی خوف کی وجہ نہیں۔ ان کے ساتھ کچھ بھلائی کر کہ تیرا تذکرہ باقی رہے۔ معاویہ نے کہا "ابن ابی کبشہ یعنی نسل چوپایہ کا نام ہے کہ روزانہ پانچ وقت پکارا جاتا ہے (اشہد ان محمد الرسول اللہ) اب اس کے بعد میرا کونسا نام باقی رہ جائے گا۔ جو حضرت رسول خدا کو (معاذ اللہ) نسل چوپایہ سے تعبیر کرے ایسے صحابی کو کوئی مسلمان کیے تو کیونکر کہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ام حبیبہ حضرت رسولؐ کی زوجیت میں آنے کے سبب سے معاویہ کو جو حضرت علی علیہ السلام کے کھلے ہوئے دشمن تھے حضرات اہلسنت خال المومنین یعنی مومنین کے ماموں کہتے ہیں اور یوم معاویہ بھی منایا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابوبکر کو نہ کوئی خال المومنین کہتے اور نہ کوئی انکا دن مناتا حتیٰ کہ ان کے نام سے بھی حضرات اہلسنت کم ہی واقف ہیں حالانکہ وہ حضرت عائشہ کو ام حبیبہ سے افضل مانتے ہیں اس طرح حضرت عائشہ کے بھائی کو ام حبیبہ کے بھائی پر فوقیت دینی چاہئیے تھی مگر وجہ بھاری اسکی یہ ہے کہ محمد بن ابوبکر حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والے اور مسلمہ شیعان علیؑ میں سے تھے اور اسی وجہ سے محمد بن ابوبکر اپنے باپ کی وراثت سے بھی محروم کیے گئے اور معاویہ نے ان کو قتل کرا کے گدھے کی کھال میں رکھکر جلا دیا۔ ان سب باتوں سے سنی صاحبان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ سنی حضرات کے پاس دوستی کا معیار تو تمام تر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی اہلبیت اطہارؑ کے وابستگان میں سے نہ ہو بلکہ جہاں تک ہو سکے ان کا مخالف ہو۔

محمد بن ابوبکر دنیا والوں کے اس عمل سے خوب واقف تھے چنانچہ ان کے اشعار تاریخ میں مشہور ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے اولادِ فاطمہؑ تم میرے لئے جائے پناہ اور سرپرست ہو اور تمہارے ہی وسیلہ سے قیامت کے روز میرے میزان اعمال کا پلہ بھاری ہوگا۔ جب میری محبت تمہارے لئے خالص ہوگئی تو مجھے اسکی پرواہ نہیں کہ کوئی کتا میرے اردگرد بھونکتا رہے۔

حال ہی میں ماہ رجب ۱۳۸۳ھ (نومبر ۱۹۶۳ء) میں یوم معاویہ منانے کی بھی ایک تحریک حیدرآباد میں آغاز کی گئی تھی مگر بعض علمائے اہل طریقت کے مشورہ کی بنا پر یہ بروئے کار نہ لائی جا سکی۔ پاکستان کے تو ایک ملتان صاحب نے معاویہ اور یزید کی مدح خوانی میں ایک کتاب شائع کر دی اب شائد کبھی دن یوم یزید بھی منانے کا خیال کسی نہ کسی مسلمان کو پیدا ہو جائے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۲۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"خصوصاً ان لوگوں پر تو مجھے سخت حیرت ہے جس میں ایک طرف یزید کی خلافت کو صحیح اور حضرت حسینؑ کو

برسرِ غلط ٹھہرانے پر تو بڑا اصرار ہے مگر دوسری طرف وہ حضرت معاویہ کے حق میں معذرتیں پیش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ حالانکہ جن دلائل سے یزید کی خلافت صحیح ثابت کی جاتی ہے ان کی بہ نسبت ہزار گنے زیادہ قوی دلائل سے حضرت علیؑ کی خلافت قطعی صحت کے ساتھ قائم ہوئی تھی۔

ایمان ونفاق حق وباطل کے درمیان آخر کہیں تو کوئی حد قائم کرنی پڑے گی۔ ڈاکٹر محمد ابوبکر خان صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے ص۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں" اگر پہلے رسول کے مقابلہ میں ابوسفیان تھا تو اب جانشین رسول حضرت علیؑ کے مقابلہ میں ابوسفیان کا بیٹا معاویہ تھا جو اپنے باپ کی تمام اسلام دشمن خصوصیات کا ورثہ دار تھا" ص۳۷ پر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں" لوگ معاویہ کو مدبر اسلام اور صحابئ رسول بھی کہہ دیتے ہیں اور اب کچھ عرصہ سے پاٹ نالہ سے خاصکر معاویہ کی مدح سرائی کے ساتھ اسکو امت کا دینی پیشوا منوانے کی کوشش شروع ہو گئی ہے۔ ایسا کرنے والوں کو گریبان میں منہ ڈالکر دیکھنا چاہیئے کہ ایسے شخص کو جس نے اسلام میں بدعتوں کا موجد اول ہونے کا شرف حاصل کیا ہے صحابئ رسول مدبر اور نہ جانے کیا کیا بنائے ڈال رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ دنیا کا کوئی صاحب عقل آدمی جب یہ دیکھے گا کہ رسول کا صحابی مدبر اسلام مکر وہ سازشوں بغاوتوں بد عہدیوں اور فتنہ انگیزیوں کا علم بردار ہے تو رسول اللہ کی پوزیشن کس قدر کمزور ہو جائگی۔ ایسے لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر امیہ کے خاندان کو ہاشمیوں اور آل محمدؐ سے افضل اور برتر ثابت کرنے کے لئے جان دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس قسم کے آمروں کی مدح سرائی سے پیغمبر اسلام کی توہین ہوتی ہے۔۔۔ ایک باغی کی دیدہ ودانستہ شرارتوں کو خطائے اجتہادی کہکر نظر انداز کر دیا جاتا ہے حیف صد حیف ان لوگوں کی مسلمانی اور عقل پر جو قاتل کو بھی اچھا کہتے ہیں اور مقتول کو بھی حقیقت یہ ہے کہ آل محمدؐ سے دشمنی اب بھی کسی نہ کسی رنگ میں جلوہ گر ہے اور بقول شاعر سه

یک حسینے نیست کو گردد شہید ورنہ بسیار ند در دنیا یزید

یزید ابن معاویہ

معاویہ کے بعد ان کے صاحبزادے یزید صاحب کا نمبر خلافت کا آیا یزید نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کیا کاروائی کی اس سے پوری دنیا کے غیر مذاہب والے بھی واقف ہیں اور دنیا کی تاریخ کا کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جس پر واقعہ کربلا کی طرح پوری دنیا والے ظالم و مظلوم حق وناحق کی اصطلاحوں میں غور کرتے ہیں۔ یزید نے ۶۱ھ میں قتل حسینؑ و اولاد حسینؑ اور ان کے بیمار صاحبزادہ کو طوق وسلاسل میں جکڑ کر اور اہل حرم کو بازار عام و دربار عام میں بے مقنع وچادر رسن بستہ تشہیر کرانے اور زندانِ تیرہ وتار میں قید کر دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ۶۳ھ میں جب یزید کو خبر پہنچی کہ اہل مدینہ اس کی خلافت سے انکار کر رہے ہیں تو اس نے فوراً ایک بڑا لشکر اہل مدینہ سے جنگ کرنے روانہ کیا۔ یہ لشکر عبداللہ ابن زبیر سے معرکہ آرائی کرنے مکہ کی جانب روانہ ہوا جو اپنی

خلافت کی فکر میں لگے ہوئے تھے ۔ باب طیبہ میں جنگ ہوئی ۔ بہت سے صحابیٔ رسولؐ ۳۶۰ قریش وانصار اور ابن زبیر کے فوجیوں کے علاوہ مدینہ کے بیشمار لوگ قتل کئے گئے ۔ کعبہ میں گھوڑے باندھے گئے ۔ مسجد نبوی میں کتے چھوڑے گئے ۔ قربانیٔ حسینؑ اور آلِ رسولؐ کے قیدِ شام سے واپس آکر مظلومیت کی حالت میں رہنے کا (کہنا پڑیگا کہ) نفسیاتی اور روحانی اثر یہ تھا کہ یزید کی فوج نے بنی ہاشم کے محلہ کا رخ نہیں کیا ورنہ باقی پورے مدینہ کو تباہ کر دیا ۔ یزید کے سپاہیوں نے ہزاروں عورتوں سے زنا بالجبر کیا اور ایک ہزار لڑکیوں کا ازالۂ بکارت کیا ۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ دس ہزار زنا زائیدہ بچے پیدا ہوئے ۔

مدینہ شریف کا وہ حال کرنے کے بعد یزید کے لشکر نے آخر صفر ۶۴ھ میں مکہ کا محاصرہ کر لیا اور منجنیق سے کعبہ پر آگ برسائی یہاں تک کہ کعبے کا پردہ اور چھت اور اس دنبہ کے سینگ جل گئے جو حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور جو برابر اس زمانہ سے کعبہ کی چھت پر رکھے چلے آرہے تھے ۔ یہ واقعہ حرہ کہلاتا ہے ۔ یہ گویا واقعہ عقبہ کا جواب تھا وہاں اللہ کے رسول پر حملہ کیا گیا تو یہاں اللہ کے گھر پر ۔

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ بن غسل سے روایت کی ہے کہ " واللہ ہم نے یزید کی خلافت سے اس وقت تک انکار نہیں کیا کہ ہمیں یقین نہ ہو گیا کہ آسمان سے پتھر برسیں گے ۔ غضب ہے لوگ ماؤں اولاد بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کریں علانیہ شراب پئیں اور نماز ترک کر دیں " تاریخ الفخری ص۸۳ اور تاریخ ابوالفدا جلد ا ص۱۸۱ پر درج ہے کہ یزید رات دن شراب و کباب عیاشی و زنا کاری میں گزارتا تھا اور شراب میں ڈوبا رہتا تھا ۔ محرم سے نکاح کراتا تھا ۔

صواعق محرقہ ص۱۳۵ و تاریخ الخلفا ص۱۴۲ پر درج ہے کہ یزید اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک کو اپنی شہوات کا نشانہ بناتا تھا ۔ شراب پیتا تھا اور تارک الصلوٰۃ تھا ۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت ص۱۹۱ پر لکھتے ہیں کہ یزید نے حضرت عائشہ کے حسن و جمال کو سُنکر آپ کے بارے میں ہوس کی ۔ لوگوں نے جب منع کیا تو وہ باز رہا ۔

قاضی صبغتہ اللہ صاحب نور العین فی مشہد الحسین ص۲۰ میں لکھتے ہیں " زنا کاری شراب خواری اس (یزید) کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا ۔ اس نے اپنی عمر میں تین سو دوشیزہ عورتوں کی عصمت دری کی اور سات سو صحابیوں کو قتل کرایا اور مسجد رسولؐ میں کتے چھوڑے علامہ تفتہ زانی اپنی کتاب شرح مقاصد ص۲۱۱ پر لکھتے ہیں " ہم یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں ذرا بھی توقف نہیں کرتے " مختصر یہ کہ خلیفہ رسول یزید صاحب کا یہ ریکارڈ رہا ۔

جن لوگوں میں کچھ انسانیت تھی وہ یزید کو کیا سمجھتے رہے اس کا اندازہ اس روایت سے ہوگا ۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ نوفل بن ابوالعرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز خلیفہ بنو امیہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس

بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے یزید کو امیرالمومنین یزید بن معاویہ کہا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ سنکر کہ وہ یزید کو امیرالمومنین کہتاہے اس کو بیس درے لگوائے یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی حق گوئی اور آل رسول کی عزت اور ردِّ فدک وغیرہ دیکھکر دشمنانِ آلِ رسول پھر خاموش نہ رہ سکے اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو زہر دیدیا۔

مولانا سید شاہ محمد قائم صاحب رضوی چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور پٹنہ اپنے مقالہ "کفر یزید" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت امام عالی مقام اور شہزادوں و نیز رفقائے امام کے قتل کی خبر یزید پلید کو ملی تو اسکی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ عجب اتفاق کہ اس وقت کوے شور کر رہے تھے یزید پلید نے اس وقت خوشی کے عالم میں چند شعر کہے ہیں اور جب اس کے سامنے حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس لایا گیا تو وہ ملعون مارے خوشی کے جھومتا تھا اور اپنی چھڑی سے حضرت سید الشہداءؓ کے دندانِ مبارک کو ٹھکراتا جاتا اور اپنے وہی اشعار پڑھتا تھا۔ اس پلید کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

یا غراب البین ما شئت فقل ☆ انما تندب امرا قد حصل ☆ ان اشیاخی ببدر لو راؤا ☆ جزع الخزرج من وقع الاسل۔ لاھلوا واستھلوا فرحا ☆ ثم قالوا یا یزید لا تشل ☆ قد قتلنا القرم من ساداتھم ☆ وعدلنا میل بدر فاعتدل ☆ لعبت ھاشم بالملک فلا ☆ خبر جاء ولا وحی نزل۔ ترجمہ:۔ اے جنگلی کوو۔ جو تمہارا جی چاہے بولو جس جس مقصد کی طلب ہے وہ حاصل ہو چکا اگر میرے وہ بزرگ جو مقتول بدر ہیں دیکھتے خزرج کے لوٹنے اور گرنے کی جگہ زخم کھا کر تو مبارکباد دیتے اور آپس میں خوشیاں مناتے اور للکارتے کہ اے یزید رنج و غم نہ کر اس لئے کہ ان لوگوں نے ہمارے چھوٹے چھوٹے سرداروں کو قتل کیا اور آج ہم لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معزز و جری سرداروں کو قتل کیا۔ بنی ہاشم نے محض ملک گیری کے لئے ڈھونگ رچایا تھا ورنہ نہ ان پر کوئی وحی آئی نہ فرشتہ نازل ہوا۔

اس کے بعد مولانائے ممدوح تحریر فرماتے ہیں۔

مسلمانو۔ یہ آخری شعر یزید پلید کے ایمان و اسلام کا آئینہ ہے جس میں اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت و نیز قرآن کریم سے انکار کیا ہے قرآن عظیم کو یزید کے شعر آخر سے ظاہر ہے کہ وہ وحیٔ الٰہی نہیں جانتا حضرت جبرئیل کے آنے اور وحی لانے سے قطعی انکار ظاہر ہے پس کیا اب بھی کفر یزید سے انکار ہوگا۔ کیا منکر وحی و منکر رسالت بھی کافر نہیں اس شعر کی موجودگی میں یزید کا فر قطعی کافر۔ حضرت قائم چشتی مزید تحریر فرماتے ہیں۔

"میں ہی تنہا یزید کو کافر نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے دامن اہل بیت میں پناہ دے اب میں ایک ایسا قول پیش کرتا ہوں جس سے شاید ہی دنیا میں کوئی سرتابی و انکار کر سکے۔ حضرت سید الشہداء امام حسینؑ

علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا نے یزید پلید کو کافر فرمایا (کامل جلد ۴ صفحہ ۴۲) میری جرأت نہیں کہ میں حضرت سکینہ کے مقابلہ میں چون وچرا کر کے کافر بنوں۔ قرآن پاک کی آیتیں معہ تفسیر میں نے پیش کیں جس سے ظاہر و ثابت ہے کہ یزید اور اس کے ساتھی اور طرفداران یزید کا بھی وہی انجام وہی حشر دونوں کی برابر سزا المختصر یزید کافر تھا کافر مرا۔ اسکو کافر ہی سمجھنے میں جان بچیگی ورنہ نہیں"۔

مولانائے موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں" یزید ہی نہیں بلکہ سارے کے سارے وہ لوگ جو اس شیطانیت میں شریک تھے مستحق لعنت ہیں۔ ان پر دین و دنیا دونوں جگہ خدا کی لعنت"۔

مولانا خواجہ حسن نظامی یزید نامہ کے صلہ ۱ پر تحریر فرماتے ہیں" جب بنی عباس کی حکومت شروع ہوگئی تو تمام شاہان بنو امیہ کی قبریں کھودی گئیں اور جلادی گئیں طبری کا بیان ہے کہ یزید کی ہڈیاں قبر سے برآمد ہوئیں تو بالکل سیاہ تھیں"۔

یزید کے بیٹے کا اظہار خیال اور عبداللہ ابن زبیر اور مروان کی کشمکش

ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید مر گیا۔ ادھر عبداللہ ابن زبیر نے جن کی فوج کا مقابلہ یزید کی فوج سے ہو رہا تھا۔ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا مگر اہل شام و مصر نے ان کی خلافت نہ مانی اور یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کو تخت خلافت پر بٹھانا چاہا۔ یہ بیس سالہ شخص جوان صالح تھا اس نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حیواۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۷۷ پر درج ہے کہ معاویہ بن یزید تا دیر منبر پر خاموش بیٹھے رہے اور پھر کہنا شروع کیا " ایھا الناس مجھے خلافت کی طرف رغبت نہیں ہے۔ اور تم لوگ دنیا کی حکومت کو عظیم ترین شئے جانتے ہو اور میں اسے مکروہ جانتا ہوں اور تم لوگ مجھے بھی مکروہ جانتے ہو اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ مبتلا ہوں گا اور تم میرے ساتھ مبتلا ہوگے۔ میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے لئے حضرت علیؑ سے نزاع کی۔ حضرت علیؑ حقدار تھے اور افضل جمیع صفات میں کوئی اصحاب رسول خدا سے ان کے مراتب کی نظیر نہ تھا۔ آخرالامر مکر و تزویر کے ذریعہ خلافت معاویہ کے ہاتھ آئی اور میرا دادا اپنی قبر میں جواب دے رہا ہے خلافت پھر یزید کو پہونچی یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا افعال زشت و معاصی کبیرہ اس سے سرزد ہوئے۔ قسم بخدا میں اپنی بیخودی سے مجبور ہوں جو ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہوں۔ حضرت علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کیطرح ثبت ہوگئی ہے۔ خلافت رسولؐ فرزند حسین امام زین العابدین علیہ السلام کا حق ہے خلافت ان کو سپرد کرد یجائے" یہ خطبہ دے کر معاویہ بن یزید تخت سے اتر آیا۔ آل رسول کے متعلق یہ حق گوئی کیکو گوارا نہ ہوئی اور اس غریب بیس سالہ جوان کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور بروایتے زہر دیدیا گیا اور بروایتے زندہ دفن کر دیا گیا اور یزید کے مرنے کے چالیس دن کے اندر اس جوان کا خاتمہ ہوا۔

علامہ سیوطی نے اس قدر لکھا ہے کہ اس نے نہ امور سلطنت میں سے کوئی کام کیا نہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور جب وقت نزع اس سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں تو اس نے کہا کہ جب میں نے خلافت کا لطف نہیں اٹھایا تو اس کی مصیبت میں کیوں پھنسوں۔

Historians History of The World

میں درج ہے:-

"The youthful caliph refused to nominate a successor declaring that his grandfather (Moawiyah) had been a userper, his father unworthy of so high a trust and himself unwilling and unfit to undertake it. The Omayyads buried the unfortunate man alive".

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جب عبداللہ ابن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو مروان نے ان پر فوج کشی کی اور مصر و شام پر قابض ہو گیا اور ۶۵ھ میں جب مروان مرا تو اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا ولی عہد کر گیا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ ذہبی بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ مروان کو خلیفہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ باغی تھا جس نے ابن زبیر پر خروج کیا۔ نہ اس کا اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا صحیح ہے وہ لکھتے ہیں کہ عبدالملک کی خلافت کو عبداللہ بن زبیر کے مقتول ہونے کے بعد صحیح سمجھنا چاہیئے۔

عبداللہ بن زبیر مکہ پر قابض تھے مگر عبدالملک نے حجاج کو چالیس ہزار کی فوج دے کر ان پر حملہ کیلئے روانہ کیا جس نے ان کے لشکر کو شکست دے کر ۷۳ھ میں عبداللہ بن زبیر کو کعبہ میں سولی پر چڑھا دیا۔ ابو یعلی نے مسند میں عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھنے (جونکیں) لگوائے اور اپنا خون مجھے دے کر یہ فرمایا کہ اس کو کسی ایسی جگہ چھپاؤ کہ کسی کی نظر نہ پڑے) میں نے آپ کی نظر سے الگ ہو کر اس خون کو پی لیا۔ جب میں واپس آیا تو رسول اللہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ وہ خون کیا کیا میں نے کہا میں نے اپنے نزدیک سب سے پوشیدہ جگہ دیکھ کر وہاں رکھ دیا آپ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو پی گیا۔ میں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا (یہ کیا کیا) تجھکو اور تجھ سے لوگوں کو سختی ہوگی عبداللہ بن زبیر کا حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک پی جانا بھی ایک طرفہ واقعہ ہے۔

عبدالملک بن مروان | بعد قتل عبداللہ بن زبیر عبدالملک بن مروان کی خلافت قائم ہوئی جب قتل عبداللہ بن زبیر اور خلافت کی خوشخبری اسکو دی گئی تو

اسوقت یہ قرآن پڑھ رہا تھا قرآن سے خطاب کرکے اس نے کہا بس یہ میری اور تیری آخری ملاقات ہے۔
۷۳ھ میں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو مکہ و مدینہ بھیجا۔ حجاج نے کعبہ کو منہدم کر دیا اور اس کے بعد پھر اس کی تعمیر ہوئی جس شکل میں کہ اب موجود ہے ۷۴ھ میں حجاج مدینہ میں داخل ہو کر جو لوگ صحابہ کرام سے باقی رہ گئے تھے۔ ان پر سختیاں کرنے اور اہانت کرنے لگا اور ان کی گردنوں اور ہاتھوں پر مہر لگوائی تاکہ ان کو ذلیل کیا جائے۔ جابر بن عبداللہ وانس و سہل بن سعد الساعدی کی بھی گردنوں اور ہاتھوں پر مہر لگوائی گئی۔ عبداللہ بن عمر بھی جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام سے تک بیعت نہ کی تھی مگر یزید سے بیعت کی تھی عبدالملک کی دستِ برد سے نہ بچ سکے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ حجاج کے اشارے سے ایک شخص نے عبداللہ ابن عمر کو زہر میں بجھے ہوئے حربہ سے زخمی کیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ بہر حال جسکا داؤں جہاں لگ جاتا ہر شخص اپنی اپنی فکر میں لگا ہوا تھا۔ عبدالملک ۸۶ھ میں مرا۔

سیوطی عبداللہ بن عمر کا قول عبدالملک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اولاد جنی ہے مگر مروان نے باپ جنا ہے۔" سیوطی نے بروایت یحییٰ غسانی لکھا ہے کہ عبدالملک اکثر درداکی والدہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا میں نے سُنا ہے تو نماز پڑھکر خون پیا کرتا ہے عبدالملک نے کہا یہ صحیح ہے۔

سیوطی لکھتے ہیں کہ" ہمارے نزدیک تو عبدالملک اور حجاج دونوں برابر ہیں کیونکہ اسی نے اسکو صحابہ اور مسلمانوں پر حاکم بنایا تھا اور اس نے اپنی حکومت میں ان کے قتل و ضرب و حبس و دشنام میں کوئی دقیقہ ان کی توہین و ذلت کا اٹھا نہیں رکھا اور بہت سے صحابہ اور بزرگ اشخاص تابعین سے جن کی فضیلت زبان زد خاص و عام تھی قتل کرائے علاوہ بر آں غضب ہے حضرت انس وغیرہ جلیل القدر صحابیوں کی مشکیں کسوائی گئیں جس سے اس کا مدعا ان کو ذلیل کرنا تھا" آخر میں سیوطی لکھتے ہیں" یہ ایسا جرم ہے جسکو خدا یقیناً کسی طرح معاف نہیں کرے گا۔ اس نے لوگوں کو احکام خدا بیان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ خونریزی کا بڑا حریص تھا ابن زبیر کو کعبہ میں سولی دینے کے بعد ان کی نعش یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوادی اور لوگوں کو نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام سے اس قدر عداوت رکھتا تھا کہ ان کے نام اور کنیت کا آدمی اپنی فوج میں بھرتی نہ کرتا تھا مرتے وقت اپنے ولیعہد کو وصیت کی کہ تیندوے کی کھال پہن لینا اور حجاج کو آزاد رکھنا کہ جو چاہے کرے حجاج کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ ان کے جو جنگوں میں قتل کئے گئے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر قتل کیا اور بہت سوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا اس کے مرنے کے بعد تیس ہزار مرد اور بیس ہزار عورتیں اس کے بے سقف قید خانے سے نکالے گئے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ و عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ اور روضۃ الصفا ۷۲۹)

ولید بن عبدالملک عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک تختِ خلافت پر بیٹھا۔ شعبی کہتے ہیں کہ چونکہ نہایت ناز و نعم کا پلا ہوا تھا اس لئے قرآن پڑھ رہا۔ ایک روز

منبر پر ولید نے کچھ کہا عمر بن عبدالعزیز اور سلیمان بن عبدالملک بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے واللہ ولید سخت ظالم ہے۔ ابونعیم نے شوذب سے روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک مرتبہ کہا کہ ولید شام میں، حجاج عراق میں عثمان بن حیارہ حجاز میں، قرہ بن شریک مصر میں، ظالم ہیں۔ واللہ دنیا تو ظلم سے بھر گئی ہے۔ جذب القلوب ۳۳ میں ہے کہ جب ولید حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا تو ایک دن منبر رسول پر خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر حضرت حسن مثنےٰ بن علی بن ابی طالب پر پڑی۔ جو خانہ جناب سیدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ولید منبر سے اترا تو اس نے عمر بن عبدالعزیز کو طلب کر کے کہا تم نے ان کو اس وقت تک کیوں اس مکان میں رہنے دیا اور باہر نہ نکال دیا۔ میں یہاں ان کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ یہ مکان ان سے لے کر مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ جناب فاطمہ بنت حسینؑ اور ان کی اولاد نے گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ولید نے حکم دیا کہ مکان ان پر گرا دو اور زبردستی اسباب نکلوا کر پھنکوا دیا۔ مجبوراً یہ حضرات مع مخدرات عالیات گھر سے نکل کر بیرون مدینہ سکونت پذیر ہوئے۔ سادات حسینی کی ایک آبادی مدینہ سے باہر اب بھی موجود ہے جو انتہائی تنگدستی اور عسرت کے عالم میں بسر کرتے ہیں۔

اسی ولید کا یہ واقعہ بھی قابل غور ہے حفصہ بنت عمر کا مکان حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں تھا جو مسجد نبوی سے متصل تھا۔ حجاج نے اس کو مسجد نبوی میں شامل کرنا چاہا۔ ان لوگوں نے انکار کیا تو ولید نے عمر بن عبدالعزیز عامل مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن خطاب کی رضا جوئی میں کوتاہی نہ کرو اور ان کا اکرام ملحوظ رکھو۔ ان کا مکان چھوڑ دو اور مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو۔ (ملاحظہ ہو تاریخ احمدی ص۳۴۵ وفاء الوفا ص۳۶۳)

دوسروں کے ساتھ تو یہ طریقہ اور آل رسول کے ساتھ وہ عمل۔ پابندی و واقفیت احکام خدا کا یہ حال تھا کہ ایک دن ولید کہنے لگا اگر خدائے تعالیٰ حضرت لوط کا ذکر قرآن میں نہ کرتا تو لوگوں کا ادھر خیال بھی نہ جاتا اور خلاف فطرت افعال کرنے کی خبر بھی نہ ہوتی (ملاحظہ ہو یزید نامہ خواجہ حسن نظامی ص۱۲۰) آل رسول پر ولید کے مظالم کی انتہا اس طرح ہوئی کہ جیسا ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں اور ابن حجر عسقلانی نے بھی صواعق محرقہ میں روایتوں کا حوالہ دیا ہے کہ امام زین العابدین کو ولید نے زہر دلوا کر شہید کر دیا۔

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک مرا اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت پر بیٹھا جس کو اس کے بعد عبدالملک نے باعتبار سلسلہ دوسرے نمبر پر ولیعہد مقرر کیا تھا۔ اس کو لہو و لعب اور کھانے پینے کی دھن تھی۔ ایک دفعہ ایک دفعہ چھ مرغ ستر انار اور بہت سی کشمکش کھا گیا۔ آئینہ میں اپنے موٹاپے اور تنومندی کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ میں حقیقت میں بادشاہی کے لائق ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام پر منبروں سے سب و شتم کا سلسلہ اس کے زمانے میں بھی جاری رہا۔ پونے تین سال کی خلافت کے بعد ۹۹ھ میں یہ فوت ہوا۔ رسالہ جواز لعن بر یزید میں علامہ جوزی نے ابن ناصر کے روایت

سبا را ابوالحکم سے درج کی ہے کہ جب سلیمان بن عبدالملک کو اسکی قبر میں عمر بن عبدالعزیز اور سلیمان کے بیٹے نے داخل کیا وہ ان دونوں کے ہاتھوں پر مضطرب اور بے چین ہوا سلیمان کے بیٹے نے کہا میرا باپ زندہ ہو گیا۔ عبدالعزیز نے جواب دیا خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ تیرے باپ کو سزا دینے میں تعجیل کی گئی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز ۹۰ برس کی عمر میں خلیفہ ہوئے یہ ایک نیک نہاد شخص تھے یہ خلیفہ بننے سے انکار کرتے رہے مگر جب ان کو خلیفہ بنا ہی دیا گیا تو کئی دن تک روتے رہے اور اپنی بیوی اور کنیزوں سے کہدیا کہ اب کاروبار خلافت کے سوا مجھے وقت نہیں مل سکتا تم لوگ چاہو تو میرے گھر میں رہو ورنہ آزاد کر دیتا ہوں۔ جہاں جی میں آئے چلے جاؤ۔ فرمودہ خدا و رسولؐ کے باوجود اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ لوگوں کی بے تعلقی و بے اعتنائی دیکھکر ہمیشہ ان کے دل میں خلش لاحق رہی۔ چنانچہ انھوں نے تخت پر بیٹھتے ہی اس رسم کو بند کر دا دیا جو بر سر منبر حضرت علی علیہ السلام کے نام پر گالیاں دینے کے متعلق برابر رائج چلی آ رہی تھی اور فدک آلِ رسولؐ کو امام زین العابدین علیہ السلام کی آخری عمر میں یا ان کے انتقال کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام کو واپس کر دیا اور جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر پر طعنہ کر دیا تو انھوں نے جواب دیا۔ "جعلا طعنا علیٰ انفسہما" یعنی حضرات شیخین نے فدک جناب فاطمہ سے چھین کر طعن کا دروازہ اپنے اوپر خود کھولا ہے۔ ایک شخص نے یزید کو امیرالمومنین کہا تو عمر بن عبدالعزیز نے اسکو ۲۰ درے لگوائے۔ عمر بن عبدالعزیز اس خیال کے حامی تھے کہ خلافت بنی فاطمہ کا حق ہے انکو رد ہونی چاہیئے۔ جب اُن کے اِن خیالات کا اندازہ ہوا تو بنو اُمیہ نے ان کو زہر دلوا دیا۔ ۲۰ یا ۲۵ رجب سنہ ۱۰۱ھ کو بعمر ۳۹ سال چھ ماہ زہر سے قتل کئے گئے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب یزید نامہ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۴ پر بحوالہ عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۲۱۴ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ارادہ کیا تھا کہ خلافت بنی فاطمہ کے سپرد کریں۔ بنی اُمیہ نے جب یہ سنا تو ان کے قتل کی سازش کی چنانچہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے یزید نے ایک نوکر سے سازش کر کے زہر دیا۔ خادم اپنے ناخن پر زہر لگا لیا تھا جس وقت پانی پینے کو طلب کیا تو اس نے ناخن پانی میں ڈبو کر دیدیا۔

یزید بن عبدالملک بن مروان یزید ثانی عمر بن عبدالعزیز کو بنی اُمیہ کے زہر دینے کے بعد عبدالملک بن مروان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوا۔ یہ انتہائی عیاش خونی اور بد مزاج تھا اس کا چار سالہ زمانہ خلافت عیاشی اور مسلمانوں کو قتل کرنے میں گزرا حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۱۲۳ اور یزید نامہ خواجہ حسن نظامی صفحہ ۱۳۷ پر درج ہے کہ یہ سلامہ اور حبابہ نامی دو کنیزوں پر عاشق تھا۔ جب حبابہ مر گئی تو اسے تین دن تک دفن ہونے نہ دیا اور مردہ نعش سے مجامعت کرتا رہا ۱۰۵ھ میں یزید ثانی مرا۔

ہشام بن عبدالملک یزید ثانی کے مرنے پر اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا اور بیس سال

خلیفہ رہا۔ سنہ ۱۲۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ نہایت بدمزاج اور جابر تھا لہو و لعب اور تعیشات کا
دلدادہ تھا یزید نامہ صفحہ ۱۳۵ پر درج ہے کہ ایک دفعہ یہ حج کے لئے گیا تو چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے ملبوسات
بار تھے۔ شبلی الغزالی کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں کہ حج کو اس نے ایک بزرگ طاؤس یمانی کو طلب کیا۔ وہ آکر سلام علیکم
کہہ کر برابر بیٹھ گئے یہ برہم ہوا۔ مکالمہ کے بعد جب یہ جواب نہ دے سکا تو کہا کہ کوئی نصیحت کیجئے۔ طاؤس یمانی نے
کہا میں نے حضرت علیؑ سے سنا ہے کہ دوزخ میں بڑے بڑے سانپ بچھو ہوں گے۔ جو ان سلاطین کو ڈسیں گے جو رعایا پر
ظلم کرتے ہیں۔ یہ کہکر اٹھکر چلے گئے۔ تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۰۳ پر درج ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پوتے
جناب زید کو ہشام نے بڑی آزاردہی سے شہید کر دیا۔ زیدؑ کا سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیجدیا گیا۔ جناب زید کے
خادموں نے آپ کی نعش کو مخفی طور پر دفن کر دیا تھا۔ مگر ہشام کے حکم سے نعش تلاش کر کے نکالی گئی اور سولی
پر لٹکائی گئی اور کئی دن اسی طرح چھوڑ دی گئی اور پھر جلا کر راکھ دریائے فرات میں بہا دی گئی اس کے بعد ۱۱۴ھ
میں ہشام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو زہر سے شہید کروا دیا۔

ہشام کے مرنے پر سنہ ۱۲۵ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔

ولید بن یزید بن عبدالملک

یہ شخص مشہور زمانہ فاسق و فاجر شراب نوش اور منہیات کا
مرتکب تھا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس نے حج کا ارادہ اس قصد سے کیا تھا کہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پیئے۔
اس نے محرمات شرعیہ بہنوں بھانجیوں پھپیوں سے نکاح کر رکھے تھے اور لواطت میں بھی مشہور تھا۔ ابن
فضل اللہ نے مسالک میں لکھا ہے کہ ولید جابر سرکش خیر خواہوں کے ساتھ سختی کرنے والا اپنے زمانہ کو معائب سے
بھرنے والا تھا اس زمانہ کا فرعون تھا۔ علاوہ برآں وہ قرآن شریف کو بھی نیزہ سے چھید اکرتا تھا۔ تاریخ خمیس جلد ۲
صفحہ ۳۵۷ اور حبیب السیر میں ہے کہ ایک دفعہ قرآن سے فال دیکھنے کے بعد جب اس کے خلاف مرضی آیت نکلی تو
قرآن پر تیر بارانی شروع کی اور شعر پڑھے کہ جب تو بروز قیامت خدا کے سامنے جاتا تو کہدینا کہ ولید نے مجھے پھاڑ
ڈالا۔ ایک دن شراب کے نشہ میں ایک لونڈی سے مباشرت کی۔ اس کے بعد موذن نے آکر کہا نماز کا وقت
ہو چکا ہے۔ ولید نے قسم کھا کر کہا آج تو یہی لونڈی مسلمانوں کو نماز پڑھائے گی حالانکہ وہ جنب اور شراب میں مست تھی۔
حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۶۴ پر درج ہے کہ ولید نے ایک حوض بنوایا تھا جس میں شراب بھروا دیتا
تھا جب خوش ہوتا تو اپنے آپ کو اس حوض میں گرا دیتا اور اتنی شراب پیتا کہ حوض کے کنارے خالی ہو جاتے
یہ آل محمد کا دشمن تھا۔
سیوطی لکھتے ہیں کہ صولی نے سعید بن سلیم سے روایت کی ہے کہ ایک شاعر ابن عبادہ نے اپنا یہ شعر ولید کو سنایا۔
(ترجمہ) سوائے آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تم قریش پر بزرگی دئے گئے ہو اور سوائے بنی مروان کے اہل فضیلت ہوئے اس پر ولید نے
کہا کہ کیا تو آل محمد کو ہم پر مقدم کرتا ہے۔ سنہ ۱۲۶ھ میں اس کے چچا کے بیٹے نے اسکو قتل کر دیا جو یزید الناقص کے نام سے خلیفہ ہوا۔

یزید الناقص ولید کو قتل کرکے یزید الناقص خلیفہ بنا چھ مہینہ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا اور یہ آل محمدؐ پر زیادہ مظالم نہ توڑ سکا۔ شاید اسی وجہ سے اس کا نام یزید الناقص رہا۔

ابراہیم بن ولید اور مروان الحمار اس کے بعد ابراہیم بن ولید خلیفہ ہوا مگر اسکی ولیعہدی کی بابتہ نزاع کرکے ۱۲۷ھ میں اس سے خلع کروایا گیا۔ مروان الحمار نے جو پہلے سے کچھ حصۂ ملک پر قابض تھا حملہ کرکے اس کو شکست دی۔ بالآخر بنی امیہ نے ۱۳۲ھ میں اسے قتل کر ڈالا۔ ابراہیم کو شکست دینے کے بعد بنو امیہ کا آخری خلیفہ مروان الحمار تخت پر بیٹھا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یزید الناقص کی لاش کو قبر سے نکلوا کر سولی پر چڑھا دیا۔ بالآخر جنگ میں بنو عباس میں سے ایک شخص سفاح نے اسکو قتل کر ڈالا۔

خلفائے بنو عباس کا مختصر ذکر ابراہیم بن ولید کو قتل کرکے سفاح عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس خلیفہ بنا جو بنو عباس کا پہلا خلیفہ تھا۔ یہ خون ریزی میں بہت عجلت کرتا تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو اپنے کو ہم اہل بیت رسول بیان کیا اور محل مودت و محبت ہونیکو بھی یاد دلایا اور لوگوں کو اپنی اطاعت کے لئے اس حیلہ تو جہ دلائی ۱۳۶ھ میں سفاح کا انتقال ہوا۔

منصور دوانقی ۱۳۷ھ میں المنصور ابو جعفر عبداللہ خلیفہ ہوا۔ یہ سفاح کے بیٹے محمدؐ کا بیٹا ایک بربریہ کنیز سلام نامی کے بطن سے تھا۔ سینکڑوں کو قتل کرکے اپنا تسلط جمایا۔ سب سے پہلے اس نے ابو مسلم خراسانی کو قتل کرایا جس نے لوگوں کو بنو عباس کی بیعت پر مائل کرکے خود منصور کی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ مال جمع کرنے کا بڑا شایق تھا۔ حرص و بخل اس کا مشہور ہے۔ ۱۴۵ھ میں منصور نے بہت سے سیّدوں کو قتل کرایا اور بہت سے علماء کو سخت اذیت دی۔ قاضی کا کام کرنے سے انکار پر اس نے ابو حنیفہ کو دُرے لگوائے اور قید کردیا اور قید ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ بعض کا قول ہے کہ ابو حنیفہ نے اس پر خروج کا فتویٰ دیا تھا اس لئے ان کو زہر دلوا دیا۔

صوفی لکھتے ہیں کہ منصور اہل بیت اطہار کے متعلق حسب ذیل حدیثیں روایت کرتا تھا۔

(۱) رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اسمیں سوار ہوا وہ بچ گیا اور جو رہ گیا وہ ہلاک ہوگیا (۲) رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمام سبب و نسبت قیامت کے روز قطع ہو جائیں گے سوائے میرے سبب و نسب کے۔

عبرت کا مقام ہے کہ ان حدیثوں کو خود روایت کرتے باوجود آل رسول سے یہ ہمیشہ منحرف رہا۔ اور رسول اللہ کے چچا عباس کی نسل ہونے کی وجہ سے خود اپنے آپ کو ان حدیثوں کا مصداق سمجھتا رہا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے محمد بن سلیمان کے ذریعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو زہر سے شہید کروا دیا۔ (تذکرۃ الخواص الامہ ابن صباغ المالکی)

مہدی و ہادی عباسی

۱۵۸ھ میں منصور کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا۔ اس کو کبوتر بازی اور شکار کا بہت شوق تھا ۱۱ سال اسکی خلافت رہی ۱۶۹ھ میں اس نے انتقال کیا اور اپنی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں میں سے ہادی کو اپنا اور دوسرے بیٹے ہارون رشید کو ہادی کا ولیعہد کا مقرر کیا۔ مہدی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہادی خلیفہ ہوا۔ جو ایک بربریہ کنیز خیرزان کے بطن سے تھا سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ شراب پیتا تھا اور لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ بڑا ظالم تھا اس کے جلوس میں سپاہی ننگی تلواریں اور چلوں میں تیر کھینچے ہوئے چلتے تھے۔ اس کی تقلید میں عمال و حکام نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو ولیعہدی سے معزول کرکے خود اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا تو خود اسکی ماں خیرزان ام ولد بربریہ نے ۱۷۰ھ میں اسے قتل کرا دیا۔ اسکی خلافت ایک سال چند ماہ رہی۔

ہارون الرشید

ہادی کے قتل کئے جاتے پر اس کا بھائی ابو جعفر ہارون الرشید ۱۷۰ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اسکی ماں بربریہ کنیز خیرزاں تھی یہ انتہائی لہو و لعب کا دلدادہ تھا اور ظاہری شان و شوکت پر پانی کی طرح روپیہ بہاتا تھا آل رسولؐ کے زہد و تقویٰ اور ذاتی بزرگی کو دیکھ کر سچے مسلمانوں کے دل ان کی طرف مائل ہوتے تھے۔ باوجود اپنی وسیع حکومت کے ہارون کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور اس نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کر دیا اور تمام عمر قید رکھا پھر بحالت قید ہی آپ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔ کمال تو یہ ہے کہ منہ سے آل رسول کی بزرگی کے اعتراف کا دعویٰ کرتا تھا۔ حالانکہ لوگ واقف تھے کہ یہ حضرت علیؑ سے دل میں بغض رکھتا تھا چنانچہ صولی نے لکھا ہے کہ اسحاق ہاشمی کہتے ہیں کہ ہم ہارون رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ مجھے حضرت علیؑ سے بغض ہے حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میرے نزدیک حضرت علیؑ سے بڑھکر کوئی شخص محبوب نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے صاحبزادگاں میرے اعتقاد کی رو سے سردار قوم اور سابق الی الفضل ہیں۔ میں نے اپنے والد خلیفہ مہدی سے یہ حدیث بروایت عبداللہ بن عباس سنی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے ان دونوں (امام حسنؑ و حسینؑ) سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا نیز حضرت فاطمہؑ کے سیدۃ النساء العالمین ہونے کی حدیث کا بھی ذکر کیا۔ بہر حال قول اس کا یہ تھا اور عمل وہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسکو اپنی حکومتِ ظاہری شان و شوکت اور اپنے قدح کی خیر منانے سے کام تھا اور لہو و لعب اس کا مشغلہ تھا۔ اس کا وزیر جعفر برمکی امور سلطنت چلاتا تھا۔ سلفی نے طیورات میں لکھا ہے کہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب ہارون خلیفہ ہوا تو اس کا دل اپنے باپ مہدی کی ایک کنیزک پر آ گیا۔ اور اس کو طلب کیا۔ لیکن اس نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ میں تمہارے والد کی ہمخوابہ رہ چکی ہوں۔ اس لئے تم مجھ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ہارون الرشید نے فوراً قاضی ابو یوسف کو بلایا اور چارہ کار پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ امیر المومنین یہ فرض کر لینا کہ تمام کنیزکیں سچ بولا کرتی ہیں۔ صحیح نہیں۔

ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولتی ہو آپ اسکو سچا نہ مانئے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کہ اس واقعہ میں کن کن باتوں پر تعجب کروں آیا اس بادشاہ پر جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کے جان و مال دیدیئے گئے ہیں اور وہ باپ کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتا یا اس کنیزک پر جس نے بادشاہ تک سے کنارہ کیا یا اس فقیہ زمانہ قاضی ممالک اسلامی پر جس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اپنے باپ کی ہمخوابہ سے قضائے شہوت کر اور گناہ میری گردن پر رکھ۔

عبداللہ بن یوسف کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک کنیزک خریدی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ قبل از استبرا اسے اپنے تصرف میں لاؤں اگر کوئی حیلہ ہو تو بتایئے۔ قاضی ابو یوسف نے کہا اسکو اپنے کسی بیٹے کو ہبہ کر دیجئے اور پھر اس سے نکاح کر لیجئے۔

اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے رات کو قاضی ابو یوسف کو بلا کر کوئی مسئلہ پوچھا اور ان کو ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ درہم مجھے صبح سے پہلے مل جانے چاہئیں۔ چنانچہ ہارون نے حکم دیا کہ فوراً ادا کر دیئے جائیں۔ لیکن ایک شخص نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر ہے اور خزانہ کا دروازہ بند ہے قاضی ابو یوسف نے کہا دروازے تو اسوقت بھی بند تھے جب میں بلایا گیا تھا۔ یہ سنکر فوراً خزانہ کا دروازہ کھلوا دیا گیا۔ اس کا ایک بیٹا امین زبیدہ کے بطن سے اور مامون ایک کنیز مراجل نامی سے اور معتصم ایک کنیز مارده نامی کے بطن سے تھا۔ ہارون نے اپنی بیوی امۃ العزیز زبیدہ کی خاطر امین کو ۵ سال کی عمر میں اپنا ولیعہد اور دوسرے بیٹے مامون کو امین کا ولیعہد قرار دیا اور اپنے ایک خورد سال بیٹے قاسم کو مؤتمن کا لقب دیکر ان دونوں کے بعد ولیعہد مقرر کیا ۱۹۳ھ میں ۴۵ سال کی عمر میں ہارون کا انتقال ہوا۔

امین عباسی ہارون کے انتقال پر امین تخت خلافت پر بیٹھا سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ نہایت فضول خرچ خفیف الرائے اور احمق تھا اور کسی طرح خلافت کے قابل نہ تھا۔ تخت نشین ہونے کے دوسرے دن قصر منصور کے قریب عمارتوں کو منہدم کر کے چوگان کھیلنے کا میدان بنانے کا حکم دیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ جب امین بادشاہ ہوا تو اس نے مخنثوں کو بڑی بڑی قیمت میں خریدا اور ان سے خلوت کی اور اپنی بیویوں اور کنیزوں کو چھوڑ دیا۔ اطراف سے کھیلنے کودنے والوں کو طلب کر کے بڑی تنخواہوں پر مامور کیا اور بکثرت درندے اور چڑیاں اور چوپائے اس نے پال رکھے تھے خود اپنے گھر والوں اور امراء سے پردہ کرتا تھا اور ان کو ذلیل کر ڈالتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے حکم کے خلاف مامون کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے شیر خوار بیٹے موسیٰ کو ولیعہد قرار دیا اور اس کے لئے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی یا مامون کو لکھا کہ تمکو میں نے اپنے بیٹے موسیٰ کا ولیعہد قرار دیا ہے۔ مامون نے اسکو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ امین و مامون میں

جنگ کی صورت میں نکلا ۱۹۸ھ میں مامون کے عاملوں نے امین کا سر کاٹ کر ایک باغ کی دیوار پر لٹکا دیا۔ جب امین کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

مامون الرشید امین کے قتل ہونے کے بعد مامون کی خلافت سب نے تسلیم کرلی جو پہلے ہی سے ملک کے بہت سارے حصے پر قابض تھا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ مامون تمام خاندانِ بنو عباس میں از روئے حزم و عزم علم و حلم رائے و ذکاء ہیبت و شجاعت سرداری و جوانمردی سب سے بڑھا ہوا تھا۔ خاندان بنو عباس میں اس سے بڑھکر کوئی عالم تخت خلافت پر نہیں بیٹھا۔ نہایت فصیح و بلیغ گو شخص تھا۔ بعض رمضانوں میں ۳۳ مرتبہ قرآن شریف ختم کیا اور حافظ قرآن تھا۔ اس نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا تھا اور ۲۰۱ھ میں بوجہ تشیع اپنے بھائی موتمن کو ولیعہدی سے معزول کرکے امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد مقرر کیا اور سکوں پر ان کا نام مسکوک کرا دیا اور اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا اور تمام ممالک محروسہ میں اسکی اطلاع کرا دی۔ عام دنوں میں سیاہ کپڑے پہننے کی ممانعت کردی اور سبز کپڑے پہننے کا حکم دیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص معاویہ کا ذکر بہ خیر کرے ہم اسکی حفاظت سے دست بردار ہیں کیونکہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا بھر کے لوگوں میں حضرت علی علیہ السلام حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ سب سے افضل ہیں۔ مامون نے خلافتِ رسول حضرت علی رضا علیہ السلام کا حق قرار دیکر خود خلع خلافت کا اور امام رضا علیہ السلام کو سونپ دینے کا قصد کر لیا۔ اس کے ان خیالات کی وجہ سے لوگوں کو اس سے نفرت ہونے لگی۔

صولی کہتے ہیں کہ مامون کے گھر والوں نے کہا کہ امر خلافت آپ حضرت علی کی اولاد کو سپرد کر دینا چاہتے ہیں حالانکہ خلافت آپ کے خاندان میں ہے۔ ہماری رائے ہے ان کے سپرد نہ کیجئے ورنہ یاد رکھئے ان کے نیک لوگوں پر بھی آپ کا قابو نہ رہے گا۔ یہاں سے مامون کے خیال نے پلٹا کھایا اور ہوسِ حکومت و دنیا اس پر غالب آئی اور چونکہ حضرت رضا علیہ السلام کو یہ اپنا ولیعہد بنا چکا تھا اور سکوں پر بھی آپ کا نام مسکوک کرا دیا تھا اب کسی طرح ان کو راستہ سے ہٹانے کا خیال اس کو پیدا ہو گیا۔ چنانچہ تمام کتب شیعہ اور بہت سی کتب اہلسنت میں یہ تفصیل درج ہے کہ ۲۰۳ھ میں اس نے انگوروں میں ملا کر آپ کو زہر دیدیا۔ مامون نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اس نے خود خواہش کر کے اپنی ایک بیٹی ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے نکاح میں دیا۔ علامہ سبط ابن الجوزی تذکرہ الخواص الامہ میں لکھتے ہیں اپنی بیٹی ہی کے ذریعہ حضرت امام کو زہر سے شہید کروا دیا جبکہ آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔

معتصم مامون کے مرنے کے بعد ۲۱۸ھ میں اس کا بھائی معتصم بن ہارون رشید خلیفہ ہوا۔ اسکی ماں مارده نامی ایک کوفی کنیز تھی۔ یہ ان پڑھ تھا جسکو سزا دینا ہوتا دو انگلیوں سے پہنچے کی ہڈی دبا کر توڑ دیتا تھا۔ اس کے دس ہزار ترکی غلام تھے جو زریں طوق گلہ میں ڈالے شہر میں گھوما کرتے تھے اور لوگوں کو

سخت اذیت پہنچاتے تھے ۲۲۰ھ میں اس نے امام احمد بن حنبل کو قتل کروادیا یہ آل محمد اور شیعوں کا سخت دشمن تھا۔ آنرایبل سید امیر علی اسپرٹ آف اسلام میں لکھتے ہیں۔

"معتصم کے زمانہ میں سادات اور شیعوں کا بُری طرح استیصال کیا گیا۔ جس کا اسلامی تمدن پر بہت برا اثر پڑا متعصب ملاؤں اور ان کے حاشیہ نشین لوگوں کے اغوا اور مشورہ سے معتصم نے جملہ سادات اور شیعان علی کے قتل عام کا حکم نافذ کردیا۔ عام اجازت دیدی کہ شیعوں کا مال لوٹ لیں اور ان کے گھر مسمار کردیں ان کے کھیت اور باغ تاراج کردیں اور ان کے عورت مرد کو کنیز و غلام بنالیں۔

واثق ۲۲۷ھ میں معتصم کے مرنے پر اس کا بیٹا واثق باللہ جو ایک رومیہ کنیز قراطیس کے بطن سے تھا خلیفہ ہوا۔ یہ شرابی تھا اور صبح ہی شراب پینا شروع کرتا تھا اور غلاموں کو بہت چاہتا تھا اپنے ایک مصری غلام پر عاشق تھا۔ اس کے متعلق واثق نے اشعار کہے تھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔

مجھے میرے جان و دل کا مالک ہے جس کے خال و خط و سیاہی چشم نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے اور اس کا نازک قد بے مثال ہے۔ اور وہ نہایت نازنین و صاحب کرشمہ ہے اگر وہ ذرا بھی ابروئے خمدار کے اشارے سے دیکھے تو کسی کا دل قابو میں نہیں رہ سکتا۔ یہ شاعر بھی تھا اور شراب اور معشوق کی تعریف میں شعر کہا کرتا تھا۔ اس کے کھانے کے برتن سب سونے کے تھے۔ خوان بھی سونے کے تھے جو چار ٹکڑوں سے بنائے گئے تھے جس میں سے ہر ایک ٹکڑے کو بیس آدمی اٹھایا کرتے تھے۔ یہ موسیقی کا بھی بڑا دلدادہ تھا اور عود بجانے میں سب سے بڑا استاد مانا جاتا تھا اور کئی دھنیں اس نے ایجاد کی تھیں بہرحال اسی لہو و لعب میں اسکی بسر ہوتی رہی ۲۳۲ھ میں اسکا انتقال ہوا۔

متوکل عباسی واثق کے مرنے کے بعد معتصم کا دوسرا بیٹا متوکل خلیفہ ہوا جو ایک کنیز شجاع نامی کے بطن سے تھا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا خیال احیائے سنت کی طرف ظاہر کیا جس سے تمام لوگ اس کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ خلفاء دراصل تین ہوئے ہیں ایک حضرت ابوبکر دوسرے بنو اُمیہ سے عمر بن عبدالعزیز اور تیسرے بنو عباس سے متوکل۔ متوکل کی یہ تعریف اُمت رسول کی طرف سے اس بات کا صلہ تھی کہ اس نے احیائے سنت کے نام سے آل رسول پر مظالم ڈھانا شروع کردیئے تھے۔ باغ فدک جو عمر بن عبدالعزیز نے آل رسول کے قبضہ میں دیا تھا متوکل نے چھین کر اپنے حمام کی جاگیر میں دے دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت سے لوگوں کو منع کیا اور مزار حسین اور اس کے گردو پیش کے محبان اہل بیت کے مکانات کو ویران و تاراج کرکے مزرعہ بنا دینے کا حکم دیا اور نہر کا پانی کاٹ کر ادھر چھوڑ وادیا۔ گو کہ بروئے روایات قدرت کا حکم یہ تھا کہ کوئی زراعتی وحیانور قبر حسین کی طرف پاؤں

نہ دکھ سکا اور نہر کا پانی دوسری طرف سے کاٹ کر نکل گیا باوجود جسمانی اذیتوں لوٹ مار اور قتل کے زائرین حسینؑ برابر آتے رہے کہتے ہیں کہ متوکل جتنی جتنی شدت و سختی کرتا جاتا تھا اتنا ہی زیادہ کربلائے معلیٰ کی سرزمین پر معجزے ظاہر ہوتے جاتے تھے اور شہیدان راہ خدا کے تصرف روحانی کی دھوم مچ گئی اور اس کے مقابلے میں شاہی عزم و اقتدار ہیچ ہو کر رہ گیا۔

سیوطی لکھتے ہیں قبر حسینؑ کی بے حرمتی کے بعد سارے ملک میں زلزلے آئے اور آسمان سے پتھر برسے اور قہر الٰہی کے بے حساب آثار نمودار ہوئے جن کا ذکر اس کتاب کے ایک اور حصے میں کیا گیا ہے۔

ایک دن متوکل نے اپنے بیٹوں کے استاد امام عربیہ یعقوب بن سکیت سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں میرے بیٹے معتز و موئید اچھے ہیں یا حسنؑ و حسینؑ یعقوب نے کہا تیرے بیٹوں سے تو حضرت علیؑ کا غلام قنبر لاکھ درجہ اچھا ہے۔ متوکل نے اپنے ترکی غلاموں کو حکم دیا کہ یعقوب بن سکیت کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے اور ان کو لٹا کر پیٹ پر کود کود کر ان کو مار دیا جائے۔

جلاء العیون میں ہے کہ متوکل اپنے دربار میں حضرت علی علیہ السلام کا مضحکہ خیز ڈرامہ کروایا کرتا تھا۔ ایک دن اپنے بیٹے منتصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو بھی ناسزا کلمات کہے۔ منتصر جس کے مزاج میں کچھ نیکی تھی اس وقت تو زہر کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا مگر نام بتائے بغیر علما سے استفتاء کیا کہ ایسے آدمی کی کیا سزا ہے جو جناب فاطمہ زہرا کو ناسزا کلمات کہے۔ سب نے کہا قتل کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے۔ اسی دن سے منتصر باپ کے　　قتل کی فکر میں لگ گیا۔ متوکل خود اپنے بیٹے منتصر و لیعہد کی برسر دربار تذلیل کیا کرتا تھا اور مصاحبوں سے اسکو چپت لگوا تا تھا۔ متوکل بالطبع ظالم و جابر اور لذات شراب کا دلدادہ تھا۔ اسکی چار ہزار کنیزیں تھیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ کبھی بحالت نشہ بچھوؤں سے بھرا ہوا گھڑا محفل میں الٹوا دیتا۔ کبھی اپنے کسی مصاحب کو سانپ کٹوا کر زہر مہرہ کے علاج کا تجربہ کرتا تھا۔ کبھی پنجرہ کا دروازہ کھلوا کر بھوکے شیر کو مصاحبوں کے بیچ میں چھوڑ دیتا تھا اس نے مختلف جنگلی جانور شیر چیتے بھیڑیئے پال رکھے تھے اس جگہ کا نام برکۃ السباع (جانوروں کا گھر) رکھا تھا۔ جب دل چاہتا ان درندوں کے بیچ میں کسی آدمی کو ڈال کر اس کی موت کا تماشا دیکھتا تھا۔ شراب و کباب رقص و سرود روزانہ کا معمول تھا۔ ایک دن آدھی رات کو جب متوکل اپنی عادتی مجلس لہو و لعب میں بیٹھا تھا اس کے بیٹے منتصر نے آکر معہ اس کے وزیر فتح بن خاقان کے قتل کر دیا۔ ہو یہ واقعہ ۲۴۷ھ کا ہے یہ وہ خلیفہ صاحب ہیں جن کو مسلمانوں نے محی السنۃ کا خطاب دیا تھا اور کہتے تھے کہ رسول اللہ کے حقیقی خلفاء میں سے متوکل ایک تھا۔

بہرحال اجر رسالت ان طریقوں سے ادا ہوتا رہا۔

منتصر باللہ متوکل کے قتل کے بعد جب منتصر باللہ خلیفہ ہوا تھا تو اس نے باپ کے زمانہ کے آثار قہر الٰہی کو

دیکھکر قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اجازت دیدی اور آل ابوطالب کے دل پر جو خوف چھایا ہوا تھا اسکو دور کرنے کی کوشش کی اور اولاد امام حسینؑ کو فدک واپس کر دیا اور علویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ شروع کیا۔ آل رسول پر اسکی توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہی مہینہ خلافت کرنے نہ پایا تھا کہ بروایتے زہر آلود نشتر سے اسکی فصد کھولکر اور بروایتے امرود میں زہر دیکر ۲۶ برس کی عمر میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

مستعین معتز اور مہتدی منتصر کے بعد متوکل کی قماش کے دو تین خلیفہ مستعین معتز اور مہتدی اور گزرے جن میں سے ہر ایک آل رسول کا دشمن تھا۔ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ متوکل کے بیٹے خلیفہ معتز نے ۲۵۴ھ میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر سے شہید کروا دیا۔ معتز کے بعد واثق بن معتصم کا بیٹا مہتدی خلیفہ ہوا۔ اس نے اپنے وزیر جعفر بن محمود کو محض اسوجہ سے علحدہ کر دیا کہ اس کی نسبت معلوم ہوا تھا کہ شیعہ ہے۔

معتمد ۲۵۶ھ میں معتمد علی اللہ ابو العباس خلیفہ ہوا۔ اس کے زمانے میں زنگیوں نے شورش کی جن کے سردار کا نام بہبود تھا۔ اس کے لشکر میں علویہ عورتیں دو یا تین درہم کو فروخت ہوا کرتی تھیں چنانچہ ہر ایک زنگی دس دس علویہ عورتوں کو اپنی کنیزک بنا رکھا تھا۔ جن سے خدمت کا کام لیا جاتا تھا۔ معتمد سخت دشمن آل رسول تھا۔ ۲۶۰ھ میں اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔

معتضد ۲۷۹ھ میں المعتضد باللہ کا دور آیا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ عقیل اور احکام الٰہی کی تعمیل میں سخت گیر اور بہادر شخص تھا۔ شیر پر تنہا حملہ کرتا تھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ معتضد نے ارادہ کیا کہ امیر معاویہ پر برسر منبر لعنت کی جائے۔ عبداللہ اس کے وزیر نے بہت کچھ منع کیا کہ اس فعل سے لوگوں میں شورش ہو جائیگی۔ مگر معتضد نے نہ سنا اور احکام جاری کر دیئے جس میں حضرت علیؑ کے بڑے بڑے مناقب درج تھے اور معاویہ کے سخت معائب۔ قاضی یوسف نے کہا کہ اس سے سخت شورش پیدا ہو جائے گی اور فتنے اٹھیں گے معتضد نے کہا اس کا علاج تلوار ہے۔ قاضی یوسف نے کہا کہ علویوں کا کیا علاج کیجئے گا۔ جو تمام اطراف و اکناف ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنے مناقب سنیں گے اور اپنے حق کو یاد کریں گے تو آپ کے خلاف ہتھیار اٹھائینگے۔ اور لوگ فضائل اہل بیت پر خیال کر ان کا ساتھ دیں گے یہ سنکر معتضد اپنے ارادہ سے باز آیا۔

ناظرین کو ان پورے خلفاء کی ہسٹری میں دیکھنے میں آئے گا کہ جب کبھی کسی عالم و عاقل خلیفہ کو حقوق اہل بیت کا خیال آکر اس نے کچھ نیکی کرنی چاہی یا فضیلت حضرت علی علیہ السلام کا اعلان کرنا چاہا تو ایک طرف تو رعایا اسکی مخالف ہوتی اور دوسری طرف جب اس کے مشیر کہا کرتے کہ خود اسکی حکومت خطرہ میں پڑ جائے گی تو ہوس دنیا پھر اس کا پیچھا نہ چھوڑتی اور گھوم پھر کر اس کو اپنے تخت سے چمٹا رہنا ہی بہتر معلوم ہوتا اور آل رسول سے کوئی نیکی کا خیال کرتا بھی تو اس کی تکمیل نہ ہونے پاتی کبھی رعایا حائل

آجاتی اور کبھی نفس درمیان میں آجاتا

۲۸۹ھ میں معتضد اس طرح مرا کہ ایک طبیب اس کی نبض دیکھ رہا تھا معتضد نے جھنجھلا کر اسکو ایک لات ماری۔ ادھر طبیب گرتے ہی مر گیا ادھر معتضد کی جان نکل گئی۔

مکتفی مقتدر اور قاہر

معتضد کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے مکتفی، مقتدر اور قاہر یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے یہ تینوں علٰحدہ علٰحدہ کنیزوں کے بطن سے تھے۔

مکتفی ۲۸۹ھ میں خلیفہ ہوا پھر ۲۹۵ھ میں المقتدر باللہ کا دور آیا۔ اسی کے زمانہ میں ۳۰۱ھ میں منصور حلاج اونٹ پر سوار ہوکر بغداد میں آئے اور ان کے انا الحق کہنے کا چرچہ ہوا۔ پہلا تو وہ قید کر دیئے گئے اور جب انا الحق کہنے سے باز نہ آئے تو ۳۰۹ھ میں قاضی ابو عمر اور دیگر قاضیوں کے فتوئی سے مجمع کو حاضر رہنے کا حکم دیکر سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ مقتدر کے زمانہ میں تمام حکومت حرم شاہی کے ہاتھ میں آگئی اور ہر جمعہ کو مقتدر کی ماں اجلاس کرتی اور فرامین جاری کرتی تھی۔ مقتدر لہو لعب میں معروف رہتا۔ ۳۲۰ھ میں مقتدر لڑائی میں مارا گیا اس کے بعد القاہر باللہ ابو منصور خلیفہ ہوا۔ اس نے گانیوالی کنیزوں کو رکھنے سے منع کر دیا گویوں کو گرفتار کر لیا۔ مخنثوں کو شہر بدر کرایا۔ آلات لہو لعب کو تڑوا دیا۔ گانے والی چھوکریوں کو بیچ ڈالنے کا حکم دیا۔ شراب کی فروخت کو ناجائز قرار دیا۔ باوجود ان سب باتوں کے خود اسقدر شراب پیتا کہ نشہ اترنے نہ دیتا تھا اور گانا سننے سے کبھی بس نہ کرتا تھا۔

مستکفی

قاہر کے بعد راضی اور متقی دو خلیفہ اور ہوئے پھر ۳۳۳ھ میں المستکفی باللہ کا دور آیا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ شیعہ ہو گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی خلافت کے دوسرے ہی سال ۳۳۴ھ میں اسکی آنکھیں نکال دی گئی اور معزول کرکے قید کر دیا گیا اور ۲۱ برسکی عمر میں ۳۳۸ھ میں جیل خانہ ہی میں مر گیا۔

المطیع

۳۳۴ھ میں المطیع اللہ خلیفہ ہوا۔ معز الدولہ اس کا وزیر تھا جو اہل بیت اطہار کا عقیدت مند تھا ۳۵۱ھ میں شیعوں نے مساجد بغداد کے دروازوں پر لکھ دیا معاویہ پر لعنت ہو جس نے فاطمہ کا حق باغ فدک نہ دیکر غصب کیا اس پر لعنت ہو جس نے امام حسنؑ کو ان کے نانا رسول اللہ کے پاس نہ دفن ہونے دیا اس پر لعنت ہو جس نے ابوذر کو نکال دیا۔ یہ لکھا ہوا رات میں مٹا دیا گیا۔ پھر بجائے اس کے معز الدولہ کے حکم سے اور وزیر مہلبی کے اشارے سے معاویہ پر صاف صاف لعنت کا اندراج کیا گیا اور یہ لکھا گیا کہ اہل بیت پر جن لوگوں نے ظلم کیا خدا ان پر لعنت کرے۔ یہ لکھکر مساجد کے دروازوں پر لگوا دیا گیا۔ ۳۵۲ھ میں عاشورا کے دن معز الدولہ نے بازار بند کرا دیئے اور نان بائیوں اور باورچیوں کو کھانا پکانے سے روک دیا برقعہ پوش عورتیں عزاداری میں سر کے بال کھولے ہوئے اور اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی شوارع عام پر نکلیں اور ہر جگہ حسین کا ماتم کیا گیا۔ اس سال ۳۵۲ھ ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور باجے بجائے گئے۔

۳۵۷ھ میں بنو عبید مصر پر قابض ہو گئے اور اقلیم مغرب و مصر و عراق میں شیعوں کی چھوٹی سی سلطنت قائم ہوئی۔

طالع وغیرہ

۳۶۳ھ میں الطالع ابوبکر کا دور آیا یہ ہمیشہ آل ابو طالب سے منحرف رہا اسکی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی تھی اس کے بعد آٹھ خلیفہ قادر باللہ، قائم، معتدی، مستظہر، مسترشد، راشد، مقتفی، مستنجد اور گزرے جو سب ایک ہی قماش کے اور مخالف اہلبیت تھے پھر ۵۶۶ھ میں المستضیٔ باللہ تخت پر بیٹھا شیعوں پر انتہائی مظالم کئے وہبی کہتے ہیں کہ اس کے زمانہ میں ۵۶۷ھ میں شیعوں کی طاقت بغداد میں بالکل ٹوٹ گئی۔

ناصر لدین اللہ و دیگر آخری خلفار بنو عباس

۵۷۵ھ میں مستضیٔ کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا الناصر لدین اللہ احمد خلیفہ ہوا مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شیعہ ہو گیا تھا یہ ۴۷ سال خلیفہ رہا ذہبی کہتے ہیں کہ یہ مدت العمر عزت وجلالت کی حالت میں رہا۔ تمام دشمنوں کو تباہ کر دیا بادشاہوں پر غلبہ حاصل کیا کسی پر ظلم نہیں کیا۔ جس نے سرکشی کی اسکی سرکوبی کی اور مخالف کو تہس نہس کیا اور جس نے اس سے مخالفت کرنے کا ارادہ کیا خدا نے اسے ذلیل کیا۔ عجیب اقبال مند شخص تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اسے علم غیب حاصل ہے اور عام خیال تھا کہ جن اس کے تابع ہیں۔ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ خوش خلق اور خوبصورت بڑی آنکھ والا فصیح اللسان اور بلیغ البیان شخص تھا اس کے دستخط ایک قوت رکھتے تھے اور اس کی بات اثر رکھتی تھی پہاڑ بھی اسکی ہیبت سے کانپتے تھے۔ ابن واصل کہتے ہیں کہ ناصر نہایت شجاع صاحب فکر صائب اور عقل رسا رکھتا تھا۔ الموفق عبداللطیف کہتے ہیں کہ اس کو تحصیل علم حدیث کا شوق تھا دور دور سے محدثین کو بلایا ان سے حدیث پڑھی سنی اور اجازت حاصل کی اور پھر خود بہت سے بادشاہوں اور علماء کو اپنی طرف سے اجازت روایت حدیث دی۔ خود ایک کتاب میں حدیثیں جمع کیں اس کد وکاوش وتحصیل علم کے بعد الناصر لدین اللہ احمد اپنے بزرگوں کے خلاف مذہب شیعہ اور امامیہ کی طرف مائل ہو گیا۔ ۶۰۸ھ اس نے حکم دیا کہ جو شخص مشہد امام موسیٰ کاظم میں پناہ لے اس سے باز پرس نہ کیجائے۔ رمضان ۶۲۲ھ میں الناصر لدین اللہ احمد کا انتقال ہوا۔

۷۰۹ھ میں بادشاہ تاتار خوبند نے اپنے حدود سلطنت میں مذہب شیعہ کی طرف لوگوں کو مائل کیا اور حکم دیا کہ خطبوں میں سوائے حضرت علی اور اہل بیت اطہار اور اولاد شریفین حضرت کے اور کسی کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس کے مرتے دم تک یہ حکم رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بادشاہ ہوا جو پابند مذہب سنت والجماعت تھا۔ اس نے اپنے باپ کے حکموں کو منسوخ کر دیا اور خطبوں میں صحابہ کے نام داخل کرا دیئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ۹۰۱ھ تک مزید سترہ خلفا کے نام دیئے ہیں جن کا ذکر محض موجب طوالت ہے۔

بہر حال خلفار کی یہ تاریخ بتاتی ہے کہ سالہا سال اور کئی کئی خلفار گزرنے کے بعد جب کوئی ایک آدھ خلیفہ اپنے علم وفضل وتحقیق کی بنا پر مذہب شیعہ اختیار کر لیتا تو یا تو زہر دیکر اس کو مار دیا جاتا یا آنکھیں

نکال دی جاتیں یا خود اسکو اپنی حکومت کی محرومی سے اس درجہ ڈرایا اور دُنیا کا لالچ دیا جاتا کہ وہ پھر کوئی قرار واقعی عملِ نیک آلِ رسولؐ کے ساتھ کرنے نہ پاتا۔ خلافت ظاہری کے یہ لیل و نہار رہے۔

باب سیزدہم

ائمہ اہلبیت علیہم السّلام اور بارہ خلفائے اہل سُنّت والجماعت کا تقابل

ائمہ اہلبیت علیہم السّلام اور بارہ خلفائے اہل سنّت والجماعت کا تقابل

حدیث خلفائے اثنا عشر کے اعتبار سے رسول اللہؐ کے بارہ خلیفہ ہونا لازمی اور مسلّمہ ہے۔ علمائے اہل سنّت جیساکہ پہلے ذکر ہوا خلفائے ثلاثہ کے علاوہ خلفائے بنو اُمیّہ و بنو عباس متذکرہ بابِ دوازدہم میں سے زدا سیدھا بایاں دیکھکر بہت سوں کو درمیان میں سے خارج کرکے اور کئی وقفے درمیان میں حائل کرکے بارہ خلفاء کو نامزد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسکے متعلق بھی ایک عالم کو کسی دوسرے عالم کی فہرست سے اتفاق نہیں ہے۔ جیساکہ پہلے ذکر کیا جاچکاہے بارہ خلفائے اہل سنّت میں بلا وقفہ شمار کیا جائے تو حضرت علی و امام حسنؑ کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبداللہ بن زبیر، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، اور عمر بن عبدالعزیز شامل ہیں۔ بعض علمائے اہل سنت بارھواں خلیفہ بہرصورت اہلبیتؑ میں سے حضرت مہدی آخرالزماں علیہ السلام ہونا درج کرتے ہیں۔ جو علماء وقفے درمیان میں لاکر کچھ سیدھا بایاں دیکھکر بارہ کی فہرست بناتے ہیں انمیں حضرت علی علیہ السلام و امام حسنؑ اور بارھویں امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، امیر معاویہؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ و عمر بن عبدالعزیز، مہتدی اور ظاہر کو شامل کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے گیارہ کی فہرست درج کی ہے اور یہ لکھاہے کہ ظاہر کے بعد بھی ابھی دو خلیفہ باقی ہیں جن میں سے ایک اہلبیتؑ رسولؐ سے مہدی آخرالزماں ہوں گے اور ایک درمیان میں ہوگا جو ان کے خیال میں ۹۰۰ھ یعنی حضرت رسولؐ کی وفات کے تقریباً نو سو سال بعد تک بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

خلفائے بنو اُمیہ اور بنو عباس کے متعلق جسٹس امیر علی اپنی کتاب "اسپرٹ آف اسلام" میں لکھتے ہیں:-

"They claimed to have the title of Ameerul Mominin by right of election-the election by their own mercen-

aries and pagan partisans (excepting Omer Bin Abdul Aziz) for the rest, they were unabashed pagans and revelled in the distragard of the rules and discipline of the religion they professed. The same fierce Jeelousy with which the Bani Omayya had pursued and persecuted the Bani-Fatima characterised the conduct of the Bani Abbas towards the descendents of Mohammed".

اس کے بعد ائمہ اہلبیت اطہار کے متعلق جسٹس امیر علی لکھتے ہیں :-

"The story of these Imams of the house of Mohammed is intensely pathetic. The acknowledged Imams and their desciples lived in holy retirement. The Isna Askarias alone, the followers of the saintly Imams who reprehended the use of force and who claimed and exercised only a spiritual dominion, maintained an attitude of complete withdrawl from the temporal interests".

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنی اُمیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ا پر تحریر فرماتے ہیں "ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ اگر (اتممت علیکم نعمتی) کی نعمت تکمیل دین کے بعد اگر (سب) مسلمانوں کو ملی ہوتی تو اُمت محمدی کی تاریخ اسقدر خونین نہیں بنتی جس کے سیلاب میں سربراہان دین خود بہہ گئے۔ وہی نگارچین، سرپرست اور وہ جنہیں دین کا اولی الامر کہا گیا تھا اور جو مثل انبیاء و مرسلین کے مامور من اللہ تھے اُمت کے منافقوں اور بے عقل مسلموں کے ہاتھوں قاتلوں اور باغیوں اور لٹیروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر حال میں ذبح کر دیئے گئے"۔ صفحہ ۲ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں اہل اسلام دراصل عقل کی آنکھوں سے دیکھو کہ محمد و آل محمد ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں۔ کردار میں۔ گفتار میں عمل میں، جود و سخا توکل الی اللہ میں تبلیغ رسالت میں، رسول اللہ کی ثابت قدمی پر نظر کرو اور دیکھو قوت برداشت کس حد تک پہونچی ہوئی نظر آتی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تیرہ سالہ مکی زندگی سے بالکل مشابہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کی وہ زندگی ہے جو وفات رسولؐ سے قتل عثمان تک گزری اسیطرح رسول اللہؐ کی صلح حدیبیہ کی شکل کے مثل حضرت حسنؑ کی وہ نسبت ہے جو آپ نے خلعٔ خلافت میں پیش کی۔ امام مظلوم کربلا کے انکار بیعت یزید رسول اللہ کا وہ

زمانہ یاد آتا ہے جسمیں آپ نے کہا تھا کہ اگر مشرکین و مخالفین عرب میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو میں مشرکین سے کسی مصالحت پر رضامند نہیں ہوں۔ بالکل وہی بات حسینؑ نے بھی کہ یزید کی بیعت نہیں کروں گا اور نہ ہی یہ میرے اختیار کی چیز ہے"۔ صـ۱۲ پر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "اموی جھنڈے کے نیچے اکثر مسلمین و منافقین بھی جمع ہو گئے اور لگے صالحین آلِ محمد کو بے دریغ ذبح کرنے۔ ان کی کوششوں کو ہمیشہ رائیگاں کرتے رہے پھر بھی آج تک دلوں میں ٹھنڈک نہیں پڑی چودہ صدی پوری ہونے کو ہے مگر وہی جوش و ولولہ ہے تحریر و تقریر و عملی حکمت سے جس طرح بھی بن پڑے استحصال آلِ محمدؐ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے یہی رات دن کی عبادت ہے"۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ "بھائی بھائی" میں بہت دبی زبان سے کہتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ اہلِ سنّت کے سیاسی طبقوں میں ائمہ اہلبیتؑ کے متعلق شکوک تھے جن کی بناء پر بعض ائمہ اہلبیتؑ کو دکھ بھی پہونچا تھا۔

جن خلفائے اہلِ سنّت میں سے بارہ نام انتخاب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان میں کے اکثر کا مختصر ذکر ہم نے باب دوازدہم میں کیا ہے۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ آیا بارہ ائمہ اہلبیتِ اطہار جن کی صفات کا ذکر اس کتاب کے دیگر حصہ میں کیا گیا ہے رسولؐ کے خلیفۂ برحق کی شرائط کی تکمیل کرتے ہیں یا علمائے اہلِ سنّت کا دیا ہوا کوئی ایک سلسلہ بھی (بجز ان تین ائمہ اہلبیتؑ حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام مہدی آخرالزماںؑ کے جن کو سنّی علماء نے اپنے سلسلوں میں بھی داخل کیا ہے) ان شرائط کی تکمیل کرتا ہے جہاں اہلِ سنّت بارہ خلفائے رسولؐ کا تعین تک نہ کر سکیں اور جس کو چاہیں داخل خارج کرتے جائیں تو گویا خلافتِ رسولؐ بھی جو در اصل خلافتِ الٰہیہ ہے ایک تماشہ ہوگئی اور دیتی ہیں یہ تذبذب اور کشمکش و پیچ اور داخل خارج کا سطح روا ہو سکتا۔ حضرت رسولؐ کی خلافت جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے دینی اعتبار رکھتی ہے چنانچہ حدیث ثقلین جن متفق علیہ متواتر روایات میں آئی ہے ان میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں "انی تارک فیکم خلیفتین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی"

یعنی میں تم میں دو خلیفے چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اہلبیتؑ۔ یعنی گمراہی سے بچنے کیلئے حضرت رسولؐ کے خلیفہ سے (جو کوئی بھی خلفائے برحق ہوں) متمسک رہنا حضرت رسولؐ کے حکم کی رُو سے لازمی ہے۔ پھر حضرت رسولؐ مرنے اپنے بارہ خلفائے برحق کے نام بھی از حضرت علیؑ تا بہ حضرت مہدی صاحب العصرؑ واضح طور پر فرما دیئے۔ اصولاً بھی یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ گمراہی سے بچنے کے لئے آپ اپنے اہلبیتؑ سے متمسک رہنے کا حکم دیں اور اپنے بارہ خلفاء سے آپکی مُراد بجز اہلبیت کے کوئی اور اشخاص ہوں یہ ایک منطقی تضاد ہوگا کہ تمسک ایک سے رکھنے کا حکم دے کر خلفاء دوسروں کو مقرر کیا جائے۔

باب اول میں ہم نے صفاتِ رسالت کا ذکر کرتے ہوئے خلافت رسولؐ کے لوازم کے سات عنوان قائم کئے تھے۔ اب اہلِ سنّت کے خلفاء پر غور کیا جائے جن میں سے زیادہ تر خلفائے ثلاثہ کی صفات پر دیا جاتا ہے تو ظاہر ہوگا کہ ان میں سے کسی میں بھی خلافت الٰہیہ کی کوئی ایک عشرِ عشیر صفت بھی پائی نہیں جاتی۔ یعنی

(۱) خلافت ثلاثہ میں کا کوئی منصوص من اللہ امام نہ تھا۔ ان کو خود بھی اس کا دعوی نہ تھا بلکہ مبینہ اجماع یا استخلاف یا شوریٰ سے ان کی ماموری عمل میں آئی تھی اور امامت کے متعلق ان کا تصور یہ تھا کہ کسی قوم یا قبیلہ کے بڑے لوگ یا سردار جو کوئی ہوتے ہیں پس وہی امام ہوتے ہیں۔

(۲) خلفائے ثلاثہ میں سے کسی کو علم لدنی حاصل نہ تھا بلکہ ان کا اکتسابی علم بھی ناقص تھا اور آیاتِ قرآنی کے معنی بتانے اور مسائل کا جواب دینے سے معذوری ظاہر کرتے تھے اور بار بار حضرت علی علیہ السلام سے استمداد کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

(۳) خالق اور خلق کے درمیان واسطہ ہونے کا منصب خلفائے ثلاثہ کو حاصل نہ تھا یہ اپنے کو صرف لوگوں کا مقرر کردہ امیر کہتے بھی تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم سے غلطی دیکھو تو ہم کو ہٹا دو۔

(۴) نہ تو بہ حکمِ خدا یا بہ حکمِ رسولؐ خلفائے ثلاثہ نفسِ مومنین سے اولیٰ تھے اور نہ ان کی محبت اُمت کے لئے فرض کی گئی نہ اجرِ رسالت قرار دی گئی۔ ان کا کردار بھی بلند نہ تھا بلکہ ان پر حضرت رسول خداؐ کی عدول حکمی بصورت تخلف جیش اسامہ و بحالتِ مرض موت وصیت نامہ لکھوانے سے روکدینے اور آپکے کلام کو ہذیان سے تعبیر کرنے اور آپکی رسالت پر شک کرنے اور آپ کو چھوڑ کر میدانِ جہاد سے کئی مرتبہ فرار ہونے اور غصب حق جناب علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ زہرا پر ظلم اور خیانت اور اپنی خلافت کی فکر میں حضرت رسولؐ کے دفن و کفن میں بھی شریک نہ ہونے وغیرہ کے بکثرت الزامات عاید ہیں جن کا تصفیہ صاحبانِ ایمان و انصاف مسلمہ شواہد کی روشنی میں خود کر سکتے ہیں۔

(۵) خلفائے ثلاثہ میں کوئی معصوم یا بری از خطا نہ تھا۔ انکو اپنی عصمت کا دعویٰ بھی نہ تھا۔ اور یہ کہتے تھے کہ ہمارے سر پر بھی شیطان مسلط ہے اور علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی خلفائے ثلاثہ سے خطاؤں کا سرزد ہونا مسلمہ ہے۔ قبل قبول اسلام تو خلفائے ثلاثہ شرک و بُت پرست تھے ہی اور شراب خوری بھی کیا کرتے تھے مگر بعد قبول اسلام بھی صحابہ کی شراب نوشی کتب اہلسنت سے ظاہر ہے۔ چنانچہ حافظ ابوبکر بیہقی سنن جلد ۸ صـ۲۹ پر اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد دہم صـ۳ پر نیز اصابہ میں اور بدرالدین حنفی ابن کثیر طبری سیوطی نے لکھا ہے اور بخاری مسلم اور احمد ابن حنبل نے بھی صحابہ کی شراب نوشی کے واقعات درج کئے ہیں اور بیہقی اور ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابوطلحہ زید بن سہیل نے اپنے مکان میں شراب نوشی کی ایک محفل منعقد کی اور اسمیں نو دس صحابہ کو دعوت دی۔ ان سب نے شراب پی۔ حضرت ابوبکر نے کفار و مشرکین کشتگان بدر کے لئے مرثیے کے چند شعر کہے۔ شریک ہونے والے صحابہ یہ تھے (۱) حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ (۲) حضرت عمر (۳) ابوعبیدہ بن الجراح (جن کے متعلق ابن اثیر شامی نے کتاب الہدایہ والنہایہ جلد پنجم صـ۲۲۶ پر لکھا ہے کہ یہ اہل مکہ کی قبریں کھودا کرتے تھے) (۴) ابی بن کعب (۵) سہیل بن بیضا (۶) ابودجانہ سماک بن خرشہ (۷) ابوبکر بن

مشغوب (۸) انس بن مالک جو اسوقت ۱۰ سال کے تھے اور ساقیٔ محفل تھے اور (۹) ابو طلحہ دعوت دینے والے۔

(۶) خلفائے ثلاثہ کی خلافت جن و انس اور کائنات پر حاوی نہ تھی انکو اس کا دعویٰ بھی نہ تھا۔ ان کا حکم حکومتِ ظاہری تک چلتا تھا اور پھر اسمیں بھی ان کے فیصلوں میں غلطیاں واقع ہوتی تھیں۔

(۷) خلفائے ثلاثہ میں سے کوئی بھی صاحب معجزہ یا کرامت نہ تھا حالانکہ دیگر بہت سارے اہل طریقت بزرگوں اور ولیوں تک کی متعدد کرامات زبان زد خاص و عام ہیں۔

سورۂ یونس کی آیت ۳۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدیٰ فما لکم کیف تحکمون

یعنی "آیا وہ شخص قابل پیروی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا وہ شخص جو خود ہی راہ نہیں دیکھ پاتا جب تک دوسرا اسکو راہ نہ دکھائے پس تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اور کیسا حکم تم لگاتے ہو" اہل انصاف اپنے ضمیر کی آواز سے اسکا جواب طلب کریں کہ آیا اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کی روشنی میں باب العلم حضرت علی علیہ السلام اور علم وہبی رکھنے والے دیگر ائمہ اہلبیت اطہار لائق پیروی ہیں یا خلفائے ثلاثہ جن کا علم ناقص تھا اور جنھوں نے بیشمار غلط فیصلے کئے اور جن کو ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام سے ہدایت حاصل کرنے کی احتیاج رہتی تھی۔ عالم کامل کو چھوڑ کر خود پوچھ پوچھ کر ہدایت لینے والوں کی پیروی کرنیوالوں کی عقل پر اللہ تعالیٰ اظہار تعجب فرماتا ہے کہ آخران کو کیا ہو گیا ہے اور یہ کیسا حکم لگاتے ہیں۔

شواہد قرآنی واحادیث بے شمار و نیز مندرجات صحف انبیاء سلف اور واقعات تاریخی کو دیکھنے سے جن کا مجمل ذکر ہم نے اس کتاب میں کیا ہے۔ یہ امر مسلم الثبوت اور اظہر من الشمس ہے کہ بارہ کے بارہ ائمہ اہلبیت میں وہ ساتوں صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور یہ ائمہ برحق خدا کی طرف سے مامور کئے ہوئے حامل لدنی وارثان علم الٰہی اور زیورِ عصمت سے آراستہ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور صاحبان معجزہ ہیں اور اور ان کی امامت جن و انس سب پر حاوی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی عملی زندگی اور ان کے بے مثل کارنامے ان کے مجسمہ خلق عظیم اور ہادیٔ برحق ہونے کے شاہد رہے ہیں۔ گو کہ حکومت ظاہری سے ان کا تعلق نہ رہا اور کبھی ایک وقفہ مختصر کے لئے تعلق آیا بھی تو ان کو اس درجہ دق اور تنگ کیا گیا اور ایسی ایسی مخالفتیں کی گئیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو جنگ جمل و صفین و نہروان وغیرہ میں اُلجھائے رکھا گیا اور آخر میں نوبت بحالت نماز آپکے شہید کئے جانے تک پہونچی تو امام حسن علیہ السلام کو چھ مہینہ کے اندر ہی اس شرط پر خلع خلافت کرنا پڑا کہ آپکے والد بزرگوار کو کم از کم ایسے موقع پر گالیاں نہ دی جائیں جب آپ سامنے موجود ہوں اور پھر زہر کے ذریعہ آپکو بھی قتل کیا گیا۔ سید الشہداءؑ پر کیا ظلم کیا گیا دُنیا جانتی ہے۔ بارھویں امام حضرت صاحب عصر علیہ السلام تو پردۂ غیبت میں ہیں بقیہ ائمہ طاہرین میں سے سب کے سب یا تو تلوار و خنجر سے یا زہر دغا سے

شہید کئے گئے اور اکثر اسیر کئے گئے کہ بعض کی ساری زندگی قید خانہ میں گزر گئی اور وہاں بھی زہر دیا گیا۔ باوجود ان آفات و تکالیف و مصائب کے یہ بزرگوار جس طرح بھی ممکن تھا برابر ہدایت خلق فرماتے رہے اور اس منصب عظیمہ کے فرائض کو پورا کرتے رہے جس پر رب العزت نے ان ذوات قدسیہ کو مامور فرمایا تھا۔ زندان میں اسیر کرنے یا شمشیر و خنجر سے قتل کرنے سے ان کی ہدایت کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ ان کی موت بھی ایک ہدایت جاوید ہو کر رہی۔

علامہ عمر ابو نصر اپنی کتاب "علیؑ و عائشہ" کے صـ۹۷ پر لکھتے ہیں "اس دوران میں (خلفائے ثلاثہ کے دور میں) حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام مدینہ میں علم و عرفان کے موتی بکھیر رہے تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں ہفتہ وار مجالس منعقد کرنی شروع کیں جن میں وہ فلسفہ منطق، حدیث، بلاغت اور فقہ کے دقیق مسائل پر تقاریر کیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ میں ایک علمی فضا پیدا ہو گئی اور تشنگانِ علم آپکے روح پرور ارشادات سے پیاس بجھانے لگے"۔

خلافت رسولؐ کے معاملہ کو امر منصوص من اللہ ہونے کے قطع نظر اپنی ذہنی تشفی کے لئے اس پہلو سے غور فرمائیے کہ ہمارے رسولؐ افضل الانبیاء ہیں، رحمت العٰلمین ہیں۔ آپکی بعثت ظاہری تو ۶۱۰ء میں ہوئی مگر کائنات اس سے ہزار ہا سال قبل خلق ہو چکی تھی اور صرف ایک دُنیا ہی نہیں عوالم کا ایک لامحدود نظام ہے اور پھر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عالم اور کائنات موجود ہے اور عالم اُخروی اس کے علاوہ ہے۔ اب غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آپکو صرف اپنی اُمّت کے لئے یا اپنے زمانہ کے لئے ہی رحمت نہیں فرماتا بلکہ ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن۔ یعنی آپ ازل سے تا ابد عالموں کے لئے ہر زمانہ میں رحمت ہیں۔ آپ محبوب خدا تھے۔ لولاک صاحب معراج شاہد و مبشر و نذیر و سراج منیر ہیں، رسولِ اکمل ہیں۔ اُنکی نبوت دیگر نبیوں کے لئے بھی ہے اور سب نبیوں کو تک ہمارے رسولؐ کی شفاعت درکار ہے۔ ہمارے رسولؐ کا درجہ دیگر نبیوں کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے دیگر نبیوں کا عامۃ الخلائق کے مقابلہ میں کتب اہلِ سنّت میں یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رسولؐ کی اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے ہم پلّہ ہونگے۔ یہ بحث جداگانہ ہے کہ علماء سے مراد کون ہیں بہرحال یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی نبی ہمارے رسولؐ کا ہم پلّہ یا مماثل ہونے کا نہ تو دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ حاکم و محکوم مقتدا و مقتدی کے فرق کو کسی طرح مٹایا جا سکتا ہے۔ سردار بہرصورت سردار ہے اور محکوم محکوم افضل افضل ہے اور مفضول مفضول ہی رہے گا۔ مثلاً اگر کسی چمن سے کوئی شجر نکالا جائے اور اس شجر کا قائم مقام ویسا ہی شجر دوبارہ لانا ہو تو یہ ضروری ہوگا کہ وہ شجر باعتبار اپنے خواص و رنگ و بو و خواص و نسل و شجرہ و ظاہر و معنی بالکل اصل شجر کا سا ہو اور ہر بات میں مشابہت تامہ رکھتا ہو۔ افعالِ ظاہری بھی ویسے ہی ہوں تو خواص معنوی بھی وہی ہوں کسی اور قسم کا یا ناقص درخت لگا دیا جائے تو جگہ تو کسی نہ کسی طرح بھر جائیگی مگر قائم مقامی و جانشینی کا حق

ادا نہ ہوگا۔ اب غور فرمایئے کہ رسولؐ خدا کے تشریف لیجانے کے بعد اگر انکی جانشینی کا سوال پیدا ہو تو کیا کوئی نبی یا رسول بھی آپکا ہمسر اور سچا اور پورا پورا جانشین ہونے کا دعویٰ دار ہو سکتا تھا۔ اگر ضمیر اور ایمان کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمارے رسول کا سچا جانشین کوئی نبی یا رسول بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کے مدارج کا فرق ظاہر اور مسلّم ہے جہاں کوئی نبی بھی جانشینی کا مستحق ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے تو پھر ماو شما جن کو عصمت کا دعویٰ ہو نہ اللہ کی طرف سے مامور ہونے کا ادعا ہو کس طرح رسولؐ کے جانشین برحق ہو سکتے ہیں جبکہ خلافتِ رسولؐ دراصل خلافتِ الٰہیہ ہے جیسا کہ پہلے بحث ہو چکی ہے۔

ہاں اگر کوئی حقیقی جانشین رسولؐ ہو سکتا ہے تو وہی جو تخلیق ہی کی منزل سے حضرت رسولؐ کے ساتھ ہو۔ تبلیغ کے دوران بھی شریکِ کارِ رسالت رہا ہو۔ اور بعد وفات رسولؐ بھی حسبِ حکم خداوندی یا ایھا النبی جاہد الکفار والمنافقین۔ منافقین سے موقع مناسب پر جہاد کر کے اس حکم خدا پر عمل کیا ہو اور کارِ رسالت کی تکمیل کی ہو (یہ امر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت رسولؐ نے صرف مشرکین و کفار سے جہاد فرمایا۔ منافقین سے آپ نے اپنے زمانہ میں جہاد نہیں فرمایا) وہ علیؑ ہی ہیں جنھوں نے حسبِ ارشاد رسولؐ کہ اے علی تم ناکثین، قاسطین اور مارقین سے میرے بعد جنگ کرو گے' متذکرہ صدر احکام خداوندی کی تعمیل جنگ جمل و صفین و نہروان میں جہاد کر کے کی جانشین رسول کوئی ہو سکتا ہے تو وہی جس کو خود حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جس کے آپ مولا ہیں وہ بھی انکا مولا ہے۔ اگر حضرت رسولؐ، حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور تمام پیغمبروں کے مولا ہیں (اور بیشک ہیں) تو حضرت علیؑ بھی دیگر تمام نبیوں کے مولا حسبِ فرمانِ رسولؐ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے نہ صرف مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ فرمایا بلکہ انا و علی من نورٍ واحد فرمایا اور علی منی و انا منہ (یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں) فرمایا اور پھر انا مدینۃ العلم و علی بابھا اور سید العربؑ امیر المومنین، سید المومنین، امام المتقین و سید المرسلین اور ایسے ایسے متعدد القاب سے یاد فرمایا اور ہر لقب کی تائید میں ہیں وجوہ بھی بیان فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ خطابات اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور جبرئیلؑ کے پیغام کی بنا پر ہیں۔ پھر یہ بھی واضح فرمایا کہ آپ سے حضرت علیؑ کو وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ پیغمبر کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ حضرت رسولؐ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل حضرت رسولؐ و علی مرتضیٰ کا نور تسبیح و تقدیس باری میں مصروف تھا اور بحالتِ نور حضرت علی علیہ السلام نے حضرت جبرئیلؑ کے نور کو تعلیم دی اور استادِ جبرئیلؑ قرار پائے۔ بعد تخلیق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ اے آدمؑ جب کبھی تمھیں کوئی حاجت ہو تو پنجتن پاک کا وسیلہ پکڑا کرو۔ علم الکتاب حامل ہونے اور وارثِ کتاب، پاک و مطہر، نفسِ رسولؐ، ولی و سرپرست اُمت ہونے کی سندیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ اب آخر کمی کس چیز کی ہے۔ دیگر انبیاؑ کو اپنی اپنی محدود کتابوں اور صحف کی حد تک

علم حاصل تھا تو حضرت علی مرتضیٰ کو آخری اور مکمل کتاب (قرآن) کا علم بحکم قرآن حاصل تھا۔ یوں بھی حضرت رسول کی برابری علم میں کوئی نہیں کرسکتا۔ اِس طرح شہر علم رسول کے باب قرار پاکر اس پورے علم کے حامل قرار پائے کہ آپ کے ذریعہ ہی وہ علم پیغمبر (القدر ظرف) حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سورۂ زخرف کی آیت ۴۵ وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا (اے رسول ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے تھے ان سب سے پوچھ دیکھو) کے ضمن میں حضرت رسول کے اس ارشاد کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ جب آپ معراج میں تشریف لے گئے تو جبرئیل امین نے انبیاء سلف سے آپکی ملاقات کرائی اور کہا کہ ان سے دریافت فرمائیے کہ یہ کس بات پر نبی بناکر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ دریافت پر انبیاء سلف نے جواب دیا کہ ہم آپکی نبوت اور علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کے اقرار پر نبی بناکر بھیجے گئے تھے۔ اس طرح ظاہر یہ ہوگیا کہ تمام انبیائے سلف کی نبوت کی بنیاد ہی حضرت رسول خدا کی نبوت اور حضرت علی مرتضیٰ کی ولایت پر ہے۔ جس ولی کی ولایت کے اقرار پر ان انبیاء کی نبوت کا دارومدار ہے وہ ہرگز اس ولی سے افضل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ ولی ہی ان سے افضل ہوگا۔

اس طرح حضرت علی علیہ السلام دیگر انبیاء و مرسلین سے عقل و درایت کے اعتبار سے بھی افضل ہوئے حضرت رسول کا ارشاد من کنت مولا فعلی مولا انہیں اسباب و وجوہات پر مبنی تھا۔ اسمیں کوئی حیرت کا مقام ہے نہ جائے تردد۔ حضرت رسول نے یہ فرماکر مطلب کو اور واضح فرمایا کہ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمه و نوحا فی تقواه و ابراهیم فی خلته و موسیٰ فی هیبته و عیسیٰ فی زهده فلینظر الی علی ابن ابی طالب یعنی آدمؑ کو ان کے علم میں، نوحؑ کو ان کے تقویٰ میں، ابراہیمؑ کو ان کی خلت میں موسیٰ کو ان کی ہیبت میں اور عیسیٰؑ کو ان کے زہد میں دیکھنا ہو تو علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھ لو۔ یعنی یہ ہستی جامع صفات انبیاء ہے، رحمت العلمین اور ختم المرسلین کے وصی کے لئے بیشک ایسے ہی مدارج درکار ہیں۔ جو شخص وصایت رسول کے لئے ان درجات کی ضرورت نہ سمجھے گا یا کسی گھٹیا درجہ والے کے رسول کا وصی ہوسکنے کے جواز کو تسلیم کرے گا وہ خود حضرت رسول کی شان کی تنقیص کا مرتکب ہوگا۔ جیسا کہ اوپر بحث ہوئی جہاں حضرت رسول خدا کا سچا اور پورا جانشین کوئی نبی بھی نہیں ہوسکتا تو وہاں عامۃ الناس میں سے کسی کا جانشین رسول ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ بقول خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔

امامت را کسے شاید کہ شاہِ اولیا باشد | بہ زہد و عصمت و دانش مثالِ انبیا باشد
امامِ دین کسے باشد کہ باشد ہمسرِ احمدؐ | چنیں رفعت کہ مے بینی بجز حیدرؑ کجا باشد

علامہ سید محمد صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب "فضائل مرتضویؑ" صـ۳۵۹ پر لکھتے ہیں "جب ہمارے مقتدائے بے ہمتا (حضرت علی علیہ السلام) کی ذات فائض البرکات اس قسم کے صفات والا سے موصوف و متصف

ہو تو انصاف یہ ہے کہ ہم لوگ جو اس وادیٔ ہدیٰ کے پیشوا کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں ہم پر فرض عین اور عین فرض ہے کہ حتی المقدور آنجناب کی پیروی کی کوشش کریں۔" مولانا صالح کشفی خود اپنی یہ رباعی بھی درج کرتے ہیں۔

تا جان بہ تن است راہ حیدر پویم　　تا چشم بسر جمال حیدر جویم

خواہم کہ بہ ہر موئے پذیرفتہ زبان　　چون ذکر خدائے ذکر حیدرؑ گویم

صلا پر موصوف لکھتے ہیں :- "اور ایک گروہ شیعہ ہے جو آنجناب علیہ السلام کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر البشر اور امام برحق جانتے ہیں اور اپنی حجت میں اُن نصوص اور احادیث کو پیش کرتے ہیں جو آنجناب کی شان میں وارد ہیں خدا کی قسم اگر پیروان اسلام کی ایک جماعت بمقتضائے ارشاد رسول اس سید اوصیاء اور افضل اولیاء کی جو بموجب آیۂ کریمہ انما ولیکم اللہ الخ اور حسب ارشاد حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے مقتدا اور پیشوا ہیں اقتدا اور پیروی کریں تو زہے سعادتِ ابدی اور خوشا دولتِ سرمدی" اسکے بعد موصوف اسقدر اضافہ کرتے ہیں کہ اس حدیث "جس کسی نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا" پر نظر رکھتے ہوئے کسی صحابی رسولؐ کو برا نہ بولنا چاہیئے"۔ موصوف کی تحریر کے اسی آخری جزو کے متعلق ہم اہل انصاف کو ہماری اس کتاب کے باب دوم کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور متعدد علماء اہلسنت کے اقوال یاد دلاتے ہیں کہ سب کے سب صحابہ عادل نہ تھے۔ بلکہ انمیں منافق دُنیا پرست زناکار شرابی اور ظالم بھی تھے اور وہ صحابہ بھی تھے جو حسب ارشاد رسولؐ روز قیامت حوض کوثر سے ہنکائے جائینگے اور وہ بھی تو تھے جنھوں نے خود حضرتِ رسول کو قتل کرنے کی نیت سے وادیٔ عقبہ میں آپ پر پتھر پھینکے تھے۔ حضرت رسولؐ کے قتل عمد کا اقدام کرنے والے اور حوض کوثر سے ہنکائے جانے والے صحابہ کس طرح جنت میں جائینگے۔ حوض کوثر سے ہنکایا جانا ہی بتا رہا ہے کہ ان کا واحد راستہ جہنم ہے۔ اب ایسوں کو بقول حکیم عبد الحمید صاحب بُرا نہ کہا جائے تو کیا ان پر درود بھیجا جائے۔

ملا محمد معین جو اکابر علمائے اہلسنت سے ہیں "دراسات اللبیب" مطبوعہ لاہور صلا پر حدیث ثقلین کے تحت لکھتے ہیں :- فلا وجہ لان یمتری من لہ ادنی انصاف فی ان من صدق علیھم ھذا الحدیث والآیۃ من غیر شائبۃ ھم الائمۃ الاثنی عشر وسیدۃ النساء العالمین بضعۃ رسول اللہ ام الائمۃ المطھر الطاھرۃ علی ابیھا وعلیھم الصلوٰۃ والسلام لا شائبۃ فی کونھم معصومین کالمھدی منھم علیھم السلام یعنی کوئی وجہ نہیں کہ اسمیں شک کرے وہ شخص جس کے دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو کہ جن حضرات پر حدیث (ثقلین) و آیت (تطہیر) صادق آتی ہے بغیر کسی شائبہ کے وہ یہی بارہ امامؑ اور سردار زنان عالم بضعۃ رسولؐ ام

الائمۃ طاہرہ ہیں۔ ان کے باپ اور ان پر درود و سلام ہو۔ ان حضرات کے معصوم ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے مثل امام محمد مہدی علیہ السلام کے جو انھیں اہلبیتؑ میں سے ہیں"۔

فاضل موصوف ص ۱۴۹ پر لکھتے ہیں :-

واذا ثبت ھذا اعلم من اقر بصحۃ حدیث التمسک الزم عصمتہ الائمۃ حتیٰ استحالہ صدور الخطاء منھم کالمھدی علیہم السلام وھذا المخصوص فی الامۃ بالائمۃ من اھل بیت ؕ

یعنی جب یہ امر ثابت ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ جس نے حدیث ثقلین کی صحت کا اقرار کیا جسمیں اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کو ان اہلبیتؑ کی عصمت کا مان لینا بھی لازم ہو گیا بلکہ اس پر لازم ہو گا کہ صدور خطا کو ان حضرات سے مثل امام مہدی علیہ السلام کے محال سمجھے اور یہ عصمت اُمت میں مخصوص ہے ائمہ اہلبیت کے ساتھ شاہ نقی علی قلندر صاحب کاکوروی روض الازہر ص ۳۸۱ مطبوعہ رامپور بحوالہ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں (فارسی سے ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی اہلبیت علیہم السلام کے لئے عصمت ثابت کرتے ہیں اور اسکو پیغمبروں کی میراث جانتے ہیں جو آنحضرتؐ کے خاندان میں باقی رہی۔

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور تاریخ الاسلام ص ۲۲۵ و ص ۲۲۶ پر لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے بعد امر خلافت معاویہ اور یزید کی طرف منتقل ہوا لیکن شیعیان علیؑ نے دینی اُمور میں اپنا پیشوا حسنینؑ کو سمجھا اور حسنینؑ کے بعد جو انکی اولاد میں سب سے زیادہ باوقعت نکلا۔ اہل تشیع کے نزدیک حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ آٹھ آدمی ان کی نسل میں اپنے اخلاق کی وجہ سے بہت زیادہ برگزیدہ ہوئے۔ آٹھ اور تین گیارہ یہ ہوئے تو بارھویں امام مہدی آخرالزماں یہ بارہ امام اہلسنت والجماعت کے نزدیک بھی بہت باوقعت ہیں۔ بارہ امام جن کو دونوں فریق بزرگ سمجھتے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ مذہبی اُمور میں ان لوگوں کے بہت کچھ احسانات مسلمانوں کی گردن پر ہیں"۔

ایک زینہ اور اوپر چڑھ کر یوں بھی غور فرمایئے کہ تخلیق کائنات کے ڈھانچہ میں رسالت اور امامت کے کیا مقامات ہیں۔ تخلیق کائنات کی علتِ غائی کے متعلق اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ لکی اعرف یعنی تاکہ میں پہچانا جاؤں حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے ولاک لما خلقت الافلاک یعنی اگر میں نہ ہوتا تو افلاک یعنی کائنات خلق نہ ہوتی اس کے بعد فرماتے ہیں اول ما خلق اللہ نوری و انا و علی من نور واحدۃ مزید وضاحت سے فرماتے ہیں ان اللہ خلقنی وعلیا من نور واحد بین یدی العرش سبح اللہ تعالیٰ و یقدسہ قبل ان تخلق آدم بالف عام (یعنی خدا نے مجھے اور علیؑ کو عرش الٰہی کے سامنے ایک نور سے پیدا کیا۔ وہ نور آدمؑ کی پیدائش سے ہزار سال قبل خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا تھا۔ ارشاد رسول

الائمۃ طاہرہ ہیں۔ ان کے باپ اور ان پر درود وسلام ہو۔ ان حضرات کے معصوم ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے مثل امام محمدؐ مہدی علیہ السلام کے جو انھیں اہلبیتؑ میں سے ہیں۔

فاضل موصوف صـ۱۴۹ پر لکھتے ہیں:۔

واذا ثبت ھذا اعلم من اقر بصحۃ حدیث التمسک الزم عصمتہ الا ئمۃ حتیٰ استحالہ صدور الخطاء منھم کالمھدی علیھم السلام وھذ المخصوص فی الامۃ بالائمۃ من اھل بیت؎

یعنی جب یہ امر ثابت ہوگیا تو معلوم ہوگیا کہ جس نے حدیث ثقلین کی صحت کا اقرار کیا جسمیں اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کو ان اہلبیتؑ کی عصمت کا مان لینا بھی لازم ہوگیا بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ صدور خطا کو ان حضرات سے مثل امام مہدی علیہ السلام کے محال سمجھے اور یہ عصمت امت میں مخصوص ہے ائمہ اہلبیت کے ساتھ شاہ نقی علی قلندر صاحب کاکوروی روض الازہر صـ۳۸۱ مطبوعہ رامپور بحوالہ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں (فارسی سے ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی اہلبیت علیہم السلام کے لئے عصمت ثابت کرتے ہیں اور اسکو پیغمبروں کی میراث جانتے ہیں جو آنحضرتؐ کے خاندان میں باقی رہی۔

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور تاریخ الاسلام صـ۲۲۵ وصـ۲۲۶ پر لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے بعد امر خلافت معاویہ اور یزید کی طرف منتقل ہوا لیکن شیعیان علیؑ نے دینی امور میں اپنا پیشوا حسنینؑ کو سمجھا اور حسنینؑ کے بعد جو انکی اولاد میں سب سے زیادہ باوجاہت نکلے۔ اہل تشیع کے نزدیک حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ آٹھ آدمی ان کی نسل میں اپنے اخلاق کی وجہ سے بہت زیادہ برگزیدہ ہوئے۔ آٹھ اور تین گیارہ یہ ہوئے تو بارھویں امام مہدی آخر الزماں یہ بارہ امام اہلسنت والجماعت کے نزدیک بھی بہت باوقعت ہیں۔ بارہ امام جن کو دونوں فریق بزرگ سمجھتے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ مذہبی امور میں ان لوگوں کے بہت کچھ احسانات مسلمانوں کی گردن پر ہیں۔"

ایک زینہ اور اوپر چڑھ کر یوں بھی غور فرمایئے کہ تخلیق کائنات کے ڈھانچہ میں رسالت اور امامت کے کیا مقامات ہیں۔ تخلیق کائنات کی علتِ غائی کے متعلق اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ لکی اعرف یعنی تاکہ میں پہچانا جاؤں حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اگر میں نہ ہوتا تو افلاک یعنی کائنات خلق نہ ہوتی اس کے بعد فرماتے ہیں اوّل ما خلق اللہ نوری و انا و علی من نور واحد؎ مزید وضاحت سے فرماتے ہیں ان اللہ خلقتنی وعلیا من نور واحد بین یدی العرش سبح اللہ تعالیٰ ویقدسہ قبل ان تخلق آدم بالف عام (یعنی خدا نے مجھے اور علیؑ کو عرش الٰہی کے سامنے ایک نور سے پیدا کیا۔ وہ نور آدمؑ کی پیدائش سے ہزار سال قبل خدا کی تسبیح وتقدیس کرتا تھا اس ارشاد رسولؐ

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کا وجود ساتھ ہی ساتھ عمل میں آیا۔ پھر ارشاد رسولؐ ہے کنت نبیا آدم بین الماء والطین (یعنی میں اسوقت نبی تھا جبکہ آدمؑ آب و گل کی منزل میں تھے) ارشاد رب العزت ہے انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ یعنی حضرت رسولؐ ہر چیز کے شاہد و گواہ ہیں کہ آپ ہر ایک کی ایجاد و تخلیق کے باعث ہیں اور سب کی خلقت آپ کے سامنے ہوئی۔ ہر نبی پر اسی نور کا فیضان رہا۔ حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ سے لیکر موسیٰؑ و عیسیٰؑ جتنے بھی نبی ہوئے سب میں اسی نور محمدؐ و علیؑ کا پرتو تھا۔ جب پورا عالم سج گیا اور سب انبیاء و اوصیاء گزر چکے تو وہی نور اوّل کا ایک حصّہ سید المرسلینؐ کی شکل میں اور دوسرا سیّد الوصیین یعنی ایک نبیؐ اور دوسرا امامؑ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں یا علی انت مع الانبیاء سرا ومعی جہرا۔ یعنی اے علیؑ تم ہر نبی کے ساتھ چھپے چھپے تھے اور میرے ساتھ کھلم کھلا ہو۔ حضرت شمس تبریز اس حدیث کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:۔

بود با کل انبیاء در سر تو بود با مصطفیٰ نبی جہرا

پھر ارشاد رسولؐ ہے اولنا محمدؐ اوسطنا محمدؐ آخرنا محمدؐ کلنا محمد (تذکرۃ الاولیاء حضرت شیخ عطار) ارشاد خداوندی ہے۔ لا تدرکہ الابصار یعنی اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

ان تمام امورات پر یکجائی نظر ڈالنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے کائنات اسلئے خلق فرمائی کہ وہ پہچانا جائے (۲) کائنات خلق کرنے کی غرض سے سب سے پہلے نورِ محمدؐ و علیؑ کو پیدا کیا ورنہ کائنات ہی کو خلق نہ فرماتا (۳) محمدؐ اور علیؑ کو ایک ہی نور سے خلق فرمایا اور یہ نورِ خلقت آدمؑ سے ہزارہا سال قبل تسبیح و تقدیس الٰہی میں مصروف تھا (۴) جب متعدد انبیاء خلق ہوئے اور پھر اپنی اپنی منزل پر مبعوث ہوتے رہے تو وجود محمدیؐ ان سب انبیاء کا شاہد رہا اور وجود علیؑ ہر نبی کے ساتھ چھپا ہوا بطور مددگار موجود رہا۔ عقلی اعتبار سے بھی یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ جب نورِ محمدؐ و علیؑ خلق ہو چکا تھا اور اس کو قرب الٰہی بدرجۂ تامہ حاصل تھا اور با عتبار علم یہ نور تسبیح و تقدیس الٰہی بھی کرنے کے قابل تھا تو ظاہر ہے کہ یہ نور بلا کسی کام کے معطل نہیں رکھا گیا ورنہ یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا۔ حکم باری اور ارشادِ رسولؐ سے واضح ہے کہ حضرت رسولؐ کا نور انبیاء کو اور علی مرتضیٰؑ کا نور فرشتوں کو بہ عالم روحانی تعلیم دیتا رہا اور حضرت رسولؐ، آدمؑ کی خلقت سے پہلے سے نبی ہو کر تمام انبیاء و عالم کے شاہد و گواہ رہے اور حضرت علیؑ ہر ایک نبی کے ساتھ رہ کر مدد فرماتے رہے۔

۵۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کائنات کو خلق کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ پہچانا جائے اور جب یہ بھی فرماتا ہے کہ اسکی ذات ایسی ہے کہ اسکو آنکھ دیکھ نہیں سکتی تو پھر مسلّم ہوا کہ جن کو باعث ایجاد عالم قرار دے

اور سب سے اول خلق فرمائے انکو اپنی ذات کا مظہر بھی بنائے ورنہ اللہ تعالیٰ کے پہچانے جانے کا منشا ہرگز پورا نہ ہوتا محض شجر و حجر، جھاڑ پہاڑ، چاند سورج اور فرشتوں کی تخلیق سے یا ان کے محدود صفات سے اس منشار الٰہی کی تکمیل ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ ضرورت ان ذوات مقدسۂ کاملہ کی تھی جن کی حکومت چاند سورج، جمادات و نباتات، جن و انس و ملک سب پر ہو۔ چنانچہ یہ ذوات، صفاتِ الٰہیہ کی ایسی کامل مظہر بنائی گئیں کہ ان میں سے ایک ذات پر تو نصیریوں کو فی الواقعی خدا ہونے کا دھوکا ہو گیا۔

۲- ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طہارت و صفاتِ کاملہ کے متعلق رب العزت نے کثیر آیات نازل فرماکر اور حضرت رسولؐ نے بار بار تاکیداً ارشاد فرما کر المختصر کلنا محمدؐ فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ صفاتِ خداوندی کے مظہر کامل پورے چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

جب حضرت رسولؐ کے ساتھ ان ذواتِ قدسیہ کی اس درجہ قربت و مماثلت ہے اور منزل تخلیق سے ہی آپکے ساتھ منسلک ہیں اور حسبِ ارشاد آنحضرتؐ آپ کا جزو ہیں تو جب آپ عالم اسباب پردہ فرمائیں تو آپکی جگہ یہ اجزاء قدرت کی طرف سے گویا پہلے سے قائم شدہ ہیں اور قدرتاً آپکے جانشین ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؑ یوں تو بچپن ہی سے اور زیادہ واضح طور پر بعثت سے آخر دم تک آنحضرتؐ کے شریک کار رہے اور آنحضرتؐ کے بعد بھی کچھ باقی ماندہ کارِ رسالت کی تکمیل از قسم جہاد از منافقین بحکم قرآن آپکو آنحضرتؐ کی جانب سے کرنی باقی تھی جو آپ نے عملاً کی بھی۔ اس طرح قدرت نے یہ تسلسل پہلے سے قائم کر دیا کہ حضرت رسولؐ کی زندگی سے لیکر زندگی کے بعد بھی حضرت علیؑ کو بلا انقطاع جاری و برقرار رکھا اور آنحضرتؐ سے منزلت ہارونؑ من موسیٰؑ رکھنے والی ہستی اور مصداق من کنت مولا فعلی مولا اور علی منی وانا منہ آپکی جگہ موجود و قائم تھی۔ لہٰذا واضح بات ہے کہ معاملہ یہ نہ تھا کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد جگہ خالی تھی اس کو پُر کرنا تھا۔ بلکہ دنیا داروں کے پیش نظر سوال یہ تھا کہ حضرت رسولؐ کی جگہ جو بیٹھا ہوا اور قائم ہے اس کو کس طرح ہٹایا جائے اور اسی کے لئے اہل دُنیا نے اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں۔

جس طرح سے بھی غور کیجئے یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ اسمیں ہر کس و ناکس دخل انداز ہو سکے بلکہ یہ خلافتِ الٰہیہ ہے۔ نبی کی جگہ تو نبی کے دل جگر کے ٹکڑوں ہی کیلئے ہے اور انہیں کو زیب دیتی ہے مصداقانِ لحمک لحمی، دمک دمی، نفسک نفسی، روحک روحی۔ نبیؐ کا گوشت پوست، خون، نفس اور روح رکھنے والوں کے مقابل کوئی دوسرا جسم کہاں جگہ پا سکے۔ طاہر کی جگہ مصداقانِ یطھرکم تطھیرا کے لئے ہوگی یا غیر طاہر بھی وہاں قدم رکھ سکیگا۔ یہ گلزار دینِ الٰہی تو نبی کے چمن کے پھولوں ہی سے آراستہ ہوگا۔ کسی دوسرے کی حیثیت یہاں خار کی ہوگی۔ سندِ طہارت کوئی کہاں سے لائے۔ رگوں کا سرپرست ہونے کا حکم قرآن سے کیسے پیدا کرے۔ بابُ العلم، من عندہٗ علم الکتاب کیسے بن جائے۔ آدمؑ کا علم،

نوحؑ کا تقویٰ، ابراہیمؑ کی خلت، موسیٰؑ کی ہیبت اور عیسیٰؑ کا زہد کوئی کس بازار سے خریدے۔ دُنیا و آخرت میں رسولؐ کا بھائی کون ہو۔ اُمّت کا مولا کون بن سکے۔ مجسم ایمان کیسے بن جائے۔ خدا کس سے سرگوشی کرے نفس کی بیع و شریٰ اللہ تعالیٰ سے کون کرسکے۔ کس کے نفس کی قیمت مرضیٔ خدا ہو۔ اپنے چہرہ کو وجہ اللہ ہاتھ کو یداللہ اور زبان کو لسان اللہ کون بنا سکے۔ آیات ربہ الکبریٰ کون بن جائے۔ اپنی محبت کو ایمان، اپنے ذکر کو عبادت اور اپنے وجود کو ذریعہ عبادت کیسے بنا دے۔ رسولؐ کے نور میں شرکت کا دعویٰ کون کرسکے کس کا اقرار ولایت انبیاء کے لئے شرط نبوت ہو۔ سیدۃ النساء العالمین کا کفو کون ہوسکے۔ عرش پر کس کا نکاح باندھا جائے۔ قسیم النار والجنۃ سردارانِ بہشت کا خطاب کون پاسکے۔ سلسبیل و کوثر کس کے قدموں میں ہوں طوبیٰ کس کے گھر میں ہو، تاج ھل اتیٰ وا تھا کن عالمانِ قضاو قدر سے اپنے سر کے لئے موزوں کراسکے۔ فرزند رسولؐ ہونے کی سند قرآن کس کو عطا کرے۔ خاتونِ جنّت کا دودھ اور نبیؐ کی زبان چوس کر پلنے کا دعویٰ کس کو ہو۔ رسولؐ کے کاندھوں اور پشت پر کون سوار ہوسکتا ہو۔ کبھی کعبہ میں تو کبھی مسجد میں حضرت عیسیٰ کس کے پیچھے نماز کے منتظر ہوں۔ آلِ لیٰسین کیسے بن جائے۔ خدا کے درود و سلام کا مورد کون ہو۔ وارثانِ کتاب کی فہرست میں کیسے داخل ہو ثقلین میں کیسے شمار پائے اپنے تمسک کا دستاویز کہاں سے لائے۔ اُمت کے لئے امان کون بن جائے۔ نماز میں نام کیسے داخل کرائے کلثنا محمد میں کون داخل ہو۔ یہ درجاتِ عالی وہ ہیں وَلَدُنی کس کو ملے۔ جہاں ایسے ذواتِ قدسیہ منصوص من اللہ امام موجود ہوں تو ما و شما اس منصب کا خواب کہاں دیکھ سکتے ہیں اور ایسے مدعیان خلافت کے دعویٰ کو بجز باطل محض اور بے اصل ہونے کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ جن لوگوں کی آدھی آدھی اور پون پون عمریں بُت پرستی اور شراب و منہیات کے استعمال میں گزری ہوں ان کو اس ہستی سے کیا مناسبت ہوسکتی ہے جو منزل تخلیق سے حضرت رسولؐ کی شریک نور رہی ہو اور از عہد تا لحد حضرت رسولؐ کا نمونہ ہو۔ بُت پرستوں کے مقابلہ میں بُت شکن ہو اور جس کی پرورش حضرت رسولؐ کے آغوش عصمت و رحمت میں ہوئی ہو اور جس نے رسولؐ کا مکمل نمونہ بنکر علی منی و انا منہ اور نفس رسولؐ ہونے کی سند حاصل کی ہو اور دستِ قدرت نے جس کو لباس عصمت و ولایت اور تاج اِنَّمَا و ھل اتیٰ سے سنوارا ہو اور جو حامل قوتِ ربانیہ اور صاحب معجزہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے شرک اور کفر کو عین نجاست قرار دیا ہے۔ مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ کسی قارورہ کی شیشی یا بول و براز کے پاٹ کو کتنا ہی دھو کر صاف کیا جائے مگر فطرت انسانی کراہت کے پہلو کو اس سے علیحدہ نہیں کرسکتی۔ کوئی شخص گوارا نہیں کرے گا کہ اس دھوئی ہوئی قارورہ کی شیشی میں دوا ڈال کر پئے یا اس دھوئے ہوئے پاٹ میں کوئی کھانے کی چیز رکھے۔

بہ آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

منزل ہدایت پر فائز ہونے کے لئے اور رسولؐ کا جانشین برحق ہونے کے لئے وہی ہستیاں درکار ہیں جو یوم ازل سے پاک و پاکیزہ ہوں اور جن کو نجاست چھو نہ گئی ہو۔ اس ضمن میں حضرت علی علیہ السلام نے دو ہی لفظوں میں نوبت اول پر ہی بیان فرما دیا تھا۔ چنانچہ جب سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر خلیفہ بنکر آئے اور ان کی بیعت لینے حضرت عمر نے قنفذ غلام کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کو کہلا بھیجا کہ خلیفہ رسولؐ آپکو بلاتے ہیں تو مولائے متقیان سید الصادقین نے جب ہی فرما دیا کہ "تم لوگوں نے حضرت رسولؐ پر بہت جلد ہی افترا کر دیا"۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب گڑے مُردے اکھیڑنے سے کیا فائدہ۔ فکان ما کان مما لست اذکرہ فظن خیرا ولا تسئل عن الخبرہ یعنی جو ہونا تھا وہ ہوا اب اسکا کیا ذکر۔ آپ اچھا ہی گمان رکھیئے اور کیا ہوا اسکو نہ پوچھیے۔ بقول شخصے ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

ہماری رائے میں تو یہ بات 'ما را چہ ازیں قصّہ کہ گاؤ آمد و خر رفت' کہکر گاؤ خورد کر دینے کی نہیں ہے خلافت و وصایت و ولایت علیؑ سے تعرض حکم رسولؐ و حکم خدا سے تعرّض ہے اور اسکی زد بڑی دور تک پہونچتی ہے۔ یہ پسینہ پونچھ کر ذہن صاف کر لینے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنا پڑے گا اور ولا تلبسوا الحق بالباطل کی تعمیل کرنی پڑے گی۔

اس موقع پر ہم اپنے سُنّی بھائیوں اور عزیزوں سے معافی کے خواستگار ہیں کہ ہم نے صاف صاف اظہار خیال کر دیا ہے مگر ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے محض اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کیا ہے اور شواہد کی روشنی میں عقل کی رہنمائی نے ہم کو اس نتیجہ پر پہونچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے خلاف کہنے پر مجبور ہونے میں ہم کو ہرگز کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ یہ امر گراں گزرا اور دل کہتا رہا کہ کیا بہتر ہوتا کہ یہ صورتیں پیدا نہ ہوتیں اور ہم حضرت رسولؐ کے ساتھ بیٹھنے والوں کے خلاف رائے قائم کرنے پر مجبور نہ ہوتے اور سب مسلمان یکدل یک زبان اور یک آواز ہوتے اور دین کی یہ تفریق نہ ہوتی اور مُسلمانوں کی ایک متحد جماعت کیا شاندار ہوتی۔ مگر افسوس کہ بعد انتقال حضرت رسُولؐ وہ نہ ہوا جو امر الٰہی اور آنحضرتؐ کے ارشاد کا منشا تھا۔ بلکہ بہت کچھ عمل ایسا ہو پایا جو کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ یہ معاملہ فروعات اور غیر اہم باتوں کی حد تک ہو کر ٹل جاتا تو بات رفت و گزشت ہوئی ہوتی مگر افسوس اور ہزار افسوس اس کا ہے کہ ان معاملات کی زد اہل بیت رسول علیہم السلام تک پہونچ گئی اور حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پر ظلم ناروا کو روا کر دیا گیا۔ جس کے اثر نے حضرت رسُولؐ کے معصوم نواسوں کو بھی

لپیٹ لیا۔ ان حضرات یعنی اہلبیت رسول علیہم السلام کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو ہم معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دیتے اور حصول حکومت کی تگ و دو اور گرما گرمی میں ماو شما کیساتھ کچھ زیادتیوں یا بے اعتدالیوں کا تصور قائم کر کے خاموش ہو بیٹھتے کہ اقتدار کی کشمکش کرنے والے ایسی زیادتیاں کر جاتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ ہے کہ یہ مسابقت کس کے مقابلہ میں تھی؟ جہاں مرکز ایمان پر زد پڑ گئی اور جناب سیّدہ کے بیت الشرف پر آگ کی چنگاریاں نظر آنے لگیں اور مخالفت اہلبیت نبوی سے ٹھہری جن کا تمسک برقرارئ دین کے لئے ہر ایک کے لئے لازم تھا اور ہے اور انکی متابعت بحکم خدا اور رسولِ خدا واجب تھی اور ہے تو اب ہمارے لئے ایمانی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس قسم کا نتیجہ نکالیں جو ہم نے اوپر نکالا ہے۔

علاوہ متعدد دیگر امور کے جو اس کتاب میں اور مقام پر درج ہوئے ہیں، صحاح ستہ بشمول بخاری کی روایات کے مسلمات ذیل اپنے مقام پر اٹل ہیں اور تمام علمائے اہلسنت نے انکی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۱۔ حضرت علیؑ کے ادعائے حق خلافت کے قبول نہ کئے جانے اور آپ سے بہ جبر بیعت لینے کی کوشش اور جناب سیّدہ کے گھر پر آگ لے جاکر جلانے کی دھمکی دینے اور فدک آپکے قبضہ سے لینے اور حضرت علیؑ اور حسنین علیہم السلام کی گواہی کو قبول نہ کرنے اور فدک آپ کے قبضہ سے لینے اور حضرت علیؑ اور حسنین علیہم السلام کو گواہی کو قبول نہ کرنے اور آپکے دعوئ فدک اور میراث رسولؐ کو خارج کر دینے کے بعد جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے ناراض ہوئیں اور زندگی بھر ناراض رہیں اور فرمایا جب میں حضرت رسولؐ سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی اور ہر نماز میں بددعا کروں گی اور یہ وصیت فرمائی کہ آپ کے جنازہ پر حضرت ابوبکر و عمر نہ آنے پائیں چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرات شیخین کو جناب سیّدہ کے جنازہ میں شریک نہ فرمایا۔

۲۔ حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہونے کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر میں اختلاف اور شکر رنجی رہی جیسا کہ مولانا شبلی نے بھی لکھا ہے اور ڈاکٹر طہٰ حسین (سنّی عالم) بھی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ تینوں خلفاء کے مخالف تھے۔

۳۔ بموجب روایات بخاری جب بعد انتقال جناب فاطمہ زہرؑا اور حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کو گفتگو کے لئے بلایا بھی تو یہ کہلا بھیجا کہ حضرت عمر نہ آئیں کیونکہ حضرت علیؑ "حضرت عمر سے کراہت فرماتے تھے۔

ان مسلّمہ روایات کی بناء پر جناب سیّدہ اور حضرت علیؑ کی حضرات شیخین سے ناراضی اور بیزاری ثابت ہے پھر جو دامن اہلبیت سے تمسک کا دعویٰ رکھتے ہوں کیا ان کے لئے بھی حضرات شیخین سے بے تعلقی لازمی نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اسی امر کو واضح فرمادیا ہے کہ واقعی جو لوگ مومن ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ اور رسولؐ سے مخالفت کرنے والوں سے کبھی اپنا ربط اور دوستی نہیں رکھ سکتے خواہ وہ ان کے عزیز قریب ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ سورۂ مجادلہ کی آخری آیت ہے۔

لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم، یعنی (اے رسول) تم ان لوگوں کو جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا ہرگز نہ پاؤگے کہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جنہوں نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی ہو خواہ وہ ان کے باپ دادا بیٹے، بھائی اور قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔

کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۸۹ پر حضرت علیؑ کا یہ ارشاد درج ہے:-

مَن سَوّیٰ بَینَنَا وَ بَینَ عَدُوِّنَا فَلَیسَ مِنَّا، یعنی جو شخص ہم کو اور ہمارے مقابل دشمن کو برابر سمجھے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے دین سے خارج ہے)

اہل بیتِ رسول وہ ہستیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طہارت مطلقہ اور ہر قسم کے رجس سے پاک ہونے کی سند عطا فرمائی ہے اور ارشاد رسولؐ ہے کہ میرے اہلبیتؑ پر کسی کا قیاس نہیں ہو سکتا اور ان کی محبت کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا اور ان کے تمسک کے بغیر ایمان باقی نہیں رہتا ان حضرات کا ہر عمل دین کو آگے بڑھانے کے لئے اور اس کی پیش رفت میں تھا اور دین ان کا اوڑھنا بچھونا تھا در حضرت رسولؐ کے ان سچے جانشینوں کا عمل ہی شریعت کی حقیقی تشریح تھا۔ اسی لئے ان کی محبت اور پیروی کا حکم بھی خدا اور رسولؐ نے دیا۔ ان ذواتِ قدسیہ کے متعلق ایسا کوئی بھی تصور باطل ہے کہ انہوں نے بلا وجوہات شرعیہ و براہین قاطعہ محض اپنی نفسانیت کی بناء پر حضرات شیخین سے مخالفت اختیار کی ہوگی کیا طہارتِ ازلی رکھنے والی ایسی ذوات مقدسہ کی ناراضی کو بھی کوئی بے وزن چیز سمجھ کر اس سے بے اعتنائی برتی جا سکتی ہے اور کیا ہم اس میں حق بجانب ہوں گے کہ ان ذواتِ عالیہ کو بھی اپنی سطح پر شمار کر کے ان کی ناراضی کو بھی ما و شما کی ناراضی کے برابر سمجھ لیں۔

میرے والد صاحب مرحوم اس موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ "شیعہ یہی کہتے ہیں کہ چونکہ ہم اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے بہ حکم خدا و رسولؐ دامن اہلبیتؑ سے متمسک ہیں اور ہر عمل میں ان کی پیروی فرض ہے اسلئے ہم بھی خلفائے ثلاثہ سے بیزاری اختیار کرتے ہیں اور جو نوعیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کی حضرات شیخین سے بیزاری کی ہوگی وہی نوعیت شیعوں کی بیزاری کی بھی ہوگی اور اس عمل میں جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کا ساتھ دینے میں شیعوں کے لئے کوئی جو کھم نہیں ہے اور اہلبیتِ رسولؐ کے منصب نصی و استحقاق محکم اور اُن سے عقیدتمندی کی گہرائیوں سے قطع نظر ری کھری

عقل کو بھی استعمال میں لایا جائے تو جو کم ہے تو خلفائے ثلاثہ سے بیزاری اختیار نہ کرنے ہی میں ہے"۔
ہم نے سابق میں مشکوٰۃ کی مندرجہ صحاح ستہ کی کئی متفق علیہ حدیثوں کا حوالہ دیا ہے کہ سرکارِ دوعالم روحی لہٗ الفدا نے نہ صرف یہ فرمایا کہ میں اپنی دو گراں بہا امانتیں کتاب خدا اور میرے اہلبیت ائمت میں چھوڑے جا رہا ہوں اور ان دونوں سے متمسک رہنے کا حکم دیا بلکہ متواتر دو مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور پھر فرمایا کہ خبردار رہو کہ میرے مرنے کے بعد میرے اہلبیت سے کیا عمل کرتے ہو اور پھر یہ بھی فرمایا کہ روزِ حشر میں اپنے اہلبیت کے لئے تم سے لڑنے والا ہوں۔ اس سے زیادہ واضح ارشادات اور کیا چاہئیں۔ کیا یہ کان کھولنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟

دربارداورِ محشر میں حاضر ہوتا ہے۔ حضرت رسولِ خدا کو منھ دکھانا ہے۔ قسیم النّار والجنّۃ کے ہاتھ سے جامِ کوثر کے طلبگار ہیں۔ خاتونِ قیامت کی سواری کے وقت سر جھکائے آنکھیں بند کئے حاضر رہنا ہے۔ سردارانِ بہشت کے قدموں کے قریب اپنے کو پہونچانا ہے۔ منکر و نکیر کے سوال اور وقفوھم انھم مسؤلون" کے جواب کیلئے تیار رہنا ہے تو اب ہم مجبور ہوگئے اور ان ذواتِ قدسی کے خلاف جس کسی سے بھی جو کچھ عمل ہوا ہم اسکو طرح دیئے جانے کے موقف میں بالکل نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو صاف بیانی سے کام لینا پڑا ورنہ اس سے ہرگز کسی کی دل آزاری برائے نام بھی مقصود و منظور نہیں۔

ممکن تھا کہ ہم اہلِ طریقت کے مسلک کو اپنانے کی کوشش کرتے جیسا کہ متعدد اہلِ طریقت بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ "خرقۂ خلافت جو حضرت رسولِ خدا کو معراج میں عطا ہوا آپ نے تنہا علی مرتضیٰ کو یہ کہتے ہوئے عطا فرمایا کہ یہ تمہارے لئے ہے اور تم اس کے لئے ہو اور یہ کہ حضرت رسولؐ کی خلافت دو نوع کی ہے۔ خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ اور یہ کہ خلافتِ کبریٰ پر جو روحانی اور دینی ہے حضرت علی علیہ السلام اور پھر آپکی اولاد اطہار ائمہ اہلبیت فائز ہیں اور یہ کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت صرف خلافتِ صغریٰ ہے جو حکومتِ ظاہری سے متعلق ہے۔ مگر ہم کو اس اُصول کے ماننے میں بھی ایک مجبوری لاحق ہوئی وہ یہ کہ (قطع نظر اس کے کہ حضرت رسولؐ کی حکومتِ ظاہری کو بھی حضرت علی علیہ السلام سے علیحدہ کرنے کا کوئی جواز نہ تھا) خلفائے ثلاثہ کو صرف حاکمِ ظاہری کہا جاتا اور ان کو رسولؐ کا خلیفہ نہ کہا جاتا اور حضرات خلفائے ثلاثہ بھی اپنے کو صرف حاکم ظاہری کہتے اور خلیفۂ رسول ہونے کا ادعا نہ کرتے بلکہ بعد انتقال حضرت سرورِ کائناتؐ، حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرتؐ کا خلیفہ تسلیم کرتے تو یہ اُصول کچھ معنی بھی رکھتا۔ اہلِ طریقت تو حضرت علی علیہ السلام کو حضرت رسولِ خدا کے بعد بلافصل خلافتِ کبریٰ پر فائز مانتے ہیں مگر حضرات خلفائے ثلاثہ نے حضرت علی علیہ السلام کو باوجود آپ کے ادّعا کے کسی قسم کا بھی خلیفۂ رسولؐ نہ مانا اور اس کے برخلاف خود اپنے خلیفۂ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کر کے حضرت علیؑ کو اپنی بیعت کے لئے مجبور کرنے کی کوشش کی۔ خلیفۂ برحق حضرت علی علیہ السلام سے اس تعرض نے معاملہ کو بالکل

خراب اور قابو سے باہر کر دیا۔ جب صورتحال یہ پیدا ہوگئی تو خلیفۂ برحق سے تعرض کرنے والے حضرات کے نام کے ساتھ لفظ خلیفہ کسی محدود معنی میں بھی متعلق کئے جانے کے جواز کو ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں اور پھر کس طرح اپنے آپ کو کسی حد تک بھی ان حضرات سے وابستہ رکھنے کے تصور کو قبول کر سکتے ہیں۔

یہاں ایک سنی محقق صاحب کے خیالات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

شیخ محمد اعجاز حسین صاحب فاروقی وکیل مراد آباد نے بعد تحقیق ایک کتاب "خلفائے ثلاثہ کی نسبت اللہ اور پنجتن پاک کی رائے" کے عنوان سے ۱۹۱۸ء میں شائع فرمائی۔ تمہید کی ابتدا انہوں نے اس طرح فرمائی ہے:۔ اولٰئک الذین لعنہم اللہ و من یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا۔ (از قرآن و کتب مذہب سنیاں) یعنی کہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور وہ لوگ بھی جو لعنت کرتے ہیں اور جن پر اللہ لعنت کرے اسکا کوئی مددگار نہیں۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔ "پس ذیل کی تحقیقات کے بموجب ان خلفاء سے خدا و پنجتن پاک علیہم السلام کی ناخوشی و ناراضی ثابت ہوتی ہے۔ جس کو ہم بنظر فائدہ عام شائع کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو واقفیت حاصل ہو۔ اس واسطے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:۔ (اے رسول) تو ایسے لوگوں کو نہ پائے گا جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھکر ان سے دوستی کریں جو اللہ اور رسول کے مخالف ہوں اگرچہ ان کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور قرابت والے ہوں۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ و الیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آباءھم و ابناءھم و اخوانھم و عشیرتھم (۲۸ پارہ آخر سورہ مجادلہ)

میں ہوں
ایک فاروقی النسل شیخ مراد آباد کا رہنے والا

یہاں یہ اشارہ بھی بے محل نہ ہوگا اہل طریقت بزرگوں کے نوشتہ جات سے یہ صاف مترشح ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ سے تمام تر بے تعلق رہے اور خلافت صوفیہ سے بھی انکو متصف کرنا ایک محض رسمی انداز رکھتا ہے ان بزرگان طریقت نے بتادیا کہ وہ بجز ائمہ اہلبیت کے کسی اور کو امام یا خلیفہ ماننے سے صریحاً انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں:۔

آں را کہ غیر حیدر باشد امام و رہبر | دارد خیال باطل باطل بود خیالش

حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:۔

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است | علیؑ و آل و اولادش تمام است

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں:۔

چوں روز حشر ہر کس امامے طلب کند | ما را بجز علی ولی نیست مقتدیٰ
ما عاجزیم و خستہ نہ داریم طاقتے | الا محبت نبیؐ و آل مرتضیٰ

مزید فرماتے ہیں:-

ہستم از دشمنِ علیؑ بیزار | حق گواہ است اندرین گفتار

حضرت مولانائے رومؒ فرماتے ہیں:-

علیؑ مرتضیٰؑ شاہ سرافراز | امام برحق وسالارِ دین است

مزید فرماتے ہیں:-

تو بہ تاریکی علیؑ را دیدہ | زان سبب غیرے براو بگزیدہ
من علیؑ را روز روشن دیدہ ام | زان سبب غیرے برا و نگزیدہ ام

حضرت شمس تبریزؒ فرماتے ہیں:-

صادقان جملہ روبہ او دارند | کاو امیر است وہادی و مولا
آن امامے کہ قائم است برحق | در زمین و زمان وارض و سما
عالمِ وحدت است منزلِ او | او برون از صفاتِ ماضیہا

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:-

امامت راکسے شاید کہ شاہِ اولیاء باشد | بہ زہد و عصمت و دانش مثالِ انبیاءؑ باشد
امامِ دین کسے باشد کہ باشد ہمسرا احمدؐ | چنین رفعت کہ مے بینی بجز حیدرؑ کجا باشد

حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں:-

امیر المومنینؑ راے پرستم | امامُ المتقینؑ راے پرستم
وصی و ابن عم و یارِ احمدؐ | امام سا بقینؑ رائے پرستم

مزید فرماتے ہیں:-

سزاوارِ خلافت در تمامی مشرق و مغرب | نمے دانم کسے غیر از علی ابن ابی طالب

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:-

الٰہی بحق بنیؑ فاطمہؑ | کہ بر قولِ ایمان کنم خاتمہ
دعائم اگر رد کنی و د قبول | من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

مولانا عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ "وہ بارہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہمارے امام ہیں اور فرماتے ہیں:-

بہ صدق و صفا گشت بیچارہ جامی | غلام غلامانِ آلِ محمدؐ
دعائم اگر رد کنی ور قبول | من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

اس کتاب کے باب آخر میں ہم نے اہل طریقت بزرگان کے کچھ فرمودات اور کلام کو نقل کیا ہے۔ ناظرین کو اس سے ان بزرگوں کے خیالات کا مزید اندازہ ہوگا۔

نکتہ کی بات

اس امر کی بحث پہلے آچکی ہے کہ خلافت اور امامت ایک ہی چیز ہے اور ایک ہی منصب کے یہ دو نام ہیں یعنی ایک ہی شخصیت اللہ اور رسول کی خلیفہ ہے اور یہی شخصیت لوگوں کی امام ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ خلفاء الگ ہیں اور امام الگ ہیں بلکہ آپکے ارشاد کے بموجب جو آپکے بارہ ۱۲ خلفاء ہیں وہی سب لوگوں کے بارہ ۱۲ امام ہیں۔ آنحضرتؐ نے اپنے بارہ ۱۲ خلفاء میں نام بھی بتادیئے جو علی مرتضیٰ علیہ السلام' امام حسن و امام حسین علیہم السلام سے ہوتے ہوئے امام حسن عسکری علیہ السلام اور پھر آپکے صاحبزادہ بارھویں امام حضرت مہدی موعودؑ پر ختم ہوتے ہیں۔ جب یہ امر مسلّم ہوگیا کہ یہی بارہ ائمہ اہلبیتؑ آنحضرتؐ کے بارہ خلفاء ہیں تو پھر ان سے ہٹ کر خلافت کا کوئی منصب کہیں باقی ہی نہیں رہتا جس پر کوئی شخص اپنے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرسکے یا لوگ ملکر کسی کو خلیفہ بنا سکیں اب خواہ حضرت ابوبکر ہوں یا حضرت عمر یا حضرت عثمان ان کو خلیفۂ رسولؐ ہی کہنا غلط ہے نہ تو خود ان کا دعویٰ اپنے خلیفۂ رسولؐ ہونے کا صحیح ہے اور نہ لوگوں کا انکو حضرت رسولؐ کا خلیفہ کہنا کوئی معنی رکھتا ہے۔ دنیوی حاکم جو یہ لوگ بن گئے یا بنادیئے گئے تو یہ بس دنیوی حاکم ہی رہے گو کہ اسکی بھی ایک مستقل بحث ہے کہ وصی و خلیفۂ رسولؐ حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت رسولؐ کی تبلیغ رسالت کے ضمن میں قائم شدہ سلطنت پر کسی اور کو حاکم بننے کا حق کس طرح پہونچتا تھا۔ بہر طور یہ امر تو واضح اور مسلّم ہے کہ بارہ ائمہ اہلبیتؑ ہی حضرت رسولؐ کے بارہ ۱۲ خلفائے برحق ہیں اور ان ذوات کو چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ کہنا ایک بے نہاد و بے بنیاد گفتگو ہے۔

اسلام میں فرقہ بندی کے متعلق جسٹس امیر علی کا اظہار خیال

اسلام کی فرقہ بندیوں کے متعلق جسٹس امیر علی اسپرٹ آف اسلام کے صـ ۲۹۰ پر لکھتے ہیں:-

"Alas: that the religion of humanity and universal brotherhood should not have escaped the cause of internecine strife and discord: that the faith which

was to bring beace and rest to the distracted world should itself be torn to pieces by angry passions and lust of power. In Islam the evils that we will have to describe arise from the greed of earthly advancement and the revolutionary instincts of classes impatient of moral law and

یعنی بالفاظ مختصر ہوس اقتدار، نفسانی جذبات اور دُنیاوی فائدوں کی طمع نے اسلام کے برخچے اُڑا دیئے۔

The Decline And Fall of the Roman Empire Vol.II, Page 127 Edward Gibbon

ائمہ اہلبیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"The glory of martyrdom superseded the right of primogeniture; and the twelve Imams or Pontiffs of the Persian (Shiah) creed are Ali Hassan, Hosein, and the lineal descendants of Hosein to the ninth generation. Without arms or treasures or subjects they successfully enjoyed the veneration of the people and provoked the jealousy of the reigning caliphs. Their names were often the pretance of sedition and civil war, but these royal saints despised the pomp of the world; submitted to the will of God and the injustice of man and devoted their innocent lives to the study and practice of religion. The twelfth and last of the Imams, conspicuous by the title of 'Mahadi' or the Guide, surpassed the solitude and sanctity of his predecessors".

ذیل میں ہم اسکا ترجمہ درج کرا دیتے ہیں:۔
مذہب شیعہ کے بارہ امام علیؑ حسنؑ حسینؑ اور حسینؑ کی نویں پشت تک کے فرزندانِ صلبی

ہیں ان اماموں کی نظر میں شہید ہونے کی عظمت وراثت کا حق پانے سے کہیں زیادہ تھی۔ بغیر خزانۂ ہتھیار یا رعایا کے انکو عامۂ خلائق کا گہرا احترام حاصل تھا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ حکومت پر قابض خلیفہ ان سے حسد کیا کرتے تھے۔ ان کے نام نامی کو اکثر آپسی لڑائیوں اور تفریق کا بہانہ بنایا گیا۔ لیکن ان شاہانہ معصومین نے اپنی زندگیوں کو مذہب کی اشاعت کیلئے وقف رکھا ان میں کے بارھویں یعنی آخری امام کو باعتبار غیبت وحرمت اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔

فرقہ شیعہ کے متعلق جسٹس امیر علی "اسپرٹ آف اسلام" میں لکھتے ہیں:۔

"The Usulis (Isna Asharias) represent the broad church, if not of Islam, at least of Shiahism, Usulism finds acceptance among the most intellectual classes of the people and the most learned of the clergy. Its philosophical counterpart, 'Mutazilaism' is un-questionably the most rationalistic and liberal phase of Islam. In its liberalism, in its sympathy with all phases of human thought, its grand hopefulness and expansiveness it represents the ideas of the philosophers of the house of Mohammed, who reflected the thoughts of the Master".

حضرات اہل سنت اصول میں اشاعرہ یعنی ابوالحسن اشعری کی پیروی کرتے ہیں جو ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور فروع میں حضرات ابوحنیفہ، شافعی، مالکی اور احمد ابن حنبل کی پیروی کرتے ہیں۔ قابل غور ہے کہ ابوالحسن اشعری سے پہلے یعنی ۲۷۰ھ سے قبل آخر اصول اسلام تھے یا نہیں اور اشاعرہ سے پہلے کے مسلمان آخر کسی کی پیروی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بعد کی حدیثیں اور تراش خراش ہے اور باب مدینۃ العلم کو چھوڑ کر ادھر اُدھر جھانکنے کا نتیجہ ہے۔ فروع کی کیفیت یہ ہے کہ فرقہ اہلسنت والجماعت کے تقریباً نوے فیصد اصحاب حضرت ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف کی رائے ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر سید عبداللطیف پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی نے (جنھوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے) اکیڈمی آف

اسلامک اسٹڈیز کی کونسل کا منظورہ جو پمفلٹ "افکارِ اسلامی کی تشکیل جدید" کے نام سے جاری فرمایا اس کے صـ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"ہجرت کی پہلی صدی کو اسلام کی سب سے زیادہ آزمائش و ابتلا کا دور سمجھا جاتا ہے۔ سادہ زندگی بسر کرنیوالے عرب ایک وسیع و عریض سلطنت کے مالک بن گئے جس میں ہر قسم کا ترغیب و تحریص کا سامان موجود تھا۔ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ وہ اس کے شکار ہوگئے نتیجہ باہمی خانہ جنگی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ساری نزاع کا مرکز مسئلہ خلافت تھا۔ ان خانہ جنگیوں کے دوران قرآنی تصوّرات سے گریز کرنے کا جو رجحان پیدا ہو چلا تھا وہ بنو امیہ کی خاندانی خلافت اور اس کے بعد آنے والے عہد عباسیہ میں شدید ہوگیا اور جب بیرونی ثقافتی اثرات اسمیں خلط ملط ہوگئے تو وہ اس رُوپ میں نمایاں ہوا جو اسلام کے روایتی۔ تہتر فرقوں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ عام میلان پیدا ہوگیا کہ جہاں استدلال عاجز آجائے وہاں رسول کریمؐ کے نام کا سہارا لیا جائے اور ان حریفانہ دعاوی اور نقاط نظر کی تائید میں ایسے اقوال کو رسول کریمؐ سے منسوب کیا جائے جو بالکلیہ انکی شادابی دماغ کا نتیجہ تھے۔ اس کا نتیجہ مختلف نظام فقہ و شرع و رسم و رواج کی شکل میں رونما ہوا اور ہر ایک کو مذہب کا لقب دیا گیا حالانکہ وہ دین یعنی قرآن کا اسلام نہ تھا جسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وداعی خطبہ (خطبۂ غدیر) اپنی اُمت کے سپرد کیا تھا۔"

حضرت ابوحنیفہ کے علم کا ماخذ

جسٹس امیر علی (جو خود اہلسنت سے ہیں) حضرت ابوحنیفہ کے حصولِ علم اور شاگردی کے متعلق لکھتے ہیں:-

"Abu Hanifa was educated in Shiah School of Law, and received his first instructions in jurisprudence from Imam-Jafar-Sadik. Abu Hanifa often quotes the great Shiah Imam as his authority. On his return to his native city of Kufa, though he continued to remain a zealous and constant partisan of the house of Ali, he receded from the Shiah School of Law, and founded a system of his own, diverging completely in many important points from the doctrines of the Shiahs, and yet so close in the resemblance between his exposition of the law and their views that there is no reason for doubt as to the source from which he

derived his original inspiration. The latitude that he allows to private judgment in the interpretation of the law seems to be unquestionably a reflex of the opinion of the Fatimide doctors".

سیرۃ النعمان مطبوعہ آگرہ ص۵۴ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں :۔

" ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقر علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ اور حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ اور سُنّی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہمسر تھے اسلئے انکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق ؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے۔ وصاحب البیت ادری بما فیھا" مولانا شبلی نے ابو حنیفہ کا یہ قول بھی درج کیا ہے۔ لولا اثنان لھلک النعمان ۔ یعنی میری عمر کے اگر دو سال حضرت جعفر صادق ؑ کی خدمت میں نہ گزرتے تو میں ہلاک ہو گیا تھا۔"

ابن حجر عسقلانی، صواعق محرقہ ص۱۲۰ پر لکھتے ہیں :۔

" اعیانِ ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحیٰی بن سعید و ابن جریح و امام مالک ابن انس و امام سفیان ثوری و سفیان ابن عیینہ و امام ابو حنیفہ و ایوب سجستانی نے آپ (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے حدیث کو اخذ کیا ہے۔ امام مالک کہتے تھے " نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی کے دل پر فضل و علم و ورع میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے بہتر انسان کا تصوّر ہوا۔

محمد ابو زہرہ جو شیوخ جامعہ ازہر میں سے ہیں اپنی کتاب امام جعفر صادق میں افتتاحیہ کے ص۳۳ پر لکھتے ہیں :۔

" اللہ کی توفیق و امانت کے بھروسہ پر ہمارا عزم تھا کہ امام جعفر صادق پر ایک کتاب ضبطِ تحریر میں لائیں اس سے قبل ہم سات ائمہ کرام کے حالات و سوانح پر کتابیں تحریر کر چکے

ہیں۔ لیکن اس کتاب میں تاخیر کا سبب یہ نہیں تھا کہ اس کا موضوع اس طرح کی کسی کتاب سے کمتر تھا۔ اس کتاب کی تحریر میں جو تاخیر ہوئی اس کا سبب وہ ہیبت ہے جو امام جعفر صادق کی اعلیٰ و ارفع ہستی کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔"

جہاں حضرت ابو حنیفہ نے شیعہ اسکول میں سب کچھ سیکھا اور شیعہ امام ہی سے اکتساب علم و فیض کیا تو اہل خرد خود تصفیہ کر سکتے ہیں کہ اصل کونسا ہے اور نقل کونسی ہے اور پھر عالم علوم باطنی و ظاہری آل رسولؐ کے گھرانے کے امام معصوم سے علم دین سیکھ کر اسمیں اپنی طرف سے تراش خراش اور تبدیلی و کمی و اضافہ کا کیا جواز ہو سکتا ہے اور آیا اس کے مقابلہ میں اس تراش خراش شدہ نقل اور مسخ شدہ صورت کی کوئی بنیادی قیمت ہو سکتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو حنیفہ کو ایسی تبدیلی کا منصب کس طرح حاصل ہوا۔ کیا میں اور آپ بھی تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر دین کے معاملات میں ایسی تراش خراش کر سکتے ہیں۔ کیا دین کے معاملے ایسے ہی ہر ہاتھ کے حوالے ہیں کہ جو چاہے دست اندازی کرے، اپنی مرضی سے کانٹ چھانٹ کرے، من مانے کتر بونت کمی اضافہ کرتا چلا جائے۔ آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا اور کس منزل تک پہونچا دے گا؟ ائمہ معصومین علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوہر عصمت سے آراستہ کیا جانا اور انکو وارث کتاب راسخون فی العلم قرار دیا جانا انکی پیروی کرنے کے لیے ہے یا ان سے اختلاف کرنے کے لئے؟

حضرت ابو حنیفہ کے متعلق حضرت سفیان ثوری کا ایک اہم ارشاد بہت کچھ سامان فکر مہیا کرتا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ تاریخ صغیر بخاری میں بروایت نعیم بن حماد ابو اسحاق فزاری سے مروی ہے کہ میں حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر تھا۔ ناگہاں ابو حنیفہ کی خبر وفات سنی گئی تو حضرت سفیان ثوری نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا یہ شخص اسلام کے حبل المتین کو توڑتا تھا۔ اور اسلام میں اس سے زیادہ شوم کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اس روایت کو نواب شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی تاریخ احمدی صفحہ (۳۶۰) پر درج فرمایا ہے۔

ابو حنیفہ کو حضرت علی علیہ السلام سے کس حد تک عقیدت تھی روایت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے "احمد ابن حنبل اپنی مسند میں شریک ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دفعہ ابو محمد اعمش کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تھے ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابن شیرویہ بھی آگئے تو ابو حنیفہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور نصیحتاً ان سے کہا کہ اے ابو محمد خدا سے ڈرو تمہارے لئے آخرت کا پہلا دن اور دنیا کا آخری دن ہے اور تم بہت سی حدیثیں ایسی علی ابن ابی طالب کے بارے میں بیان کرتے تھے کہ اگر تم سکوت کرتے تو اچھا تھا۔ یہ سنکر اعمش کو غصہ آگیا اور کہنے لگے۔ کیا میرے جیسے آدمی سے ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ ذرا مجھے تکیہ سے لگا کر بٹھا دو تو وہ اور کہنے لگے کہ مجھ سے

ابوالمتوکل نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو مجھ سے اور علیؑ سے کہا جائے گا کہ اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو اور اپنے دشمنوں کو جہنم واصل اور یہی مطلب ہے خدا کے قول کا والقیا فی جہنم کل کفار عنید۔

مولانا مجدالدین فیروز آبادی نے جو اکابر علمائے حدیث سے ہیں "سفرالسعادت" میں تحریر فرمایا ہے اور ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں نے تہذیب الاخلاق جلد دوم صفحہ ۱۷۲ (مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور) پر اسکو نقل فرمایا ہے کہ "امام ابوحنیفہ اور شافعی کی بزرگی یا برتری میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع و مفتری ہیں ابن جوزیؒ ذہبی سیوطی اور ابن محمد حنفی کہ شیخ قاسم حنفی بھی ابوحنیفہ کی تعریف کی حدیثیں وضعی ہونا تحریر کرتے ہیں۔ حضرت ابوحنیفہ اپنے پیشہ اجتہاد کو اختیار کرنے کی سرگزشت یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ علم قرآن حاصل کروں اور حافظ قرآن بن جاؤں مگر ملّائے قرآنی ہونے سے کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ تب میں نے چاہا کہ علم حدیث حاصل کروں۔ یہ بھی غیر مفید معلوم ہوا۔ تب نحوی ہونے کا قصد کیا مگر اسکا انجام بجز معلمی اطفال کے سوا دوسرا دکھائی نہ دیا۔ تب شاعر بننے کا ارادہ کیا۔ یہ فن بھی کچھ فائدہ بخش نہ معلوم ہوا۔ آخر میں نے علم فقہ کو اپنے واسطے تجویز کر لیا اسلئے کہ علم فقہ کی بدولت آدمی مرجوع خلایق ہو جاتا ہے۔ امراء اور بادشاہ وقت سب کو اہل فقہ کی محتاجی لاحق رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوحنیفہ کو اپنے اس پیشہ میں خوب فروغ ہوا اور خلیفہ منصور نے آپکی خوب سرپرستی کی خلیفہ منصور دوانقی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے دلی عناد رکھتا تھا اور اوسی نے آپکو زہر سے شہید کروایا۔ منصور کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضرت امام جعفر صادقؑ سے مسئلہ دریافت کرتا تو اس پر ایک اشرفی جرمانہ کرتا تھا اور جو ابوحنیفہ سے مسئلہ دریافت کرتا تو اس کو ایک اشرفی انعام دیا کرتا تھا۔ حکومت اور خلیفہ کی ایسی پشت پناہی سے ابوحنیفہ کے مذہب نے خوب ترقی پائی اور ابوحنیفہ ہمیشہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدِ مقابل بنے رہے اور جب حضرت امامؑ کا انتقال ہوا تو ابوحنیفہ نے ایک مشہور بزرگ مومن طاق سے طنزاً کہا۔ مات امامکم یعنی تمہارا امام تو مر گیا۔ مومن طاق نے جواب دیا لکن امامک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔ لیکن تمہارا امام کو روز قیامت تک مہلت دیا گیا ہے (یعنی شیطان)

امام غزالی اپنی کتاب "منخول علم الاصول" میں لکھتے ہیں "ابوحنیفہ کو علم حدیث میں بہت کم دخل تھا۔ اور وہ فقیہ النفس بھی نہ تھے بلکہ تکالیف بے محل اصول شرعیہ کو توڑنے کے لئے عمل میں لایا کرتے تھے" اس کے بعد لکھتے ہیں "امام ابوحنیفہ فقلب الشریعت ظہر البطن" یعنی ابوحنیفہ نے شریعت کو الٹ دیا۔ رو کو پشت اور پشت کو رو کر ڈالا۔

علاّمہ جاراللہ زمخشری تفسیر کشاف میں اور نیز ربیع الابرار میں لکھتے ہیں:۔

"یوسف ابن اسباط نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ نے رسول خدا پر چار سو یا اس سے زیادہ حدیثیں رد کیں نیز ابو حنیفہ کہتے تھے کہ اگر رسول خدا مجھ کو پاتے تو میرے بہت سے اقوال اختیار کرتے (یعنی ابو حنیفہ کی پیروی کرتا)۔ امام شافعیؒ کتاب نکث الشریعت میں لکھتے ہیں ۔ اسلام کے اندر کوئی شخص ابو حنیفہ سے زیادہ منحوس نہیں پیدا ہوا (یہ بالکل وہی اظہار خیال ہے جو ابو حنیفہ کے متعلق حضرت سفیان ثوری نے کیا تھا) امام شافعی نے یہ بھی کہا ہے کہ "میں نے اصحاب ابو حنیفہ کی کتابوں میں نظر کی تو ان میں ایک سو تیس ورق کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے خلاف ملے۔ ابن جوزیؒ "منتظم" میں کہتے ہیں کہ سارے علماء ابو حنیفہ پر طعن کرنے میں متفق ہیں۔ اصحاب شافعی میں سے امام الحرمین بھی ابو حنیفہ پر طعن کرتے تھے۔ اسی طرح اصحاب ابو حنیفہ اور ابن حزم علی ابن احمد اندلسی وغیرہ بھی امام شافعی اور امام مالک پر طعن کرتے رہے ہیں۔ سُنّی ائمہ اربعہ کے باہمی تضاد اور ایک دوسرے کو مطعون کرنے کا یہ حال ہے۔ علامہ جار اللہ زمخشری تفسیر کشاف جلد سوم ص ۳۰۱ پر لکھتے ہیں:۔

"اگر مجھ سے میرا مذہب دریافت کریں تو میں اس کو ظاہر نہیں کروں گا کیونکہ اسکے پوشیدہ رکھنے ہی میں سلامتی ہے اسلئے کہ اگر میں کہوں کہ حنفی ہوں تو کہتے ہیں تم خراب شراب کو حلال جانتے ہو۔ اگر کہوں مالکی ہوں تو کہتے ہیں تم کتّے کا گوشت حلال سمجھتے ہو۔ اگر کہوں شافعی ہوں تو کہتے ہیں تمہارے یہاں اپنی لڑکی سے نکاح جائز ہے اگر کہوں حنبلی ہوں تو کہتے ہیں تم حلولی اور مجسمہ مذہب کے ہو اگر کہوں اہل حدیث سے ہوں تو کہتے ہیں یہ بکرا ہے کچھ جانتا بوجھتا نہیں ہے" تعجب ہے کہ خانوادہ سرکار انبیاءؑ کے ائمہ طاہرینؑ کو چھوڑ کر جن کی پیروی کے لئے خدا اور رسولؐ کے تاکیدی احکامات موجود ہیں اور جن کے ارشادات میں کوئی شمہ برابر بھی تضاد نہیں ہے لوگ ایسے نام نہاد اماموں کی پیروی کرنے تیار ہیں جو نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے کو جاہل اور راہ گم کردہ تبلاتے ہیں۔ ان میں سے کبھی ایک کے متعلق بھی نہ تو قرآن میں نہ ارشاد رسولؐ میں کوئی ذرّہ برابر بھی اشارہ ہے ان میں سے کسی نے رسول اللہ کا زمانہ بھی نہیں دیکھا بلکہ تقریباً ایک صدی یا اس کے بھی بعد پیدا ہوئے۔

حضرت ابو حنیفہ کے اجتہاد کی بنیاد تمام تر قیاس پر ہے اور قیاس کو آپ نے اسقدر وسعت دی ہے کہ خود ان کے شاگرد ابو یوسف اور محمد بن الحسن بھی ان کی اتباع سے منحرف ہونے لگے تھے۔ ملل ونحل ص ۱۵۳ پر علامہ عبدالکریم شہرستانی لکھتے ہیں:۔ امام ابو حنیفہ اپنے قیاس جلی کو حدیث خبر واحد پر مقدم کرتے تھے۔ دوکیا حدیث رسولؐ کا اور ترجیح دینا اپنی رائے کو گویا شریعت ناسخ کو منسوخ کرنا ہے "حضرت ابو حنیفہ کے بعض اجتہادات کی مثالیں یہ ہیں جو شافعیؒ حنبلی یا مالکی کسی بھی فقہ میں نہیں ملتیں۔

۱۔ کتّے کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ کتّے کے چمڑے کا جامہ کہ ربع اس کا نجاست غلیظ میں ڈوبا ہوا ہو ادائے نماز کے لئے جائز ہے (یعنی کتا بھی نجس العین نہیں ہے)

۲۔ سُور کی جھلی میں حلال جانوروں کا گوشت رکھکر مصرف میں لانا حلال ہے (یعنی سؤر میں بھی نجس العین نہیں ہے)

۳۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ابو حنیفہ کا یہ قول درج ہے کہ حصولِ شفار کی غرض سے قرآن کو پیشاب، خون یا کسی دیگر نجس شئے سے لکھنا جائز ہے۔

۴۔ ہدایہ اور شرح وقایہ میں یہ قول درج ہے کہ بنیذ کو کھجور کی مقدار اور شراب کو خشک انگور کی مقدار میں پی لینا کہ نشہ نہ لائے جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں یہ قول درج ہے کہ اگر کھجور کی بنیذ کو کوئی شخص نو پیالے تک پئے اور نشہ پیدا نہ ہو اور پھر دسویں پیالے کے پینے پر نشہ ہو جائے تو ایسے پینے والے پر شراب خواری کی حد نہیں لگائی جائیگی۔

۵۔ آپ کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے۔

۶۔ فتاویٰ قاضی خاں کنز الدقائق اور چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں حضرت ابو حنیفہ کے یہ فتوے درج ہیں کہ زنِ زانیہ کی چکائی ہوئی خرچی اس عورت کے لئے حلال ہے اور ایسا مرد جو خرچی دیکر کسی عورت سے زنا کرے اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

۷۔ ہدایہ صفحہ ۴۹۶ و فتاویٰ قاضی خاں جلد ۴ صفحہ ۴۰۷ مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ میں یہ فتویٰ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنی ماں بہن، بیٹی یا دیگر محرم شرعی سے نکاح کرے اور ایسی منکوحہ کے ساتھ مجامعت کرے تو ایسے شخص پر حد لازم نہیں ہوتی۔

۸۔ غایت الاوطار (ترجمہ اردو) در المختار جلد دوم مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۳ء صفحہ ۲۲ پر ابو حنیفہ کا فتویٰ درج ہے:۔

"حلال ہے مرد کو وطی اس عورت کی جس نے مرد پر جھوٹا دعویٰ کیا قاضی کے نزدیک اسکا کہ اس مرد نے اس سے نکاح کیا اور حکم کرایا قاضی نے اسکے ثبوت نکاح کا بہ سبب گواہی ان گواہوں کے جنکو عورت نے پیش کیا حالانکہ مرد نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اور مدعیہ کے گواہ دونوں جھوٹے تھے۔ پھر بھی قاضی کا حکم ظاہر میں بھی نافذ ہوگا۔ اور نفقہ وغیرہ مرد پر لازم آئے گا اور باطن میں بھی ابو حنیفہ کے نزدیک نافذ ہوگا۔ اور بلا تردد وطی حلال ہوگی۔ اور اسی طرح حلال ہے وطی مرد کو اگر خود مرد نے عورت کے نکاح کا جھوٹا دعویٰ کیا اور گواہ سنکر قاضی نے حکم دیا حالانکہ عورت نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اور مدعی اور گواہ دونوں جھوٹے تھے۔" اور وہ شخص مواخذہ دین و دنیا سے بری ہو جاتا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ابو حنیفہ کے اس خلافِ عقل فتویٰ نے چالباز اور بدکردار اور مردوں کیلئے کیسی راہیں کھول دی ہیں کہ کوئی بدکردار آدمی کسی نکوکار عورت کے مقابلہ میں جھوٹے گواہ پیش کرکے اسکو اپنی بیوی بنا سکے اور کوئی فاحشہ عورت کسی مردِ متقی کے مقابلہ میں جھوٹا دعویٰ کرکے اسکو اپنا شوہر قرار دلا دے اور اسپر ادائے وظیفۂ زوجیت، نفقہ وغیرہ ہر قسم کی شرعی ذمہ داری عائد کرے۔ غرض کہ اس قسم کے

بکثرت بے سروپا اور ناقابل فہم اجتہادات حضرت ابو حنیفہ کے ملتے ہیں۔

حضرت ابوحنیفہ کی نوعیت اجتہاد کا پتہ ذیل کے واقعہ سے بھی چلتا ہے۔ محمد بن نوفل نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوحنیفہ نے کہا کہ حدیث غدیر خم کا (جو متفق علیہ ہے) اقرار نہیں کرنا چاہیئے اور میں نے اپنے تابعین کو اسکے ذکر سے ممانعت کر دی ہے۔ جیشم بن جیب صرفی موجود تھے۔ یہ سن کر ان کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا اے ابوحنیفہ تمہیں اسکی خبر نہیں کہ حضرت علیؑ نے صحابہ سے اسکی تصدیق کروالی ہے۔ ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ حدیث کی صحت میں کلام نہیں مگر شیعہ اسمیں زیادہ خوض کرتے ہیں اور اشخاص غیر شیعہ کو تنگ کرتے ہیں۔ یہ اچھا اجتہاد ہے کہ حق کی بات پر کوئی اصرار کرے تو حقیقت سے ہی انکار کر دو۔

گر ہمیں مکتب است و این ملا کار طفلان تمام خواہد شد

یہ امر بطور خاص توجہ کے قابل ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ حضرت ابوحنیفہ کی پیروی کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر چند حدیث نبویؐ یہ ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی مگر درحقیقت اصل کے اعتبار سے یہ تہتر فرقہ دس فرقے ہیں یعنی اہل سنت، خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، حروریہ، نجاریہ، کلابیہ۔ پھر ہر فرقہ کی شاخوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فرقہ حنیفہ فرقہ مرجیہ کی ایک شاخ ہے اور اس طرح حنفیہ کو اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں اور صرف اہل سنت کو ناجی کہتے ہیں۔ یعنی حنیفہ کو دوزخی قرار دیتے ہیں۔ بعض دیگر علماء نے بھی ابوحنیفہ کو مرجیہ میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب معارف میں ابوحنیفہ اور آپ کے استاد حماد بن سلمان اور شاگردوں ابویوسف اور محمد بن الحسن کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

حنفی اہل سنت کے بعد باقی ماندہ فیصد میں سے اکثریت شافعی اہل سنت کی ہے

حضرت شافعی

یعنی حضرت شافعی کے پیروؤں کی۔ خود حضرت شافعیؒ اہل بیت اطہارؑ کے گہرے عقیدتمند تھے۔ حضرت علیؑ کے متعلق تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ انکا رب اللہ ہے یا علیؑ ان کے رب ہیں۔ پھر آل رسولؐ کے تعلق سے وہ کہتے ہیں کہ ان کے شرف کے اظہار کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ان کی محبت خدا نے قرآن میں فرض کر کے اتاری ہے اور جو ان پر درود نہیں بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حضرت شافعی کی پیدائش ۱۵۰ھ میں اور وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے۔ انہوں نے دو ائمہ اہل بیت حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت علی الرضا علیہ السلام کا زمانہ دیکھا جن کی شہادت علی الترتیب ۱۸۳ھ اور ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ اس طرح آٹھ ائمہ اہلبیتؑ کے ارشادات و احکام ان کے سامنے تھے جب ان ائمہ کا یہ درجہ خود حضرت شافعی سمجھتے ہیں تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ائمہ معصومینؑ کے ارشادات اور مقرر کردہ طریقوں کا مقابلہ میں خود اپنا اجتہاد یا کوئی دوسرا طریقہ پیش کرنے کی کیا وجہ ہے اور پھر ائمہ معصومینؑ کے ارشادات

اور طریقہ کے سامنے کسی دوسرے طریقے کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔

مالک ابن انس و احمد ابن حنبل

مالک ابن انس حضرت رسولِ خُدا کی وفات کے ۸۲ سال بعد پیدا ہوئے یہ امام مالک کے نام سے موسوم ہیں اور چار بڑے سُنّی فرقوں میں سے فرقہ مالکی کے امام ہیں اپنا قول یہ لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی) کہ "کوئی شخص سوائے معصوم و موردِ الہام و وحی ہونے کی شرائط پورا کرنے کے امام نہیں ہو سکتا" یہ گویا تمام تر شیعہ نظریہ ہی ہے۔

فرقہ حنبلی کے پیشوا احمد بن حنبل حضرت رسول خدا کے انتقال کے ۱۵۳ سال بعد پیدا ہوئے۔ اہلِ سُنّت کے خلفاء میں سے کسی کو (بجز حضرت علی علیہ السلام و حضرت حسن علیہ السلام کے کیونکہ ان کے نام اہلِ سُنّت کی فہرست خلفاء میں بھی موجود ہیں) خواہ خلفائے ثلاثہ ہوں یا دیگر خلفاء کسی کو اپنی عصمت کا دعویٰ نہیں ہے اور نہ کوئی اہلِ سنّت بھی ان کو معصوم جانتا ہے۔ ہاں دعویٰ عصمت صرف ائمہ اہلبیت (اطہارؑ) کو ہے۔ اور ان کے پیرو یعنی شیعہ ان کو معصوم جانتے ہیں اور تقریباً تمام اہلِ سنّت بھی ان کے اعلیٰ اور برتر صفات کے معترف ہیں اور انکو بارہ اماموں کے نام سے یاد کرتے ہیں اسی طرح حضرت مالک کی بیان کردہ صفات کے لحاظ سے بجز ائمہ اہلبیت کے اور کوئی امام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اب لُطف یہ ہے کہ خود حضرت مالک کے پیروؤں نے ان کو امام بنادیا اور امام مالک کے نام سے یاد کرنے لگے امامت کا یا تو وہ درجہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے صاحب مرتبہ پیغمبر کو جبکہ وہ سالہا سال پیغمبر رہ چکے تھے۔ ۹۰ برس کی عمر میں ذبح اسمٰعیلؑ کے کڑے امتحان کے بعد اسکی کامیابی کے صلہ میں امامت عطا ہوئی تھی جیسا کہ اس کتاب میں دوسرے مقام پر مذکور ہوا۔ قرآن شریف میں بیسیوں مقامات پر آیا ہے کہ امام اللہ بناتا ہے۔ کہاں امامت ایسا عظیم امر تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی عطا ہوتی تھی کہاں یہ خطۂ زمین ایسا مردم خیز ہو گیا کہ چاروں طرف سے امام اُگنے لگے اور پہلے اللہ امام بناتا تھا تو اب عوام الناس کی طرف سے امامت بٹنے لگی۔ کوئی امام رازی بنا تو کوئی نودی، کوئی امام بغوی تو کوئی تفتہ زانی، کوئی امام نسائی تو کوئی حنبل وغیرہ وغیرہ۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :-

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے　　　اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں۔

رسولؐ کے گھرانے کے ائمہ اطہارؑ موجود ہوتے ہوئے اور انکی بزرگی کا زبانی اظہار کرتے ہوئے بھی امامت کے درجہ کو ایسا گھٹانا اور امام کے لقب کو ایسا ارزاں کر دینا کہ ایک دن آپ اور میں بھی امام کہلانے لگیں سمجھ سے بالکل باہر ہے۔

صاحبانِ تحقیق اور تاریخ پر نظر ڈالنے والے حضرات سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ خطاب امامت کا یہ بٹوارہ محض سیاسی اغراض اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی اہمیت کو گھٹانے اور اپنی اپنی حکومت کے استحکام کی فکر کی غرض سے تھا جیسا کہ جسٹس امیر علی کا قول درج ہوا ہے کہ "ہوس اقتدار، نفسانی خواہشات اور مادّی فائدوں کی طمع نے اسلام کے پرخچے اُڑا دیئے"۔ بلاشک اقتدار کی ہوس ہے ہی ایسی بلا انگلستان کا مشہور شاعر شیلی لکھتا ہے :-

POWER LIKE A DESOLATING
PESTILENCE POLLUTES WHAT'ER IT TOUCHES

یعنی اقتدار ایک تباہ کُن بلا ہے جو گندہ ہی کر ڈالتی ہے خواہ جس چیز کو بھی چھو جائے۔

حضرات اہلسنّت اُصول دین میں ابوالحسن اشعری یا واصل بن عطا کی اور فروع دین میں امام ابوحنیفہ امام شافعیؒ امام مالک یا امام احمد ابن حنبل کسی ایک کی پیروی کرتے ہیں۔ ابوالحسن اشعری ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں مرے۔ واصل بن عطا کا زمانہ بھی اسی کے قریب تھا۔ ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں مرے۔ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مرے۔ امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں مرے اور امام احمد ابن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں مرے ان سے پہلے کے جو مسلمان تھے ان کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی ان مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔ پھر کیا ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی کہیں برائے نام بھی کوئی حکم قرآن میں یا کوئی ارشاد رسُول ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی پیروی کرو۔ کیا ان میں سے کسی ایک کا بھی وجود آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھا؟ اس کے برعکس مذہب شیعہ تو حضرت رسولؐ ہی کے زمانہ سے ہے اور آپ نے علیؑ کی پیروی و اطاعت کا حکم اُمّت کو دیا اور فرمایا کہ صرف علیؑ کے شیعہ ہی جنّت میں جائیں گے۔ اہلبیتؑ رسُول کی طہارت اور علم کی سند اور ان کی پیروی کا حکم قرآن میں جا بجا موجود ہے۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ امر سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ اہلبیتؑ کی پیروی چھوڑ کر دوسروں کی پیروی اور دوسروں کو اپنا مذہبی امام ماننے کا کیا جواز ہے؟ سرکار دو عالمؐ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے ائمہ عترت و اہلبیتؑ عدیلِ قرآن، سفینۂ نجات اور باب حطہ ہیں اور ان کی پیروی و اطاعت ذریعہ نجات اور ان سے دُوری و سرکشی موجب ہلاکت ہے۔ حدیث ثقلین میں قرآن اور اہلبیتؑ دونوں سے تمسک رکھنے کا سرکارِ دو عالمؐ کا ارشاد مُسلّمہ فریقین ہے۔ جس طرح مسلمان قرآن کو چھوڑ کر کوئی دوسری کتاب اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح اہلبیتؑ کو چھوڑ کر کسی دوسری شخصیتوں کو ان کی جگہ کھڑا نہیں کر سکتا بشرطیکہ اسکو مسلمان باقی رہنا ہو۔ منہ سے کہہ دینا اور بات ہے کہ ہم بھی اہلبیتؑ سے تمسک رکھتے ہیں مگر اہلبیتؑ کی بجائے کسی دوسرے کا قدم درمیان میں لانا ہی ترک تمسک ہے۔

یہاں علاّمہ تنکابنی کی کتاب قصص العلماء کے حوالہ سے جسکا اُردو ترجمہ میری نانی کے ماموں زاد بھائی

مولانا نادر علی رعد فرمایا علامہ حلی (حسن بن یوسف بن مطہر متوفی ۷۲۶ھ) کی جوان العمری کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا ایران کے ایک سنّی المذہب بادشاہ محمد بندہ شاہ معروف بہ خدابندہ کو ایک فقہی مسئلہ درپیش تھا۔ اس نے حکم دیا کہ سلطنت میں رہنے والے تمام مسلکوں کے علماء کو بلایا جائے۔ چنانچہ حنفی مالکی شافعی حنبلی علما بلائے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کسی اور مسلک کا بھی کوئی عالم ہے۔ لوگوں نے کہا ایک چھوٹی سی جماعت شیعہ نامی کا ایک عالم ہے۔ بادشاہ نے کہا اسکو بھی بلایا جائے۔ دربار منعقد ہوا اور تمام سنّی مسلک کے علماء نے آگے ساتھ کی نمایاں نشستیں سنبھال لیں اور صرف داخلہ کی جگہ جوتیوں کے پاس جگہ چھوڑی۔ اُدھر علامہ حلّی کے استاد نے جنکو طلب کیا گیا تھا اپنے شاگرد سے کہا میری ضرورت نہ پڑیگی تم نبٹ لو۔ علامہ حلی جو اسوقت بالکل لڑکے معلوم ہوتے تھے جب پہنچے تو داخل ہوتے ہی صورت حال کو تاڑ لیا اور اپنی جوتیاں ہاتھ میں اٹھا کر سیدھے خدا بندہ کے تخت پر معہ جوتیوں کے بے خوف جا بیٹھے۔ لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں اور کیا نازیبا حرکت ہے۔ علامہ حلی نے کہا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ رسولؐ اللہ کی جوتیاں ابو حنیفہ چرا کر لے گئے تھے اور مجھے خیال ہوا کہ یہاں بھی اُن کے پیرو موجود ہیں میری جوتیاں چرا لینگے۔ لوگوں نے کہا کیا بکتے ہو ابو حنیفہ تو رسول اللہ کی وفات کے ستر سال بعد پیدا ہوئے۔ حلی نے کہا ہاں ہاں ابو حنیفہ نہیں مالک نے جوتیاں چرائی تھیں۔ لوگوں نے کہا ارے وہ تو اسّی سال بعد پیدا ہوئے۔ حلی نے کہا نہیں نہیں شافعی چرا کر لے گئے تھے۔ کہا گیا کہ وہ تو ایک سو چالیس سال بعد پیدا ہوئے۔ حلی نے کہا یاد آیا احمد بن حنبل نے جوتیاں چرائی تھیں سنّی عالموں نے کہا وہ تو ایک سو ترپن سال بعد پیدا ہوئے۔ حلی نے کہا اتنے اتنے عرصہ بعد پیدا ہونیوالوں سے تم قولِ رسول لینا چاہتے ہو اچھا سناؤ۔ بادشاہ نے مسئلہ پیش کیا۔ چاروں سنّی مسلک کے علماء نے اپنے اپنے جواب دیئے۔ بادشاہ نے کہا اے عالم ملتِ جعفری تو کیا کہتا ہے۔ حلی نے کہا حضور نے سُنا نہیں۔ کہا مگر ہمکو تشفی نہیں ہوئی۔ حلّی نے کہا ان علماء نے ان لوگوں سے فتوے سنائے ہیں جو رسولؐ اللہ کے ایک ایک صدی بعد پیدا ہوئے اب میں اسکا حکم سُناتا ہوں کہ جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو رسولؐ اللہ کی گود تھی اور جب رسولؐ کی آنکھیں بند ہوئیں تو اسکی گود تھی۔ حلّی نے مسئلہ حل کیا تو بادشاہ نے کہا اب ہمکو تشفی ہوگئی۔

اس کے بعد خدابندہ نے مناظرہ منعقد کرایا۔ متعدد سُنّی علماء کے مقابلہ میں ایک نوجوان علامہ حلّی تھے انھوں نے ہر ایک کو لاجواب کر دیا اور کہا پہلے اپنے آپس کے اختلافات سے تو نبٹ لو کہ تم میں کون سچا ہے۔ اس مناظرہ کے بعد خدابندہ نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا اور اس کے زمانہ سے ایران میں شیعہ مذہب کی ترویج ہونے لگی۔ پھر شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں اسکو مزید تقویت حاصل ہوئی۔

علامہ باقر مجلسی فرمایا کرتے تھے علامہ حلی نے جوتیوں کے زور پر اپنا مسلک منوا لیا۔

علامہ ابوبکر شہاب وجوب المحبۃ عن مہرا برقیتہ مطبوعہ سنگاپور صہ۲۶ پر فرماتے ہیں:۔

"جو کچھ مولف کتاب (نصائح کافیہ) نے ذکر کیا ہے وہ واقع میں صحیح ہے یعنی ہم اہلسنت اہلبیت علیہم السلام میں سے کسی کے قول سے حجت نہیں لیتے نہ اصول دین میں نہ فروع دین میں ۔جس طرح ائمہ میں سے ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد یا جو لوگ اس کے بعد گزرے مثل عمر ابن حسن، ابویوسف ۔یحییٰ بن یحییٰ مزنی ربیع طحاوی، نووی کے قول سے حجت لیتے ہیں یا جیسے فروع میں ابن قیم کے قول پر عمل کرتے ہیں اور اصول دین میں اشعری ماتریدی یا جو انکے تابعین ہیں جیسے باقلانی، غزالی، عصدی وغیرہ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔ ہم لوگ ان کے اقوال سے تمسک کرتے ہیں۔ ہمارے قاضی اور علماء بھی انہیں کے اقوال پر کاربند ہوتے ہیں اور ادلّہ کا تتبع بھی نہیں کرتے اور نہ اسکے ماخذ کو دیکھتے ہیں مگر شاذ و نادر مقامات میں ہر تقلید رہ گئی ہے۔ خدا کی قسم دیکر اس معترض سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ہم لوگ کسی ایک مسئلہ میں بھی اعتماد کرتے ہیں کسی ایک امام کے قول پر ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے جو باسناد صحیح ان حضرات سے منقول ہیں۔ وائے ہو اور پوری وائے ہو اس شخص پر جو مخالفت کرے ان حضرات اہلبیت علیہم السلام کے قول کی جو سب مطابق آیۃ شریفہ یا حدیث صحیح کے ہیں حالانکہ یہ حضرات اہلبیت امر حق کی تحقیق میں انتہائی جدوجہد وسعی فرماتے رہے ہیں اور یہ حضرات مشکور و ماجور ہیں اور درآنحالیکہ اہلبیت طاہرین میں وہ فرد ہیں جو اعلم و افضل ہیں ان لوگوں (یعنی ابوحنیفہ وغیرہ) سے۔"

علامہ ابوبکر شہاب اسی کتاب کے صہ۳۵ پر لکھتے ہیں:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ مولف (نصائح کافیہ) کی غرض اس ذکر سے کہ ہم لوگوں نے روایت لینا ترک کردی ہے اہلبیت سے اور ان حضرات سے اخذ کرنا روایت کا ترک کردیا ہے یہ ہے کہ رد کرنا مقصود ہے اس کا جو اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ ہم تمسک رکھتے ہیں حضرات اہلبیت علیہم السلام سے یہ دعویٰ نہیں سنا جاسکتا جب روایت لینا ترک کردی گئی ہے اہلبیت سے اور نہ ان سے کوئی مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے"۔

علامہ ابوبکر شہاب صاف صاف بلا تامل کہہ رہے ہیں کہ "ہمارے ہم مذہب سُنّی بھائی نہ کوئی روایت حضرات اہلبیت علیہم السلام سے لیتے ہیں اور نہ اصول و فروع دین میں اقوال اہلبیت پر عمل کرتے ہیں"۔

حضرات اہل سنت کا یہ عمل مسلمہ اور ان کا مقبولہ ہے ہم نے اس کو صرف واضح کردینے ایک عالم اہل سنت کے قول کو نقل کردیا ہے۔

اس ضمن میں پروفیسر محمد عبدالعلی صاحب نے اپنی کتاب Caliph Ali میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ہم ان ہی کے الفاظ بحوالۂ صفحہ نقل کرتے ہیں:۔

The old adage: It is a pleasure to offer prayers behind Ali and it is a pleasure to dine at the table of Moawiyah is literally true even today.

Instances are not wanting when the tongues of those Ulamahs were physically pulled out because they refused to utter words of disrespect against the Ahl-e-Bait. Accordingly to Maulana Abul Kalam Azad, the practice of 'Tabarah' (i.e. abusing the Ahle-Bait) was first initiated by Sunni Ulamas..... It is not at all surprising that with the Ulamas the generality of Muslims adopted new values and discarded the old ones. They no longer remembered the ecstacies one desired in offering prayers behind Ali, but could well remember the pleasures of the body partaken at the court of Moawiyah, Yazid and his successors (p.97)

The majority of Muslims succumbed to the material temptations, while notable exceptions kept themselves aloof from the main currents of life and lived essentially in complete seclusion (p.96)

It may be that to rediscover and restore the moral and intellectual spirit of Ali was beyond the capacities of average Muslims after they had tasted the sweet fruits of Moawiyahism. (p. 98)

In later centuries the propoganda machinery of Moawiyah and the official chronicle that he commanded to be written emphasised Moawiyahism as Islam par excellence, while Ali and his sermons and Jafar Sadiq and his sermons hardly reached the masses (p. 101).

Moawiyahism its traits of expediency and polished surface under corrupt interior passed as Muslim character. For how else could one explain practising of these qualities as the general code of conduct emulated by both the lettered and the un-lettered, by the sophisticated and the non-sophisticated ? (p. 102).

The tragedy of the modern educated Muslims is that they adopt the cult of expediency and their evasion of truth as Islamic characteristics, the greater tragedy lies in the fact that they do so paying mere lip-service to Ali, while practising what he hated and fought against (p.103)

At heart we believe in Moawiyahism and act as Moawiyahs, paying only lip service to Ali and merely appear to be his admirers and followers (p.105)

قابلِ غور ہے کہ حدیثِ ثقلین اور اہلبیت سے تمسک اختیار کرنے کے حکم رسُول کی کیا یہی تعمیل ہے۔ عملاً جب ان سے کنارہ کشی کر کے دوسروں سے تمسک اختیار کر لیا گیا تو منہ سے یہ کہنا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام سے تمسک رکھتے ہیں ایک دعویٰ بے دلیل و بے حقیقت ہوگا۔ نتیجہ میں گویا یہ کہنا پڑے گا کہ اہلسنّت کے مذہب کی بنیاد ہی اہلبیت سے کنارہ کشی کر کے دوسروں کے اقوال و طریقوں پر عمل کرنے پر ہے۔ ناظرین خود غور فرمائیں کہ آیا وہ مسلک اور طریق ہمارے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے جس پر رسُول کے گھرانے کے ائمہ معصُومین وارثانِ کتاب و علم الٰہی عمل پیرا تھے اور جن سے متمسک رہنے کا حضرت رسُولؐ حکم فرما چکے تھے یا انہیں ائمہ سے سیکھ کر بلا اختیار اپنی ذہنی تراش خراش پیش کرنے والوں کا طریقہ اور ان کے بتائے ہوئے اصول قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔ آخر عقل اسکا کیا تصفیہ کرتی ہے جہاں کھرا سکّہ ملتا ہو تو کھوٹے کی طرف رجوع کون کرے اور کیوں کرے۔ جیسا کہ مشہور شاعر مومن خاں مومنؔ جو اہلِ حدیث سے تھے' فرماتے ہیں:۔

تقلید کی ٹھیری تو بنوں گا شیعہ ۔۔۔۔۔ کس واسطے چھوڑ دیجئے افضل تر امام

تہذیب الاخلاق مطبوعہ مُصطفائی پریس لاہور جلد دوم صفحہ ۱۶۳ پر علّامہ سر سیّد احمد خاں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں بلا خوف اُسکو کرتا ہوں بقول شخصے "از خدا شرم دارو شرم مدار" ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ کسی کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہوگا مجھ کو اس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ کی بھی خدا نے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق۔ یہ اُمور جو میں نے لکھے ہیں۔ مجھکو لکھنے زیبا نہ تھے مگر بہ مجبوری۔ جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اس کا عام طور پر ظاہر کرنا ضروری تھا اسلیئے دو چار حرف اس سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اس پر غور کریں"۔

ص ۱۹۵ پر وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"مذہب شیعہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے۔ کوئی زمانہ مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا مگر متاخرین اہلسنت وجماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہوگیا اور اب کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا مگر اب تک ان کو اسمیں شبہ ہے کہ نعوذ باللہ مثل خاتم النبیین کے خاتم المجتہدین کون ہے۔ کسی نے زید کو اور کسی نے عمرو کو بتلایا ہے؟"

ص ۲۰۱ پر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:- "جو کہ مسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقائد مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات ملکی سب کا سب تقلیداً بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیئے جو نا واجب تقلید اصلی باعث ان تمام خرابیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں۔ رویائے صادقہ ص ۵۱ پر شمس العلماء حافظ نذیر احمد خاں سوال و جواب کی شکل میں اس طرح رقمطراز ہیں:-

سوال:- اچھا تو پھر آپ سُنی ہیں یا شیعہ؟

جواب:- نرا مسلمان۔ نہ سُنی نہ شیعہ سُنی شیعہ بننے کا وقت اب نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ زندہ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں تم کو دکھاتا کہ میں سُنی ہوں یا شیعہ۔

سوال:- پھر بھی تو آخر آپ ہیں کس طرف۔

جواب: دُنیا کے اعتبار سے تو میں شیعہ ہوں یعنی اگر میرے ہوتے وہ واقعات پیش آتے ہوتے تو میں غالباً اہلبیت کا ساتھ دیتا۔ نہیں معلوم اس وقت میری یہ رائے ہوتی یا نہ ہوتی مگر جہاں تک ان جھگڑوں کے حالات مجھے معلوم ہوئے ہیں اگر بس یہی ہیں تو میں مرجاتا اور حضرت فاطمہؑ کی آنکھ پر میل نہ آنے دیتا اور جو کچھ وہ فرماتیں بجا لاتا بیچارے ہوا میں فرق نہ کرتا اسلامی سلطنت رہتی یا جاتی اور جاتی ہی کیوں؟

کوئی سرسری طور پر بھی جانچنے کی کوشش کرے تو ایک ہی نظر میں معلوم ہو جائیگا کہ کسی ایک امام اہلبیت اطہارؑ نے نہ کبھی دوسرے امام کے نظریہ کے خلاف کوئی نظریہ پیش کیا اور نہ کوئی مختلف ارشاد فرمایا جو ایک کا قول وہی دوسرے کا قول رہا جو حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا اس کے بموجب امام اوّل حضرت علیؑ نے فرمایا وہی حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ نے اور وہی از ابتدا تا انتہا ہر امام نے فرمایا ان کا عمل ایک زبان ایک ارشاد ایک جزو کل ایک حسب الارشاد رسول حیب کتاب اللہ اور اہلبیت تاقیامت ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے اور ہر امام بری از خطا ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان میں کا ایک جو کہتا ہے وہی دوسرا اور راسخون فی العلم ہونیکی دلیل یہی ہے۔

اب دوسری طرف نظر ڈالئے اوّل تو سیکھا ان ہی ائمہ اہلبیت سے اور ان ہی کے مدح خواں اور ثنا گر رہے اور پھر ساتھ ہی ہر ایک نے اپنی اپنی تراش خراش پیش کردی اور پھر ہر ایک کا قول الگ اور حضرت ابو حنیفہ کچھ کہتے ہیں تو حضرت شافعی کچھ حضرت مالک کچھ اور حضرت حنبل کچھ اور ان کا یہ اختلاف اور ایک دوسرے کی تردید کرنا خود یہ بتا دیتا ہے کہ ان کے یہ نظریئے بجائے خود ہی دُرست نہیں۔

و لو فرض اگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے ارشاد سے مختلف بھی کوئی نظریہ درست ہوتا تو کم از کم سب کا کوئی ایک مشترک نظریہ ہوتا۔ مگر نہ تو ائمہ اہلبیت کے نظریہ کے خلاف کوئی نظریہ درست ہو سکتا تھا اور نہ یہ ممکن تھا کہ کوئی ایک نظریہ پیش کیا جا سکتا۔ چنانچہ جب لوگوں نے دخل در معقولات کر کے اپنے اپنے اجتہادات اور نظریے پیش کرنا چاہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے منہ اتنی باتیں اور اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کا مضمون ہو گیا اور دین کی افتراق زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی گئی۔ احکام خداوندی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقو (آل عمران ۱۰۳) اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہو جاؤ اور "وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (الانعام ۱۵۳) یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ تمکو خدا کے راستہ سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے" پر عمل نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد متنبہ کر دینے کے لئے کافی ہے جس کی روایت مشہور محدث اہلسنّت حاکم نے عبد اللہ ابن عباس سے کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میرے اہلبیت امت کے لئے اختلاف سے امان ہیں اور جو لوگ ان سے اختلاف کرینگے وہ شیطان کا گروہ بن جائینگے۔

حضرت شہاب الدین سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) کی کتاب عوارف المعارف کی شرح حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز نے فرمائی ہے اور اصل کتاب بزبان عربی ۱۲۸۹ھ میں مصر میں طبع ہوئی ہے۔ اسکے باب الثالث فی فضیلت علوم الصوفیہ میں ہے "دلعمری حق ہمانست انچہ مصطفےٰ و مرتضیٰ بکشف و عیان دانستند و بخلق رسانیدند۔ فکر و استدلال را آنجا چہ مساغ باشد۔ تقلید آنحضرت و معصوم درست است وبس" یعنی میری جان کی قسم حق تو صرف یہ ہے کہ جناب محمد مصطفےٰ و علی مرتضیٰ سے بذریعہ کشف یا ظاہر بظاہر معلوم کیا گیا اور خلق تک پہونچایا گیا اسمیں فکر و استدلال کی قطعاً راہ نہیں اور آنحضرتؐ اور معصوم کی تقلید ہی درست ہے اور بس۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے اشارات کافی معنی خیز ہیں (فتنۃ الکبریٰ ص۳۲۳):

"ان حوادث و انقلابات نے جن کی پہلی منزل حضرت عثمان کا خون تھا مسلمانوں کو دو صاف اور سیدھے راستہ پر کھڑا کر دیا۔ ایک تو وہ جو پہلے سے قوموں کا چلا ہوا ہے یعنی سلطنت اور ملک گیری کا راستہ جس کی بنیاد تدبیر استقلال قوت و شوکت پر ہے جو دنیاوی مشکلات کا حل دنیا کے اسباب سے کرنا چاہتا ہے۔ دوسرا وہ راستہ جس کو حضرت رسولؐ نے ہموار کیا تھا۔۔۔ اکثریت نے پہلا راستہ اختیار کیا اور آزمائش میں ڈالے گئے اور دنیا کی دوسری قوموں کی طرح آج تک مبتلائے آزمائش ہیں۔ کچھ تھوڑے سے لوگوں نے دوسرا راستہ چلنے کا ارادہ کیا لیکن وہ بہر حال انسان ہی تھے۔ ابھی تھوڑی دور آگے بڑھے تھے کہ ان کی جانوں کے لئے امتحان کا معرکہ پیش آیا اور اکثریت نے ان پر غلبہ کر لیا۔ آج مسلمان آنکھیں

کھول کر دیکھتا ہے تو اسکو نظر آتا ہے کہ پہلا راستہ معمور ہے لوگ پروانوں کی طرح اسی پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور دوسرا راستہ ہے تو صاف اور کھلا ہوا لیکن وہ خالی ہے۔ اس پر چلنے کی مقدرت صرف اولوالعزم کو ہے لیکن اب لوگوں میں اولوالعزم کہاں؟

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا ایک اور قول ہم نے پہلے بھی نقل کیا ہے۔ یہاں اسکا اعادہ کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کے حصّہ دوم ص۲۸۳ و ص۲۸۴ پر لکھتے ہیں:۔

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو حضرت علیؑ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات انکی گمراہی کا باعث بنی ان لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقایق سے اپنی آنکھیں بند کرکے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرا دیا۔ یہ سب کھینچ تان بات کی پیچ اور بکواس ہے اور اسکا سبب حد سے بڑھا ہوا بغض اور گرہ پڑی ہوئی دشمنی ہے ورنہ حضرت علیؑ اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے تکلّف اور تصنّع سے خالی"۔

حدیث ثقلین کے تعلق سے شاہ عبدالعزیز دھلوی اپنی کتاب تحفہ باب چہارم ص۲۰۱ پر لکھتے ہیں:۔

"در مقامات دین واحکام شرعی ما را پیمبر حوالہ بہ دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد در امورِ شرعیہ عقیدتاً و عملاً نامعتبر است و ہر کہ از کار این دو بزرگ نماید گمراہ وخارج از دین باشد"۔

قابل غور ہے کہ سُنّی علماء موقع کے اعتبار سے اور ارشاداتِ رسُول سے گریز میں بعض دفعہ اپنے کو مجبور پاکر خواہی نہ خواہی موقتی طور پر کہنے کی حد تک ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں کہ قرآن اور اہلبیتؑ دونوں کی پیروی کے بغیر کوئی بھی شخص گمراہ اور دین سے خارج ہو جاتا ہے مگر عملاً صورتحال یہ ہے کہ حضرت رسُولؐ کے انتقال کے بعد سے ہی ایسی ہوا بگڑی اور حضرت عمر کے قول حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ (یعنی ہمارے لئے صرف اللہ کی کتاب کافی ہے) نے عربوں کی آزاد اور پابندیوں سے کترانے والی طبیعتوں پر وہ رنگ جمایا اور اہلبیتؑ رسولؐ سے تمسک کی جکڑبندی سے خلاصی کو ایسا غنیمت سمجھا گیا کہ اہلبیتؑ رسولؐ یعنی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کی پیروی کی گئی حتیٰ کہ حضرت رسُولؐ کے نواسوں کے بھی گلے کاٹ کر بنی اُمیہ اپنی خلافت جتاتے گئے اور یہ قتل وسادات کُشی کا سلسلہ برابر بارہ اماموں تک چلتا رہا۔ اسکے علاوہ بھی دینی تمسک کا یہ حال رہا کہ نام کو تو اہلبیتؑ کی پیروی کے بغیر خارج از دین ہونا قرار دیکر عملاً ائمہ اہلبیتؑ سے بالکلیہ تعرض رہا اور اہلسنت حضرات نے اقتدا کی تو حضرت ابوحنیفہ کی یا حضرت شافعی یا مالک یا احمد ابن حنبل کی۔ قول اور فعل کے الگ الگ ہونے کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال اور وہ بھی ایسے معاملہ میں جس پر دین وایمان کی بقا کا دارومدار ہو، ہم کو کہیں نظر نہیں آتی اگر عمل کرنا

نہیں ہے تو منھ سے کہنے سے کیا فائدہ۔ یہ صاف صاف کہہ دینا زیادہ بہتر اور راستبازی کی دلیل ہوتا کہ ہم قولِ پیغمبرؐ کو نہیں مانتے جیسا کہ سابق میں بھی حَسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند ہو چکا ہے۔ بقول شاعر ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

سُنّی بھائیوں کا یہ طریقہ بھی قابلِ غور ہے کہ جب کبھی تحریر یا تقریر میں حضرت سرورِ کائناتؐ کا نام آتا ہے تو اس کے ساتھ صرف صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے اور کہتے ہیں اور بھول کر بھی کبھی آلِ محمدؐ کا ذکر اسمیں آنے نہیں دیتے اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لکھتے اور نہیں کہتے۔ حالانکہ حضرت رسولؐ کا واضح ارشاد ہے کہ مجھ پر ناقص درود نہ بھیجا کرو بلکہ مکمل درود بھیجو جسمیں میری آل پر بھی درود شامل ہو اسکی اتباع میں نماز میں حضرت رسولؐ کے ساتھ آلِ رسول پر بھی درود بھیجنا واجب ہے اور سُنّی بھائی بھی اپنی نماز میں اسکی تعمیل کرتے ہیں پھر آلِ رسولؐ سے بات بات میں ایسی کنارہ کشی کیوں ہے؟ جہاں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا یا کہا جاتا ہے وہاں ایک چھوٹے سے لفظ وآلہ سے کیا قلم یا زبان گھٹ جائیگی! حضرت رسولؐ کے احسان کا کیا یہی بدلہ ہے؟ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ روزمرّہ بھی کسی کے ساتھ کوئی شخص نیکی کرے مثلاً کسی مسکین یا محتاج کو کچھ دے تو اس شخص کی آل اولاد کو دعا دی جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی کا مقتضا اس دینے والے شخص سے احسان مندی اور اعتراف ممنونیت ہوا کرتا ہے یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ اس شخص کی آل اولاد نیک کردار کی حامل ہے یا کیسی ہے یا ہے بھی یا نہیں یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے احسان کا تو کوئی کیا شکریہ ادا کر سکے مگر بقدر استطاعت ادا کرنا تو ضرور ہے۔ پھر یہ نہ صرف تقاضائے فطرت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیکر آلِ رسولؐ کی محبت ہر شخص پر فرض قرار دیدی اور قرآن مجید میں کئی جگہ آلِ رسولؐ پر اللہ تعالیٰ نے خود سلام بھیجکر کہیں سلامٌ علیٰ آلِ یٰسین اور کہیں رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت فرما کر ان پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیا اور ان کی طہارت کی سند دیدی اور ان کو وارثِ کتاب قرار دیا اور مختلف طریقوں سے ان کے صفات گنوائے اور جعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا یعنی ہم نے انکو امام بنایا اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں، کہکر انکی دینی اہمیت اور انکی تابعداری کے لزوم کو بھی واضح فرما دیا۔ حضرت رسولؐ نے بھی ہر بار اسکی فہمائش کی اور اپنی آل سے تمسک کا شدت کی تاکید سے حکم فرمایا۔ پھر ان میں سے ہر ایک امام نے اپنا جو کردار پیش کیا اور ہر ایک نے راہِ خدا میں جان دیدی وہ مستزاد ہے ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ایسی بیزاری اور کوتاہی آخر کس دن کے لئے کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے میں بھی زبان اور قلم کو روک کے رکھا جائے کہ کہیں آلِ محمدؐ کا ذکر نہ آجائے۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ شیعہ صاحبان مغرب کے وقت چراغ لگنے پر علاوہ بعض دیگر دعاؤں کے چراغِ مسجد و محراب و منبر علیؑ و فاطمہؑ شبیرؑ و شبرؑ بطور دعا کے پڑھتے ہیں اور یہ

طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اس کے جواب میں سُنّی صاحبان نے ایک نیا جملہ ایجاد کیا ہے۔ ایک دفعہ جب میں اپنے سُنّی دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو چراغ لگنے پر میں نے دھیمی آواز میں سے

چراغِ مسجد و محراب و منبر علیؑ و فاطمہؑ شبیرؑ و شبرؑ

پڑھا۔ میرے دوست نے بطور جوابِ ترقیم ہے کہ فوراً بلند آواز سے کہا سے

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابابکر و عمر عثمانؓ و حیدر

وہ عادتاً ایسا پڑھا بھی نہیں کرتے تھے مگر میرے بے ارادہ پڑھنے کا انکی طرف سے عمداً جواب مقصود تھا۔ پنجتن پاکؑ کی ذوات قدسیہ کے ناموں کو نکالکر اس جملہ میں خلفائے ثلاثہ کے نام لائے گئے ہیں اور حضرت علیؑ کا نام آخر میں رکھدیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص خلفائے ثلاثہ سے عقیدت رکھتا ہو تو یہ اسکا اختیاری فعل ہے اور بجائے خود اس پر اعتراض مناسب نہیں۔ مگر قابلِ غور یہ امر ہے کہ اہلبیت رسُولؐ سیدۃ النساء العٰلمین جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام اور سردارانِ جنّت حسنین علیہم السلام کے ناموں کو نکالکر، جن کی طہارت و بزرگی کی سند قرآن دیتا ہے اور جن سے تمسک کا حضرت رسولؐ حکم فرماگئے ہیں، دیگر نام داخل کرنا اہلبیت علیہم السلام سے کنارہ کشی نہیں تو اور کیا ہے۔ جناب سیّدہ کا حضرت ابوبکر و عمر سے ناراض ہونا اور ان حضرات کو اپنے جنازہ پر نہ آنے دینے کی وصیّت فرمانا اور اس پر عمل بھی کیا جانا تاریخی مسلّمہ ہے۔ ادھر حضرت عمر کا جناب سیّدہ کے گھر کو جلانے آگ لیجانا بھی تاریخی واقعہ ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ جب حضرت عمر کے صاحبزادہ نے شکایت کی کہ حضرت حسنؑ نے مجھے غلام کہا ہے تو حضرت عمر نے کہا کہ اپنی غلامی کی تحریر ان سے لکھوالے تاکہ تیرے لئے پروانۂ جنّت حاصل ہو جائے۔ پھر حضرت عمرؓ حضرات حسنینؑ سے یہ بھی کہتے تھے کہ "کیا یہ میرے سر کے بال آپ ہی کے اُگائے ہوئے نہیں ہیں" ایسے شواہد کی موجودگی میں جو فرق مراتب کو صاف ظاہر کرتے ہیں، جناب سیّدہ کا نام نکالکر حضرت ابوبکر کا، امام حسن علیہ السلام کا نام نکالکر حضرت عمر کا اور امام حسین علیہ السلام کا نام نکالکر حضرت عثمان کا نام داخل کرنا کہاں تک جائز اور مناسب ہو سکتا ہے۔ پھر کمال یہ بھی ہے کہ اہلبیتؑ کی محبّت کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک یہ واقعہ بھی ہے۔ پولیس ایکشن کے بعد ایک سُنّی قاری صاحب نے، جو حیدرآباد ریڈیو پر قرارت بھی سُنایا کرتے تھے، ایک دفعہ مجھ سے فخریہ انداز میں بیان کیا کہ ایک جلسہ میں کسی صاحب نے اپنی تقریر میں حضرت علیؑ کی مدح کی تو قاری صاحب نے (حالانکہ انکی قرارت کی باری گزر چکی تھی) فوراً مائکروفون پر جاکر حضرت عمر کی مدح شروع کردی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کی تعریف سُننا قاری صاحب کو گوارا نہ ہوا اور کچھ ایسے آگ بگولہ ہوئے کہ جب تک اُسکی ضد میں حضرت عمر کی مدح سرائی نہ کی انکو چین نہ آیا۔ نہ معلوم اہلبیت علیہم السلام سے یہ کد اس قسم کے حضرات کو کس دن کام آئیگی دُنیا روزے چند

آخر کار با خداوند۔

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد   وائے باشد پس امروز اگر فردائے

اہل طریقت بزرگ بیچارے کسی انہ کسی پیرائے میں حق کی بات کان پہ ڈالتے رہتے ہیں مگر بقول شخصے سننے والا کون ہے۔ میرے دوست مولوی جمال الدین صاحب اور مولوی بدرالدین صدیقی صاحب ڈسٹرکٹ وسشن جج گواہ ہیں کہ حال ہی میں ۹ محرم ۱۳۸۵ھ کی مجلس میں جو مولوی جمال الدین صاحب کے گھر پر بعد مغرب منعقد ہوئی جسمیں میں بھی مع اپنے بچوں کے شریک تھا حضرت شیخن احمد صاحب شطاری کامل مدظلہ نے اپنے بیان میں کم از کم پانچ یا چھ مرتبہ اس بات کو دہرایا کہ "بھائیو سُن لو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اہلبیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑے تو مرے یہ دامن چھوٹا تو کہیں کے نہ رہوگے اس دامن کو پکڑو اور پکڑے رہو" کیا سنی بھائیوں کی ضد کا رُخ شیعوں کے خلاف ہوتے ہوئے گرانقدر اہل طریقت بزرگوں کے خلاف بھی پھر گیا ہے۔ سنی بھائیوں کے لئے لازم تو یہ ہے کہ بزرگوں کی اس قسم کی توجہ دہانیوں سے فائدہ اُٹھا کر حضرت رسولؐ کے ارشاد "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ان تمسکتم بھما لا تضلو بعدی" کو اپنا حرزِ جان بنالیں اور اہلبیتِ اطہارؑ سے حقیقی تمسک اختیار کریں اور جہاں ائمہ اہلبیت طاہرینؑ کے احکامات دفرمودات تمام مسائل دین و فقہ و شریعت و معاشرت و طریقۂ عبادات و عملیات غرض ہر امر کے متعلق پورے پورے طور پر موجود ہیں تو وہاں دوسروں کی پیروی کو چھوڑ کر جنھوں نے خود ائمہ اطہارؑ کی شاگردی کی ہے اور اسکے باوجود بھی ان سے مختلف اجتہادات پیش کئے ہیں لازم و واجب ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کی پیروی کو اپنا شعار بنالیں۔

بقولِ حضرت نظام الدین اولیاءؒ:-

امام دین کسے باشد کہ در شرع نبیؐ اکثر   بہ ہر مشکل کہ مے بینی ترا مشکل کشا باشد

اور بقول حکیم سنائی ؎

جز کتاب اللہ و عترت ز احمد مرسل نماند   یادگارے کو توان تا روزِ محشر داشتن

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنوامیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"تزکیہ نفس اصلاح اعمال درستگی عقائد اور دُنیا کی چند روزہ حیات کے بعد کونسا ایسا طریقہ ہے جو ذریعہ نجات بن سکے تو بھائیو صرف ایک ہی راستہ ملے گا وہ ہے محمد صلعم کا جن کا سلسلہ مولا علیؑ سے لیکر جناب حسن عسکری علیہ السلام تک پہونچتا ہے اور امتِ محمدی کو گمراہی سے نکالنے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھرنے کے لئے بارھویں امام جناب مہدی کا انتظار کرنا ہے جو بحکم خدا موجود ہوتے ہوئے بھی

ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔

صفحہ پر ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"مدرسۂ سقیفہ کی تعلیم پاکر نماز روزہ کرنے والوں کی عبادتیں تاحشر معلق رہینگی اور ان کا تجزیہ بحکم خدا ورسولؐ کیا جائیگا لیکن ایک راہِ نجات ہے اور وہ محمدؐ آل محمدؐ سے تمسک کی راہ ہے لہٰذا ہم کو مولا حسینؑ کی آواز پر کان دھرنا چاہیئے اور رابۃ تاحشر اپنی عبادت غم حسینؑ اور محبت آلِ محمدؐ اور انتظار امام منتظرؑ میں زندہ رہنا چاہیئے اور صبح وشام پڑھتے رہنا چاہیئے اللّٰھم صلِ علیٰ محمد و آلِ محمد۔"

حافظ مولوی محمد عبدالمجید خاں صاحب مولوی فاضل وکیل ہائیکورٹ (سُنّی المذہب) اپنے رسالہ "حقیقت شیعان حضرت علی علیہ السلام" مطبوعہ ۱۳۵۱ھ حمایت دکن پریس کے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "جس طرح مودتِ اولادِ امجادِ نبی کریم مسلمانوں پر فرض ہے اسی طرح ان کا اتباع بھی مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ حبل اللہ ہیں ان کے تمسک کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور رسول کریم نے بھی احادیث میں ان کی محبت اور ان کی اتباع کی تاکید فرمائی ہے اور انکی اتباع کے منافع ارشاد کئے ہیں اور ان کی مخالفت پر سخت وعید گرفتاری جہنم کی فرمائی ہے صفحہ پر مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ اور احادیث میں بھی فضائل و مراتب شیعانِ حضرت علی علیہ السلام مذکور ہیں۔"

"رسالہ کے آخر میں مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اے اللہ تعالیٰ تو اپنے فضل سے بطفیل اپنے حبیب کے بہ برکتِ نفوسِ اہلبیتؑ مطہر کے ہم کو ظاہر و باطن میں ان کی اتباعِ کامل پر ثابت قدم کر دے۔"

علامہ سید محمد صالح کشفی ترمذی حنفی نے مناقب مرتضوی صفحہ پر مشہور اہل طریقت بزرگ مخدوم جہانیاںؒ کے ملفوظات سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:۔

"فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو عقیدہ رکھتا ہے کہ آنجناب علیہ السلام (حضرت علی) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد افضل اولیا، اکمل اوصیا اور خیرالبشر ہیں۔ ....." موصوف مزید لکھتے ہیں:۔

"خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ خلافت کبریٰ۔ خلافت صغریٰ۔ خلافت کبریٰ جو باطنی ہے وہ حکم خدا ورسولؐ و نیز اجماع سے سرحلقۂ اولیا علی مرتضیٰؑ سے متعلق ہے اور خلافتِ صغریٰ جو ظاہری ہے اس کے باب میں اُمّت کے درمیان اختلاف ہے۔"

عراق و مصر کے ایک شیعہ اور سُنّی عالم کی خط وکتابت

اس سلسلہ میں ہم عراق کے ایک شیعہ عالم اور مصر کے ایک سُنّی عالم کی خط وکتابت کا مختصر ذکر کرتے ہیں جو قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان علماء کی ملاقات

مکہ میں ہوئی اور دوستانہ مباحثہ کے بعد خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ عراق کے عالم حجۃ الاسلام عبدالحسین شرف الدین الموسوی نے ان خطوط کو "المراجعات" کے نام سے شائع کیا ہے۔ ان میں سے ہم ان عالموں کے دو تین خطوط کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ سُنّی عالم کے ایک خط مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ کا خلاصہ یہ تھا۔

جمہور مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ وہ اُصول دین اور عقائد میں اشاعرہ کے ہم خیال ہیں اور فروعِ دین میں ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد حنبلؒ میں سے کسی ایک کے مقلد ہیں جن کی علمی و عملی جلالت، زہد و اجتہاد و عدالت مسلّمہ ہے۔ عامۃ المسلمین اسی مذہب کے پابند رہے ہیں اور اور سلف صالحین بھی اسی کو بہتر اور معتدل سمجھتے رہے ہیں اس کی وجہ آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ لوگ بھی وہی مذہب کیوں نہیں اختیار کر لیتے جو جمہور مُسلمین کا مذہب ہے جبکہ اس زمانہ میں ہم لوگوں کے لئے اتحاد و اتفاق انتہائی ضروری ہے اور دشمنانِ اسلام ہم مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں؟

شیعہ عالم کا جوابی مکتوب مورخہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ یہ ہے: عرض یہ ہے کہ ہم جو اُصولِ دین میں اشاعرہ کے ہم خیال نہیں اور فروعِ دین میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تو یہ کسی تعصب یا فرقہ پرستی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شرعی دلیلیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم بس مذہب اہلبیت ہی کو اختیار کریں یہی وجہ ہے جو جمہور سے الگ رہ کر اُصول و فروع دین میں بالکلیہ ارشادات ائمہ طاہرین ہی کے پابند ہیں۔ ادلہ و براھین کا بھی یہی فیصلہ ہے اور سنت نبوی کی پابندی بھی بس اسی صورت سے ہو سکتی ہے اگر دلیلیں ہمیں ذرا بھی مخالفت اہلبیت کی اجازت دیتیں یا ان کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پابندی میں تقرب الہٰی ممکن ہوتا تو ہم ضرور جمہور کی روش پر چلتے تاکہ باہمی رشتۂ اخوت اچھی طرح استوار رہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ قطعی اور محکم دلیلیں سنگ راہ بنی ہوئی ہیں اور کسی طرح مذہب اہلبیت چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔

اس کے علاوہ ان چاروں مذاہب کو کسی قسم کی ترجیح بھی تو نہیں۔ ان مذاہب کی پابندی کا واجب ولازم ہونا تو در کنار رہے ان کے بہتر اور قابل ترجیح ہونے جمہور کوئی دلیل بھی تو پیش نہیں کر سکتے۔ ہم نے جمہور مسلمین کے اَدِلّہ کو پوری تحقیق سے دیکھا۔ ہمیں تو ایک دلیل بھی ایسی نہ ملی جو ان ائمہ اربعہ کی تقلید و پیروی کو واجب بناتی ہو۔ بس لے دے کے یہی ایک چیز ملی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ وہ مجتہد و عادل اور بڑے جلیل القدر علماء تھے لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ اجتہاد، امامت، عدالت، جلالت علمی ان چاروں بزرگوں کے ساتھ مختص تو نہیں اور انہیں میں منحصر تو نہیں۔ لہٰذا معین طور پر صرف انہیں کی پیروی اور انہیں کے مذاہب میں سے کسی نہ کسی کا پابند ہو رہنا واجب کیونکر ہو جائیگا۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے گا جو یہ کہہ سکے کہ یہ چاروں ائمہ اہلسنت

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام سے علم یا عمل کسی ایک چیز میں بڑھ کر تھے۔ ہمارے ائمہ تو اہلبیتؑ طاہرین ہیں جو سفینۂ نجات ہیں۔ اُمّت اسلام کے لئے باب حطّہ ہیں۔ منارۂ ہدایت اور ثقل پیغمبرؐ ہیں۔ اُمّت میں رسولؐ کی چھوڑی ہوئی نشانی ہیں جن کے متعلق رسولؐ کا ارشاد یہ ہے کہ "دیکھو ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ انھیں پیچھے کر دینا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں سکھانا پڑھانا نہیں یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں"۔ لیکن کیا کہا جائے کہ رسولؐ کے مرنے کے بعد سیاست نے کیا کیا کرشمے دکھائے اور اہلبیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔

شیعانِ آلِ محمدؐ کے سلف و خلف اِس زمانہ کے شیعہ ہوں یا اُس زمانہ کے۔ پہلی صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی تک برابر مذہب اہلبیتؑ کے پابند ہیں۔ شیعہ مسلک اہلبیتؑ کی پیروی حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد ہی سے عہدِ امیرالمومنینؑ اور جناب سیّدہؑ سے کر رہے ہیں جبکہ نہ اشعری کا وجود تھا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی عالم وجود میں تھا اور مسلک اہلبیتؑ تو جزو کل میں وہی ہے جو مسلک رسولؐ تھا۔ اس کے علاوہ پیغمبرؐ سے قریب زمانہ کے مسلمان خواہ شیعہ ہوں یا سُنّی انہوں نے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کو اختیار ہی نہیں کیا اور اختیار کرتے بھی تو کیسے جبکہ ان مذاہب کا اس زمانہ میں وجود بھی نہ تھا اشعری (اُصولِ دین میں آپ لوگ جن کے پیرو ہیں) ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۳ھ میں انتقال کیا ظاہر ہے کہ ۳۳۰ھ سے قبل کے مسلمان عقائد میں اشعری کیسے کہے جا سکتے ہیں۔ احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں انتقال کیا۔ شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں انتقال کیا۔ امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۹ھ میں انتقال کیا۔ ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ خدا کے لئے انصاف تو فرمایئے کہ اُصول میں آپکے پیشوا اشعری تو ۲۷۰ھ میں پیدا ہوں اور فروعِ دین میں آپکے ائمہ اربعہ ابتدائے زمانہ اسلام سے تقریباً ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ زمانہ بعد عالم وجود میں آئیں تو اس سے پہلے کے مسلمانوں کے متعلق یہ کہنا کیونکر روا ہے کہ وہ بھی ان ہی مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔

ہم شیعانِ اہلبیتؑ تو ائمہ اہلبیتؑ کے پیرو ہیں اور آپ لوگ یعنی جمہور مسلمین اہلبیتؑ کو چھوڑ کر صحابہ اور تابعین صحابہ کے پیرو ہیں تو دورِ اول کے بعد کے تمام مسلمانوں پر ان مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک کا پابند ہو رہنا واجب کیونکر ہو گیا۔ آپ کے ان مذاہب میں جو بہت بعد میں عالم وجود میں آئے ایسی کیا خوبی تھی کہ اہلبیتؑ سے روگردانی کی گئی جو ہم پایۂ کتاب الہیٰ کشتیٔ نجات اور معدن رسالت ہیں۔

یہ بھی غور طلب امر ہے کہ اجتہاد کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا جبکہ ابتدا زمانہ اسلام میں پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ ہاں اب اگر اپنے کو بالکل عاجز قرار دے لیا جائے اور یہ طے کر لیا جائے کہ ہم اجتہاد کرنا بھی چاہیں تو اب ہم سے نہیں ہو سکتا۔ ہم اس شرف سے محروم ہی رہیں گے تو یہ دوسری بات ہے۔ ورنہ کون شخص اسکا قائل ہونا پسند کر سکتا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت خاتم النبیینؐ کو بہترین شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور تمام کتب سماویہ سے

افضل و اشرف کتاب قرآنِ مجید نازل کی۔ دین کو مکمل اور اپنی نعمتوں کو تمام کیا اور آنحضرتؐ کو گزشتہ و آئندہ کی باتیں بتا کر بھیجا تو وہ صرف اسی لئے کہ یہی ائمہ اربعہ شریعت کے مالک و مختار ہوئے ہیں انھیں کو مذہب کا ٹھیکہ مل جائے کسی کو مذہب سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو بس انھیں کا مسلک اختیار کرے انھیں سے پوچھے۔ مختصر یہ کہ پوری شریعت اسلامیہ، قرآن مجید، سنتِ رسولؐ، تمام دلائل دینیات سمیت انھیں کی جاگیر ہو جائے۔

کیا ان ہی ائمہ اربعہ کو وہ صلاحیتیں ملیں جو دُنیا بھر میں کسی اور کو نہیں مل سکتیں کیا یہی وارثانِ نبوت تھے۔ کیا یہی وارثان کتاب الہٰی تھے۔ کیا انھیں پر خداوند عالم نے ائمہ و اوصیاء کا سلسلہ ختم کیا۔ کیا انھیں کو آئندہ و گزشتہ کے علوم ودیعت کئے۔ میرے خیال میں کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا۔ اوصیائے پیغمبرؐ اور وارثانِ کتاب خدا و صاحبانِ تسلیم تو بحکم قرآن و ارشاد رسولؐ اہلبیت رسولؐ ہی ہیں۔

آپ نے جس اہم امر کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے یعنی یہ کہ فرقہ واریت ختم کی جائے اور تمام مسلمان شیعہ اور سُنّی ایک ہو جائیں تو بسم اللہ یہ بہت مستحسن اقدام ہے لیکن تمام مسلمانوں کو مذہب اہلبیتؑ پر جمع ہو جانے کی دعوت دیئے بغیر بھی میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کا ہونا بس اسی پر موقوف و منحصر نہیں کہ شیعہ اپنا مذہب چھوڑ دیں یا اہلسنّت اپنے مذہب سے الگ ہو جائیں اور خاص کر شیعوں سے یہ کہنا کہ وہ مذہب اہلبیتؑ چھوڑ دیں ترجیح بلا مرجح ہے۔ ہاں یہ پراگندگی تب ہی دُور ہو سکتی ہے اور اتحاد و اتفاق تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب آپ مذہب اہلبیتؑ کو بھی مذہب سمجھیں اور اسکو بھی ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک جیسا قرار دیں تاکہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ کو بھی ان ہی نظروں سے دیکھیں جن نظروں سے آپس میں وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔

اگر آپ جائزہ لیں تو خود مذاہب اہل سنّت میں جتنے اختلافات موجود ہیں وہ شیعہ سُنّی اختلافات سے کم نہیں لہٰذا صرف شیعوں ہی پر کیوں عتاب کیا جاتا ہے۔ حضرات اہل سنّت کو بھی شیعوں کی مخالفت پر سرزنش کیوں نہیں کیجاتی بلکہ خود اہل سنت میں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں یعنی کوئی حنفی، کوئی شافعی وغیرہ تو انھیں اختلافات سے کیوں منع نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا جب ملّتِ اسلامیہ میں چار مذہب ہو سکتے ہیں اور چار مذہب ہونے پر کوئی لب کشائی نہیں کرتا تو پانچ ہونے میں کیا قباحت ہے۔ کسی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ چار مذہب تک تو ہونے میں کوئی خرابی نہیں اور چار مذہبوں میں بٹ کر مسلمان متحد رہ سکتے ہیں لیکن اگر چار سے بڑھ کر پانچ ہو جائیں تو اتحاد رخصت ہو جائیگا۔ ائمہ طاہرینِ اہلبیت رسولؐ میں (معاذ اللہ) ایسی کیا خرابی ہے کہ ائمہ اربعہ میں ابوحنیفہ، شافعی، مالک و حنبل کے پیرو ہو کر تو مسلمان صحیح راستہ پر اور متحد رہ سکتے ہیں مگر اہلبیت رسولؐ کی پیروی کرنے والے مسلمان راستہ سے ہٹے ہوئے

اور دائرہ اتحاد میں آنے کے قابل نہ سمجھے جائیں۔ کیا آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اہلبیت کی اتباع و پیروی میں اتحاد رخصت، رشتہ اخوت منقطع اہلبیت کی پیروی کرنے والوں کا دیگر مسلمانوں سے کوئی واسطہ رابطہ نہیں۔ اور اہلبیتؑ کو چھوڑ کر جس کی بھی پیروی کی جائے جسے بھی امام بنالیا جائے دل ملے رہیں گے، عزائم ایک رہیں گے۔ چاہے مختلف کیوں نہ ہوں، رائیں ایک دوسرے کے برخلاف اور خواہشیں ایک دوسرے کے متضاد ہی کیوں نہ ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا بھی یہ خیال نہ ہوگا اور نہ آپکو اہلبیت رسولؐ سے اتنی پرخاش ہوگی۔ آپ تو دوستدار قرابتداران پیغمبرؐ ہیں۔

میرا تو یہ خیال ہے کہ آپکو ائمہ اہلبیتؑ کے متعلق کسی قسم کا تردد نہ ہوگا نہ ان کو ان کے غیروں پر ترجیح دینے میں کسی قسم کا پس و پیش ہونا چاہیے۔ اہلبیتؑ کی ذوات مقدسہ گمنام ہستیاں نہیں۔ ان کی عظمت و جلالت اظہر من الشمس ہے نہ ان کا کوئی ہمسر ہوا نہ نظیر انہوں نے پیغمبرؐ سے تمام علوم سیکھے اور دین و دنیا دونوں کے احکام حاصل کئے۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے انھیں قرآن کا مثل، صاحبانِ عقل و بصیرت کے لئے ہادی و پیشوا اور نفاق کے طوفان و تلاطم میں سفینۂ نجات قرار دیا۔ انھیں باب حطہ فرمایا کہ جو ان کے زمرہ میں داخل ہوگیا۔ اسکی بخشش یقینی ہوگی۔ عروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) فرمایا جو کبھی ٹوٹنے کی نہیں۔

ایک دوسرے مکتوب مورخہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ میں شیعہ عالم نے اہلبیت اطہارؑ سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے حسب ذیل ارشادات نہج البلاغہ سے نقل کئے ہیں:

"تم کہاں جا رہے ہو کدھر بھٹک رہے ہو حالانکہ علم ہدایت نصب ہیں۔ نشانیاں واضح ہیں۔ منارے مستحکم ہیں۔ تمہاری یہ سرگردانی تمہیں کہاں پہونچائیگی بلکہ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم بھٹک کیسے رہے ہو حالانکہ تمہارے درمیان اہلبیت پیغمبرؐ موجود ہیں جو حق کی زمام ہیں۔ دین کے عمود ہیں، سچائی کی زبان ہیں۔ لہٰذا انھیں بھی قرآن کی طرح اچھی منزل پر رکھو اور تحصیل علم کے لئے ان کی خدمت میں پہنچو جس طرح پیاسے اور تھکے ہارے نہر کے کنارے پہونچتے ہیں۔ اے لوگو اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ پر نظر رکھو، انکی پہچان کا پورا دھیان رہے ان کے نقش قدم پر چلتے رہو یہ تمہیں راہ راست سے الگ نہ کریں گے۔ اور نہ ہلاکت میں ڈالیں گے۔ اگر وہ ٹھیریں تو تم بھی ٹھیر جاؤ اور اگر چل کھڑے ہوں تو تم بھی چل پڑو۔ انکے آگے نہ بڑھو کہ گمراہ ہو جاؤ اور نہ پیچھے نہ رہ جاؤ کہ ہلاکت میں پڑ جاؤ۔ اہلبیت رسولؐ علم کی زندگی ہیں جہالت کے لئے موت ہیں۔ ان کے عمل کو دیکھکر تم ان کے علم کا اندازہ کر سکو گے۔ ان کے ظاہر کو دیکھکر ان کے باطن کا اندازہ تمہاری سمجھ میں آئیگا۔ ان کے سکوت سے تم سمجھو گے کہ ان کا کلام کس قدر جچا تُلا ہوگا۔ نہ تو وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ان کے مابین حق میں اختلاف ہوتا ہے۔ وہ اسلام کے ستون ہیں مضبوط سہارا ہیں۔ انھیں کے ذریعہ حق اپنی منزل پر پہونچا۔ باطل کو زوال ہوا اور باطل کی زبان جڑ سے کٹ گئی۔

پیغمبرؐ کی عترت تمام عترتوں میں بہترین عترت ہے۔ آپکا گھرانا تمام گھرانوں سے بہتر گھرانا ہے۔ آپکا شجرہ بہترین شجرہ ہے۔ حرم کی چار دیواری میں وہ روئیدہ ہوا۔ اوجِ بزرگی تک بلند ہوا۔ اس درخت کی شاخیں دراز اور پھل اس کے ناممکن الحصول ہیں۔ ہم ہی پیغمبرؐ کی نشانیاں ہیں۔ ہم ہی خزینہ دار ہیں۔ ہم ہی دروازے ہیں۔ گھروں میں دروازے ہی سے آیا جاتا ہے جو شخص دروازے سے نہ آئے اسے چور کہا جاتا ہے۔ ہماری شان میں قرآن مجید کی بہترین آیتیں نازل ہوئیں یہی اہلبیتؑ خدا کے خزانے ہیں اگر بولیں گے تو سچ بولیں گے اور اگر خاموش رہیں گے تو ان پر سبقت نہ کیجا سکے گی۔

سمجھ رکھو تم ہدایت کو اس وقت تک جان نہیں سکتے جب تک تم یہ جان لو کہ کون راہِ ہدایت سے منحرف ہے کتاب خدا کے عہد و پیمان پر عمل نہیں کر سکتے جب تک تم یہ نہ معلوم کر لو کہ کس کس نے اس سے عہد شکنی کی قرآن سے اسوقت تک متمسک نہیں ہو سکتے جب تک تم قرآن چھوڑ دینے والوں کو پہچان نہ لو۔ لہذا اسکو قرآن والوں سے پوچھو۔ اہلبیتؑ سے دریافت کرو۔ وہ علم کی زندگی اور جہالت کے لئے موت ہیں۔ ہم ہی شرفا ہیں۔ ہمارے بزرگ بزرگانِ انبیاءؑ ہیں۔ ہماری جماعت خدا کی جماعت ہے اور باغی گروہ شیطان کی جماعت ہے۔ جو شخص ہمیں اور ہمارے دشمن کو برابر رکھے وہ ہم سے نہیں۔"

عالم مذکور نے بعض دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اقوال کا بھی حوالہ دیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو ہمارے بارے میں خدا سے ڈرو۔ کیونکہ ہم تمہارے حاکم و امیر ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلامؑ آیت یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونو مع الصادقین (اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ) کی تلاوت کر کے فرماتے تھے "کچھ لوگ ہمیں درجہ سے گھٹانے پر اتر آئے۔ کلام مجید کی متشابہ آیتوں سے کام نکالنے لگے۔ انہوں نے ان آیتوں کی من مانی تاویلیں کیں اور ہمارے متعلق جو کچھ ارشادات پیغمبرؐ ہیں انکو مہتم قرار دیدیا۔ اے پلنے والے اس امت کی نافرمانی کی کس سے فریاد کیجائے۔ اس ملت کی نشانیاں خاک میں مل گئیں اور امت نے فرقہ پرستی اور اختلاف کو اپنا دین بنا لیا۔ ایک دوسرے کو کافر بتانے لگے حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے بعد اسکے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں۔ لہذا حجت پہونچانے اور حکم کی تاویل میں سوا ان کے جو ہم پلہ کتاب الہٰی ہیں۔ اپنائے ائمہ ہدایت ہیں۔ تاریکیوں کے روشن چراغ ہیں جن کے ذریعہ خدا نے بندوں پر اپنی حجت تمام کی اور اپنی مخلوق کو بے اپنی حجت کے نہیں چھوڑا۔ کون بھروسہ کے قابل ہو سکتا ہے تم انھیں پہچاننا اور پانا چاہو تو شجرۂ مبارکہ کی شاخ اور ان پاک و پاکیزہ ذوات کے بقیہ افراد پاؤ گے جن سے خدا نے ہر گندگی کو دور رکھا اور ان کی طہارت کی تکمیل کی۔ انھیں تمام آفتوں سے بری رکھا اور کلام مجید میں ان کی محبت واجب کی"۔

متعدد خطوط کے تبادلہ کے بعد عالم اہل سنت نے اپنے ایک خط میں لکھا:-
"جب ائمہ اہلبیت کے متعلق سوچتا ہوں تو خدا اور رسولؐ کے نزدیک ان کی وہ منزلت معلوم ہوتی ہے کہ سوائے عاجزی و خاکساری سے سر جھکا دینے کے کوئی چارہ نہیں اور جب جمہور مسلمین اور سواد اعظم پر نظر کرتا ہوں تو ان کا طرز عمل ان اَدِلّہ کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے۔ اَدِلّہ بتاتے ہیں کہ بس اہلبیتؑ ہی کی پیروی واجب ہے اور جمہور ہر کس و ناکس کی پیروی کرنے تیار لیکن اہلبیتؑ کی پیروی پر آمادہ نہیں۔ میں عجب کشمکش میں مبتلا ہوں گویا دو نفسوں کی کھینچا تانی میں پڑ گیا ہوں۔ ایک نفس کہتا ہے کہ اولؑ کی پیروی کی جائے اور دوسرا کہتا ہے کہ اکثریت و سواد اعظم کی روش پر چلنا چاہیئے۔ ایک نفس نے تو اپنے کو آپکے حوالہ کر دیا ہے اور آپکے ہاتھ سے جانیوالا نہیں لیکن دوسرا جو ہے وہ اپنے عناد اور موروثی دکھ رکھاؤ کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں جانے پر تیار نہیں اور نافرمانی پر تُلا ہوا ہے۔ لہٰذا آپ کتاب خدا سے کچھ اور ایسی قطعی و حتمی دلیلیں پیش کرتے جاتے کہ یہ سرکش نفس بھی قابو میں آجاتا اور رائے عامہ کی متابعت کی دُھن دماغ سے نکل جاتی۔

چنانچہ شیعہ عالم نے اپنے متعدد مکتوبات میں بہت ساری آیات قرآنی کا اور متفق علیہ احادیث کا حوالہ بھی دیا جو بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے اور جن میں سے بعض کا ذکر اس کتاب میں آ بھی چکا ہے۔

اس طرح اِن دونوں عالموں میں ۶/ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ ہجری سے لیکر ۲ رجادی الاول سنہ ۱۳۳۰ھ تک ایکسو بارہ خطوط کا تبادلہ ہوا اور بالآخر اپنے مکتوب سلسلہ ۱۱۱ مورخہ یکم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں عالم اہلسنت نے مذہب شیعہ قبول کر کے تحریر کیا:-

" میں گواہی دیتا ہوں کہ اُصول و فروع میں آپ اُسی مسلک پر ہیں جس پر اہلبیت پیغمبر تھے آپ نے اِس چیز کو واضح کر کے بخوبی روشن کر دیا اور ڈھکی چھپی باتیں ہویدا کر دیں۔ شک کرنا ناانصافی ہے اور شک و شبہ میں ڈالنا گمراہ بنانا ہے۔ میں نے آپکے مذہب کو اچھی طرح دیکھا بھالا مجھے شروع سے آخر تک پسندیدہ ہی پسندیدہ نظر آیا۔ پہلے میں آپ لوگوں کے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا کیونکہ اب تک میرے کانوں میں بہتان باندھنے والوں اور افترا پردازوں ہی کی آوازیں پہنچا کیں۔ جب خدا نے مجھے آپ تک پہنچایا تو میں آپ کے ذریعہ ہدایت کے جھنڈے کے نیچے آگیا اور روشنیوں کے چراغ تک پہنچ گیا۔ اور آپ کے پاس سے فلاح یافتہ اور رستگار ہو کر واپس ہوا۔ خدا نے آپ کے ذریعہ کتنی گرانقدر نعمت مجھ پر نازل کی میں کیا عرض کروں کہ آپ نے کتنا بڑا احسان مجھ پر فرمایا۔

سُنّی عُلماء کا اظہار خیال فرقہ شیعہ جنّتی اور قدیم ترین ہے

ایک ممتاز سُنّی عالم کے ایک انقلابی فتویٰ کا یہاں ذکر کردینا مناسب ہوگا۔ یہ فتویٰ کویت کے مشہور ماہنامہ "العربی" کے مُدیر ڈاکٹر احمد ذکی نے شمارہ ۲۴ مورخہ نومبر ۱۹۶۰ء میں شائع فرمایا ہے۔ اس فتویٰ کو ہم نے انقلابی اس وجہ سے کہا ہے کہ اس سے قبل اور یوں تو اس کے بعد بھی اکثر سُنّی حضرات بلکہ سنّی علماء کا یہ خیال رہا ہے کہ صرف چار مشہور سُنّی فرقے حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی جنّتی فرقے ہیں اور فرقہ شیعہ دوزخی ہے مگر یہ فتویٰ اس کے خلاف ہے وَھُوَ ھٰذا۔ مدیر "العربی" سعودی عرب یوسف احمد الغزال نے علّامہ عزت مآب شیخ محمود شلتوت چانسلر جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے حسب ذیل سوال کیا:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات و معاملات کے دُرست طریقہ پر انجام دینے کے لئے ہر مُسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ چار مشہور مسلکوں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی میں سے کسی ایک مسلک کی تقلید کرے۔ ان میں مسلک شیعہ امامیہ کو شامل نہیں کیا جاتا کیا آنجناب بھی اس رائے کی صحت کے بارے میں ان حضرات کی موافقت فرماتے ہیں ہوئے مسلک شیعہ امامیہ کے مطابق عمل بجالانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

عزت مآب شیخ محمود شلتوت نے جواب دیا:۔ اسلام نے مُسلمانوں کو معین مسلک کی پیروی کا حکم نہیں دیا بلکہ ہماری رائے میں ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ ان مسلکوں میں سے جو صحیح طور پر منقول ہوئے ہیں اور جن کے احکام انکی کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں کسی بھی مسلک کی ابتداء ہی سے پیروی کرسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہونے کے بعد اگر چاہے تو اسکو ترک کرکے کسی دوسرے مسلک کو اختیار کرسکتا ہے (جماری ۹۰۳)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی

بات پرانی ہے شاید طاق نسیان ہوگئی ہو پچیس برس بیت گئے ہیں۔ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف مذہبی، علمی و تحقیقی رسالہ معارف اعظم گڑھ (یوپی) میں خانقاہ پھلواری کے سجادہ نشین جناب سید شاہ محمد فخر عالم صاحب کا ایک مراسلہ "آثار علمیہ و ادبیہ" میں شائع ہوا تھا۔ مراسلہ نگار کو اپنے جمع کردہ اوراق پارینہ کے ذخیرہ میں ایک تاریخی خط ملا۔ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کا نوشتہ جو موسومہ نواب احمد یار خان تھا۔ مکتوب کا اصل فارسی متن و ترجمہ و خلاصہ قارئین کرام کے استفادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے

مراسلہ اور خط کو چھاپنے کے سلسلے میں مرتب کنندہ رسالہ معارف نے ایک نوٹ بھی لکھا ہے جو من وعن درج ذیل ہے۔
یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو کچھ بھی آپ کی تصنیف تالیف کا مل جائے ہم لوگوں کے لئے باعث صد ناز ش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے آپ جیسے متقدمین و متبحر فاضل محدث کا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ قابل تدبر و لائق عمل ہو۔ نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگ ہیں اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اور نہ اس کی تحقیق کی چنداں ضرورت ہے مقصد تو ایک مقدس ہستی کے خط اور عمل سے جو اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہورہا ہے کہ آپ کے ہاں مجلس عزا اور مجلس وفات ہر سال قائم ہوتی تھی جس میں محدث علیہ الرحمۃ خود بنفس نفیس بیان فرماتے تھے نیز "سلام" اور "مرثیہ" شرعاً بھی سنتے تھے۔

اس صفحہ اور صفحہ ۱۰۷۲ پر جو خالی جگہ نکل آئی اُسکا ایک بہتر مصرف یہ معمول کیا۔
حیدرآباد کے ایک موقر روزنامہ رہنمائے دکن میں جو جناب سید وقارالدین صاحب قادری کی ادارت میں نکلتا ہے ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۸۵ء بروز دوشنبہ کے شمارہ (۲۰) جلد ۳۰ میں جناب محمد حسن الدین صاحب دعا وری کے ارسال کئے ہوئے دو مضامین شائع ہوئے ہیں جنکا حوالہ اپنی کتاب کے موضوع کے اعتبار سے مناسب خیال کرکے ہم جناب موصوف اور رہنمائے دکن کے شکریہ کے ساتھ اصل اخبار کے تراشہ کا فوٹو شامل کتاب کر رہے ہیں۔ انمیں سے ایک مضمون معارف رسالہ کے مطالب سے متعلق ہے اور دوسرا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب ہے جسمیں انھوں نے ایک استفسار کے جواب میں انعقاد مجالس عزا، مرثیہ و سلام آہ و بکا کے نہ صرف جائز و مستحسن ہونیکا فتویٰ دیتے ہوئے خود بھی اسپر عمل پیرا ہونیکا اظہار فرمایا ہے۔ وَھُوَ ھٰذا:۔

چند اصول کی باتیں

علمائے اصول

دحنفیا کرنے دین کے چار اصول (کتاب حدیث، اجماع، قیاس) بیان کیے ہیں ہر بات جو ان اصولوں کے تحت آتی ہو اس پر عمل کرنا صفت ہے اور جو ان کے خلاف ہو وہ مذموم ہے ان سے بچنا چاہیے۔

مذکورہ چاروں اصولوں بجیستے شئے کسی بھی ایک اصل کے مخالف ہو تو وہ بدعت سیئہ ہے اور ضلالت میں اس کا شمار ہوگا اور جس کے خلاف شرعی دلیل نہ ہو تو بلاشبہ وہ شئی اپنی اصلیت پر مباح ہوتی ہے۔

جمہور حنفیہ و شافعیہ کا مختار مذہب یہی ہے کہ ہر اصل شئے میں اباحت ہے اور جب تک اس کی نسبت حکم شرعی نہ ہو تو مباح ہی رہتی ہے۔ جب اس کی نسبت کوئی شرعی حکم ہو تو بموجب حکم وہ شئی قرار پائے گی۔ دین کے اصول اربعہ میں سے کسی بھی ایک اصل کے مخالف شئے ہو تو اس کا بدعت سیئہ میں شمار کیا جائے گا: "کل بدعۃ ضلالۃ"۔ اس مناسبت سے بعد دین کے امور میں عدم جواز ہے اگر کوئی شرعی دلیل نہ ہو تو یہ سب باتیں "الاحسن" میں مباح ہیں اور جائز ہوں گی اسلئے بعض سلف نے مجالس میلاد مبارک، وفات شریف، فاتحہ، عرس وغیرہم کو اپنے معمولات پر مطلقاً رواج دیا ہے۔ یہ امور بار اہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن کے تحت آتے ہیں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ احیاء العلوم میں بدعتوں کے بیان میں فرماتے ہیں "بہت ساری نئی چیزیں حسن اور بہتر خیال کی گئی ہیں۔" اور علامہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ کتاب شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

مسلمان ہمیشہ سے ہر زمانے میں اور ہر شہر میں اکٹھے ہو کر قرآن پڑھتے رہے ہیں اپنے مرحومین کے لئے بغیر کوئی انکار کرنے والوں کے پس گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا۔ یہی سلف و خلف کا مذہب ہے۔

منصوص دینی احکام و مسائل کو افادہ استفادہ کے لئے منظر عام پر لے آنے کا فرض ملی پس پشت ڈال رکھا اور محض فرقتا میں بعض نے مخوض کو نمایاں رکھا اور شرعی اصل عظیم سے پہلو تہی بے احتیاطی برتنا مروجہ زمانے کی ایسی بے پناہ بدبختی ہے کہ جس کے باعث اہل علم شیعے کر مذہبی پیشواؤں تک کے قول و فعل میں تضاد، الحاد و بغاوت بناہ لیتے ہوئے دکھائی دے رہا ہے اہل علم خاص کر دینی فرائض انجام دینے کے دعویدار ہیں انھیں چاہیے کہ اپنی لاعلمی کو علم و حلمات کا درجہ نہ پائیں۔ اور قرآن اس جانب توجہ کرتا ہے: "ولا تقف ما لیس لک بہ علم" جس بات کا تجھ کو علم یقینی نہیں ہے اس کے پیچھے تعاقب نہ کر۔

۱۱۸۹ ہجری
ھو العزیز الولی الرحیم

فارسی متن

از فقیر عبد العزیز بعد سلام مسنون، مکشوف ضمیر ذکا تحریر باد کہ عنایت نامہ سامی بار دیگر در مقدمہ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمود۔ آنچہ دریں باب معمول فقیر است می نویسد۔

از ہمیں جا قیاس باید کرد، در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود یکے مجلس ذکر وفات شریف وختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) دوم ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورا یا یک روز دو روز پیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ کما بیش قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں فقیر بر آید و می نشیند ذکر فضائل حسین علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ بیان می آید و آنچہ در احادیث و اخبار شہادت ایں بزرگان و بد حالی قاتلان ایشان وارد شدہ نیز مذکور شود، بایں تقریب بعضے شد اید کہ بر جناب ایشان گذشتہ از روئے احادیث معتبرہ بیان کردہ می شود و ہم دریں ضمن مرثیہ ہائے کہ از مردم غیر یعنی جنی و پری حضرت ام سلمہؓ و دیگر صحابہ شنیدہ ان نیز مذکور میشود و بعد ازاں ختم قرآن مجید، و پنج آیت خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ می آید و دریں وقت اگر شخصے خوش الحان سلام می خواند یا مرثیہ مشروع شروع یا یکند اتفاق شنیدہ میشود ظاہر است کہ دریں حضار مجلس را و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق میشود پس اگر ایں چیزہا نزد فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام بر آں اصلاً نمی کرد و آنچہ امور دیگر نامشروع است حاجت بیان ندارد۔ والامام مشافہ؟ برادر عزیز۔ فھو کان رضا محبت آل محمد علیہ و علیہم الصلوات الی الرضی

زیادہ بجز توضیح حسنات چہ نگارد۔

اور کیا کہوں کہ خدا تعالیٰ سب کو نیک توفیق عطا فرمائے۔

ترجمہ و خلاصہ

فقیر عبد العزیز کی جانب سے بعد سلام مسنون کے "خدا کرے اتر جائے دل میں مری بات" آپ کا دوسرا عنایت نامہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے سلسلے وصول ہوا اس بارے میں فقیر کے معمولات جو ہیں اس کا اظہار کیا جاتا، اور آپ کو بھی اسی طرح قیاس کرنا چاہیے کہ سال بھر دو مجالس فقیر کے گھر میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ ایک مجلس ذکر وفات شریف ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲ ربیع الاول میں) دوسری مجلس ذکر شہادت امام ہمام حضرت سیدنا حسین علیہ السلام یوم عاشورہ، یا اس کے ایک دو روز پہلے (۸، ۹ محرم کو) ان میں تخمیناً چار پانچ سو شیعی سب رنگ ایک ہزار سامعین جمع ہوتے ہیں اور درود شریف کا ورد کرتے ہیں اس کے بعد فقیر آتا اور بیٹھ جاتا ہے اور ذکر حسین علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ حدیث شریف میں وارد ہیں سناتا ہے اور جو بھی احادیث و اخبار ان بزرگوں کے واقعات شہادت مذکور ہیں، وہ اور ان کے قاتلان حسینؓ کی بد حالی بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تکالیف و مصائب جو ان پر پہنچائے گئے۔ معتبر احادیث کی روشنی میں بیان کرنے کے علاوہ طبقہ ملائکہ و اجنہ کے تعلق سے حضرت ام سلمہؓ و دیگر صحابہؓ سے منقول مرثیے بھی بیان کرتا ہے اس کے بعد ختم قرآن مجید اور پانچ آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور جو کچھ ماحضر ہوتا ہے اس پر فاتحہ پڑھا ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر اگر کوئی خوش الحان شخص موجود رہے اور سلام یا مرثیہ شروع شروع کرے اس کے سننے کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حاضرین مجلس اور اس فقیر کو سلام و مرثیہ کے دوران رقت طاری ہوتی ہے اور آہ و بکا بھی ہوتا ہے پس اس طور سے اگر یہ عمل فقیر کے نزدیک جائز مستحسن نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز اس پر فقیر کا عمل نہ ہوتا اور دوسری جو کچھ غیر شرعی باتیں ہیں ان کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

الحمد حب اہل بیت نعمت ہے تعریف سے

ے بلا شیعہ ہوں

ان میں سے کسی بات میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ مذہب جعفریہ جو مسلک شیعہ امامیہ اثنا عشر کے نام سے مشہور ہے وہ مسلک ہے جس کی طرز پر عبادات بجالانا شرعی اعتبار سے اُسی طرح درست ہے جس طرح تمام سُنّی مسلکوں کے طرز پر۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کو سمجھ لیں اور ان مسلکوں کے بارے میں ناحق تعصب سے کام نہ لیں۔ دین خدا اور اسکی شریعت کسی خاص مسلک کی پابند یا کچھ خاص مسلکوں میں محدود نہیں ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ کوشاں ہے جو بارگاہ الٰہی میں سعی مقبول ہوگی۔ جو صاحبانِ نظر و اجتہاد نہیں ہیں ان کے لئے ان حضرات کی تقلید اور ان فقہی مسائل پر عمل جائز ہے جن کو یہ لوگ ثابت فرمائیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے۔*

محمود شلتوت

ماہنامہ "العربی" کے متذکرۂ صدر شمارہ (۱۹۶۰) ہی میں یوسف احمد الغزال کا ایک اور سوال اور اس کا جواب بھی ڈاکٹر احمد ذکی نے دیا ہے جو درج ذیل ہے:۔

سوال:۔ پانچوں اسلامی مسلکوں شافعی، حنبلی، حنفی، مالکی اور جعفری میں کون سلک قدیم ترین ہے اور ان مسالک میں بنیادی فرق کیا ہے؟ (یوسف احمد الغزال)

جواب:۔ امام احمد حنبل شاگرد تھے امام شافعی کے امام شافعی شاگرد تھے محمد بن الحسن اور امام مالک کے، امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ الرائی کے جو شاگرد تھے عکرمہ کے۔ عکرمہ شاگرد تھے عبداللہ ابن عباس کے، عبداللہ ابن عباس شاگرد تھے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے۔ ادھر امام ابو حنیفہ شاگرد تھے امام جعفر صادقؑ کے جو شاگرد تھے اپنے والد ماجد کے اور یہ سلسلہ بھی منتہی ہوتا ہے حضرت علیؑ پر جو تمام فقہ اسلامی کی جڑ بنیاد تھے۔ اس طرح ان تمام مسلکوں میں مسلک جعفری ہی قدیم ترین مسلک قرار پاتا ہے۔ ان تمام اسلامی فرقوں میں ویسا کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا جیسا کہ عیسائی اور یہودی فرقوں میں پایا جاتا ہے اس لئے کہ شریعت اسلامیہ بہرحال ایک ہے جس کی بنیاد قرآن مجید اور سیرت رسولؐ پر ہے۔ شریعت کی یہ دونوں بنیادیں وہ ہیں جن پر نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی جھگڑا۔ اختلاف جو کچھ ہے وہ دراصل صرف تفصیلات، روایات اور اسناد کے بارے میں ہے۔"

اگرچہ کہ راقم الحروف ممدوحہ صدر دو ممتاز سُنّی علماء عزت مآب شیخ محمود شلتوت اور ڈاکٹر احمد ذکی کی رائے کے تمام اجزاء سے متفق نہیں ہے مگر جو دو کھلے ہوئے امور جو ان آراء میں آئے ہیں یہ ہیں کہ فرقہ شیعہ ناجی ہے اور یہ کہ فرقہ شیعہ ہی قدیم ترین ہے۔

حضرات ممدوحین نے بھی تفصیلات و روایات اسناد میں اختلاف اور ہر فرقہ اپنی جگہ کوشاں ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں اختلاف موجود ہو وہاں حق کی تلاش اور بہتر میں سے

* نوٹ:۔ واضح ہو کہ ایرانی عالم محمد جواد چیری ڈائریکٹر اسلامک سنٹر مدا امریکہ سے بتاریخ یکم جولائی ۱۹۵۹ء علامہ محمود شلتوت کا مکالمہ ہوا جس کے بعد موصوف نے متذکرۂ صدر فتویٰ بتاریخ ۶ جولائی ۱۹۵۹ء براڈکاسٹ اور شائع کیا۔

ایک ناجی فرقہ کا تعین حسب تنبیہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازمی ہے اور اس موقع پر ہم اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے مگر ارباب حق کو ان نکات پر غور کرنے کی طرف متوجہ کرنا ضرور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ احکام قرآنی اور ارشادات نبی مرتبت کس کے حق میں ہیں اور تاریخی شواہد کیا بتاتے ہیں۔

فقہ سُنّہ کے متعلق ڈاکٹر عبد الطیف کا اظہار خیال

۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر سید عبد الطیف صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی نے (جنہوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے) اکیڈیمی آف اسلامک اسٹڈیز کی کونسل کا منظورہ ایک پمفلٹ "افکارِ اسلامی کی تشکیل جدید" کے نام سے تمام دنیا کے مسلمان مفکرین کے پاس بھیجا اس کے ص۷ پر وہ فقہ حنفی شافعی، مالکی و حنبلی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔ "یہ یاد رہے کہ فقہ کے چاروں سُنّی ضابطے خلافتِ اسلامیہ کی مرکزی حکومت کی جانب سے نہیں بلکہ چند ایسے خانگی منفرد اشخاص کی جانب سے مُدوّن کئے گئے جنہوں نے اسکے لئے مرکز سے قبل از قبل کوئی مستند حکم یا اجازت بھی حاصل نہیں کی تھی اس قسم کے ضابطے کیا تصوّراتِ قرآنی میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں؟ اس ضمن میں مزید سوالات کی بھی گنجائش ہے۔"

آخر میں ہم مولائے متقیانؑ حضرت علی علیہ السّلام کے ایک خطبہ کو نہج البلاغہ سے نقل کرکے اس عنوان کو تمام کرتے ہیں۔

مولائے متقیانؑ کا ایک خطبہ

"تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو اپنی طاقت کے اعتبار سے بلند اپنی بخشش کے لحاظ سے قریب ہے ہر نفع و زیادتی کا عطا کرنے والا اور ہر مصیبت و ابتلار کا دور کرنے والا ہے۔ اس کے کرم کی نوازشوں اور نعمتوں کی فراوانی کی بنا پر اسکی حمد و ثناء کرتا ہوں۔ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں

چونکہ وہ اوّل و ظاہر ہے"۔ اور اس سے ہدایت چاہتا ہوں چونکہ وہ قریب تر اور ہادی ہے"۔ اور اس سے مدد چاہتا ہوں چونکہ وہ قادر اور طاقتور ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہوں چونکہ وہ ہر طرح کی کفایت و اعانت کرنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد و رسولؐ ہیں، جنھیں احکام کے نفاذ اور حجّت کے اتمام اور عبرتناک واقعات پیش کرکے پہلے سے تنبیہ کر دینے کے لئے بھیجا۔ خدا کے بندو میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی وصیّت کرتا ہوں جس نے تمہارے سمجھانے کے لئے مثالیں پیش کیں اور تمہاری زندگی کے اوقات مقرر کئے۔ تمہیں مختلف لباسوں سے ڈھانپا اور تمہارے رزق کا سامان (جس نے تمام فراوان کیا اس نے تمہارا پورا جائزہ لے رکھا ہے اور تمہارے لئے جزا مقرر کر دی ہے اور تمہیں اپنی وسیع نعمتوں اور (فراخ) عطیوں سے نوازا اور اثر کرنیوالی دلیلوں سے تمہیں متنبہ کر دیا ہے وہ ایک ایک کرکے تمہیں گن چکا ہے اور اس مقام آزمائش اور محل عبرت میں اس نے تمہاری عمریں مقرر کر دی ہیں اسمیں تمہاری آزمائش ہے۔

اور اس کی دیر آمد و بر آمد پر تمہارا احساب ہوگا۔ اس دُنیا کا گھاٹ گندلا اور سیراب ہونے کی جگہ کیچڑ سے
بھری ہوئی ہے اسکا ظاہر خوشنما اور باطن تباہ کن ہے یہ ایک مٹ جانے والا دھوکا، غروب ہو جانیوالی
روشنی، ڈھل جانیوالا سایہ اور جھکا ہوا ستون ہے۔ جب اس سے نفرت کرنے والا اس سے دل لگاتا ہے اور
اجنبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اپنے پیروں کو اُٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے اور اپنے جال میں پھانس لیتی ہے
اور اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیتی ہے اور اسکے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر تنگ و تار قبر اور وحشت ناک منزل
تک لیجاتی ہے کہ جہاں سے وہ اپنا ٹھکانہ دیکھ لے اور اپنے کیے کا نتیجہ پالے۔ بعد میں آنیوالوں کی حالت بھی
اگلوں کی سی ہے۔ نہ موت کاٹ چھانٹ سے منہ موڑتی ہے اور نہ باقی رہنے والے گناہ سے باز آتے ہیں۔
باہم ایکدوسرے کے طور طریقوں کی پیروی کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے منزلِ منتہا و مقامِ فنا کی طرف بڑھ
رہے۔ جہاں تک معاملات ختم ہو جائینگے اور دُنیا کی عمر تمام ہو جائیگی اور قیامت کا ہنگام آجائیگا تو اللہ سب کو
قبر کے گوشوں، پرندوں کے گھونسلوں، درندوں کے رہنے کے مقاموں اور ہلاکت گاہوں سے نکالے گا۔ گروہ
در گروہ ساکت وصامت، ایستادہ وصف بستہ امرِ الٰہی کی طرف بڑھتے ہوئے اور اپنی جائے بازگشت
کی جانب دوڑتے ہوئے، نگاہِ قدرت ان پر حاوی اور پکارنے والے کی آواز ان کے کانوں پر ساری ہوگی۔
وہ ضعف و بے چارگی کا لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور عجز و بیکسی کی وجہ سے ذلّت ان پر چھائی ہوئی
ہوگی۔ حیلے ترکیبیں غائب اور اُمیدیں منقطع ہو چکی ہوں گی دل مایوسانہ خاموشیوں کے ساتھ بیٹھتے ہوں گے
آوازیں دب کر خاموش ہو جائینگی، پسینہ منہ میں پھندا ڈال دیگا وحشت بڑھ جائیگی اور جب انہیں
آخری فیصلہ سُنانے، اعمال کا معاوضہ دینے اور عذاب، عقوبت اور اجر و ثواب کے لئے بلایا جائیگا تو پکارنیوالے
کی گرجدار آواز سے کان لرز اٹھیں گے۔ یہ بندے اسکے اقتدار کا ثبوت دینے کیلئے وجود میں آئے ہیں اور غلبہ و
تسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے۔ نزع کے وقت ان کی روحیں قبض کر لی جاتی ہیں اور قبروں میں
رکھ دیئے جاتے ہیں جہاں یہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور پھر قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اور اعمال کے مطابق جزا
پائیں گے اور سب کو الگ الگ حساب دینا ہوگا۔ انہیں دُنیا میں رہتے ہوئے نکلو خلاصی کا موقع دیا گیا
تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا جا چکا تھا اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مہلت بھی دی گئی تھی۔
شک و شبہات کی تاریکیاں ان سے دور کر دی گئی تھیں اور اس مدت حیات و آماجگاہ عمل میں انہیں
کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ آخرت میں دوڑ لگانے کی تیاری اور سوچ بچار سے مقصد کی تلاش کر لیں اور
اتنی مہلت پائیں جتنی فوائد کے حاصل کرنے اور اپنی آیندہ منزل کا سامان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ
کتنی ہی صحیح مثالیں اور شفا بخش نصیحتیں ہیں بشرطیکہ انہیں پاکیزہ دل اور سُننے والے کان اور مضبوط
رائیں اور ہوشیار عقلیں نصیب ہوں۔ اللہ سے ڈرو اس شخص کی مانند جس نے نصیحت کی باتوں کو

سُنا تو جھک گیا۔ گناہ کیا تو اسکا اعتراف کیا۔ خوفزدہ ہوا تو (اس نے) عمل کیا خوف کھایا تو (اس نے) نیکیوں کی طرف پیشقدمی کی۔ قیامت کا یقین کیا تو (اس نے) اچھے اعمال بجالائے عبرتیں دلائی گئیں تو اس نے عبرت حاصل کی اور خوف دلایا گیا تو برائیوں سے رک گیا اور اللہ کی پکار پر لبیک کہی تو پھر اسکی طرف منہ موڑلیا اور اسکی طرف توبہ و انابت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اگلے نیکوں کی پوری پوری پیروی کی اور حق کے دکھائے جانے پر اسے دیکھ لیا ایسا شخص طلب حق کے لئے سرگرم عمل رہا اور دنیا کے بندھنوں سے چھوٹ کر بھاگ گیا اس نے اپنے لئے ذخیرہ فراہم کیا اور باطن کو پاک صاف رکھا اور (اس نے) آخرت کے گھر کو آباد کرلیا۔ سفر آخرت اور اسکی راہ نوردی کے لئے اور احتیاج کے مواقع اور فقر و فاقہ کے مقامات کے پیش نظر اس نے زاد اپنے ہمراہ بار کرلیا ہے۔ اللہ کے بندو اپنے پیدا ہونے کی غرض و غایت کے پیش نظر اس سے ڈرتے رہو اور جس حد تک اس نے تمہیں ڈرایا اس حد تک خوف کھاتے رہو اور اس سے اسکے سچے وعدے کا ایفا چاہتے ہوئے اور حول قیامت سے ڈرتے ہوئے ان چیزوں کا استحقاق پیدا کرو جو اس نے تمہارے لئے مہیا کر رکھی ہیں۔

اس نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ ضروری اور اہم چیزوں کو سُنکر محفوظ رکھیں اور اس نے تمہیں آنکھیں دی ہیں تاکہ وہ کوری اور بے بصری سے نکل کر روشن و ضیا بار ہوں اور جسم کے مختلف حصے بنائے جن میں ہر ایک میں بہت سے اعضاء ہیں جن کے پیچ و خم ان کی مناسبت سے ہیں اپنی صورتوں کی ترکیب اور عمر کی مدتوں کے تناسب کے ساتھ ایسی باتوں کے ساتھ جو اپنی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں اور ایسے دلوں کے ساتھ ہیں جو اپنی غذائے روحانی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں علاوہ دیگر بڑی نعمتوں کے اور احسان مند بنانے والی بخششوں اور سلامتی کے حصاروں کے اس نے تمہاری عمریں مقرر کردی ہیں جنہیں تم سے مخفی رکھا ہے اور گزشتہ لوگوں کے حالات اور واقعات سے تمہارے لئے عبرت اندوزی کے مواقع باقی رکھ چھوڑے ہیں۔ ایسے لوگ جو اپنے حظ و نصیب سے لذت اندوز تھے اور کھلے بندوں آزاد پھرا کرتے تھے کس طرح امیدوں کے بر آنے سے پہلے موت نے انھیں جالیا اور عمر کے ہاتھ نے انھیں ان امیدوں سے دور کر دیا۔ اس وقت انہوں نے کچھ سامان نہ کیا کہ جب بدن درست تھے اور اسوقت عبرت و نصیحت حاصل نہ کی کہ جب جوانی کا دور تھا کیا یہ بھرپور جوانی والے کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے منتظر ہیں اور صحت کی تر و تازگی والے ٹوٹ پڑنے والی بیماریوں کے انتظار میں ہیں اور کیا یہ زندگی والے فنا کی گھڑیاں دیکھ رہے ہیں جب چل چلاؤ کا ہنگام نزدیک اور روانگی قریب ہوگی اور بستر مرگ پر قلق و اضطراب کی بیقراریاں اور سوزش و تپش کی بے چینیاں اور لعاب دہن کے پھندے ہوں گے اور عزیز و اقارب اور اولاد و احباب سے مدد کے لئے فریاد کرتے ہوئے ادھر ادھر کروٹیں بدلنے کا وقت آگیا ہوگا تو کیا قرابتداروں نے موت کو روک لیا یا رونے والوں کے رونے نے کچھ فائدہ پہونچایا۔ اسے تو قبرستان میں قبر کے ایک تنگ گوشہ کے اندر جکڑا بندھا اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے سانپ

بچھوؤں نے اسکی جلد کو چھلنی کر دیا ہے اور وہاں کی پامالیوں نے اسکی تروتازگی کو فنا کر دیا ہے آندھیوں سے اسکے آثار مٹا ڈالے ہیں اور حادثات نے اس کے نشانات تک کو محو کر دیا ہے۔ تروتازہ جسم لاغر و پژمردہ ہوگئے ہڈیاں گل سڑ گئیں اور روحیں گناہوں کے بار گراں کے نیچے دبی پڑی ہیں اور غیب کی خبروں پر یقین کر چکی ہیں لیکن ان کے لئے اب نہ اچھے اعمال میں اضافہ کی کوئی صورت اور نہ بداعمالیوں سے توبہ کی کچھ گنجائش ہے۔ کیا تم انھیں مر چکنے والوں کے بیٹے، باپ، بھائی اور قرابتدار نہیں ہو۔ آخر تمہیں بھی تو ہو بہو ان ہی کے سے حالات کا سامنا کرنا اور ان ہی کے حالات پر چلنا ہے اور انہی کی شاہراہ پر گزرنا ہے۔ مگر دل اب بھی حظ و سعادت سے بے رغبت اور ہدایت سے بے پرواہ ہیں اور غلط میدان میں جا رہے ہیں گویا ان کے علاوہ کوئی اور مراد و مخاطب ہے اور گویا ان کے لئے دنیا سمیٹ لینا ہی صحیح راستہ ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں گزرنا ہے پل صراط پر اور وہاں کی ایسی جگہوں پر جہاں قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور پیر پھسل جاتے ہیں اور قدم قدم پر خوف و دہشت کے خطرات ہیں۔ اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح وہ مرد زیرک و دانا ڈرتا ہے کہ جس کے دل کو عقبیٰ کی سوچ بچار نے اور چیزوں سے غافل کر دیا ہے اور خوف نے اسکے بدن کو تعب و کلفت میں ڈال دیا ہو اور نماز شب نے اسکی تھوڑی بہت نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا ہو اور امید ثواب میں اس کے دن کی تپتی ہوئی دوپہریں پیاس میں گزرتی ہوں اور زہد و تقویٰ نے اسکی خواہش کو روک دیا ہو اور ذکر الٰہی سے اسکی زبان ہر وقت حرکت میں ہو۔ خطرات کے آنے سے پہلے اس نے خوف کھایا ہو اور کنی بچی راہوں سے بچتا ہوا سیدھی راہ پر ہو لیا ہو اور راہ مقصود پر آنے کے لئے (جس نے) سیدھا راستہ اختیار کیا ہو نہ خوش فریبیوں نے اس کو پیچ و تاب میں ڈالا ہو اور نہ مشتبہ باتوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو۔ بشارت کی مسرتوں اور نعمت کی آسائشوں کو پاکر میٹھی نیند سوتا ہے اور امن چین سے دن گزارتا ہے۔ وہ دنیا کی عبور گاہ سے قابل تعریف سیرت کے ساتھ گزر گیا اور آخرت کی منزل پر سعادتوں کے ساتھ پہونچا۔ وہاں کے خطرات کے پیش نظر اس نے نیکیوں کی طرف قدم بڑھایا اور برائیوں سے بھاگتا رہا اور آج کے دن کل کا خیال رکھا اور پہلے سے اپنے آگے کی ضرورتوں پر نظر رکھی۔ بخشش و عطا کے لئے جنت اور عقاب و عذاب کیلئے دوزخ سے بڑھکر کیا ہوگا اور انتقام لینے اور مدد کرنے کے لئے اللہ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے اور سند و حجت بنکر اپنے خلاف سامنے آنے کے لئے قرآن سے بڑھ کر کیا ہے۔ میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس نے ڈرانے والی چیزوں کے ذریعہ عذر تراشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی اور سیدھی راہ دکھا کر حجت تمام کر دی ہے اور تمہیں اس دشمن سے ہوشیار کر دیا ہے جو چپکے سے سینوں میں نفوذ کر جاتا ہے اور کانا پھوسی کرتے ہوئے کانوں میں پھونک دیتا ہے۔ چنانچہ وہ گمراہ کر کے تباہ و برباد کر دیتا ہے اور وعدہ کر کے طفل تسلیوں سے ڈھارس بندھائے رکھتا ہے۔ پہلے تو بڑے بڑے جرائم کو سنوار کر سامنے لاتا ہے اور بڑے بڑے مہلک گناہوں کو ہلکا اور سبک

کرکے دکھاتا ہے اور جب بہکائے ہوئے نفس کو گمراہی کے راستہ پر لگا دیتا ہے اور اسے اپنے پھندوں میں اچھی طرح جکڑ لیتا ہے تو جس نے سجایا تھا اوسے بُرا کہنے لگتا ہے اور جسے ہلکا اور سُبک کرکے دکھایا تھا اسکی گرانباری اور اہمیت بتاتا ہے اور جس سے مطمئن اور بے خوف کیا تھا اُسے ڈرانے لگتا ہے۔

اے چشم و گوش رکھنے والو! اے صحت و ثروت والو۔ کیا بچاؤ کی کوئی جگہ یا چھٹکارے کی کوئی گنجائش ہے بھاگ نکلنے کا موقع یا پھر دُنیا میں پلٹ آنے کی کوئی صورت ہے اگر نہیں ہے تو پھر کہاں بھٹک رہے ہو اور کدھر کا رُخ کئے ہوئے ہو یا کن چیزوں کے فریب میں آگئے ہو حالانکہ اس وسیع و عریض زمین سے تمہارا ہر ایک کا حصّہ اپنے قد بھر کا ٹکڑا ہی تو ہے کہ جسمیں تم کو مٹی سے اٹا ہوا رُخسار کے بل پڑے رہنا ہو گا۔ یہ بھی غنیمت ہے خدا کے بندو جبکہ گردن میں پھندا پڑا ہوا نہیں ہے اور روح ابھی آزاد ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کی فرصت اور جسموں کی راحت اور مجلسوں کے اجتماع اور زندگی کی بقیہ مہلت یا از سرِ نو اختیار سے کام لینے کے مواقع اور توبہ کی گنجائش اور اطمینان کی حالت ہے۔ قبل اس کے کہ تنگی و ضیق میں پڑ جائے اور خوف و اضمحلال اس پر چھا جائے اور قبل اسکے کہ موت آ جائے اور قادر و غالب کی گرفت اُسے جکڑ لے۔

فقہ شیعہ اور فقہ سُنّی کے چند معروف اختلافات

ذیل میں ہم مثال کے طور پر فقہ شیعہ اور فقہ سُنّی کے چند معروف اختلافات کا ذکر کرتے ہیں اور اس بارے میں چند مستند روایات بھی درج کر دیتے ہیں۔ فقہ شیعہ بالکلیہ فقہ اہلبیتؑ ہے اور دوازدہ ائمہ اطہارؑ میں سے جو قول ایک امام کا ہے وہی بلا کسی اختلاف کے دوسرے امام کا ہے۔ سُنّی فقہا اربعہ (حضرت ابو حنیفہ، شافعی، مالکی و احمد بن حنبل) میں سے ہر ایک کا قول مختلف ہے اور اسی بناء پر چار سُنّی فرقے قائم ہوئے ہیں فقہ سُنّی میں کچھ تو حضرت عمرؓ کے احکام داخل ہو گئے ہیں مثلاً متعہ کا حرام کرنا اور تراویح کا رائج کرنا اور اذان سے حَيَّ عَلٰی خَيْرِ الْعَمَل نکالکر صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْم داخل کرنا طلاق کے قرآنی احکام کو بدل دینا پھر بعد میں وہ اُمور بھی داخل ہو گئے جو مذکورہ صدر چار فقہائے اہل سنّت کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔ ان چاروں سُنّی فقہوں میں سے ہر ایک میں ایسے بھی اُمور ہیں جو فقہ اہلبیت سے لئے گئے ہیں مگر یہ ہر سُنّی فقہ میں مشترک نہیں ہیں مثلاً شیعوں کے مثل ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا امام مالک کی فقہ میں داخل ہے۔ نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہتے وقت "رفع یدین" یعنی دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرنا جو فقہ شیعہ میں ہے امام شافعی کی فقہ میں موجود ہے۔ طہارت سے متعلق پانی کی مقدار "کر" کے احکام فقہ شیعہ اور فقہ شافعی میں ایک ہی ہیں۔ امام کے لئے معصوم اور بری از خطا ہونے کی شرط مثل فقہ شیعہ کے حضرت مالک کے ہاں موجود ہے۔ امام مالک متعہ جائز ہونے کے بھی قائل ہیں۔ شافعی نماز فجر کی دوسری رکعت میں (مثل شیعوں کے) حالت قیام میں دونوں ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہیں نیز

تراویح اور وتر نمازوں میں بھی شافعی اور حنبلی دوسری رکعت میں ہاتھ اُٹھا کر قنوت پڑھتے ہیں۔

بہرحال اس طرح فقہ شیعہ کے ایک ایک دو دو اُمور چاروں میں سے کسی نہ کسی سنّی فقہ میں ضرور موجود ہیں مگر بقیہ اُمور میں ان سُنّی فقہانے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے فرمودات کے خلاف اپنا اجتہاد پیش کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، قرۃ العینین صـ۱۷۵ پر لکھتے ہیں :۔

"مشہور فرقے تین ہیں حنفی، شافعی، مالکی! ان تینوں مذہب کی بنیاد فاروق کے اجماعی مسئلے ہیں اور ان تینوں مذہب کی بڑی اور معتبر کتابوں میں مرتضیٰ کی حدیثیں ہیں مگر بہت تھوڑی"۔

پھر صـ۱۸۲ پر لکھتے ہیں :۔

"ترتیب کتاب وسنت واجماع وقیاس کے اُصول سب شیخین کے کلام سے لئے گئے ہیں"۔

صـ۲۰۹ پر لکھتے ہیں :۔

"مالکی، شافعی، حنفی کے اصل مذہب کا اعتماد مسائل اجمالیہ فاروق پر ہے اور بجز چند مسئلوں کے یہ لوگ مرتضیٰ کی حدیثوں پر عمل نہیں کرتے"۔

مولانا شبلی الفاروق کے صـ۴۹۱ پر لکھتے ہیں :۔

"یہ امر مسلّم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اُصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔

صـ۴۸۷ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں :۔

"ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد بن حنبل سب قیاس کے قائل ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے"۔

ان چاروں فقہا کے فتوں میں اتنے اختلافات ہیں کہ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن ابن علی طوسی نے ایک مستقل کتاب "مسائل الخلاف فی فقہ" کے نام سے لکھی ہے۔ اس موقع پر قیاس سے متعلق حضرت ابوحنیفہ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک مکالمہ درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

دمیری شافعی نے حیواۃ الحیوان میں خود حضرت ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ حضرت امامؑ نے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم قیاس پر عمل کرتے ہو۔ میں نے کہا ہاں میں قیاس پر حکم لگاتا ہوں۔ فرمایا تم کو معلوم ہے اے نعمان کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ جب حق تعالیٰ نے اسکو حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے عذر کیا اور کہا تو نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا

اور آدمؑ کو مٹی سے لہٰذا میں اُن سے بہتر ہوں حضرت امام نے فرمایا اے نعمان (ابوحنیفہ) قتل یا زنا ان دونوں میں سے کونسی چیز بُری ہے۔ میں نے کہا قتل۔ پس فرمایا کیوں قتل کے لئے دو گواہ کافی ہیں اور زنا کے لئے چار گواہ درکار ہیں کیا تمہارے قیاس میں یہ بات آتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر حضرت امام نے فرمایا کونسی چیز بڑی ہے نماز یا روزہ میں نے کہا نماز فرمایا پھر کیوں حق تعالیٰ نے حائضہ پر روزہ کی قضا واجب کی اور ایام حیض کی قضا واجب نہ کی۔ کیا یہ امر تمہارے قیاس میں آتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کونسی صنف ضعیف تر ہے مرد یا عورت؟ میں نے کہا عورت۔ پس فرمایا کیوں حق تعالیٰ نے میراث میں مرد کے لئے دو سہم اور عورت کے لئے ایک سہم مقرر فرمایا کیا تمہارے قیاس میں یہ بات گزرتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیوں حق تعالیٰ نے سارق کے ہاتھ کاٹنے کا معاوضہ مقرر نہ فرمایا اور کسی بے گناہ کے ہاتھ کاٹنے والے کیلئے پانچ ہزار درہم دیت مقرر فرما دی۔ کہا یہ معنی تمہارے قیاس میں آتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آیۂ کریمہ وتسئلن یومئذ عن النعیم میں تم لفظ نعیم کے معنی یہ کرتے ہو کہ روز گرم میں طعام طیب و آب سرد۔ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ اگر تمھیں کوئی دعوت دیکر طعام طیب اور آب سرد سے تواضع کرے اور تم پر احسان دھرے تو اسکے اس فعل کو تم کس چیز سے نسبت دو گے۔ میں نے کہا بخل سے فرمایا کیا حق تعالیٰ بخل کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں اور پوچھا ابن رسول اللہ پھر اس سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ حبنا اھل البیت (یعنی ہم اہلبیتؑ کی محبت) پھر حضرت امام نے دیگر تمام سوالات کے بھی جواب ارشاد فرمائے۔

اب ہم ذیل میں بعض معروف اختلافات کو درج کرتے ہیں :۔

وضو

قرآنِ مجید میں سورۂ مائدہ آیت ۶ میں وضو کے احکام اس طرح آئے ہیں :۔

فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین ؕ یعنی دھو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور مسح کرو اپنے سروں کے حصّہ کا اور اپنے پاؤں کا ٹخنوں سمیت۔

اس آیت کے الفاظ اور معنی بالکل صاف سادہ اور واضح ہیں اور کسی موشگافی کا موقع نہیں ہے اس میں واضح حکم ہے کہ اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھو اور سروں کے حصّہ کا اور اپنے پاؤں کا ٹخنے سمیت مسح کرو۔ تفسیر ائمہ اہلبیتؑ میں اس آیت کے یہی معنی لئے گئے ہیں اور فقہ شیعہ کے اعتبار سے وضو کے لئے پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے جیسا کہ آیت میں واضح ارشاد ہے مگر اس کے برخلاف سُنّی فقہا میں وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین کے معنی مسح کرو سروں کا اور دھو اپنے پاؤں کو لئے گئے ہیں آیت میں وامسحوا کا لفظ سر اور پاؤں دونوں کے لئے آیا ہے مگر اس کے برخلاف سُنّی فقہا نے مسح کا لفظ صرف سر سے متعلق کر کے ایک نیا لفظ دھونے کا برؤسکم وارجلکم کے درمیان داخل کر دیا ہے اور نظاہر بظاہر یہ خلاف حقیقت ہے

لطف یہ ہے کہ ان ہی چاروں سنّی فقہا نے حالتِ سفر میں وضو میں موزے اور جراب پر سے پاؤں کے مسح کا حکم دیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے بغیر عمامہ اُتارے عمامہ اُپر سے سر کے مسح کا حکم دیا ہے حالانکہ موزے پر یا عمامہ پر سے مسح "پاؤں کے مسح یا سر کے مسح کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ فخرالدین رازی بھی لکھتے ہیں کہ عمامہ پر سے مسح جُداگانہ چیز ہے اور سر کا مسح جُداگانہ ہے۔ اس طرح مسح کرنے کے لئے برؤسکم کے الفاظ میں صرف رؤسکم نہیں ہے بلکہ رؤسکم سے پہلے "بہ" کا لفظ موجود ہے جس کے معنی سر میں سے کچھ حصّہ کے ہیں شیعہ طریقہ وضو میں اس حکم قرآن کی پوری تعمیل اس طرح کی جاتی ہے کہ مسح پیشانی سے سر کے تالو کے حصّہ تک کا کیا جاتا ہے اور سر کے پورے حصّہ اور گدی کو اسمیں شریک نہیں کیا جاتا۔ بخلاف اسکے سنّی فقہ میں برؤسکم کے لفظ "بہ" کو نظر انداز کر کے پورے سر کا پیشانی سے گدی تک اور دونوں کانوں کو بھی ملا کر مسح کیا جاتا ہے۔ اور چہرہ دھونے میں داڑھی کا خلال بھی داخل کیا گیا ہے۔ اسکے متعلق علامہ مجدالدین فیروز آبادی جو اکابر اہلسنت علماء حدیث سے ہیں اپنی کتاب "سفر السعادت" میں تحریر فرماتے ہیں اور ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے "تہذیب الاخلاق" جلد دوم صفحہ ۱۷۱ (مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور) میں بھی اس کو درج فرمایا ہے کہ:-

"داڑھی کا خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے" وضو کی آیت کے صحیح معنی سمجھنے میں قرآن مجید کی وہ آیتیں بھی رہنمائی کرتی ہیں جو تیمم سے متعلق ہیں تیمم سے متعلق سورۂ مائدہ کی آیت ۶ اور سورۂ نساء آیت ۴۳ میں بالکل ایک ہی الفاظ آئے ہیں۔

فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ

یعنی پاک مٹی پر تیمم کرو۔ اپنے منہ اور ہاتھوں پر (مٹی بھرا) ہاتھ پھیرو۔ وضو کے لئے جن اعضاء کا دھونا واجب تھا صرف ان پر (مٹی بھرے ہاتھ سے) مسح کرنے کا حکم ہے اور وضو میں جن اعضاء کے مسح کا حکم تھا۔ تیمم میں ان کو خارج کر دیا گیا ہے۔ صرف چہرہ اور ہاتھوں کا دھونا وضو میں واجب تھا تو تیمم میں صرف چہرہ اور ہاتھوں پر مسح واجب ہے وضو میں سر کے حصّہ اور پاؤں کا مسح واجب تھا تو تیمم میں سر اور پاؤں کے مسح کو حذف کر دیا گیا ہے۔

فخرالدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "قرآن کی آیت کے بموجب وضو میں پاؤں کا مسح واجب ہے لیکن لوگوں نے اختلاف کیا۔ پیروں کے مسح کرنے میں اور پیروں کی دھونے میں۔ ابن عباس انس بن مالک اور عکرمہ اور شعبی اور ابو جعفر امام محمد باقر پیروں کے مسح کو واجب سمجھتے تھے اور یہی مذہب شیعہ امامیہ کا ہے"

محی السنۃ شمس الدین البغوی اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں لکھتے ہیں:-

"ان المسح مذہب عبداللہ بن عباس وعبداللہ ابن مسعود وسلمان فارسی وابوذر وعمار وانس ابن مالک وائمہ اہلبیت والفقہۃ علیہ شیعتہم الامامیۃ من الفقہاء۔"

علامہ بخومی نے اپنی عبارت متذکرہ صدر میں ان لوگوں کے نام گنائے ہیں جو وضو میں پاؤں کا مسح کیا کرتے تھے۔ عینی شارح بخاری نے اپنی شرح میں سات حدیثیں وضو میں مسح پا سے متعلق درج کی ہیں۔ شمس الدین بخومی اپنی تفسیر میں صاف طور پر لکھتے ہیں کہ ہمکو بمقتضائے حدیث صحیح علی مع القرآن والقرآن مع العلی اور انی تارک فیکم الثقلین۔ الخ اہلبیت سے تمسک کرنے میں دنیا میں گمراہی سے بچنا ہے اور آخرت میں نجات حضرت علی اور ان کی اولاد طاہر ین سے تمسک کرنے میں یقینی و لازمی ہے۔

اب ہم بعض مشہور علماء اہلسنت کی رائے اور صحاح ستہ وغیرہ کی کچھ احادیث درج کرتے ہیں۔ جو وضو میں پاؤں کے مسح کے وجوب پر پوری طرح دلالت کرتی ہیں۔

(۱) علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: ابن کثیر، حمزہ، ابوعمر اور عاصم نے روایت کی ہے کہ ابی بکر نے وَاَرْجُلِکُمْ کو جر یعنی حرکت کسرہ سے پڑھا ہے اور نافع، ابن عامر اور کسائی نے بروایت حفص فتح سے پڑھا ہے۔" اسکے بعد فخر رازی اَرْجُلِکُمْ کی دونوں قرأتوں پر صرف و نحو کے قاعدے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اب یہ بات ظاہر ہوئی کہ عامل وَاَرْجُلَکُمْ میں وامسحوا بھی ہو سکتا ہے اور وَاغْسِلُوا بھی۔ نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو عامل ایک معمول پر مجتمع ہوں تو عامل قریب کو عمل دیا جاتا ہے۔ پس واجب ہوا یہ امر کہ نصب وَاَرْجُلَکُمْ میں بھی عامل وامسحوا ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ وَاَرْجُلَکُمْ میں نصب لام سے بھی پاؤں کا مسح واجب ہے۔ اور یہ طریقہ استدلال مسح پا کے وجوب میں خود آیۂ وضو سے ہے۔ قائلین مسح پا (شیعہ) کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ اس دلیل قرآنی کو حدیث سے رد کریں کیونکہ پاؤں دھونے سے متعلق کل حدیثیں احاد ہیں۔ اور قرآن کو منسوخ کرنا خبر واحد سے ہرگز جائز نہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ اس استدلال کا جواب ممکن نہیں ہے۔"

اسکے بعد ان لوگوں کا حوالہ دیکر جو روایات کی بنا پر پاؤں دھونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ پاؤں دھونے میں مسح خود شامل ہو جاتا ہے فخر رازی بطریق اعتراض لکھتے ہیں کہ "پھر ان لوگوں کو یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ سر کا دھونا بھی قائم مقام مسح ہو سکتا ہے۔" (یعنی بجائے مسح کے سر کو دھونے سے بھی وضو کی صحت تسلیم کرنی پڑیگی۔ حالانکہ کسی سنی عالم نے بھی وضو میں سر دھونے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔)

(۲) شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ جزو سوم میں لکھتے ہیں۔ ارجلکم میں فتح لام اور کسر لام اس معنی سے ہے کہ اگر اس کا عطف وامسحوا پر ہو تو کسرہ ہے اور معمول پر ہو تو فتحہ ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ فتح لام بھی پاؤں کو مسح کے حکم سے خارج نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قاعدہ صرف و نحو سے وارجلکم میں جو واو ہے وہ بمعنی مع کے ہو سکتا ہے اور یہ واو نصب دیتا ہے۔ جیسا کہ کہیں قام زید و عمر ان معنوں میں کہ کھڑا ہوا زید ساتھ عمر کے۔ پس حجت ان لوگوں کو اس آیت میں مسح پا کے قائل ہیں اقویٰ ہے۔ اس واسطے کہ

قائلینِ مسح شریک ہو سکتے ہیں۔ قائلینِ غسل کی دلیل یہ ہے کہ وہ فتح لام ہے۔ ولاکن جو پاؤں دھونے کے قائل ہیں وہ کسرہ لام کی دلالت میں شریک نہیں ہو سکتے۔"

(۳) علامہ نظامی نیشاپوری شافعی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "حجت اُن لوگوں کی جنہوں نے مسح پا کو واجب جانا ہے قرآن ہے وارجلکم میں بہ سبب عطف ہونے کے برؤسکم پر۔ اور اگر کوئی کہے کہ اسکا جر بہ سبب جوار کے ہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ کلام فصیح (کلام فصیح) میں اعراب بمحاورت نہیں آیا ہے۔ اور ایضاً اعراب بمحاورت اسوقت جائز ہے جبکہ کلام میں لبس نہ ہو اور وہاں واوِ عطف بھی نہ ہو۔ اور آیۃ وضو میں لبس اور عطف دونوں موجود ہیں۔ اور واؤ پر نصب پس وہ محل اوس پر عطف ہونے کے سبب سے ہے۔ اور حجت جمہورِ علماء اہلسنت کی وہ روائیتیں ہیں جو پاؤں دھونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں لیکن شیعوں نے جواب دیا ہے کہ اخبارِ احاد قرآن کے معارض نہیں ہو سکتے اور اسکو منسوخ نہیں کر سکتے۔ اور محلِ نزاع میں کوئی خبرِ احاد بمقابلہ قرآن پیش نہیں کر سکتا۔"

واضح ہو کہ ان تینوں علماء اہلسنت اور شمس الدین نجومی وغیرہ دیگر علماء اہلسنت کی رائے صاف طور پر پاؤں کا مسح واجب ہونیکی تائید میں ہے۔ اب ہم صحاح اور اہلسنت کی دیگر معتبر کتابوں سے کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے واضح ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو میں سر کا اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح فرمایا کرتے تھے۔ چند حدیثوں کا پورا متن اور چند کا صرف حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) سنن ابی داؤد، خصائص نسائی اور صحیح ابن ماجہ میں مذکور ہے اور ابن حزم نے رفاعہ بن رافع سے حدیث طویل میں روایت کی ہے کہ فرمایا جناب ختمی مرتبت نے کہ تم میں سے کسی کی نماز تمام نہوگی جب تک وضو پورا نہ کرے جسطرح خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ پس دھوئیے اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرے سر اور دونوں پاؤں کا کعبین تک پھر تکبیر کہے پھر تمجید۔ الخ

(۲) امام محی السنۃ بغوی تفسیر معالم التنزیل (مطبوعہ بمبئی ص ۲۷۶) میں آیت وضو کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اَرْجُلِکُمْ میں لام پر کسرہ ہے۔ پس تحقیق کہ تھوڑے اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا چاہیئے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ وضو میں دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے۔ اور عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے اور شعبی کلبی نے لکھا ہے کہ جبرئیل مسح کے ساتھ نازل ہوئے۔ اور کہتا ہے کہ نہیں دیکھتے ہو تم کہ تیمم کرنے والا مسح کرتا ہے اس مقام پر جہاں وضو میں دھونا تھا اور مقام مسح کو ترک کرتا ہے۔"

(۳) سنن ابی داؤد بروایت یعلی بن عطا، وکیع و اعمش (۴) غریب الحدیث میں بروایت

حذیفہ بن الیمان (۵) سنن بیہقی میں بروایت رفاعہ بن رافع (۶) ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی تفسیر ثعلبی میں حضرت علی علیہ السلام سے (۷) سیوطی درِ منثور میں بروایت ابن ابی حاتم، ابن عباس و ابن ابی شیبہ (۸) صحیح ابن ماجہ میں بروایت ابن عباس (۹) ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق و عبد بن حمید بروایت ابن عباس (۱۰) علامہ ثعالبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، انس بن مالک، عکرمہ، شعبی اور ابو جعفر محمد بن علی الباقر سے نقل کیا ہے کہ یہ سب کہتے ہیں کہ پاؤں پر مسح کرنا واجب ہے۔

ہاتھ کھولکر یا ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے میں اختلاف

شیعہ ہر معاملہ میں حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ اہلبیت کی پیروی کرتے اس کے متعلق روایتیں اس کتاب میں علیحدہ آگئی ہیں کہ جب اپنی خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام نے نماز جماعت پڑھائی تو بہت سے صحابۂ رسولؐ نے جو اس وقت زندہ تھے کہا کہ علیؑ نے رسولؐ والی نماز پڑھائی ہے۔

متعدد کتبِ اہلِ سنت میں نماز ہاتھ کھولکر پڑھنے سے متعلق روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ میزان الکبریٰ امام شعرانی باب صفت الصلوٰۃ جلد (۱) ص۱۳۰، شرح کنز الدقائق جلد (۱) باب صفت الصلوٰۃ ص۳۱ اور دراسات اللبیب علامہ محمد معین لاہوری وغیرہ میں درج ہے کہ اہل مدینہ سب کے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے اور یہ کہ اجماع اہل مدینہ حجت ہے اور امام مالک کی دلیل ہاتھ کھولکر نماز پڑھنے کی یہی اجماع ہے۔

علامہ جنیدی اپنی شرح وقایا جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۳ پر لکھتے ہیں کہ چونکہ روافض کے مذہب میں ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا ہے اس لئے علماء نے کہا ہے کہ انکی مخالفت کی غرض سے ہم لوگ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔

نماز ظہر و عصر ایک ساتھ اور نماز مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا کئے جانیکا جواز

نماز پنجگانہ کا حکم قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔ سورۂ ھود آیت ۱۱۴ - اقم الصلوٰۃ طرفی النھار و زلفا من الیل ؕ

ترجمہ:- دن کے دونوں کنارے اور کچھ رات گئے نماز پڑھو۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۸، ۷۹ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک ؕ ترجمہ:- سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھو اور نماز صبح کیونکہ صبح کی نماز پر (دونوں وقت کے فرشتوں کی) گواہی ہوتی ہے اور رات کے خاص حصہ میں نماز تہجد پڑھا کرو۔ یہ نفل تمہاری فضیلت ہے۔

آیت اول الذکر میں گویا جملہ تین اوقات کی صراحت ہے۔ دن کے دونوں کنارے یعنی ایک تو صبح اور

دوسرا کنارہ مغرب سے پہلے جو دن میں شامل ہے یہ جملہ دو ہوئے اور پھر زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ یعنی کچھ رات گئے اس طرح ایک نماز صبح اور پھر مغرب سے قبل تک نماز ظہر و عصر اور پھر کچھ رات گئے مغرب اور عشاء کے اوقات نکلتے ہیں دوسری آیت میں ایک تو نماز صبح کا مختص ذکر ہے اور پھر مستحب نماز تہجد کا بھی علیحدہ ذکر ہے۔ پنجگانہ نمازوں میں سے صبح کا ذکر علیحدہ ہونے کے بعد باقی چار نمازوں کا ذکر لدلوك الشمس الیٰ غسق اللیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ یعنی سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اس طرح سورج ڈھلنے کے بعد ظہر و عصر کی نماز کا وقت یکے بعد دیگرے اور رات کے اندھیرے تک مغرب و عشاء کی نماز کا وقت قرار پاتا ہے۔

نماز ظہر و عصر متصل پڑھنے اور نماز مغرب و عشاء متصل پڑھنے سے ان آیات سے کسی طرح تجاوز نہیں ہوتا بلکہ یہ آیات کے عین مفہوم میں داخل ہے۔ یہ تو عقلی طور پر سمجھنے کے لئے ہے ورنہ تمام آیات کی اصل تفسیر حضرت رسول خدا کا عمل وارشاد ہے۔ صحیح مسلم جلد (۱) ص۲۶۵ و جامع ترمذی ص۵ پر عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے نماز ظہر و عصر ملا کر ادا فرمائی اور نماز مغرب و عشاء ملا کر ادا فرمائی حالانکہ نہ تو آپ حالتِ خوف میں تھے اور نہ کوئی وجہ تھی مثل بارش۔ رفیع راوی ہیں کہ انہوں نے وجہ دریافت کی تو ابن عباس نے جواب دیا کہ تاکہ مسلمانوں کو زحمت یا مشکل نہ ہو۔ صحیح مسلم جلد (۱) ص۲۶۴ پر عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے نماز ظہر و عصر ملا کر ادا فرمائی اور نماز مغرب و عشاء ملا کر ادا فرمائی درآنحالیکہ آپ نہ تو عالمِ خوف میں تھے نہ حالتِ سفر میں۔

سنن نسائی ص۲۹ پر ابن عباس سے روایت ہے کہ مدینہ میں حضرت رسول خدا دو نمازیں ظہر و عصر کی اور پھر مغرب و عشاء کی بھی ساتھ ادا فرماتے تھے جبکہ مقام خوف میں نہ ہوا اور بارش بھی نہ ہو۔ جب وجہ دریافت کی گئی تو ابن عباس نے کہا کہ حضرت رسول خدا کا منشاء تھا کہ مسلمانوں کو زحمت نہ ہو۔ اسلئے دونوں نمازیں ساتھ ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں۔

صحیح مسلم جلد (۱) ص۲۶۵ پر عبداللہ ابن شقیق سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ ابن عباس نے بعد نماز عصر وعظ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے نظر آنے لگے لوگوں نے چیخنا شروع کیا نماز۔ نماز۔ عبداللہ ابن عباس نے کوئی توجہ نہ دی یہاں تک کہ بنی تمیم میں سے کوئی کھڑا ہو کر متواتر چلانا شروع کیا۔ نماز۔ نماز۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ وائے ہو تم پر تم مجھ کو طریقہ سمجھاتے ہو۔ میں نے بچشم خود حضرت رسولِ خدا کو نماز ظہر و عصر ایک ساتھ اور مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا فرماتے دیکھا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن عباس کے اس بیان سے دل میں خلش لاحق رہی اور جا کر ابو ہریرہ سے دریافت کیا تو انہوں نے ابن عباس کے بیان کی تصدیق کی۔ بخاری جلد ا ص۷۲ پر روایت ہے کہ انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نماز عصر اتنی جلد پڑھ لیتے تھے کہ اگر ہم نماز عصر پڑھ کر عوالی (مدینہ سے چار فرسخ) سے بھی پھر آتے تو

سورج کافی اونچا ہوتا تھا۔ بخاری کے صفحہ مذکور پر یہ روایت بھی ہے کہ ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم عمر بن عبدالعزیز نماز ظہر پڑھکر معاً حضرت انس بن مالک کے پاس چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نماز عصر پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ یہ کیا، کہنے لگے کہ حضورؐ کا وقت عصر یہی تھا۔ فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری مترجمہ مولانا فیق اللہ صاحب پارہ ۲ ص۱۰۰ پر حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ عصر کی نماز پڑھتے تھے اور حالانکہ سورج کی روشنی میرے حجرے سے نہ نکلتی تھی پہلے اس سے کہ سورج کی روشنی دیواروں پر چڑھے۔

جن حضرات کو حج کا شرف حاصل ہوا ہے وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آج تک بھی مکہ معظمہ میں روز حج ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ دو بجے دن کے مسجد خیف میں ادا کی جاتی ہے اور پھر اسی طرح نماز مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ رات کے نو دس بجے مزدلفہ میں ادا کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں یا حضرت رسولؐ کے کسی ارشاد میں یوم حج کے لئے کوئی علیحدہ یا مختص حکم ایسا نہیں ہے کہ صرف اوسی دن یہ دو دو نمازیں ملا کر یعنی نماز عصر دو ڈھائی بجے کے وقت اور نماز مغرب عشاء کے ساتھ رات کے نو دس بجے ادا کی جائے بلکہ کعبۃ اللہ میں آج بھی یہ عمل ان ہی عام احکام ہی کے تابع ہے کہ نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء ملا کر ادا کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب "دو اسلام" کے ص۲۰۲ پر لکھتے ہیں:۔

ہم بلا وجہ ظہر و عصر اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے لیکن موطا میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ بغیر کسی خوف یا سفر کے بھی نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔

علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے ص۲۵ پر صحاح ستہ کے علاوہ بتیس ۳۲ معتبر کتب احادیث و تاریخ اہل سنت کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی صحت اور بحکم قرآن حضرت علی علیہ السلام کو اپنی خلافت پر نصب کرنے کی غرض سے اسکا ارشاد کیا جانا بیان کرتے ہوئے حضرت رسولؐ کے آخری حج کی پوری تفصیلات تاریخ وار بیان کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ سرکار دو عالمؐ کے نماز ظہر و عصر ایک ساتھ اور نماز مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا فرمانے کی تفصیل بھی درج کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"آنحضرتؐ ۸ ذی الحجہ ۱۰ھ یوم جمعرات کو ایک لاکھ چودہ ہزار لوگوں کے ساتھ منیٰ پہونچے اور رات وہاں قیام رہا۔ دوسرے روز نماز صبح ادا کر کے طلوع آفتاب سے قبل عرفات کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرفات میں نماز ظہر و عصر کو ایک اذان اور دو اقامت سے ادا کیا۔ جب آفتاب غروب ہونے کو ہوا تو آنحضرتؐ عرفات سے مزدلفہ کو روانہ ہوئے اور وہاں پہونچ کر نماز مغرب و عشاء ایک اذان اور دو اقامت سے ادا فرمائی اور رات کو وہیں قیام رہا۔"

سجدہ گاہ: سجدہ ہر چیز پر جائز نہیں ہے کپڑے یا شطرنجی یا قالین پر بھی سجدہ جائز نہیں ہے پاک مٹی،

بوریا یا حصیر پر سجدہ جائز ہے۔ یہاں ہر چیز کی تفصیل مقصود نہیں جن پر سجدہ جائز ہے یا نا جائز ہے۔ حضرت رسولؐ کے عمل کے متعلق ہم چند مستند روایات درج کرتے ہیں۔ کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۱۳ پر روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ سجدہ کے لئے بہترین جگہ مٹی یا ایسی چیز ہے جو زمین سے اُگی ہو صحیح بخاری حصّہ اول صفحہ ۱۰۴ پر ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسولؐ کو بھیگی مٹی (سجدہ گاہ) پر سجدہ کرتے دیکھا حتیٰ کہ مٹی کے ذرات حضرت رسول خدا کی پیشانی پر نظر آتے تھے۔ صحیح بخاری حصّہ اوّل صفحہ ۵۷ پر ہے کہ حضرت رسولؐ سجدہ میں مٹی پر پیشانی رکھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ام المومنین میمونہ سے مروی ہے کہ رسول مقبولؐ خمرہ (سجدہ گاہ) پر نماز پڑھتے۔ جامع ترمذی میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ چٹائی پر بھی نماز پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری حصہ ۲ صفحہ ۲۱۴ و صفحہ ۲۲۳ و جامع ترمذی صفحہ ۴۶ و کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۲ پر روایت ہے کہ حضرت رسولؐ "خمرہ" (سجدگاہ) پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔

مولوی وحید الزماں خاں صاحب عالم اہل سنت "وحید اللغات" باب ۷ صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں:۔ حضرت رسولؐ نے ام المومنین ام سلمہ سے فرمایا "مجھے "خمرہ" (سجدگاہ) لے آؤ"۔ لفظ "خمرہ" کے معنی کھجور کے پتوں سے بنایا ہوا ایسا چھوٹا سا ٹکڑا جس پر پیشانی سجدہ کرتے وقت ٹکائی جا سکے۔ ابن اثیر نے "جامع الاصول" میں لکھا ہے کہ "خمرہ" وہ سجدگاہ ہے جس پر ہمارے وقت کے شیعہ سجدہ کرتے ہیں" وحید الزماں خاں صاحب مزید لکھتے ہیں کہ "میں اس رائے کا حامل ہوں کہ اس روایت کی رُو سے سجدگاہ رکھنا سنت ہے۔ وہ لوگ جو اسکو منع کرتے ہیں اور رافضیوں کا طریقہ کہتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس سنت پر عمل کرنے کی غرض سے میں اکثر ایک کھجور کے پنکھے پر سجدہ کرتا ہوں اور جاہلوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہم کو پیروی سنت سے غرض ہے خواہ کوئی او سے رافضیوں کا طریقہ کہے یا خارجیوں کا"۔ متذکرہ صدر نیز دیگر متعدد روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ مٹی کے سجدہ گاہ یا کھجور کے پتوں کے بنے ہوئے چھوٹے سے خمرہ پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ شیعہ فقہ میں بھی اسی کی پابندی کی گئی ہے اور اس غرض کیلئے ارض مقدس کربلا کی مٹی سے سجدگاہ بنائے جاتے ہیں جہاں حضرت رسولؐ کے پارۂ جگر امام حسین علیہ السلام کا خون بیلا اور دیگر عترتِ رسولؐ کا خون ملا ہوا ہے۔ ایسی مٹی سے بہتر اور کونسی مٹی ہوگی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نے جو اپنے تعصب میں بھی مشہور ہے، یہ وصیت کی تھی کہ اسکی میّت پر خاک ارض مقدس کربلا ڈالی جائے اور قبر میں بھی خاک شفا رکھدی جائے۔ خاک شفا کی عظمت سے کسی کو انکار نہیں۔ فقہ سنّی میں سجدہ گاہ سے انحراف کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

قنوت

سورۂ بقرکی آیت ۲۳۸ ہے:۔ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ و قوموا للّٰہِ قٰنِتِین۔ ترجمہ:۔ تمام نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی حفاظت کرو اور خاص خدا کے لئے قنوت پڑھنے والے ہو کر کھڑے رہو۔

اس طرح نماز میں بحالت قیام قنوت پڑھنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی نماز اور تمام ائمہ اطہارؑ کی نماز صد فیصد سرکار دو عالمؐ کی نماز تھی۔ ائمہ اطہارؑ جو قنوت نمازوں میں پڑھا کرتے تھے وہ

کتابوں میں تمام وکمال مذکور ہیں شیعہ طریقہ کی نماز پنجگانہ و مستحبہ ونافلہ سب میں دوسری رکعت میں بحالت قیام قنوت پڑھی جاتی ہے۔

سُنّی طریقہ کی نماز میں بحالت قیام قنوت کو نہیں رکھا گیا ہے البتہ شافعی صرف نماز فجر میں بحالت قیام دونوں ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہیں اور شافعی اور حنبلی تراویح اور وتر نمازوں میں بحالت قیام ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہیں گو کہ خود تراویح کا حکم نہ قرآن میں ہے نہ کبھی حضرت رسولؐ نے اس کا حکم دیا۔ بلکہ یہ حکم حضرت عمر نے دیا تھا جس کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے بہرحال اس سے اسقدر تو پتہ چلا کہ قنوت نماز میں بحالت قیام پڑھی جانے کا اُصول مانا ہوا ہے۔

رفع یدین نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانے کا نام رفع یدین ہے شیعہ طریقہ کی نماز میں رفع یدین کیا جاتا ہے اور حضرات شافعی بھی اسی طرح رفع یدین کیا کرتے ہیں صحیح بخاری، باب الصلوات میں کئی روایات ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نماز میں تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق "دو اسلام" کے صـ۲۰۲ پر "بخاری جلد اول باب الصلوات صـ۹۳ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"عام مسلمان رکوع سے پہلے یا بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن بخاری میں پوری چار احادیث اس مضمون پر ملتی ہیں کہ حضورؐ رکوع سے پہلے نیز درمیانی التحیات سے اٹھکر ہاتھ اٹھاتے تھے" اسی طرح سُورہ حمد اور دوسری سُورتوں کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جزو لازمی ہے جسے باآواز بلند کہنا بہتر ہے۔ اس امر میں حضرت شافعی اور ان کے تابعین شیعوں سے متفق ہیں اور امیر معاویہ کے زمانہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو حذف کرنے کا جو طریقہ ڈالا گیا ہے اس پر بجز شافعیوں کے دیگر فرقہ جات اہلسنت عامل ہیں۔

سلام نماز کے آخر میں جو سلام پڑھا جاتا ہے اور جس پر نماز ختم ہوتی ہے یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یہ بھی نماز ہی کا جزو ہے۔ نماز سے خارج نہیں ہے۔ پوری نماز کی حالت میں رُوبقبلہ رہنا واجب ہے اور قبلہ سے انحراف صحیح نہیں مگر سُنّی طریقہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کہتے وقت دائیں اور بائیں جانب منہ پھیرا جاتا ہے۔ متعدد روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے کے بعد تین مرتبہ تکبیر اللہ اکبر کہہ کر نماز کا اختتام فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم لوگوں کو رسول خدا کی نماز کا تمام ہونا آنحضرتؐ کی تکبیر سے معلوم ہوتا تھا۔

مولوی شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی تاریخ (احمدی) میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ شیعہ طریقہ کی نماز میں سلام پڑھتے وقت مُنھ قبلہ سے منحرف نہیں کیا جاتا اور سلام کے بعد تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے پر نماز تمام کی جاتی ہے۔

امامت نماز فقہ شیعہ کے اعتبار سے نماز کی امامت ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ اسکے لئے چند شرائط ہیں، نیک صفات سے متصف ہونا اور مسائل ضروریہ سے آگہی لازمی ہے۔ عقلاً بھی بہت سارے لوگوں کی نماز کی ذمہ داری کسی جاہل یا ناواقف شخص کے سپرد نہیں کیجا سکتی۔ سنی فقہ میں ہر قسم کا شخص نماز کی امامت کر سکتا ہے اور اصول یہ قرار دیا گیا ہے کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر"۔

عالم حدیث علامہ مجدالدین فیروزآبادی "سفر السعادت" میں لکھتے ہیں اور ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں نے بھی "تہذیب الاخلاق" میں اسکو نقل کیا ہے کہ:۔

"اس باب میں کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔"

تراویح تراویح کی نماز کا حکم نہ تو قرآن میں ہے اور نہ حضرت رسولؐ نے کبھی اسکا حکم دیا بلکہ آپ نے عمل سے واضح طور پر اس کے عدم جواز کو ظاہر فرمادیا جیسا کہ ذیل کی روایات سے ظاہر ہوگا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں تراویح کا طریقہ رائج کیا۔

صحیح بخاری کتاب الصیام حدیث نمبر ۱۸۷۶ یحییٰ بن بکیر سے اس طرح مروی ہے کہ ماہ صیام میں حضرت رسولؐ رات میں اور کبھی نصف شب مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے اور دوسرے کچھ لوگ بھی آجاتے اور نماز پڑھتے۔ صبح کو لوگوں میں اس کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اس طرح تیسری رات کو مسجد میں لوگوں کا مجمع ہوا۔ حضرت رسول مسجد میں گئے اور نماز پڑھتے رہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔ اس طرح چوتھی رات آئی تو مسجد میں کثیر مجمع ہوا لیکن حضرت رسولؐ صرف نماز فجر ہی کے لئے مسجد میں تشریف لائے (یعنی رات کو تشریف نہ لائے) جب نماز فجر تمام ہوئی تو حضرتؐ نے لوگوں کو مخاطب فرمایا اور کلمۂ شہادت پڑھنے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تمہارا (رات میں) مسجد میں جمع ہونا مجھ سے پوشیدہ نہ تھا مگر مجھے یہ خوف ہوا کہ تم اسکو لازمی نہ سمجھنے لگو اور اس پر عمل ممکن نہ ہو۔

حضرت رسولؐ بے شک نباضِ فطرت انسانی اور شاہد کائنات تھے۔ آپ نے صاف فرمادیا کہ آپکو خوف ہوا کہ لوگ اسکو لازمی نہ سمجھ بیٹھیں اور پھر ان سے عمل ممکن نہ ہو۔ جوان بوڑھے ضعیف سب کی صحت یکساں نہیں ہوتی۔ دن بھر کے کام اور روزے کے بعد یوں بھی تکان ہو ہی جاتی ہے۔ اور مزید برآں خلاف معمول اور عادتی اوقات سے ہٹ کر سحر افطار کی وجہ سے اکثر لوگوں کے ہاضمے اور صحت میں فرق آجاتا ہے۔ پھر کوئی پہلے سے کمزور ضعیف یا بیمار ہو تو یہ کیفیت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔ لیکن لوگ روزے کے بعد افطار میں کچھ زیادہ کھالیتے ہیں۔ بہرحال ہر قسم کی اچھی بری صحت رکھنے والوں کو اور ایسے حالات میں جہاں سوء ہضم کا یقینی امکان ہو ۲۰ رکعت کی نماز جماعت کی پابندی میں یا بالفاظ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ مرحوم "قواعد پریڈ میں لاکھڑا کرنا ایک فطرت سے ہٹی ہوئی بات ہے یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں کوئی شخص رات میں علٰحدہ بھی

نہ کرے اور تکان کے حیلہ سے پڑ کر اوّل وقت سے سو جائے مگر وہ اپنی سہولت سے حسب ضرورت طہارت اور وضو کر کے اپنی عبادت رات میں جاری رکھ سکتا ہے مگر متذکرہ صدر حالات میں نماز جماعت میں مکلف کر دینے کے بعد نہ تو وہ ہٹ سکتا ہے یا ضرورت داعی ہو جانے پر طہارت اور وضو کے لئے جا سکتا ہے اس جکڑ بندی میں وضو کی برقراری اور یکسوئی قلب و خشوع و خضوع سب اُمور قابل غور ہو جاتے ہیں۔ چند جوان یا ہٹے کٹے لوگ اس عمل کو پورا کر سکیں تو وہ اور بات ہے مگر سوال عمومیت کا ہے اور ظاہر بظاہر ایسی طویل نماز جماعت کی پابندی ایک فطرت سے ہٹا ہوا عمل ہے۔ حضرت والد صاحب مرحوم بیان فرماتے تھے ایک دفعہ آگرہ کی بڑی مسجد میں جب وہ اپنے لڑکپن میں نماز تراویح میں شریک تھے تو ایک جوان العمر صاحب نماز تراویح کی امامت کر رہے تھے اور ان کے بوڑھے باپ پیچھے جماعت میں شریک تھے۔ اب جو نماز تراویح شروع ہوئی تو امام صاحب نے ایک ایک رکعت میں کئی کئی پارے پڑھ ڈالے اِدھر پیچھے کی صفوں میں لوگوں کی حالت خراب تھی۔ ہر شخص بے چینی کا اظہار کرتا اور اکثر لوگ حالتِ قیام میں پہلو بدلتے اور جسم کا وزن کبھی ایک پاؤں پر تو کبھی دوسرے پاؤں پر لیتے بعض اونگھ رہے تھے اور جھونکے کھا رہے تھے۔ نہ معلوم کتنوں کے وضو سلامت رہے کتنوں کے نہ رہے۔ خدا خدا کر کے نماز تمام ہوئی تو پیش امام صاحب کے والد نے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ جوتا لیکر بیٹے کی خوب تواضع کی۔

غیر فطری اُمور میں ایسی ہی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اسی قسم کے تمام اُمور کو پیش نظر رکھکر حضرت رسولِ خُدا کا یہ ارشاد تھا کہ اس قسم کی زحمت بے جا صحیح طور پر قابل عمل نہیں رہے۔

حضرت عمر کے زمانہ میں تراویح کے رواج کے متعلق بخاری کی روایت اس طرح ہے:۔

صحیح بخاری کتاب الصیام حدیث نمبر ۱۸۷۵ ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رمضان کے مہینہ میں ایک رات کو مسجد میں گئے اور لوگوں کو چیدہ چیدہ نماز پڑھتے دیکھا اور کہا میں سمجھتا ہوں بہتر ہوگا اگر میں ان سب کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا پابند کر دوں۔ دوسرے دن انہوں نے ایک امام کے پیچھے سب کو تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور پھر یہ بھی کہا کہ رات کے جس حصّہ میں لوگ سوتے ہیں نماز کے لئے وہ زیادہ بہتر ہے۔ بہ نسبت اس حصّہ کے جس میں کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ یہ بھی تھا کہ نماز تراویح کو رات کے ابتدائی حصّہ میں نہیں جب لوگ نماز پڑھتے ہیں بلکہ زیادہ رات گئے پڑھنے کا حکم دیں جبکہ لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ابو بکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ "اسلام اور بنی اُمیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت عمر تخت خلافت پر متمکن ہو گئے جن کا دُرّہ بہت مشہور تھا اور جو مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے

خلاف اس خطاب پر چلایا کرتا تھا کہ نماز جماعت میں فوجی نظم وضبط کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ غالباً آپ تعلیم محمدی کو ایک لشکر جرار کی تربیت و اجتماع کا ذریعہ سمجھتے تھے جس سے کام لیکر اقطاع ارض پر غلبہ و اقتدار جمانے اور حکمرانی کرنے میں کامیاب ہو سکیں"۔

اذان قرآن مجید میں اذاں دینے کا حکم بطور واجب کے نہیں ہے اور اذاں کے کوئی الفاظ بھی معین نہیں کئے گئے ہیں بلکہ بطور عمومی نماز کے لئے آواز دینے کا ذکر دو مقامات پر اس طرح آیا ہے ان میں سے ایک نماز جمعہ کے متعلق ہے اور دوسرا دیگر نمازوں سے۔

سورۂ مائدہ کی آیت ۵۸ ہے:۔ "وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا۔ ترجمہ:۔ اور جب تم نماز کے واسطے ندا دیتے ہو تو یہ لوگ نماز کو ہنسی کھیل بناتے ہیں"۔

سورۂ جمعہ کی آیت ۹ ہے:۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ" ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے ندا (اذان) دی جائے تو خدا کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو اور (خرید) و فروخت چھوڑ دو۔

اذاں کا دینا سنت ہے اور اسی اعلان نماز میں عقیدہ ایمان کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور توحید اور نبوت حضرت رسولؐ کی گواہی دیجاتی ہے اور نماز جو بہترین عمل خیر ہے اسکی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں اذاں میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ کے الفاظ بھی شامل تھے جس کے متعلق متعدد روایات ملتی ہیں۔ حضرت عمر نے ان الفاظ کو اذاں سے خارج کروا دیا اور ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت جب آپکی کنیز نے بیدار کیا اور آپ پر نیند کا غلبہ ہوا تو اسوقت سے صبح کی اذاں میں الصلوٰۃ خیرا من النوم (یعنی نماز نیند سے بہتر ہے) کے الفاظ داخل کرا دیئے۔ شیعہ اذاں میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ کے الفاظ بھی شامل ہیں اور عقیدہ ایمان کا پورا اعلان ہے۔ اس امر کا ذکر علیحدہ آچکا ہے کہ ولایت حضرت علی علیہ السلام کا اقرار جزو ایمان ہے۔ جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں اور جس کے اعلان کے متعلق حکم خداوندی حجۃ الوداع کے بعد حضرت رسولؐ کی حیات کے بالکل آخری زمانہ میں آیا اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو غدیر خم پر اس کا اعلان حضرت رسولؐ نے فرمایا اور اس کے بعد دین مکمل ہونے کی آیت نازل ہوئی اور پھر بحکم قرآن انہم وقفوھم مسئولون روز حشر بھی ولایت علی علیہ السلام کی نسبت سوال مثل سوال توحید و رسالت کے کیا جانے والا ہے۔ لہذا ولایت صلی اللہ علیہ السلام کی شہادت دیئے بغیر مکمل عقیدہ ایمان کا اعلان نہیں ہوتا۔ اسی لئے شیعہ طریقہ اذاں میں توحید و رسالت کی گواہی کے ساتھ ساتھ اشہد ان امیر المومنین علی ولی اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

مکمل کلمہ کے عنوان کے تحت اسکا ذکر باب چہاردہم میں آیا ہے کہ معراج سے واپسی پر حضرت رسولؐ نے

ارشاد فرمایا کہ آپ نے ساق عرش پر، باب جنت پر اور لوائے حمد پر علیاً ولی اللہ لکھا ہوا دیکھا (ملاحظہ ہو باب چہارم حدیث ۲۸ و مناقب مرتضوی صفحہ ۱۸۳ علامہ کشفی ترمذی حنفی بحوالہ متعدد اسناد) حضرت رسولؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ کلمۂ شہادت میری اور علیؑ کی جانب سے بلند ہوتا ہے (باب چہارم حدیث ۱۲) بحوالہ آیت ۴۴ و ۴۵ سورۂ زخرف وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ

حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے سلف کی نبوت کی بنیاد حضرت رسولؐ کی نبوت اور علی مرتضیٰ کی ولایت کے اقرار پر ہے (باب چہارم حدیث ۱۰) نیز ارشادِ رسولؐ ہے کہ ارض و سما نے ولایت علی کو قبول کیا۔ (باب چہارم حدیث ۱۱) یہ بھی ارشادِ رسولؐ ہے کہ علی ایک ایسا پاک کلمہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کیلئے لازم قرار دیا ہے (باب چہارم حدیث ۱۴۱ و ۱۹۲) علی کا لقب امیر المومنین اسوقت سے ہے جبکہ آدم روح و جسد کے درمیان تھے (باب چہارم حدیث ۱۳۰) یعنی علیاً ولی اللہ کوئی نیا نعرہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنا لوح و قلم سے بھی قبل کی ہے۔ اسطرح مکمل عقیدہ کے اعلان کیلئے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے لقب کے ساتھ اشہد ان امیر المومنین علیاً ولی اللہ کہنا حکم خدا و رسولؐ کے عین مطابق ہے۔

ارشاد ائمہ طاہرین علیہم السلام کی نص اس پر موجود ہے اور ائمہ طاہرینؑ کے ماننے والے کے لئے اسمیں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ گلبرگہ شریف میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی درگاہ کے ایک گنبد کے باب الداخلہ پر بھی کلمہ نہایت جلی حروف میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ لکھا ہوا ہے۔

افطار میں تاخیر اور عجلت کا سوال

اوقات روزہ کے متعلق قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷ میں اس طرح حکم آیا ہے:- وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ترجمہ:- اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے تمہیں صاف نظر آنے لگے پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

روزہ کی ابتدا اور افطار کے اوقات میں فقہ اہلبیتؑ اور فقہ سُنّی کے درمیان فرق یہ ہے کہ شیعہ سحری جلد ختم کرتے ہیں اور غروب آفتاب کے بعد رات کا حصہ داخل ہونے پر افطار کرتے ہیں اور سنی حضرات کے ہاں سحری کا وقت بھی تقریباً ۱۰-۱۲ منٹ زائد تک اور افطار کا وقت عین غروب آفتاب کے ساتھ ہی ہے۔ احکام قرآن میں سحر کے لئے طلوع آفتاب سے قبل تک کے یا افطار کے لئے غروب آفتاب کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ سحر کے لئے رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری نظر آنے اور افطار کے لئے الی اللیل کے الفاظ ہیں۔ الی اللیل کے الفاظ تو بہت واضح ہیں لفظ الیٰ کے معنوں میں محض کسی چیز کی سرحد تک کا مفہوم نہیں ہے بلکہ سرحد سے آگے تک کا تصور ہے جیسے سورۂ بنی اسرائیل آیت اول میں ہے:-

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ۔ یعنی وہ خدا پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (آسمانی مسجد) تک کی سیر کرائی۔ ظاہر ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت رسولؐ (معراج میں) مسجد اقصا کی حد تک ہی گئے اور مسجد کے اندر نہیں گئے۔ الی المسجد الاقصیٰ کے معنی یہی ہیں کہ مسجد اقصیٰ کے اندر بھی گئے۔ اسی طرح وضو کی آیت میں فاغسلو وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین میں الی المرافق اور الی الکعبین سے مطلب کہنیوں سمیت اور ٹخنوں سمیت تمام سُنّی علماء نے بھی لیا ہے۔ اسی طرح روزہ کی آیت متذکرہ بالا میں الی اللیل کا مطلب بھی رات کا حصّہ داخل ہوجانے تک کا ہے اور ظاہر ہے کہ غروب آفتاب کے بعد ہی فوراً رات شمار نہیں کی جاتی بلکہ اسکو جھٹپٹا" سرِشام" یا DUSK کا وقت کہا جاتا ہے اور آفتاب کے غروب ہوجانے کے تقریبًا ۱۰-۱۲ منٹ بعد تک بھی روشنی باقی رہتی ہے اور غروب آفتاب کے عین بعد کے وقت کو کوئی بھی رات یا لیل نہیں کہتا۔ اسی لئے فقہ شیعہ میں الی اللیل کی تعبیر یہی کی گئی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد روشنی کا حصّہ زائل ہوکر رات کی تاریکی کا اثر ظاہر ہوجائے اور اسی اسی اعتبار سے غروب آفتاب کے تقریبًا ۱۰-۱۲ منٹ بعد روزہ کھولا جاتا ہے۔

سفر میں روزہ کی ممانعت

شیعہ فقہ کے اعتبار سے سفر میں روزہ رکھنا منع ہے اور ہدایت ہے کہ سفر درپیش ہو بھی تو وقت مقررہ پر سحری کی جائے اور روزہ کی نیت بھی کرلی جائے مگر جب سفر شروع ہوکر ۳ منزل طے ہوجائے تو روزہ افطار کرلیا جائے یہ اسلئے ہے کہ اگر روانگی سے قبل ہی سفر ملتوی ہوجائے یا تھوڑے ہی فاصلہ (اندرون ۹ فرسخ) جاکر مابقی سفر منقطع کردیا جائے تو روزہ قضا نہ ہو۔ سنّی فقہ کے لحاظ سے یہ امر اختیاری ہے کہ فرض روزہ رکھا جائے خواہ نہ رکھا جائے مگر صحاح کی کئی روایات سے شیعہ فقہ کے اُصول کی تائید ہوتی ہے۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت رسولؐ ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص بے ہوش ہے اور کچھ لوگ اس کے اطراف جمع ہیں دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ شخص روزہ رکھکر کئی منزلیں طے کرکے آیا ہے اور بے ہوش ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو طویل سفر پر روزہ نہ رکھنا چاہیے تھا۔ صحیح مسلم میں جابر ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ بروز فتح مکہ ماہ رمضان میں رسول اللہ مع اصحاب بحالت صوم عازم مکہ ہوئے اور جب کراع غمیم میں پہونچے تو وہاں حضرتؐ نے قدح آب طلب کیا اور روزہ افطار فرمایا اس کے بعد لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ بعض اشخاص نے روزہ نہیں کھولا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد کیا کہ جنھوں نے ایسا کیا وہ گناہ گار اور نا فرمان ہیں۔ نواب شیخ احمد حسین صاحب نے بھی اس روایت کو تاریخ احمدی کے صہ ۶۷ پر درج کیا ہے۔

خمس

خمس بروئے حکم قرآن وارشاد پیغمبر آنحضرتؐ اور آپکے اہلبیت کا حق ہے جس کی ادائی سب پر

واجب ہے۔ خمس واجب ہونے کے احکام قرآن میں موجود ہیں اور انکی تنسیخ کی کوئی آیت نہیں ہے۔

سورۂ انفال کی آیت الم میں ہے:۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی الخ

ترجمہ:۔ اور جان لو کہ جو کچھ تم کو مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصّہ مخصوص خدا اور رسولؐ اور رسولؐ کے قرابت داروں کا ہے۔

باوجود اس صریح آیت قرآن کے فقہ سنّی میں حضرت رسولؐ کے اہلبیتؑ کو خمس دینے کے اصول سے انحراف کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم خاص سے جو پانچواں حصّہ (خمس) حضرت رسول اور ان کے اہلبیتؑ کے لئے مختص فرما دیا تھا وہ نہیں دیا گیا اور خمس دینے کے اصول کو ہی تسلیم نہ کر کے اس حکم خداوندی کی تعمیل سے انکار کر دیا گیا۔

"الفاروق" صـ۹۳ـ پر مولانا شبلی آیت متذکرہ صدر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "اس آیت سے ثابت ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصّہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے، نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اگرچہ مصلحتاً بنوہاشم کو خمس میں حصّہ نہیں دیا۔ لیکن رائے انکی بھی یہی تھی کہ بنی ہاشم واقعی حقدار ہیں۔ یہ صرف حضرت علیؑ و عبداللہ بن عباس کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہلبیتؑ کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اس مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور و شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے"۔ اسی صفحہ پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابتدارانِ پیغمبرؐ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہلبیتؑ کو کبھی خمس سے حصّہ نہیں دیا"۔

شیعیان اہلبیتؑ ہر امام کے زمانہ میں اپنے مقرر کردہ وکیلوں کے ذریعہ خمس برابر ہر امام کو بھجواتے رہے اور زمانہ غیبت میں (یعنی بارھویں امام حضرت مہدیؑ بن حسنؑ عسکری علیہم السلام کے بحکم خدا غیبت اختیار کرنے کے بعد) مجتہد زمانہ کے مشورہ سے اس مال کو اغراض دینی کے لئے خرچ کرتے رہے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے اہلسنت حضرات میں ایک کثیر تعداد اس حکم خداوندی اور "خمس" کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایک صاف اور واضح حکم خداوندی ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایک غور کے قابل بات یہ ہے کہ سادات آلِ رسولؐ کے لئے دو خصوصی حکم از روئے شریعت ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ زکواۃ غیر سادات کی سادات پر حرام ہے دوسرے یہ کہ خمس ان کا حق ہے یہ پہلا حکم ظاہری قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ ارشاد رسولؐ سے ثابت ہے اور دوسرا حکم خمس کا تو قرآن میں موجود ہے۔ لیکن بجز شیعوں کے دوسرے مسلمانوں میں سادات پر

غیر سادات کی زکواۃ حرام ہونے کا تو حکم مسلّماً باقی رہا۔ مگر سادات کو خمس ملنے کا جو حکم قرآنی تھا وہ فقہ اسلامی سے خارج کر دیا۔ ہر ہر موقع پر آلِ رسولؐ کا اپنے حق سے محرومی کا شائبہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور نظر آتا ہے۔

متعہ قرآن مجید میں سورۂ نساء آیت نمبر ۲۴ میں وہ حکم موجود ہے جس کی رُو سے متعہ کو حلال کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔
فما استمتعتم بہ من ھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللّٰہ کان علیما حکیما ترجمہ:۔ جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انھیں جو مہر مقرر کیا ہے دیدو اور مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر آپس میں (کم و بیش) راضی ہو جائیں تو اسمیں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بیشک خدا ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔

خالق عالم سے بڑھ کر فطرتِ انسانی اور اسکے مختلف تقاضوں کا جاننے والا کون ہے اور متعہ کا حکم دیتے وقت خلّاق عالم نے اپنے ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہونے کی طرف بطور خاص اشارہ فرمایا ہے جس سے صاف مطلب یہی ہے کہ کم نظر اور کوتاہ بین لوگ اس حکم کی واجبیت پر اپنی عقل کی جولانی دکھا کر کوئی اعتراض نہ کر سکیں ان کے اعتراض کا جواب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے دیدیا ہے۔

واضح ارشادِ خداوندی کے بعد اس کے حسن و قبح یا صواب و عدم ثواب کے متعلق وجوہات پیش کرنا ایک تحصیل حاصل ہے۔ گو کہ یہ امر بدیہی ہے کہ بے راہ روی اختیار کرنے والوں کے لئے زنا اور گناہ سے بچنے کی ایک کارگر اور موثر تدبیر متعہ ہے جس میں نکاح سے مماثل ایجاب و قبول ادائی مہر صحت نسبت اولاد وغیرہ کی سب شرعی شقیں موجود ہیں اور متعہ کو ایک وقتیہ دل لگی خیال کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ متعہ ایک اعتبار سے نکاح سے بھی زیادہ پائیدار ہے کہ نکاح کا معاہدہ طلاق یا خلع سے فوراً ختم ہو جاتا ہے مگر متعہ کا معاہدہ جس مدت کے لئے کیا گیا ہو اس مدت کے اختتام سے پہلے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر متعہ تمام العمر کے لئے کیا گیا ہو تو فریقین میں سے کسی کی موت کے سوا اس کے اختتام کی کوئی صورت نہیں۔

متعہ ہوس رانی کا ذریعہ نہیں اور اس کے جواز کے لئے مختلف قیود و عائد ہیں۔ قرآن کی مجسم تفسیر سیرت حضرت رسول اور آپ کے جانشین برحق ائمہ طاہرینؑ کا عمل ہے۔ ان ذوات قدسیہ کے ارشادات میں متعہ کے جواز کی شرائط کو واضح فرما دیا گیا ہے۔ تفصیلات میں گئے بغیر ہم یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ احادیث بتاتی ہیں کہ حضرتِ رسول نے موقتی حالات ہی میں متعہ کا جواز ظاہر فرمایا تھا اور ائمہ طاہرینؑ نے اسی اصول پر اسکی وضاحت فرمائی۔ چنانچہ شیعہ فقہ کی مشہور کتاب 'فروعِ کافی' میں ائمہ طاہرین جعفر صادق علیہ السلام، موسیٰ کاظم علیہ السلام اور علی رضا علیہ السلام کے متعدد ارشادات درج ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی موجود ہو اسکو متعہ کی ضرورت نہیں۔ متعہ صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ کوئی شخص شادی سے مستغنی نہ ہو گیا ہو۔ یعنی بیوی کی صحت کی خرابی یا دیگر وجوہات کی بنا پر اسکے جنسی جذبات

کی تشفی نہ ہوسکتی ہو۔ یاحالتِ سفر میں ہو۔ جبکہ بیوی ساتھ نہ ہو اور جذبات سے مغلوب ہوجائے۔ پھر متعہ بھی ہر قسم کی عورت سے جائز نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے "کواشف، دواعی اور بغایا" سے متعہ سے پرہیز کرو۔ کواشف یعنی بدچلن عورتیں جن کا گھر بدکاروں کے لئے کھلا رہتا ہے۔ دواعی وہ ہیں جو زنا کی دعوت دیتی ہیں اور بغایا وہ ہیں جو زناکاری کے لئے مشہور ہوچکی ہوں۔ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد فروعِ کافی کے علاوہ اصولِ کافی، تہذیب اور من لا یحضرہ الفقیہ میں موجود ہے کہ ممتوعہ اور منکوحہ کی اولاد کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اکابر علمائے شیعہ مثلاً علم الہدیٰ سید مرتضیٰ اور علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ وغیرہ نے ائمہ طاہرین کے ارشادات کی روشنی میں ممتوعہ عورتوں کو بھی شوہر کی میراث کا مستحق قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ متعہ کی میعاد شوہر کی زندگی میں ختم نہ ہوگئی ہو۔ ممتوعہ عورت پر بھی عدت کی پابندی بالکل اسی طرح لازم ہے جس طرح منکوحہ پر۔

بعض سنی علماء نے سورۂ مومنون کی آیات ۵ و ۶ مندرجہ ذیل کو متعہ کی آیت (سورۂ نسا آیت ۲۴) کے ناسخ ہونے کی حجت پیش کی ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ یعنی فلاح پانے والے وہ مومنین ہیں جو (دیگر صفاتِ مذکرہ آیاتِ ماقبل کے ساتھ) اپنے اعضائے باطنی کی نگہداری کرتے ہیں بجز اپنی ازواج اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکیت میں داخل ہیں۔" حجت یہ پیش کی گئی کہ چونکہ اس آیت میں ممتوعہ کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے متعہ کی آیت منسوخ ہوگئی۔

خود متعدد سنی علماء ہی نے ممتوعہ کو زوجہ ہی قرار دے کر اس بے معنی حجت کی تردید کردی ہے چنانچہ مشہور عالم جاراللہ زمخشری تفسیر کشاف میں آیت صدر کے ذیل میں لکھتے ہیں: "(ترجمہ) اگر تم دریافت کرنا چاہو کہ کیا اس آیت میں حرمتِ متعہ کی دلیل ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ اسلئے کہ وہ عورت جس سے نکاحِ متعہ ہوا ہو ازواج میں داخل ہے کیونکہ نکاحِ متعہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔"

قطع نظر آیت متعہ کے منسوخ ہونے کی حجت کے بہ نفسہٖ بے معنی ہونے کے اگر آیت متعہ منسوخ ہوچکی ہوتی تو حضرت رسول کے زمانہ میں متعہ کس طرح ہوتے اور پھر ابوبکر و عمر کے زمانہ میں متعہ کا سلسلہ کس طرح جاری رہتا حتیٰ کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام قرار دیدیا۔

یہاں ہم اس انتباہ کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر بعض شیعہ حضرات بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ متعہ کے لئے تو کھلی چھوٹ دی ہوئی ہے تو یہ شیعہ فقہ سے انکی افسوسناک بے خبری یا تجاہلِ عارفانہ کی خبر دیتا ہے محض شیعہ کہلانے سے کوئی شیعہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا عمل بھی شیعہ طریق پر ہونا چاہیئے۔

تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر، تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۶۰ اور تفسیر معالم التنزیل، مستدرک، تاریخ طبری، صحیح مسلم، جمع بین الصحیحین، عینی شرح بخاری میں وہ

روایات موجود ہیں کہ حضرت رسولؐ کے زمانہ سے لیکر حضرت عمر کے نصف زمانۂ خلافت تک لوگ متعہ کرتے رہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسالتمآبؐ کے پورے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر کے نصف زمانۂ خلافت تک برابر متعہ کرتے تھے مگر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے نصف زمانہ کے بعد متعہ کی ممانعت کا حکم جاری کیا اور وہ بھی ان الفاظ میں۔

مُتعتَانِ کَانَتْ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنَا اَنْھٰی عَنْھُمَا وَ اُعَاقِبُ عَلَیْھِمَا

یعنی دو متعہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حلال تھے۔ (متعۃ الحج اور متعۃ النساء) ۔ ان دونوں کو حرام کرتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا دوں گا۔

اس مضمون کی دیگر روایتوں میں انا احرمھما (میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں) کے الفاظ آئے ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۱۷ پر ابونضرہ سے روایت ہے کہ میں جابر بن عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب ایک شخص آیا اور ابن عباس سے کہا کہ ابن زبیر اور ابن عباس دونوں متعہ یعنی متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ جابر نے کہا کہ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں خود جابر نے کئی متعہ کئے تھے لیکن حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں اس کو حرام قرار دیا۔

صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ اور ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ پر عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ کی زندگی میں ہم متعہ کیا کرتے تھے اور حضرت رسولؐ کے وقت آخر تک ہمیں کوئی ممانعتی احکام نازل نہیں ہوئے لیکن ایک شخص (حضرت عمر) نے اپنی رائے سے جیسا چاہا کیا۔

صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۰ پر روایت ہے کہ کسی نے سعد ابن وقاص سے متعہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ ابی وقاص نے جواب دیا کہ ہم نے خود متعہ کیا ہے جب معاویہ بت پرست تھے صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۰ پر حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں ہم کو متعہ کرنے کی اجازت تھی۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۱۵ پر جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک طویل عرصہ تک ہم متعہ کرتے رہے تھے۔ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی متعہ رائج تھا محض حضرت عمر نے اس کو حرام قرار دے دیا۔

ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۱ پر ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے جو حلت متعہ کا فتویٰ دیتے تھے حضرت عمر سے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر نے کہا بیشک نبیؐ نے اور اصحاب نبیؐ نے متعہ کیا ہے۔ لیکن میں نے مکروہ جانا اس امر کو کہ ایام حج میں لوگ مزے اڑائیں اور غسل کا پانی ان کے سروں سے ٹپکے۔ جامع ترمذی صفحہ ۱۰۷ پر روایت ہے کہ ایک مرد شامی نے (عبداللہ بن عمر یعنی حضرت عمر کے بیٹے) سے سوال کیا کہ آیا حج متعہ کا ساتھ عمرہ کے حلال ہے لیکن تمہارے باپ نے اسے حرام کیا ہے تو عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ میرے باپ نے اسے

حرام کیا ہے مگر جناب رسولؐ خدا نے اسے حلال کیا ہے تو کیا میں سنّت نبوی ترک کر دوں اور اپنے باپ کے قول کی پیروی کروں۔ مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۹ پر عبداللہ ابن زبیر و عبداللہ ابن عباس کے مکالمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کی بڑی بہن اسماء بنت ابوبکر سے زبیر نے متعہ ہی کیا تھا۔

صحیح بخاری باب ۶ صفحہ ۹۳ و صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۴۰۲ اور ترمذی جلد ا صفحہ ۱۰۴ پر سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ عسقلان میں حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کے درمیان متعہ کے متعلق اختلاف رائے ہوا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے عثمان! تم لوگوں کو اس چیز سے منع کرنا چاہتے ہو جس کو حضرت رسولؐ نے خود کیا۔ حضرت عثمان نے کہا خیر جانے دو۔

صحیح بخاری و مسند ابو داؤد طیاسی میں مروان بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے حج کے موقع پر عثمان اور علیؑ کو دیکھا عثمان لوگوں کو متعۃ الحج سے منع کر رہے تھے۔ جب علیؑ نے مشاہدہ کیا تو حج اور عمرہ کی تہلیل ایک ساتھ ادا کی اور فرمایا کہ لبیک بحجۃ و عمرۃ معًا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں لوگوں کو جس بات سے منع کرتا ہوں تم وہی کرتے ہو۔ علیؑ نے جواب دیا کہ میں کسی کے کہنے سے سنّت رسولؐ کو ترک نہ کر دوں گا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں علامہ عینی لکھتے ہیں:- زاد المعاد ابن قیم میں ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ روز خیبر آنحضرتؐ نے متعہ کی ممانعت فرمائی تھی، بلکہ گوشت خراطی کے استعمال کی ممانعت فرمائی تھی۔

علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۹ پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے متعہ کو حرام کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۳۶ پر متعہ کے حرام کئے جانے کو اولیات حضرت عمرؓ کے تحت لکھا ہے۔ تاریخ ابو الفداء اور مؤطا امام مالک صفحہ ۱۹۶ پر بھی حضرت عمرؓ کا متعہ کو حرام کرنا درج ہے۔

حضرت ابو حنیفہ بہ متابعت حکم حضرت عمرؓ متعہ کو حرام مانتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ کہتے ہیں خرچی چکا کر بلا نکاح اگر کوئی مسلمان کسی عورت کے ساتھ قربت کرے تو یہ خرچی اس عورت کے واسطے حلال ہو گی اور ایسے شخص پر زنا کی حد بھی جاری نہ کی جائیگی۔"

حضرت ابو حنیفہ کا ایک حلال چیز کو حرام کہنا اُدھر خرچی چکا کر کسی عورت سے زنا کرنے کو جائز کہنا ایک طرفہ معاملہ ہے۔ کتب فقہ اہلسنّت مثلاً فتاویٰ قاضی خاں ہدایہ بحر الرائق، شرح کنز الدقائق میں عجیب عجیب قسم کے فتوے علماء اہلسنت کے ملتے ہیں مثلاً نبیذ سے وضو جائز ہے سوکھے ہوئے فضلہ اور نجاست پر سجدہ جائز ہے۔ سفر میں نابالغ لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔ یہاں تک کہ کپڑا لپیٹ کر ماؤں سے ہم بستری بھی جائز ہے۔

حضرت رسولؐ کے انتقال کے تھوڑے ہی دنوں میں امورِ دین میں اس قسم کے تغیر و تبدّل نے عام مسلمانوں کے لئے بھی مسائل دینی میں تحریف کا ایک خطرناک دروازہ کھول دیا اور اسلام کی کیفیت جتنے منھ اتنی باتیں یا جتنے اجتہاد اتنے ہی فرقے کی ہونے لگی۔

مولانا سید عبدالوہاب بخاری ایم اے ایل ٹی پرنسپل نیو کالج مدراس اسلام کے متعلق اپنی تقاریر کے ایک مجموعہ **Islam and Modern Challenges** کے نام سے طبع ہوا ہے صہ۶۸ و صہ۶۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"If within a few years of the Prophet's demise (not even ten years) Caliph Omar had to interpret certain personal laws of the Holy Quran, like those of Talaq Muta distribution of spoils of war, taxation and others ...what greater proof can there be that there is ample scope for the exercise of private opinion and judgement within the framework of Islam".

ارشاد رب العزت ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (سورۂ نحل آیت ۱۱۶)۔
یعنی جھوٹ موٹ جو تمہاری زبان پر آئے نہ کہدیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اور اسطرح اللہ پر بہتان باندھنے لگو جو لوگ خدا پر بہتان باندھتے ہیں کبھی فلاح نہ پائیں گے۔

قابلِ غور ہے کہ جہاں صریح احکام قرآن اور نصِ ارشاد وعملِ رسولؐ موجود ہو وہاں ان احکام کے خلاف اپنی رائے کو دخل دینا اور اس کو دین کا جزو قرار دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یہ تو دین میں کھلی ہوئی تحریف ہے۔ اور حکمِ خدا کے خلاف دیدہ دلیری سے چیلنج ہے۔

۱۹۶۸ء میں پاکستان کی بین الاقوامی کانفرنس میں مولانا جعفر شاہ پھلواری نے فرمایا "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے فیصلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئے تھے اور جب وہ آپ کے خلاف فیصلہ کر سکتے ہیں تو ہم ان کے خلاف فیصلہ کیوں نہیں کر سکتے"۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت عمر نے احکام دین میں کئی جگہ تبدیلی کی۔

طلاق

شریعت اسلامیہ نے طلاق کو تمام جائز چیزوں میں سب سے سب مکروہ قرار دیا ہے۔ قاضی کو حکم ہے کہ کوئی شخص طلاق کا فتویٰ لینے آئے تو حیلہ حوالہ کرکے ٹالمٹول دو اور جہاں تک ہو سکے دیر لگاتے رہو۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملے اور وقتیہ غم وغصہ اور اضطراری کیفیت TIME IS THE BEST HEALER کے اصول پر دور ہو کر میاں بیوی میں مصالحت ہو جائے اور طلاق کی بات ٹل جائے۔ طلاق کے احکام میں فقہ سنّی اور فقہ شیعہ میں شدید اختلاف ہے (فقہ شافعی کم وبیش فقہ شیعہ کے مماثل ہے) فقہ سنّی میں اسوقت جو طلاق کے احکام نافذ ہیں وہ حضرت عمر کے اپنے زمانہ حکومت میں رائج کئے ہوئے اور احکام قرآنی کے بالکل خلاف ہیں۔ جامع الاصول میں دو کتب صحاح سنن ابی داؤد اور خصائص نسائی کے حوالہ سے عبداللہ ابن عباس اور دیگر راویوں کی زبانی روایتیں ہیں کہ عہد رسالت میں اور نیز خلافت ابوبکر کے

زمانہ میں تین طلاق متواتر کو بغیر رجوع کئے ایک ہی طلاق حساب کرتے تھے۔ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے تین سال بعد اسکو تین طلاق کے برابر قرار دیدیا۔ عینی شرح بخاری، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۵۳ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ پر عمران بن حصین کی زبانی متعہ کی روایتوں کے سلسلہ میں ہے کہ شریعت کے اُمور میں ایک شخص عمر نے اپنی مرضی سے جیسا چاہا کیا۔ حضرت عمر کے حکم کے اعتبار سے کوئی مرد خواہ غصہ میں ہو نشہ میں ہو اُونگھ رہا ہو خواہ کسی حالت میں ہو ایک سانس میں طلاق طلاق طلاق کہدے تو قطعی طلاق ہوجاتی ہے۔ سنی فقہا نے اسکو یہاں تک وسعت دی ہے کہ کنایہ کے طور پر الفاظ سے بھی طلاق ہوجاتی ہے۔ مثلاً کوئی کہے میرے گھر سے نکل جا۔ نہ کسی گواہ کی ضرورت ہے نہ شاہد کی بقول کسی کے:۔

ONCE TWICE AND THREE TIMES کے طور پر طلاق طلاق طلاق کے تین پتھر مارو اور بیوی کو نکال باہر کرو۔ فقہ شیعہ میں احکام قرآنی کے عین مطابق طلاق کے یہ شرائط ہیں:۔

(۱) طلاق دینے والا پورے ہوش و حواس میں ہو۔

(۲) عورت (الف) حیض و نفاس سے پاک حالت میں ہو۔ (ب) حاملہ نہ ہو (ج) رضاعت میں نہ ہو (یعنی بچہ کو دودھ پلانے کا زمانہ نہ ہو)

(۳) ایک دفعہ طلاق کہنے کے بعد (طلاق طلاق طلاق بھی کہلائے تو ایک ہی شمار ہوگا) عورت کا ایک طہر گزر جائے۔ اسوقت دوسری مرتبہ طلاق کہے۔ اسکے بعد عورت کا ایک اور طہر گزر جائے اسکے بعد:۔

(۴) (الف) یا تو بیوی کو رجوع کرلے یا (ب) طلاق کے ارادہ پر قائم ہے تو تیسری مرتبہ طلاق کہے۔

(۵) یہ تیسری مرتبہ کا طلاق کہنا دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ ان سب شرائط کی تکمیل کے ساتھ طلاق واقع ہوگی" ناظرین پر واضح ہوگا کہ انمیں کی ایک ایک شق احکام قرآن کے ہر جزو کی پوری طرح تکمیل کرتی ہے قرآن میں ایک پورہ سورہ "طلاق" کے نام سے ہے اسکی پہلی دو آیتوں میں طلاق کے پورے احکام بیان کئے گئے ہیں آیات (۱) اور (۲) یہ ہیں:۔

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ

ترجمہ:۔ جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (پاکی) کے وقت طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے پروردگار خدا سے ڈرو اور عدۃ کے اندر ان کے گھر سے انھیں نہ نکالو اور وہ خود بھی گھر سے نہ نکلیں مگر جب وہ صریح بیحیائی کا کام کر بیٹھیں (تو نکال دینے میں مضائقہ نہیں) اور یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا تو اس نے اپنے اُوپر آپ ظلم کیا تو نہیں جانتا۔

شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کرے (جس سے مرد پچھتائے اور میل ہو جائے)۔ تو جب یہ اپنا عدہ پورا کرنے کے قریب پہنچیں تو تم انھیں عنوانِ شائستہ سے روک لو یا اچھی طرح رخصت ہی کردو اور (طلاق کے وقت) اپنے لوگوں میں سے دو عادل اشخاص کو گواہ قرار دے لو اور (گواہ ہو) تم خدا کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا۔ اِن باتوں سے اس شخص کو نصیحت کیجاتی ہے جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ احکام قرآنی کسقدر واضح ہیں کہ عورت کے طُہر کے زمانہ میں طلاق کہی جائے۔ یعنی یہ اسکی نفی ہے کہ مرد جس وقت بھی چاہے طلاق دیدے۔ پھر اس کے ساتھ میں حکم ہے کہ دوسرے طہر کا انتظار کرو۔ یہ اس امر کی قطعی نفی ہے کہ وقتِ واحد میں تین مرتبہ بھی کہکر طلاق دی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تہدید کردی ہے کہ جو شخص بھی ان مقررہ حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ پھر یہ حکم ہے کہ جب بعد کا طہر آجائے تو یا تو عورت کو گھر میں روک لے یعنی رجوع کرلے۔ یا پھر جب عدہ کے شمار کے بعد تیسری مرتبہ طلاق کہنے کا ارادہ قطعی ہو جائے تو دو عادل گواہوں کے مواجہ میں یہ آخری یعنی تیسری طلاق کہی جائے۔ پھر گواہوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ ایمانداری سے ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔ اس پہلو سے بھی اللہ تعالیٰ نے طلاق کے معاملہ کی اہمیت اور نزاکت پر زور دیا ہے۔ آیت کے آخری حصہ میں ایک بہت ہی اہم بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اِس نصیحت کو وہی مانیگا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور روزِ آخرت پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ اِسی حکمِ الٰہی کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ان واضح نصیحتوں کو نہیں مانتا اسکا نہ تو اللہ پر ایمان ہے اور نہ روزِ آخرت پر۔ اب ہم ناظرین کو یہ سوچنے اور تصفیہ کرنے کی دعوت دینے پر مجبور ہیں کہ جب حضرت عمر نے نہ تو عدہ کی شرط برقرار رکھی اور نہ پھر دوسرے عدہ کا شمار کرنے کی یعنی ایک ایک عدہ کے بعد بتدریج طلاق کو قطعی کرنے کی اور نہ پھر آخری طلاق کہتے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت کی یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ ہر ایک شرط کو رد کر دیا اور اس کے برخلاف کسی شخص کو ہوش و حواس کی کسی بھی حالت میں اور عورت کے طہر یا غیر طہر کسی حالت میں وقتِ واحد میں طلاق طلاق طلاق کہنے کو قطعی طلاق کا طریقہ قرار دیدیا یعنی اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت کو ماننے سے انکار کر دیا تو کیا اللہ تعالیٰ پر انکا ایمان تھا اور روزِ آخرت پر انکا ایمان تھا؛ جب کوئی شخص اپنے عمل اور زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا اعلان کرے تو نتیجہ نکالنے والوں کے ذہن پر کہاں تک پہرے بٹھائے جاسکتے ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے آجکل کے بعض سنجیدہ سُنّی علماء بھی طلاق کے قرآن کے برعکس اس طریقہ کو جو حضرت عمر کا رائج کیا ہوا ہے صاف الفاظ میں غلط قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ دارالسلام حیدرآباد میں ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کے منعقدہ جلسہ "تحفظ شریعت" میں جس میں متعدد چوٹی کے علماء اہلسنت شریک تھے امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ نے صدارت کرتے ہوئے ہزاروں افراد کے جلسۂ عام میں جو تقریر فرمائی وہ اخبار سیاست مورخہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ اصل اخبار کے تراشہ کی فوٹو کاپی ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حیدرآباد۔ ۲۰ر اکتوبر (سیاست نیوز) موجودہ دور کی عدالتوں کو کسی جج کو قرآن کی تفسیر یا احادیث کی تشریح بیان کرنے کا کوئی اختیار نہیں جہاں تک طلاق و نفقہ کے مسائل کا تعلق ہے اس میں علماء شریعت اتھارٹی ہیں جن پر گزشتہ ۱۴ سو برسوں سے عمل ہو رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار آج یہاں ممتاز علماء نے کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ تحفظ شریعت سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس عظیم الشان اجتماع میں ہزاروں افراد نے شرکت کی جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک ہوا۔ امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ رحمانی نے صدارت کی۔ ممتاز مقامی قائدین کے علاوہ لیڈروں کے اہم مہمانوں میں مقبول مولانا ابو الاسلام قاسمی (اڈیشہ) نے خطاب کیا۔

جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ قرآن میں ترمیم نہیں ہو سکتی ہے۔ نکاح ایک معاہدہ اور عبادت بھی ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ یہ معاہدہ نہ ٹوٹے۔ اگر زندگی میں تعلقات خوشگوار نہ رہیں تو قرآن و حدیث نے راستہ بتایا ہے کہ اس رشتہ کو توڑ دیا جائے جسے طلاق کہتے ہیں۔ طلاق کے شرائط میں عام طریقہ غلط ہے۔ طلاق بائن اور طلاق رجعی کے مراحل پہلے ہیں جن میں لوٹ کر رشتہ کی گنجائش ہے۔ اس پر عمل نہ ہونے سے آج انتشار خانگی پیدا ہو رہا ہے۔ اسلام محبت کی تعلیم دیتا ہے مگر کچھ لوگ آجکل طلاق کے اسلامی طریقہ پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ غلط طریقہ پر طلاق دی جا رہی ہے۔ طلاق تین ماہ کا مسئلہ ہے۔ جس میں اتفاق رائے ضروری ہے۔ مولانا منت اللہ رحمانی نے کہا کہ آجکل مسلم پرسنل لا کو صرف تین طلاق اور چار شادی کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ چار شادیاں فرض نہیں اختیاری بات ہے۔ تعداد ازدواج کی حد مقرر کی گئی ہے۔ اگر سرسری طور پر جائزہ لیا جائے کہ چار بیویاں رکھنے والے مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ اسلام کو غلط ثابت کر رہا ہے۔ لیکن اس فیصلہ نے مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کیا ہے۔ یہ فیصلہ نہ صرف شریعت بلکہ خود ہندوستانی قانون کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ عدالت کا کام تھا کہ وہ فقہی مسئلہ کو علماء سے رجوع کرے…

واضح ہو کہ مولانا رحمانی نے مختصر الفاظ میں طلاق کے قرآنی احکام کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔

حضرت عمر کا مقام ابراہیم کو بدل دینا صاحب کشاف نے لکھا ہے اور دیگر کتب اہلسنت میں بھی مذکور ہے کہ مقام ابراہیم (جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے کعبہ کی تعمیر کی تھی) پہلے کعبہ سے متصل تھا ایام جاہلیت میں قریش نے اس کو

دور ہٹادیا۔ حضرت رسولِ خدا نے فتح مکہ کے بعد اِسکو اصلی مقام پر رکھدیا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں لوگوں سے پوچھا کہ کعبہ سے کتنے فاصلہ پر قریش نے رکھا تھا۔ ایک شخص مطلب بن ابی داؤد نے کہا اُس نے تسمہ سے وہ فاصلہ ناپا تھا اور وہ تسمہ اُسکے پاس محفوظ ہے۔ حضرت عمر نے اس تسمہ سے ناپ کر رسول خُدا کے رکھے ہوئے مقام سے مقام ابراہیم کو ہٹاکر پھر قریش کے رکھے ہوئے مقام پر رکھدیا۔

حضرت عمر کی رائے میں تیمم بدلِ غسلِ جنابت کا عدمِ جواز

اہلسنت اور شیعہ سب کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ پانی میسّر نہ آنے یا مرض کی وجہ سے مضرت کا اندیشہ ہو تو غُسلِ جنابت کی بجائے تیمم جائز اور کافی ہے۔ مگر حضرت عمر کا یہ منفرد خیال کتبِ اہلسنت میں مذکور ہے کہ جب تک پانی میسر نہ آجائے تو شخص جنب کو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے اور یہ کہ تیمم غسل جنابت کا بدل کسی حال میں بھی نہیں ہوسکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے اس فتوے کو کہ جنب تیمم نہیں کرسکتا جب تک پانی نہ ملے وہ جنب ہی رہیگا کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ حضرت عمر کے قول مَس ذکر اور گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جانے کو بھی کسی نے تسلیم نہیں کیا امام شافعی نے حضرت عمر کے بہت سے فتوے یہ کہکر رد کردیئے کہ انھوں نے تشریع کی ہے اور اس کا انھیں حق نہیں تھا۔

نِسَاءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ کا مطلب

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۳ ہے نِسَاءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ ۝ ترجمہ:۔ تمہاری بیبیاں (گویا) تمہاری کھیتی ہیں۔ تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔ فقہ شیعہ کے اعتبار سے زوجہ سے بھی وطی فی الدبر قطعاً حرام ہے اور علماء شیعہ نے جس طرح چاہو آؤ کا مطلب یہ لیا ہے کہ جو طریقہ بھی پسند ہو اسطرح جماع کرو۔ مگر ابو حنیفہ کے فتوں کا یہ مطلب ہے کہ زوجہ لونڈی یا غلام سے بھی وطی فی الدبر جائز ہے گو کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ کی پیروی کرنے والے بھی ان کے اس فتوے سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور اس عمل کو ایک فعل قبیح جانتے ہیں اور ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ ایک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

سُنّی دینیات کی کتابوں میں بھی وطی فی الدبر کو ناجائز بتایا گیا ہے ہم ابو حنیفہ کے ان فتوات کو ذیل میں درج کردیتے جن سے یہ مسئلہ ایک نزاعی شکل میں سامنے آگیا ہے:

(۱) ہدایہ حاشِ متن بدایۂ مطبوعہ نولکشور ستمبر ۱۸۷۵ء باب الحدود جلد ۲ صـ۳۰۶ پر ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ درج ہے:۔ مَنْ وَطِیَ اَجْنَبِیَۃً فِیْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ لَیْسَ زِنَا نَہٗ مُنْکَرٌ لَیْسَ فِیْہِ

شَیئٍ مُقَدَّرٍ وَمَنْ وَطِیٔ اَمرَاۃً فِی مَوضَعِ المَکرُوہِ اَوعَمِلَ عَمَلَ قَومِ لُوطٍ فَلَاحَدَّ عَلَیہِ عِندَ اَبِی حَنِیفَۃَ
یعنی جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے شرمگاہِ فرج کے سوا مجامعت کی تو ایسے شخص کو تعزیر دیجائیگی۔
اسواسطے کہ یہ فعل ممنوع ہے لیکن اس کے واسطے کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور جس مرد نے اپنی زوجہ سے مقام مکروہ
یعنی مقعد میں وطی کی یا اُس نے قوم لوط کا عمل کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک اسپر حد جاری نہ ہوگی۔

(۲) عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ (امیر علی) مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۵۵۸ پر ابو حنیفہ کے متذکرہ صدر فتوے کا
یہ نتیجہ درج ہے:۔ واضح ہو کہ اگر مرد نے اپنے غلام یا اپنی باندی یا اپنی زوجہ سے اگرچہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو۔
مقعد میں لواطت کی تو بالاجماع اُسکو حد نہیں ماری جائیگی اور اگر سوائے ان کے کسی اجنبی سے لواطت کی
ہو تو اسکو حد ماری جائیگی۔

(۳) ہدایہ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۴ھ جز و ثانی کتاب الحدود باب وطی صفحہ ۵۹۳ پر ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ درج ہے۔
مَنْ وَطِیٔ اَمرَاۃً فِی مَوضَعِ المَکرُوہِ فَلَاحَدَّ عَلَیہِ عِندَ اَبِی حَنِیفَۃَ یعنی جس شخص نے اپنی زوجہ سے
مقام مکروہ یعنی دبر میں وطی کی تو ابو حنیفہ کے نزدیک اُسپر حد جاری نہ ہوگی۔

ابو حنیفہ کے بے سروپا قسم کے متعدد فتوات کا ہم نے اسی باب میں ابو حنیفہ کے علم کا ماخذ کے عنوان کے
تحت ذکر کیا ہے جو ناظرین کی نظر سے گزر چکا ہوگا۔

تقیہ تقیہ کے معنی اپنے یا دیگر مومنین کے جان و مال یا آبرو کی حفاظت کی غرض سے جہاں حقیقت کے
اظہار سے ضرر کا اندیشہ ہو اپنے اصلی مذہب یا حقیقتِ حال کو قول یا عمل کے ذریعہ چھپانے یا کسی
ممنوعہ عمل کو بھی مصلحتاً اختیار کرنے کے ہیں۔ شیعہ تقیہ کے جواز کے قائل ہیں مگر ان شرائط ہی کے ساتھ۔
تقیہ محل بے محل ہر موقع پر جائز نہیں بلکہ نقصان یا ضرر کا اندیشہ شرط لازمی ہے جہاں ہر قسم کی مذہبی آزادی
حاصل ہو مذہب کو چھپانے کا جواز نہیں۔ حضرات اہلسنت کے نزدیک تقیہ کسی حالت میں بھی جائز نہیں
اور اسکی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ اپنے مذہب اور ایمان کو چھپانا مضحکہ خیز بات ہے۔

اگر وسیع النظری سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تصور صحیح نہیں ہے اور خود خداوند عالم نے قرآن میں
تقیہ کو جائز قرار دیا ہے اور دیگر انبیاء اور حضرت سرور کائنات نے بھی مصلحت اور موقع کے اعتبار سے
اس پر عمل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ ؕ یعنی اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ سیرۃ محمدی
صفحہ ۳۹۷ پر ابو جندل صحابی کے حوالہ سے اس طرح درج ہے کہ:۔

ان اللّٰہ تعالیٰ قد اباح التقیۃ للمسلم ان اخاف الہلاک ؕ
یعنی خدائے تعالیٰ نے حلال کیا ہے تقیہ کو مسلمان کے واسطے جب اسے خوف ہلاکت ہو۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۲۸ ہے :- لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیئ الا ان تتقوا منھم تقتہ ؕ

ترجمہ :- مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اوس سے خدا سے کچھ سروکار نہیں بجز اسکے کہ ان کے (شر) سے بچنا ہو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست بنانے کو خدا نے ممنوعہ فعل قرار دیا ہے مگر باوجود اس کے بھی فرماتا ہے کہ اگر شر سے بچنے کے لئے ممنوعہ عمل اختیار کیا جائے تو جائز ہے کسی کام یعنی فعل میں ترک فعل بھی داخل ہے۔ کام یا تو حرکت ہے یا سکون اور حرکت وسکون میں فی نفسہ کوئی برائی ہے نہ بھلائی بلکہ برائی بھلائی کا دارومدار اسکی غایت پر ہے مثلاً نماز بھی اگر خلوص دل سے لوجہ اللہ ہو تو عبادت ہے اور اگر بطریق ریا ہو تو گناہ ہے اسی طرح جھوٹ جو بجائے خود گناہ ہے اگر دروغ مصلحت آمیز کے طور پر کسی کی جان بچانے یا نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے کہا جائے تو بھی فعل مستحسن بلکہ لازمی ہے۔ قانون نے بھی بعض موقعوں پر جھوٹ نہ کہنے کو جرم قرار دیا ہے۔ مثلاً الف دیکھتا ہے کہ ب تلوار لئے ج کو قتل کرنے بھاگا چلا آرہا ہے۔ ج۔ الف کے قریب آکر ایک مقام پر چھپ جاتا ہے۔ ب آکر ج کو ڈھونڈتا ہے اور الف سے پوچھتا ہے۔ اب اگر الف یہ بتلائے کہ ج فلاں جگہ چھپا ہوا ہے اور ب۔ ج کو قتل کرڈالے تو الف بھی ب کے ساتھ قتل کی اعانت کے جرم میں قابل سزا قرار پائیگا۔

سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ ہے :-

مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ

ترجمہ :- سوائے اس شخص کے جو کلمۂ کفر پر (حالات سے) مجبور ہو جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے بلکہ خوب سینہ کشادہ کرکے (جی کھول کر) کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ کوئی شخص جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو مگر حالات نے اسکو مجبور کردیا ہو تو ظاہرا کفر اختیار کرنا بھی اُس کے لئے جائز ہے۔ یہی تقیہ ہے۔

سورۂ مومن کی آیت ۲۸ ہے :- وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ ؕ

یعنی کہا آلِ فرعون میں سے ایک ایماندار شخص نے جو پوشیدہ رکھتا تھا اپنے ایمان کو۔

تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابن عباس میں اس آیت کے ضمن درج ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد بھائی حزقیل تھے جو اپنے ایمان کو فرعون اور اسکی قوم سے ایک سو برس تک چھپائے رہے انھیں حزقیل کے متعلق حضرت رسول خدا نے صادق کا لفظ استعمال فرمایا تھا (ملاحظہ ہو جامع صغیر و کنز العمال)

صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۳۵ پر یہ روایت ابن عباس سے درج ہے جوکہ حضرت رسول خدا نے مقداد سے فرمایا کہ مومن کا اپنے ایمان کو قوم کفار سے مخفی رکھنا بہترین ایمان ہے اور یہ وہ عمل ہے جو تم مکہ میں کیا کرتے تھے۔ بخاری جلد ۹ کتاب اکراہ صفحہ ۱۹ پر حسن بصری کا یہ قول درج ہے کہ تقیہ کرنا قیامت تک جائز رہے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے گھر میں زندگی بسر کرنے اور اُن سے فرعون کی گفتگو کا ذکر سورۂ شعراء کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں اس طرح ہے:۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ (فرعون) بولا (اے موسیٰؑ) کیا ہم نے تمہیں اپنے پاس رکھکر بچپنے میں تمہاری پرورش نہیں کی اور تم (اپنی عمر) سے برسوں ہم میں رہ چکے ہو۔ اور تم اپنا وہ کام (خون قبطی) کر گئے اور تم ناشکروں میں سے (ہی) ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر میں تقیہ کی زندگی گزارتے تھے اور بظاہر فرعون ہی کے لوگوں جیسا عمل کرتے تھے۔ جب ہی تو فرعون نے کہا تم برسوں ہم میں رہ چکے ہو اور ہماری طرح زندگی گزار چکے ہو اور ہم جیسے کافر ہی ہو جیسا کہ تم ہمکو کافر کہتے۔

تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ پر ہے کہ سورہ شعراء کی اس آیت کے مطابق حضرت موسیٰؑ تیس ۳۰ برس تک تقیہ کے پابند رہے۔

توریت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ مصر گئے تو بادشاہ کی ضرر رسانی کے خوف سے اپنی بیوی کو بہن ظاہر کرنا پڑا۔ حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں میں سے یہودا کی منافقت سے واقف تھے مگر پھر بھی رفاقت میں لئے ہوئے بلکہ اپنا خازن بنائے ہوئے تھے قرآن شریف میں آیا ہے کہ حضرت یوسفؑ جب مصر کے حاکم مقرر ہوئے اور آپکے بھائی جنھوں نے آپکو اندھے کنویں میں ڈال دیا اور پھر چند کھوٹے سکوں پر فروخت کر دیا تھا جب گردش روزگار سے غلہ کے حاجتمند ہو کر مصر آئے اور حضرت یوسف سے غلہ کے طالب ہوئے تو ان کو پہچان کر بھی حضرت یوسف نے اسکا اظہار نہیں کیا اور ان گیارہ بھائیوں میں سے اپنے حقیقی بھائی ابن یامین کو روک رکھنے کی ترکیب یہ نکالی کہ ابن یامین کے شلیتہ ایک کٹورہ پوشیدہ طور سے دلوا دیا اور پھر تلاشی لیکر کٹورہ برآمد کیا اور اس طرح ابن یامین پر چوری کا الزام عائد ہوا اور حضرت یوسف کے پاس روک لئے گئے۔ سورۂ یوسف کی آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ یعنی یوسف کو ہم نے یوں تدبیر بتائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت وقت کے اعتبار سے حقیقت کو چھپا کر حیلہ و تدبیر کی شکل بھی

اختیار کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ اس جواز پر مہر توثیق یوں ثبت فرماتا ہے کہ یہ تدبیر ہم نے بتائی تھی۔ ایک جگہ اپنے متعلق یوں فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ یعنی مکر و تدبیر کرنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے۔

حضرت ابراہیم کا واقعہ بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ مصلحتِ وقت کے اعتبار سے حقیقت کے اظہار سے اغماز برتا جاسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں بُت برستی کا انتہائی زور تھا۔ آپکے چچا آذر بھی بت بنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب لوگ کسی عید میں شہر سے باہر جانے لگے اور حضرت ابراہیم کو چلنے کہا تو آپ نے بظاہر دکھانے کے لئے ستاروں کی طرف نظر ڈالکر کہا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ سنکر وہ لوگ دُور ہٹ گئے، اور چلے گئے اور اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کے مقام پر پہونچ کر ایک کلہاڑی سے تمام بتوں کو شکست کر دیا اور کلہاڑی سب سے بڑے بُت کے گلہ میں ڈالدی۔ جب لوگ واپس آئے اور آپکو دیکھکر پوچھا کہ ابراہیمؑ یہ تم نے کیا کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں کیا کہوں تم اپنے خدا سے پوچھ لو۔

اس کا ذکر سورہ صٰفّٰت کی آیات ۸۸، ۸۹ اور ۹۰ ہیں:-

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ آیت ۹۳ میں۔ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ۔

یعنی پہلے تو حضرت ابراہیم نے محض دکھانے کے لئے ستاروں پر نظر ڈالکر یہ کہا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں تاکہ لوگ بیماری لگنے کے خوف سے آپ سے علیٰحدہ ہو جائیں پھر بتوں کو توڑنے کے بعد کلہاڑی بڑے بُت کے گلہ میں ڈالکر ان لوگوں کے پوچھنے پر یہ کہدیا کہ اپنے خدا سے پوچھ لو۔ یہ سب اُمور تقیہ کے اُصول کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت سرورِ کائنات بھی بعثت ظاہری کے بعد بھی فضا ر ناساز گار ہونے اور دشمنوں کے خوف سے کئی سال تک نماز مخفی طور پر ادا فرماتے تھے۔

صحیح بخاری جلد ۱ صلہ ۳۵ اور سیرۃ محمدیہ صلہ ۱۹۱ پر ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں بعثت کے ابتدائی چار پانچ برس حضرت رسولؐ نے مخفی اور خوف زدہ طور پر دعوت اسلام فرمائی ہجرت کا حکم آنے پر آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو اپنی چادر کے نیچے سلا کر گویا کفار کو یہ باور کراتے ہوئے تشریف لے گئے کہ آپ وہیں موجود ہیں۔ حالات نامساعد میں مصلحت کے اعتبار سے کسی امر کو چھپانا اور اصلیت کے برعکس اظہار ہی فطری طریقہ ہے جیسا کہ حضرت سعدیؒ کا مشہور مقولہ ہے" دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔

شب قدر کی تاریخ شیعوں کے نزدیک شب قدر ماہ رمضان کی تیسویں شب ہے اور سینوں کے

پاس بربنائے رواج ستائیسویں شب کو شب قدر کے اعمال بجالائے جاتے ہیں۔ حالانکہ بکثرت محدثین اہلسنت کی مندرجہ حدیثوں سے تیئیسویں شب ہی شب قدر ہونا متحقق ہوچکا ہے۔ بعض احادیث (کتب اہل سنّت) سے انیسویں[۱۹]، اکیسویں[۲۱] یا تیئیسویں[۲۳] میں سے کوئی ایک شب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ائمہ اہلبیت اطہار کے ارشادات سے رمضان کی تیئیسویں شب ہی شب قدر ہونا مسلّمہ ہے۔ ذیل میں ہم کتب اہل سنّت کی مختلف حدیثوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ سید عبد الدائم الجلالی لغات القرآن جلد ۵ صـ۲۵۱ پر حضرت ابوبکر کی زبانی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:۔

"میں نے خود سنا حضور علیہ التحیۃ والسّلام فرماتے تھے شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو جبکہ نو[۹] راتیں یا سات راتیں یا پانچ راتیں یا تین راتیں باقی رہجائیں (یعنی ۲۱ ویں، ۲۲ ویں، ۲۵ ویں، یا ۲۷ ویں، رات میں تلاش کرو) متذکرہ صدر کتاب ہی میں ابوہریرہ کی زبانی یہ حدیث درج ہے۔ ابو سعید خدری کا خیال تھا کہ شب قدر اکیسویں رات ہے مگر ۲۲ دن گزرنے کے بعد حضور صلعم نے فرمایا تھا بائیس دن گزر گئے سات باقی ہیں آج کی رات شب قدر تلاش کرو صحیح بخاری میں ابن عباس کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا بائیس دن گزر گئے سات باقی ہیں آج کی رات شب قدر ہے تلاش کرو صحیح بخاری میں ابن عباس کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لیلۃ القدر عشرہ کے آخر میں ہے کہ نو دن گزر جائیں یا سات دن باقی رہ جائیں جس سے انتیسویں[۲۹] یا تیئسویں[۲۳] شب قرار پاتی ہے۔ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری جلد ۴ صـ۲۲۳ پر مرقوم ہے کہ ۲۱ ویں شب کو امام شافعی نے زیادہ قوی کہا ہے۔ بعض قول میں امام شافعی کی تاکید ۲۳ ویں شب ہے۔ فتح الباری جلد ۸ صـ۲۳۳ میں مذکور ہے کہ ابو داؤد نے ابن مسعود سے عبد الرزاق نے حضرت علیؑ سے سعید بن منصور نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ لیلۃ القدر ۱۹، ۲۱، یا ۲۳ ویں شب کو ہے۔

ذیل میں ہم کتب اہلسنت کی ان روایتوں کو درج کرتے ہیں جن سے مختص طور پر تیئسویں[۲۳] شب کا شب قدر ہونا ظاہر ہے۔ ۱۔ ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ شب قدر ۲۳ ویں شب ہے اسحاق نے اپنی مسند میں یہی روایت قبیلۂ بنی بیاضہ کے ایک صحابی سے کی ہے۔ ایوب تابعی جو ابن عمر سے روایت کرتے ہیں ان کا معمول تھا کہ تیئسویں شب کو غسل کرتے اور عطر لگاتے تھے۔ ابن جریج تابعی کی روایت ہے کہ ابن عباس تیئسویں رات کو اپنے اہل وعیال کو بیدار کرتے تھے۔ بطریقہ ابراہیم عن الاسود حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ وہ بھی اسی کی قائل تھیں کہ شب قدر ۲۳ ویں رات ہے یہی روایت بطریق مکحول بھی حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ شرح مسلم جلد ۱ صـ۳۶۹ پر امام نووی لکھتے ہیں کہ ۲۳ ویں شب کو لیلۃ القدر کہنا بہت سے صحابہ کا قول ہے۔ راس العلمائے تابعین سعید بن مسیبؒ کا قول ہے کہ سب کا اتفاق ہوگیا ہے کہ

شب قدر ۲۳ ویں شب ہے۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۸ صہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں۔ ابن عباس کا یہ دستور تھا کہ ۲۳ ویں شب کو خود بھی شب بیداری کرتے اور اہل و عیال کو بیدار رکھتے۔ ابو سعید خدری کی بھی یہی روایت ہے کہ شب قدر تیئسویں شب ہے۔ عسقلانی مزید لکھتے ہیں۔ عبداللہ ابن انیس نے عرض کیا یا حضرت میں صحرا میں رہا کرتا ہوں حکم دیجئے کہ شب قدر کو حاضر ہوا کروں تو حضرت نے فرمایا کہ تیئسویں شب کو آیا کر۔ امام احمد بن حنبل و طحاوی نے عبداللہ بن انیس سے روایت کی ہے حضرت کہا فرماتے تھے تیئسویں شب لیلۃ القدر ہے۔

متذکرہ صدر متواتر اور واضح روایات کتب اہل سنت کی رو سے تیئسویں شب شب قدر ہونے کے باوجود فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۸ صہ ۲۳۰ پر بعض صحابہ کا یہ بیان یعنی ذاتی رائے درج کی ہے کہ چونکہ سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کے الفاظ ۳ مرتبہ آئے ہیں اور لیلۃ القدر میں ۹ حروف ہیں لہٰذا ۹×۳ = ۲۷ یعنی ستائیسویں شب لیلۃ القدر ہونی چاہیے۔ قابل غور ہے کہ مسلسل و مستحکم روایات کے مقابلہ میں یہ قیاسی توڑ جوڑ اور حسابی خیال آرائی کس منطق پر مبنی ہے اور کس طرح قابل قبول ہے۔ ناظرین پر یہ امر واضح ہوگا کہ مستند روایات کتب اہلسنت سے بھی شب قدر تیئسویں شب ہونا مسلمہ ہے۔

رویت باری تعالیٰ سنی عقیدہ کے اعتبار سے ہر شخص اپنی جسمانی آنکھوں سے جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے گا۔ سنی دینیات میں بچپن میں میں نے بھی پڑھا تھا کہ جنت میں بہترین نعمت جو حاصل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ اس نظریہ کو سنی علماء نے یہاں تک وسعت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وزن سے عرش کی چولیں ہلتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسم عرش کے پہلوؤں سے باہر نکلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مجسم ٹانگ اور پنڈلی بھی تصور کر لی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری پارہ ۲۰ صفحہ ۳۴۰ پر انس سے روایت ہے کہ جہنم میں لوگ برابر ڈالے جائیں گے اور اس سے آواز آتی رہے گی ھل من مزید یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنی ٹانگ ڈالدیگا۔ تب آواز آئے گی قط قط یعنی بس بس۔

سورۂ قلم کی آیت ۴۲ ملاحظہ ہو:۔
يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ سنی علماء اسکا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں (مثلاً ترجمہ وحید الزماں خانصاحب) جس دن حق تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائیگی اور سب لوگ سجدہ کرنے بلائے جائیں گے تو کافر اور منافق سجدہ نہ کر سکیں گے۔

صحیح بخاری پارہ ۲۰ صہ ۳۷۵ پر ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ خدا اپنی پنڈلی کھولدیگا تو ہر مومن مرد اور عورت سجدہ کرنے لگے گی۔

بخاری پارہ ۲۰ صہ ۳۵۵ اور پارہ ۲۷ صہ ۲۵۱ پر اللہ تعالیٰ جنت عدن میں چھپا ہوا بیٹھے اور

صورت بدل بدل کر لوگوں کے سامنے آنے کی بھی روایتیں درج ہیں۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مترجمہ حیات الحسن مطبوعہ امرتسر ۱۹۰۱ء جلد اول کے صفحہ ۱۰۸ پر لکھتے ہیں کہ تقی الدین ابن تیمیہ منجملہ فقہائے کبار حنابلۂ شام سمجھے جاتے تھے۔ بہت سے فنون میں تکلم کی قدرت رکھتے تھے۔

قرآن کی تفسیر انھوں نے چالیس جلدوں میں "بحر المحیط" کے نام سے کی تھی۔

ابن بطوطہ صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں:۔

"اسوقت میں دمشق میں تھا۔ میرے سامنے یہ واقعہ سرزد ہوا۔ میں ابن تیمیہ کے پاس گیا۔ وہ جامع مسجد دمشق میں منبر پر بیٹھے ہوئے وعظ کہہ رہے تھے۔ منجملہ تقریر وعظ کے اُنکا یہ قول تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے دُنیا پر اترتا ہے جس طرح یہ میرا اُترنا ہے۔ یہ کہکر ساتھ ہی منبر کے ایک زینہ سے اُتر پڑے۔ ابن تیمیہ کے اس قول کے ساتھ ہی ایک مالکی فقیہ ابن الزہرا نامی نے جو موقعہ پر موجود تھے اعتراض کیا۔ مگر ابن تیمیہ کے پیرو مالکی فقیہ پر پل پڑے اور تھپیڑوں اور جوتوں سے انکو مارا۔" ظاہر ہے کہ اہلسنت کے یہ جلیل القدر عالم ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کے قائل تھے۔

شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ ہے اور چشم ظاہری سے کوئی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ شیعہ علماء آیت صدر کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی (یعنی جو سخت پریشانی اور گھبراہٹ کا دن ہوگا) اور لوگ سجدہ کیلئے بلائے جائیں گے سجدہ نہ کر سکیں گے (ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ سابق سنی)

پنڈلی کا کھل جانا ایک محاورہ ہے جس سے مراد پریشانی اور دہشت کا طاری ہونا ہے جس سے آدمی کو اپنے کپڑوں کی بھی سُدھ نہ رہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق منقول ہے کہ قیامت کے ہول سے لوگ متحیر اور سکتہ کے عالم میں ہو جائیں گے۔ برے اعمال والوں کو چونکہ ذلت اور رسوائی کا سامنا ہوگا ان پر ایسی ہیبت طاری ہو جائے گی کہ اس سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی اور کلیجے منہ کو آجائیں گے۔ جہاں ائمہ اہلبیتِ اطہار نے پنڈلی کھل جانے کے معنی روز قیامت لوگوں پر پریشانی اور گھبراہٹ طاری ہونے اور کلیجے منہ کو آجانے کے بتائے ہیں وہاں علماء اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جانا قرار دیا ہے۔ اس مسئلہ پر شیعہ علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں یہاں ہم ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے اور مختصراً اس امر کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس مسئلہ کا واضح تصفیہ فرمایا کہ آنکھیں اسکو نہیں دیکھ سکتیں چنانچہ سورہ انعام آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ترجمہ:۔ اسکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ دوسروں کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین خبردار ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسولؐ کا معراج میں بلایا جانا اور بلائے جانے کا مقصد بیان فرمایا ہے اور پھر حضرت رسول نے فی الواقعی کیا ملاحظہ فرمایا اور کن حالات میں ملاحظہ فرمایا اس کا ذکر سورۂ والنجم میں فرمایا گیا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ا ہے:- سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ

یعنی وہ خدا (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے۔ جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی مسجد جو خانہ کعبہ کے مقابل آسمان پر ہے) تک سیر کرائی جس کے گرد ہر قسم کی برکت ہے۔ تاکہ ہم اسی کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

یعنی معراج کا مقصد حضرت رسول کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھانا تھا۔

اب سورۂ والنجم کی آیات ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۷ و ۱۸ ہیں:-
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ؕ

یعنی: پھر قریب ہوا اور آگے بڑھا حتیٰ کہ دو کمان کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم پس (خدا نے) اپنے بندہ کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھا سو وحی کی تو جو کچھ اس نے دیکھا اس کے دل نے جھوٹ نہ جانا تو کیا وہ (رسول) جو کچھ دیکھتا ہے تم لوگ اس میں اس سے جھگڑتے ہو۔ اس کی آنکھ نہ اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کا انتہائی قرب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی ہونا (جس کا علم جبرئیل کو بھی نہیں) پھر آپ کی نظر کا کسی اور طرف مائل نہ ہونا اور جو کچھ دیکھا اس پہ دل سے یقین کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنا بیان کیا گیا ہے۔ اگر فی الواقعی اللہ تعالیٰ کا جسمانی آنکھوں سے دیکھا جانا ممکن ہوتا اور حضرت رسول نے اس کا دیدار کیا ہوتا تو یہ انتہائی برمحل ہوتا کہ اس کو یہاں بیان کیا جاتا۔ بجائے اس کے صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اور ہے اور اسکی نشانیاں اور ہیں۔ اس طرح یہ آیاتِ قرآنی جسمانی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے دیکھے جانے کی صاف نفی کرتی ہیں۔

حضرت موسیٰ کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کا ذکر سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۳ میں اسطرح ہے۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا خدایا تو مجھے اپنے کو دکھا دے کہ میں تجھے دیکھ سکوں (خدا نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہے تو عنقریب مجھے دیکھ لوگے۔ پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسکو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب (بیہوشی سے) افاقہ ہوا تو کہنے لگے تو (دیکھنے دکھانے سے) پاک و پاکیزہ ہے۔ میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں (تیری عدم رویت پر) ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

غور کیا جائے تو یہ آیت اس امر پر پوری طرح دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چشم ظاہری سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ چشم ظاہری ہی سے دیکھنا چاہتے تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ چشم ظاہری صرف مادی جسم کو دیکھ سکتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ جسمانیت سے منزہ ہے تو یہ آنکھ دیکھے گی کیا چیز۔ اب ہم آیت کے مختلف اجزاء پر غور کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تو لَنْ تَرَانِیْ (مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کہہ کر اٹل حکم لگا دیا۔ مگر حضرت موسیٰ کے اطمینان قلب اور گویا تکمیل حجت کیلئے (جس طرح حضرت ابراہیم کی استدعا پر ان کے اطمینان قلب کیلئے پرندوں کو زندہ کر کے بتایا تھا۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۶۰) میں اسکا تذکرہ اسطرح ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے بتا دے تو مردوں کو کس طرح زندہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ یعنی کیا تمکو اسکا یقین نہیں ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی بلیٰ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ یعنی مجھے یقین ہے مگر میرے دل کے اطمینان کیلئے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ اچھا پہاڑ کی طرف دیکھو اگر پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو پھر مجھے دیکھ لوگے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالکر اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آیت یہ نہیں کہتی کہ تجلی کی وجہ سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا بلکہ ارشاد یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے (عمداً) پہاڑ کے ٹکڑے کر دیئے۔ اس ارشاد کے بعد کہ پہاڑ جگہ پر قائم رہے تو مجھے دیکھ لوگے عمداً پہاڑ کے ٹکڑے کر دینا یہ صاف

بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ واضح کردینا مقصود تھا کہ کوئی اسے ہرگز نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے ٹکڑے خود کرکے اس کے قائم رہنے کے امکان کو ہی ختم کردیا۔ یہ امر بھی لائق غور ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں بلکہ یہ کہا تھا کہ تو اپنے کو مجھے دکھا تاکہ میں دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ قادر کل ہے۔ اگر اسکی ذات دیکھنے جانے کے لائق ہوتی تو جہاں اُس سے التجا کی گئی تھی کہ اپنے کو دکھا دے تو ضرور دکھا دیتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بیہوش ہوکر گر گئے اور جب افاقہ ہوا تو پہلا اقرار یہ کیا کہ یا اللہ تو پاک و منزہ ہے (یعنی دیکھنے دکھانے سے مبرا ہے) اور اُس کے ساتھ ہی اپنے اس تصور پر توبہ کی کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا امکان ان کے تصور میں آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عدم رویت کے قائل ہونے کی شدت کو ظاہر کرنے یہ ادعا کیا کہ مومنین میں سے سب سے پہلا میں ہوں یعنی تیری عدم رویت پر ایمان لانے والوں میں پہلا ہوں۔ یہ نہیں کہ تجھ پر ایمان لانے والوں میں پہلا ہوں۔ کیونکہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک کے یعنی تمام ہی پیغمبر اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

سورۂ صفٰت کی متعدد آیتوں سے اسکی صراحت ہوتی ہے۔ جیسے آیت ۷۹ میں حضرت نوحؑ کا ذکر ہے اور آیت ۸۱ ہے اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی وہ (نوحؑ) ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اس طرح آیت ۱۰۹ میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہے پھر آیت ۱۱۱ اُنھیں الفاظ میں ہے اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اور پھر خود حضرت موسیٰ و ہارون کے متعلق اسی سورہ کی آیت ۱۲۲ میں ہے اِنَّہُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ یعنی یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔ آیات محولۂ صدر میں (تمام) انبیاء کا مومن ہونا صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح اب حضرت موسیٰ کا یہ کہنا کہ میں پہلا مومن ہوں کوئی معنی نہیں رکھتا اگر اسکا مطلب خدا پر ایمان لانا لیا جائے۔ لہٰذا یہ بات تیقن کے ساتھ واضح ہوگئی کہ حضرت موسیٰ کا اپنے کو پہلا مومن کہنا صرف اس معنی پر تھا کہ تیری عدم رویت پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا میں ہوں۔

سرکار دوعالمؐ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ معراج میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ قرآن میں بھی یہی ذکر ہے کہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ؕ یعنی (حضرت رسولؐ نے) اپنے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت رسول دیکھتے تو متذکرہ صدر آیت میں اس کا بھی تذکرہ ضرور ہوتا۔ اس طرح ظاہر ہوا کہ دَنٰی فَتَدَلّٰی اور فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے منازل قرب رکھنے والے حبیب خدا نے بھی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی جیسی آنکھ رکھنے کے باوجود اللہ کو چشم ظاہری سے نہیں دیکھا اگر اللہ تعالیٰ ظاہری آنکھ سے نظر آسکتا تو اس کے اس طرح دیکھنے والے سب سے پہلے حضرت رسول خدا ہی ہوتے۔

صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۷ پر بروایت عبداللہ وشیبانی یہ حدیثیں درج ہیں کہ معراج میں حضرت رسولِ خدا نے ظاہری آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۹۶ پر حضرت عائشہ کی زبانی روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے معراج میں ظاہری آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

مسلم جلد ۱ ص ۱۲۱ پر ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ فرمایا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھا۔ مسلمہ طور پر اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے عالم ہے دیکھتا ہے سنتا ہے کلام کرتا ہے مگر کوئی جسم نہیں رکھتا نہ اس کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں۔ آنکھ نہ کان نہ زبان نہ اس کے لئے مکان ہے نہ زمان۔ انسان اپنی ظاہری آنکھ سے صرف جسم کو دیکھ سکتا ہے۔ ماہرین سائنس کے ذریعہ اب یہ بات سب کے علم میں آچکی ہے کہ انسانی آنکھ عکس کشی کے ایک کیمرہ کے مماثل ہے۔ آنکھ میں ایک عدسہ (Lens) لگا ہوا ہے جیسا کیمرہ میں ہوتا ہے۔ جب کوئی جسم رکھنے والی شئے کیمرہ یا آنکھ کے سامنے آتی ہے تو اس (Lens) کے ذریعہ اس کا عکس کیمرہ کی پلیٹ یا دماغ کے پردہ پر پڑتا ہے۔ آنکھ کے سامنے جب کوئی مادی شئی ہو تب ہی اسکی تصویر دماغ پر قائم ہوتی ہے اسی کا نام دیکھنا ہے۔ آنکھ روشنی تک کو بھی نہیں دیکھ سکتی کیونکہ روشنی کا کوئی جسم یا ابعاد (طول و عرض و عمق) نہیں ہیں آنکھ صرف ایسی چیز کو دیکھتی ہے جس پر روشنی کی شعاعیں پڑ کر اس کو منور کر دیتی ہیں۔ ایسی جسمانی آنکھیں لیکر جسم نہ رکھنے والی لامکان ذات باری تعالیٰ کو دیکھنا محال عقلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطلب یہی ہے کہ اپنے روحانی قویٰ اور عقل کی بلندی کی بناء پر دل کی آنکھوں یا چشم بصیرت سے اللہ تعالیٰ کا ادراک یا عرفانی مشاہدہ کیا جائے۔ علامہ محی الدین ابن عربی اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۰۷ پر سورہ انعام کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ چشم بصارت (ظاہری آنکھ) خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔ صرف دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو قیامت میں دیکھا جائے گا۔

مشہور سنی عالم امام غزالی نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ احیاء العلوم جلد ۴ ص ۵۸۹ تا ۵۹۲۔ ترجمہ مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی موسومہ مذاق العارفین سے ہم ان کی کچھ عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں جس میں اس مسئلہ پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

"اب یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ محسوسات کی لذت کے سوا کچھ نہیں سمجھتے وہ خدا تعالیٰ کی صورت دیکھنے کی لذت پر کیسے ایمان لاتے ہیں۔ اس کی تو کوئی شکل و صورت نہیں۔ یہ خیال بھی دل کے ادراک کا نام ہے اور اسی ادراک کی تکمیل کا نام رویت ہے اور یہ انتہا درجہ کا کشف ہے اور اسی کا نام رویت ہی

اسی جہت سے ہے کہ انتہا درجہ کا کشف ہوتا ہے۔ کچھ اس جہت سے نہیں کہ رویت متعلق آنکھ سے ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ اس ادراک کامل کو پیشانی یا سینہ میں مثلاً رکھدیتا تب بھی اس کا نام رویت ہی ہوتا۔ رویت کو رویت صرف غایت کشف کیوجہ سے کہتے ہیں اور جس طرح قاعدہ الہٰی اس بات پر جاری ہے کہ آنکھوں کے بند کرنے سے خوب کشف نہیں ہوتا اور اگر مرئی شئے میں اور آنکھ میں کوئی حجاب ہو تو رویت کے لئے اس کا دور کرنا ضروری ہے اور جب تک وہ حجاب دور نہ ہوگا تو جو ادراک حاصل ہوگا۔ وہ بھی خیال کے طور پر ہوگا رویت نہ کہلائیگا۔ اسی طور پر یہ مقتضائے عادت الہٰی ہے کہ نفس جب تک بدن کے عوارض میں محجوب اور تقاضائے شہوات اور بشریت میں مبتلا رہے گا تب تک اسکو مشاہدہ اور رویت ان معلومات کی جو خیال سے باہر نہ ہوگی بلکہ زندگی دنیاوی ہی رویت سے حجاب ہے جیسے پلکوں کا بند کرنا آنکھ کی رویت کا حجاب ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رویت کی استدعا میں جواب ارشاد ہوا کہ لن ترانی تو ہرگز نہ دیکھ سکیگا مجھکو یعنی حجاب حیات مانع رویت کا ہے اور کلام مجید میں ارشاد ہے لا تدرکہ الابصار۔ مذہب صحیح یہی ہے کہ آنحضرت صلعم نے معراج کی شب کو شرف رویت خداوندی حاصل نہیں کیا۔ پس جب موت کے باعث حجاب دور ہوجاتا ہے تو نفس کدورات دنیا میں آلودہ رہتا ہے بالکل اس سے جدا نہیں ہوتا گو آلودگی میں فرق ہوتا ہے۔ (دوزخ کی آگ وغیرہ دکھانے) ان صورتوں کے بعد نفس صاف اور پاکیزہ کدورت سے ہوگا کہ اس میں کسی طرح کا داغ یا غبار نہ رہیگا بجز اس بات کا شایاں ہوگا کہ اس میں خداوند جل و علیٰ تجلی فرمائے یہ تجلی اس وقت اسی طرح ہوگی کہ اس سے انکشاف اور وضوح پہلے علم کا ہوگا۔ جیسے وضوح موئیات کا متخیلات کی نسبت سے ہوتا ہے۔ اسی مشاہدہ اور تجلی کا نام رویت اور دیدار ہے ادراک خیالی کسی صورت خیالی کا کسی خاص جہت میں جو ہوتا ہے اس کی تکمیل کا نام رویت ہے۔ ایسی ہی رویت الہٰی بھی ہوگی اس لئے کہ خدا تعالیٰ ان سب اُمور سے بری ہے بلکہ جس طرح کہ خدا تعالیٰ کو دنیا میں عرفان حقیقی سے اچھی طرح جانا اور بے بند خیال اور صورت اور شکل اور جہت کے ہوئے اسی طرح آخرت میں دیدار ہوگا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو معرفت دنیا میں ہوتی ہے وہی کامل ہوکر درجہ انکشاف کو پہنچ جاتی ہے۔ اور وہی مشاہدہ اور رویت کہلاتی ہے اور رویت آخرت اور معلوم دنیاوی میں کچھ اختلاف بجز زیادتی کشف اور وضوح کے نہیں ہوتا پس جبکہ معرفت الہٰی میں ثبوت صورت اور جہت کا ممکن نہیں تو اس کے پورا ہونے اور صرف وضوح اور کشف کے مرتبہ کو پہونچنے میں صورت اور جہت کیسے ہوگی وہ دونوں تو ایک ہی ہیں جیسی معرفت ہوگی ویسی ہی تجلی بھی ہوگی۔" التجرید فی کلمۃ التوحید پر بھی امام غزالی نے انھیں خیالات کا اظہار فرمایا ہے

عدل — مسلک شیعہ و سنی میں اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کے نظریہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ شیعہ اللہ تعالیٰ کو بہرحال عادل مطلق مانتے ہیں اور ظلم کو اس کے صفات سلبیہ میں شمار کرتے ہیں کہ ظلم کی صفت

اس میں کبھی آنچ نہیں سکتی۔ سنی نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ظلم بھی کر سکتا ہے اور ظلم کرتے ہوئے بھی اسکی الوہیت کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ میں لکھتے ہیں :۔

"دریں عقیدہ خللے و فسادے کہ است ظاہر و ہویدہ است۔ چہ ہیچ چیز بر ذمہ باری تعالیٰ واجب نیست و مرتبۂ الوہیت شایان آں ندارد۔"

غور کیا جائے تو شاہ صاحب کی یہ منطق الٹی ہے۔ ان کے خیال میں ظلم و شر اور اس قسم کے قبیح صفات سے اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں بری ہونا ضروری نہیں ہے۔ شاہ صاحب ظلم و شر سے دور رہنے کے لزوم کو شانِ الوہیت سے بعید سمجھتے ہیں حالانکہ ان صفاتِ قبیحہ سے لازماً بری ہونا ہی عین شانِ الوہیت ہے۔

سورۂ احزاب آیت ۶۲ و سورۂ فتح آیت ۲۳ میں ہے :۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ٥ سورۂ فاطر آیت ۴۳ میں ہے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ٥ ان آیات کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین طریق اور بہترین اصول کو اپنے لئے لازم گردان لیا ہے اور اسی وجہ سے فرماتا ہے کہ اسکے طریقہ میں تم کبھی کوئی تبدیلی یا اختلاف نہ دیکھو گے۔ اس بہترین اصول و طریق کی پابندی کو قادرِ مطلق ہونے کی شان کے منافی یا اس کے اختیار میں نقص سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے جا بجا ارشادات قرآن شریف میں موجود ہیں کہ وہ ہمیشہ عدل پر قائم ہے اور کبھی ظلم کرتا ہی نہیں۔ مثلاً واولوا العلم قائماً بالقسط وان اللہ لیس بظلام للعبید۔ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ۔ تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلاً۔ ان اللہ لا یظلم الناس شیئاً وما اللہ یرید ظلماً للعباد۔ وما ربک بظلام للعبید۔ وما اللہ بظلام للعبید ٥ اس عادل مطلق کا واضح ارشاد ہے کہ وہ ظالم نہیں ہے۔ کبھی ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور ظلم کا ارادہ تک اس سے نہیں ہوتا اور اس کے اس طریقہ اور سنت میں ہرگز کبھی تبدیلی نہ ہوگی۔ ان تمام امور کے باوجود ذات الوہیت کو کبھی امکانی ظلم سے ملوث کرنا ایک بلاوجہ کی بات اور کوتاہئ فکر کا نتیجہ ہے اور غور کیا جائے تو صفاتِ خدائی کی نفی کے مترادف ہے یہ اسی قسم کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بجائے واحد ہونے کے دو بھی ہو سکتا ہے اور محیط اور لامکاں اور جسمانیت سے مبرا ہونے کے باوجود جسمانی روپ بھی اختیار کر سکتا ہے۔

نقد شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل اور بھی ہیں مگر ہم متذکرہ صدر چند معروف اختلافات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اہلسنّت کی بعض روایتیں اور فتوے

کئی صفحات کی کتابت کے بعد میرا ایک نوٹ بلا جو کاغذات میں مل گیا تھا۔

ذیل میں ہم کچھ اہم روایتوں اور فتاوئی کا ذکر کرتے ہیں جو یقین ہے کہ ناظرین کو بے محل نہ معلوم ہونگے۔

اہلسنت میں سے زیادہ تعداد ابو حنیفہ کے ماننے والوں کی ہے مگر شائد ان کو پتہ نہیں ہے کہ اہلسنت کی بڑی بڑی شخصیتوں نے ابو حنیفہ کے متعلق کیا کیا لکھا ہے مجدالدین فیروز آبادی نے ابو حنیفہ کو کافر لکھا ہے ابن جوزی نے المنتظم میں اور امام غزالی نے المنخول میں خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ابو حنیفہ کی مذمت کی ہے۔ حافظ ابی بکر احمد ابن علی الخطیب بغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۹۶ و ص ۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم سے مروی ہے کہ امام مالک فرماتے تھے کوئی بچہ اسلام میں ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے ابو حنیفہ سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچایا ہو۔ ابو حنیفہ کا فتنہ اس امت کیلئے ابلیس کے فتنہ سے زیادہ نقصان دہ تھا۔ تاریخ بغداد کے اسی صفحہ پر عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ مجھے نہیں معلوم اسلام میں دجال کے فتنہ کے بعد ابو حنیفہ کی رائے سے بڑا کوئی فتنہ ہو۔ تاریخ بغداد ص ۱۹۸ اور تاریخ الصغیر ص ۱۷۱ پر مشہور اہل طریقت بزرگ سفیان ثوری کا یہ قول درج ہے کہ ابو حنیفہ اسلام کی رسی کے پیچ ڈھیلے کرتا ہے اور اسلام میں ابو حنیفہ سے زیادہ بدبخت کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ خود گمراہ تھا اور دوسروں کو گمراہ کرتا تھا۔ اسی تاریخ کے ص ۴۵۳ و ص ۴۵۵ پر ہے کہ ابن مبارک کہتے تھے کہ جو شخص ابو حنیفہ کی کتاب الحیل پڑھے تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر سکتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کتاب الحیل شیطان کے سوا کسی اور نے بنائی ہو۔ وہ مجلس جس میں نبی پر کبھی درود نہ بھیجا گیا ہو ابو حنیفہ کی مجلس تھی۔

قیس ابن ربیع کا قول ہے ابو حنیفہ اجہل الناس تھا۔ ص ۴۱۰ پر ہے کہ امام شافعی کہتے تھے میں نے ابو حنیفہ کے پیروکاروں کی ایک کتاب دیکھی جس میں ۱۳۰ ورق تھے اس میں سے ۸۰ قرآن اور سنت کے خلاف تھے۔ ص ۴۱۴ پر ہے کہ امام احمد ابن حنبل فرماتے تھے کہ بقول سفیان ثوری ابو حنیفہ نہ قابل اعتماد تھا نہ دیانت دار ص ۴۱۰ پر امام احمد ابن حنبل کا یہ قول درج ہے کہ ابو حنیفہ جھوٹ بولتا ہے۔ ص ۴۲۴ پر ہے کہ احمد بن شعیب نسائی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ نعمان بن ثابت کوفی (ابو حنیفہ) حدیث میں معتبر نہیں ہے۔ البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰۷ پر ہے کہ ابو حنیفہ چالیس سال تک نماز عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔

تاریخ مذکور کے ص ۳۹ پر ابو حنیفہ کا یہ قول درج ہے کہ اگر میں اور رسول اللہ ایک زمانہ میں ہوتے تو بہت سے مسئلوں میں رسول میرے فتوی کرلیتے۔ درالمختار دیباچہ ص ۵ پر ہے کہ ابو حنیفہ نے سو مرتبہ خدا کو خواب میں دیکھا۔

عبدالحق محدث دہلوی فتاوی عبدالحی ص ۱۷۱ پر لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی (مسلک حنفی سے تو ہمیشہ سے علیحدہ تھے) پہلے شافعی تھے پھر حنبلی مذہب اختیار کیا۔

شرح فقہ اکبر ص۱۲۸ مطبع سعیدی کراچی پر ابو حنیفہ کا یہ قول درج ہے کہ رسولؐ اللہ کے ماں باپ کفر پر مرے۔ تفسیر کبیر جلد ۸ ص۴۲۴ پر وَوَجَدَكَ ضَالًّا کی تفسیر میں سدی جس کے سنی ہونیکی تصدیق شاہ عبدالعزیز نے تحفہ میں کی ہے) کہتا تھا کہ رسول چالیس برس تک اپنی کافر قوم کے باطل دین پر تھے۔ معارج النبوہ ذکر معراج میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے معراج میں اپنے ماں باپ کو دوزخ میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں تو انھوں نے جواب دیا" من مادر توام آمنہ واین پدر تو عبداللہ"۔

کتاب المعارف ابن قتیبہ دینوری ذکر الانساب العرب ص۳۰ پر ہے کہ کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کے بعد اپنی ماں سے شادی کی اور اس سے نضر بن کنانہ پیدا ہوا۔ اسلئے رسول اللہ کا نسب درست نہیں تھا (معاذاللہ)

(فتاویٰ قاضی خاں کتاب الطہارت ص۱۱ پر ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ درج ہے کہ اگر انسان کے کسی بھی عضو پر کوئی نجاست لگ جائے اور آدمی اسکو زبان سے چاٹ لے یہاں تک نجاست کا نشان ختم ہوجائے تو وہ عضو پاک ہوجاتا ہے۔

بخاری کتاب الحج جلد ۲ ص۱۶۲ پر حضرت عائشہ کی زبانی روایت ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ اگر یہ قوم کفر چھوڑ کر تازہ مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر دوبارہ بناتا کیونکہ یہ کعبہ درست نہیں ہے۔ بخاری جلد ص۱۰۰ باب الصلواۃ میں ہے کہ مالک ابن انس کا قول درج ہے کہ صحابہ نے حضور کے بعد نماز ضائع کردی۔

میزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی جلد ا ص۱۹۲ باب صلواۃ الجماعۃ میں لکھا ہے کہ سنّی فقہ میں ولدالزنا ہر قسم کے فاسق فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں کتاب الحدود جلد ۲ ص۸۲ پر ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ درج ہے کہ اگر کوئی شخص کمسن بچی سے زنا کرے جو ہمبستری کے قابل نہ تھی اور اسکو افضا کردے (یعنی حیض و پیشاب کے مقام کو ایک کردے) تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں جلد ۲ ص۷ پر ابو حنیفہ کا ہر فتویٰ درج ہے کہ بکری کا بچہ مادہ خنزیر کے دودھ سے پالا جائے تو وہ کھانے کے لئے حلال ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں جلد ا ص۹۸ باب الصوم میں یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی حالت صوم میں کسی چوپایہ یا مردہ عورت سے زنا کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ باطل نہیں ہوتا۔ کنز العمال جلد ۴ ص۳۲۱ کتاب الصوم میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر روزہ کی حالت میں ایک کنیز سے ہمبستری کرتے تھے۔

درالمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے کہ حنفی مذہب میں یہ قانون ہے کہ جب ایک مسجد میں جماعت کے دو امام موجود ہوں تو زیادہ حق کسکا ہے اسکا تصفیہ اس طرح ہوگا!
(۱) جس کے پاس زیادہ مال ہو (۲) جسکی شان و شوکت زیادہ ہو (۳) جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو (۴) جسکا سر بڑا اور عضو تناسل چھوٹا ہو۔

سنن الکبریٰ جلد ا صفحہ ۴۲۴ باب ماروی فی حی علی خیر العمل میں ہے کہ عبداللہ بن عمر اذان میں کلمہ حی علی خیر العمل فرماتے تھے۔ نیز یہ کہ آئمہ اہلبیت میں سے امام علی ابن الحسین بھی مذکورہ کلمہ اذان میں فرماتے تھے اور آنجناب کا یہ بھی ارشاد تھا کہ یہی اذان رسول اللہ کے زمانے سے ہے۔

میزان الکبریٰ باب زکواۃ الذہب میں ہے کہ جو شخص صاحب جائداد ہونے کے باوجود بھی خود کو دنیاوی چیزوں کا مالک نہیں سمجھتا اور اس بات کا اسے یقین ہے کہ ہر شے کا مالک صرف اللہ ہے تو اس پر زکواۃ دینا واجب نہیں ہے۔ ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ جس شخص پر زکواۃ واجب تھی اور مر گیا تو زکواۃ اسے معاف ہے۔ یعنی اس کے اثاثہ میں سے زکواۃ نہیں دی جائیگی باقی تین امام کہتے ہیں اسے زکواۃ معاف نہیں ہے۔

تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۴ پر ابو حنیفہ کا فتویٰ درج ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کو قتل کرکے اپنی ماں سے نکاح کرے اور اپنے باپ کی کھوپڑی میں شراب پئے تو بھی مومن رہتا ہے۔

رحمت الامہ فی اختلاف الامہ میں عبداللہ ابن عباس کا قول درج ہے کہ وضو میں دونوں پاؤں کا مسح کرنا فرض ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں جلد ا صفحہ ۱۷ نیل الاوطار جلد ا صفحہ ۱۹۳ باب مسح العنق اور شرح مہذب امام نووی میں ہے کہ گردن کا مسح کرنا سنت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔

علامہ مجدالدین فیروز آبادی نقد الصحیح اور سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ داڑھی کے خلال کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ شرح مسلم صفحہ ۱۷۳ پر امام مالک کا یہ فتویٰ درج ہے کہ فرض نماز میں ہاتھ کھولنا سنت ہے اور نافلہ نماز میں ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔

میزان الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵۰ پر یہ فتویٰ درج ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم بزرگ علماء اور اولیا سے مختص ہے اور چھوٹے لوگ یعنی اغیرہ وغیرہ کے لئے نماز میں ہاتھ کھولنا بہتر ہے الہدایۃ مع الدرایۃ جلد ا صفحہ ۱۰۲ پر ہے کہ نماز عیدین اور نماز جنازہ میں تکبیرات میں ہاتھ کھلے رکھنا سنت ہے۔ شرح وقایہ جلد صفحہ ۴۳ باب الصلوٰۃ پر ہے کہ عیدین کی تکبیروں میں ہاتھ چھوڑ دیں۔
کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۵۲ باب الفتن میں ہے کہ اصحاب رسول میں ایک ایسا بھی گروہ تھا جنہیں

قوم لوط کی صفت پائی جاتی تھی۔ در المختار کتاب الحدود باب الوطی جلد ۲ ص۸۵ پر ہے کہ جنت میں خدا ایک ایسی مخلوق پیدا کریگا جس کا اوپر والا آدھا حصہ مردوں کی طرح ہوگا اور نیچے والا حصہ عورتوں کی طرح ہوگا اور اہل جنت اُن سے وطی فی الدبر کریںگے۔ تفسیر در المنثور پارہ ۲ ص۲۲۶ پر ہے کہ وطی فی الدبر کے متعلق امام مالک سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا اس فعل سے ابھی ابھی غسل کرکے آرہا ہوں۔ صحیح ترمذی کتاب التفسیر پارہ ۲ میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کرتے تھے۔ بخاری باب مناقب عثمان جلد ۵ ص۱۵ پر درج ہے کہ حضرت عثمان جنگ احد سے فرار کر گئے تھے۔ بخاری جلد ۵ ص۱۵۵ میں غزوۂ حنین پر درج ہے کہ کفار کے ڈر سے جنگ سے بھاگنا سنت عمر ہے۔ بخاری جلد ۵ ص۱۸ باب اسلام عمر پر مروی ہے کہ حضرت عمر کلمہ پڑھنے کے بعد کفار کے ڈر سے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ بخاری کتاب الطب جلد ۷ ص۱۲۴ پر درج ہے کہ مولا علی سے بغض رکھنا سنت عائشہ ہے۔ رضوان علی السنۃ المحمدیہ ص۲۰۴ پر مرقوم ہے کہ ابوہریرہ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آپ کو آئینہ اور سرمہ سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔

ادب المفرد باب الدعا میں حضرت رسول کا یہ قول درج ہے کہ ابوبکر میں شرک چیونٹی کا چال سے زیادہ مخفی ہے امام مالک موطا باب الجہاد میں حضرت رسول کا ابوبکر سے یہ فرمانا درج کرتے ہیں کہ نہ معلوم تم میرے بعد دین میں کیا کیا احداث کروگے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی اپنی کتاب نقد الصحیح اور سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ حضرت بوبکر کی فضیلت کی سب حدیثیں مفتریات سے ہیں۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے اقرار کیا تھا کہ جناب امیر اور عباس ابن عبد المطلب ابوبکر کو جھوٹا، گنہگار، خائن اور دغاباز جانتے تھے۔

بخاری کتاب الفتن میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی تھی بخاری جلد ۹ ص۵۷ پر ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کے متعلق کہا تھا کہ یہ بیعت اسطرح ہے جسطرح اللہ اور نبی کی بیعت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۲۴ باب فضائل علی میں مذکور ہے کہ معاویہ جناب امیر علیہ السلام کو اصحاب نبی سے گالیاں دلوایا کرتا تھا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارْ ۝

ارشاد رسول کہ تہتر میں سے ایک جنتی فرقہ کونسا ہے

ناظرین با تمکین پر متعدد آیات قرآنی اور متواتر وکثیر ارشادات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غور کرنے سے یہ امر یقیناً واضح ہوگیا ہوگا کہ راہ حق پر وہی فرقۂ اسلام گامزن ہے جو

قرآن اور اہل بیت دونوں سے متمسک ہے اور جو ولایت حضرت علی علیہ السلام اور امامت دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا قائل زبان اور دل دونوں سے ہے۔ اور اس کا عمل بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ حضرتِ رسولِ خدا نے علاوہ ان عام کثیر ہدایات کے جو دامنِ اہل بیت سے متمسک رہنے کے متعلق اپنی اُمّت کو دی ہیں اور یہ فرما دیا ہے کہ اہلبیت کی محبّت کے بغیر ایمان کسی کے دل میں داخل ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہ درحقیقت حب علی ایمان ہے متعدد ارشادات میں مختص طور پر بھی فرما دیا ہے کہ جنتی فرقہ کونسا ہے۔ اس بارے میں ہم چند احادیث کتب معتبرہ اہل سنّت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

النسطری خصائص العلویہ میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کبھی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتا حضرت جناب امیر کے کندھوں پر ہاتھ مار کے فرماتے تھے یہ اور اس کا گروہ رستگار ہونے والا ہے۔ خوارزمی دیلمی اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابو لیعلی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمّت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرنا وہ بہ تحقیق حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ ستارے زمین والوں کیلئے غرق سے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری اُمّت کے لئے اختلاف سے امان ہیں۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کا مخالف ہو جائیگا تو اس قبیلہ کے لوگ شیطان کا گروہ بن جائیں گے۔

حضرت رسولِ خدا نے اس ارشاد میں واضح فرمادیا ہے کہ اُمّت میں اختلاف سے بچنے کی شکل یہی ہے کہ اہلبیت اطہار سے تمسک برقرار رکھا جائے اور اختلاف کرنے والے فرقوں کے لئے حضرت رسولؐ نے پھر یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ وہ شیطان کے گروہ ہیں۔

دیلمی اور احمد نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے جس نے علیؑ کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا اور جس نے مجھے چھوڑا اس نے اللہ کو چھوڑا۔

خوارزمی نے مناقب میں سیوطی نے درمنثور میں اور نیز ابن عساکر نے جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ہم جناب رسولِ خدا کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جناب امیر علیہ السلام تشریف لائے حضرت نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس میرا بھائی آرہا ہے پھر آپ نے کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر اس پر ہاتھ مارا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ اور اس کے شیعیان سے کے روز یہی لوگ جنّت تک پہنچنے والے ہیں۔ ملاّ نے سیرۃ میں اور دیلمی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ اول وہ لوگ کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے میرے اہل بیت ہیں اور میری اُمّت کے وہ لوگ ہیں جو انہیں دوست رکھیں گے۔

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا، اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اُولٰئک ھُم خیر البریّہ نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا نے جناب امیر سے ارشاد فرمایا کہ تو اور تیرا گروہ قیامت میں آئیں گے خوش اور خوش کئے گئے اور تیرے دشمن آئیں گے خفگی میں گردن اٹھائے ہوئے۔

احمد نے مناقب میں اور ابو سعید عبدالملک نے شرف النبوۃ میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں میں اور علی اور حسن اور حسین داخل ہوں گے۔ اور ان کی اولاد ہمارے داہنے بازو اور ان کے دوست ہمارے بائیں بازو ہوں گے۔ ابوبکر ابن مردویہ خوارزمی اور سیوطی نے لکھا ہے کہ زید بن شراحیل الانصاری جناب امیر علیہ السلام کے کاتب ناقل ہیں کہ میں نے جناب امیر کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ میرے سینہ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے مجھ سے ارشاد کیا یا علی تو نے خدائے تعالیٰ کے فرمانے کو نہیں سنا ہے۔ ان الذین آمنو...... خیر البریہ ۵ پس وہ میں اور تو اور تیرا گروہ ہیں۔ میرے اور تیرے وعدہ کی جگہ حوض ہے جبکہ قیامت کو اُمتیں حساب دینے کے لئے آئیں گی تو وہ لوگ سفید منہ اور سفید ہاتھ پاؤں والے پکارے جائیں گے۔

ابوبکر ابن مردویہ نے ابو دجانہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں خبر دی ہے کہ جب تک آپ جنت میں تشریف نہیں لیجائیں گے اس وقت تک دوسرے انبیاء پر جنت حرام ہوگی اور جب تک آپ کی اُمت اس میں داخل نہ ہو اس وقت تک دوسری اُمتیں اس میں نہیں جائیں گی آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اے ابا دجانہ کیا تو نہیں جانتا کہ خدائے تعالیٰ کا ایک علم نور ہے۔ اور یاقوت کا ایک عمود ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ ۵ اور صاحب علم قیامت کے دن امام ہے۔ پھر آپ نے جناب امیر کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے تیری وجہ سے ہمیں کرامت اور شرف دیا ہے۔ پھر ارشاد کیا خوش ہو یا علی جو بندہ کہ تیری محبت کو رکھیگا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ہمارے ساتھ اُٹھائیگا۔

ابوبکر ابن مردویہ نے زاذان سے روایت کی ہے کہ علی قال ستفرق ھذہ الامۃ علی ثلث وسبعین فرقۃ اثنان سبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھم الذین قال اللّٰہ تعالیٰ ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون وھم انا وشیعتی (یعنی جناب امیر فرماتے ہیں کہ یہ اُمت عنقریب تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی۔ بہتر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائیگا اور وہ وہی لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہماری خلقت میں سے ایک گروہ ہے

جو حق کے ساتھ ہدایت پاتا ہے اور اسی کی طرف پھرتا ہے۔ پھر جناب امیر نے فرمایا وہ میں ہوں اور میرے شیعہ دار قطنی نے ام سلمٰی سے روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یٰعلیُ انتَ و شیعتکَ فِی الجنّۃ (یعنی یا علیؑ تو اور تیرے شیعہ جنّت میں جائیں گے۔

حافظ محمد بن یوسف نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے ارشاد فرمایا کہ اس امّت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب جنّت میں داخل ہوں گے پھر حضرت علی سے فرمایا وہ تیرے شیعہ ہیں اور تو ان کے آگے ہوگا۔ دیلمی نے فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ بہ تحقیق خدائے تعالیٰ نے تجھے اور تیری ذریت کو تیری اولاد کو اور تیرے اہل کو اور تیرے شیعوں کو اور تیرے شیعوں کے دوستوں کو بخش دیا ہے پس تو خوش ہو کہ تو انزع اور بطین ہے۔ خوارزمی و ابن المغازلی و محمد بن یوسف کنجی و ابراہیم بن عبد اللہ نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے حضرت علی سے فرمایا یا علی تم کل قیامت کو سب خلقت سے زیادہ میرے قریب اور حوض پر میرے خلیفہ ہو گے اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر سفید منہ والے میرے ارد گرد ہوں گے میں ان کی شفاعت کروں گا۔ وہ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے۔ علاّمہ سمہودی نے جواہر العقدین میں جمال الدین زرندی مدنی اور نور الدین علی بن محمدؒ بن احمد مالکی مشہور بہ ابن صباغ نے ادر فصول المہمہ ص ۱۲۳ پر ابن عباس سے نیز طبرانی نے ابو رافع سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تو اور تیرے شیعہ حوض سے سیراب ہوں گے پورا سیراب ہونا۔ تمہارے مُنہ نورانی سفید ہوں گے اور تمہارے دشمن پیاس سے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

ارباب فکر حضرت رسول کے مختلف ارشادات کو جو امت کے مختلف فرقہ جات میں بٹ جانے اور ایک جنتی فرقہ کے متعلق ہیں یک جائی نظر ڈالیں گے تو یہ امر صاف نمایاں ہو جائیگا کہ دین میں خرابی بڑھتے بڑھتے تہتر فرقوں میں بٹ جانیکا یہ انجام آل رسولؐ کے متعلق حضرت رسول کے ارشادات کو نہ ماننے اور حضرت علی کی مخالفت کرنے اور آپ کو چھوڑ دینے کا ہی لازمہ ہے اور یہ سب کچھ دنیا سازی کا کرشمہ ہے۔ مولانا شبلی علم الکلام حصّہ اول ص ۱۷ پر لکھتے ہیں :۔ اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن "اسپدار پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی"۔

حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری (سنی المذہب) نے اپنی کتاب مذہب اسلام مطبوعہ ۱۹۲۲ء مطبع نولکشور لکھنؤ میں اور نیز مولوی غلام احمد صاحب وکیل نظام آباد نے اپنی کتاب "مسلمانوں کے فرقے" میں جو نجم الغنی صاحب کی کتاب کے ملخص کے طور پر ہے ایک شجرہ کی شکل میں ان اختلافات کو درج کیا ہے۔ جو حضرت رسول کی زندگی میں اور اس کے بعد دین اسلام میں پیدا ہوئے۔ اس شجرہ کو ہم من و عن ذیل میں

نقل کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اکابر صحابہ نے حضرت رسولؐ کی زندگی ہی میں آپ سے اختلاف شروع کر دیا تھا اور جہاں آلِ رسولؐ کے حق کا سوال تھا ہر نوبت پر اختلاف کیا گیا۔ مولوی غلام احمد صاحب کا درج کیا ہوا شجرہ یہ ہے۔

محمدؐ عربی رسولؐ اللہ
↓
دین اسلام
↓
اصحابِ رسولؐ اللہ (مہاجر و انصار)
↓
اختلاف بحالت مرض الموت رسول اللہ صلعم سنہ ۱۱ ہجری۔

- اسامہ بن زید کی سپہ سالاری پر
- اختلاف بعد وفات
- تحریر وصیت پر

اختلاف بعد وفات ↓

- حیات النبی پر عمرؓ کا اختلاف
- خلافت کیلئے مہاجر و انصار کا اختلاف — خلافت ابوبکرؓ میں
- مقام تدفین پر اصحاب رسولؐ کا اختلاف

خلافت ابوبکرؓ میں ↓

- حق فدک پر آل رسولؐ و اصحاب رسولؐ و خلیفہ کا اختلاف
- منکرین زکوٰۃ سے قتال پر
- خلافت کیلئے نامزدگی عمرؓ پر

خلافت عمرؓ پر
↓
شہادت عمرؓ۔ تیسری خلافت پر اختلاف
خلافت عثمانؓ

- اقربا نوازی پر
- خون بہا عثمانؓ
- خلافتِ علیؑ پر اختلاف

خلافت علیؑ

- جنگ جمل
- جنگ صفین
- خوارج کا اختلاف
- جنگ نہروان

شہادت علیؑ

- ناکثین (علیؑ سے بیعت توڑنے والے)
- قاسطین (طرفداران معاویہ)
- مارقین (بیعت علیؑ سے منکر)
- خوارج (بیعت علیؑ سے منکر)
- عثمانین (قصاص عثمانؓ کے طالب)
- شیعہ اولیٰ (طرفداران علیؑ)
- شیعہ مخلص (علیؑ کو امام برحق ماننے والے)

مولوی نجم الغنی صاحب اور غلام احمد صاحب کے دیئے ہوئے اس شجرہ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ ابھی بقید حیات ہی تھے کہ اکابر صحابہ نے آپ سے اختلاف شروع کر دیا۔ جب اسامہ بن زید کو سردار فوج بنا کر صحابہ کو بشمول حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ (بجز حضرت علیؑ) ان کی ماتحتی میں دیا تو صحابہ متذکرہ صدر نے حضرت رسولؐ سے اختلاف کیا اور تخلف جیش اسامہ پر حضرت رسولؐ کے لعنت فرمانے پر بھی حکم کی تعمیل نہ کی۔ پھر حضرت رسولؐ نے وصیت تحریر کرنی چاہی تو حضرت عمر وغیرہ نے اختلاف کر کے روک دیا۔ جب حضرت رسولؐ کا انتقال ہوا حضرت عمر نے ایک نیا اختلاف پیدا کیا کہ رسول اللہ کا انتقال ہی نہیں ہوا جو کہے انتقال ہوا ہے اسکی گردن کاٹ دوں گا۔ پھر ابھی حضرت رسولؐ کا غسل و کفن و دفن بھی نہیں ہوا تھا کہ صحابہ نے (حضرت علیؑ اور بنی ہاشم کو چھوڑ کر) چھوٹے مشوروں کے مقام پر خلافت کی تکرار شروع کر دی اور پھر سعد بن عبادہ انصاری کی مخالفت کے باوجود ان کو زدوکوب کیا جا کر آخر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے تو فدک جناب سیّدہ سے چھین لیا گیا اور حضرت علی و حسنین علیہم السلام کی گواہی کو رد کر کے جناب سیّدہ کے دعوی کو خارج کر دیا گیا پھر نوبت یہ حضرت علی کے ادعائے خلافت کو ٹھکرایا گیا۔ جب اور کسی شخص کو نہ پا کر بدرجہ مجبوری حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم بھی کیا گیا تو ادھر حضرت عائشہ نے معہ طلحہ و زبیر آپ سے جنگ کر دی اور ادھر معاویہ صفین پر صف آرا ہو گئے۔ خوارج نے نہروان پر جنگ کی۔ حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت اس حد تک کی گئی کہ سازشیں کر کے بالآخر آپ کو عین حالت نماز میں شہید کر دیا گیا۔ جب حسن علیہ السلام کی خلافت ظاہری ہوئی تو آپ سے مخالفت کر کے اور تنگ کر کے خلع خلافت پر مجبور کیا گیا اور پھر زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ امام حسینؑ کے ساتھ کیا کیا گیا اور سلسلہ آل رسول کے تمام ائمہ طاہرین کو کس کس طرح آزار دہی سے قید اور شہید کیا گیا تاریخ شاہد ہے۔ بہرحال امت کی طرف سے جس قدر بھی اختلافات پیدا کئے گئے وہ تمام تر آل رسولؐ کی عداوت پر مبنی تھے اور ہر ایک کی تہ میں حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت موجود تھی اور اسلام میں اصل تفریق اور راہ حق سے اختلاف امام برحق حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ دینے ہی کا نتیجہ تھا۔

ہم ذیل میں حضرت رسول کی چند مسلمہ حدیثوں کو جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ایک سلسلہ میں درج کر دیتے ہیں جن کا باہمی ربط خود واضح ہو جائے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے وہ صد فی صد حقیقت پر مبنی ہے۔ حضرت رسول کا پہلا ارشاد اس سلسلہ میں یہ ہے۔

(۱) انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ان تمسکتم بہما لا تضلوا بعدی انہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (بخاری مسلم ترمذی وغیرہ)

(۲) من کنت مولاہ فعلی مولاہ .... الخ (مسلم، ترمذی، وغیرہ)

(۳) ھم خلفائی من بعدی اولھم علی ابن ابی طالب ثم حسن ثم حسین ثم علی ابن حسین ثم محمد ابن علی المعروف فی التوراۃ بالباقر وستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقرہ منی سلام ثم الصادق جعفر ابن محمد ثم موسیٰ ابن جعفر ثم علی ابن موسیٰ ثم محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم حسن ابن علی ثم حجتہ اللہ فی الارض محمد ابن حسن مہدی آخر الزمان) (روضۃ الاحباب جمال الدین محدث بروایت جابر ابن عبداللہ)

(۴) عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا اور جب ایسا ہو تو تم ملازمت علی کی اختیار کرنا وہ بہ تحقیق حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے (دیلمی و خوارزمی وابن عبدالبر روایت از ابولیعلی)

(۵) حضرت رسول نے فرمایا کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کریں گے (سیوطی بروایت ابوقتادہ انصاری)

(۶) حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ میرے بعد ہی کچھ لوگ حکمراں ہونے والے ہیں۔ جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے وہ مجھ سے نہیں اور مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔
(صحیح نسائی)

(۷) عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہوں گے جن کے ہاتھ میں تمہاری روزی ہوگی۔ وہ تم سے بات کریں گے تو جھوٹ بولیں گے اور کام کریں گے تو برے کام کریں گے، وہ تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی برائیوں کی تعریف اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو۔
(کنز العمال جلد ۶ حدیث ۲۹۷)

(۸) پھر نالائق لوگ حکومت کی جگہ آئیں گے۔ کہیں گے وہ باتیں جو کریں گے نہیں اور کریں گے وہ کام جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا ہے۔ پس جو ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس سے کمتر ایمان کا ذرہ برابر بھی درجہ نہیں (صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۲۰)

(۹) تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اس فعل کے باعث تم لوگوں کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۱)

(۱۰) حضرت رسول نے حضرت علیؑ کو وصیت فرمائی کہ اے علی میرے بعد لوگ تمکو صدمہ پہنچائیں گے۔ تم ہرگز دل تنگ نہ ہونا (طبری و دار قطنی)

(۱۱) حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لوگ دنیا میں رغبت کریں گے اور آخرت کو

چھوڑ دیں گے۔ اور لوگوں کی میراث کھا جائیں گے اور دین کو خرابی میں ڈالیں گے اور اللہ کا مال لوٹیں گے۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اس وقت میں آخرت کے گھر کو اختیار کر دوں گا اور دُنیا کی مصیبتوں پر صبر کر دوں گا۔ (الحافظ الثقفی)

(۱۲) حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ کچھ صحابہ حوض کوثر سے ہنکائے جائیں گے اور جب میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم کو معلوم نہیں تمہارے بعد انہوں نے جو جو کرتوت کئے ہیں (بخاری)

(۱۳) حضرت رسول نے فرمایا جس نے علیؑ کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا اور جس نے مجھے چھوڑا اللہ کو چھوڑا۔

(دیلمی اور احمد)

(۱۴) حضرت رسولؐ نے فرمایا میری اُمّت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اس میں کا ایک جنت میں جائیگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔

(۱۵) حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اہل بیت اُمّت کے لئے اختلاف سے اماں ہیں۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کا مخالف ہوگا تو اس قبیلہ کے لوگ شیطان کا گروہ بن جائینگے (حاکم بروایت ابن عباس)

(۱۶) حضرت رسولؐ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ علیؑ اور اس کے شیعہ قیامت کے روز بھی لوگ جنّت تک پہنچنے والے ہیں۔ (خوارزمی و سیوطی دابن عساکر بروایت جابر بن عبداللہ انصاری)

دشمنانِ خدا و رسولؐ سے تبرا کرنے اور ان پر لعنت کرنے کے حکم خداوندی کی تعمیل کرنے والا صرف فرقۂ شیعہ ہے

تقریباً تمام اہل سنّت تبرا اور لعنت کرنے کو فعل مذموم و قبیح خیال کرتے ہیں اور عام خیال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ لعنت و تبرا کرنا کونسی اچھی بات ہے۔ مگر یہ عقل کا مغالطہ ہے اور کوئی ہنسنے کے لائق بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمودات سے آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ ہے۔ جب تک غیر خدا کا انکار اور جھوٹے معبودوں سے تبرا نہ کیا جائے خدا کی وحدانیت کا اقرار مکمل نہیں ہوتا۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی ترکیب اسی اصول پر مبنی ہے یعنی غیر خدا سے تبرا اور معبود حقیقی کا اقرار اسی طرح رسالت و امامت کا اقرار بھی مکمل نہیں ہوتا جب تک دشمنان خدا و رسول و آلِ رسول سے تبرا یعنی اپنے کو بری نہ کر لیا جائے۔ پنجوقتہ نماز میں سورۂ فاتحہ میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہکر دُعا یہ کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دشمنان دین کے راستہ سے بری رکھے جو اللہ کے غضب میں آگئے اور گمراہ ہو گئے۔

خود ساختہ پیشواؤں اور دشمنانِ دین سے تبرا کرنیکے بارے میں قرآن مجید میں کئی آیتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ سورۂ توبہ آیت ۱۱۴ میں حضرت ابراہیم کا اپنے منہ بولے باپ سے تبرا کرنا اسطرح

مذکور ہے۔ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَا اِیَّاہُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ
لَہٗ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنْہُ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ ۔ یعنی ابراہیم کا اپنے منہ بولے
باپ کیلئے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی بناء پر تھا۔ جو انھوں نے اپنے منہ بولے باپ سے کیا
تھا۔ مگر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ یقینی خدا کا دشمن ہے تو اُس سے تبرا کر لیا۔ بیشک ابراہیم بڑے
درد مند بُردبار تھے۔

سورۂ ممتحنہ کی آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے عمل کو لوگوں
کیلئے اچھا نمونہ قرار دیا ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ ہم تم سے اور اُن سے جنکو تم خدا کے
سوا پوجتے ہو تبرا کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :-
قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِھِمْ
اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ تمہارے واسطے تو ابراھیم
اور اُن کے ساتھیوں کا اچھا نمونہ موجود ہے کہ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اُن سے
جنھیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو تبرا کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۶ و ۱۶۷ میں ہے :-
اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب
وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرا منھم کما تبرءوا منا ۔
یعنی جب (جھوٹے) پیشوا لوگ اپنے پیرؤں سے تبرا کریں گے اور بچشم خود عذاب دیکھیں گے
اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور پیرو کہیں گے اگر پھر ایک مرتبہ ہمیں دنیا میں
پلٹنا ملے تو ہم بھی ان (جھوٹے پیشواؤں) سے اس طرح تبرا کریں جس طرح (اب عین وقت پر) یہ لوگ
ہم سے تبرا کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب ۔ خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

آیات مذکورہ میں اللہ بزرگ و برتر نے روز حشر کا نقشہ اور جھوٹے پیشواؤں اور ان کی
پیروی کرنے والوں کی تصویر کھینچی ہے کہ یہ سادہ لوح پیرو یہ سمجھ کر کہ یہ ہمارے سچے پیشوا ہیں روز
قیامت ان کے زیر سایہ چلنے کی فکر میں ہوں گے (کیونکہ حسب فرمان ایزدی یوم ندعو کل اناس
بامامھم روز قیامت سب لوگ اپنے اپنے پیشواؤں کے ساتھ بلائے جائیں گے خواہ وہ سچے
پیشوا ہوں یا جھوٹے) مگر یہ جھوٹے پیشوا جب خود اپنے لئے تیار عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور
ان کے سارے اسباب قطع ہو جائیں گے تو بھلا اب دوسرے کو سہارا دینے کا ان کا موقف

کہاں اب یہ اپنے پیروں سے کترائیں گے اور پیچھا چھڑائیں گے۔ اب یہ ان پیروں کی سمجھ میں آئے گا
ناحق ہم نے ان جھوٹے پیشواؤں کے فریب میں پھنس کر اپنی عاقبت برباد کی اور اب کہیں گے کہ کاش
ایسا ہو کہ ایک مرتبہ دنیا از سرنو قائم ہو جائے اور ہم کو پلٹ کر جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان جھوٹے
پیشواؤں سے تبرا کر دیں گے۔ جیسے دام فریب میں پھنسانے کے بعد اب یہ ہم سے تبرا کر رہے ہیں۔ ان
آیات داغی ہدایہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے راز منکشف فرمائے ہیں اور بہت واضح تنبیہ دیدی
ہے کہ جھوٹے پیشواؤں سے دنیا ہی میں تبرا کر لیا جائے۔ ورنہ حشر کے دن پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

برکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

کھوٹے کھرے کی تمیز دنیا ہی میں کیوں نہ کر لی جائے اور جھوٹے پیشواؤں سے یہیں تبرا کیوں نہ کر لیا
جائے اور اماماں برحق سے کیوں نہ اٹوٹ تمسک اختیار کیا جائے کہ جب یوم ندعو کل اناس
بامامھم کی نوبت آئے تو حشر کے سوا نیزہ کے آفتاب کے نیچے امام برحق کا سایہ عاطفت نصیب ہو۔
مشہور محدثین اخطب خوارزم اور محمد بن یوسف الکنجی الشافعی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے
فرمایا کہ علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور علی کا ذکر عبادت ہے اور خدائے تعالیٰ کسی بندہ کا
ایمان قبول نہ کریگا جب تک کہ اس کو ولایت علی ابن ابی طالب کی اور برأت اس کے دشمنوں سے
نہ ہو گی اور بھی کئی روایتیں ہیں جن کا حوالہ اس کتاب میں آیا ہے۔ فرقہ شیعہ انھیں احکام خداوندی وارشادات
رسول پر عمل کر کے دشمنان دین اور جھوٹے پیشواؤں سے تبرا کر لیتا ہے۔ لعنت کا معاملہ بھی بالکل واضح ہے۔ علاوہ اسکے
کہ لعنت اللہ علی الظالمین۔ لعنت اللہ علی الکاذبین قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے۔ برے لوگوں پر انبیائے سلف کا
بحکم خدا لعنت کرنا بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ آیت ۷۸ میں ارشاد ہے۔ لعن الذین کفروا من
بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم یعنی بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے ان پر داؤد اور مریم
کے بیٹے عیسیٰ کی زبانی لعنت کی گئی۔ سورہ آل عمران کی آیت ۸۷ میں برے لوگوں پر لعنت بھیجنے کا ذکر اس طرح ہے۔

اولٰئک جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے کئے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگوں
کی لعنت ہے۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۶۱ بھی کم و بیش اس کی ہم معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کئی
امور واضح فرمائے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ کسی کے مستحق لعنت ہونے کی وجہ کیا ہے سو اس کے
متعلق ارشاد ہے کہ یہ لعنت ان لوگوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ ظالم جھوٹے اور برے
اعمال کرنے والوں پر لعنت کی جاتی ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے۔ ظلم کذب و اعمال قبیحہ اس درجہ مذموم
اور لائق نفرین ہیں کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ ان بدخصالوں پر لعنت کرتا ہے۔ بلکہ اپنے فرشتوں سے بھی

لعنت کرواتا ہے اور مزید برآں فرماتا ہے کہ جملہ لوگوں کی بھی ان پر لعنت ہے اس آیت کی عبارت میں لعنت کئے جانے کے متعلق ماضی، حال، یا مستقبل کا کوئی صیغہ استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ بلا قید زمانہ فرمایا گیا ہے کہ اس قسم کے بدقماش لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت یعنی اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر دیگر سب لوگوں سے بھی متوقع ہے کہ ایسے بدکرداروں پر لعنت بھیجیں اسی طرح سورہ بقر کی آیت ۱۵۹ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۔ یعنی بیشک جو لوگ (ہماری) ان روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنھیں ہم نے نازل کیا اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ ہم کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں گو کہ تفسیر کے اعتبار سے اس آیت میں کتاب سے کتاب تورات کی طرف اشارہ ہے مگر بایں ہمہ اس سے وہ اُصول ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کی بناء پر کوئی ستوجب لعنت قرار پاتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مستحقین لعنت پر نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے لعنت کرتے ہیں بلکہ ارشاد باری ہے کہ دیگر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

اس آیت میں بھی رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ روشن دلیلیں اور واضح احکامات کے بعد بھی حق کو چھپاتے ہیں وہ مستحق لعنت ہیں اور ان پر نہ صرف اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے بلکہ یہ ارشاد ہے کہ اور بھی لعنت کرنے والے ان پر لعنت کیا کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کی عبارت میں لعنت کرنے سے متعلق صیغہ حال استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ان ان بُرے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتا ہے اور دیگر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں چونکہ احکام قرآنی قیامت تک کے لئے حاوی ہیں۔ اس لئے "یہ لعنت کرتے ہیں" کی عبارت کا صیغہ حال بھی قیامت تک کیلئے ہے۔ یعنی کچھ بدکردار لوگ ایسے ہیں جن پر پہلے بھی لعنت ہوتی ہے اور تا قیامت لعنت ہوتی رہیگی۔

مولانا سید شاہ محمد قائم صاحب رضوی چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ درگاہ پور پٹنہ اپنے مقالہ "کفر یزید" مطبوعہ محرم سنہ ۱۳۸۳ھ میں متعدد آیتوں کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "۔ اب دوسری آیت ملاحظہ ہو۔ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (احزاب ۵۷) یعنی تحقیق کہ یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ خدا کی لعنت اور عذاب مہین یعنی ذلت والا عذاب ہے۔ اس میں تو اور بھی قیامت ہے۔ عذاب مہین کے ساتھ دنیا و آخرت دونوں جگہ لعنت ہے۔ یہ مسلم ہے کہ

رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے رسول کا فرمان اللہ کا فرمان رسول کا فعل اللہ کا فعل۔ ایسی حالت میں رسول کو ایذا دینا اللہ کو ایذا پہنچانا ہے۔

جب رسول کے آگے چلنے رسول کی آواز پر آواز کے بلند ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اصحاب رسول جیسی گراں مایہ ہستیوں کے لئے حبط عمل کی سزا مقرر ہو تو کربلا کے واقعہ کو کیا پوچھنا ہے۔ پس اس آیت کی رو سے یزید ہی نہیں بلکہ سارے کے سارے وہ لوگ جو اس شیطنت میں شریک تھے مستحق لعنت ہیں ان پر دین دنیا دونوں جگہ خدا کی لعنت۔ جب خدا ہی کی لعنت ہے۔ تو فرشتے جنات اور انسان کی لعنت کو کون روک سکتا ہے۔ اس آیت نے لعنتِ یزید کا مسئلہ بھی حل کر دیا"۔

عالم اہل سنت علامہ تفتہ زانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں: "اگر کوئی کہے کہ بروں پر لعنت جائز نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ علما چونکہ صحابہ سے حسن ظن رکھتے ہیں اور سب کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اس ڈر سے لعنت کرنے سے روکا ہے کہ بڑھتے بڑھتے لعنت صحابہ کبار تک جائے گی جیسا کہ رافضیوں کا شعار ہے ورنہ کون ہے جس پر اس کا جواز کھل نہیں گیا ہے کہ ظالم پر لعنت کی جانی چاہیئے۔ شیعہ اپنی دعاؤں میں بھی لعنت کرتے ہیں اور اپنی مجلسوں میں بھی اس کا ذکر کرتے ہیں جو کچھ اہل بیت رسول پر ظلم ہوا مجال نہیں کہ کوئی اسے چھپا سکے اور جو برائیاں ان کے ساتھ کی گئیں ان کو جھٹلا سکے وہ اتنی ظاہر بہ ظاہر اور بڑی ہیں کہ ممکن ہے پہاڑ بھی ان کی گواہی دیں اور گونگے بھی بول اٹھیں۔ آسمان والے بھی روئے زمین والے بھی روئے۔ پتھر شق ہو گئے۔ سالہا سال گزر گئے اور وہ مظالم باقی ہیں ظالم کا ظلم اور مظلوموں کی مظلومیت باقی رہ گئی۔ خدا لعنت کرے اس پر جس نے یہ ظلم کیا یا اس ظلم پر راضی ہوا۔ یاد رکھو آخرت کا عذاب بہت شدید اور باقی رہنے والا ہے۔" یہاں تک کی پوری عبارت علامہ تفتہ زانی کی ہے۔

ابجبکہ لعنت کا جواز اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس طرح مسلمہ اور متنبہ ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس پر عمل کون کرتا ہے تمام فرقہ جات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ گمراہوں اور بدکاروں پر جو بطور واقعہ لعنت بھیجتا ہے وہ صرف فرقہ شیعہ ہی ہے اس طرح جھوٹے پیشواؤں سے تبرا کرنے کے منشاء الٰہی کی تکمیل اور بدکاروں پر لعنت کرنے کے حکم الٰہی کی تعمیل اسلام کے ۷۳ فرقوں میں سے صرف فرقہ شیعہ ہی کرتا ہے اور احکام خداوندی کی ہر ہر معاملہ میں تعمیل کا یہ امتیاز جسکو دوسرے فرقے تو گناہ سمجھ کے ترک کرتے ہوں صرف فرقہ شیعہ کو حاصل ہے۔

صاحبان عقل غور کر سکتے ہیں کہ علاوہ دیگر امور کے ۷۳ کے منجملہ ایک جنتی فرقہ کے تعین میں فرقہ شیعہ کا یہ منفرد امتیاز بھی نشاندہی کرتا ہے یا نہیں۔

لعنت کے تصور اور جواز کے متعلق ایک عدالتی فیصلہ

رائے ٹھاکر پرشاد و بے ایم۔اے ایل ایل بی

اسپیشل جج عدالت جونپور کے اجلاس پر ایک مقدمہ (نمبر ۵۶۵ بابتہ ۱۹۳۶ء سید علی محمد وغیرہ بنام سید شاہ علی حسین وغیرہ) جونپور کے شیعوں کی جانب سے وہاں کے سُنیوں کے خلاف استقرار حق تبرا کا پیش ہوا تھا۔ فاضل حاکم موصوف نے خاص اس مقدمہ کی سماعت کیلئے اپنی ذاتی معلومات بڑھانے کی خاطر عربی کتب تواریخ و حدیث اور دیگر کتب کا مطالعہ کیا اور ایک طویل اور نکتہ رس تحقیقات کے بعد بتاریخ ۲۰ جولائی ۱۹۳۸ء اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ موصوف کے مدلل اور طویل فیصلہ سے ہم چند سطور نقل کرتے ہیں جن سے بعض اہم امور کے نفسیاتی پہلوؤں پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

"The most important point on this score to decide is whether Shias have a legal right of carrying on their procession on public high ways in accompaniment of beating of drums, and weeping and wailing in the elegies and particularly with recitations of Lans on Hussain's merderers, Comming ta this point of the case, I think that assuming the correctness of every word of the defendants (Sunnis) case as set out in their pleadings and evidence, the defence case cannot stand on any conceiveable principle of law.

It cannot therefore be said that the conduct of the Shias in condemning and calling imprecations on the murderers of Hussain or on the first three caliphs is not an act done in pursuance of their deep rooted faith and belief based on traditions of practice of centuries past. Calling imprecutious or ban is nothing but an expression of the fact that God's mercy be denied on these men. It is nothing but an appeal to Almighty to punish these men adequately and properly. These murderers or the first three caliphs no more exist now. What else can be the possible form in which the Shias can peacefully avenge the historical injustices done to

their cause and their Heroes, then meekly and submissively appeal to the Almighty for His proper justice on the final Day of Judgement. Moreover, as shown above, Shias have every right to condemn and imprecate the first three caliphs on account of their honest and bonafide religious belief against them.

.....I have not the slightest doubt in my mind from what has passed before me that Sunnis as a class are highly interested in denying the plaintiffs' rights. I would set forward some relevant authorities of authenticity where from I am satisfied that the belief of Shias of the religious point in controversy is founded upon sufficient religious material from which we can infer that there is a genuine, honest and bonafide religious belief on these points. It is impossible to hold on facts that the Shias perform their act with any intention to annoy anybody's religious feelings. They do it all to commemorate the memory of their Hero and celebrate his martyrdom... It is a very logical result of all this that they censure and condemn the murderers of Hussain and people who are responsible for that massacre. It is impossible to refrain from condemning these men while celebrating martydom of Hussain in its complete effectivness".

شاہ عبدالعزیز صاحب کا سنیوں کو شیعہ کہنا

شاہ عبدالعزیز دہلوی دار قطنی کی اس حدیث کا حوالہ دیکر کہ علیؑ اور ان کے شیعہ جنت میں جائینگے۔ کہتے ہیں کہ جو شیعان علی اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں وہ در اصل اہل سنت والجماعت ہیں۔ ابن حجر مکی بھی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ اہل سنّت والجماعت ہی شیعہ اہلبیت ہیں اور اہل سنّت کے سوا اور دوسرے لوگ فی الحقیقت اہل بیت کے دشمن ہیں۔ واہ واہ غضبِ حق کی یہ بھی ایک انوکھی مثال ہے اور ابن حجر اور شاہ صاحب کا یہ کہنا دروغ گویم برروئے تو کا پورا پورا مصداق ہے۔ گروہ شیعہ کی تو اصل بنیاد یہی ہے کہ جو صحابہ حضرت رسولؐ کی زندگی میں اور آپ کے بعد حکومت خلفائے ثلاثہ کے دور میں بھی وابستہ دامن علیؑ تھے مثلاً سلمان فارسی ابوذر غفاری مقداد عمار یاسر اویس قرنی ابوایوب و جابر بن عبداللہ انصاری حذیفہ یمانی اور دیگر معدودے چند شیعان علیؑ یعنی دوستداران علیؑ تھے۔ شیعہ کے معنے دوست یا گروہ یا معاونین و متبعین کی جماعت کے ہیں۔ جو لوگ اور مسلک میں متفق ہوں سورۂ صفٰت کی آیت ۸۳ ہے "وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ" قاضی عیاض شفا میں شرح کرتے ہوئے اس آیت کے معنے یوں لکھتے ہیں۔ ہرآئینہ اس کے (محمد صلعم کے) شیعوں میں سے ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم دین محمدی پر ہیں۔ سورہ قصص کی آیت ۱۵ میں حضرت موسیٰ کے شیعوں کا ذکر اس طرح ہے۔ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ۔ قاضی بیضاوی اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے شیعہ بنی اسرائیل تھے اور ان کے دشمن قبطی تھے۔ لفظ شیعہ ایک انتہائی گرانقدر اور ممتاز پسندیدۂ خدا و پسندیدۂ رسول لفظ ہے اور اسکی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو بھی حضرت حضرت رسولِ خدا کا شیعہ فرماتا ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کے سچے پیروؤں کو موسیٰ کے شیعہ کے نام سے یاد فرماتا ہے اسی طرح حضرت رسولِ خدا نے دوستداران علی کو شیعان علی فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شیعان علیؑ ہی میرے (یعنی خود حضرت رسول کے) شیعہ ہیں۔ یہ امر ذیل کی روایتوں سے بخوبی ثابت ہے۔ خطیب اور محمد یوسف الکنجی الشافعی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور علیؑ کو ایک شجرہ سے پیدا کیا۔ میں اسکی جڑ علی اسکی فرع حسنؑ و حسینؑ اس کے ثمر اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔ کنز العمال ص۹۳ پر درج ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ صرف انہیں لوگوں کو میری شفاعت حاصل ہوگی جو میرے اہل بیت کے دوست ہوں گے اور صرف وہی میرے شیعہ ہیں۔ کنوز الحقائق صفحہ ۲، ۲۱، ۳، ۱۷، پر متعدد مرتبہ اس کی صراحت فرمائی کہ یہی جنت میں جانے والا فرقہ ہے۔ خلاصۃ المناقب میں منقول ہے۔ حضرت رسول کا یہ ارشاد درج ہے کہ صرف شیعان علی روز قیامت نجات پائیں گے۔ حضرت رسولؐ نے اور علامہ سید صالح کشفی ترمذی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے صلا پر درج کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علیؑ اور فاطمہ اور ان کی ذریت کی دوستی کو تمام مخلوق پر پیش کیا۔ پس جنھوں نے ان کی محبت کرنے میں سبقت کی انہیں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بنایے اور اس کے بعد جنھوں نے سبقت کی ان میں سے شیعہ بنائے گئے۔ حق تعالیٰ ان سب کو بہشت میں ایک جگہ جمع کریگا۔

گو کہ شیعان علی حضرت رسولؐ کی زندگی ہی میں موجود تھے اور خود حضرت رسولؐ نے شیعان علیؑ اور میرے شیعہ کے الفاظ کئی مرتبہ فرمائے تھے مگر ان کی کوئی گروہ بندی کی ہوئی علیحدہ جماعت نہ تھی اور یہ سب مسلمانوں میں ملے جلے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو ارشاد رسولؐ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ان تمسکتم بھما لا تضلو بعدی وانھما لن یتفرقا حتی یرد علی الحوض پر عمل پیرا تھے اور قرآن اور اہل بیت دونوں سے متمسک تھے۔

یوں تو حضرت رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد ہی شیعان علی کی مختصر جماعت علیحدہ ظاہر ہو چکی تھی جو حضرت علی کو مستحق خلافت اور جانشین رسول تسلیم کر کے آپ کی پیروی کرتے تھے۔ جیسا کہ مولانا خواجہ حسن نظامی محرم نامہ (دسویں اشاعت ماہ اپریل ۱۹۳۰ء) کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں:۔

رسولؐ خدا کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے قضیہ سے عداوت کا ایک شاخسانہ نکلا۔ خلافت یعنی رسول کی جانشینی کی بحث میں دو فریق ہو گئے ایک کا نام سنی ہوا اور دوسرے کا شیعہ۔ وہ دن ہے اور آج کا دن شیعہ سنی لڑائی ختم نہیں ہوئی۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل ونحل میں تحریر فرماتے ہیں "پس بہ بیں کہ اطلاق شیعہ بر کدام فرقہ است کہ علی را بعد رسولِ خدا بلا فصل خلیفہ اعتقاد کنند یا ابوبکر را بعد آنحضرت خلیفہ دانند۔ و شنیدی از شارح مواقف کہ میگوید کہ شیعہ یعنی شایعو علیا یعنی پیروی علی کردند بعد آنحضرت نہ پیروی کسی دیگر مثل فلاں فلاں پس از ایں تحریر اہلسنت ہرگز شیعہ نمی شوند بلکہ اہلسنت اتباع معاویہ را میگویند"۔

علامہ فیروز آبادی قاموس اللغات میں "شیعہ" کے معنی اس طرح لکھتے ہیں "غالب ہوا ہے نام شیعہ کا ہر اس شخص پر جو علی اور ان کے اہلبیت کو دوست رکھے۔ یہاں تک کہ شیعہ ان لوگوں کا مخصوص نام ہو گیا۔"

حافظ ابوحاتم رازی کتاب الزینۃ میں جو مرقوجہ الفاظ کی تشریح میں ہے۔ لکھتے ہیں "پہلا نام جو زمانہ رسولِ خدا میں اسلام کے اندر وجود میں آیا وہ "شیعہ" تھا اور صحابہ میں سے چار افراد اس لقب کے حامل تھے یعنی ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، مقداد بن اسود الکندی اور عمار یاسرؓ۔"

رائے ٹھاکر پرشاد دوبے اسپشل جج مقدمہ جو نپور کے اپنے مشہور فیصلہ میں لکھتے ہیں:۔

"........Hazarath Aisha kept the enemity in her heart and when occasion arose put her whole weight against

Ali. She got her own father Abu Baker....elected to the throne of Caliphate whereby the whole claim of Ali was thrown to the winds. A section of the most faithful believers of the Propher and his Islam (at that time)felt that sting of the act of injustice very keenly.....they are the men who believed that it was the birth right of Ali and his sons to have succeeded to the spiritual and temporal headship of Islam and that all the three Caliphs Abu Baker Omer and Osman were userpers. This was the class which subseqgently came to be known by the appellation of Shias. The shias are the followers of Ahle-Bait the house of Prophet, namely Ali and his sons Hassan and Hussain and Fatima Prophet's daughter. The section of Mohammadans who did not accept the claim of Ali........subsequently came to be known as Ahlusunnat or Sunnis.

چیف جسٹس ہدایت اللہ اور جسٹس بابورام کی رائے

عالیجناب ہدایت اللہ صاحب ہندوستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے اسلامی قانون پر جو کتاب لکھی ہے اس کے سترھویں ایڈیشن میں تمہید کے صہ ۱۲ پر حضرت ابوبکر کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

The election in fact took place when the house-hold of the Prophet (including Ali) was engaged in obsequies.........The election led to the great schism between the Sunnis and the Shias.

صـ۱۳ـ پر موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

"At Kerbala Hussain died fighting after suffering great privations. The rift between the Sunnis and Shias (Shian-i-Ali,party of Ali) became very great thereafter.

چیف جسٹس ہدایت اللہ جیسی فاضل اور قانونی دنیا کی معروف ہستی کے یہ تاثرات درحقیقت بڑا وزن رکھتے ہیں۔ ان سے دو اُمور واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ پہلے یہ کہ اسلام میں شیعہ سنی افتراق اسی وقت سے پیدا ہوا جبکہ حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا۔ حضرت علی کا ساتھ دینے والے شیعہ اور آپ کے مخالف سنی تھے۔ دوسرا امر یہ کہ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ شیعہ تھے اور جو آپ کے مخالف تھے وہ سنی تھے اور شہادتِ حسینؑ کے بعد شیعہ سنی اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو گئی۔

یوپی کے جج بابو رام ورما صاحب محدن لا پر اپنی کتاب کے ۱۹۲۸ء کے ایڈیشن میں باب اول کے صـ۷ـ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"One of the most momentous problems in islamic history arose as to the right of succession to Mahomed immediately after his death. The events that fallowed marked the first division in the Muslim world into two great factions of Sunnis of Shias.......The differences since the time of Abu Baker continued to increase till they culminated in the murder of Hussain and made the breach final".

جج صاحب موصوف کی بھی وہی رائے ہے جو چیف جسٹس ہدایت اللہ صاحب کی ہے۔
زیادہ نمایاں طور پر شیعان حیدرکرار کا نام اس وقت مشہور ہوا جب جنگ صفین کے موقع پر لشکر معاویہ نے اپنی شکست کے آثار دیکھ کر قرآن نیزہ پر بلند کئے اور مسلمان مختلف گروہ میں بٹ گئے تو جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ آپ سے متمسک اور تابع فرمان رہے وہ شیعان حیدرکرار کہلائے اور جن لوگوں نے علانیہ مخالفت اختیار کی وہ خارجی کہلائے اور جو لوگ خارجیوں سے بھی نہ ملے اور حضرت علی علیہ السلام کا

بھی ساتھ نہ دیا اور جو بعد میں اہل سنت والجماعت کہلائے اور یہ وہی لوگ ہیں جو ارشادِ رسول انی تارک فیکم الثقلین .... پر عامل نہ تھے بلکہ حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمکو صرف خدا کی کتاب کافی ہے پر عمل پیرا تھے اور اس قول کی تبع میں ان کے لئے لازم ہوگیا تھا کہ وہ اہل بیت رسول سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ اس طرح اہل سنّت والجماعت حضرت علی سے علٰحدہ رہنے والوں کا ہی نام ہے۔ اور جو از ابتدا رتا انتہا حضرت علی کے ساتھ رہے وہ شیعہ کہلائے۔ جیساکہ مولانا حسن نظامی کے متذکرہ صدر قول سے بھی ظاہر ہے۔ مولوی عبیداللہ صاحب بسمل امرتسری جو تفضیلیہ خیالات کے سنّی ہیں اپنی کتاب ارجح المطالب کے حصۂ آخر صفحہ ۱۶۴ پر لکھتے ہیں کہ :-

"یہ کہنا کہ اہل سنت ابتدا رمیں شیعہ کے نام سے مشہور تھے مہمل ادعا ہے' جس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اگر اہل سنت ابتدا رمیں شیعہ مشہور ہوئے ہوتے تو زیدیہ فرقہ کے خروج سے جو اہل سنّت کہ پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی اس نام سے مشہور ہونا چاہیے تھا حالانکہ وہی لوگ شیعہ کہلائے جاتے ہیں جو جناب امیر کے افضل الصحابہ ہونے کے قائل تھے۔ ماسوا اس کے اگر اہل سنّت ابتدا رشیعہ ہوتے تو زیدیہ و اسماعلیہ بوجہ خصومت کے کبھی اس نام کو اپنے لئے مطلق گوارا نہ کرتے کوئی اور نام پسند کرتے علاوہ بریں متاخرین اہل سنت ان شیعان اولیٰ کو اعتقاد تفضیل کے باعث ہمیشہ سے بدعتی کہتے چلے آرہے ہیں اگر اہل سنّت بھی اس گروہ میں شامل ہوتے تو مبتدع کیوں قرار دیئے جاتے۔ علماء اہل سنت تو فرقہ تفضیلہ کو بدعتی کہتے ہیں"۔

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ" اسلام اور بنو امیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۸۵ھ کے صفحہ ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲ پر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"شیعان علی کی سیاسی سرداری سے نہ صرف اموی ہی پریشان ہوگئے بلکہ دوسرے منافقین کو بھی اپنے زوال کے آثار نظر آنے لگے۔ کچھ خوف سے کچھ آئندہ مفادات کی توقع میں کمزور ایمان والے بھی حضرت علی کی ہمنوائی کرنے لگے۔ اس کے علاوہ آپ کے لشکر میں کچھ اور منافقین بھی شامل ہوگئے جو دل سے حضرت علیؑ سے مخالفت رکھتے تھے۔ وہ اندر ہی اندر مومنین کی بیخ کنی کرتے تھے۔ .. معاویہ کو شکست فاش ہو ہی گئی تھی اگر وہ منافقین جو امیرالمومنین کے لشکر میں شامل تھے غلط طرز عمل اختیار کرتے ہوئے معاویہ کے خلاف جنگ روک دینے پر اصرار نہ کرتے۔ بہرحال اندرونی دشواریوں کی موجودگی میں بھی شیعان علی نے اموی لشکر کو شکست کے دروازہ تک پہنچا دیا تھا"۔

حکم مقرر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

"اس فیصلہ کے بعد وہ منافقین جو حضرت علی کے لشکر میں شامل تھے خالص مومنین سے الگ ہوگئے۔ اس طرح خارجیوں کی ایک تیسری جماعت وجود میں آگئی۔ رہے عام مسلمان وہ ڈانوا ڈول رہے۔ کچھ

منافقوں کی طرف اور خارجی کہلائے اور کچھ امویوں کی طرف اور رہے سہے مومنین کے گروہ میں شامل ہوگئے۔
یہ بات یاد رکھئے کہ حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے جن ساتھیوں کی بیوفائی کا شکوہ کیا ہے وہ بھی منافقین تھے۔ یا وہ مسلمان ہمراہی جو آپ کو منصوص من اللہ امام نہیں بلکہ چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور جنہوں نے مملکت اسلامیہ کے سیاسی سربراہ کی حیثیت میں اسی طرح آپ کی بیعت کی تھی جس طرح اس سے پہلے وہ تین خلفا کی بیعت کر چکے تھے۔ بنی امیہ کے پرستاروں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپ کو جو کچھ دکھ پہنچے تھے وہ شیعان علیؑ سے پہنچے تھے نہیں نہیں بلکہ یہ دکھ ان مسلمانوں سے پہنچے تھے جو آپ کو بادشاہ وقت سمجھکر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔"

اس موقع پر ہم مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کے کچھ خیالات کی طرف اشارہ کرنا بھی بے محل نہیں سمجھتے جو انھوں نے بعض معترضین کے اس خیال کے جواب میں ظاہر فرمائے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دے کر کربلا بلانے والے کوفی لوگ شیعہ تھے۔ مولانا موصوف یزید نامہ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء کے صفحہ ۵۴ پر تحریر فرماتے ہیں "۔ یہ ان (کوفیوں) کی ذاتی قومی اور میں کہونگا عراقی زمین کی پیدا کردہ خصلت تھی اور ہرگز ایسے محب اہل بیت نہ تھے جن کے دلوں کو تاثیر محبت نے مستحکم کر دیا ہو اور ان کے ارادے حقیقی شیعیت کی وجہ سے اتنے بلند ہو گئے ہوں کہ کسی ضرر رساں اغوا کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے ... اگرچہ میں شیعہ مذہب کے (تمام) اصول تسلیم نہیں کرتا لیکن خاندان رسالت کی محبت ایک ایسی چیز ہے جس میں میری ان کی شرکت ہے۔ کوفیوں کو شیعہ کہنا شیعیت کی بے حرمتی ہے" علی اور حسین کے دوستدار ہمیشہ شیعہ کہلاتے رہے۔ چنانچہ جب قتل امام حسین کے بعد اسرائے آل محمد کوفہ میں عبداللہ ابن زیاد کے دربار میں سر برہنہ لا کھڑا کئے گئے تو اس نے جامع مسجد میں لوگوں کو جمع کر کے منبر پر جا کر امام حسین علیہ السلام کو سخت ناروا الفاظ کہتے ہوئے اعلان کیا" الحمد اللہ الذی ظھر الحق واہلہ ونصر امیر المومنین یزید بن معاویہ وحزبہ وقتل الحسین بن علی وشیعتہ"۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے حق کو ظاہر کر دیا اور امیر المومنین یزید بن معاویہ کو فتح عطا فرمائی اور حسین ابن علی اور ان کے شیعوں کو ذلیل کیا اور قتل کیا"۔ ظاہر ہے اور مسلمہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھی یعنی شہدائے کربلا سب شیعہ ہی تھے غور کی جگہ ہے کہ آج بھی کیا کوئی اہل سنت والجماعت حضرت علی سے اس طرح متمسک ہے جس طرح شیعہ متمسک ہیں یا کوئی۔ یعنی نام علی پر ایسا دم دیتا ہے جیسے شیعہ دیتے ہیں یا علی کا دم بھرنے والے شیعان علی ہیں یا کوئی اور۔ اکثر حضرات اہل سنت تو خلفائے ثلاثہ کو حضرت علی وحسنین علیہم السلام اور سب آئمہ اطہار سے بھی افضل مانتے ہیں حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام کے ظاہر بظاہر دشمن امیر معاویہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر کہے جاتے ہیں اور دشمنان علی بھی

اپنا رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ قاتلِ حسین یزید کو بھی اپنے بارہ خلفا کی فہرست میں لکھتے ہیں۔ اصل شیعوں کو چھوڑ کر بھلا ایسے لوگوں کو کیسے شیعہ کہا جا سکتا ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کو شیعانِ علی قرار دینا شاہ صاحب ہی کی کرامت ہے۔ اگر اہلِ سنّت والجماعت ہی اصل شیعہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے تو پھر اس جنتی لفظ شیعہ سے انکار اور نفرت کیوں ہے۔ اور اپنے آپ کو شیعہ کیوں نہیں کہتے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ کہنے سے بھی کیا نتیجہ ہوگا۔ حلوہ خوردن را روئے باید محض کہہ دینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا اور شیعہ کو شیعہ نہیں ہے کہنے سے اس کا شیعہ پن زائل نہیں ہوتا۔ شیعہ بننے کے لئے شیعہ صفات کی ضرورت ہے۔ یوں حضرت سرورِ کائنات سے شیعہ کے جنتی فرقہ ہونے کی بشارت سنکر منہ میں پانی بھر آنا اور خود کو شیعہ کہہ دینا اور بات ہے۔ لطف یہ کہ شاہ صاحب اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی تمہید میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "کوئی سنی گھر نہیں ہے جس کی کچھ نہ کچھ فرد شیعہ نہ ہوگئی ہوں۔ یہ دین پھیلتا جاتا ہے" ایک طرف تو سنیوں کو شیعہ کہنا اور پھر یہ کہنا کہ ہر گھر میں سنی شیعہ ہوتے جا رہے ہیں ایک طرفہ متضاد گفتگو ہے اور پھر اگر کچھ سنی حضرات مذہب شیعہ کو حق جان کر شیعہ ہوتے جاتے ہوں تو شاہ صاحب کو اس قدر چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ اپنے اپنے ایمان کا معاملہ ہے۔ صاحبانِ انصاف کو یہ امر ضرور نظر آئے گا کہ سنی بھائی جو کچھ علم رکھتے ہیں اور کچھ غور کرنا چاہتے ہیں کس قدر تضاد اور کشاکش ذہنی میں مبتلا ہیں۔ کہیں تو شیعوں کو قابلِ ملامت وقابلِ تفریق قرار دیا جاتا ہے اور شیعہ کا لیبل کسی شخص پر بُرے اور قبیح معنوں میں لگایا جاتا ہے اور کہیں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ شیعوں کے فضائل میں حضرت رسولؐ کے ارشادات موجود ہیں اور یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ جن شیعوں کا فضل وشرف حضرت رسولؐ نے بیان فرمایا ہے وہ شیعہ ہم اہلسنت ہیں۔

جہاں کسی سنی نے حضرت علی علیہ السلام کے تعلق سے کوئی حق لگتی بات کہی تو وہیں اس پر شیعہ ہونے کو ایک جرم سمجھتے ہوئے شیعیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب خلافت وملوکیت لکھنے کے بعد ان کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ کی بیجا وکالت اختیار کی ہے۔

مولانا خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب قبلہ سے حال ہی میں دہلی میں میری ملاقات ہوئی ان کے قلم سے اکثر حضرت علی علیہ السلام کے تعلق سے حق باتیں نکلتی رہیں اور موصوف تھوڑے روز قبل کربلا معلی، مشہد مقدس (خراسان) روضۂ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی زیارت سے مشرف ہو کر آئے تھے تو موصوف فرماتے تھے کہ بعض سنی بھائی ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ شیعہ ہوگئے ہیں۔

قدما میں سے بھی کئی علماء محدثین ایسے ہیں جن پر حق گوئی کی علت میں شیعیت کو ایک جرم سمجھتے ہوئے سُنی بھائیوں کی طرف سے شیعہ ہونے کا لیبل لگایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مشہور مورخ طبری کے متعلق ہم مولانا مودودی کی کچھ عبارت ان کی کتاب خلافت وملوکیت کے صفحہ ۳۱۲ سے نقل کرتے ہیں۔

ابن جریر طبری کی جلالت قدر بہ حیثیت مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ مسلم ہے۔ علم وتقویٰ دونوں کے لحاظ سے ان کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ ابن خزیمہ ان کے متعلق کہتے ہیں "میں اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑے کسی عالم کو نہیں جانتا۔ ابن کثیر کہتے ہیں وہ کتاب وسنت کے علم اور اس کے مطابق عمل کے لحاظ سے ائمہ اسلام میں سے تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں وہ بڑے قابل اعتماد ائمہ اسلام میں سے تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں وہ ائمہ علماء میں سے ہیں ان کے قول پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ابن الاثیر کہتے ہیں۔ ابوجعفر تاریخ نگاروں میں سب سے زیادہ بھروسہ کے لائق ہیں ان کا مذہب اہل سنت کے مذاہب میں شمار ہوتا تھا۔ بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے ان کو امام من الائمہ الامامیہ تک قرار دیدیا۔ حالانکہ ائمہ اہلسنت میں سے کون ہے جس کا کوئی قول بھی کسی فقہی مسئلہ یا کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں شیعوں سے نہ ملتا ہو۔

اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ

جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ ارشاد رسولؐ انی تارک فیکم الثقلین..... کو چھوڑ کر حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللہ (یعنی ہمکو صرف اللہ کی کتاب کافی ہے) پر عمل کرنے والا گروہ پہلے سے وجود میں آچکا تھا مگر خلفائے ثلاثہ کے دور میں یہ کسی خاص نام سے نامزد نہیں ہوا تھا۔ پہلے پہل امیر معاویہ کے زمانہ میں اس گروہ کا نام اہل سنت والجماعت قرار پاکر سامنے آیا۔ جس سال امیر معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے اور آپ پر لعنت کرنے کا طریقہ رائج کیا اس کو انہوں نے عام السنت کا نام دیا اور جس سال امام حسن علیہ السلام سے خلع خلافت کروا کر معاویہ خود پورے قابض خلافت ہوگئے انہوں نے اس کا نام عام الجماعت رکھا۔ جیسا کہ ذیل کی اسناد سے ظاہر ہے۔

علامہ یحییٰ ابن الحسن القرشی اپنی کتاب منہاج التحقیق میں لکھتے ہیں۔ ان معاویۃ حین من سبت علیا سمیٰ ذالک العام السنت" یعنی معاویہ نے جس سال حضرت علی پر تبرا جاری کیا اس کا نام "سال سنت" رکھا۔ حسین بن سہیل نے انوار البدایہ من منہاج التحقیق کی متذکرہ صدر عبارت کا اعادہ کیا ہے اور شیخ العسکری اپنی کتاب الرواج میں لکھتے ہیں کہ صالح الحسن معاویہ سمیٰ ذالک العام الجماعت یعنی امیر معاویہ نے امام حسنؑ سے مصالحہ کیا تو اس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا ص۱۳۶ پر لکھتے ہیں۔ حضرت معاویہ نے قرار پکڑا ربیع الثانی یا جمادی الثانی سے پس آپ نے اس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا اس لئے کہ اب امت کا اجماع ایک خلیفہ واحد پر ہوگیا۔

ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں صاحب ملیح آبادی اپنے مقالہ" اسلام اور بنی اُمیہ" مطبوعہ محرم ۱۳۰۵ھ کے ص۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں:-

...... ان تمام واقعات وحالات کی موجودگی میں معاویہ نے اپنے قہر و جبروت کے سہارے جشن حکومت منایا جس کا نام یوم اجماعِ اُمّت رکھا جو رفتہ رفتہ آگے چل کر اموی فقہ اور اُموی اصلاحی تصوّرات پر عمل کرنے والوں کے لئے مخصوص ہوگیا۔ چونکہ معاویہ اور عمرو بن العاص کی سنت پر عمل ہونے لگا تھا اس لئے جماعت مذکور اہل سنّت والجماعت کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ مومنین رسولؐ قرآن و آل محمد کے بدستور حلقہ بگوش رہے اسی لئے تو اسلام کے ماننے والوں کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک تاریخ مومنین اسلام کی دوسری تاریخ مسلمین و منافقین اور ان کے ہم نواؤں کی اس طرح عام اُسنت اور علم الجماعت دونوں نام امیر معاویہ کے دیئے ہوئے ہیں۔ خوارج و نواصب و معتزلہ اور دیگر مخالفین اہل بیت کو یہ نام اپنے حسب حال اور موزوں معلوم ہوئے اور انھوں نے اپنے کو اہل سنت والجماعت کہنا شروع کیا اور دوسری صدی ہجری میں یہ نام کافی تشہیر پاگیا اور جو لوگ شیعان حیدر کرار کے مختصر گروہ میں شامل نہ تھے وہ سب اہل سنّت والجماعت کہلانے لگے۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل میں فرماتے ہیں۔ اہلسنت ہرگز شیعہ نہ می شوند بلکہ اہلسنت اتباع معاویہ را می گویند۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب اہل سنّت والجماعت کی بناء امیر معاویہ کے متذکرہ صدر دو زریں عمل کی یاد تازہ رکھنے اور اس کی ہم آہنگی اور ہمنوائی پر ہے یا بالفاظ دیگر اس کی بنیاد ہی مخالفت اہل بیت پر ہے۔ ورنہ حضرت رسولؐ کا کوئی نام لیوا حضرت علی علیہ السلام پر لعنت و دشنام دہی کے رائج کرنے کے سال کی یادگار کو اور امام حسن علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے دق اور مجبور کرکے خلع خلافت کروانے کے سال کی یادگار کو کسی طرح فال نیک قرار دیکر اپنے مذہب کے لئے ایسے نام تجویز نہیں کرسکتا اور کوئی یہ نہ چاہیگا کہ اس قسم کا ٹریڈ مارک لئے ہوئے وقفوھم انھم مسئولون کی (دیکھو باب سوم آیت سلسلہ (۱۲) کتاب ہذا) منزل سے گزرے جہاں ولایت علی اور محبت اہل بیت کا سوال مثل سوال توحید و نبوت داور محشر کی طرف سے کیا جانیوالا ہے۔

نہ معلوم خود معاویہ صاحب اس منزل پر کیا جواب دیں گے جنھوں نے اہل سنّت والجماعت کا یہ لیبل مسلمانوں کے ایک کثیر گروہ پر چپکایا ہے اور جنھوں نے حضرت علی علیہ السّلام سے نہ صرف علانیہ جنگ سالہا سال کی اور آخر میں آپ کو شہید کروا یا بلکہ حکومت اسلامیہ کے بیاسی ہزار منبروں سے آپ کے نام نامی پر گالیاں اور لعنت کروائی جس کا سلسلہ صرف دو چار دس پانچ برس نہیں بلکہ نصف صدی سے زیادہ سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۹۹ھ تک جاری رہا اور جنھوں نے امام حسنؑ کو دق کرکے نہ صرف خلع خلافت کروایا بلکہ آپ کو زہر سے شہید کروا کر مارے خوشی کے تکبیر کہی اور اپنی کنیز سے مبارکباد گانے کی فرمائش کی۔

معاویہ صاحب کی اس قسم کی کوششوں کا نتیجہ یہ تھا جس کے پس منظر میں سقیفہ بنو ساعدہ کی کاروائی کارفرما تھی کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے ۵۰ ۔ ۵۰ سال ہی میں ذکر آل محمدؐ سے دنیا اس قدر خالی ہوگئی تھی کہ معاویہ کے مرنے کے بعد ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ علیؑ کون شخص تھا جس پر ہر نماز جمعہ کے بعد سب و شتم و لعن ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھی نے جواب دیا یہ ایک سخت کافر تھا۔ جو اسلام کا بڑا دشمن تھا اور اسی لئے اس کے نام پر سب و شتم و لعن ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے پوچھا کہ فاطمہؑ کون تھیں دوسرے نے جواب دیا یکے از ازواجِ رسول۔ بہرحال ع۔ ایں قصہ کہ طولانی و تا چند بگوئی۔ سنی بھائی جس طرح اس امر سے عموماً بے خبر ہیں کہ حضرت سرورِ کائنات نے حضرت علی علیہ السلام کے پیروان کا نام شیعہ فرما کر اس فرقہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اسی طرح وہ اس امر سے بھی تمام تر بے خبر ہیں کہ ان کے مذہب اہل سنت والجماعت کی بنیاد حضرت معاویہ کے متذکرہ بالا اعمال کی ہمنوائی اور تائید پر ہے اور یہ نام معاویہ صاحب کے دیئے ہوئے دو ناموں سے مرکب ہے۔

اہلسنت کے متعلق علّامہ کشفی ترمذی کی رائے

علّامہ سیّد صالح کشفی ترمذی حنفی اپنی کتاب کوکب دری کے مقدمہ کے صہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اُن لوگوں سے سخت تعجب میں ہوں جو خلفائے راشدین کی محبّت اور بندگی کا دعویٰ بڑے زور و شور سے کرتے ہیں اور اُس خلیفہ کے فضائل و مناقب کے مُطالعہ کرنے سے نہایت محزون اور بے چین ہوتے ہیں جس کے وجودِ مُتبرّک و مقدس پر خلافتِ نبوی کا کمال ختم ہوتا ہے۔ سبحان اللہ یہ خلیفہ چہارم کس قدر رفیع القدر اور والا منزلت ہے کہ گویا خلافتِ رسول نے روزِ اوّل میں اُس سے عہد تھا کہ جب تک تو جہان میں ہے تیرے ہمراہ ہونگی اور تیری دوستی کے طفیل امامت کے لباس سے ملبوس ہوکر تیرے گیارہ فرزندانِ ارجمند کے ساتھ موافقت کروں گی اور تیرے آخری فرزند کا رتبہ یہاں تک بڑھاؤنگی کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانِ چہارم سے اُتر کر نہایت تمنّا اور آرزو سے اُس مقتدائے دوسرا کے مقتدیوں میں شامل ہوں۔ ایسے متعصب لوگ اہلسنت والجماعت کے مذہب سے خارج ہیں۔ ایسے نالائقوں اور ناکسوں کو لازم ہے کہ حدیث اللھم وال من والاہ و عادِ من عاداہ (اے خدا تو دوست رکھیے اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو علی کا دشمن ہو) پر نظر کرکے اپنے حال ندامت مآل پر ہلات آنسو بہائیں اور حسرت و اندوہ کی خاک اپنے سر پر ڈالیں اور اپنے مرضِ باطنی کا جو شرکِ خفی کی طرح مخفی اور پوشیدہ ہے علاج کریں۔"

مولانا ترمذی حنفی نے اپنی اس تحریر میں بہت سی بڑی دور رس باتیں فرما دی ہیں۔ مولانا نے

بلیغ پیرایہ میں یہ بات بہر طور ظاہر کردی ہے کہ خلافت رسولؐ روزِ اول سے علیؑ سے وابستہ ہے اور علیؑ کی ولایت کے سبب خلافت کو منصب امامت بھی حاصل ہوگیا اور نہ صرف علیؑ بلکہ علیؑ کے گیارہ فرزند بھی منصبِ خلافت و امامت پر فائز ہیں۔ اور ان کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ ان میں کے بارھویں کی پیروی حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتر کر کرینگے۔ غور کیا جائے تو یہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے کھلا ہوا تبرا ہے جو ایک حنفی بزرگ نے اپنی زبانِ قلم پر جاری کیا ہے۔

مولانا شاہد زغیم فاطمی کا اظہار خیال

مولانا سیّد شاہد زغیم فاطمی ایک سنی خاندان کے فرد ہیں موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے خاندان میں دور دور تک شیعیت کا نشان نہیں ملتا۔ خاندانی ماحول اور ابتدائی تربیت نے شیعہ مکتبِ فکر کے بارے میں بچپن ہی سے ذہن وضمیر میں ایک گونہ عصبیت پیدا کردی تھی۔ مطالعہ کی کمی اور تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر دل و دماغ کا سانچہ اس انداز میں ڈھل چکا تھا کہ آج سے چند برس پہلے تک میری رائے تھی کہ (خاکم بدہن) حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی ہوس اقتدار نے ان تمام فتنوں کو جنم دیا جن سے اسلام کا دامن تاریخ داغ دار ہے۔ بے تکلف دوستوں کی مجلس میں بار بارہا میں نے اپنے اس تاثر کا برملا اظہار کیا اور ان جعفری قسم کے حضرات سے اپنی داد وصول کی جو امیر معاویہ کی ذات پر معمولی تنقید سن کر چیں بہ جبیں ہوجاتے ہیں ۔ ۔ ۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے علی ابن ابی طالب کے خلاف شکوہ بر لب ہیں اور انہیں کوس رہے ہیں حضرت علی ابن ابی طالب کا جو تھوڑا بہت احترام لوگوں کے دل میں تھا وہ بھی ختم ہونے لگا اور گز گز بھر کی زبانیں انکے خلاف زہر اگلنے لگیں۔ لیکن تابکے؟"

اس پس منظر میں موصوف کو تحقیق کا خیال پیدا ہوا اور بعد تفحص کامل آپ نے کتابیں لکھنا شروع کیں یہ ماننا پڑے گا کہ موصوف ایک بیباک حق گو محقق ہیں جو واقعی تحقیق کا حق ادا کررہے ہیں اور انصاف کی داد دے رہے ہیں۔ موصوف کا ایک مقالہ "حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف" حال ہی میں رسالہ سرفراز لکھنؤ کے رجب نمبر مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے۔ باعتبارِ افادیت اسی صفحہ کے اس پورے مقالہ کو رسالہ میں یکبارگی طبع کیا گیا ہے۔ مختلف بولتے ہوئے عنوانات کے تحت انھوں نے خوب خوب داد تحقیق دی ہے۔ ایک عنوان ہے! "آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے"۔

مولانا صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں:۔

"پچھلے تیرہ سو برس میں فرقہ وارانہ عصبیت کی بناء پر حقائق کو مسخ کیا جاتا رہا۔ قرآن اور سنت میں

تحریف کیجاتی رہی۔ تاریخ کا منہ چڑایا گیا اور خوب کو ناخوب اور ناخوب کو خوب بنا کر ذہنوں میں ٹھونسا جاتا رہا اور محض اس برتے پر کہ ایسا کرنے والے اکثریت میں تھے تاریخی کتابوں کی ورق گردانی اور واقعات کے بے لاگ تجزیہ سے یہ انکشاف ہوا کہ حضرت علی ابن ابی طالب پر نقد و جرح کا یہ انداز نہ صرف جارحانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ بلکہ تاریخی حقائق اور شواہد کے سراسر خلاف ہے"۔

صلا پر فرماتے ہیں :۔

" طبری کے علاوہ دیگر کتب تاریخ میں بھی بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے خاندان بنو امیہ کی قرار واقعی حیثیت کی قلعی کھل جاتی ہے اور بعض ایسے نامور صحابہ کے عماموں کے پیچ ڈھیلے ہو جاتے ہیں جنکے بارے میں عام تصوّر یہ ہے کہ وہ انبیاء کی طرح ہر انسانی آلائش سے پاک ہر غلطی سے مبرا اور ہر گناہ سے معصوم تھے"۔

مولانا اپنے مقالہ کے صث و صو پر محمود احمد عباسی کی کتاب " خلافتِ معاویہ و یزید" کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں :۔

" اس کتاب کا ہمارے مذہبی طبقہ بالخصوص نام نہاد ملاؤں پر جو اثر مترتب ہوا وہ حد درجہ حیران کن تھا۔ وہ لوگ اس بات پر بغلیں بجا رہے تھے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ علم و تحقیق کے نام پر اہلبیت نبوت کی عظمت کو مجروح کرنے کی کوشش تو کی گئی ۔۔۔ ارباب عقل و دانش اور اصحاب فکر و بصیرت کو اسلام دشمنی کا خطاب ملتا رہا اور امت محمدیہ کے ایک بہت بڑے حصّہ (شیعہ) کو یہ کہکر اس کے خلاف اتہامات تراشے جاتے رہے کہ یہ لوگ عبداللہ ابن سبا یہودی کی جماعت کے لوگ ہیں۔ کبھی ان پر قاتلان حسینؑ کی پھبتی کسی گئی اور کبھی یزیدیوں کی صف میں لاکھڑا کیا گیا اور کبھی اسلام دشمن طاقتوں کا ایجنٹ ثابت کیا گیا۔ اس پر بھی ان لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں پڑی تو ان لوگوں کی تعریف میں کتابیں لکھی جارہی ہیں جنکے متعلق پوری امت کا ہمیشہ سے اجماع رہا کہ وہ انتہائی بدکردار ظالم اور نااہل تھے"۔

صفحہ ۲۲ پر مولانا نے بعض بڑی تلخ حقیقتوں کے گھناؤنے چہرے بے نقاب کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

" آج معاویہ اور یزید کی منقبت میں جو کتابیں لکھی جارہی ہیں وہ مسلمانوں کی سیردہ صد سالہ روایات کا لازمی نتیجہ اور اس کے فلسفۂ اخلاق و افکار کا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔ بڑے بڑے نامور لوگوں نے جن میں ابن تیمیہ اور غزالی جیسے لوگ شامل ہیں ظالم کی حمایت اور مظلوم کی مذمت کا کارنامہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ ایسے کارناموں سے بھری پڑی ہے جو قوم امام حسینؑ کے قاتلوں کو جنم دے سکتی ہے کیا وہ یزید اور اس کے باپ کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ہو سکتی؟ کسی قوم کی فطرت اس قدر مسخ نہیں ہوئی جتنی مسلمان قوم کی ہو چکی ہے۔ یہی ایک قوم ہے جس نے اپنے عظیم المرتبت پیغمبر کی

آنکھیں بند ہوتے ہی ایسے ایسے ڈرامے کھیلے کہ تاریخ آج تک سرگرداں ہے کہ وہ ان داستانوں کو اس قوم کے محاسن کی فہرست میں رکھے یا اسکی بدفطرتی کو ان ڈراموں کا عنوان بنائے۔ علی ابن ابی طالب ہوں یا حسین ان کی احسان فراموشی، محسن کشی اور انصاف ناشناسی کا ہر باب اپنی جگہ مکمل ہے"۔

مولانائے موصوف پیش لفظ کے صک پر فرماتے ہیں:۔

"ہم بعض نامور شخصیتوں اور اہلسنت کی بعض ایسی ہستیوں کے رُخ کردار سے پردہ اُٹھائینگے جنکو آج تک انبیاء کا سا تقدس حاصل رہا ہے اور تب پتہ چلیگا کہ اہلسنت جہاں کھڑے ہیں وہاں ان کے پاؤں کے نیچے زمین نہیں ہے"۔

جو بندہ یابندہ بہت سے طالبان حق کو جنھوں نے تلاش حق میں جدوجہد کی اور معلومات حاصل کیں اور تحقیق کی ان کو راستہ مل ہی گیا۔ ایسے متعدد حضرات ہیں جو موروثی طور پر سنت والجماعت سے تھے مگر بعد تلاش وتحقیق مذہب شیعہ قبول کر کے مدلل کتابیں حوالہ قلم فرمائی ہیں۔ سر علی امام کے دادا وحید الدین خاں اور والد سید امداد امام ابتدائً مذہب سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے بعد تحقیق وحید الدین خاں نے "حد تحقیق بہ مشرب سنی" ایک مدلل کتاب ائمہ اہل بیت علیہ السلام کی حقانیت کے ثبوت میں لکھی اور سید امداد امام صاحب نے جن کی ابتدائی تعلیم ایک وہابی مولوی گل محمد صاحب کے ہاتھوں ہوئی تھی دو کتابیں مصباح الظلم اور مناظر المصائب تحریر فرمائیں جو مذہب شیعہ کی حقانیت سے متعلق ہیں۔ اور اپنی نظیر آپ ہیں۔ ان کے بھائی خان بہادر فضل امام بھی پہلے تفضیلے سنی تھے پھر شیعہ ہو گئے۔

مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ مشہور سنی عالم تھے۔ انھوں نے مذہب شیعہ اختیار کیا اور جو تفسیر قرآن انھوں نے لکھی ہے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مولانا شیخ احمد عثمانی صاحب دیوبندی نے جو موروثی سنی تھے مذہب شیعہ قبول کر کے دو گراں قدر کتابیں انوار الہدیٰ اور شمس الضحیٰ تحریر فرمائیں۔ چند ہی سال ہوئے کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب عالم دیوبند نے مذہب شیعہ قبول کیا اور تبلیغی نقطۂ نظر سے پاکستان میں تقاریر کیا کرتے ہیں۔ علامہ ناصر الدین رشید ترابی جو ایک بلند پایہ خطیب، عالم اور شیعہ ذاکر اہل بیت ہیں سنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی والدہ جو بقید حیات ہیں کہا جاتا ہے کہ اب بھی سنی ہیں۔ علامہ سر محمد اقبال کا خاندان ابتداءً ہندو تھا دائرہ اسلام میں آنے کے بعد ان کے مذہبی خیالات کا جو ارتقا حصول علم و تحقیق کے ساتھ ہوتا گیا وہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں سو

خلافت بر مقام ما گواہی است | حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ | خلافت حفظ ناموس الٰہی است

پھر کہتے ہیں سے

ولیکن آں خلافت راہ گم کردہ کہ اول مومناں را شاہی آموخت ۔ اور ایک جگہ کہتے ہیں۔ گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید
انکے آخری عمر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ موصوف شیعہ ہو گئے تھے ۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اقبال شیعہ مجتہد سید علی حائری
مفسر قرآن کے عقیدتمند تھے اور اقبال کی نماز جنازہ بھی انہیں شیعہ مجتہد نے پڑھائی (ملاحظہ ہو لوامع الانوار مولانا مرتضیٰ حسین) جسٹس سید محمود جو حیثیت
جج اور وکیل ایک انتہائی ممتاز شخصیت رکھتے تھے آخری عمر میں اپنی علالت کے زمانہ میں کشمیر میں جاکر ٹھیرے
تھے ۔ وہاں مذہبی کتابوں کا مطالبہ کرکے مذہب شیعہ کی حقانیت کے متعلق انگریزی میں تقریباً ایک ہزار
صفحہ کی کتاب حوالہ قلم کی جس کے متعلق مولوی امداد امام صاحب جو جسٹس محمود کے دوست تھے اپنی کتاب
مناظر المصائب میں لکھتے ہیں کہ وہ پورا مسودہ جو ابھی طبع نہ ہونے پایا تھا جسٹس محمود کے انتقال کے ساتھ ہی
ان کے عزیزوں نے سپرد آتش کردیا ۔

ایک نہایت معتبر ذریعہ سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا وحیدالزماں صاحب وقار نواز جنگ جو حیدرآباد
میں سکونت رکھتے تھے اور جنھوں نے تیسیر البخاری کے نام سے بخاری کی شرح لکھی تھی اور ہر مقام پر اہل بیت
رسول علیہم السلام کے خلاف صحابہ کے عمل کو جائز قرار دینے کی مقدور بھر کوشش کی تھی آخر میں جلکر خود مائل
بہ تشیع ہو چکے تھے اور اپنی عمر کے آخری زمانہ میں انھوں نے ایک رسالہ "عقائد وحیدیہ" کے نام سے لکھا تھا جس
میں انھوں نے مذہب شیعہ کے اصولوں کو تمامتر قبول کرلیا تھا ۔

مولوی ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر ایٹ لا ایڈوکیٹ کلکتہ ہائیکورٹ جن کے نام سے حیدرآباد کا
محلہ ہمایوں نگر موسوم ہے اپنی تصنیف شاہ راہ نجات مطبوعہ ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں "مولانا وحیدالزماں خاں
مخاطب بہ نواب وقار نواز جنگ سابق رکن ریوینیو بورڈ حال جج ہائیکورٹ حیدرآباد علاوہ ایک بڑے
قانون داں ہونے کے بڑے محدث اور فقیہ بھی تھے بخاری کے تیسوں پاروں کا ترجمہ اردو میں ان کا کیا ہوا
اب بھی سب لوگوں کے پاس ہے علاوہ وحیدالغات وغیرہ کے متعدد تصنیفیں مولانا مرحوم کی ہیں ۔ زمانہ دراز تک
ان کا مسلک اہل حدیث رہا ۔ انتقال کے چند سال قبل ان کے اعتقادات و خیالات مذہبی میں بہت
تغیر واقع ہوا اور لاہور کے پیسہ اخبار میں ۱۹۱۸ء میں کئی آرٹیکل لکھے کہ حضرت علی کو دیگر صحابہ پر فضیلت
دینی چاہیئے ۔ چونکہ طول و عرض ہند میں مولانا کے تبحر علمی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا کسی نے کان تک نہ ہلائے ۔
البتہ سنگاپور کے ایک مولوی نے مولانا پر کچھ اعتراضات ایک رسالہ کے ذریعہ کئے تھے ۔ مولانا نے ان
مولوی کے منہ لگنا پسند نہیں کیا ۔ مولانا کے شاگردوں میں سے ایک صاحب مولوی شمشیر علی بیگ
صیغہ مال کے ایک عہدہ دار نے سنگاپور کے مولوی کے جوابات دندان شکن بذریعہ ایک رسالہ کے دیئے
تھے جس کا نام "ضرب شمشیر" تھا ۔ مولانا مرحوم کی اخیر تصنیف ان کی سوانح عمری ہے جس میں انھوں نے

اپنے خوابوں کا ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ حضرت رسولِ مقبول صلعم کو اور حضرت علی مرتضیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور ایک دفعہ حسنین علیہم السلام کو خواب میں دیکھا تھا اور اپنی کتاب میں حُبِّ اہلبیت کو جزوِ ایمان بتلایا ہے۔ یہ کتاب اور رسالہ ضربِ شمشیر ان کے فرزندان کرنل محمد اشرف اور احسن الزماں صاحب چیف انجینیر کے پاس غالبًا ہوگا۔"

معلوم ہوا کہ مولانا موصوف کے رشتہ داران کے اس عمر بھر کے اکتساب کے نچوڑ کے متعلق یہ کہتے تھے کہ اب بڑھاپے میں ان کی عقل سٹھیا گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اور مقام پر بھی لکھا ہے نفسانیت کے رفع ہونے اور کنجِ قبر سامنے نظر آنے کے بعد عقل ٹھکانے آتی ہے اور عقل کی پختگی کے ساتھ ساتھ اوہام باطلہ زائل ہوکر آدمی فی الواقعی ضمیر کی آواز پر عمل کرتا ہے۔ قانون بھی کسی شخص کے بیان قبل مرگ کو اسی وجہ سے بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ کس قدر حیف ہے افسوس ہے کہ ایسے وقت کے مخلصانہ اور ایماندارانہ بیان کو بھی عقل کی خرابی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

مولوی ہمایوں مرزا صاحب کی کتاب شاہراہ نجات میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ حیدرآباد میں (اب سے تقریبًا پچاس سال قبل) ایک تیموری شہزادہ اختر سلطان صاحب نے شیعہ ہوکر چند کتابیں موسوم بہ ہفوات المسلمین، اور تنزیہ الانساب فی احوال شیخ الاصحاب، دو جلدوں میں شائع کی جسکا ماخذ صحیح بخاری اور مختلف تواریخ تھیں۔ یہ بیچارے اس علت میں نوکری سے نکالے گئے۔ سر وقار الامرا سنی امیر پائیگاہ کی فرمائش پر ایک بڑے سنی محدث مولانا حسن الزماں نے ایک تالیف شروع کی جس میں ایسی حدیثیں جمع کیں جس کے راوی ایرے غیرے نہ تھے بلکہ اولادِ رسول سے تھے۔ اسکا نام علوم اہلبیت تھا اور یہ کتاب تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اور اس کا کچھ حصّہ طبع بھی ہوا تھا۔ لوگوں نے یہ ہنگامہ مچایا کہ اس سے تشیعیت کی بو آتی ہے اور طباعت بند کروادی۔"

مولوی ہمایوں مرزا صاحب شاہراہ نجات کے صفحہ ۱۰۹ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ بھی واضح رہے کہ نواب امداد امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی آنریبل سید فضل امام خاں بہادر کسی خللِ دماغ کی وجہ سے شیعہ نہیں ہوگئے۔ اول الذکر کی متعدد تصنیفیں شیعہ ہونے کے بعد کی موجود ہیں۔ فضل امام مرحوم شیعہ ہونے کے بعد سرکاری ذمہ داری (بہ حیثیت ممبر گورنر کونسل بنگال) کے کام کرتے رہے یہ اس لئے میں نے لکھا ہے کہ جب کوئی بڑا شخص شیعہ ہوجاتا ہے تو یہ مشہور کردیا جاتا ہے کہ خللِ دماغ کی وجہ سے بدلا جس طرح مولانا مقبول احمد صاحب مفسر و مقرر کے لئے مشہور کیا گیا تھا۔ حالانکہ ان کے شیعہ ہونے کے بعد کی تصانیف متعدد ہیں جو صحیح الدماغ ہونے کی کھلی دلیل ہیں۔ مولانا مرحوم بڑے مناظر فقیہ و محدث تھے۔ مذہبیات کے بڑے ماہر تھے۔ عشرہ محرم میں جب وعظ کرتے تھے۔

ہزاروں آدمی ہر فرقہ کے جمع ہو جاتے تھے۔ عہد اموی میں مٹھی بھر اثنا عشری تھے وہ بھی اتلاف جان کے خوف سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپتے پھرتے تھے یا آج تقریباً گیارہ کروڑ ہیں خلل دماغ سے یہ تعداد نہیں بڑھی بلکہ تجسس و تحقیق کی بنا پر۔ باوجود یکہ اہتمام بلیغ اس بات کا ہے کہ کسی شیعہ کی کوایسی تصنیف یا تالیف جس کا موضوع تحقیقات مذہبی ہو کوئی سنی نہ دیکھنے اور نہ پڑھنے پائے تاہم انفضالِ الٰہی جن بندگانِ خدا کے شاملِ حال ہے وہ جستجو راہِ خدا میں کرتے ہیں اور ایسی تصانیف پڑھتے ہیں۔ع ۔ تلاش شرط ہے ڈھونڈے سے کیا نہیں ملتا"

میرے علم میں ایک باوثوق ذریعہ سے یہ بات بھی آئی کہ بریگیڈیر علی احمد صاحب جو نواب ضیا یار جنگ کے داماد تھے لڑکپن میں مولوی دوست علی خاں صاحب نائب ناظم جنگلات کے ہم جماعت تھے اور دوست علی خاں صاحب کی شیعیت پر طنز کیا کرتے تھے۔ مگر آخر عمر میں اور نواب ضیا یار جنگ سے تبادلہ خیال کے بعد بریگیڈیر صاحب موصوف کی یہ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ خلفاء ثلاثہ سے وہ تبرا کرتے تھے اور بالخصوص حضرت عمر کے تعلق سے وہ نہایت سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔ مولوی دوست علیخاں صاحب ان واقعات کے گواہ ہیں۔

مولوی سید سعد اللہ صاحب قادری مدیر اخبار سلطنت نے جو سنت والجماعت سے تھے مذہب شیعہ اختیار کیا اور اپنے گھر میں عاشور خانہ کی بنا کر کے جس پابندی سے وہ مجالس عزا اور نیز ائمہ معصومین علیہم السلام کے جشن ولادت منعقد کرتے تھے وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ حال ہی میں موصوف کا انتقال ہوا خدا غریق رحمت کرے۔

میرے ایک بچپن کے دوست مولوی احمد خاں صاحب متخلص بہ درویش کا ذکر ہے کہ بچپن سے یہ نڈر اور حق گو ہونے کے علاوہ درویش منش بھی واقع ہوئے تھے۔ انتہائی ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم کتابوں سے دلچسپی اور تلاش و تجسس ان کی فطرت ثانیہ تھی یہ قبیلۂ یوسف زئی کے پٹھان اور کٹر قسم کے سنی تھے یہ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہ کے مرید بھی ہوگئے تھے اور پہلے ہی سے نہایت درجہ پابند صوم وصلوٰۃ تھے بوجہ ہم محلگی ہم عمری و دوستی ایام طالب علمی میں دس بارہ سال کے دوران میں باوقات مختلف یہ مجھ سے تبادلہ خیال اور مباحثہ کرتے رہے اور پھر متعدد علماء سے گفتگو اور مطالعہ کتب بسیار کے بعد انہوں نے ۱۳۲۹ھ ف (۱۹۲۰ء) میں مذہب شیعہ اختیار کیا۔

یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ جناب درویش صاحب کا پورا خاندان اور دوستوں کا بھی تمام تر دائرہ اہلسنت کا تھا۔ موصوف پر ہر طرف سے طعن تشنیع کی بوچھار شروع ہوگئی بربنائے عقیدت انہوں نے اپنے دو صاحبزادوں کے ائمہ طاہرین کے نام پر تقی خاں اور عسکری خاں رکھے بمقتضائے الٰہی

یہ بچے کم سنی میں فوت ہوگئے۔ ان کے عزیز اقارب کی طرف سے یہ صدائیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ (معاذ اللہ) منحوس نام رکھنے سے بچے مر گئے۔ غرضکہ درویش صاحب کی زندگی معاشرتی اعتبار سے ایک جہاد بن گئی۔ موصوف ایک دبنگ قسم کے آدمی ہیں۔ انھوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور ہر ایک کو منہ توڑ جواب دیئے۔ طعن تشنیع کا سلسلہ چلتا ہی رہا اور کئی سال بعد بھی جن لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا ہر ایک پوچھتا کہ کیا آپ شیعہ ہوگئے ہیں۔ ایک روز ۱۹۶۲ء میں عید کے دن جب وہ نماز پڑھکر عبادت خانۂ حسینی کے دروازہ سے نکل رہے تھے میری ان کی ملاقات ہوئی تو جیب میں سے ایک کاغذ نکال کر مجھے بتلایا کہ آئے دن کے استفسارات سے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے ذریعہ اخبار اپنی شیعیت کا اعلان کر رہا ہوں۔ یہ ایڈیٹر صاحب اخبار سیاست کے نام مراسلہ کا مسودہ تھا۔ ان کے ہاتھ سے میں نے لے لیا اور کہا کہ درویش اب اس خلجان میں مت پڑو۔ جیسے کو تیسے کا مظاہرہ تم کافی کر چکے ہو اب اپنے حلم کا مظاہرہ کرو اور توفیق ایزدی کا شکر ادا کرتے رہو۔ وہ کاغذ میں نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ جو موصوف کا قلمی اور دستخطی ہے۔ اب موقعہ نکل آیا تو اسکی فوٹو کاپی اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں جو صفحہ ۱۰۴۲ پر آئی ہے۔

میرے چھوٹے بھائی کے دوست مولوی عثمان علی صاحب ایم۔اے ڈپٹی کلکٹر ہر سال عاشورہ محرم کو ننگے پاؤں ننگے سر نکلتے ہیں۔ سال حال (۱۹۶۵ء) موصوف نے نماز عید شیعہ عبادت خانہ میں ادا کی غالباً یہ شیعہ ہو چکے ہیں۔ حال میں اخبار سے معلوم ہوا کہ بتاریخ ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۴ء کراچی میں موصوف کا انتقال ہوگیا۔ مولوی عابد حسین صاحب رضوی سابق رکن وقف بورڈ نے (بربنائے دوستی) انکی مجلس ایصال ثواب بتاریخ ۴ر محرم ۱۴۰۵ھ م ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء منعقد کرائی۔

ایک مشہور مناظرہ کی روئداد کتاب "خورشید خاور" ترجمہ کتاب فارسی "شبہائے پشاور" میں شائع ہوئی تھی جو ۲۳ر رجب ۱۳۴۵ھ سے دس دن تک عالم شیعہ مولانا سید محمد شیرازی اور علمائے اہل سنت مولانا حافظ محمد رشید مولانا شیخ عبد السلام اور مولانا سید عبد الحی کے درمیان بمقام پشاور کثیر مجمع کے روبرو منعقد ہوا تھا۔ اس مناظرہ کے اختتام پر مولانا حافظ محمد رشید، نواب عبد القیوم صاحب، سید احمد علی شاہ صاحب، سیٹھ غلام امامین صاحب، سردار غلام حیدر خاں صاحب، عبد الاحد خاں صاحب اور عبد الصمد خاں صاحب نے مذہب شیعہ قبول کر کے کثیر مجمع کے سامنے اس کا اعلان کیا اور یہ بھی کہا کہ اس مناظرہ کو سنکر اور اسکی روئدادیں روزانہ اخبارات میں پڑھکر اور بھی بہت سے سنی صاحبان شیعہ ہو چکے ہیں مگر مختلف مصلحتوں کی بنا پر فوراً اعلان نہیں کر رہے ہیں۔

گزشتہ سال معلوم ہوا کہ مولوی جلال الدین حسن صاحب سابق نائب ناظم جنگلات بعد تجسس و تحقیق مذہب شیعہ کے اصولوں کی تائید میں ایک کتاب "ایمان و عمل" کے نام سے لکھ دی تھی۔

اعلان

میں اپنے آبائی فرقہ اہل سنت سے تھا عرصہ پندرہ سال سے
اس تحقیق میں تھا کہ اہل اسلام میں جو کئی فرق پر مشتمل ہے۔ اس میں
کونسا فرقہ مناسب حال و مقال رہے گا۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے
اس روشنی میں بعد تحقیق کامل اس نتیجہ پر پہنچا کہ فرقہ امامیہ ہی ایک ایسا
فرقہ ہے جو دین فطرت کے لحاظ سے صراط مستقیم پر لے چلتا ہے
جس بنا پر فرقہ امامیہ کو دل دیا اور اس میں داخل ہو کر مشرف ہوا
اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ جس طرح اس فرقہ میں داخل ہونے کی
مجھکو توفیق عنایت فرمایا ہے اس پر استقامت بھی عطا فرمائے آمین ثم آمین

[illegible] اخبار سیاست [illegible]
[illegible]

احقر فضل [illegible] درویش [illegible]

[illegible] ۶۲/۵

سالگزشتہ روز عاشورہ موصوف باوجود علالت مجلس عزا میں بھی نظر آئے تھے۔

مولوی محمد عابد علی صاحب عثمانی بی ایس سی برادر مولوی حامد علی صاحب عثمانی ایڈووکیٹ نے مذہب شیعہ اختیار کرکے امر محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء کو مجلس عزا برپا کی جس میں مولانا اقبال علی نے زید نجی بیان فرمایا اب موصوف ہر سال مجلس عزا برپا کر رہے ہیں۔

عید نہم غدیر و مباہلہ کے متعلق دو لفظ

اور ربیع الاول ۸۵ھ کو موصوف کے پاس عید نہم کی ضیافت بھی ہوئی۔ عید نہم کے متعلق دو لفظ بے محل نہ ہوں گے۔ عام طور پر لوگوں کا ایسا خیال دیکھنے میں آیا کہ شیعوں کی عیدیں کوئی پراسرار نوعیت کی ہوا کرتی ہیں اور کہتے ہیں کہ عید نہم کیا ہے یا عید غدیر کیا ہوتی ہے۔ ایسے خیالات محض بے اصل ہیں۔ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد جب خاندان رسول کا لٹا ہوا قافلہ یزید کی قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرکے کئی ماہ بعد رہا ہوا اور پھر کربلا جاکر بالآخر مدینہ واپس آیا اور جار یہ مصائب سے یک گونہ خلاصی ملی اور یہ خیال کیا گیا کہ اہل بیت کا سوگ اترا تو یہ زمانہ شہادت حسین کے ایک سال بعد ماہ ربیع الاول کا تھا اور اتفاق ہے اس مہینے میں اور ربیع الاول کو ابن سعد ملعون واصل جہنم ہوا جو میدان کربلا میں یزید کی فوج کا کمانڈر تھا۔ اور جس نے امام حسین علیہ السلام کی طرف پہلا تیر یہ کہکر چلایا تھا کہ لوگو گواہ رہو کہ حسین پر پہلا تیر پھینکنے والا میں ہوں یوں تو خاندان رسولؐ کا حزن وملال عمر بھر رہا اور امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی عمر کے بقیہ چالیس سال کبھی بغیر گریہ کئے پانی نہ پیا اور زندگی بھر لوگوں نے آپ کو ہنستے نہ دیکھا اور حضرت ام لیلیٰ والدہ شاہزادہ علی اکبر تا زندگی کبھی سایہ میں نہ بیٹھیں مگر فی الجملہ مصائب سے خلاصی اور ابن سعد لعین کی موت ان سب واقعات کو ملاکر دوستداران آل رسول نے اسکو ایک قسم کا یوم فرح خیال کیا۔ شیعوں کا یہ اصول ہے کہ رسولؐ اور آل رسولؐ کی ہر خوشی میں خوشی منانا اور ان کے ہر غم میں غم منانا اور خاندان رسولؐ کی تاسی کرنا اپنے پر واجب جانتے ہیں۔ تاکہ ارشاد خداوندی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کی تعمیل میں اپنے تولا کا ثبوت دیں۔ خواہ یہ خوشی یا غم بڑا ہو چھوٹا ہر ایک میں دل سے شرکت کرتے ہیں۔ حالانکہ دیکھنے میں یہ آیا کہ عید نہم کو بھی بعض شیعہ ہنستے ہنستے بھی آنسو بہانے لگے کیونکہ شاید یہ خیال آجاتا ہے کہ وہ کونسا سوگ تھا جس کے ختم پر یہ خوشی کا موقعہ آیا ہے۔ بہرحال خاندان پیغمبر کی تاسی مقصود ہے اور بس اسی طرح عید غدیر ۱۸ ذی حجہ کو منائی جاتی ہے اور یہ وہ دن ہے کہ حسب ارشاد ربانی حضرت سرور کائنات نے اپنی عمر کے آخری حج کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین قرار دے کر دو لاکھ مسلمانوں کے سامنے آپ کو ہاتھوں پر بلند کرکے فرمایا تھا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ غور کیا جائے تو یہ ہر مومن کیلئے عید کا دن ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے عید غدیر کی مبارکباد میں رباعیاں لکھیں جس میں سب مومنین کو اور اپنے آپ کو بھی مبارکبادی دی ہے۔

متعدد اہل طریقت نے اس خوشی میں اشعار لکھے ہیں۔ علامہ مغربی شافعی کا تہنیت عید غدیر کا قصیدہ مشہور ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

واوضح بالتاویل ما کان مشکلا　　علم بعلم نال بالوصیۃ

اس طرح عید مباہلہ اس یوم کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ جبکہ قرآن شریف میں آیت مباہلہ نازل ہونے کے بعد حضرت رسول معہ حضرت علیؑ جناب فاطمہ و شاہزادگان حسنؑ و حسینؑ نصارائے بنی نجران سے مباہلہ کے لئے تشریف لے گئے اور ان پنجتن پاک صادقین کے جھوٹوں کے حق میں بددعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کے ساتھ ہی آثار قہر الٰہی نمودار ہو گئے اور آفتاب سیاہ ہو گیا اور نصارائے بنی نجران نے مباہلہ سے دستبردار ہو کر کے حضرت رسول کے سامنے سر ٹیک دیا۔ عید مباہلہ حضرت رسول و اہلبیت رسول کی اسی کامیابی کی یاد ہے

عید نوروز کیا ہے | سنہ عیسوی کی ۲۱ مارچ عید نوروز کی تاریخ ہے۔ ایران میں سنہ فصلی سال اسی تاریخ سے شروع ہوتا ہے علم ہیئت کے اعتبار سے سورج بارہ برجوں میں سے برج حوت سے برج حمل میں اسی تاریخ داخل ہوتا ہے۔ علم نجوم کے اعتبار سے یہ سورج کے عروج کا مقام ہے۔ جیسے برج عقرب قمر کیلئے زوال کا مقام ہے۔ موسم سرما کے چھوٹے دنوں کے بعد اس تاریخ رات اور دن دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ جغرافیائی زبان میں اسکو اعتدال ربیع کہتے ہیں جسطرح چھ مہینہ بعد ماہ ستمبر میں اعتدال خریف ہوتا ہے۔ مشیت ایزدی نے بہت سی خصوصیات اس تاریخ میں جمع کر دی ہیں جن میں سے کئی ایک کا تعلق فضیلت رسول و آل رسول سے ہے۔ ہم ذیل میں علامہ مجلسی کی کتاب زاد المعاد مطبوعہ نول کشور پریس مارچ ۱۸۸۵ء کی فصل ہفتم "در بیان فضیلت و اعمال نوروز" صفحہ ۷۰ تا ۷۵ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی معلیٰ بن خنیس کی روایت اقتباساً درج کرتے ہیں جنھوں نے حضرت امام کے ارشاد کو نقل کیا ہے۔ (۱) ۲۱ مارچ روز الست کی تاریخ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے ارواح سے اپنی وحدانیت، حضرت ختم المرسلین کی رسالت اور حضرت علی اور ائمہ اطہار کی ولایت و امامت پر ایمان کا عہد لیا۔ (۲) اسی تاریخ آفتاب کی پہلی شعاع زمین پر پڑی (۳) اسی تاریخ مرتبہ اول زمین پر ہوا چلی۔ (۴) اسی تاریخ حضرت نوحؑ کی کشتی جب پنجتن پاک کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی (جو ماہ جولائی ۱۹۵۱ء میں روس میں کوہ قاف کی چوٹی سے برآمد ہوئی) طوفان سے بچکر کوہ جودی پر جا کر ٹھہری۔ (۵) اسی تاریخ حضرت ابراہیم نے مشرکوں کے بت توڑے (۶) اسی تاریخ حضرت ابراہیم کیلئے نار نمرود گلزار بنی (۷) اسی تاریخ حزقیل پیغمبر نے بحکم خدا ستر ہزار مردہ جسموں پر پانی چھڑکا جس سے وہ سب زندہ ہو گئے۔ (اسی کی یاد میں بعض مومنین میں ایک دوسرے پر پانی چھڑکنے کی رسم رائج ہے) (۸) حضرت رسول کے جو روز ازل سے نبی تھے اعلان بعثت کی یہی تاریخ تھی (۹) حضرت ختمی مرتبت کی پہلی معراج اسی تاریخ ہوئی تھی (۱۰) فتح مکہ کے بعد اسی تاریخ حضرت علی علیہ السلام نے دوش اقدس رسول پر کھڑے ہو کر کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔ (۱۱) اسی تاریخ مولائے کائنات حسب ایماء حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی جنیاں میں گئے اور اجنہ نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۱۲) اسی تاریخ بحکم خدا حضرت ختمی مرتبت نے میدان غدیر خم میں مولائے کائنات

کی ولایت کا اعلان فرمایا اور تمام مسلمانوں کو آپکی بیعت کا حکم دیا - (۱۳) حضرت امیر المومنین کی خلافت ظاہری کی بیعت بھی لوگوں نے اسی تاریخ کی - (۱۴) اسی تاریخ شیر خدا نے جنگ نہروان فتح کی - (۱۵) حضرت صاحب عصر علیہ السلام کا ظہور بھی قرب قیامت اسی تاریخ ہوگا -

حسب ارشاد حضرت ختمی مرتبت اس تاریخ غسل کرنا اچھا لباس پہنا ، خوشبو لگانا اور بعد نماز ظہر دو دو رکعت کرکے جملہ چار رکعت نماز ادا کرنا سنت ہے جس میں پہلی رکعت میں بعد سورۂ حمد سورۂ انا انزلناہ دس مرتبہ دوسری رکعت میں بعد حمد سورۂ قل یا ایہا الکافرون دس مرتبہ تیسری رکعت میں بعد حمد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پھر چوتھی رکعت میں بعد حمد سورۂ فلق اور ناس دس دس مرتبہ پڑھنا چاہیئے اسکے بعد ایک دعا بھی روایت میں درج ہے -

اس ذیلی ذکر کے بعد ہم موضوع کی طرف واپس آتے ہیں - ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کے بعض رسائل میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مشہور اہل قلم مولوی سید امتیاز علی تاج بیگم جناب امتیاز علی اور ان کی صاحبزادی یاسمین امتیاز علی تاج نے مذہب شیعہ قبول کرلیا - مولوی روشن علی صاحب نیازی ابوالعلائی خلف جسٹس غلام علی صاحب سابق جج ہائیکورٹ بمبئی جو اہل طریقت سے ہیں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان فرما چکے ہیں - میرے علم میں ایسے اور بھی متعدد اصحاب ہیں جنھوں نے بعد تحقیق مذہب سنی ترک کرکے امامیہ طریقہ اختیار کیا - ایسے طالبان حق کے متعلق ان کے اہل خاندان کی طعن و تشنیع بھی قابل ملاحظہ ہوتی ہے - ایک سنی صاحب نے مذہب شیعہ اختیار کرکے یہ خلاف طریقہ خاندانی اپنے دو فرزندوں کے نام ائمہ اطہار کے ناموں پر رکھے - بقضائے الہٰی ان کے یہ دونوں فرزند ایک ایک سال کے ہوکر انتقال کرگئے ان صاحب کے ماں باپ اور بہن بھائیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ (معاذ اللہ) منحوس نام رکھنے سے بچے مرگئے -

ناموں کے سلسلہ میں ایک اور ذکر بے محل نہ ہوگا - میرے ایک سنی عزیز کے تین بیٹوں کے نام ائمہ اہلبیت اطہار کے ناموں پر رکھے گئے میں نے ان سے کہا کہ کیا مبارک نام آپ نے رکھے ہیں یقیناً یہ حصول سعادت کا موجب ہوں گے - انھوں نے جواب دیا "نہیں ہرگز نہیں - ناموں کا رکھا جانا ائمہ سے کسی عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ اتفاقی امر ہے" - گویا بقول حافظ ؎

از نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است   واز ننگ چہ پرسی کہ مرا نام ز ننگ است

میرے ایک دوست سابق مددگار ناظم جنگلات میرے ہم محلہ تھے یہ خاندانی سنی ہیں نہایت نیک پابند صوم وصلوٰۃ انتہائی دیانت دار شخص ہیں جو محکمۂ جنگلات کی تقریباً تیس سال کی ملازمت کے بعد بھی مفلس رہے - ان کی صاف قلبی اور نیکی دیکھ کر مجھے خیال گزرتا تھا کہ ایسے نیک اور

مذہبی رجحان رکھنے والے آدمیوں کو بھی حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کیوں نظر نہیں آتی۔ جو دل نیکی کو قبول کرنیوالے ہیں اور جن میں کوئی کھوٹ نہیں ان کو ایسی عظیم ہستی سے محبت کیوں نہیں ہو جاتی۔ بہر حال ایک دن ایسا ہوا کہ تقریباً تیس سال قبل گھر میں ایک قوالی کی محفل میں صاحب موصوف کو مصرع ذیل پر بڑی کیفیت ہوئی"۔

"حمایت کو حیدر شفاعت کو تو ہے"۔ بار بار حمایت کو حیدر حمایت کو حیدر کہتے جاتے۔ بعد ختم محفل اسی موضوع پر کچھ باتیں ہوتی رہیں۔ جو فقرہ آخر میں انھوں نے فرمایا وہ یہ تھا" خلفاء ثلاثہ کے مقابلہ میں حضرت علی علیہ السلام کو میں ایسا سمجھتا ہوں جیسے بلیک بورڈ کے سامنے ایک ہیرا چمکتا ہے"۔ یہ انہیں کے الفاظ تھے۔

میں نے اوپر کی عبارت میں موصوف کا نام نہیں لکھا تھا۔ اس وجہ سے کہ ان سے اجازت لینے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ تیس سال پہلے کی ملاقاتوں کے بعد ۵ سال پہلے ایک میّت کے موقعہ پر ان سے ملاقات ہوئی۔ موصوف نے موقعہ نکال کر اپنی عقیدت اہلبیت کا اعادہ کیا۔ پھر چند ماہ قبل ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ ہماری گھر کی گفتگو کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ مگر آپ کا نام نہیں لکھا ہے تو انھوں نے نہ صرف اہل دلی سے بلکہ اصرار سے فرمایا کہ میرے نام کو ضرور بضرور ظاہر کیجئے تاکہ مجھے سعادت اور فلاح دارین حاصل ہو۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ "ہماری حالت" ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کی ہے کہ ہم سب باتوں کو سمجھ چکے ہیں اور دل کو ان کا یقین بھی ہے مگر جب ہم ان باتوں کا اظہار اپنے سنی عزیزوں یا دوستوں سے کرتے ہیں تو وہ لڑنے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے خاموش رہنے کا طریقہ اختیار کر لیا ہے"۔

ایک مشہور اہل طریقت بزرگ نے جو ایک ذمہ دار سرکاری عہدہ دار بھی رہ چکے ہیں مجھ سے بیان کیا کہ خلفائے ثلاثہ سے ان کو قطعاً بیزاری ہے۔ نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ بندہ نواز کے خاندان کے ۸۰ فیصدی حضرات شیعہ خیالات کے ہیں خواہ وہ سنی ہی کیوں نہ کہے جاتے ہوں۔ ممدوح نے یہ بھی بیان کیا اور ایک سنی خاندان کے جاگیردار صاحب نے تصدیق کی کہ حیدرآباد کے ایک مشہور مفکر پی۔ ایچ۔ ڈی جو سنی خاندان کے ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور حال ہی میں تفسیر قرآن لکھی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ "ایمان صحابہ کے زخرہ (حلق) سے نیچے ہی نہیں اترا اور ان لوگوں نے حضرت رسولؐ کو چین سے مرنے بھی نہ دیا۔ جب حضرت رسول نے اسامہ بن زید کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے عذر و حیلہ شروع کیا اور جب آنحضرت نے سختی سے فرمایا تو کچھ دور گئے بھی تو موقعہ پاتے ہی پھر واپس آگئے"۔

چار پانچ سال پہلے یوم حسینؑ کے سلسلہ میں سنی اور شیعہ علماء کا ایک مشترکہ جلسہ بمقام حسینی علم

منعقد ہوا جس میں مولانا سید شمیم احمد صاحب شطاری کامل مُدظلہ بھی تشریف رکھتے تھے میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں مولانا موصوف من کُنتُ مولاہ فعلی مولاہ سے عنوان کرکے ایک بلند پایہ تقریر کرنے کا جو ذکر کیا ہے وہ اسی جلسہ سے متعلق ہے۔ اس جلسہ میں مجمع کثیر میں ایک سنی صاحب نے اپنی نظم سُنائی جس میں انھوں نے یہ مضمون باندھا تھا کہ "سقیفہ بنو ساعدہ سے (جہاں حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہوئی تھی) مجھے تو بوئے نفاق آتی ہے"۔

مولوی میر نصرت علی صاحب میرے والد بزرگوار کے دوست تھے۔ نظام آباد پر یہ ناظم ضلع تھے اور میں منصف۔ یہ نہایت رقیق القلب واقع ہوئے تھے اور انتہائی نیک مزاج۔ کسی کی مصیبت سنتے تو رو دیتے۔ ان کے سامنے جو مقدمے پیش ہوتے ان میں سے بعض غریب اور قابل رحم اہل مقدمہ کا ذکر کرتے تو اپنے آنسو نہ روک سکتے۔ مجھے یہ خیال گزرتا کہ ایسے اشخاص کو بھی کیا مصیبت حسین پر رونا نہیں آتا۔ ایک دن انھوں نے اپنی ایک نظم مجھے سُنائی جو سابق میں کسی جلسہ میں انھوں نے پڑھی تھی۔ اس میں کچھ مذہبی رنگ اور کچھ حالات زمانہ کا تذکرہ تھا۔ بعد حمد و نعت انھوں نے خلفائے ثلاثہ کا تذکرہ محض اچھتے پیرایہ میں کیا تھا اور حضرت مولیٰ مشکل کشا کی منقبت میں مسلسل کئی اشعار کہے تھے۔ یہ مسلمہ سنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ خلاف معمول و رواج زمانہ آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی مدح اس طرح بڑھ چڑھکر کیسے کی ہے۔ اس بات پر مولوی نصرت علی صاحب رونے لگے اور مجھ سے کہا "میاں مجھے کیا سمجھتے ہو۔ میں مولا کو فضیلت دینے والوں میں ہوں۔ جب کبھی مُصیبت پڑتی ہے یا علیؑ کہتا ہوں اور جب باہر نکلتا ہوں اپنی پیشانی پر اور موٹر پر یا علیؑ لکھتا ہوں"۔

حضرت والد مرحوم ذکر فرماتے تھے کہ سفر حج میں جہاز پر ایک ضعیف العمر بیمار صاحب اور ایک جوان العمر عرب صاحب کے درمیان فضائل اہلبیت و صحابہ کے متعلق مُباحثہ ہونے لگا دونوں صاحبین سنی ہی تھے ضعیف العمر صاحب بہت سمجھاتے رہے کہ اہل بیت رسولؐ کے سامنے سب صحابہ ہیچ ہیں۔ مگر عرب صاحب اہل بیت علیہم السلام پر اصحاب ہی کو تقدم دئے جاتے تھے۔ ضعیف العمر صاحب نے آخر میں زچ ہو کر کہا "اچھی بات ہے ٹھیرو آخر مرو گے نا۔ کل قبر میں پتہ چلے گا"۔

بہرحال مطلب یہ ہے کہ ایسے نرم دل لوگ جن کے دل میں نیکی نمایاں ہوا اور شقاوت موجود نہو اور دل صاف ہو اور کھوٹ سے بھرا نہ ہو چل چلا کر اہلبیت علیہم السلام کی محبت میں گرفتار ہو ہی جاتے ہیں خصوصاً جب عمر کا بڑا حصّہ طے کرکے موت کے قریب ہو جاتے ہیں اور تاریکی قبر حساب و دوزخ کے نقشے آنکھوں میں گھومتے ہیں تو اب اہل بیت علیہم السلام کے نام سے کترانا ترک کرتے جاتے ہیں اور ان ذوات قدسیہ کی تنقیص شان کا جذبہ نفس امارہ کی حدّت کی کمی کے ساتھ

کم ہوتا جاتا ہے۔ اس نوبت پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب دامنِ اہلبیت کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔

باب العلم مشکل کشا صاحب جود و سخا کا در کھلا ہوا ہے جس کے در سے کوئی سائل بے مُراد نہ پھرا فرشتے اور سردار ملائکہ تک آن آن کر مانگ کرے گئے۔ کس نے روکا ہے جس کا دل چاہے کھلے دل سے آئے اور دامن ایمان میں جتنی وسعت ہے بھر لے۔

ایک اہل طریقت سے مختصر گفتگو

بتاریخ ۲۴ صفر ۱۴۰۵ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۸۴ء سید اظہر احسن سلمہٗ کے پاس مجلس عزا میں

درگاہ حضرت حسین شاہ ولیؒ کے سجادہ صاحب مجھ سے ملے اور خود مخاطب ہو کر فرمایا کہ شاید آپ مجھے بھول گئے۔ میں نے معافی چاہی اور کہا کہ یاد آیا تقریباً دس برس پہلے ایک مجلس عزا میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف نے اپنا تعارف کروایا اور فرمایا کہ چالیس سال سے برابر مجالس عزا میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جس درگاہ سے آپکا تعلق ہے مجھے بھی اُس سے کچھ ربط رہا ہے۔ پہلے وہ ربط بیان کر دیتا ہوں اور پھر آپ سے ایک سوال کروں گا۔ میں نے بتایا کہ کم و بیش پچاس برس پہلے میں اپنے دوست مولوی جمال الدین صاحب کے ساتھ حضرت حسین شاہ ولیؒ کے عرس میں کئی سال شریک ہوتا رہا ہوں کیونکہ مجھے ممدوح کے خاص خیالات کی خبر دی گئی تھی۔ ایک دفعہ میں اور جمال ایک اہل طریقت بزرگ کے ساتھ جن سے میرا کچھ زیادہ ربط ہو گیا تھا۔ عرس میں گئے۔ یہ بزرگ کشف قبور کا عمل پڑھا کرتے تھے جس کے ذریعہ کہا جاتا ہے کہ صاحب قبر سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ موصوف مزار پر فاتحہ پڑھتے کھڑے ہوئے اور میں بھی انکے بازو کھڑا ہو گیا ان کے مراقبہ کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا اور میں خاموش کھڑا رہا۔ دیکھا تو ایک بزرگ کے صاف شفاف پاؤں نظر آئے پھر اوپر نظر کی تو ایک نورانی شکل کے بزرگ کو سامنے کھڑے پایا۔ میں نے خیال کیا کہ کہیں خواب تو نہیں ہے اور میں کھڑے کھڑے کہیں سو تو نہیں گیا۔ مگر غور کیا تو نیند کا کوئی شائبہ نہ تھا اور وہ بزرگ سامنے تشریف فرما ہی تھے۔ جب ان اہل طریقت کا مراقبہ یا مکاشفہ ختم ہوا تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا اور مزید تفصیلات بھی بیان کئے جو مجھے نظر آئے تھے۔ مثلاً اس مقام کی ہیئت اور کچھ اور لوگوں کا نظر کرنا وغیرہ۔ تب انہوں نے کہا کہ وہ کشف قبر کا عمل پڑھ رہے تھے اور شاید میرا دل کچھ صاف ہے اور اس نے کشف قبر کے عمل کے اثر کو قبول کر لیا اور مجھے بھی صاحب قبر بزرگ نظر آئے۔

انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ لوگ کون کون ہیں جو مجھکو نظر آئے تھے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد میں بیمار پڑا اور خواب میں دیکھا کہ حضرت حسین شاہ ولیؒ نے اپنے پاس سے نکال کر ایک دوا مجھے کھلائی۔ صبح میں نے محسوس کیا کہ میرا مرض جاتا رہا۔

تیسری بات جو میں نے سجادہ صاحب سے کہی یہ تھی کہ ان کے والد صاحب ضیاء الحسن صاحب قبلہ کے پاس میں اپنے بہنوئی وزیر علی صاحب کے ساتھ وہاں کے طریقہ کے مطابق پان (برگِ سبز) اور چائے کی پتی کے تحفہ کے ساتھ جایا کرتا تھا اور تبادلہ خیالات بھی ہوتا تھا۔ برسبیل تذکرہ میں نے پوچھا وہ صاحب کون تھے جو درگاہ کے علاقہ کی مسجد میں بیٹھ کر بلند آواز سے "یا علی مدد" "یا علی مدد" کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ سجادہ صاحب نے کہا وہ مسجد کے پیش امام ان کے بہنوئی سید حسین صاحب تھے جنکا بارہ تیرہ سال قبل انتقال ہوگیا۔ اتنے حوالے دیکر میں نے کہا اب میں آپ سے وہ سوال کرتا ہوں کہ خلافت و امامت کے مسئلہ میں آپکا کیا خیال ہے۔ اس کے جواب میں جو کچھ انہوں نے فرمایا لفظ بہ لفظ درج کر دیتا ہوں کہ آج ہی کا واقعہ جسکو میں قلمبند کر رہا ہوں اور ذہن میں تازہ ہے' انہوں نے فرمایا" ایک روز وہ خطیب مکہ مسجد مولانا منیر الدین صاحب قبلہ کے پاس گئے۔ خطیب صاحب نے عربی زبان میں لکھی ہوئی امام شافعی کی ایک کتاب بتائی اور پڑھکر اُردو ترجمہ بھی کرتے گئے کہ جس دن غدیر کی عید منائی جاتی ہے خم کے مقام پر حضرت رسولؐ نے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ فرماکر حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرما دیا۔ اسکے ساتھ ہی ایک عرب آیا اور رسولؐ اللہ سے مباہلہ کرنے لگا کہ آپنے کلمہ پڑھوایا نماز روزہ رکھنے کہا ہم نے قبول کر لیا۔ اب علی کو ہمارے اوپر مقرر کر دے رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا وحی کی بناء پر رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بناء پر ہے۔ عرب نے کہا اگر یہ سچ ہے تو مجھ پر عذاب نازل ہو۔ یہ کہکر وہ اپنی اونٹنی کے قریب تک نہ پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اسپر گرا اور وہ فنا ہوگیا۔ مولانا منیر الدین صاحب یہ بیان سناتے ہوئے سجادہ نشین صاحب نے کہا کہ حضرت علیؑ رسولؐ اللہ کے بعد آپ کے خلیفہ اور جانشین برحق تھے۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے سوال کیا کہ جن لوگوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم نہیں بلکہ خود اپنے خلیفۂ رسولؐ ہونیکا ادعا کرنے لگے آیا وہ حق پر تھے یا باطل پر۔ سجادہ صاحب نے کہا کہ تاریخ پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ اور آپ تو کافی پڑھ چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ میرا سوال تو آپ سے ہے۔ کیونکہ میں اہل طریقت کے خیالات اپنی کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ انھوں نے کہا اس موقعہ کیلئے ہمکو ہدایت کیگئی ہے کہ گفتگو سے گریز کیا جائے۔ میں نے کہا کہ اسلام تو مذہب عقل ہے۔ ہدایت کی بناء پر آپ گریز کریں تو کر لیجئے مگر صرف اس قدر بتایئے کہ گریز کس بناء پر کیا جاتا ہے۔ کچھ سوچ سمجھکر یا بغیر سمجھے۔ مجلس کے بعد کھانا بھی ختم ہو چکا تھا اور سب لوگ رودؔ عرسؔ بنجارہ ہلز (جو شہر سے کسی قدر دور مقام ہے) واپس ہو رہے تھے سجادہ صاحب بھی واپس ہونے لگے۔ میں نے کہا کہ یہ غیر مختتم گفتگو انشاءاللہ آپکی ہماری تیسری ملاقات میں مختتم ہو جانی چاہیئے۔ انھوں نے میرے مکان کا پتہ دریافت کیا اور میں نے کہا آپ جس وقت چاہیں تشریف لائیں۔ اس واقعہ کو میں نے یہ بتانے کیلئے درج کر دیا کہ مسئلہ خلافت و امامت کے متعلق گفتگو میں لوگ کسقدر محتاط رہتے ہیں۔

مولوی عبیداللہ بسمل امرتسری کے بعض خیالات کے متعلق چند سطور

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کے آخر میں ہم ایک تفضیلیہ خیالات کے سنی بزرگ مشہور مصنف مولوی عبیداللہ بسمل امرتسری کے بعض خیالات کا ذکر اور ان سے پیدا ہوسکنے والی امکانی غلط فہمی کے ازالہ کے طور پر چند سطور حوالہ قلم کر دیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولوی صاحب موصوف نے اپنی کتاب "ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب امام المشارق والمغارب" بڑی محنت سے لکھی ہے اور حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت اطہار کے متعلق آیات قرآنی اور سینکڑوں احادیث و روایات مستند کتب اہل سنت سے سعیٔ بلیغ کے ساتھ جمع کی ہیں اور کتاب بھی کافی ضخیم یعنی تقریباً آٹھ سو صفحہ کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سطحی طور پر دیکھکر کوئی شخص یہ خیال کرسکے کہ جب اتنی محنت سے کسی نے کتاب لکھی ہے تو ممکن ہے کہ اسکی رائے اور خیال سب صحیح ہو اولاً تو جیسا کہ میں نے اپنی اس ناچیز کتاب کے مقدمہ میں عرض کیا ہے۔ ضرورت یہ دیکھنے کی ہوا کرتی ہے کہ کیا بات کہی جارہی ہے اور اس پر تکیہ کرنا نہیں ہے کہ کون کہہ رہا ہے۔ اس کے علاوہ چند متضاد امور جو مولوی صاحب نے درج فرمائے ہیں ہم یہ بتائیں گے کہ وہ بجائے خود ہی ایک دوسرے کی نفی کر دیتے ہیں۔ ان کے جن خیالات کی طرف ہمارا اشارہ ہے ہم مولوی صاحب ہی کے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) خلافت امر منصوص من اللہ نہیں تھی۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک صحابی مستحق خلافت تھا۔ اگر استحقاق خلافت کی نسبت دیکھا جائے تو استحقاق خلافت من حیث النبوۃ کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ کیونکہ خلافت فی النبوۃ امر محال ہے باقی رہ گئی خلافت فی البقاء اصلاح امت تو عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک کو اس کا استحقاق حاصل تھا۔ جسکو حاصل ہوگئی وہی خلیفہ ہوگیا۔

(۲) جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیت کے بعد حضرات شیخین صحابہ میں افضل تھے۔

(۳) اگر بفرض محال حضرات خلفائے ثلاثہ ایسے ہی تھے جیسے کہ ہمارے امامیہ احباب بیان کرتے ہیں تو ہمکو یہ خیال ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو آنحضرت کے منبر پر کیوں بیٹھنے دیا۔ آنحضرت کے پہلو میں ان کو کیوں دفن ہونے دیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اصحاب جناب امیر جیسے اشجع عرب سے فدک چھین لیں۔ "خلافت غصب کرلیں" گھر جلادیں۔ وغیرہ وغیرہ اور جناب امیر ان کا منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں۔ کوئی بنی ہاشم برسر غیرت نہ آئے اور قومی اسلامی ذلت گوارا رکھے۔ اب ہم ان دوسرے خیالات کا ذکر کرتے ہیں جو مولوی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں بیک قلم ظاہر فرمائے ہیں۔ مولوی صاحب دوازدہ ائمہ اہل بیت اطہار کو امام تسلیم کرتے ہیں اور بارہویں امام حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری علیہ السلام کا پیدا ہوچکنا اور اسوقت بقید حیات ہونا اور بعالم غیبت دنیا میں آج بھی موجود ہونا بحوالہ احادیث درج کرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے وہ احادیث بھی

درج کی ہیں جن میں حضرت رسولؐ خدا نے بیان فرمایا تھا کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے اور آپ نے ان بارہ خلفاء کے نام بھی ظاہر فرما دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ ان بارہ میں سے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ باقی نو خلفاء امام حسینؑ کی اولاد میں ہوں گے اور آخری ان کا مہدی بن حسن عسکری ہوگا۔ مولوی صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا مولائے مومنین قرار پانا بحکم خدا اور نص قرآن سے تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ منزل غدیر خم پر آیت یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نازل ہونے کے بعد حضرت رسولؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور پھر اسی مقام پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم... نازل ہوئی جس سے دین کی تکمیل ہوئی اور حضرت رسولؐ نے شکر ادا کیا۔ متعدد آیات قرآنی۔ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ۔ انی جاعلک للناس اماماً قال من ذریتی قال لاینال عھد الظالمین اور انا اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً..... وآل ابراھیم اور وجعلنٰھم ائمۃً یھدون بامرنا وغیرہ کی موجودگی میں پھر حضرت علی علیہ السلام کے مولائے مومنین انھیں معنوں میں کہ حضرت رسول مولا ہیں قرار پانے میں کونسے نص کی کمی رہ گئی۔ مولوی صاحب نے بحوالہ احادیث کثیرہ جناب علی مرتضیٰ کے وہ القاب بھی درج کئے ہیں جو حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمائے تھے مثلاً امام المتقین، ولی المتقین، امیر المومنین، سید المسلمین، سید الصادقین، سید العرب، سید فی الدنیا والآخرہ، مولا المومنین، حجۃ اللہ، ولی اللہ، صفوۃ اللہ، قسیم النار والجنۃ، نفس رسول اللہ وزیر رسول اللہ وارث رسول اللہ، خلیفہ رسول اللہ وغیرہ۔

جناب علی مرتضیٰ کا اولی الامر اور وارث کتاب خدا ولیٔ امت اور صاحب تطہیر ہونا بھی مولوی صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے صریح آیات اور واضح ارشادات رسولؐ کوئی معنی رکھتے ہیں یا محض زینت قرطاس کے لئے ہیں۔ منصب امامت وخلافت ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص خود امام یا خلیفہ بن جائے۔ اس کتاب کے باب اوّل میں ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور بہت سی آیاتِ قرآنی درج کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام یا خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے (جیسا کہ رب العزت نے حضرت ابراہیم کے لئے انی جاعلک للناس اماماً اور حضرت آدم کے لئے انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ اور حضرت داؤد کے لئے یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃً فی الارض فرمایا ہے) اب ائمہ اہل بیتِ اطہار کی جو کہ سب کے سب آل رسولؐ سے ہیں کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے۔ سلام علی آل یاسین اور آیت تطہیر میں ان کی پاکی اور معصومیت کی سند عطا کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ وکذالک جعلنٰکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداءَ علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔ یہ اور ایسی متعدد دیگر آیاتِ قرآنی کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت رسولؐ نے جو مصداق ما ینطق عن الھوا ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ ہیں جب اپنے بارہ خلفاء (از علی مرتضیٰ تا مہدی آخر الزماں) کے نام شرح وتعین کے ساتھ فرما دیئے تو یہ خلافت بہ حکم خدا ہوئی یا خود ساختہ؟

مولوی صاحب کا پھر یہ کہنا کہ خلافت امر منصوص من اللہ نہیں ہے کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ
خلافت فی النبوۃ امر محال ہے کس دلیل کی بنیاد پر ہے۔ ذات الوھیت نے تک تو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور
جہاں قادر مطلق کا بھی خلیفہ ہو سکتا ہو تو نبی کا خلیفہ ہونے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔ مولوی صاحب کا شاید
یہ تصور ہو کہ نبوت چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہوتی ہے اس وجہ سے نفس نبوت کی خلافت نہیں ہو سکتی
اس کے معنی یہی ہیں کہ نبی کا بیٹا ہونے کی بناء پر نبوت عطاء نہیں ہوتی اور لازمی نہیں کہ نبی کا بیٹا نبی ہو مگر یہ
کیا ضروری ہے کہ ہر نبی کی آل پسر نوح ہی ہو۔ جسطرح متعدد انبیاء کے بیٹے نبی ہوئے۔ جیسے آدم کے بیٹے شیث ابراہیم
کے بیٹے اسمٰعیل اسحاق کے بیٹے یعقوب ان کے بیٹے یوسف داؤد کے بیٹے سلیمان زکریا کے بیٹے یحییٰ تو اسی طرح
کسی وارث رسولؐ کو اللہ تعالیٰ اس کے ذاتی فضل کی بناء پر خلافت عطا فرمائے تو اس میں کون امر مانع ہے۔
پھر یہ بھی کیا ضروری ہے کہ خلیفۂ رسولؐ خود بھی رسول ہو جبکہ رسالت حضرت خاتم النبیین پر ختم ہو چکی۔ ہاں کردار اور
صفات میں رسولؐ سے مماثلت رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کا حق جانشینی ادا کر سکے خلافت اور امامت کوئی علیحدہ
علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی نسبت سے دیکھا جائے تو وہ منصب خلافت کہلاتا ہے اور امت کی
نسبت سے دیکھا جائے تو وہ امامت ہے۔ یعنی اللہ و رسولؐ کا خلیفہ اور اُمت کا امام حضرت رسول نے اپنے بارہ
خلفاء کے نام جو ظاہر فرمائے وہ انہیں بارہ ائمہ اہل بیت کے نام ہیں۔ حضرت رسولؐ کا اپنے خلفاء کے یہ نام ظاہر فرمانا
علم نبوت کی بناء پر یہ خبر دینا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ذوات قدسیہ کو یہ منصب امامت عطا فرمایا ہے یہ اپنی طرف سے
نامزدگی نہ تھی۔ منصب خلافت و امامت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اور وہ ایسے ہی صفات والے کو عطا فرماتا
ہے جو خلافت الٰہیہ اور جانشینی رسولؐ کی اہلیت و اوصاف ضروری رکھتا ہو۔ اگر آل یٰسین و طٰہٰ کو اللہ تعالیٰ نے
منصب امامت کیلئے انتخاب فرمایا تو اس میں کونسے اعتراض کی گنجائش ہے۔ پھر یہ امر ظنی یا قیاسی بھی نہ رہا
بلکہ حضرت رسولؐ نے بصراحت اپنے بارہ خلفاء (دوازدہ ائمہ اہل بیت) کے ناموں کا اظہار فرما دیا۔ بہرحال جس
نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے خلافت رسولؐ کو امر محال کہنا کسی طرح صحیح نہیں بیٹھتا۔ مولوی صاحب نے یہ صاف
صاف تو نہیں لکھا ہے کہ دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو اپنا امام وہ کن معنوں میں اور کس بناء پر تسلیم کرتے
ہیں مگر اتنا ضرور لکھتے ہیں کہ یہ ہمارے بارہ امام ہیں باوجود اس کے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ باقی رہی خلافت
فی البقاء اصلاح امت تو عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک کو اس کا استحقاق حاصل تھا۔
بارہ ائمہ اہل بیت کو مانتے ہوئے بھی یہ کہنے سے مولوی صاحب کا مطلب شاید یہ ہو جیسا کہ بہت سے
اہل طریقت بزرگوں نے فرمایا کہ امور دینی اور حضرت رسولؐ کی روحانی جانشینی کے اعتبار سے دوازدہ ائمہ اہلبیت
ہیں اور جو ظاہری شکل سلطنت کی سی حضرت رسول کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس سلطنت ظاہری کے لئے کوئی بھی
شخص خلیفہ بن جا سکتا تھا۔ مولوی صاحب اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں "سلطنت نہ نبوت کے لئے امر لازم تھی

نہ ولایت کے لئے جبکہ بجز چند نفوس انبیاء کے کوئی نبی سلطان وقت نہیں ہوا۔ ولی کا سلطان وقت ہونا کہاں لازم سمجھا جاسکتا ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ کسی نبی کے لئے بھی سلطنت شرط نبوت نہیں ہے مگر کسی نبی کو سلطنت ظاہری بھی حاصل رہی ہو تو وہ متعلقات رسالت کا ایک ضمنی جزو متصور ہوگی۔ اس کا تجزیہ کس طرح کیا جائے گا۔ مثلاً حضرت داؤد کو جو سلطنت حاصل تھی اس کے متعلق قرآن میں ہے و ورث سلیمان داؤد۔ یعنی سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور یہ مسلّمہ ہے کہ حضرت سلیمان بھی اپنے باپ کی سلطنت ورثہ میں پاکر حکومت کرتے رہے۔ جیسا کہ خود مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ نبوت کی وراثت نہیں ہو سکتی یعنی محض باپ نبی ہونے کی بناء پر بیٹا نبی نہیں ہو سکتا اس حد تک ٹھیک ہے اگر نبوت وراثتاً چلتی تو پسر نوح بھی نبی ہوتا۔ نبوت اللہ تعالیٰ خود عطا فرماتا ہے۔ اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ ورث سلیمان داؤد کے معنی یہ ہیں کہ سلیمان داؤد کی سلطنت کے وارث ہوئے۔ ایسی کونسی مثال قرآن سے یا تاریخ سے ظاہر ہوتی ہے کہ کسی ایسے نبی کے وارث کو جو بادشاہ وقت بھی رہا ہو بادشاہی سے محروم کرکے سلطنت دوسرے کو دیگئی ہو اگر ایسا عمل کیا بھی گیا ہوتا تو وہ غصب کہلاتا اگر کسی نبی نے اپنا جانشین کسی کو قرار دیا ہو اور اس نبی کو سلطنت ظاہری بھی حاصل رہی ہو تو اس کا کیا جواز ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس جانشین کو اس سلطنت کا حاکم تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے یا اس سلطنت کو اس کے پاس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کیا جائے۔ جانشین کے اختیارات کی یہ تقسیم کس بناء پر ہے یہ مانتے ہوئے بھی کہ سلطنت لازمہ نبوت نہیں ہے مگر جہاں نبی کو سلطنت بھی حاصل رہی ہو تو جانشین کو بھی اس سلطنت کی عملداری حاصل رہیگی۔ یہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت رسولؐ نے اپنے عمل سے بھی بتایا کہ آپ کا ظاہری اقتدار آپ کے مذہبی اقتدار ہی کے ضمن میں تھا۔ آپ تمام مومنین کے نفسوں سے اولیٰ تھے جس کا اقرار آپ نے سب مسلمانوں سے من حیث المجموع اور فرداً فرداً بھی کرالیا تھا۔ اس طرح آپ کو ہر شخص پر خود اسکی ذات سے زیادہ اقتدار حاصل تھا۔ جس قدر علاقے آپ کے زیر نگیں تھے ان پر آپ ہی کا حکم چلتا تھا باوجود اس اقتدار کے بھی حضرت نے کبھی اپنے کو بادشاہ کہا جانا یا سمجھا جانا پسند نہیں فرمایا گویا ظاہری بادشاہی بھی آپ کے مذہبی اقتدار ہی کا ایک جزو تھی جس کیلئے کسی علیحدہ نام کا سوال ہی نہ تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ مسلمانوں میں شریعت الٰہیہ کی رہبری سے الگ حکمراں کا تخیل پیدا نہ ہو اور حکومت شریعت کی پابندی کروانے میں ممد و معاون ہو۔ اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ جو کوئی آپ کا جانشین برحق ہو وہ آپ کے مذہبی اور ظاہری دونوں قسم کے اقتدار کا حامل ہوگا لہٰذا جو لوگ کہ حضرت علی علیہ السلام کو وصی رسولؐ اور آپ کا روحانی جانشین برحق تسلیم کرتے ہیں وہ یہ حجت پیش نہیں کرسکتے کہ حضرت رسولؐ کی حکومت ظاہری کو چلانے والا بجز وصی رسولؐ کے جائز طور پر کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں براہ غصب قبضہ کرلیا جائے تو دوسری بات ہے۔

اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرنے والا ظالم ہے

سورۂ مائدہ کی آیت ۴۵ مندرجۂ ذیل نے بہت سے راز منکشف کر دیئے ہیں:۔
وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

یعنی جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ اس آیت کے مفہوم کے تین
اہم اجزا ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت ایسے اشخاص سے متعلق ہے جو حکم دینے کے موقف میں ہوں یعنی اقتدار رکھتے ہوں۔
دوسرے یہ کہ انکے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام سے واقف ہوں۔ احکامات الٰہی نہ صرف قرآن میں
آئے ہیں بلکہ اُمَمِ سابقہ کیلئے زبور، توریت، انجیل اور دیگر صحف سماوی میں بھی آئے ہیں۔ انصاف کا یہ مسلمہ تقاضہ
اور اصول ہیکہ ہر مذہب والے کے اُمور کا تصفیہ اسی مذہب کے احکام کے موافق ہو۔ آج تک بھی ہر ملک میں اسی اصول پر عمل
کیا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو یہود و نصاریٰ کی بڑی تعداد خود ملک عرب میں موجود تھی۔ آیت کا تیسرا جزو یہ ہیکہ حکم
دینے والا اگر اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے تو بہ منشاء قرآن وہ ظالم ہے۔ نازل کئے ہوئے کے مطابق
حکم دینے کی دو شقیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ احکام الٰہی سے واقف ہوتے ہوئے بھی اسکے موافق حکم نہ کرے۔ دوسرے
یہ کہ نازل کئے ہوئے احکام سے ہی واقف نہ ہو۔ جو واقف ہی نہ ہو اور پھر بھی حکم کرنے بیٹھے تو وہ فی نفسہٖ ظالم قرار
پائیگا۔ یہاں مولائے کائنات کے فرمان سے مطلب قرآن اور واضح ہو جاتا ہے جو سلونی ان تفقدونی کے ساتھ
یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے لئے مسند بچھائی جائے تو اہل زبور کا تصفیہ زبور سے اہل توریت کا توریت سے نصاریٰ کا
انجیل سے اور اہل اسلام کا قرآن کے موافق کروں۔ اسی بنا پر آپکا ایک لقب مفتیٔ چہار دفتر بھی ہو گیا۔
باب العلم کے اس ارشاد سے اس امر کی بھی توثیق ہو گئی کہ مختلف مذاہب والوں کے امور کا تصفیہ انھیں کے
مذہب کے موافق کیا جانا چاہیئے۔

اب غور فرمائیے کہ خلفائے ثلاثہ جنکو کتب سابقہ کا تو کیا ذکر ہے قرآنی احکام کا تک علم نہ تھا اور اپنے جہل کا خود
اعتراف کرتے تھے تو انکی کیا حیثیت قرار پاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کے معنی پوچھنے پر حضرت ابوبکر کہتے تھے غلط معنی بتاؤں تو کس
آسمان کے نیچے اور کس زمین پر رہوں۔ امامت کے متعلق انکا تصور یہ تھا کہ ہر قبیلہ کا سردار امام ہوتا ہے۔ کہتے تھے شیطان
مجھ پر بھی مسلط ہے۔ میں خلافت کا سزاوار نہیں ہوں۔ کاش میں درخت ہرا ہوتا اور اونٹ مجھے کھا جاتا اور
مینگنی کر کے نکال دیتے مگر میں آدمی نہ ہوتا۔ حضرت عمر کہتے تھے خلافت کیا ہے مجھے رسول اللہ سے پوچھنے پر بھی سمجھ
میں نہ آیا۔ میں نہیں جانتا کہ خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ کسی کو عامل مقرر کرتے تو کہتے میں تم کو حاکم نہیں بلکہ امام بنا کر بھیج رہا
ہوں۔ انھوں نے بے شمار غلط فیصلے کئے کہتے تھے مدینہ کی عورتیں مجھ سے زیادہ احکام جانتی ہیں۔ کبھی فاتر العقل
عورت کے سنگسار کا حکم دیا تو کبھی مجبور و مظلومہ لڑکی کے سنگسار کا تو کبھی زنا حاملہ کے سنگسار کا۔ کبھی کسی کو خود
ڈرا دھمکا کر اقبالی بیان لیکر مجرم ٹھہرا دیا۔ مولائے کائنات کی ہدایت پر اپنے حکم کو بدلتے جاتے اور لَوْلَا عَلِیٌّ
لَهَلَكَ عُمَرُ کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ اس جہل مرکب کے باوجود متعدد دینی احکام کو انھوں نے بدل ڈالا

جسکی ایک واضح مثال طلاق کے صریح اور واضح احکام قرآنی کو منقلب کر کے اسکے برعکس طریقہ رائج کردیا حالانکہ اسی سورۃ طلاق میں یہ تنبیہ موجود ہے کہ ان احکام کی وہی مطابقت کریگا جو مومن ہے جسکا منطقی لازمہ یہ ہے کہ جو ان احکام کی دیدہ دانستہ مخالفت کرے وہ مومن نہیں ہے یہ بھی قابل غور ہے کہ اپنی پارٹی کے ایک زناکار شخص کو بچانے کیلئے انھوں نے گواہوں کو ورغلایا کہ جھوٹا بیان دیکر ایک صحابی رسول کو بے عزتی سے بچالیں۔ جب حضرت عمر کے ورغلانے سے چاروں میں سے ایک نے جھوٹا بیان غلطی کی تائید میں دیا تو اس طرح نصاب شہادت میں خود رخنہ ڈالکر غلطی کو چھوڑ دیا اور الٹے باقی تین سچے گواہوں پر جھوٹا الزام لگانیکی حد جاری کر کے کوڑے لگوادیئے۔ حضرت رسول خدا کے مرض الموت میں تو "اِنّ الرجل یہجر، حسبنا کتاب اللّٰہ" (اس آدمی کو ہذیان ہو رہا ہے ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے) کہکر اطیعوا الرسولؐ کے علی التواتر حکم قرآنی کی رد کردی اور اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے کہکر گویا ذات رسولؐ سے بھی اپنے کو بے نیاز کرلیا۔ بلکہ حکم قرآنی کی رد کر کے قرآن سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بہشت میں ایک دنبہ ہوتا جسکو پال کر موٹا کیا جاتا اور پھر کاٹ کر کچھ بوٹیاں کچھ پارچے بنا کر مجھے کھا جاتے اور میں آدمی نہ ہوتا۔ اُدھر حضرت عثمان صلہ رحم کی یہ تعبیر کرتے تھے کہ مسلمانوں کا مال خود کھا جائیں اور اپنے رشتہ داروں کو بے دریغ کھلائیں۔ کوئی اعتراض کرے تو بڑے بڑے اصحاب رسولؐ کو لاتیں مار کر پسلیاں توڑ دیں وظیفہ بند کردیں اور جلاوطن کریں۔ بقول حضرت عائشہ قرآن میں تحریف کریں اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ ان کے غلط احکام کی ایک قوی مثال یہ ہے کہ ایک بے گناہ لڑکی کے سنگسار کا حکم دیدیا جس نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا۔ جب مولائے کائنات نے قرآنی احکام سمجھائے تو اپنے حکم کو بدل ڈالا اور تعمیل حکم کو روکنے آدمی روانہ کیا لیکن اسوقت تک لڑکی سنگسار ہو چکی تھی۔ (ان تمام واقعات کی اسناد ہم پہلے درج کر چکے ہیں)۔

جہاں خلفائے ثلاثہ کو اپنے جہل کا خود اعتراف ہو اور "مَا اَنۡزَلَ اللّٰہُ" سے واقف ہونیکا انھوں نے کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا اور پھر بھی مسند خلافت پر بیٹھکر ہر طرح کے غلط احکام صادر کرتے رہے تو ناظرین خود تصفیہ فرمائیں کہ یہ اصحاب نص قرآنی کی بناء پر ظالم قرار پا گئے یا نہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ کے اعتبار سے کوئی ظالم خلیفہ یا امام نہیں ہوسکتا اگر ظالم ہوتے ہوئے بھی کوئی اپنے کو خلیفہ یا امام ظاہر کرے تو سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۹، سورۂ مریم کی آیت ۷۰، سورۂ قصص آیت ۴۱، ۴۲ اور سورۂ محمدؐ کی آیت ۲۲، ۲۳ کے اعتبار سے (جنکا حوالہ ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳ پر دیا ہے) وہ ایسا خلیفہ یا امام ہوگا جو لوگوں کو جہنم کی طرف لیجاتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب حقیقت جہاد کے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا اخلاق کا بگڑنا انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے برے طور طریق کا رواج پانا ظلم وستم اور بدافعالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہوں اور جبتک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی"۔

اصولی طور پر مولانا مودودی کا یہ اظہارِ خیال نہایت صحیح ہے۔ جہاں علی مرتضیٰ جیسا لاتعد ولا تحصا صفاتِ ظاہری و باطنی سے آراستہ وصیٔ رسول موجود ہو (اور جسکو حضرت رسولؐ نے اپنا پہلا خلیفہ ہونا بھی ظاہر فرمادیا ہو) تو رسولؐ کی چھوڑی ہوئی حکومت ظاہری پر بھی اس ید اللہ کے مقابلہ میں کسی دستِ ہوس کے دراز ہونے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟

اگر بالفرض اتمام حجت کے لئے حضرت رسولؐ کی روحانی جانشینی اور حکومتِ ظاہری کو دو الگ الگ امور قرار دیا بھی جائے تو حضرت رسولؐ کی چھوڑی ہوئی حکومت ظاہری پر قابض ہونے والے اپنے کو محض حاکم دُنیاوی کہہ سکتے تھے۔ مگر اپنے کو خلیفۂ رسول کہنا کیا معنے رکھتا ہے۔ جب حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول کے روحانی جانشین اور امام وقت تھے (جیسا کہ مولوی عبیداللہ صاحب تسلیم کرتے ہیں) تو حکومت ظاہری پر قابض ہونے والوں کا حضرت علیؑ کو اپنی بیعت کیلئے طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام سے یہ کہتے کہ ہم تو محض دُنیاوی حاکم ہیں اور آپ جانشین وخلیفۂ رسولؐ اور ہمارے امام ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں تو مولوی عبیداللہ صاحب حکومت ظاہری پر قابض ہوجانے والوں کے عمل کو جواز کا رنگ دینے کی کوشش کر بھی سکتے تھے (خواہ استدلال کی کسوٹی پر وہ حجت بھی برقرار رہتی کہ نہ رہتی) مگر یہاں تو معاملہ ہی برعکس رہا اور گلہ میں رومال ڈال کر کھینچنے کی نوبت آگئی۔

اب ہم چند احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو خود مولوی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں اور جو حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ اپنا خلیفہ قرار دینے کے متعلق واضح ہیں اور علاوہ آپ امام منصوص من اللہ ہونے کے باسباب ظاہری بھی آپ کے استحقاق خلافت کے متعلق برہان قاطع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے یہ امر ظاہر ہوجائیگا کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ "عشرۂ مبشرہ میں سے ہر ایک مستحق خلافت تھا جسکو خلافت حاصل ہوگئی وہی خلیفہ ہوگیا" ایک سراسر بے معنی بات ہے اور خود عشرہ مبشرہ کی مبینہ حدیث بھی ایک موضوع حدیث ہے جس کی بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔ (۱) دیلمی خطیب خوارزمی اور ابن عبدالبر نے اپنی اپنی کتابوں میں ابولیلی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ فرماتے تھے کہ عنقریب میری امت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرو بہ تحقیق وہ حق و باطل میں فرق کرنیوالا ہے (۲) دیلمی اور احمد نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے تھے کہ جس نے علیؑ کو چھوڑا اور جس نے مجھے چھوڑا اللہ کو چھوڑا۔

(۳) دیلمی نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ فرماتے تھے کہ جو شخص علی کے ساتھ خلافت کے لئے لڑے اسکو قتل کردو جو کوئی ہو۔

(۴) دیلمی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ بہ موجودگی امام جو شخص امام کے مقابلہ پر کھڑا ہو اس پر خدا اور اس کے فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اسکو قتل کرڈالو۔

(۵) سیوطی نے ابوقتادہ انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ میرے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حقدار پر غیر حقدار کو اختیار کریں گے۔

(۶) بخاری جلد ۱ صـ ۱ پر ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگوں کو بروز قیامت ندامت اور خجالت لاحق ہوگی۔

(۷) الحافظ الثقفی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علی سے فرمایا کہ یا علی جب لوگ دنیا سے رغبت کریں گے اور آخرت کو چھوڑ دیں گے اور دوسروں کی میراث کھا جائیں گے اور دین کو خرابی میں ڈالیں گے اور اللہ کا مال لوٹیں گے تو تمہارا کیا حال ہوگا حضرت علی نے عرض کیا کہ ان کو چھوڑ دوں گا اور جو وہ اختیار کرینگے اس کو ترک کر دوں گا اور دُنیا کی مصیبتوں پر صبر کروں گا حضرت رسولؐ نے دُعا فرمائی کہ یا اللہ تو علی کا مددگار رہیو۔

(۸) طبری اور دارقطنی میں روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے قریب وفات علی مرتضیٰ سے کہا کہ یا علی میرے بعد لوگ تم کو صدمہ پہنچا ینگے تم ہرگز دل تنگ نہ ہونا اور جب تم دیکھنا کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی ہے تم عاقبت پر قانع رہنا۔

(۹) سیّد علی ہمدانی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھکو تمام انبیا سے برگزیدہ کیا ہے اور مجھکو وصی بنانے کا اختیار دیا ہے۔ پس میں نے اپنے ابن عم علی ابن ابی طالب کو انتخاب کیا ہے۔ اور ان کی وجہ سے میرے بازو کو قوی کیا ہے۔ جس طرح سے موسیٰ کے بازو کو ان کے بھائی ہارون سے قوی کیا۔ پس وہ میرا خلیفہ اور وزیر ہے اور اگر میرے بعد نبوت ہوتی تو وہ نبی بھی ہوتا۔

(۱۰) سید علی ہمدانی نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں ولی ہوں پس علی اس کا ولی ہے اور جس کا میں امام ہوں پس اس کا علی امام ہے۔

(۱۱) ابن عبدالبر استیعاب جلد ۲ صـ ۷ ۴ پر حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تم علیؑ کو حاکم بناؤ کہ اس کو ہادی اور مہدی پاؤ گے (نیز ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صـ ۱۰۹ وجلد ۵ صـ ۳۵۶ و مستدرک جلد ۳ صـ ۷۰ وکنز العمال صـ ۱۹۱ واسد الغابہ جلد ۴ صـ ۳۱ وازالۃ الخفا صـ ۲۷۵ ومشکوٰۃ جلد ۸ صـ ۱۲۸ ۔

(۱۲) خوارزمی نے ابو سعید خدری اور معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ یاعلیؑ تمہاری ایسی سات خصلتیں ہیں کہ قیامت کے روز ان میں کوئی تم سے تنازعہ نہیں کر سکتا۔ تم سب مومنین سے از روئے ایمان اول ہو اور سب سے زیادہ خدائے عہد کو پورا کرنے والے سب سے زیادہ خدا کے حکم کے قائم کرنے والے اور سب سے زیادہ رعیت پر مہربان اور سب سے زیادہ پورا تقسیم کرنیوالے اور سب سے زیادہ قیامت کے دن بڑے مرتبہ والے ہو۔

(۱۳) صحیح نسائی" احمد" جریر الطبری" حاکم" ابو یعلیٰ" خوارزمی" ابن ابی یوسف الکنجی فی کفایت الطالب" محب الطبری فی ریاض النضرہ وسیوطی فی جمع الجوامع یحییٰ بن عوف اور عمر بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ میں دس خصوصیتیں ایسی ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں۔ علاوہ دیگر نو خصوصیات کے یہ بھی درج کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ تم سب مومنین میں میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔

(۱۴) احمد بن حنبل" حاکم" دیلمی" ابو عمر" خطیب بغدادی" طبری" ابو نعیم کی متفق علیہ روایتیں ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علی سید العرب ہے اور دنیا اور آخرت دونوں کا سردار ہے۔

قابل غور ہے کہ ارشادات رسول اور ان سب مسلمات کے باوجود مولوی صاحب کا خلافت کے باب میں حضرت علی علیہ السلام کا ذرا سا بھی مرجح حق تسلیم نہ کرنا اور بقول شخصے" سب دھان چھ پسیری" یہ کہنا کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک مستحق خلافت تھا کس حد تک حق بجانب ہے لطف یہ ہے کہ مولوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں :-

" خواہ مجھے کوئی شیعہ کہے یا سنی میں اپنے مولا کی محبت میں مست ہوں شیعہ و سنی کی ردو قدح کا موازنہ نہیں کر سکتا۔" جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب امیر علیہ السلام سب صحابہ سے افضل اور اعلیٰ تھے۔ ایسے صفات متضاد کا بشر ابو البشر کی اولاد میں پیدا نہیں ہوا اور ایسے اوصاف متقابلہ کا آدمی جناب آدم کی ذریت میں ہویدا نہیں ہوا اور انہیں صفات متضاد اور اوصاف متقابلہ کو دیکھکر نصیریہ نے آپ کو خدا جانا اور صوفیہ نے خدا جانے کیا جانا۔ سچ تو یہ ہے کہ ؎

" ذات حیدر کو کوئی کیا جانے یا نبی جانے یا خدا جانے "

مولوی صاحب پھر یہ بھی کہتے ہیں :-

" اس میں شک نہیں کہ حضرت امیر ہمیشہ اپنی خلافت کے خواہاں رہتے تھے اور ان کی یہ خواہش نہ اس غرض سے تھی کہ ان کو دنیوی سلطنت حاصل ہو جائے بلکہ ان کی منشاء یہ تھی کہ امور خلافت میں کوئی کوتاہی جو بہ تقاضائے بشریت اکثر خلفا سے ظہور میں آتی رہی ہے احیاناً بھی وقوع میں نہ آئے۔"

مولوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں :-

اصحاب شوریٰ یہ چاہتے تھے کہ جناب امیر علیہ السلام بھی اتباع سیرت شیخین کا اقرار کرلیں تاکہ وہ جناب امیر کی بیعت بالاجماع عمل میں آجائے اور کوئی قضیہ برپا نہ ہو۔ چونکہ جناب امیر حضرات شیخین کو اکثر امور شریعت میں غلطی کرنے سے روکا کرتے تھے جو بہ تقاضائے بشریت ان سے سرزد ہوجایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جن کی نسبت اکثر حضرت عمر لولا علی لھلک عمر اور اعوذ باللہ من معضلۃ لیس فیھا ابوالحسن اور لا ابقانی اللہ بعدک یا علی لولاک لافتضحنا۔ یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔ فرمایا کرتے تھے اس لئے جناب امیر نے سیرت شیخین کے اتباع کا اقرار نہ کیا۔" مولوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت ابوبکر مجتہد تھے مگر معصوم نہ تھے اور بوجہ" المجتہد قد یخطی یصیب" (یعنی مجتہد کبھی بر سر خطا ہوتا ہے اور کبھی بر سر صواب) حضرت ابوبکر سے فدک کے معاملہ میں خطانی الاجتہاد واقع ہوگیا ہے۔"

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جمل کی جنگ کے لئے آنے میں حضرت عائشہ و زبیر و طلحہ سے بھی خطا فی الاجتہاد سرزد ہوا تھا۔ جناب امیر علیہ السلام کی مخالفت کرنے والوں کے تعلق سے مولوی صاحب نے کئی آیات قرآنی کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) آیت ام حسب الذین تترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون کے تحت مولوی صاحب لکھتے ہیں حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ یا علی لوگ تیری جہت سے آزمائے جائیں گے کہ تیری موافقت کرتے ہیں یا تیری مخالفت۔

(۲) سورۂ محمدؐ کی آیت ۳۲ و شاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کہ لوگ رسولؐ خدا کو تکلیف دیتے ہیں اور سیدھا راستہ ظاہر ہوجانے کے بعد بھی غلط راہ اختیار کرتے ہیں۔ حضرت علی کے امر (یعنی امر خلافت) میں تنازعہ کرنیوالوں سے متعلق ہے۔

(۳) سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعد لھم عذابا مھینا کے ذیل میں لکھتے ہیں حضرت رسولؐ خدا نے اپنی ریش اقدس کے بال پکڑ کر فرمایا کہ یا علی اگر کوئی شخص تجھے بال بھر کی تکلیف دے گا تو وہ مجھے تکلیف دیگا اور جو مجھے تکلیف دیگا وہ خدا کو تکلیف دیگا۔ اس پر اللہ لعنت کریگا۔ پھر حضرت رسولؐ نے اس آیت کو پڑھا کہ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ذلت والا عذاب ہے۔

مولوی صاحب خود لکھتے ہیں:۔

فاضل کی تعظیم مفضول پر واجب ہے اور فاضل کا درجہ دنیا اور آخرت میں بہ نسبت مفضول کے درجہ کے بلند ہوگا۔ (پھر "تنبیہ" کے نام سے مزید لکھتے ہیں) اگر فضیلت سے یہ دونوں نتیجے پیدا نہ ہوں تو

نقل محض لفظ مجرد ہوگا جس کے کچھ معنی نہ ہوں گے۔"

جب یہ اُمور مسلمہ ہیں کہ حضرت رسولؐ نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ علی میرا نفس میرا وزیر میرا وصی میرا وارث میرا خلیفہ ہے اور بقول مولوی صاحب حضرت علی تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ تھے اور ہمیشہ اپنی خلافت کے خواہاں رہتے تھے اور حضرت علی سے امر خلافت میں تنازعہ کرکے حضرت رسولؐ کو ایذا دینے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دُنیا و آخرت میں لعنت اور ذلت والا عذاب مقرر فرمایا ہے تو باوجود اس کے جب لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ کے ادعا کو رد کرکے آپ کو صدمہ پہنچایا تو حضرت علی سے تنازعہ کرنیوالوں اور آپ کے ادعائے خلافت کو رد کرکے دوسروں کے خلیفہ بننے یا بنانے کے عمل کو جائز ٹھیرانا کس منطق پر مبنی ہے۔

اب ہم مولوی صاحب کے اس خیال پر غور کرتے ہیں جسکو ہم نے ابتدا میں سلسلہ نمبر ۲ پر لکھا تھا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ "حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ کو آنحضرتؐ کے منبر پر کیوں بیٹھنے دیا اور آنحضرت صلعم کے مدفن اطہر کے پہلو میں کیوں دفن ہونے دیا اور فدک چھین لینے دیا اور خلافت غصب کرلینے دی وغیرہ اور (مولوی صاحب ہی کے الفاظ میں) حضرت علی مُنہ دیکھتے کے دیکھتے رہے اور کوئی بنی ہاشم پر سر غیرت نہ آئے اور قومی اور اسلامی ذلت روا رکھے" تو مولوی صاحب کو یقیناً یہ بھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا کہ حضرت رسول خدا کے سچے رسول ہوتے ہوئے بھی تیرہ برس تک مکہ میں مشرکین کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھاتے رہے آپ کو ساحر و مجنون و شاعر کہا جاتا رہا۔ شعب ابی طالب میں پناہ گزین رہے۔ کبھی آپ کو زخمی کیا جاتا کبھی خاک ڈالی جاتی تو کبھی اونٹ کی اوجھ آپ پر پھینکی جاتی کبھی گلے میں رومال ڈال کر گھٹنوں کے بل گرایا جاتا یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حضرت رسول کبھی ان کے مقابلہ کو نہ نکلے اور آخر میں تو چھپ کر رات کے وقت حضرت علی کو اپنی چادر اوڑھا کر اپنے بستر پر لٹا کر اور بظاہر (معاذ اللہ) مغالطہ دیکر راتوں رات نکل کر چلے گئے اور پھر جاکر ایک غار میں بھی چھپ گئے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر تو حضرت رسولؐ اس قدر (بظاہر) دب گئے کہ کفار کے مفید مطالب اور مسلمانوں کے خلاف تمام شرائط کو منظور کرلیا حالانکہ حضرت عمر نے آپ کی رسالت پر شبہ کا اظہار بھی کیا اور توجہ بھی دلائی کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں تو دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولوی صاحب نے اس معاملہ میں نہایت تنگ نظری سے کام لیا ہے اور حقائق کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ حضرت رسولؐ نے جس طرح اسباب ظاہر اور مصلحت وقت کے اعتبار سے عمل فرمایا حضرت علی نے بھی بالکل وہی عمل فرمایا۔ حضرت رسولؐ کے انتقال کے ساتھ ہی حضرت علی سے لوگوں کی جو نگاہیں بدلیں اور اپنی اپنی فکر میں لگ گئے اسکو ہم نے باب ہشتم میں ایک علیحدہ عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ یہاں اسکو دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتے اس قدر اشارہ کافی ہوگا کہ

۶-۴ یا حد ۱۲-۱۴ آدمیوں کو لے کر جو حضرت علی کے متمسک دامن رہ گئے تھے حضرت علی کسطرح غرضمندوں کی بنائی ہوئی حکومت سے برسر جنگ ہو جاتے اور حضرت ابوبکر کو منبر رسول پر بیٹھنے سے روکتے۔ بعد کی نوبت پر تو جب ان لوگوں کی حکومت ظاہری اور مستحکم ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر نے ایک باضابطہ خلافت نامہ بھی حضرت عمر کے نام لکھ دیا تھا اور اپنی حیات ہی میں ان کے ہاتھوں پر بیعت بھی کرادی تھی تو ویسے ہی قلیل دس بارہ آدمی کو لیکر حضرت عمر کو منبر رسول پر بیٹھنے سے کس طرح روکتے۔ پھر جہاں حکومتوں کا دور قائم ہو چکا تو حضرت رسول کے قریب حضرت ابوبکر اور عمر کے دفن ہونے کو حضرت علی کس طرح حائل آکر روک سکتے ہاں اس قسم کے کام تو حکومت کی حمایت کے زور پر مخالفین اہل بیت ہی کر سکتے تھے۔ جیسے کہ باوجود امام حسن علیہ السلام کی وصیت کے ان کی میّت کو ان کے جد بزرگوار کے پاس حضرت عائشہ نے دفن ہونے نہ دیا اور جسم مردہ پر بھی تیر برسائے گئے۔ حضرت رسول نے بھی تو کفار سے جنگ صرف اسی وقت کی ہے جب کئی سو آدمی حلقہ اسلام میں آچکے اور ظاہری طور پر بھی مقابلہ کرنے کی صورت پیدا ہوئی۔

مولوی عبیداللہ صاحب ایک طرف حضرت امیر علیہ السلام کے حلم عفو عن المکافات اور بے نفسی سے متعلق مستقل عنوانات قایم کرتے ہیں اور خود آپ کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں ایک غریب کی جائز حمایت کرنے پر ایک دوکان دار کا حضرت علی کو دھکا دینا آپ چھوڑ کر ہٹ جانے کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری طرف غصب حق اور گھر جلانے پر ذاتی صدمہ کی بنا پر برسر پرخاش نہ آنے پر تعجب بھی کرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے نفس خدا و رسول شاہ ولایت ختم الوصیین فخر انبیاء و بالفاظ بوعلی قلندرؒ پیشوائے انبیاء حضرت امیر علیہ السلام کی طبیعت کا اندازہ عوام و ناوشما کی طبیعتوں کے لحاظ سے لگانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ حضرت رسول کا ارشاد ہے کہ ہم اہل بیت پر کسی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ شرف الدین بوعلی قلندرؒ منقبت جناب امیر علیہ السلام میں فرماتے ہیں:۔

اعلیٰ است قصر شان ترا روح القدس دربان تو — نارفتہ تا ایوان تو شہباز فکر انبیا
نور تو شمع بزم حق زیب سپہر ہفت طبق — گیرد ملک از تو سبق اے پیشوائے انبیا

اللہ کی دی ہوئی امامت و خلافت کو حضرت امیر سے نہ کوئی چھین سکتا تھا نہ یہ منصب آپ سے جدا ہو سکتا تھا۔ آپ ہر حالت میں ہدایت فرماتے ہی رہے اور خلفائے ثلاثہ کی غلطیوں کی اصلاح بھی صدہا مرتبہ فرمائی حتیٰ کہ معاویہ نے بھی بحالت جنگ جب کسی امر دینی میں آپ سے استمداد کیا آپ نے ہدایت فرمائی۔ ہاں جو چیزیں آپ سے چھینی گئیں وہ یہ تھیں کہ آپ کو خلیفہ رسول تسلیم نہیں کیا گیا اور منبر رسول پر بیٹھنے نہیں دیا گیا اور اس حکومت ظاہری سے جو حضرت رسول کے ہاتھ میں تھی محروم کیا گیا اور آپ کے ادعائے خلافت کو رد کر کے خلیفہ رسول دوسروں کو پکارا جانے لگا اور آپ کو ان کی بیعت پر

مجبور کرنے کی کوشش کی گئی اور جناب سیدہ کے بیت الشرف پر آگ لیجا کر جلانے کی دھمکی دیگئی۔ پھر جناب سیدہ کو فدک اور ترکہ حضرت رسول سے محروم کیا جانا اور خود جناب امیر علیہ السلام اور حضرات حسنین علیہم کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیا جا کر جناب فاطمہ کے دعوی کو باطل قرار دینا اس پر مستزاد رہا۔ ان مصیبتوں پر حضرت علی علیہ السلام نے حسب ارشاد سرکار دوعالم صبر فرمایا اور اپنے اور اپنے اہل خاندان کے نفس کی تکلیف کی بناء پر ماوشما کے مانند حملہ کر دینے کو اپنی شان امامت سے بعید تصور فرمایا اور لوگوں پر یہ اعلان کر دینے اور گواہی طلب کرنے پر اکتفا فرمایا کہ حضرت رسول نے آپ کے متعلق کیا ارشادات فرمائے تھے اور فرمان خدا کیا ہے۔ اس طرح آپ نے اپنا حق طلب کیا اور مولوی صاحب کے الفاظ میں "ہمیشہ اپنی خلافت کے خواہاں رہے" حضرت علی علیہ السلام کے اپنی اس مظلومی پر صبر کرنے کے عمل پر اعتراض کا تو کیا ذکر، اہل بصیرت کو تو یہیں وہ فرق اظہر من الشمس نظر آتا ہے جو امام برحق اور عامۂ خلائق کے کردار میں ہوتا ہے۔

اس نوبت پر مولوی صاحب کے اس ارشاد کے متعلق کہ "میں اپنے مولا کی محبت میں مست ہوں۔ شیعوں کی ردوقدح کا موازنہ نہیں کر سکتا" ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ محبت کی اس مبینہ مستی کے باوجود یہ معمول سے بھی زیادہ ہوشیاری ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ غلبہ محبت نے بمصداق "خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے" یہ معکوس اثر دکھایا کہ مستحق، افضل واعلی محبوب کو بھی غیر مستحق مفضولوں کی صف میں کھڑا کر دیا اور علی کو تمام صحابہ سے افضل واعلی مانتے ہوئے بھی ان کا حق کسی سے ذرہ برابر بھی مرجح ہونا مولوی صاحب کو نظر نہ آیا۔

کیا حضرت رسول نے بجز علی کے اور کسی ایک کے لئے بھی یہ فرمایا کہ یہ میرا نفس، میرا وزیر، میرا وصی، میرا خلیفہ، میرا ناصر، امام المتقین، امیر المومنین، سید المسلمین، سید الصادقین، ختم الوصیین، مولی المومنین، سید العرب سید فی الدنیا والآخرہ، مقیم الحجتہ، حجتہ اللہ، ولی اللہ، صفوۃ اللہ حامل لوار الحمد قسیم النار والجنہ ہے۔ آخر یہ تمام بزرگیاں کیا ہوگئیں اور یہ ارشادات رسول کدھر نسیاً منسیا کر دیئے گئے۔ یہ تمام استحقاق کہاں فراموش کر دیئے گئے۔ طہارت کاملہ، معصومیت اور وارث کتاب اور ولی امت ہونے کی جو سندیں قرآن نے عطا کی تھیں وہ کدھر چاک کر دی گئیں۔ کیا غلبۂ محبت اسی کا نام ہے کہ جس سے محبت کا دعویٰ ہو اسکی ایسی ایسی گراں بہا خوبیاں نظر نہ آئیں اور جن افراد میں ذرہ برابر بھی خوبی اس قسم کی نہ ہو وہ استحقاق میں اس کے برابر نظر آنے لگیں۔ معصوم اور بری از خطا کو جو خلقت میں اسی نور کا ٹکڑا ہو جس کا ایک ٹکڑا حضرت رسول تھے جو بالفاظ حضرت رسول بمنزلہ کعبہ کے ہو جسکی زبان میں اللہ تعالیٰ کلام فرمائے جو ایمان مجسم ہو جسکی محبت قیمت ایمان ہو جو خود قسیم النار والجنہ ہو سرداران جنت حسنین کا باپ ہو اور سیدۃ النساء العلمین خاتون جنت فاطمہ زہرا کا

زوج ہوا اور جس کی آل باصفا کا یہ درجہ ہو کہ حضرت عیسیٰ اسکے پیچھے نماز پڑھیں جو ہر حالت میں پاک وطاہر ہو جسکی طرف دیکھنا بھی عبادت ہو جسکو فرشتے سلام کریں اور جبرئیل ومیکائیل جس کے در کی دربانی کریں خطا کنندگان کی صف میں لا کھڑا کیا جائے اور عالم علم لدنی سے بار بار اپنی غلطیاں درست کروانے والوں کے برابر کر دیا جائے اور شیر خدا مظہر قوت ربانیہ بنیان مرصوص کرار غیر فرار حامل لوار الحمد صاحب ذوالفقار فاتح خیبر وبدر وحنین کو ان کے برابر سمجھا جائے جو حضرت رسول خدا کو زخمی چھوڑ کر میدان جنگ سے اپنی جانیں بچا کر بار بار فرار کرتے رہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ یہ کیا محبت کا دعویٰ ہے۔ یہ معاملہ تو بچوں کے کھیل سے گزر کر بازی بازی باریش بابا بازی کی حد تک پہنچ گیا کیا یہ تنقیص شان علی نہیں ہے۔ آخر تنقیص پھر اور کس چیز کو کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے خود یہ حدیث بھی درج فرمائی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا جس نے علی کی تنقیص شان کی اس نے میری تنقیص شان کی۔ تنقیص شان کی زد کہاں پڑتی ہے۔ ہم بجز اسکے اور کیا کہیں کہ مولوی صاحب پر غالباً نادان دوست کی تعریف صادق آتی ہے۔

خلافت کی دو اقسام کا تصور صحیح نہیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب التفہیمات الالٰہیہ مطبوعہ ۱۹۳۶ء جلد اول کے ص۱۳ پر لکھتے ہیں۔ والخلافۃ ظاهرۃ وباطنیۃ۔ فالخلافۃ الظاهرۃ اقامۃ الجهاد والقضا والحدود وجبایۃ العشور والخراج وقسمتها علیٰ مستحقها وقد حمل اعباءها العادلون ملوک الاسلام والخلافۃ الباطنیۃ تعلیم الکتب والحکمۃ وتزکیهم بالنور الباطن بقوارع الوعظ وجواذب الصحبۃ کما قال عز من قائل لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ یعنی خلافت کی دو قسمیں ہیں خلافت ظاہری وخلافت باطنی۔ خلافت ظاہری کا تعلق قیام جہاد، فصل مقدمات، اصدار حدود، وصول در حصول عشور وخراج (مثل جزیہ زکوٰۃ وغیرہ) اور ان کی مستحقین میں تقسیم سے ہے اور اس غرض کیلئے اسلامی بادشاہوں میں سے کوئی بھی عادل بادشاہ خلیفہ ہو سکتا ہے اور خلافت باطنی کا تعلق قرآن اور حکمت کی تعلیم اور لوگوں کے قلوب کو پاک کرنے اور اپنی فیض صحبت سے نور باطن پیدا کرنے سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اغراض صدر کیلئے حضرت رسول کو مبعوث فرمایا (شاہ صاحب نے یہاں سورہ جمعہ کی آیت ۲ نقل کی ہے)۔ یعنی حضرت رسول جن مقاصد کیلئے مبعوث ہوئے تھے ان کی تکمیل خلافت باطنی سے متعلق ہے۔

شاہ صاحب اسی کتاب کے ص۳ پر فرماتے ہیں:۔

"در عنوان ایں سر حضرت پیغامبر افضل الخاتمین والفاتحین خاتم النبوۃ وفاتح الولایۃ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدا شدند و آنحضرت علیہ السلام یکے از اشراطِ قیامت اند بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر فاتح و خاتم کہ ہست در باب ولایت است و فاتح اول ازین امت مرحومہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ است و سِرّ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ در اولاد کرام ایشاں رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرایت کرد و شخصے بعد شخصے از خاندان حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حامل ایں شعلہ کہ زبانۂ آتش بُبُطون بُطون متوجہ است مے شد و ہمیں سرّ است کہ شیعہ کلام آئمہ اہلبیت را کہ بازائی بود بر غیر محل آں حمل کردہ وصایت در ظاہر شرع ہم پنداشتند۔"

یعنی:۔" اس راز کے تحت حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخاتمیں و فاتحیں و فاتح ولایت کی ولادت ہوئی اور آنجناب قیامت کی شرائط میں سے ایک شرط ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی فاتح اور خاتم ہے وہ ولایت کیلئے ہے (یعنی نبوت کیلئے نہیں) اور اس امت میں فاتح اول حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں اور جو اسرار کہ حضرت علی مرتضیٰ کے سینہ میں تھے وہ ان کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سرایت کرتے رہے اور خاندان حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ایک فرد کے بعد دوسری فرد ان اسرارِ مخفی کی حامل ہوتی رہی اور یہی وجہ ہے کہ حضرات شیعہ کلام آئمہ اہلبیت کو اس کے غیر محل پر محمول کرکے وصایت کو خلافت باطنی کے علاوہ شرع ظاہر سے بھی متعلق سمجھتے ہیں"

ذیل میں ہم بتائینگے کہ شاہ صاحب کا یہ خیال کہ شیعوں نے کلام ائمہ اہلبیت کو غیر محل پر محمول کیا ہے۔ صحیح نہیں ہے بلکہ شیعوں نے بالکل برمحل محمول کیا ہے۔

نہ صرف شاہ ولی اللہ صاحب بلکہ بعض اہل طریقت بزرگوں مثلاً خواجہ اجمیری معین الحق" اور خواجہ بندہ نواز" وغیرہ نے بھی خلافت کی دو اقسام خلافتِ صغریٰ اور خلافت کبریٰ تحریر فرمائی ہیں اور خلافت باطنی و روحانی و وصایت رسولؐ یعنی خلافتِ کبریٰ میں وہ بجز ائمہ اہلبیت کے کسی اور کو حصہ دار قرار نہیں دیتے۔

~~۱۳۹۵ھ~~ مطابق ~~۱۹۷۵ء~~ کے حج کے موقعہ پر حیدر آباد ہائیکورٹ کے ایک ذی علم سابق چیف جسٹس اور میں مدینہ طیبہ میں ایک ہی کمرہ میں مقیم تھے۔ موصوف نے بھی اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا کہ حضرت رسولؐ کے روحانی خلیفہ حضرت علی ہی تھے اور خلفاء ثلاثہ محض حاکم ظاہری تھے۔ اہل طریقت کے اس نظریہ کے متعلق ہماری حجت یہ ہے کہ خلافت کے دو اقسام کے تصور ہی کا سرے سے کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ امر صاف مترشح بلکہ پوری طرح ظاہر ہے کہ ان اہل طریقت بزرگوں نے حضرت رسولؐ کے حقیقی جانشین و خلیفہ ائمہ اہلبیت کی موجودگی میں جو دیگر اشخاص خلیفہ بن بیٹھے ان کی خلافت ظاہری کو (خواہ وہ غصبی ہی کیوں نہ ہو) بہ طریق مصلحت مسلمانوں میں تفریق کو روکنے کی نیک نیتی سے قابل قبول بنانے کا رنگ دینے کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ اپنی تحریرات میں ان پر

اہل طریقت بزرگوں نے بمصداق عقلمند را اشارہ کافی یہ صاف اظہارِ خیال کر دیا ہے کہ حضرت رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کے ساتھ ہی اُمّتِ رسولؐ نے بہ حیثیت مجموعی اور بالخصوص اُمت کے سرآوردہ لوگوں نے حصُولِ دُنیا کی خاطر اہلبیتِ رسول پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے بیعت پر مجبور کرنے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کے گلہ میں رومال ڈال کر کھچوانے اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کو جلانے آگ لیجانے اور پہلو پر دروازہ گرانے کی وجہ سے جناب فاطمہ کا حمل ساقط ہونے اور آپکو ترکہ پدر اور باغ فدک سے محروم کرنے اور علی و فاطمہ و حسنؑ و حُسینؑ کی گواہی کو رد کرنے کے واقعات اہل طریقت بزرگوں کے علاوہ متعدد سُنی علماء نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں جنکے حوالے ہم نے اس کتاب میں اپنے اپنے محل پر دیئے ہیں۔

ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ مولفتہ القلوب کی تالیف قلب کیلئے اہل طریقت بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تم جنکو مانتے آئے ہو خیر وہی سہی مگر وہ رسول اللہ کے چھوٹے خلیفہ تھے انکی خلافت صغریٰ یعنی دنیاوی تھی) مگر رسول اللہ کے روحانی اور بڑے خلیفہ حضرت علی علیہ السلام تھے (جنکے لئے خلافت کبریٰ تھی)۔ ان بزرگوں نے یہ طریقہ یقیناً اسلئے اختیار کیا کہ لوگ کہیں بالکل اُچٹ نہ جائیں اور ائمہ اطہار سے منحرف نہ رہیں۔ اور جنکا ظرف متحمل ہو سکتا ہے وہ ایمان کی ضروریات سے واقف ہوتے جائیں۔ مجھے اکثر اہل طریقت کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور یہ دیکھنے میں آیا کہ جب کبھی انکو موقعہ ملا حق کی بات اپنے مریدوں کے کان پر ڈالتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب میں ایک بڑے سلسلہ کے سجادہ نشین مرشد کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کے ایک ضعیف العمر مُرید آئے اور بیٹھتے بیٹھتے یا غوث الاعظم دستگیر کہا۔ مرشد نے فوراً اُن سے کہا ارے غوث الاعظم کے بھی غوث الاعظم کو کیوں نہیں پکارتے یا علی کیوں نہیں کہتے۔ ایکدفعہ ایک مرشد کے سامنے ان کے مُرید نے حضرت معاویہ کہا تو مرشد نے فرمایا کہاں کے حضرت معاویہ۔ معاویہ صاحب بھی کہو تو ان کے لئے بہت ہے۔ بہرحال ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

غور کی بات ہے کہ حضرت رسولؐ نے یہ کب فرمایا تھا کہ میری خلافت دو طرح کی ہوگی۔ آپ نے تو صاف صاف فرما دیا تھا کہ میرے بارہ خلفا ہوں گے اور ان بارہ کے نام بھی از حضرت علی علیہ السلام تا حضرت مہدی ابن حسنؑ عسکری علیہم السلام بار بار مختلف موقعوں پر وضاحت سے بیان فرما دیئے تھے۔ حضرت رسولؐ نہ صرف تبلیغ اسلام و تعلیم کتاب و حکمت اور لوگوں کا تزکیہ نفس فرماتے تھے بلکہ جو ظاہری حکومت کی شکل قائم ہو گئی تھی اس کے بھی سربراہ تھے اور اس کے بھی تمام احکام از قسم جہاد و قضاء تقسیم مال بین المستحقین سب خود صادر فرماتے تھے اور باطنی و ظاہری سب اُمور آپ کی ذات میں مجتمع تھے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ باطنی اُمور میں میرا ایک خلیفہ ہوگا اور اُمور ظاہری میں کوئی دوسرا خلیفہ ہوگا بلکہ جب آپ نے اپنے بعد کے ہر زمانہ کیلئے اپنے ایک ایک ہی خلیفہ یکے بعد دیگرے کے نام کا اظہار فرما دیا تو لازم ہوا کہ جو اُمور انتظامی

ذاتِ بابرکات سے متعلق تھے آپکے خلیفہ سے بھی وہی سب متعلق ہوں گے۔ یہاں تفریق اور دو شقیں نکالنے کا نہ کوئی جواز ہے اور نہ ارشاداتِ رسولؐ کی بھی کوئی تاویل اسکی متحمل ہو سکتی ہے پھر آیاتِ قرآنی اپنی جگہ پر مستقل ہیں کہ خلیفہ اور امام اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اُمّت کا اس میں دخل نہیں۔ مزید برآں قرآن نے خود خلیفہ و امام بن بیٹھنے والوں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے کہ انکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ہم نے اس کتاب میں ان تمام ارشادات خداوندی اور احادیث پیغمبرِ خدا کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر کیا ہے۔

تمام اہلِ طریقت اور بہت سارے سنّی علماء نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت رسولؐ کے پہلے خلیفۂ باطنی حضرت علی علیہ السلام اور پھر آپکے بعد آپکی اولاد طاہرہ سے خلافتِ باطنی متعلق رہی ہے۔ اب سوال یہ رہا کہ حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں جو دوسرے لوگ خلیفہ بن گئے اور اپنے کو خلیفۂ رسول کہتے بھی رہے اور دوسروں سے حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام سے بھی اپنے کو خلیفہ منوانے کی کوشش بلکہ جبر و تشدد کرتے رہے اور اس کا کیا جواز تھا۔ خلافِ احکامِ خدا و رسول انکو خلیفہ بننے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا ان لوگوں یعنی خلفائے ثلاثہ نے حضرت علی علیہ السلام کو کسی طرح کا بھی خلیفۂ رسول یعنی خلیفہ باطنی بھی نہیں مانا۔ یہاں اہلِ طریقت کا خلفاء ثلاثہ سے سراسر اختلاف ہے اور وہ کس طرح خلفاء ثلاثہ کی مدافعت کرینگے جنہوں نے حضرت علی کو رسولؐ اللہ کا باطنی خلیفہ بھی نہیں مانا بلکہ ظاہری و باطنی ہر قسم کے خلیفہ خود ہی ہونے کا ادعا کرتے رہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے کہ باطنی اور ظاہری دونوں قسم کے اُمور کیلئے ایک ہی شخص خلیفہ ہوتا ہے۔ ظاہری اور باطنی دو الگ الگ خلافتیں ناجائز ہیں۔ دو قسم کی خلافت یعنی باطنی و ظاہری یا کبریٰ و صغریٰ کا جو نظریہ اہلِ طریقت اور بعض سنی علماء نے قائم کیا ہے وہ اہلسنت والجماعت کے حقیقی عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں ہم اس کتاب کے باب چہارم ص۱۳۵ کی عبارت اور خصوصاً دُرالمختار کے حوالہ سے جسٹس امیر علی کی انگریزی عبارت کی طرف توجہ دلانا مناسب خیال کرتے ہیں کہ سُنّی عقیدہ کے اعتبار سے دو قسم کے خلفاء کا وجود ناجائز ہے۔ خلیفہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ جو روحانی اور ظاہری ہر قسم کے معاملات میں امّت کا صدر اور رہنما ہوتا ہے۔

شارح تجرید نے لکھا ہے کہ خلافت حکومت عامّہ ہے اُمورِ دین و دُنیا میں اُصول کی حد تک یہ نظریہ شیعہ نظریہ کے موافق ہے۔ مگر اس نظریہ کے عملی پہلو میں فرق یہ ہے کہ جہاں شیعہ عقیدہ کے لحاظ سے خلافت منصوص من اللہ ہے اور اسکے لئے عصمتِ مطلقہ شرط ہے عقیدۂ اہلِ سنّت کے اعتبار سے نہ تو خلافت منصوص من اللہ ہے اور نہ اس ضمن میں وہ حضرت رسولؐ کے متواتر ارشادات کو بھی باوجود ان کی کتابوں میں درج ہونے کے بھی تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر فاسق و فاجر گنہگار بھی خلیفہ ہو سکتا ہے اور اس کی خلافت باطنی اور ظاہری دونوں اُمور پر حاوی ہوتی ہے اور یا تو امت اسکو خلیفہ مقرر کر سکتی ہے

یا قہر و غلبہ سے وہ خود خلیفہ بن بیٹھ سکتا ہے۔

اس کتاب کے ص ۲۷ و ص ۲۸ و ص ۲۹ پر ہیں نے درالمختار والملل والنحل عبدالکریم شہرستانی و کتب ثنا اللہ پانی پتی و مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے حوالہ سے یہ ظاہر کیا ہے کہ سنی عقیدہ کے اعتبار سے ہر قسم کا فاسق و فاجر، ظالم، بے علم، چور اور غیر مستحق شخص بھی خلیفہ ہو سکتا ہے اور خواہ قہر و غلبہ ہی سے اس نے خلافت پر قبضہ کیوں نہ جمالیا ہو پھر بھی وہ خلیفہ جائز و برحق ہوگا۔ شارح عقائد نسفیہ لکھتے ہیں کہ امام زمانہ فسق و فجور سے معزول نہیں ہوتا۔ شارح وقایہ نے فقہ حنفیہ میں بیان کیا ہے کہ امام پر بہ سبب شرب خمر (یعنی شراب پینے کے) حد نہیں جاری کی جاسکتی کیونکہ وہ نائب امام ہے خدا کی طرف سے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ خلیفۂ بنو عباس منصور دوانقی دزد یعنی چور تھا۔ مگر عقیدۂ سنی کے اعتبار سے اس کے خلیفۂ جائز ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے خیال سے خلافت ظاہری کیلئے عادل کی شرط لگائی ہے مگر وہ سنی عقیدہ کے اعتبار سے مطلقاً ضروری نہیں ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ المختصر یہ کہ خلافت کے متعلق خود علمائے اہلسنت مختلف و متضاد اور متعدد نظریئے رکھتے ہیں اور جتنے منہ اتنی باتیں کی کیفیت ہے۔ بہر حال یہاں ہمکو بتانا صرف اس قدر مقصود تھا کہ اہل طریقت اور بہت سے سنی علماء بھی سوائے ائمہ اہلبیت اطہار کے اور کسی کو حضرت رسول خدا کے باطنی و روحانی جانشین و خلیفہ نہیں مانتے۔

باب چہاردہم

چند متفرق اہم امور

اس باب میں ہم چند متفرق اہم امور کے متعلق علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت چند سطور حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ اسکا امکان ہے کہ کسی عنوان کے ضمن میں بعض باتوں کی تکرار بھی آجائے مگر مقصد یہ ہے کہ ایک جگہ کم و بیش خود مکتفی عبارت آجائے تاکہ جن خاص امور کی طرف ہم اذہان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں انکا ایک حد تک پورا نقشہ سامنے آسکے۔

حضرت رسول خداؐ و علی مرتضیٰؑ کے آباء و اجداد

نور اول وجہ تخلیق کائنات سردار انبیاء ختم المرسلین، رحمت للعلمین اور نفس رسولؐ

یا قہر و غلبہ سے وہ خود خلیفہ بن بیٹھ سکتا ہے۔

اس کتاب کے صـ۲۷ و صـ۲۸ و صـ۲۹ پر میں نے درالمختار و الملل والنحل عبدالکریم شہرستانی و کتب ثناءاللہ پانی پتی و مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے حوالہ سے یہ ظاہر کیا ہے کہ سُنی عقیدہ کے اعتبار سے ہر قسم کا فاسق و فاجر، ظالم، بے علم، چور اور غیر مستحق شخص بھی خلیفہ ہو سکتا ہے اور خواہ قہر و غلبہ ہی سے اس نے خلافت پر قبضہ کیوں نہ جما لیا ہو پھر بھی وہ خلیفہ جائز و برحق ہوگا۔ شارح عقائد نسفیہ لکھتے ہیں کہ امام زمانہ فسق و فجور سے معزول نہیں ہوتا۔ شارح وقایہ نے فقہ حنفیہ میں بیان کیا ہے کہ امام پر بہ سبب شرب خمر (یعنی شراب پینے کے) حد نہیں جاری کی جاسکتی کیونکہ وہ نائب امام ہے خُدا کی طرف سے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ خلیفۂ بنو عباس منصور دوانقی دزد یعنی چور تھا۔ مگر عقیدۂ سنی کے اعتبار سے اس کے خلیفۂ جائز ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے خیال سے خلافت ظاہری کیلئے عادل کی شرط لگائی ہے مگر وہ سُنی عقیدہ کے اعتبار سے مطلقاً ضروری نہیں ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ المختصر یہ کہ خلافت کے متعلق خود علمائے اہلسنت مختلف و متضاد اور متعدد نظریئے رکھتے ہیں اور جتنے مُنہ اُتنی باتیں کی کیفیت ہے۔ بہر حال یہاں ہمکو بتانا صرف اس قدر مقصود تھا کہ اہل طریقت اور بہت سے سُنی علماء بھی سوائے ائمہ اہلبیت اطہار کے اور کسی کو حضرت رسولِ خُدا کے باطنی و روحانی جانشین و خلیفہ نہیں مانتے۔

بابُ چہاردہم

چند متفرق اہم اُمور

اس باب میں ہم چند متفرق اہم اُمور کے متعلق علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت چند چند سطور حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ اسکا امکان ہے کہ کسی عنوان کے ضمن میں بعض باتوں کی تکرار بھی آجائے مگر مقصد یہ ہے کہ ایک جگہ کم و بیش خود مکتفی عبارت آجائے تاکہ جن خاص اُمور کی طرف ہم اذہان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں انکا ایک حد تک پورا نقشہ سامنے آسکے۔

حضرت رسولِ خُدا و علی مرتضیٰؑ کے آباء و اجداد

نورِ اوّل وجہِ تخلیق کائنات سردارِ انبیاء خَتم المرسلین "رحمت" للعٰلمین اور نفس رسولؐ

نام انبیاء مولائے کائنات کی شان میں کچھ عرض کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس معاملہ میں ہماری عقل ماؤف، زبان بستہ اور قلم شکستہ ہے۔ ایک مختص عنوان پر جسکا مرکزی نقطہ "خلافت و امامت" تھا کئی سال کی ریسرچ کے بعد ہم نے "کلمۃ الحق" کی شکل میں کچھ کہنے کی جرأت کی تھی۔ اگر ہم تہیہ کر کے قلب و دماغ کو ادھر رجوع کرنے کے موقف میں ہوتے تو ان ذوات ماورائے فہم کے متعلق اپنی بساط کے موافق کچھ زبان کھولنے کی ہمت کر سکتے۔ جہاں ارشادِ رسولؐ ہو کہ اللہ و رسول و علی کے سوا ان تینوں ذوات کو کوئی اور سمجھ ہی نہ سکا تو پھر بغیر سمجھے لکھنے کا کیا سوال۔ خلافت و امامت کی بحث کے دوران مولائے کائنات کے متعلق تمہیدی طور پر کچھ ابتدائی باتیں ضبط تحریر میں آگئیں مگر سرکارِ دوعالم کی جناب میں ہم اتنا بھی نہ کہہ سکے اور "عیاں راچہ بیاں" کو اپنی بے بضاعتی کی سپر بنا لیا۔ اب یہاں ہم آنجناب کی محض شخصیتِ ظاہری کے تعلق سے یورپیں محققین میں سے ایک دو کے کچھ اقوال بطور نمونہ نقل کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی ایک آیت کی طرف دھیان دینا ضروری ہے جسمیں آنجناب کے آباو اجداد کے متعلق ارشادِ رب العزت ہے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (سورہ شعراء آیت ۲۱۹)

یعنی (اے رسول) سجدہ کرنے والوں میں تمہاری گردش یعنی حضرت رسولِ خدا و علی مرتضیٰ کے جنکا ایک ہی خاندان اور ایک ہی شجرہ ہے آباء و اجداد نسلاً در نسلاً موحد اور عبادت گزار بندے تھے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۷ ہے: سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ یعنی تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں اُنکا برابر یہی دستور رہا اور جو دستور ہمارے (ٹھہرائے ہوئے) ہیں اُن میں تم تغیر نہ پاؤ گے۔

ابتدائے آفرینش سے سلسلۂ انبیاء و اوصیا کو دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغام الٰہی کو پہنچانے اور اسکی حفاظت کرنے کا منصب اللہ تعالیٰ نے ایک ایک ہی خاندان میں مختص رکھا ہے۔ یہ کسی اُصولِ توریث کی بناء پر نہیں بلکہ ان کے ظرف و استعداد کی بناء پر۔ مگر یہ امر بھی روایتاً و درایتاً مسلمہ ہے کہ اعلیٰ ظرف اور اعلیٰ کردار کا اثر نسلاً بعد نسلاً خون میں چلا آتا ہے۔ اور اسطرح انبیا و اوصیا کے تقرر کو چند مختص خاندانوں پر منحصر کرنا عین مطابق فطرت اور اللہ تعالیٰ کا قرار دیا ہوا طریقہ ہے۔

سورۂ انعام کی آیت ۸۷ و ۸۸ سے اسکی مزید توضیح و توثیق ہوتی ہے جسمیں ارشاد ہے:۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

یعنی۔ اور سب (انبیاء و اوصیا) کو سارے جہان پر فضیلت دی اور ان کے باپ داداؤں

اور اُن کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے انکو منتخب کیا اور اُنھیں صراطِ مستقیم کی ہدایت کی اِس ارشادِ ربانی سے واضح ہے کہ انبیاء اوصیاء عامیانہ لوگوں میں سے نہ تھے بلکہ یا تو انبیاء اَوصیا کی اولاد تھے یا ایسے تھے کہ خود ان کی ذرّیت اور ان کے بھائی بندوں میں سے منتخب کرکے انبیاء و اوصیا مقرر فرمائے ہم نے اس کتاب کے باب سوم میں انبیاء و اوصیا کا شجرہ درج کیا ہے. جس سے یہ امر متحقق ہوجاتا ہے کہ تمام انبیاء و اوصیا چند مختص خاندانوں کی نسل میں منحصر ہیں. مثال کے طور پر حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسحاق کی نسل سے پچاس ہزار پیغمبر پیدا ہوئے اور حضرت اسمٰعیل کی نسل سے ایک پیغمبر ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننیانوے پیغمبروں سے افضل اور اُس کے اہلبیت میں تمام اوصیا و انبیائے سلف سے افضل بارہ امام پیدا ہوئے ارشادِ خداوندی **وتقلبك في الساجدين** جسکی وضاحت میں ہم نے اور آیاتِ قرآنی درج کی ہیں اُن بعض خام خیالوں کے اس وہم کا جواب ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت رسولؐ اور علی مرتضیٰ کے آباء و اجداد کافر تھے حضرت رسولؐ اپنے کو دو ذبیحوں کا بیٹا فرماتے تھے. یعنی ایک حضرت اسمٰعیل اور دوسرے حضرت عبداللہ. حضرت اسمٰعیل کی قربانی بھی عملی شکل اختیار کرنے نہ پائی اور اسطرح حضرت عبداللہ کی قربانی اور یہ دونوں صورتوں میں فدیہ دیدیا گیا. اسکی مختصر تشریح (حضرت عبداللہ کی حد تک یہ ہے کہ رسول اللہ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر انکو دس فرزند عطا ہوں تو ایک کو راہِ خدا میں قربان کر دینگے. چنانچہ حضرت عبداللہ پر دس فرزندوں کی تکمیل ہوئی. باعتبار حُسن صُورت و سیرت اور سب سے چھوٹے فرزند ہونیکی حیثیت سے حضرت عبداللہ سے حضرت عبدالمطلب کو بہت زیادہ محبت تھی اور راہِ خدا میں بہترین قربانی پیش کرنے کی نیت سے آپ نے حضرت عبداللہ کو انتخاب فرمایا اور قربان گاہ کی طرف لے چلے. مشیت ایزدی نے جس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کو بچایا تھا اسی طرح حضرت عبداللہ کو بچایا کیونکہ اُنکی صلب میں ختم المرسلین کا نور محفوظ تھا جس کی بدولت ساری کائنات خلق ہوئی تھی اس کے ظاہری اسباب یہ رہے کہ حضرت عبداللہ کی جاذبِ قلب و نظر شخصیت کے نہ صرف خاندان والے بلکہ سارے اہل مکہ گرویدہ تھے. سارے بنی ہاشم اور عمائدینِ مکہ نے یہ تجویز پیش کی کہ فدیہ میں اونٹوں کی قربانی دیدی جائے سو اونٹ پر قرعہ نکلا اور حضرت عبدالمطلب نے سو اونٹوں کی قربانی دیدی.

حضرت عبداللہ کے متعلق ذیل میں ہم مشہور یورپی مورخ ایڈورڈ گبن کے چند جملے نوٹ کرتے ہیں جو "ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن امپائر" کے صـ۲۶ـ پر رقمطراز ہے:-

" عبدالمطلب چھ بیٹوں اور تیرہ فرزندوں کے باپ ہوئے. ان کے سب سے زیادہ چہیتے خوبصورت اور پورے عرب کے نوجوانوں میں منکسر المزاج فرزند عبداللہ تھے. جب عبداللہ کی شادی آمنہ بنت

وہب ابن مناف سے ہوئی (جو عرب کے ایک شریف قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتی تھیں) تو کہا جاتا ہے کہ اُس رات عرب کی دو سو دوشیزائیں رشک اور مایوسی سے جاں بحق تسلیم ہوگئیں"۔

اصل عبارت یہ ہے:-

"He (Abdol Motalleb) became the father of six daughters and thirteen sons. His best beloved Abdullah was the most beautiful and modest of the Arabian youth and in the first night when he consummated his marriage with Amina, of the noble race of Zahrites, two hundred Virgins are said to have expired of jealousy and despair".

حضرت ختمی مرتبت کی شخصیت ظاہری ایڈورڈ گبن کی نظر میں

حضرت سرورِ کائنات ختمی مرتبت کی شخصیت ظاہری کے متعلق گبن صفحہ پر لکھتا ہے:-

قدرت نے محمدؐ کو جسمانی خوبصورتی اور حُسنِ شکل و صورت کا ایسا امتیاز بخشا تھا جسکا منکر صرف وہی ہو سکتا تھا جو محمدؐ کی طرف سے ٹھکرا دیا گیا ہو۔ کسی تقریر کے آغاز سے قبل ہی وہ ہر چھوٹے یا بڑے مجمع کا دل موہ لیتے تھے۔ اُن کا بارعب و پُرشکوہ وجوہ و دبدبہ دل میں اُتر جانیوالی آنکھ، کریمانہ تبسم، لہراتی ہوئی داڑھی اور اُن کے حلیہ بُشرہ کے، جس سے اُن کی روح کی گہرائی کا ہر تاثر ظاہر ہوتا تھا اور ان کے حرکات و سکنات کا جس سے ان کی زبان کا ہر جملہ قوت پاتا تھا ہر شخص مداح تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں وہ عرب کی روایتی مُروّت و اخلاق کے سختی سے پابند تھے۔ ان کی جس قدر توجہ مالدار اور طاقتور اہل قبیلہ کی طرف ہوتی تھی اُس میں اور بھی اضافہ اسوقت ہو جاتا تھا جب وہ مکہ کے مفلس ترین شہری کی طرف خلوص و کرم و لطف سے متوجہ ہو جاتے تھے۔ وہ ہمہ گیر قوی اور فراموش نہ کرنے والے حافظہ کے مالک تھے۔ ان کا معاشرتی طور طریق سنجیدہ ظرافت کا حامل اور انکا تخیل اعلیٰ ترین بلندیوں پر فائز تھا۔ انکا فیصلہ واضح قطعی، مکمل اور بلا تاخیر ہوتا تھا۔ اُن میں جرارت اخلاقی و عملی دونوں ہی تھے اور اگرچہ ان کے منصوبے رفتہ رفتہ بروئے کار آئے مگر وہ اپنی آسمانی تحریک کے جس نظریہ کے روزِ اول سے حامل تھے وہ جدّتِ تخلیق اور اعلیٰ طبعی

ذہانت کی چھاپ لئے ہوئے تھا"۔ گبن کی عبارت یہ ہے:۔

"Mohammed was distinguished by the beauty of his person and out ward gift, which is seldom despised, except by those to whom it isrefused. Before, he spoke, the orator engaged on his side the affection of a public or private audience. They applauded his commanding presence, his majestic aspect his piercing eye, his gracious smile, his flowing beard, his contemance that pointed every sensation of his soul, and his gestures that enforced each expression of the tongue. In the familiar offices of life he scrupuleously adhered to the grave and ceremoneous politeness of his country, his respectful attention to the rich and powerful was dignified by his condescension and affaibility to the poorest citizens of Mecca.

His memory was capacious and retentive, his wit easy and social, his imagination sublime, his judgement clear, rapid and decisive. He possessed the courage both of thought and action and although his designs might gradually expand, the first ideal which he entertained of his divine mission, bears the stamp of an original and superior genius".

جرمن مورخ کورت فریشلر المانی اپنی کتاب" عائشہ بعد از پیغمبر" میں جس کا ترجمہ بزبانِ فارسی ذبیح اللہ منصوری نے کیا ہے صفحہ ۸۲ (ترجمہ) پر رقمطراز ہے:۔

"محمدؐ نگاہے بسیار ملائم و رؤف داشت و ہنگامیکہ نظر بر دیدگانِ دیگرے مے انداخت محبّت وے در قلبِ مخاطب جاے گرفت۔ و پس آنکہ لب بہ سخن میکشود محبتش در قلبِ مخاطب جاگزیں مے شد"۔

یعنی، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظر اسقدر نرم اور رحیمانہ تھی کہ جونہی دیکھنے والوں پر نظر ڈالتے تھے آپکی محبت مخاطب کے دل میں اتر جاتی تھی حتیٰ کہ ابھی آپکا تکلم آغاز بھی نہ ہو سکنے والے کا دل آپکی الفت سے لبریز ہو چکا ہوتا تھا"۔

شجرۂ توحید شجرہ محمدیہ علویہ ہے امام غزالی کی وضاحت

سورۂ نور کی آیت ۳۵ "یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ..... الخ"

کی توضیح کرتے ہوئے امام غزالی اپنی کتاب "التجرید فی کلمۃ التوحید" کے صفحہ ۳۴، ۳۵ پر لکھتے ہیں: (ترجمہ) "اور اسی طرح شجرۂ توحید کی مثال ہے کہ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی نہ معطلیہ نہ ثنویہ نہ دھریہ نہ ثنویہ نہ یہودیہ نہ نصرانیہ نہ مشبہیہ نہ معتزلیہ نہ قدریہ نہ جبریہ بلکہ یہ شجرۂ توحید تو صرف اور صرف "محمدیۃ علویۃ" (محمد و علی پر مشتمل) ہے کہ یہ شجرۂ مبارکہ نہ شرقیہ ہے نہ غربیہ نہ سماوی نہ ارضی نہ عرشی نہ فرشی نہ فوقی نہ تحتی نہ بالائی نہ سفلی نہ دنیوی نہ اُخروی۔ یہ تو خلق سے مختلف اور اسکی پرواز ہمیشہ قربِ حق کی طرف ہے۔ یہ ماسوا اللہ سے جُدا اور اللہ سے متصل ہے۔ نہ یہ دولت دُنیا چاہتا ہے نہ نعمت عقبیٰ بلکہ یہ تو وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ (مَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ)۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب علیہ السلام جس شان کے بزرگ تھے اور ایمان کے جس اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اسکا اعتراف بجز شیعوں کے بہت کم مسلمان کرتے ہیں۔ بلکہ بعض سُنی حضرات تو کہتے ہیں کہ ابوطالب کافر تھے اور اسیطرح حضرت رسولؐ کے والد حضرت عبداللہ علیہ السلام کو بھی کافر سمجھتے ہیں اول تو حضرت ابوطالب کے علوِ مرتبت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ ضحیٰ کی آیات ۱ و ۲ و ۳ و ۶ میں۔ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ..... اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ یعنی (اے رسولؐ) پھر دن چڑھے کی قسم اور رات کی قسم جب (چیزوں کو) چھپالے۔ تمہارے پروردگار نے نہ کبھی تمکو چھوڑا اور نہ کبھی ناراض ہوا کیا تمکو یتیم پاکر پناہ نہ دیدی؟ حضرت سرور کائنات اپنے والد بزرگوار حضرت عبداللہ علیہ السلام کے انتقال کے وقت بروایتے اپنی مادر گرامی حضرت آمنہ بنت وہب ابن مناف کے بطن ہی میں تھے اور ایک روایت کے بموجب آپکی ولادت کے دو ماہ بعد حضرت عبداللہ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔ ابھی آپکی عمر پانچ ہی سال کی تھی کہ آپکی مادرِ گرامی کا انتقال ہوگیا اور آپکے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کا ذمہ لیا مگر ہنوز آپکی عمر کا آٹھواں سال ہی شروع ہوا تھا کہ ایکسو بیس ۱۲۰ برس کی عمر میں حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا مگر انتقال سے قبل حضرت سرورکائنات کو اپنے بارہ بیٹوں میں سے حضرت ابوطالب کی پرورش میں دیدیا۔ باسباب ظاہر اسکی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوطالب اور حضرت عبداللہ ایک ہی ماں جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ کے بطن سے اور اس طرح حقیقی بھائی تھے دوسرے یہ کہ اپنے غیر معمولی اعلیٰ اوصاف کے علاوہ پہلے ہی سے حضرت رسولؐ سے انتہائی یگانگت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہوں روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۹، سیرت النبی ص ۲۶۵ و تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۳) حضرت ابوطالب کی آغوشِ پرورش و تربیت و پناہ میں حضرت رسولؐ ۵۳ سال کی عمر تک رہے۔

پچیس سال کی عمر میں آنحضرت کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا جنکی عمر بقول عبداللہ ابن عباس اٹھائیس سال اور بقول بعض مورخین چالیس سال تھی بموجب حیات القلوب جلد۲ صـ۹۱۹ بقول علامہ شیخ طوسی و علامہ سید مرتضےٰ اعلم الہدیٰ مجتہدین آپ باکرہ تھیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بھی جنکی حالیہ تحریرات کا نہج انکی سابقہ کتابوں سے کسی قدر بدلا ہوا ہے۔ تحقیق کی بنا پر اپنی کتاب (Introduction To Islam.) میں حضرت خدیجہ کی عمر اٹھائیس سال بتائی ہے۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بخلاف بعض دیگر سنّی مورخین کے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے احادیث رسول کی ترویج کو روکنے کیلئے حضرت رسول کے ارشاد کی غلط تاویل کی تھی۔ اسکا ذکر ہم نے باب دوم میں کیا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ خطبۂ نکاح پڑھا اور آپ ہی نے حضرت خدیجہ کا مہر پانچسو طلائی درہم یا ساڑھے بارہ اوقیہ سونا (ایک اوقیہ پونے تین تولہ کا ہوتا ہے) یعنی بیس جوان اونٹوں کی قیمت اپنے پاس سے ادا کی اور ایک اونٹ ذبح کرکے ولیمہ کا کھانا کھلایا (ملاحظہ ہوں: روضۃ الاحباب جلد۲ صـ۱۰۲ تاریخ اسلام جلد۲، حیات القلوب جلد۲ صـ۱۳۴ و تاریخ طبری فارسی جلد۴ صـ۳۷۵)۔

حضرت رسول ہر قسم کی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے تبلیغ رسالت کا کام کئے ہی جاتے تھے اور کفار قریش کی دشمنی آپ سے بڑھتی جاتی تھی حضرت ابوطالب کی مستحکم پناہ ایسی تھی کہ کفار قریش حضرت رسولؐ کے قتل کا ارادہ کرکے بھی اسکو عملی جامہ پہنا سکے۔ جیسا کہ بعد انتقال حضرت ابوطالب انھوں نے عملی اقدام کر ہی دیا۔ قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے مشورہ کرکے حضرت رسولؐ و حضرت ابوطالب اور بنی ہاشم سے ترکِ موالات کرنیکا ایک معاہدہ ۷ بعثت میں کیا اور سب نے دستخطیں ثبت کرکے کعبہ میں یہ دستاویز لٹکا دیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ بنی ہاشم سے لین دین، تجارت، شادی بیاہ، ملاقات اور معاشرتی تعلقات سب منقطع کردیئے جائیں۔ حضرت ابوطالب کی ایک زمین میں ایک گھاٹی ہے محصور مقام تھا۔ جو شعبِ ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ بعثت ۷ میں حضرت ابوطالب حضرت رسولؐ اور سب بنی ہاشم کو لیکر شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی کفار قریش نے شعب ابی طالب کا محاصرہ کرلیا اور کسی کام یا اشیاء محتاج کی خریدی کیلئے بھی باہر جانے سے بنی ہاشم کو روکتے رہے۔ یہاں تک کہ گھاس پتے کھاکر گزارا کرنے کی نوبت آئی۔ مسلسل تین سال تک حضرت ابوطالب رسول اللہ کی حفاظت اسطرح کرتے رہے کہ روزانہ حضرت رسولؐ کو بستر بدل بدل کر سلاتے اور آپ کے بستر پر اپنے کسی فرزند کو سلایا کرتے۔ ناظرین غور فرمائینگے کہ یہ طریقہ اسی مہتم بالشان واقعہ کی تمہید تھی کہ شبِ ہجرت علی مرتضےٰ نے رسول اللہ کی جگہ آپ کے بستر پر تلواروں کی چھاؤں میں سوکر آپکو محفوظ طور پر نکل جانے اور غار ثور تک پہنچ جانے کا وقت دیا۔ تین سال تک حضرت ابوطالب نے جس محنت، ہمت اور اولوالعزمی سے سخت ترین مصائب اور دشمنوں کے شدائد میں حضرت رسولؐ کی حفاظت کی اور جسطرح اپنے فرزندوں کو فدیہ رسولؐ کے طور پر قربانی کیلئے پیش کیا تاقیامت یادگار رہیگا۔

۱۰ بعثت میں شعبِ ابی طالب کا محاصرہ ختم ہونے کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ سرکارِ دوعالم نے

اپنے چچا سے فرمایا کہ کفار قریش سے مل کر انکو بتایئے کہ کعبہ میں جو عہدنامہ انھوں نے لٹکایا تھا۔ اس سب کو دیمک کھا چکی ہے بجز اللہ کے نام کے جو محفوظ ہے۔ جب حضرت ابوطالب نے عمائد قریش سے یہ بیان کیا تو انکو سخت حیرت ہوئی اور جب دستاویز کو نکالا تو بجز "بسمك اللھمّ" پوری تحریر غائب تھی۔ اس واقعہ سے قریش بہت متاثر ہوئے اور بعض نے کہا کہ شاید ہم نے ظلم کیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر محاصرہ برخواست کر دیا گیا۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے ایک سال بعد اور مدینہ کو ہجرت سے تھوڑے دن پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اور اس کے ۵۵ دن بعد ستاسی برس کی عمر میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔ حضرت رسولؐ کو اسقدر صدمہ ہوا کہ اس سال کو آپنے عام الحزن یعنی غم کے سال سے تعبیر کیا۔ ہجرت کے اسباب ظاہری میں حضرت ابوطالب کی موت اور آپکا ایک طاقتور حمایتی کی مدد سے محروم ہو جانا بھی ایک بڑا سبب ہے۔

یہ امر بھی بدیہی ہے کہ حضرت ابوطالب رسولؐ اللہ کو آپکے بچپن ہی سے خاتم الانبیاء مانتے تھے۔ دستور الحقائق میں مذکور ہے اور علامہ سید صالح کشفی ترمذی حنفی نے اپنی کتاب کوکب دری کے صفحہ ۱۲۲ پر اسکو درج کیا ہے کہ جب حضرت علی اپنی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بن عبد المطلب کے (جنکو حضرت رسولؐ اُمّی بعد اُمّی فرمایا کرتے تھے) بطن میں سات مہینہ کے تھے حضرت رسول باہر سے تشریف لائے اور آواز دی السلام علیک یا اخی۔ پیٹ میں سے حضرت علی نے جواب دیا وعلیکم السلام یا رسولؐ اللہ۔ یہ سنکر حضرت ابوطالب نے کہا بیشک میرا بھتیجہ خاتم الانبیاء ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوطالب حضرت رسولؐ کو پیغمبر برحق نہ سمجھتے تو اپنے اور اپنی اولاد کے تن من دھن کی بازی لگا کر اسطرح حفاظت کرنا جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے نفسیات و فطرتِ انسانی کے بالکلیہ خلاف ہوتا اور ایسا طرزِ عمل ہرگز ممکن نہ تھا۔ جامع الاصول میں ہے کہ اہلبیتؑ کا اسپر اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالب مومن تھے اور مومن مرے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے اور مولانا عبید اللہ امرتسری بسمل نے اپنی کتاب ارجح المطالب میں حضرت ابوطالب کے دو اشعار درج کئے ہیں جنمیں آپنے توحید و نبوتِ حضرت ختمی مرتبت و وصایتِ حضرت علی کے اقرار کا اظہار فرمایا ہے۔

کتب اہلسنت کی بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ابتدا میں حضرت ابوطالب نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں فرمایا تھا تاکہ اپنے رسوخ و سرداری سے حضرت رسولؐ کی حفاظت قرار واقعی طور پر کر سکیں۔ اگرچہ طرزِ عمل و اقوال شاہد ہیں کہ آپ اپنے بھتیجہ کو شروع ہی سے خاتم النبیین تسلیم کرتے تھے بعض لوگ آپکو مومنِ آلِ فرعون حضرت حزقیل سے تشبیہ دیتے تھے جو بہ مشیتِ ایزدی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں صراحت موجود ہے چنانچہ سورۂ مومن کی آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ

یعنی آلِ فرعون میں سے ایک ایماندار شخص (حزقیل فرعون کے چچازاد بھائی) نے جو اپنے ایمان کو چھپائے

دیتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کردگے جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ حزقیل کا واقعہ تفاسیر میں اسطرح آیا ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد بھائی اور ولی عہد تھے۔ یہ اللہ پر ایمان لاچکے تھے اور پانچ سو یا چھ سو سال اپنے ایمان کو چھپاتے رہے تاکہ ایک طرف حضرت موسیٰ کو اور دوسری طرف ان کے ماننے والے مومنین کو فرعون کے ظلم سے بچاتے رہیں یہ اس قسم کی باتیں کرتے کہ فرعون کے خلاف بھی نہ پڑیں اور ساتھ ہی حضرت موسیٰ کی حفاظت کا پہلو بھی نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن قرار دیا ہے اور اپنے ایمان کے چھپانے کی واجبیت کی بھی توثیق فرمادی ہے۔ اگر حضرت ابوطالب نے کفار قریش کی طاقت کا اندازہ کرتے ہوئے مصلحت اسمیں سمجھی ہو کہ سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان نہ کرکے اپنے بَیْضَۃُ الْبَلَدْ سردارِ قریش، سردارِ کعبہ ہونے کے اثر و نفوذ کو حفاظت رسولؐ کیلئے کام میں لائیں تو شواہد روایت و درایت و تماثیل قرآن کی موجودگی میں آپکے ایک عالی مرتبہ مخلص ترین مومن ہونے سے انکار کرنا ایک کھلی ہوئی جہالت ہے۔

مشہور سنی مورخ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ ابن ہشام میں اور ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں حضرت ابوطالب کے لکھے ہوئے متعدد قصیدے نقل کئے ہیں جنمیں توحید باری رسالت ختم المرسلین، خلافت علیؑ اسلام کے دین حق ہونے اور رسول اللہ کی مدح میں دل کھولکر خامہ فرسائی کیگئی ہے اور اسکے علاوہ اپنے فرزندوں کو حفاظت رسولؐ میں ہمیشہ سینہ سپر رہنے کی فہمائش و نصیحت اور کفار قریش کے مقابلہ میں حفاظت رسولؐ کیلئے خود اپنے عزم صمیم کا اظہار اور بشکل رجز کفار کو دھمکیاں بھی دیگئی ہیں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ علاوہ دیگر امور کے اسمیں کا ایک قصیدہ بھی حضرت ابوطالب کے ایمان کامل کو ثابت کرنے کا فی دوانی ہے۔ کامل ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی جلد اصلا پر لکھا ہے کہ جب بحکم قرآن حضور رسول نے دعوت ذوالعشیرہ کا انتظام فرمایا تو حضرت ابوطالب نے فرمایا واللہ لنمنعنہُ مَا بقینا یعنی خدا کی قسم ہم جبتک زندہ رہینگے دشمنوں سے ان (محمد صلعم) کی حفاظت کرینگے۔ طبقات ابن سعد جلد اصفحہ ۲۰۳ پر درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول کوہ صفا کی طرف گئے اور بہت دیر تک نظر نہیں آئے۔ حضرت ابوطالب کو فکر ہوئی کہ کہیں سرداران قریش نے قتل نہ کردیا ہو اور آپ نے جوانان بنی ہاشم کو زیر آستیں خنجر چھپوا کر ایک ایک سردار قریش کے پیچھے لگا دیا کہ معلوم ہو کہ محمدؐ قتل کردیئے گئے تو ان سب کو قتل کر دینا۔ حضرت ابوطالب نے تلاش کرکے آنحضرتؐ کو پالیا اور سرداران قریش سے فرمایا واللہ لَوْ قتلتموہُ مَا بقیتَ مِنکُمْ اَحَدٌ احتیٰ متفانی نحْنُ وَاَنتُمْ یعنی اگر تم محمدؐ کو قتل کردیتے تو خدا کی قسم میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا ہم بھی مرجاتے اور تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

کافر دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے اُن سے بظاہر دوستی بنائے رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۲۸ ہے:-

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْکَافِرِینَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِینَ وَمَنْ یَفْعَلْ ذَالِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِی شَیْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً

یعنی: مومنین مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا تو اُس سے خدا سے کچھ سروکار نہیں بجز اسکے کہ ایسا کرنے سے اُن کے شر سے بچنا مقصود ہو۔ اگر مثلِ حزقیل کے جو اپنا ایمان کئی سو سال چھپاتے رہے جنکو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ایمان قرار دیا ہے۔ حضرت ابو طالب نے اپنے ایمان کا دشمنوں کے سامنے اعلان نہ کیا اور انکے شر سے رسولؐ کو بچانے اور حفاظت کی خاطر اپنے اثر و رسوخ کو قائم رکھنے کیلئے دشمنوں سے روابط ظاہری کو برقرار رکھا تو یہ عین مطابقِ منشاء الٰہی ہے۔ کسی کی دوستی یا عمل کو جانچنے کا سب سے بڑا اصلی عقلی معیار یہی ہے کہ آیا اس سے فائدہ حاصل ہوا یا نقصان پہنچا۔ جہاں حضرت ابو طالب نے رسولؐ کو اپنی پناہ میں رکھا (جسکو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی پناہ قرار دیا ہے) اور حفاظتِ رسولؐ کیلئے از سر تا پا ایک سپر آہنی بنے رہے اور اپنی اولاد کو بھی معرضِ ہلاکت میں ڈالکر اللہ کے پیغمبر کو بچایا تو اس سے بڑھکر رسولؐ کی نصرت اور خبرگیری اور کیا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت ۷۴ میں انصارِ مدینہ کو جنھوں نے حضرت رسولؐ اور آپکے ساتھ آنے والوں کی نصرت کی سچے مومن قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ یعنی جن لوگوں نے رسولؐ اور انکے ساتھ ہجرت کرنیوالوں کو جگہ دی اور خبرگیری کی تو یہی لوگ سچے مومن ہیں۔

تاریخ پر نظر رکھنے والوں پر یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے خلاف کردار کشی کا مہم سیاسی اغراض کے تحت خلفاء بنو عباس کیجانب سے ۱۳۲ھ کے بعد شروع کیگئی۔ ورنہ اس سے قبل آنجناب کا محسنِ اسلام محسنِ رسولؐ اور مومن کامل ہونا سب ہی کا مسلمہ تھا۔ اولاد ابو طالب سے دشمنی بنی عباس کی سرشت میں سرایت کرگئی تھی کہ اُدھر حضرت ابو طالب رسول اللہؐ کے حقیقی چچا تھے کہ حضرت عبداللہ و ابو طالب کی والدہ بھی ایک تھیں تو عباس بھی جو عبدالمطلب کی ایک دوسری زوجہ کے بطن سے تھے رسول اللہؐ کے ایک چچا تھے۔ خلفاء بنو عباس میں ایسے ایسے دشمنِ اہلبیت گزرے جو ہزارہا شیعوں کو تباہ و تاراج کرنے کے علاوہ چھ ائمۂ اہلبیت کی قید و بند اور قتل کے ذمہ دار ہیں۔ باوجود شاہانہ اقتدار کے بھی یہ خلفاء لوگوں کے دلی احترام سے محروم تھے جو ائمہ اہلبیت کو حاصل تھا۔ اس خاندانی رقابت کی بنا پر بنو عباس نے اپنے بہی خواہوں اور تنخواہ داروں کے ذریعہ یہ شہرت دلوانی شروع کی کہ ہمارے مورثِ اعلیٰ عباس مسلمان تھے اور ائمہ اہلبیت کے مورث ابو طالب کافر تھے۔ یہاں ہم اس تاریخی حقیقت پر ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں جس سے سب ہی واقف ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا کھلا ہوا اور سب سے بڑا دشمن معاویہ تھا جس نے آپ کی خلافت سے انکار کیا اور بغاوت کر کے علانیہ جنگ کی اور بیاسی ہزار مسلموں سے آپ پر سب و شتم کرواتا رہا۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی اس نے کبھی یہ نہ کہا کہ علی کے والد کافر تھے۔ اس قسم کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو معاویہ پہلا شخص ہوتا جو حضرت ابو طالب کو کافر کہتا۔ اسکے بہت واضح عقلی اور نفسیاتی وجوہ اور بھی ہیں۔ وہ یہ کہ معاویہ ایک مسلمہ مجہول النسب شخص تھا جس کے باپ ہونے کے چار آدمی دعویدار تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۸۹ پر ہم نے اہلسنت کی کئی معتبر کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن میں ناموں کی صراحت کے ساتھ معاویہ کی ماں ہندہ کے ناجائز تعلقات کی عام شہرت اور سیاہ رنگ مردوں پر زیادہ مائل ہونا اور نتیجۃً سیاہ رنگ بچے پیدا ہونے پر ان کو مار دینا مذکور ہے۔ معاویہ کو خود بھی اعتراف تھا کہ بعض لوگ اُسے عباس کی اولاد سمجھتے تھے۔ ان مسلمہ واقعات کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو ایک خط میں لصیق یعنی مجہول النسب لکھا تھا۔ جہاں معاویہ کے نسب اور باپ پر یہ راست حملہ تھا تو یہ یقینی تھا کہ اگر حضرت ابو طالب کے خلاف کوئی افواہ بھی ملتی تو معاویہ اسکو بڑھا چڑھا کر ایک حربہ کے

طور پر استعمال کرتا اور اس تفاخر کے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا کہ علی کے باپ کافر تھے اور خود اسکے باپ ابوسفیان مسلمان تھے۔ خواہ فتح مکہ کے بعد اسلام کے آگے ہتھیار ڈالکر وہ ظاہراً طور پر ہی سہی مگر مسلمان تو کہلا ہی رہے تھے۔ ایک زبردست دشمن کا ایسا نہ کرنا اس بات کی فیصلہ کن دلیل ہے کہ سرے سے ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں کہ کچھ کہا جا سکتا۔ عہد معاویہ کے تقریباً ایکسوسال بعد کردار کشی کی یہ مہم بمصداق "عیاں راچہ بیاں" بنو عباس کی سیاسی کارسازی کا نتیجہ ہے۔ اس گندہ بردگینڈہ نے حضرت ختمی مرتبت کے والد کو بھی لپیٹ لیا کہ (معاذاللہ) حضرت عبداللہ علیہ السلام بھی کافر تھے۔ اور بمصداق "اَلْعَوَامُ کَالْاَنْعَامِ" اب بھی بہت سے حضرات بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح اس پٹی ہوئی لکیر کو پیٹتے ہوئے خود اپنے ایمان کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔

ظاہر بظاہر بھی حضرت ابوطالب کا اپنے ایمان کا اعلان کرنا اور کلمہ پڑھنا متعدد کتب اہلسنت میں درج ہے۔ چنانچہ روضۃ الاحباب جلد ا صفحہ ۱۳۴ تفریح الاذکیا جلد ۲ صفحہ ۵۴ اور تاریخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۶ و سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۶ و منہاج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۰ وابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات قریب ہوئی تو عباس ابن عبدالمطلب نے دیکھا کہ ان کے دونوں لب ہل رہے ہیں۔ آپ نے کان انکی طرف لگائے اور سنکر حضرت رسولؐ سے کہا کہ اے بیٹے خدا کی قسم میرے بھائی نے تمہارے ہی کلمہ کو دہرایا ہے۔

ہم آخر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے متعلق چند مستشرقین کے اقوال مع ترجمہ درج کر دیتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آپکی بلند و بالا شخصیت کو غیر جانبدار مورخین بھی کس طرح تسلیم کرتے ہیں:-

سر ولیم میور اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ اسلام" کے صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں:-

ابوطالب خدیجہ کے قریب دفن کئے گئے اور محمدؐ (صلعم) ان کے جنازہ کی مشایعت کرتے ہوئے روتے جاتے تھے۔ چالیس سال کی مدت تک یہ چچا اپنے بھتیجے کا وفادار دوست رہا اور ابتدائی زندگی کا توسہارا ہی تھا۔ آخری آزمائشی دور میں محمد (صلعم) کی حفاظت کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنا رہا۔ شاید ایک دوسری خدیجہ مل بھی جا سکتی مگر ایک دوسرا ابوطالب محال تھا۔

اصل عبارت یہ ہے:-

"He (Abu Talib) was buried near to Khadija and Mehomet wept as he followed the bier. For forty years his uncle had been his faithful friend, the stay of early life and in later days of trial a strong tower of defence. Another Khadija might per chance be found but not a second Abu Talib".

ایڈورڈ گبن ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر کے ص۷۰ و ۶۹ پر لکھتا ہے :۔ سفر ہو یا حضر امن ہو یا جنگ ہر موقعہ پر ابو طالب جو پیغمبر کے تمام چچاؤں میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت تھے محمدؐ کی جرانی میں ان کے سرپرست و رہنما رہے۔ (اگر ایک طرف زمانہ قحط میں سارے ملک والوں کو عبد المطلب (باپ یا ہاشم) اپنی فیاضی سے کھانا کھلاتے رہے تو دوسری طرف اُن کے بیٹے (ابو طالب) کی جرات و ہمت نے مکہ کو تباہی سے بچالیا۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

"Mecca which had been fed by the liberality of the father was saved by the courage of a son (Abu Talib)".

رسالت امامت کی گواہ ہے بحکم قرآن اور حسبِ ارشادِ پیغمبر حضرت رسولؐ کی رسالت کے گواہ خود اللہ تعالیٰ اور پھر تنہا حضرت علی علیہ السلام ہیں، ان آیات و احادیث کا ذکر اس کتاب میں دوسری جگہ آچکا ہے۔ یہاں ہم صرف ایسی آیات کا اعادہ کرتے ہیں۔ جن سے ائمہ طاہرین کی امامت کے گواہ حضرت رسولؐ ہونا ثابت ہے۔ سورۂ بقر کی آیت ۱۴۳ ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۙ یعنی :۔ اس طرح تمکو (خلق و خالق کے درمیانی گروہ (امام) بنایا تاکہ تم لوگوں کے (اعمال کے) گواہ بنو اور تمہاری (امامت) پر رسول کو گواہ بنایا۔ سورۂ نحل کی آیت ۸۹ ہے:۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۙ یعنی:۔ جس دن ہم ہر ایک اُمت میں اُنہیں میں کا ایک گواہ اِن کے مقابل لاکھڑا کریں گے اور (اے رسولؐ) تم اُن گواہوں کے گواہ بنائے گئے ہو۔

سورۂ نساکی آیت ۴۱ ہے:۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۱۱

یعنی: کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت کے گواہ طلب کریںگے اور (اے رسولؐ) تم ان گواہوں کے گواہ بنائے گئے ہو۔

ظاہر ہوا کہ بحکم قرآن ائمہ کی امامت کے گواہ حضرت رسولؐ ہیں۔ اصل کتاب میں ہم نے اِن آیات کے تحت کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ خود حضرت رسولؐ نے اپنے مکرر و متواتر ارشادات میں اپنے بارہ اوصیا و خلفا اور اُمت کے اماموں کے نام بالصراحت ظاہر فرمادیئے اور ان سے تمسک رکھنے کی تاکید فرمائی اور یہ بھی بیان کر دیا کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے وہ کفر کی موت مرتا ہے۔ حضرت رسولؐ کے ارشادات بھی اس کتاب میں مختلف مقامات پر درج ہوئے ہیں۔ یہاں ہم ربطِ عبارت کیلئے انہیں کی بعض احادیث کو دہرادیتے ہیں، بعض مزید حدیثیں اور علماء اہلسنت کے اقوال بھی درج کرتے ہیں:۔ (۱) شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۷۶ کے ص۴۹۲ پر لکھتے "بعض محققین علماء (یعنی علماء

[illegible] عترت طرق اہلسنت) نے کہا ہے کہ رسول اللہ کے بارہ خلفاء کی تعداد معین کرکے رسول اللہ نے اپنے
کے ساتھ مشہور ہیں جن سے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ اپنے خلفاء کی تعداد معین کرکے رسول اللہ نے اپنے بعد ہونے والے خلفاء
اہلبیت اور عترت میں سے بارہ اماموں کو مراد لیا ہے۔ ان احادیث کو آنحضرتؐ کے بعد ہونے والے خلفاء
صحابہ سے مطابق کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ پیغمبر نے بارہ کا عدد معین کیا ہے (اور یہ تین تھے — سلاطین بنوامیہ
پر بھی اسکا اطلاق نہیں ہوتا کہ وہ بارہ سے زیادہ تھے۔ شاہان بنی عباس پر بھی اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھی
تعداد میں بارہ سے زائد (۲۵) تھے۔ صاحب کتاب البیان و التبیین ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ بصری
معتزلی متوفی ۲۵۵ھ جو اہلسنت کے علمار محققین اور اعیان متبعین متقدمین میں سے تھے انھیں حقائق
کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور خواجہ بزرگ سلیمان بلخی نے ینابیع المودہ کے باب ۵۲ میں عالم موصوف ابوعثمان
کے بعض کلمات کو نقل کیا ہے۔ یعنی یہ کہ درحقیقت اہلبیت پر دوسروں کو فضیلت دینے اور نزاع کرنے کی وجہ سے
خصومتوں نے سلیم عقلوں کو ناقص اور اچھے اخلاق کو فاسد بنا دیا ہے۔ پس ہم پر طلب حق اور اس کا اتباع
قرآن مجید میں خدا کی مراد معلوم کرنا، تعصب اور ہوائے نفسانی کو ترک کرنا اور اپنے اسلاف اور اساتذہ
اور آباؤ اجداد کی تقلید سے دور رہنا واجب ہے"۔

(۲) حافظ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے البیان فی اخبار صاحب الزمان میں حافظ ابونعیم اصفہانی نے
ذکر نعت المہدی میں، ابوداؤد سجستانی نے اپنے سنن میں (جو صحاح سے ہے) کتاب المہدیؑ کا مستقل
عنوان قائم کیا ہے اسی طرح ترمذی نے صحیح میں، ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن میں (جو صحاح سے ہے) حاکم نے
مستدرک میں ان احادیث کو نقل کیا ہے جن میں بارہ ائمہ بشمول مہدی آخرالزماں کی خبر دی گئی ہے۔

(۳) محمد ابراہیم حموی شافعی نے فرائد السمطین میں ابن عباس سے روایت کی ہے،۔ اَنَا سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ
وَعَلِیٌّ سَیِّدُ الْوَصِیِّیْنَ وَاِنَّ اَوْصِیَائِیْ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ اَوَّلُهُمْ عَلِیٌّ وَآخِرُهُمُ الْمَهْدِیُّ۔

یعنی:۔ "میں انبیاء کا سردار ہوں اور علی اوصیاء کا سردار ہے اوصیاء میرے بعد بارہ ہوں گے جن میں کا
اول علی ہے اور آخر مہدی ہے"۔

۴۔ علامہ کشفی حنفی نے ربانہ ابن ربعی سے کوکب دری کے ص۱۳۳ پر ویسی ہی روایت درج کی
ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میں تمام نبیوں کا سردار ہوں اور علی تمام وصیوں کا سردار ہے اور میرے بعد
میرے بارہ وصی ہوں گے انہیں سے پہلا علی اور آخری قائم مہدی ہے۔

۵۔ علامہ موصوف کوکب دری کے ص۱۳۲ پر جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت نقل کرتے ہیں کہ
حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اس امت میں کوئی نیکی اور بھلائی نہیں ہے۔ جس میں فرزندان علی میں سے کوئی
موجود نہ ہو جو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔

(۶) بیہقی، خوارزمی اور ابن مغازلی شافعی نے اپنے مناقب میں نقل کیا ہے کہ حضرت رسول ؐ نے جناب امیر سے فرمایا کہ یا علی میرے لئے یہ درست نہیں کہ میں لوگوں کے درمیان سے اُٹھ جاؤں بغیر اسکے کہ تم میرے خلیفہ اور تم ہی میرے بعد مومنین سے اولیٰ ہو۔

(۷) ابواسحاق شیخ الاسلام حموینی ابراہیم بن محمد فرائد السمطین میں سورۂ نساء کی آیت ۵۹ (اولی الامر منکم) کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمکو پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ آیۂ شریفہ میں اولی الامر سے مراد علی ابن ابی طالب اور اہلبیت رسول ہیں۔ عیسیٰ بن یوسف ہمدانی ابوالحسن سلیم بن قیس الہلالی سے اور وہ امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ میرے شریک وہ لوگ ہیں جنکی اطاعت کو خدائے تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے ملحق قرار دیا اور ان کے حق میں اُولی الامر منکم نازل فرمایا ہے۔ تمکو چاہیئے کہ اُن کے کلام سے باہر نہ جاؤ۔ ان کے فرمانبردار رہو اور اُن کے احکام و اوامر کی اطاعت کرو۔ جب میں نے یہ ارشاد سُنا تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خبر دیجئے وہ اُولی الامر کون ہیں فرمایا یا علی انت اولھم یعنی یا علی تم ان کے پہلے ہو۔

(۸) محمد بن مومن شیرازی جو اجلۂ علمائے اہلسنت سے ہیں رسالۂ اعتقادات میں روایت کرتے ہیں کہ جسوقت رسول خدا نے امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا تو آیۂ شریفہ اولی الامر منکم علی ابن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی۔

(۹) شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودہ باب ۳۸ میں جسکو اسی آیت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ مناقب سے نقل کرتے ہیں کہ تفسیر مجاہد میں ہے کہ یہ آیت (اولی الامر منکم) امیرالمومنین علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جسوقت پیغمبر نے اُنکو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا یا علی آیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری مجھ سے وہی منزلت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی یعنی ہارون کو جس طرح خدا نے موسیٰ کا خلیفہ قرار دیا تھا اسی طرح تمکو میرا خلیفہ قرار دیا۔

(۱۰) علاّمہ کشفی کوکب دری کے صفحہ ۱۲۰ پر یہ حدیث نقل کرتے ہیں:۔

حضرت رسول خدا نے فرمایا جو کوئی چاہے نجات کی کشتی پر سوار ہو اور مضبوط دستہ سے متمسک ہو اور خُدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلے اُسکو لازم ہے کہ میرے بعد علی کو دوست رکھے اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اسکی اولاد کے اماموں کا جو ہدایت کے پیشوا اور خدا کی طرف راہ دکھانے والے امام ہیں پیرو اور مطیع ہو کیونکہ یہ میرے وصی اور خلیفہ اور میرے بعد خُدا کی مخلوق پر خدا کی حجتیں ہیں اور میری اُمت کے رئیس اور سردار اور پرہیزگاروں کو بہشت کی طرف لیجانے والے ہیں۔ ان کا گروہ میرا گروہ ہے اور ان کے دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔

(۱۱) دستور الحقائق میں زید ابن ارقم سے مروی ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۹۶ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ جو شخص حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے تمسک چاہے اس پر لازم ہے کہ وہ علی اور انکی ذریت سے تمسک اختیار کرے۔

(۱۲) مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی شافعی میں درج ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۱۰ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ اے علی اللہ نے سب عالم پر نظر کر کے مجھے اور تجھے انتخاب کیا پھر تیری اولاد میں آئمہ معصومین کو تمام جہان کے مردوں میں انتخاب کیا اور پھر نظر کی اور تمام عالمین کی عورتوں میں سے فاطمہ کو انتخاب کیا۔

(۱۳) حافظ ابن عقدہ احمد بن محمد کوفی ہمدانی جو علماء عامہ میں سے اپنے علماء و مشائخین سے اور وہ عبد القیس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں نے بصرہ میں ابوایوب انصاری سے ایک مفصل حدیث سُنی یہاں تک کہ انھوں نے کہا میں نے رسُولِ خُدا سے سُنا ہے کہ فرمایا میں نے شب معراج ساقِ عرش پر نظر کی تو لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَیَّدۃٗ بعلی ونصرۃ بہٖ ؕ

اس کے بعد لکھا ہوا ہے:۔

الحسن والحسین علی وعلی ومحمد ومحمد وجعفر وموسیٰ والحسن والحجۃ میں نے عرض کیا خداوندا یہ کون ہیں وحی ہوئی (اے محمدؐ) یہ تمہارے بعد تمہارے اوصیا ہیں نطوبیٰ المحبتہم والویل لمبغضہم یعنی یعنی بہشت ہے ان کے دوستوں کیلئے اور جہنم ہے ان کے دشمنوں کیلئے

(۱۴) صاحب تفسیر کشاف روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خُدا نے ارشاد فرمایا فاطمہ میری روح ہے اور اسکے دونوں فرزند میرے میوۂ دِل ہیں اور اس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اُس کی اولاد کے ائمہ میرے پروردگار کے امین ہیں اور وہ ریسمان ہیں جو اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان ہے جو اس سے متمسک ہوا نجات پا گیا اور جسنے تخلف کیا ہلاک ہوا اور جہنم میں گیا۔

(۱۵) حافظ نذیر احمد خاں اپنی کتاب رویائے صادقہ کے صـ۱۵۲ پر لکھتے ہیں:۔

"پیغمبر کے بعد داماد کہو بیٹا کہو بھائی کہو یہی (علی) تھے اور چند در چند قرابتوں کے علاوہ علم و فضل و شجاعت میں کوئی آپکا ہمسر نہ تھا بس قرآن کے اصلی معنی و مطلب وہی ہیں جو نبی سے علی کو ملے اور علی سے ان کی اولاد کو اور ان کے ذریعہ علمائے مخلصین کو ملے"۔ جن آیات قرآنی کا حوالہ ہم نے اوپر دیا اُن سے واضح ہے کہ ائمہ طاہرین کی امامت کے گواہ حضرت رسول ہیں اور احادیث محولہ صدر میں ائمہ اہلبیت اطہار کے نام بھی بصراحت حضرت رسول نے ظاہر فرما دیئے ہیں اور متعدد علماء اہلسنت نے ان حدیثوں کو تسلیم کیا ہے۔

امامت اُصولِ دین میں سے ہے علمائے اہلسنت کی رائے

مشہور مفسر قاضی بیضاوی کتاب منہاج الاصول میں لکھتے ہیں۔ حقیقتاً امامت اُصولِ دین کے بزرگ ترین مسائل میں سے ہے جس کی مخالفت کفر و بدعت کا سبب ہے۔

ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں بے شک امامت اُصولِ دین کا ایک عظیم ترین مسئلہ ہے۔ اس کی مخالفت کفر واجب کرتی ہے۔

ملا قوشنجی شرح تجرید بحثِ امامت میں لکھتے ہیں "امامت ایک ریاستِ عمومی ہے اور امورِ دین و دُنیا میں بطریقِ خلافت پیغمبر کی طرف سے" قاضی فضل ابن روزبھان لکھتے ہیں:۔

امامت ریاست، براثت اور نیابت و خلافتِ رسُول ہے امامت، اشاعرہ کے نزدیک رسول اللہ کی خلافت ہے" دین کو قائم کرنے اور حلقہ ملتِ اسلامیہ کی حفاظت کرنے میں اس طرح پر کہ ساری اُمت پر اسکا اتباع واجب ہے۔ سیوطی رسالہ صدر انافہ میں لکھتے ہیں۔ خلافت رکن عظیم من ارکان الاسلام اخبر بہا الشرع و وردت بہا الاخبار و الاحادیث۔ یعنی خلافت اسلام کے ارکانِ عظیم میں داخل ہے۔ اسکی خبر شریعت نے دی ہے اور اندرین باب احادیث و اخبار وارد ہوئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں: اثبات خلافت اصلے است از اصولِ دین۔ تا وقتیکہ این اصل را محکم نہ گیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود۔ یعنی اصولِ دین میں سے خلافت ایک اصل ہے اور جب تک کہ اس اصل کو محکم طور پر قبول نہ کریں شریعت کے مسائل میں سے کوئی مسئلہ بھی استوار نہیں ہوتا فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں۔ یہ آیت اکثر مسائل دینیہ پر مشتمل ہے اور منجملہ اس کے مسئلہ امامت ہے۔

رسالت سے امامت کا تسلسل

قدرت کا اسکیم عقلاً اور بروئے عقیدۂ اسلام یہی ہے کہ لوگوں کی ہدایت تاقیامت ہوتی رہے۔ یہ منشاء نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت معینہ کے بعد لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور انکی رہنمائی کا کوئی انتظام نہ ہو خصوصاً جب کہ شیطان کو وقتِ معلوم تک لوگوں کو بہکانے کی مہلت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے۔ لہٰذا لازم تھا کہ ختم نبوت کے بعد بھی ہدایت کا سلسلہ جاری رہے تاکہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر تمام ہوتی رہے اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد کے زمانہ کیلئے سلسلہ امامت جاری فرمایا سنتِ الٰہی کے اعتبار سے یہ ہوتا رہا اور عقلاً بھی یہ ضروری تھا کہ نبی وقت اپنے بعد آنے والے رہبر کی خبر دیجائے۔ اس کا مقصد بھی دو گونہ تھا ایک یہ کہ بعد کے آنے والے رہبر کے برحق ہونیکی ضمانت حاصل رہے اور لوگ اس کی پیروی کھلے دل سے کرسکیں اور دوسرے یہ کہ پہلے سے نام بتا دینے کی وجہ سے بعد میں آنے ہوئے رہبر کا لوگوں کو آسانی سے پتہ چل جائے اور ان کی رہبری کے وسائل میں کوئی تعطل نہ پیدا ہو نبی کے معنی خبر دینے والے کے ہیں اور نبا کے معنی خبر۔ نبی ایک تو اللہ کی طرف سے لوگوں کو خبر یعنی اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ اور دوسری طرف آنے والے رہبر کی خبر بھی دیتا ہے۔ اس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ کی خبر دی

یعنی موسیٰ نبی اور عیسیٰ نبی بنا ہوئے۔ پھر عیسیٰ نے حضرت رسول کی خبر فارقلیط (احمد) کے نام سے دی تو عیسیٰ نبی اور حضرت رسولؐ
بنا ہوئے اسی طرح سے ختم رسالت حضرت رسول نے حضرت علیؑ کی خبر دی تو حضرت علیؑ بنا ہوئے اور قرآن کریم نے بھی آیت نبا العظیم میں حضرت علیؑ کو نبا العظیم یعنی بہت بڑا قدر خبر قرار دیا ہے
امامت درحقیقت رسالت ہی کا تسلسل ہے جو کسی قدر بدلی ہوئی شکل میں ہے۔ اس لئے امامت رسالت سے بے تعلق یا مجرّد
کسی نئے دین کا یا نیا آغاز نہیں ہے لہذا لازم تھا کہ رسالت سے اس کا متصل و مربوط ہونا نظری عملی عقلی ہر اعتبار سے
بدیہی اور مسلم ہو ختم نبوت کے وقت تو یہ اہتمام اور بھی زیادہ محکم، بیّن اور واضح ہونا ضروری تھا اور پھر یہ اہتمام
ہوا بھی اسی طرح۔ چنانچہ سب سے پہلے تو سورۂ الم نشرح کی آیت فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ کے ذریعہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت رسولؐ کو حکم دیدیا کہ تکمیل کار تبلیغ کے بعد اپنی جگہ پر مقرر کر دو۔ اس سورہ کی پوری آیات
کے مطلب پر غور کیا جائے تو اس آخری آیت کا تسلسل اور پورا مطلب واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی اے رسولؐ
کیا ہم نے تمہارا سینہ (علم سے) کشادہ نہیں کر دیا اور تم پر سے بوجھ نہیں اتار دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی
اور تمہارا ذکر بھی بلند کر دیا تو مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم
فارغ ہوجاؤ تو اپنی جگہ مقرر کر دو اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو۔ اس سورہ میں گویا اللہ تعالیٰ نے
حضرت رسولؐ کی زندگی کا خلاصہ پیش فرما دیا ہے اور مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے یہ حکم دیدیا ہے کہ
اب جب تم کار تبلیغ کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکے ہو تو اپنی جگہ پر قائم کر دو اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹ
آنے کیلئے متوجہ ہوجاؤ۔

یوں تو حضرت رسولؐ اپنی رسالت کے ابتدائی زمانہ ہی سے مختلف مواقع پر اور مسلسل اور مختلف
طریقوں سے آپ کے بعد حضرت علیؑ آپ کے قائم مقام ہونے اور نیز حضرت علیؑ اور آپ کے بعد کا زمانہ بھی
کبھی حجتِ خدا سے خالی نہ رہنے اور بارہ خلفاء ائمہ اہلبیت کا تذکرہ فرماتے رہے اور پھر جب آپ نے
خبر دیدی تھی کہ اب قریب ہے کہ فرشتہ (ملک الموت) آپ کے پاس حاضر ہو آپ زندگی کا آخری حج کرنے
تشریف لیجا رہے ہیں اور جو کوئی بھی آنا چاہتا ہے آئے اس مرحلہ کی بھی تکمیل کر کے جب حجۃ الوداع سے آپ
لوٹ رہے تھے تو واضح احکام الہٰی کی بناء پر (جس کا ذکر علیحدہ آیا ہے) غدیر خم کی منزل پر حضرت رسولؐ نے
حضرت علیؑ کی ولایت اور اپنے قائم مقام ہونے کا بہت بالشان اعلان فرمایا اس کے علاوہ حدیث ثقلین کے
ذریعہ رسالت سے امامت کے اتصال و تسلسل کو ظاہر فرما دیا کہ آپ کے بعد راہِ ہدایت پر برقرار رہنے کیلئے
لوگوں پر لازم ہے کہ قرآن اور ائمہ اہلبیت اطہار کے دامن سے متمسک رہیں۔ اس ارشاد رسولؐ کو حدیثِ
ثقلین کے عنوان کے تحت ہم نے باب چہارم میں درج کیا ہے۔

حدیثِ ثقلین کو آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے آخری حج کے روز جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے
یوم عرفہ ۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ایک کثیر مجمع کے روبرو بیان فرمایا جو آپ کے ساتھ حج

میں شریک تھا۔ اس واضح اور بلیغ ارشاد کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو اس کے بے شمار مضمرات سامنے آتے ہیں جن کی تفصیل یہاں ہم کو مقصود نہیں۔ بہر طور یہ واضح ہے کہ آنجناب نے یہ بتا دیا کہ آپ کی زندگی مبارک میں آپ اور قرآن دونوں چیزیں موجود تھیں اور اب آپ کے بعد قرآن تو وہی برقرار ہے اور آپ کی جگہ آپ کے اہلبیت آئمہ اطہار ہدایت کیلئے قرآن کے ساتھ رہیں گے۔ ان مسلسل ارشادات کے بعد معاملہ غدیر خم میں حدِ اختتام (Climax) کو پہنچ گیا جب کہ حضرت رسولؐ نے علیؑ کو دونوں ہاتھوں پر اپنے آگے اس طرح بلند فرما کر کہ خود پیچھے چھپ گئے اور علی کو سامنے کر دیا اور ارشاد: "میں جسکا مولا ہوں یہ علی اس کا مولا ہے" کے ذریعہ رسالت نے امامت کو قولاً اور عملاً بھی جائزہ دیدیا۔ اسباب ظاہری کے اعتبار سے حضرت سرورِ کائنات خاتم الانبیاء کے لئے یہ ضرورت واضح شدید اور ناگزیر تھی کہ اب آپ کے بعد کوئی پیغمبر تا قیامت آنیوالا نہ تھا سنتِ انبیاء اور مصلحت پیغمبری کا یہ صاف تقاضا تھا کہ حضرت ختمی مرتبت اپنا وصی بلکہ قیامت تک کیلئے اپنے اوصیا مقرر فرما جاتے تاکہ استحکام دین کی ضمانت ہو جائے اور آپکا مشن بے والی وارث ہو کر ابنائے وقت کے رحم و کرم پر موقوف اور زمانہ کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بن جائے۔ ان حالات میں جبکہ سورۂ الم نشرح میں حکم خداوندی آچکا تھا کہ اپنی جگہ مقرر کردو اور پھر مزید صراحتی اور تاکیدی حکم یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک بھی آگیا تو حضرت رسولؐ نے بموجب سنتِ انبیاء و تقاضائے عقل و حکم خداوندی عمل فرمایا اور نہ صرف علی کی ولایت و امامت کا اعلان فرمایا بلکہ قیامت تک کیلئے اپنے بارہ اوصیائے برحق بحکم خداوندی مقرر کر کے ان کے نام از حضرت علی علیہ السلام تا حضرت محمدؐ مہدی بن حسن العسکری صاحب العصر علیہ السلام بھی بہ تکرار ظاہر فرما دئے۔ دھیان میں رکھنے کے قابل ہے کہ قدرت نے ان معصومین کے سلسلہ کا انتظام کچھ اس طرح فرمایا اور رسالت اور امامت کو اس طرح مربوط کر دیا کہ اولادِ علی کو رسولؐ کی اولاد قرار دیا اور اس سلسلہ عصمت کی اہم ترین کڑی جس سے نبوت اور امامت کا اتصال ہو جائے مرکز طہارت سیدۃ النساء العلمین معصومۂ عالم جناب فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ و سلامہ علیہا و ابیہا و بعلہا و بنیہا کو قرار دیا۔ گویا اس حبل المتین کے قائم ہونے میں جو تا قیام قیامت دین کی ضامن ہے حضرت محمدؐ مصطفٰے حضرت علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ زہرا برابر کے شریک ہیں۔

بعض دفعہ ایک پہلو یہ پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت علی اور دیگر ائمہ کی حیثیت حضرت رسولؐ کے نائب کی تھی اس لئے ان کا درجہ اصولاً کم تسلیم کیا جانا چاہیئے اس ضمن میں مثال اس قسم کی دیجاتی ہے کہ جیسے کسی ملک کا صدر اور نائب صدر ہو اور یہ کہ خواہ نائب صدر صدر سے زیادہ قابل ہی کیوں نہ ہو مگر وہ بہر صورت نائب صدر ہی رہے گا اور اس کا درجہ صدر سے کم ہی ہوگا۔ غور کیا جائے تو

اس استدلال میں تسامح (Fallacy) ہے حکومتوں کا دستور ہے کہ صدر اور نائب صدر کے دو علیحدہ علیحدہ عہدے وقت واحد میں ہوا کرتے ہیں ایک صدر کے انتقال کرنے یا ہٹنے کے بعد جو اس کی جگہ آئے وہ صدر ہی ہوگا نہ کہ نائب صدر۔ اگر نائب صدر ہٹے تو اس کی جگہ نائب صدر آئے گا۔ حضرت رسولؐ اور حضرت علی پر متذکرہ بالا مثال بالکل منطبق نہیں ہوتی۔ یہ نہیں تھا کہ حضرت رسولؐ صدر کے اور حضرت علی نائب صدر کے عہدہ پر مامور ہوں۔ وہاں دو علیحدہ علیحدہ عہدے تھے ہی نہیں بلکہ حضرت رسولؐ کے بعد حضرت علی آپ کے قائم مقام اور خود مکمل صدر تھے۔ انہوں نے کوئی نائب صدر کا عہدہ نہیں سنبھالا۔ مثلاً ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہوتا ہے تو جانشینی کی وجہ سے وہ نائب بادشاہ نہیں کہا جاتا بلکہ اُس کے برابر درجہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اہل طریقت میں خلیفہ مقرر کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ مثلاً عثمان ہارونیؒ نے خواجہ اجمیریؒ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے خواجہ اجمیریؒ کا درجہ ان کے مُرشد سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ صورتِ حال تو یہ ہے کہ کافی بڑا درجہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

رسولؐ کا کام فرد تک پہنچنا۔ فرد کا کام امام تک خود کو پہنچانا

غور کے قابل بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کیلئے ضابطہ یا طریقہ کار کیا رکھا ہے۔ اور امامت کیلئے کیا ضابطہ قرار دیا ہے مختصر بات یہ ہے کہ رسالت کا فرض تبلیغ کرنا اور لوگوں تک خود جا کر اُن سے ربط پیدا کر کے پیامِ الٰہی پہنچانا ان کو قرآن کی تعلیم دینا اور ان کے نفوس کو پاک بنانے کیلئے تربیت کی راہ دکھانا ہے دوسری طرف امامت جو اللہ و رسولؐ کی خلافت بھی ہے تحفظ دین کی ضامن، اعمال اُمت کی گواہ مخلوق و خالق کے درمیان واسطہ اور نیابتِ خداوندی لئے ہوئے اس کے اقتدار کی مرکز و مظہر ہے اور امام کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے کو لوگوں تک پہنچائے بلکہ لوگوں کیلئے یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ امام کا تعارف خود حاصل کریں اور امام تک پہنچیں۔ چنانچہ حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ علیؑ کی مثال کعبہ کی ہے۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ علیؑ تک آئیں نہ کہ علیؑ اُن تک جائے (ملاحظہ ہو فردوس الاخبار دیلمی بروایت عبداللہ ابن عباسؓ المغازلی بروایت ابوذر غفاریؓ اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۱ کنوز الحقائق ص۳) ارشاد رسولؐ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس میں بھی ارشادِ رسولؐ یہی ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے اور مرجائے تو کفر کی موت مرتا ہے۔ یعنی پہچاننے اور معرفت حاصل کرنے کا فرض خود ہر شخص پر عاید کیا گیا ہے۔

آیت یوم ندعو کل اناس بامامھم جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس بارے میں قولِ فیصل

کا حکم رکھتی ہے۔ اس آیت میں ارشادِ خداوندی یہ نہیں ہے کہ سب لوگ امام برحق کے ساتھ بلائے جائیں گے بلکہ ارشاد یہ ہے کہ "اپنے اپنے امام" کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ یعنی جن لوگوں نے جس شخص کو اپنا امام قرار دیا ہے خواہ وہ جھوٹا اور خود ساختہ ہی کیوں نہ ہو وہ اُسی کے ساتھ بلائیں جائیں گے۔ اِس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ امام برحق کا تعارف حاصل کرنا خود ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے اور یہ امر کچھ دشوار یا دقت طلب بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور عطا فرمایا ہے اور اچھے بُرے کی تمیز دی ہے۔ پھر امام برحق کی صفات قرآن میں جا بجا بیان فرمائی ہیں اور اسکو اظہر من الشمس صفات کا مرکز و منبع بنایا ہے۔ کہیں اس کو امام و خلیفہ کہا گیا ہے تو کہیں ہادی، اُولِی الْاَمْرِ، خَیْرَ اُمَّۃٍ، صَادِقِیْنَ، خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ، اُمَّتِ وَسَطٍ، ذِیْ فَضْلٍ، اُوْتُوا الْعِلْمَ، وارثِ کتاب، اَہْلِ ذِکْر، رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ، شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ اور حَبْلُ اللّٰہِ وغیرہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ امام کائنات عالم پر اقتدار رکھتا ہے، وہ طاہر و معصوم مطلق اور صاحبِ اعجاز ہوتا ہے اس کا علم کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتا ہے۔ جس کے لئے نہ عمر یعنی بچپن جوانی یا بڑھاپے کی قید ہے نہ زمان و مکان کی۔ ظاہر ہے کہ ایسے صفات کی بناء پر امام برحق کا تعارف حاصل کرنے میں دِقت و دشواری کا کوئی سوال نہیں ہے ایسے امام کو چھوڑ کر جو شخص کسی خود ساختہ یا اہلِ غرض کے ساختہ کو مانے گا وہ یا تو مخبوط الحواس ہوگا یا اپنی غرض و ہوس کا بندہ جس کے پیشِ نظر امام برحق کا تعارف نہیں بلکہ اپنی ذاتی غرض کی تکمیل کیلئے کسی سے گٹھ جوڑ ملانا ہو یہاں اس طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خود ساختہ جھوٹے خلفا اور جھوٹے اماموں کا ذکر بھی فرما دیا ہے جو لوگوں کو جہنم کی طرف لیجاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۹ میں ارشاد ہے:۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتَابَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا (ترجمہ:۔ ان کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے اور کتابِ خدا کے وارث بن گئے تاکہ اس کمینی دنیا کا ساز و سامان حاصل کریں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخش دیئے جائیں گے) اسی طرح سورہ مریم کی آیت ہے:۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝

(ترجمہ پھر اُن کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور عنقریب یہ لوگ گمراہی کا نتیجہ یقیناً پائیں گے۔

سورہ قصص کی آیت ۴۱ و ۴۲ ہے:۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (ترجمہ:۔ ہم نے ان کو (گمراہوں کا) امام بنایا ہے اور وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انکو کسی طرح کی مدد نہ دی جائیگی اور ہم نے دنیا میں بھی تو لعنت اُن کے پیچھے لگا دی ہے اور قیامت کے دن اُن کے چہرے بگاڑ دے جائیں گے) اس بارے میں حضرت رسولِ خدا کی بھی واضح تنبیہ موجود ہے جس کی صحیح مسلم جلد ۳

صـ۳۰۶ پر روایت کی گئی ہے: یَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ اَئِمَّۃٌ لَا یَھْتَدُوْنَ بِھُدَایَ وَلَا یَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِیْ (ترجمہ: میرے بعد کچھ لوگ امام بن بیٹھینگے جو نہ تو ہدایت کا راستہ ہی دکھائیں گے اور نہ میرے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں گے۔ پھر جھوٹے خلفا کی پیروی کے نتیجہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف ارشادات کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ سورۂ فرقان کی آیت ۲۷ تا ۲۹ ہے ۔ وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ (ترجمہ:۔ اس دن کو دھیان میں رکھو (یوم قیامت) جب غلط راہ چلنے والا اپنے ہاتھ (مارے افسوس کے) کاٹنے لگے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ پکڑتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں کو دوست نہ سمجھ لیتا بیشک اس نے ہمارے پاس نصیحت آجانے کے بعد بھی مجھکو بہکا دیا) اسی طرح سورۂ احزاب کی آیات ۶۶ تا ۶۸:۔ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا رَبَّنَآ اٰتِھِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْھُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا (جس دن جہنم کی طرف اُن کے منہ پھیر دیئے جائینگے تو کہیں گے کاش ہم خدا کی اطاعت کئے ہوتے اور رسولؐ کا کہا مانے ہوتے اور کہیں گے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کا کہنا مانا تو اُنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگار اُن لوگوں پر دُہرا عذاب کر اور اُن پر بڑی سے بڑی لعنت کر) سورۂ بقر کی آیت ۱۶۶ و ۱۶۷ ہے:۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ترجمہ:۔ جب جھوٹے پیشوا اپنے پیروؤں سے تبرا کریں گے (یعنی کترائینگے اور بچشم خود اپنے لئے) عذاب دیکھینگے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور پیرو کہیں گے اگر ایک مرتبہ ہمیں دُنیا میں پلٹنا ملے تو ہم بھی ان (جھوٹے) پیشواؤں سے اسی طرح تبرا کریں گے جس طرح اب یہ لوگ ہم سے تبرا کرتے ہیں۔ ان ان مختلف ارشادات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ اسی غرض سے دیدی گئی ہے کہ لوگ جھوٹے خلفاء اور پیشواؤں کے دام فریب میں نہ آئیں اور برحق امام کا تعارف حاصل کرکے اس کی پیروی کریں۔

قرآن پاک میں امام کی صفات بطور عام بیان کرنے کے علاوہ بطورِ خاص مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے صفات جا بجا بیان فرمائے ہیں۔ جیسا کہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کہتے ہیں کہ قرآن کے ہر جملہ میں علیؑ کی تعریف ہے اور بقول عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی قرآن کی کم از کم تین سو آیتیں علیؑ کی تعریف میں ہیں ان سب صفات کو بلا اظہار نام بیان کرنا مگر اس طرح کہ وہ صفات کسی اور میں نہ ہوں اور ذرا سی نظر ڈالنے پر پتہ چل جائے کہ یہ سب صفات تو علیؑ میں ہی ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اسکیم ہی ایسا رکھا ہے کہ لوگ خود دیکھیں اور تلاش کریں کہ یہ صفات کس میں پائی جاتی ہیں اور ارشادات نبوی کس کیلئے ہیں اور پھر کس کی بابت منصوص من اللہ امام ہونے کو خود بھی ظاہر فرمایا ہے اور علوم الٰہی کا خزینہ دار

ہونے کا دعویٰ کس نے کیا ہے۔ ان امور کی روشنی میں حقیقی امام کا تعارف کوئی دشوار امر باقی نہیں رہتا اور پھر مومن کیلئے جو عظیم اجر ہے وہ تلاش حق میں اسی جدوجہد خلوص نیت اور صحیح معرفت کے ذریعہ امام تک اپنے کو پہنچانے ہی کا توصلہ ہے۔

مکمل کلمہ جیسا کہ ہم نے عنوان ماقبل کے تحت لکھا ہے جب امام کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے تو پھر یہ بھی اس کا لازمہ ہے کہ جہاں امام کی معرفت حاصل ہو جائے تو اقرار بھی کرے کہ میں نے امام کو پالیا اور فلاں میرا امام ہے۔ اسی ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکمل کلمہ کیا ہے جس کے اقرار کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ میں جو اجزا شامل ہیں قرآن شریف میں کہیں ایک جگہ مذکور نہیں ہیں بلکہ یہ کلمہ چیدہ چیدہ ٹکڑوں کا مرکب ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک مقام پر اور مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ علیحدہ مقام پر آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا محض اقرار توحید و نبوت و قیامت سے دین مکمل ہو جاتا ہے۔ یا حسب فرمودات قرآن و رسول امامت و ولایت علی کا اقرار بھی لازم ہے۔ ذیل میں ہم چند آیات قرآنی کو درج کریں گے جن سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو امت کا ولی اسی طرح قرار دیا ہے جس طرح اللہ اور رسول ولی ہیں اور یہ کہ ولایت علی کے اقرار کے بغیر اقرار توحید و نبوت و قیامت سب نسیاً منسیا کی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ کہ قبر و حشر میں علی کی ولایت کا سوال کیا جائے گا۔ جب ایسا ہے اور اقرار امامت اصول دین میں سے ہے اور علی کی ولایت کے اقرار کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا تو پھر کلمہ میں جو کہ عقیدہ کا اعلان ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ساتھ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ کہنا لازم ہوگا اور یہی مکمل کلمہ ہے۔ اس سلسلہ میں جن آیات کا ہم حوالہ دے رہے ہیں ان میں ایک سورۂ مائدہ کی آیت ۵۵ ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۞ (ترجمہ: بہ تحقیق کہ تمہارا ولی و سرپرست اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ جو ایمان لائے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں دراں حالیکہ وہ رکوع کئے ہوئے ہیں۔

مفسرین و محدثین کے ایک گروہ کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے جبکہ آپ نے نماز میں بحالت رکوع انگوٹھی سائل (جبرئیل) کو خیرات میں دی جو بیان کیا جاتا ہے کہ خاتم سلیمان تھی جس کے اسم اعظم کی بناء پر حضرت سلیمان کو جن و انس آب و ہوا ہر چیز پر حکومت حاصل تھی (ملاحظہ ہو ابو اسحاق الثعلبی بروایت عبداللہ ابن عباس و ابوذر غفاری مناقب حافظ ابوبکر ابن مردویہ نیز مناقب خوارزمی و تذکرۃ الخواص الامۃ سبط ابن جوزی بروایت عبداللہ ابن عباس تفسیر اسباب النزول القرآن امام واحدی جامع الاصول حافظ ابن الاثیر و صحیح نسائی بروایت عبداللہ بن سلام و تفسیر کشاف علامہ زمخشری)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ علی کو امت کا ولی و سرپرست اسی طرح قرار دیا ہے جیسے خود خدا اور رسول ولی ہیں۔

دوسری آیت جو ہم درج کر رہے ہیں سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ ہے۔ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۝

(ترجمہ: اے رسول تبلیغ کر دو اس امر کی جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا جا چکا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم نے ہماری کوئی رسالت ہی انجام نہیں دی اور اللہ تمکو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا)

۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو یہ آیت بمقام غدیر خم نازل ہوئی جبکہ حضرت رسولؐ اپنی عمر کے آخری حج کی انجام دہی کے بعد واپس ہو رہے تھے۔ نزول آیت کے بعد حضرت رسولؐ نے ایک لاکھ اسّی ہزار مسلمانوں کے مجمع میں اونٹوں کے کجاؤں کا منبر بنوا کر بوقت ظہر ایک طویل و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور تمام حاضرین سے اُن سب کے نفس سے حضرت رسولؐ اولیٰ تر ہونیکا اقرار لینے کے بعد حضرت علی کو اپنے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ وَاَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَیْثُ دَارَ (ترجمہ: میں جس کا مولا ہوں پس علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ یا اللہ دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور تو دشمن ہو جا اس کا جو علیؑ کا دشمن ہو اور مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور ذلیل کر دے اس کو جو علیؑ کی تنقیص شان کرے اور پھرا جا حق کو اُس طرف جیدھر بھی علی جائے) اس کے بعد ایک خیمہ میں حضرت علیؑ کو مسند پر بٹھا کر اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھا اور سب مسلمانوں اور اپنی ازواج کو حکم دیا کہ علی کو مبارکباد پیش کریں اور فرمایا اس پیغام کو ہر حاضر غائب تک پہنچا دے (ملاحظہ ہو تفسیر اسباب النزول امام ابوالحسن الواحدی تفسیر کبیر امام فخرالدین الرازی تفسیر دُرِّمنثور جلال الدین سیوطی ابن کثیر بروایت عبداللہ ابن مسعود تفسیر ثعلبی بروایت براء بن عاذب تفسیر نیشاپوری کفایۃ الطالب محمد بن یوسف کنجی شافعی ما نزل فی القرآن فی علی حافظ ابو نعیم ابن ابی حاتم شیخ محی الدین النووی و حافظ ابوبکر ابن مردویہ بروایت ابو سعید خدری و عینی شرح بخاری) اُمورِ متذکرہ بالا کی انجام دہی اور حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دینے کے بعد ہنوز لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے کہ اسی مقام غدیر خم پر یہ آیت نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ کی آیت ۳ ہے۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۝ (ترجمہ:- آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے دین اسلام سے راضی ہوا) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت رسولؐ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی

اِکْمَالُ الدِّیْنِ وَاِتْمَامِ نِعْمَتِہٖ وَرِضَائِہٖ بِرِسَالَتِیْ وَوِلَایَتِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ٭

(ترجمہ:- شکر ہے اللہ کا دین کے مکمل ہونے پر اور اس کی نعمت کے تمام ہونے پر اور میری رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت پر اللہ کی خوشنودی پر (ملاحظہ ہو صحیح جامع ترمذی، صحیح سنن ابی داؤد، مسند احمد ابن حنبل بروایت ابوسعید خدری، ابن مغازلی، ابوالفتح محمد بن علی بن ابراہیم النطنزی بروایت ابوہریرہ و امام القاکانی بروایت مجاہد) ان دو آیتوں اور حضرت رسولؐ کے خطبہ پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہے کہ ولایت علی کا اقرار ایسا امر ہے جس کے بغیر حضرت رسولؐ کی تیئیس سالہ رسالت میں پہنچائے ہوئے جملہ اُمور بھی بے سود تھے اور جب ولایتِ علی کا اعلان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب دین کی تکمیل ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ولایتِ علی کو اپنی اس مختتم نعمت سے تعبیر فرمایا ہے جس کے بعد اس کی نعمت بندوں پر تمام ہو گئی جس طرح کہ حضرت خاتم النبیین کی نبوت کے بعد نبوت ختم ہو گئی۔ فہم انسانی بشرطیکہ سلیم ہو جتنا بھی غور کرے ولایتِ علی کی اہمیت زیادہ سے زیادہ ہی معلوم ہو گی۔ بہرحال فرمودہ الٰہی وارشادِ رسول تو ہے ہی۔ اب ہم دو تین وہ آیتیں درج کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ قبر میں اور محشر میں مثل سوالِ توحید و نبوت ولایتِ علی کا سوال کیا جانے والا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک آیت سورۂ نبأ کی آیت ۱۔۳ ہے: عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ٭

(ترجمہ:- کس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ ایک بڑی خبر جس کے بارے میں لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں) سدی نے روایت کی ہے کہ حضرتِ رسولِ خدا نے فرمایا کہ جس چیز کا لوگوں سے قبر میں سوال کیا جائے گا وہ علی ابن ابی طالب کی ولایت ہے۔ تو کوئی مُردہ شرق و غرب خشکی و دریا میں ایسا نہ ہو گا جس سے مرنے کے بعد منکر و نکیر علی کی ولایت کا سوال نہ کریں۔ چنانچہ میت سے پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے تیرا نبی کون ہے تیرا امام کون ہے۔ عمر بن العاص تک جو حضرت علی کے سخت مخالفین میں سے تھا تسلیم کرتا تھا کہ هُوَ النَّبَاُ الْعَظِیْمُ وَ فُلْكُ نُوْحٍ وَبَابُ اللّٰهِ یعنی علی بناء عظیم سفینۂ نوح اور اللہ کا دروازہ ہیں۔

اس سلسلہ کی دوسری آیت سورۂ صٰفٰت کی آیت ۲۴ ہے۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْـُٔوْلُوْنَ (ترجمہ:- ان کو ٹھیراؤ تو ان سے کچھ پوچھنا ہے) احمد بن حنبل مناقب میں اور ابن حجر کی صواعق محرقہ میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے ابوسعید خُدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ علی ابن طالب کی ولایت کا اہل محشر سے سوال کیا جائیگا۔ نیز امام ابوالحسن الواحدی تفسیر اسباب النزول میں ابوبکر بن مردویہ مناقب میں اور دیلمی فردوس الاخبار میں ابوسعید خُدری اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں وقفوھم انھم مسئولون جناب امیر کے حق میں وارد ہوئی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور آیت سورہ زخرف کی آیت ۴۴ و ۴۵ ہے۔

وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا ؕ

(ترجمہ:- اور عنقریب ہی باز پرس کی جائے گی اور (اے رسولؐ) ہم نے تم سے پہلے جتنے رسولؐ بھیجے تھے اُن سب سے دریافت کر دیکھو) تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ پر عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ شب معراج میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اپنے قبل کے انبیاء سے پوچھئے کہ وہ کس بات پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اُن سب پیغمبروں نے کہا آپکی رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر ہم نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

حضرت رسولؐ کا یہ ارشاد بھی کتب احادیث میں محفوظ ہے کہ میری نبوت اور علی کی ولایت کو آسمانوں زمینوں نے قبول کیا ہے واضح ہوا کہ تمام انبیاء کی نبوت کا دارومدار حضرت ختم المرسلین کی نبوت اور حضرت علی کی ولایت کے اقرار پر ہے۔ آیت متذکرہ صدر کا ابتدائی جملہ وسوف تسئلون یعنی عنقریب ہی سوال کیا جائے گا واضح کر رہا ہے کہ قبر وحشر میں رسالت حضرت رسول اور ولایت حضرت علیؑ کا سوال کیا جائے گا۔

مکمل کلمہ کے موضوع کے تحت اور بھی چند امور لائق غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ہدایت کے مختلف مدارج مقرر فرمائے ہیں۔ سورۂ حجرات کی آیت ۱۴ ہے:-

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ (ترجمہ:- عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں (اے رسولؐ) ان سے کہدو تم ہرگز ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے حالانکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا)

اس ارشاد باری سے ظاہر ہے کہ اسلام الگ ہے اور ایمان الگ اور اسلام کے بعد کا درجہ ہے۔ کوئی آدمی مسلم ہونے سے مومن نہیں بن جاتا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ محض اسلام کی شرط ہے۔ ایمان کی نہیں۔ حضرت رسول نے متعدد مرتبہ اس کو واضح فرما دیا کہ علی خود مجسم ایمان ہے علی کی محبت ایمان ہے۔ علی کی محبت کے بغیر ایمان کسی کے دل میں داخل نہیں ہوتا علی کا ذکر عبادت ہے علی کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ علی سے محبت رکھنے والا ہی مومن ہے اور علی سے بغض رکھنے والا اور صفات علی سے آنکھیں بند کر لینے والا منافق ہے اور منافق کو اللہ تعالیٰ نے کافر سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ اور اس کے لئے کافر سے بھی شدید عذاب مہیا کیا ہے۔ آیات محولہ بالا وارشادات رسولؐ کا ماحصل یہ ہوا کہ اقرار توحید و نبوت سے آدمی صرف مسلمان بنتا ہے۔ مومن نہیں بنتا جب علی کی محبت ہی

ایمان ہے اور بغیر علی کی محبت کے ایمان نصیب نہیں ہوتا اور علی کی ولایت کے اقرار کے بغیر دین ناقص اور بے سود ہے اور قبر و حشر میں بھی ولایتِ علی کا سوال ہونے والا ہے تو کلمہ سے مکمل عقیدۂ ایمان کا اظہار صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ دل پر ثبت اور زبان پر جاری کیا جائے اور پھر یہ کوئی نیا کلمہ یا نیا نعرہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ وہ کلمہ ہے جو اسلامی دنیا میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ جاری ہونے سے ہزارہا سال قبل یعنی ابتدائے آفرینش کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے جنت کے باب الداخلہ پر ثبت کروا دیا تھا جیسا کہ ارشادِ حضرتِ رسولِ خدا سے ظاہر ہے جس کو متعدد محدثین اہلِ سنت نے درج کیا ہے۔ چنانچہ دیلمی نے فردوس الاخبار میں، خطیب نے مناقب میں، ابنِ مغازلی مالکی نے اپنی مناقب میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے اور وسیلۃ المتعبدین میں درج ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ جب میں شبِ معراج آسمان پر پہنچا تو جنت کے دروازہ پر کلمہ اس طرح لکھا ہوا دیکھا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ۔ اس سلسلہ کی مزید حدیثیں ہم بعد میں درج کریں گے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ شریعتِ اسلامی کے سب احکام ایک ہی وقت میں نہیں آئے بلکہ باوقاتِ مختلف چیدہ چیدہ آیاتِ قرآنی سے یہ احکام پہنچائے گئے۔ مثلاً نماز اگرچہ ابتدائے اسلام ہی سے فرض تھی مگر قیامِ مکہ کے تیرہ برس کے دوران میں فجر و ظہر و عصر و عشاء کی نماز صرف دو دو رکعت پڑھی جاتی تھی اور مغرب کی تین رکعتیں، ہی تھیں سلہ ہجری میں نمازِ پنجگانہ کی سترہ رکعتیں مقرر ہوئیں اقامت کی اذان کی شکل بھی اسی سال معین ہوئی زکوٰۃ کا حکم آغازِ اسلام سے تیرہ برس بعد سلہ ہجری میں آیا۔ بعثت کے چودہ سال بعد ۲ھ میں روزے فرض کیے گئے۔ حرمتِ شراب کے احکام سلہ ہجری میں تین مختلف مرحلوں میں آئے۔ نمازِ خوف اور قصر نماز کا حکم سلہ ہجری میں اور تیمم کا حکم ۵ھ میں آیا اور حج بھی سلہ ہجری میں فرض کیا گیا۔ پردہ کا حکم بھی ہجرت کے بعد آیا۔

اس دوران میں تبلیغ و تحفظِ اسلام کیلئے حضرت علیؑ سے مختلف کارنامے انجام پاتے رہے اور ان کے علاوہ آپ کی شان میں متعدد آیاتِ قرآنی کا نزول ہوا اور ارشاداتِ پیغمبر بھی متواتر ہوتے رہے مثلاً بحکم قرآن علی کا تمام لوگوں کا ولی اسی طرح ہونا جیسے اللہ اور رسولؐ ولی ہیں۔ علیؑ کی ولائیت کے اعلان پر اس صراحت کے ساتھ دین اسلام کی تکمیل کہ اگر علی کی ولائیت کا اقرار نہ کیا گیا تو گویا شریعت کے کوئی احکام مطلقاً پہنچے ہی نہیں۔ پھر یہ کہ علیؑ کی ولایت کی یہ اہمیت ہے کہ تمام انبیاء سلف کی نبوت کا دار و مدار حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت اور علی مرتضیٰؑ کی ولایت کے اقرار پر ہے۔ نیز یہ کہ علیؑ کی ولایت کا سوال شاملِ سوالِ توحید و نبوت قبر میں اور روزِ محشر بھی ہونے والا ہے (ان اُمور کے متعلق آیاتِ قرآنی

اوپر درج ہو چکی ہیں۔ پھر امامت کی یہ اہمیت ہے کہ کوئی شخص اپنے زمانہ کے امام کا تعارف حاصل کر کے اور اس کی متابعت کئے بغیر مومن نہیں بن سکتا اور اگر تعارف حاصل نہ کیا تو کافر مرا۔ پھر یہ کہ حضرت رسول نے معراج سے واپسی پر بیان کیا کہ آنجناب کے نام نامی کے ساتھ ہر جگہ مختلف مقامات پر آپ نے علی کا نام دیکھا اور در جنت پر کلمہ اس طرح لکھا دیکھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ علیاً ولی اللّٰہ لوا الحمد پر بھی یہی مکمل کلمہ درج ہے جس کی تفصیلی حدیث نیچے درج کی گئی ہے۔ جہاں امامت اصول دین میں سے ہو اور علیؑ کی ولایت کا اقرار لوازم دین سے ہو اور بغیر اس کے اقرار کے کوئی شخص کافر تا ہو تو معلوم ہوا کہ متذکرہ صدر کلمہ ہی مکمل کلمہ ہے جس میں توحید، نبوت و امامت تینوں کا اقرار موجود ہے۔

آیت اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم بھی متذکرہ صدر مکمل کلمہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اطیعوا اللّٰہ اقرار توحید یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور اطیعوا الرسول محمد الرسول اللّٰہ ہے اور اولی الامر کی اطاعت کا اعلان علیاً ولی اللّٰہ ہے کیونکہ اولی الامر اوّل حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اس طرح متحقق ہوا کہ علیؑ کے نام کو چھوڑ کر کوئی کلمہ پڑھا جائے تو وہ نامکمل ہوگا جیسا کہ بکثرت ارشادات رسولؐ سے ظاہر ہے۔

اب ہم ذیل میں اس ضمن کی کچھ احادیث درج کرتے ہیں:۔

(۱) مسند احمد ابن حنبل، بحر المناقب، مناقب خطیب اور معارج النبوۃ میں درج ہے اور علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری کے ص ۱۰۳ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ روز قیامت لوا الحمد علیؑ کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ جس کے سایہ میں سارے انبیاء ہوں گے۔ وہ عَلم ہزار سال کی راہ کے برابر اونچا ہوگا۔ اُس کے تین پھریرے نور کے ہوں گے پہلا مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا مکہ میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پہلے فرشتوں کو حکم دیگا کہ اس عَلم کو اٹھائیں۔ جب سب فرشتے اس کے اٹھانے سے عاجز رہ جائینگے تو حکم خدا ہوگا "اَیْنَ اَسَدُ اللّٰہِ الْغَالِبُ" یعنی سب پر غالب رہنے والا ہمارا شیر کہاں ہے۔ پس علی آگے بڑھینگے اور لوا الحمد کو مثل ایک گلدستہ کے اٹھا لینگے۔ اس عَلم میں تین سطریں لکھی ہوں گی۔ پہلی سطر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دوسری سطر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن اور تیسری سطر میں لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ ظاہر ہوا کہ یہ وہ مکمل کلمہ ہے جسکو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے عَلم پر لکھوایا ہے۔ جو شخص چاہتا ہو کہ پورا کلمہ حسب رضائے الٰہی پڑھے اسکو یہی پڑھنا ہوگا اور یہی شیعوں کا کلمہ ہے۔

(۲) دیلمی نے فردوس الاخبار میں، خطیب نے مناقب میں، ابن مغازلی مالکی نے اپنی مناقب میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے اور نیز وسیلۃ المتعبدین میں درج ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ جب میں شب معراج آسمان پر پہنچا تو جنت کے دروازہ پر کلمہ اس طرح لکھا ہوا دیکھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیاً ولی اللہ ؕ

اللہ تعالیٰ اُدرِ جنّت پر کلمۂ بالا ثبت کروانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ جنّت میں وہی داخل ہو سکتے ہیں جو اس کلمۂ محکوم خداوندی کے قائل ہوں اور یہ کلمہ پڑھتے ہوں بدیہی بات ہے کہ اس عمل ربانی کی روشنی میں کسی اور قسم کا کلمہ پڑھنے والے جنّت کے مستحق نہ ہوں گے۔

(۳) حلیۃ الاولیاء میں بروایت ابوالحمراء درج ہے اور علاّمہ کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری کے صـ۹۲ پر اسکو نقل کیا ہے کہ معراج سے واپسی پر حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ساق عرش پر میں نے لکھا دیکھا۔ محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بعلیؑ ؕ

یعنی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اپنی مخلوق میں سے میں نے محمدؐ کو برگزیدہ قرار دیا اور علی کے ذریعہ اسکی مدد کی۔

(۴) علاّمہ کشفی ترمذی حنفی کوکب دری کے صـ۱۲۱ پر درج کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا میں نے شب معراج اپنے نام کے ساتھ چار مقامات پر علی کا نام دیکھا (۱) بیت المقدس پر (۲) بہشت کے باب پر (۳) سدرۃ المنتہیٰ پر (۴) عرش الٰہی پر۔

(۵) فردوس الاخبار دیلمی میں حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے اور علاّمہ کشفی ترمذی حنفی نے کوکب دری کے صـ۹۲ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ اللہ نے آدم اور اُن کی اولاد کی روحوں کو مخاطب کر کے فرمایا میں تمہارا پروردگار ہوں محمدؐ تمہارے نبیؐ ہیں۔ علی تمہارا امیر اور ولی ہے علیؑ کا نام امیر المومنین اس وقت سے ہے جب آدم روح و بدن کے درمیان تھے۔

(۶) مناقب خطیب میں درج ہے اور علامہ کشفی نے کوکب دری کے صـ۹۲ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میں نے معراج میں دیکھا عرش پر لکھا ہوا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد نبی الرحمۃ علی مقیم الحجۃ ؕ یعنی بجز معبودِ حقیقی کے کوئی خدا نہیں محمدؐ رحمت کے نبی ہیں۔ علی اللہ کی حجت کو قائم کرنے والے ہیں۔

(۷) علاّمہ کشفی ترمذی نے کئی کتابوں کے حوالے سے اپنی کتاب کوکب دری میں مختلف مقامات پر کئی یہودیوں نصرانیوں وغیرہ کا حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا اور وہ سب اسطرح کلمہ پڑھنا لکھا ہے:۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد انّ محمد الرسول اللہ واشھد انّکَ علیاً ولی اللہ ؕ (ملاحظہ ہو کوکب دری صـ۱۲۱ و ۱۸۳ و ۲۷۵ و ۳۳۸ وغیرہ)

(۸) صـ۳۳۸ پر علاّمہ کشفی نے بحوالہ فتوحات القدس سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بطریق معجزہ ایک ابر کے ٹکڑے پر سلمان کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور مختلف

مقامات کی سیر کرائی۔ ایک معتوب فرشتہ نے حضرت امیر کی دُعا سے بال و پر پاکر بیان کیا کہ قادرِ مطلق نے ایک سمندر خلق فرمایا ہے اور اسمیں بیشمار پرندے خلق فرمائے ہیں۔ جب کوئی بندہ طاعت کا طریقہ اختیار کرے اور لا اِلٰہ الا اللہ کہے تو یہ پرندے پانی سے سر بلند کرکے چہچہے کرتے ہیں اور جب محمد الرسول اللہ زبان پر جاری کرے تو کثرتِ ذوق وطرب سے اپنے بازوں کو جھاڑتے ہیں۔ اگر وہ بندہ کلمہ میں علی کا نام نہ لے یعنی علیاً ولی اللہ نہ کہے تو شور وغل مچاکر بارگاہ الہٰی میں عرض کرتے ہیں کہ بارِ خدا اپنی رحمت کو اس بندہ سے دور رکھ جس نے کلمہ کو نا تمام رکھا اور اگر آپ کے نام کے ساتھ پورا کلمہ پڑھے تو اُس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

(۹) حضرت معین الحق "گنج الاسرار" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"قربِ الہٰی جل جلالہٗ کا طالب جب خفیۃً یا جہراً ذکرِ خدا شروع کرے اسکو لازم ہے کہ صدقِ دل سے دس مرتبہ کلمۂ تشہد اور دس مرتبہ وِردِ محمود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور دس مرتبہ سرورِ اصفیا علی مرتضیٰ علیہ السلام کا نام نامی لیکر ذکرِ مطلوب کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کے بعد سرِ حلقۂ اولیا وہی بزرگوار ہے اور اگر سالک طریق طریقت مرتضیٰ علی کی مطابعت اور پیروی میں دل وجان سے ربطِ حقیقی اور تعلق واقعی نہ رکھتا ہو تو اگرچہ علم میں علامۂ روزگار ہوجائے اور ہزار سال ریاضت ومجاہدہ میں صرف کرے، بے شک وشبہ اُسکی جان کا مغز معرفتِ لاریبی کی خوشبو سے محروم اور اُس کے دل کی غمدیدہ آنکھ شواہدِ غیبی کے مشاہدہ سے مہجور رہے گی"۔

گنج الاسرار کی یہ عبادت علامہ صالح کشفی ترمذی حنفی نے بھی اپنی کتاب کوکب دری کے مقدمہ کے صفحہ ۴۴ پر درج فرمائی ہے۔ خلاصہ حضرت خواجہ موصوف کے ان ارشادات کا یہی ہے کہ ہر ذکر سے پہلے اللہ کی توحید اور حضرت رسولؐ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ کی ولایت کا اقرار بھی واجب ہے ورنہ قربِ الہٰی کا حصول محال اور ساری عبادت وریاضت ضائع اور حبط ہے' احادیث مندرجہ بالا پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کلمہ جس میں ایمان کے اہم اجزاء کا اقرار وگواہی ہوتی ہے مکمل وہی اور صرف وہی ہے جس میں توحید ونبوت کے ساتھ ولایت علی کی شہادت بھی موجود ہو

علیؑ شریک کارِ رسالت متعدد آیاتِ قرآنی اور حدیث منزلت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اور وضاحت مناسب ہوگی۔ حضرت علی رسولؐ اللہ کے شریک کارِ رسالت تھے اسکا اظہار مختلف موقعوں پر ہوا ہے۔ حضرت رسولؐ کے متعدد ارشادات اس بارے میں ہیں اور احکام الہٰی سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۂ مزمل کی آیت ۵ اہے۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَا

اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًاؕ یعنی ہم نے تمہارے پاس ایک رسول (محمدؐ) کو بھیجا جو تمہارے مقابلہ میں شاہد رہے
جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا تھا۔ یہ ارشادِ الٰہی ان وجوہات پر مبنی ہے کہ حضرت رسولِ خدا
کے بہت سے معاملات حضرت موسیٰ سے ملتے جلتے تھے۔ حضرت رسولؐ نے اپنے بھائی علی کو ہارون سے تشبیہ دی ہے
جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے اور حضرت علی کے فرزندوں کے نام بھی شبّر و شبیر و مشبّر رکھے یہ عبرانی زبان کے لفظ
ہیں جس کے معنی حسن و حسین و محسن (جنکی شہادت بطنِ مادر میں ہوئی) کے ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو جہاد کا
حکم تھا۔ حضرت رسول کو بھی جہاد کا حکم تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک پاک
مسجد بناؤ جس میں موسیٰ اور ہارون اور ہارون کے بیٹوں کے سوا کوئی نہ رہے اسی طرح (ارشاد رسول سے ظاہر ہے کہ)
اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک پاک مسجد بناؤ جس میں حضرت رسولؐ علیؑ اور علیؑ کے بیٹوں کے
سوا کوئی نہ رہے (ملاحظہ ہو ابن مغازلی بروایت عدی بن ثابت وغیرہ) اسی بناء پر حضرت رسول نے فرمایا تھا کہ
سوا میرے علی کے اور اولادِ علی کے کسی کیلئے جائز نہیں کہ بحالتِ جنب مسجد میں آئے۔ حضرت موسیٰ کی ایک بیوی
صفورا نے حضرت موسیٰ کے وصی سے جنگ کی اور شکست کھائی یہی حشر حضرت عائشہ کا ہوا جنہوں نے حضرت علیؑ سے
جنگ کی۔ حضرت رسولؐ نے اپنے خلفاء برحق کے متعلق فرمایا کہ بارہ ہوں گے جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے۔ جس
طرح حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور شریکِ کار رسالت
بنا اسی طرح حضرت رسول خدا نے حضرت علی کیلئے دعا مانگی کہ خداوندا جو دعا تجھ سے اخی موسیٰ نے کی تھی وہی
دعا میں بھی کرتا ہوں کہ میرے سینہ کو وسیع کر میرے کام کو آسان کر میری زبان کی گرہ کھول دے جس سے لوگ میری
بات سمجھیں اور میرے اہلبیت میں سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا اور اس سے میری ڈھارس باندھ اور اسکو میرے
کام میں شریک کر تاکہ ہم دونوں ملکر کثرت سے تیری یاد و تسبیح میں مشغول رہیں (ملاحظہ ہوں ابن عساکر و حافظ ابوبکر
ابن مردویہ بروایت اسماء بنت عمیس) پھر جب آیت انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو دعوتِ
ذوالعشیرہ کے موقعہ پر حضرت رسولؐ نے اعلان فرمایا کہ علیؑ میرا خلیفہ میرا بوجھ بانٹنے والا اور میرا شریک کار ہے
اور لوگوں کو کہا کہ علی کی اطاعت کرو (ملاحظہ ہوں مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۰ ۱ تفسیر درمنثور سیوطی، ریاض
النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۳، اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷، منتخب کنز العمال صفحہ ۴۱ تا ۴۳، تفسیر ثعلبی، دلائل النبوۃ، خصائص نسائی،
تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابوالفداء، تاریخ طبری، کارلائل، ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، گبن ڈیکلائن اینڈ فال آف دی
رومن امپائر، جان ڈیون پورٹ اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن، واشنگٹن ارونگ لائف آف محمد، سکرس آف محمد
میجر جنرل محمد اکبر خاں حضرت علی از ابن امیر صفحہ ۷۹)

شفاء قاضی ابوالفضل نجفی اور فصل الخطاب خواجہ محمد پارسا میں ابوالحمراء سے روایت ہے اور علامہ کشفی
ترمذی حنفی نے کوکب دری کے صفحہ ۹۲ پر نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج

عرش بریں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدیتہ بعلیؑ یعنی کوئی خدا نہیں بجز اُس وحدہٗ لاشریک کے محمد اللہ کے رسولؐ ہیں اور علیؑ سے ان کی مدد کیگئی۔

ایسی بکثرت احادیث اور ہیں۔ عرش و جنت وغیرہ تمام سماوی مقامات پر اللہ اور رسولؐ کے نام کے ساتھ متصلاً علیؑ کا نام اسرار الٰہی میں سے ہے اور ظاہر پہلو اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ جب وحدانیت اور رسالت کا ذکر کوئی کرے تو لازم ہے کہ علیؑ کی ولایت کا بھی ذکر کرے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جیسا کہ اس نے جا بجا مقامات سماوی پر اپنے نام اور رسولؐ کے نام کے ساتھ علیؑ کا نام لکھوا دیا ہے۔ ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ رسول اللہ کی رسالت کے ذکر کے ساتھ ہی اُن کی مدد علیؑ سے کیا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلن کیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام شریک کار رسالت ہیں ورنہ رسالتِ رسولؐ کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ نہ تحریر کرتا کہ تبلیغ رسالت میں رسولؐ کی امداد کیلئے علیؑ کو مامور کیا گیا ہے یہ اور بات ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنی طرف سے پیشکش کر کے کسی کی مدد کرے۔ یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کی مدد کا منصب علیؑ کو عطا کیا ہے۔ غور کرو تو علیؑ کا یہ منصب عجیب و غریب اسرار و رموز کا حامل ہے کیونکہ باعتبار احادیث کثیرہ علیؑ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضرت رسولؐ کی رسالت میں مدد دینے والا بنایا ہے بلکہ حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ تمام پیغمبروں کا حضرت خاتم النبیین تک مددگار اور سب نبیوں کی مشکل کشائی کرنے والا بنایا ہے۔

حضرت رسولؐ کے ساتھ علیؑ کے شریک رسالت ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ معراج سے متعلق احادیث سے ظاہر ہے کہ زمین سے آسمان تک ہر منزل میں نہ صرف نبیؐ و علیؑ کے نام ساتھ ساتھ تھے بلکہ نبیؐ و علیؑ دونوں خود ذات سے بھی ساتھ ساتھ موجود تھے معراج میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت رسولؐ سے فرمایا کہ اپنی بائیں جانب دیکھو کون ہے حضرت رسولؐ نے دیکھا تو حضرت علیؑ کو کھڑا پایا۔ پھر اللہ نے بات بھی علیؑ کی آواز لہجہ میں کی شرکت طعام کیلئے ایک ہاتھ آگے نکلا تو وہ علیؑ کا ہاتھ تھا اور رسول اللہ کے معراج سے واپس آنے کے بعد علیؑ نے مبارکباد دی اور حضرت رسولؐ کو معراج کی سرگزشت کی ساری تفصیل لفظاً لفظاً سنا دی (ملاحظہ ہوں چہل مجلس شیخ علاء الدین سمنانی، دستور الحقائق، گنج الاسرار معین الحقؒ و کوکب دری صفحہ ۱۷۶ صالح کشفی ترمذی حنفی)

جب سورۂ برأت نازل ہوا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُس معاہدہ کی پابندی سے برأت دیدی جو سابق میں کفار سے ہوا تھا تو مدینہ سے مکہ جاکر اس کی تبلیغ کیلئے پہلے حضرت ابوبکر کو روانہ کیا گیا اور وہ ۳۰۰ آدمی اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔ اس دوران میں جبرئیل اللہ تعالیٰ کا حکم لیکر آئے کہ اے رسولؐ تبلیغ رسالت کا کام یا تو خود کر سکتے ہو یا وہ شخص جو تمہارے اہل میں ہو۔ چنانچہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے ناقہ پر سوار کر کے روانہ فرمایا کہ سورۂ برأت (جسکو سورۂ توبہ بھی کہتے ہیں) حضرت ابوبکر سے لیکر مکہ جاکر خود تبلیغ کریں۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے عرج کے مقام پر پہنچکر وہ آیات حضرت ابوبکر سے لیں جو واپس چلے آئے اور حضرت علیؑ نے مکہ پہنچکر ان کی تبلیغ فرمائی۔

(ملاحظہ ہوں صحیح ترمذی، مسند احمد ابن حنبل، تاریخ طبری، تاریخ ابو الفدا، اعلام الوریٰ، تفسیر معالم التنزیل وغیرہ) یہ واضح ہو گیا کہ کار تبلیغ حضرت رسولؐ کے علاوہ حضرت علی بھی کر سکتے تھے۔

سورۂ توبہ آیت ۷۳، و سورۂ تحریم آیت ۹ میں ارشاد ہے:-

یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین ۵ یعنی:- اے نبی کفّار اور منافقین سے جہاد کرو۔

یہ مُسلّمہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے جتنے بھی جہاد فرمائے وہ سب کفار کے مقابلہ میں تھے، منافقین سے حضرت رسولؐ نے جہاد نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ منافقین سے جہاد علیؑ کریگا۔ نیز یہ صراحت بھی فرمائی کہ جس طرح میں نے تنزیل قرآن کے وقت مشرکین سے جہاد کیا ہے اسی طرح علی تاویل قرآن پر منافقین سے جہاد کریگا۔

(ملاحظہ ہو مسند احمد ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۲، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۱۳، ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ اسدالغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۶، کنز العمال صفحہ ۳۳، خوارزمی بروایت ابوذر غفاری و ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵۶)

اسی طرح جب سورۂ زخرف کی آیت ام فَاِمَّا نَذْھَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا مِنْھُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۵ یعنی:- اگر (اے رسول ہم دنیا سے) تمہیں اٹھا لیں تو بھی ہمکو اُن سے بدلہ لینا ضرور ہے نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ کے فرمانے) ہم بدلہ لینے سے مراد علی کے ذریعہ بدلہ لینگے ہے اور علی ناکثین، قاسطین اور مارقین (اہل جمل، اہل صفین و اہل نہروان) سے بدلہ لیگا۔ ان روایتوں کے حوالے اس کتاب میں دوسری جگہ آچکے ہیں۔ تاریخ اس امر کا ثبوت دیتی ہے کہ متذکرۂ صدر احکام الٰہی اور ارشادات رسولؐ کے مطابق حضرت علیؑ نے منافقین جمل و صفین و نہروان سے جہاد فرمایا۔ صاحبان فہم کے لئے یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واضح طور پر حضرت رسولؐ کیلئے تھا کہ منافقین سے جہاد کریں مگر حضرت رسولؐ نے یہ عمل نہیں فرمایا۔ منافقین سے جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی رو سے کارِ رسالت تھا جب حضرت رسولؐ نے اس پر عمل نہ کرکے یہ فرمایا کہ علی منافقین سے جہاد کریگا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؑ کے جہاد کو حضرت رسولؐ خود اپنا جہاد تصوّر فرماتے تھے۔ ان اُمور کو اللہ تعالیٰ کے فرمان (اے رسولؐ ہم تم کو اٹھا بھی لیں تو بھی ہم بدلہ ضرور لیں گے اور علی کے ذریعہ حسب وضاحتِ رسولؐ) ملا کر دیکھیں تو قرآن اور ارشادِ رسولؐ کی اس امر پر قطعی نص ہوئی کہ علی کا منافقین سے جہاد کرنا کارِ رسالت کی انجام دہی ہے۔

اس قطعی نص کے علاوہ محض درایت کے اُصول سے بھی دیکھا جائے تو یہ واضح ہے کہ جو کام ازروئے قرآن رسالت کیلئے مختص تھا وہ حضرت رسولؐ نے نہیں کیا بلکہ حضرت علی نے کیا۔ یعنی کارِ رسالت علیؑ نے انجام دیا۔ پھر یہ محض ایسا بھی کوئی کام نہ تھا جسکی انجام دہی یا عدم انجام دہی کوئی فرق نہ پیدا کرتی ہو بلکہ ایسا کام تھا جس کا انجام دینا رسالت کیلئے واجبات سے تھا ورنہ رسالت کیلئے جو حکم خداوندی تھا وہ بلا تعمیل رہ جاتا کیونکہ منافقین حضرت رسولؐ کے زمانہ میں بھی موجود تھے لہٰذا یہ امر متحقق ہو گیا کہ علیؑ نے ایسا کارِ رسالت

انجام دیا ہے جو بروئے احکام خداوندی رسالت کے لئے واجب تھا اور جو حضرت رسولؐ نے نہیں کیا تھا۔ اس کے نتیجہ کے طور پر یہ بات بھی سامنے آگئی کہ علاوہ کارِ رسالت میں ہمیشہ حضرت رسولؐ کی مدد کرنے کے علیؑ نے بذاتِ خود مستقلاً بھی کارِ رسالت انجام دیا اور گو لفظی اعتبار سے رسولؐ نہیں کہلائے، لیکن عملی طور پر اُن میں کارِ رسالت انجام دینے کی صلاحیتیں قدرت کی طرف سے موجود تھیں اور آپؑ نے بطورِ واقعہ وہ کام انجام بھی دیا - غور کرو تو خود قدرت نے ایسے سامان پیدا کئے کہ علیؑ کا کارِ رسالت انجام دینا ایک غیر اختلافی امر بن جائے اور کسی کو چُون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس کتاب میں دیگر مقام پر سورۂ قٓ کی آیت ۲۴ القیا فی جہنم کل کفارٍ عنید (یعنی، تم دونوں ملکر تمام سرکش ناشکروں کو دوزخ میں داخل کرو) کا ذکر آچکا ہے۔ جس کی صراحت حضرت رسولؐ نے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب حضرت رسولؐ اور علیؑ دونوں سے ہے کہ تم دونوں ملکر یہ کام انجام دو۔ اس سے بھی عیاں ہوا کہ علیؑ حضرتِ رسولؐ کے شریک کار ہیں حتیٰ کہ قیامت میں بھی شریک کار رہیں گے۔ قسیم النار والجنۃ یعنی دوزخ و جنّت کی تقسیم کرنے والے بھی علیؑ ہی ہیں۔ جس طرح حضرت رسولؐ میں رسالت و امامت دونوں جنبے موجود تھے مگر آپ سے جنبۂ رسالت واضح ہوا اور جنبۂ امامت اخفا میں رہا اسی طرح عملی طور پر اور احکام قرآنی سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علیؑ میں امامت کے علاوہ رسالت کا جنبہ بھی موجود تھا جو مختلف موقعوں پر ظاہر بھی ہوا اور آپ کا مستقل منصب امامت و ولایت کا تھا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جہاں ازواجِ رسولؐ کو اللہ تعالیٰ نے اُمہات المومنین قرار دیا ہے وہیں یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو یہ اختیار دیا تھا کہ رسولؐ کی کسی بھی زوجہ کو (یہ جناب خدیجہ کے انتقال کے بہت بعد کا واقعہ ہے) حضرت رسولؐ کی طرف سے طلاق دیدیں یعنی اُمہات المومنین کے اُس مرتبہ سے خارج کر دیں جو قرآن نے دیا تھا۔ واضح بات ہے کہ یہ بالکلیہ اختیارِ رسالت تھا۔ جو علیؑ کو حاصل تھا (ملاحظہ ہو تاریخ اعثم کوفی، روضۃ الاحباب دفتر دوم، حبیب السیر جلد اول و مناقب مرتضوی صالح کشفی ترمذی حنفی ص۲۰۷ و ص۲۰۸۔ یہ اختیارِ رسالت کا ایک خاص الخاص پہلو تھا۔ شرعاً اور قانوناً (کسی بھی مذہب کی شرع یا کسی بھی ملک کے قانون کے اعتبار سے) کوئی شخص دوسرے شخص کی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔ وکالتاً جو طلاق کا لفظ تفویض کیا جاتا ہے وہ بالکلیہ جداگانہ امر ہے کہ شوہر زوجہ کو طلاق دینے کا فیصلہ کر کے بوجہ دُوری یا بُعد دوسرے شخص کو وکیل بنا دیتا ہے کہ میں نے جو طلاق کا فیصلہ کیا ہے اُسکو نافذ کر دو۔ مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا کہ حضرت رسولؐ نے خود طلاق کا فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ فیصلہ کرنا بھی علیؑ پر موقوف کر دیا تھا کہ تم میری جس زوجہ کو بھی قابلِ طلاق سمجھو اُسکو میری طرف سے طلاق دیدو۔ یعنی دو امور حضرت علیؑ کے اختیار میں تھے (۱) قابل طلاق قرار دینا اور (۲) پھر طلاق دے دینا۔ زوجہ کو طلاق دینا شوہر کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے

وہ بھی رسولؐ کی زوجہ کو بعد انتقالِ رسولؐ طلاق دیکر امہات المومنین کے قرآنی دفتر میں تصرف کرنیکا اختیار ایک ماورائے فہم معاملہ ہے۔ یہ کام سوائے ایسی ذات کے جو رسولؐ کی ذات کا ایک جزو ہو اور نفسِ رسولؐ اور بہ منزلہ رسولؐ گویا عینِ رسولؐ ہو۔ اور کسی کے بس کی بات نہیں۔

بفحوائے من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اٰدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ ......الخ

جو ہستی کہ رتبہ میں انبیائے سلف سے افضل ہو اور اس کو کارِ رسالت انجام دینے کا مجاز کیا گیا ہو اور اس نے عملاً کارِ رسالت انجام بھی دیا ہو تو ان اعتبارات سے اس ہستی کو حامل وصفِ رسالت کہنا ہی پڑیگا۔ جہاں کسی شخص میں کسی منصب کی قابلیت موجود ہو اور پھر عملاً اس نے وہ منصب انجام بھی دیا ہو تو اس سے وہ منصب منسوب کرنے میں قانون یا عقل کو کوئی تامل یا مجبوری محسوس نہیں ہوتی۔

یوں بھی غور فرمایئے کہ جیسا دیگر مقام پر بحوالہ احادیث وغیرہ ذکر آچکا ہے حضرت علیؑ تمام انبیاء سلف حضرت ابراہیم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ سے افضل ہیں کیونکہ تمام انبیاء سلف کے جامع الصفات ہیں تو اگر حضرت علیؑ میں رسالت کا جذبہ اور صلاحیت موجود نہ ہوتی تو ایسی صلاحیت رکھنے والوں یعنی مستقل انبیاء سے آپکو افضل قرار دینا خلافِ عدلِ الٰہی ہوتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ علیؑ میں رسالت کا جذبہ بھی موجود تھا۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۸ کے متعلق بھی مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِیْ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ آیت یہ ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ اور اگر اور کوئی مراد ہوتے تو والذین اتبعونی کے الفاظ ہوتے۔

علیؑ کے کارِ رسالت انجام دینے سے حضرت رسولؐ کے خاتم النبیینؐ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا

یہاں اس نکتہ پر بھی غور کر لینا مناسب ہے کہ حضرت علیؑ کے کارِ رسالت انجام دینے سے آیا حضرت رسولؐ کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی اثر پڑنے کا قیاس تو پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز ایسا قیاس پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت رسولِ خدا بیشک خاتم النبیین ہیں اور آپ نے یہ امر واضح بھی فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ ہماری رائے میں اہم نکتہ یہی ہے کہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے شریکِ کارِ رسالت آنحضرت کی زندگی میں رہے اور آپکی وفات کے بعد بھی اجرائے کارِ رسالت کا سلسلہ حضرت علیؑ کی جانب سے جاری رہا۔ جس کے متعلق حضرت رسول پہلے ہی فرما چکے تھے۔ اس لئے حضرت رسولؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت رسولِ خدا نے متعدد مرتبہ اور بہ تکرار فرمایا کہ علی منی وانا منہ۔ ان احادیث کے بیسیوں حوالے صحاح ستہ اور دیگر مستند کتب اہلسنّت سے ہم نے اس کتاب میں دیئے ہیں۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا علیؑ کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی سر کی جسم کے ساتھ یعنی میں جسم ہوں علی سر ہے۔ کبھی فرمایا میں جسم ہوں علی روح ہے۔ یعنی ذات رسولؐ و علیؑ گویا ایک دوسرے سے ہیں اور ایک دوسرے میں مدغم ہیں علی رسول سے ہیں اور رسول علی سے ہیں کے ارشاد کا یہ منطقی نتیجہ ہے۔

آیت مباہلہ کی رو سے حضرت علی نفسِ رسول قرار پائے اور چونکہ نفس اور ذات ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوتے ہیں گویا ایک ہی ہوتے ہیں تو ان دونوں کے ایک ہی ذات ہونے کا نظریہ اور بھی تقویت پا گیا صوفیائے کرام نے بھی اسی تصور کو اپنایا ہے۔ جیسے نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:۔

دانی حدیث لحمک لحمی برائے چیست ایں ہر دو تن یکے است یکے را مبین دوتا

یعنی سمجھتے ہو کہ ذاتِ رسول نے لحمک لحمی آخر کس لئے فرمایا ہے۔ نبی و علی یہ دونوں تن ایک ہی ہیں کہیں ایک کو دو مت سمجھ لو۔ مشہور صوفی حضرت صابر حسینیؒ کا بھی یہی نظریہ تھا کہ پنجتن ملا کر ایک ہی تن ہیں اس بارے میں ان کے اشعار ہم نے اس کتاب میں نقل کئے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ حضرت علی کا کوئی کارِ رسالت انجام دینا بالکلیہ حضرت رسولؐ کا ہی کارِ رسالت انجام دینا ہے۔ اس لئے حضرت علی کے کارِ رسالت انجام دینے سے حضرت سرورِ کائنات کا خاتم النبیین ہونا کسی طرح متاثر نہیں ہوتا اور لانبی بعدی کے ارشاد پر بھی کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ ہمکو بتانا صرف اسقدر مقصود تھا کہ حضرت علی میں جذبۂ رسالت بھی موجود تھا اور ہم نے اسی کو اوپر ظاہر کیا ہے۔

ائمۂ طاہرین انبیائے سلف سے افضل ہیں

جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا وہ قرآنِ مجید کے اعتبار سے حضرت آدم داؤد ہیں۔ حضرت ختم المرسلین کو ہر اعتبار سے افضل و اکمل انبیا بنایا اور آپکی رسالت دیگر رسولوں کیلئے بھی اسطرح ہے جسطرح آپکی اُمت کیلئے بلکہ عالمین کیلئے ہے۔ اسی طرح سوائے حضرت ابراہیم کے کسی کو امام بنانے کا ذکر نام کے ساتھ قرآن میں نہیں ہے۔ اس طرح حضرت رسولؐ جامع صفاتِ انبیاء و سردارِ انبیاء ہونے کے اعتبار سے خلیفۃ اللہ بھی ہیں اور عالمین کے امام بھی ہیں۔ اب حضرت رسولؐ کے ان دو ارشادات پر غور فرمائیے:۔ (۱) من کنت مولاہ و فعلیؑ مولاہ (۲) معراج میں مجھے بتایا گیا کہ تمام انبیائے سلف میری نبوت اور علی کی ولایت کے اقرار پر نبی بنائے گئے۔ (ان احادیث کی اسناد علحدہ آچکی ہیں)

حضرت رسول سب رسولوں کے بھی رسول اور سردار ہونیکے اعتبار سے سب نبیوں کے مولا ہوئے اور جب ارشادِ نبی ہے کہ میں جس جس کا مولا ہوں علی بھی انکا مولا ہے تو حضرت علی علیہ السلام تمام انبیائے سلف کے اسی طرح مولا ہوئے جس طرح حضرت سرورِ کائنات ہیں۔

شرف الدین شاہ بوعلی قلندرؒ فرماتے ہیں:۔

اے علی است قصرِ شانِ تو روح القدس دربانِ تو
نارفتہ تا ایوانِ تو شہبازِ فکرِ انبیاء

نورِ تو شمعِ بزمِ حق زیبِ سپہرِ نہ طبق
گیرد ملک از تو سبق اے پیشوائے انبیاء

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے ساتھ ساتھ حضرت امیرؑ کی بھی وہ ارفع داعلیٰ ہستی ہے کہ معراج میں بھی ساتھ ساتھ رہے اور حضرت رسولؐ کے ظاہر بظاہر ناصر رہنے کے علاوہ تمام انبیائے سلف کی بھی مشکل کشائی فرماتے رہے۔

تیسرے یہ کہ جہاں حضرت آدم اور دیگر انبیاء خاکی ہیں تو فحوائے ارشاد نبی اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ آپ دونوں کی خلقت نور سے ہے۔

آیاتِ قرآنی کی روشنی میں حضرت رسول کے اس ارشاد کو بھی ہم تفصیل سے درج کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرما دیا تھا کہ تو خاکی ہے اور یہ پانچ تن جنکے نام میرے ناموں سے مشتق ہیں نور سے بنے ہیں اور جب تجھکو کوئی مشکل پیش آئے تو ان کی ذات کی توسل اختیار کر کے میری بارگاہ میں دعا کیا کر یہ وہی ذوات ہیں جنکے طفیل میں آدم کی دعا قبول ہوئی۔

واضح ہوا کہ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ (جو بہ یک وقت عالم ظاہری میں ساتھ ساتھ تھے) نور سے بنے ہوئے ہیں دیگر انبیاء کے لئے بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

جسطرح حضرت رسول خلیفۃ اللہ اور عالمین کے امام ہیں اسی طرح آنجناب نے واضح فرما دیا کہ علیؑ تا بارھویں امام حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری علیہم السلام سب اللہ کے اور حضرت رسولؐ کے خلیفہ اور امّت کے امام ہیں اور اللہ نے خلیفہ اور امّت کے امام ہونے کے یہ دونوں مناسب بوقتِ واحد سوائے حضرت رسولؐ و دوازدہ ائمہ طاہرین کے کسی اور پیغمبر میں مجتمع نہ ہوئے۔

پھر حضرت رسول کا وہ ارشاد گویا ان تمام امور کی یکجا ترجمانی کر دیتا ہے کہ:۔

اولنا محمدؐ، اوسطنا محمدؐ، آخرنا محمدؐ، کلنا محمدؐ۔

یعنی ہم میں کا پہلا بھی محمدؐ ہے درمیان والا بھی محمدؐ ہے آخری بھی محمدؐ ہے اور کل کے کل محمدؐ ہیں۔ یہ اتنے کثیر اور واضح اعتبارات ہیں کہ ان کی روشنی میں پورے چہاردہ معصومین علیہم السلام کا تمام انبیائے سلف سے افضل ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

بحکم قرآن ذریت میں بیٹی کی اولاد بھی شامل ہے

بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام تو حضرت رسولؐ کی بیٹی کی اولاد میں ہیں اسلئے وہ ذریت رسول کس طرح ہوئے۔ اس کے دو تین جواب ہیں اور ہر جواب اپنی جگہ مکمل ہے۔ پہلے تو یہ کہ بروئے آیۂ مباہلہ (سورہ آل عمران آیت ۶۱) حسنؑ و حسینؑ بحکم خدا رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے اور اس بنا پر رسول اللہ کے زمانہ سے لیکر بعد تک بھی لوگ حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو ابن رسول اللہ ہی سے خطاب کرتے رہے۔ دوسرا جواب سورۂ انعام کی آیت ۸۵ و ۸۶ سے ملتا ہے جو

یہ ہیں: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ؕ

یعنی:۔ ہم نے ذریتِ نوح یا ابراھیم (باختلاف تفاسیر) داؤد، سلیمانؑ، ایوب، یوسف، موسیٰ، ھارون (اور اسطرح نیکی کرنیوالوں کا صلہ دیا جاتا ہے) زکریا۔ یحییٰ، عیسیٰؑ کو ہدایت کی جو سب کے سب صالحین میں سے تھے۔

اولاً ہم یہ عرض کر دیتے ہیں کہ تفاسیر میں یہ اختلاف کہ ذُرِّیَّتِہٖ میں 'ہ' کی ضمیر کے تعلق سے ہے کہ آیا مشارٌ الیہ ابراہیم ہیں یا نوح اس وجہ سے آیا ہے کہ آیت ماقبل میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہے اور آیت ۸۵ کے ابتدائی جز میں حضرت نوح کا ذکر ہے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ان دونوں ناموں میں سے کسی ایک کی طرف بھی 'ہ' کی ضمیر کا پھیرنا صحیح ہے اور اس سے آیت کے معنوں میں مطلقاً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ ان آیات میں جن پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیم خود تیرہویں پشت میں حضرت نوح کی اولاد میں ہیں اسلیئے یہ پیغمبران حضرت نوح کی اولاد میں بھی ہوئے یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب اصل معنی پر غور فرمایئے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی نوح یا ابراہیم کی ذریت میں قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے اور اپنی والدہ مریم بنتِ عمران کی طرف سے ذریتِ نوح یا ابراہیم قرار پاتے ہیں۔ علاّمہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اس اعتبار سے حسن وحسین رسول اللہ کی ذریت ہیں۔ تیسرا جواب ہے کہ ارشادِ رسول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کی ذریت کو اسکی صلب میں رکھا ہے مگر میری ذریت کو علی کی صلب میں رکھا ہے۔

(ملاحظہ ہوں طبرانی بروایت جابر بن عبداللہ انصاری ونیز ابوالخیر حاکم وطبرانی بروایت عبداللہ ابن عباس)

حضرت رسولؐ کا ارشاد اُسی طرح نَص ہے جس طرح نَصِ قرآن۔ جب صاحب مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کا یہ واضح ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذریت کو علی کی صلب میں رکھا ہے تو حسن وحسین (علیہم السلام) کا ذریتِ پیغمبر ہونا مسلّمہ وشُتبہ امر ہوا۔

آلِ محمدؐ میں کون شامل ہیں

آل ایک جامع لفظ ہے جو قرآن میں بیٹے یا بیٹی کی اولاد کے علاوہ دیگر شخصیتوں پر بھی حاوی ہے۔ فرمودۂ رسولؐ کے اعتبار سے آلِ محمدؐ میں حضرت علی السلام بھی داخل ہیں۔ علاوہ دیگر کتب حدیث کے صحیح مسلم نے اس کو متعدد راویوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ اہلِ بیت میں کون کون داخل ہیں اور یہ کہ آیا ازواج بھی داخل ہیں تو حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ازواج داخل نہیں ہیں بلکہ مرد طلاق دیتا ہے اور عورت

اپنے گھر کی طرف لوٹ جاتی ہے اور پھر آنحضرت نے علی فاطمہ حسن وحسین کا نام لے کر فرمایا اللّٰھم ھٰؤلاء
اھلبیتی یعنی یا اللہ یہی ہیں میرے اہلبیت (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص۵۷۸ روایت صحیح مسلم جلد۲ ص۲۷۸ نسائی
ترمذی ص۲۲۶ احمد ابن حنبل بروایت سعد ابن ابی وقاص دار قطنی وحاکم بروایت جابر بن عبد اللہ
انصاری، صحیح بخاری باب ۷، ص۱۰۷) نیز کنز العمال ص۲۱۳ پر معقل ابن یاسر نے حضرت ابوبکر سے روایت کی
ہے کہ حضرت رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ علی میری عترت میں شامل ہے۔ نیز حضرت علی کو نہ صرف حضرت رسول نے
اپنا نفس فرمایا ہے بلکہ مباہلہ کے موقعہ پر جب آیت مباہلہ - قل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساءنا
ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین (سورۂ آل عمران
آیت ۶۱) نازل ہوئی اور جھوٹوں پر لعنت ڈالنے کا معاملہ سامنے آیا تو ظاہر ہے کہ یہ کام صرف صادقین
ہی سے ہو سکتا تھا جن سے کبھی کسی عالم میں جھوٹ کی نسبت نہ دیکھا سکے۔ چنانچہ حضرت رسول نے بتعمیل
آیت مذکور بیٹوں میں حسنؑ وحسینؑ کو عورتوں میں صرف جناب سیدۃ النساء العٰلمین فاطمہ زہرا کو اور
نفس میں حضرت علی کو قرار دے کر ساتھ لیگئے۔ لہٰذا نصِ قرآن کے اعتبار سے بھی حضرت علی حضرتِ رسول کا
نفس ہیں۔ یہ بدیہی امر ہے کہ بغیر نفس کے کوئی ذات مکمل نہیں ہوتی اور نفس ذات میں خود شامل رہتا ہے
لہٰذا اس حیثیت سے صرف حضرت رسول کا بھی نام لیا جائے تو ذاتِ علیؑ بہ حیثیتِ نفسِ رسولؐ نامِ محمدؐ
میں شامل ہے۔ خواجہ بندہ نوازؒ جوامع الکلم ص۸۳ پر اس طرح رقمطراز ہیں:

" آنچہ حضرت علی علیہ السلام را با حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بود از اتحاد صوری ومعنوی
وقربت کسے دیگر را نہ بود۔ حضرت علی را شمائل ومشاکل ومجالس خویش کرد۔ حضرت علی علیہ السلام داخل در
قسمت اصحاب نیست۔ او داخل اہلبیت است۔ معتمد دست و شرف یاری تنہانہ دارد۔ او یار است
او پسر است او داماد است او برادر است "۔

حضرت علی علیہ السلام کی کچھ ایسی جامع الصفات ہستی ہے کہ ادھر آلِ رسول میں شامل ہیں اور
اُدھر خود ذاتِ رسول میں شامل ومدغم ہیں۔ غور کیا جائے تو بات یہ ہے کہ جہاں درود میں رسولؐ اور دیگر آلِ
رسولؐ پر ایک ایک مرتبہ صلوٰۃ آئی ہے وہاں علی کیلئے دو مرتبہ ہے کہ نفس وجزو رسول ہونیکی حیثیت سے
ایک مرتبہ اور شریک آلِ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے دوسری مرتبہ -

نانا اور نواسوں کی محبت

یقیناً یہ اُس سراپا اعجاز شہنشاہِ ہر دوسرا کی طرف سے تبرکنا علیہ فی الآخرین ہے کہ بالخصوص اُس خانوادہ فخر کائنات کے وابستگان
میں نانا اور نواسوں میں فوق الفطرت محبت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر میرا ہی نواسہ اسعد رفیق سلمہ
کہتا ہے کہ سب سے زیادہ نانا کو چاہتا ہوں۔ میرے کمرہ میں سوتا اور جس چیز کی ضرورت ہوا پنے ماں باپ سے نہیں

مجھ سے مانگتا ہے۔ ماشاء اللہ انتہائی سعادتمند اور پانچ سال کی عمر سے دو مرتبہ مولائے کائنات کی خواب میں زیارت کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بپھری ہوئی بھینس اسکی طرف دوڑی چلی آرہی ہے کہ روند ڈالیگی ایک طرف سے شیرِ خدا نمودار ہوئے اور بھینس کو ایک دھکا دیا کہ دور جا پڑی اور پھر ہاتھ پکڑ کر اسعد کو گھر تک لاکر پہنچا دیا۔ اپنے غلاموں پر انکی ایسی ہی شفقت ہے۔ دوسری مرتبہ اس نے جنگ خیبر خواب میں دیکھی اور ایسی تفصیل سے کہ مولا کے حلیہ اور لباس کی بھی صراحت کر سکا۔ خدا طول عمر با مراد کرے بصدقہ طٰہٰ و آلِ لیٰسین۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ میرے دوست نواب عباس یار جنگ اور ان کے نواسہ حمایت علی خاں اطال اللہ عمرہ کی محبت بھی مثالی ہے یہ صاحبزادہ دس گیارہ سال کی عمر سے پابند صوم وصلوٰۃ پڑھنے میں نہایت ذہین اور ممتاز اور مذہبی معلومات کا شائق ہے۔ نانا ہی کے پاس رہتا ہے۔ ایک دفعہ جب گاڑی کی آواز پہ یہ سمجھکر کہ نانا آئے ہیں دروازہ پر آکر دیکھا کہ والد چلے آرہے ہیں تو یہ کہکر واپس آگیا کہ "ارے آپ آئے ہیں" نانا کو بھی اُن سے ایسی ہی بے تحاشا محبت ہے کہ ایک دفعہ اس صاحبزادہ نے خواب میں دیکھا کہ مجلس عزا منعقد کر رہا ہے۔ اپنے نانا سے جو دن بھر مصروف تھے دیر میں کہنے کا موقعہ ملا اور خواہش کی کہ کل ہی مجلس کروائے محرم کا زمانہ تھا اتفاق سے میں اور عباس یار جنگ بہادر رات میں ساڑھے گیارہ بجے ساتھ ہی واپس لوٹ رہے تھے اب تبرک کیلئے آرڈر دینے مختلف دوکانوں پر جاتے رہے اور واپس ہوتے ہوئے انھیں خیال ہوا کہ کہیں صاحبزادہ اپنے باپ کے ساتھ تو نہیں چلا گیا کئی میل دور وہاں پہنچے اور جب معلوم ہوا کہ نانا ہی کے گھر ہے تو اطمینان سے لوٹے اور مجھے گھر پر چھوڑتے ہوئے پھر اپنے گھر گئے۔

ان مثالوں کو چاہے اس مختصر مضمون کی تمہید سمجھئے۔ اب سے کوئی پینسٹھ برس پہلے کا ذکر ہے کہ ہمارے محلہ میں ایک فقیر صاحب سوال کرتے نکلتے تھے اور کسی اہل دل نے جو شہزادگان حسن وحسین علیہم السلام کے عید کے موقعہ پر اپنے نانا اور والدہ شہزادیٔ کونین سے کپڑے طلب کرنے کے واقعہ کو نظم کر دیا تھا وہ یہ فقیر صاحب طرز سے پڑھتے تھے۔ اسکا ایک مصرعہ دماغ پر نقش فی الحجر ہے،

نانا پھٹے پرانے ہیں کپڑے ہمارے پاس

اہل ایمان کو غم حسین کے علاوہ عمر بھر رُلانے کیلئے یہ مصرعہ کافی ہے۔ بات سیدھی سادھی ہے مگر یہ چند الفاظ شہنشاہِ دو جہاں سرورِ عالم اور مولائے کائنات قاسم رزق وجنت ونار اور شہزادی کونین خاتونِ محشر کے گھر کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ دل کی خواہ کچھ ہی حالت ہو مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم ہی ہے۔ اور مشیت ایزدی کیا ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ کے مصداق یہ خود ان ہی کا تو منشا ہے۔ اس یادگار عید کے علاوہ اور بھی بکثرت واقعات شہزادوں سے متعلق صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں۔ ہم انہیں سے صرف دو تین کا ذکر کرتے ہیں۔ جلاءُ العیون و بحارُ الانوار ملا باقر مجلسیؒ امالی شیخ مفید و ناسخ التواریخ کے علاوہ متعدد محدثین و مورخین

اہل سنت نے حضرت اُم سلمہ، جابر عبداللہ انصاری اور کئی دیگر راویوں کی زبانی ان واقعات کو درج کیا ہے (ملاحظہ ہوں: تفسیر ثعلبی، کشف الغمہ، اربعین ابن موذن، اربعین فتوانی، روضۃ الشہدا ملاحسین واعظ کاشفی، طبری بحوالہ سیر کبیر، مدینۃ المعاجز، شرف النبی، کنز الغرائب، وسیلۃ النجا مولوی مبین ومناقب ابن شہر آشوب وغیرہ)

ایک عید کے موقعہ پر شہزادوں نے اپنی مادرِ گرامی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے کہا سب لوگوں کے بچے تو نئے کپڑے پہن رہے ہیں۔ ہمارے پاس پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔ ہمکو بھی نئے کپڑے دلوا دیجئے۔ جس گھر کا شعار الفقر فخری ہو اسبابِ ظاہری میں نئے کپڑے کہاں سے منگوائے جاتے۔ شہزادی کونین نے بچوں کا دل رکھنے فرمادیا کہ کپڑے سل رہے ہیں درزی لے آئیگا۔ کچھ دیر گزری تھی کہ خازنِ جنت رضوان نے دروازہ پر آواز دی "درزی آ گیا ہے"۔ صدیقہ طاہرہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو رحمن ورحیم وستار کب ٹال سکتا تھا۔ شہزادہ حسن کیلئے سبز جوڑا اور شہزادہ حسین کیلئے سرخ جوڑا جنت سے آیا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی شہزادوں نے نانا سے کہا نانا سب لوگوں کے بچے اونٹ پر بیٹھے رہے ہیں ہمارے پاس اونٹ نہیں ہے۔ نانا نے مسجد نبوی میں گھٹنے ٹیک کر نواسوں کو پشت پر بٹھالیا اور فرشِ مسجد پر گھمانے لگے۔ نواسوں نے کہا نانا اونٹ کی مہار کہاں ہے۔ ایک ایک زلف ایک ایک نواسے کے ہاتھ میں دیدی۔ کہا سب کے اونٹ بولتے ہیں۔ ہمارا اونٹ نہیں بولتا۔ جواب کیا آیا، عف! عف! دو مرتبہ فرمایا تھا اور تیسرے کی نوبت نہ آئی تھی کہ جبرئیل امین اس مرتبہ قلب نہیں بلکہ زبان پر حکم لائے کہ اب اور عف نہ فرمائے ورنہ نارِ جہنم سرد ہو جائے گی۔ رسول کریم دونوں نواسوں کو کاندھے پر لئے زلفیں ہاتھوں میں دیئے مسجد سے باہر نکلے۔ اصحاب نے کہا شہزادو کیا اچھی تمہاری سواری ہے۔

رحمۃ اللعالمین نے فرمایا یہ کہو کیا اچھے سوار ہیں۔

اس مالکِ دوجہاں نانا کی محبت کے اور بہت سے نمونے سامنے آئے۔ مسجد نبوی میں منبر سے خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ نواسے چھوٹی چھوٹی عبائیں زیب تن کئے مسجد میں داخل ہوئے۔ عبا پاؤں میں الجھی۔ نانا منبر سے اتر کر دوڑے نواسوں کو اٹھالیا۔ منبر پر گود میں بٹھالیا اور خطبہ جاری رہا۔

ان واقعات کی معراج نماز میں ہوئی۔ سردارِ رسل مسجد میں نمازِ جماعت پڑھا رہے ہیں سجدہ میں تھا اور دونوں نواسے آکر پشتِ مبارک پر بیٹھ گئے۔ بقول حضرت ناوک لکھنوی؛-

سر رسالت کا سجدہ سے اٹھتا نہیں = پشت پر کون پروردگار آ گیا

ستر مرتبہ ذکر سجدہ فرمایا۔ شہزادے ہیں کہ پشت پر کھیل ہی رہے ہیں۔ نمازی سر اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ کہیں رسول اللہ کو غش تو نہیں آگیا۔ شہزادے پشت پر سے اُترے۔ رسول اللہ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ یہ تعامل صاحب ما ینطق عن الہویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کا یہ مشیتِ ایزدی حکمِ پروردگار تھا۔

ذرا میدانِ مباہلہ پر بھی نظر ڈالئے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ کم عمر بچے تو ماں سے پٹے رہتے ہیں یا پھر باپ کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں مگر یہاں یہ منظر ہے کہ شہزادۂ حسن نانا کی انگلی پکڑے ہوئے ہے تو حسینؑ کو نانا گود میں اٹھائے ہوئے لئے چل رہے ہیں۔ ہونے کو تو شہزادوں کے ماں اور باپ دونوں ساتھ موجود ہیں۔ کیا یہ کہنا نہیں پڑیگا کہ نانا کی محبت ماں اور باپ کی محبت پر بھی غالب آگئی تھی:

اے کاش جناب سیدہ کا گھر جلانے والے' شہزادی کی فریاد کا کہ رسولؐ کے نواسے بھی اس گھر میں ہیں یہ جواب تو نہ دیتے کہ "ہوا کریں" اور کاش قتل حسینؑ میں شریک کم از کم وہ سات سو صحابی رسولؐ تو نانا کی نواسے سے محبت یاد رکھتے "جہنم کی خلقت کا آخر جواز بھی تو ثابت ہونا ہے"!

اب ہم نواسوں کے ساتھ حضرت رسولؐ کی اس بے پناہ محبت اور غیر معمولی طرزِ عمل پر ایک درایتی اور استدلالی نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں اور اس کے لئے ہم قرآن ہی سے مدد لیتے ہیں۔ حضرت خضر کو انبیائے سلف میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے اور انہوں نے حضرت موسیٰ کو بھی سبق دیا تھا۔ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ کی خضر سے ملاقات اور انکے بظاہر ناقابل فہم عمل پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے علم لدنی کے حصہ اور ولایت کے حصہ پر مبنی تھا۔ حضرت موسیٰ کے اعتراض اور خضر کے جواب مذکور ہیں۔ چنانچہ۔

سورۂ کہف کی آیت ۶۵ ہے:۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا۔

ترجمہ:۔ پھر (موسیٰ و یوشع نے) ہمارے بندوں میں سے ایک (خضر) کو پایا جسکو ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت (ولایت) کا حصہ عطا کیا تھا اور ہم نے اُسے اپنی علم لدنی (اپنے خاص علم) میں سے کچھ سکھایا تھا۔

آیت ۷۴ ہے:۔ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۝

یعنی پھر دونوں (خضر و موسیٰ) آگے چلے یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے جان سے مار ڈالا (موسیٰ نے کہا) کیا آپ نے ایک معصوم شخص کو مار ڈالا (اور وہ بھی) کسی کے خون کے بدلہ میں نہیں آپ نے تو یقینی ایک عجیب حرکت کی۔

آیت ۸۰ میں اسکا جواب اسطرح ہے:۔

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا۔

یعنی: اور وہ جو لڑکا تھا (جسکو میں نے مار ڈالا) تو اسکے ماں باپ دونوں (سچے) ایماندار ہیں تو مجھے یہ اندیشہ ہوا (ایسا نہو کہ) یہ انکو بھی اپنے سرکشی اور کفر میں پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ (اسکو مار ڈالیں) اور انکا پروردگار اسکے بدلہ میں (ایسا فرزند) عطا فرمائے جو اس سے پاک نفسی اور پاک قرابت میں بہتر ہو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن برگزیدہ بندوں کو ولایت میں سے اور علم لدنی یعنی اپنے خاص علم میں سے کچھ حصہ بھی عطا کرتا ہے تو ان کی نظر آئندہ کے واقعات پر بھی محیط ہو جاتی ہے اور وہ ان آنیوالی باتوں کے اقتضا کے بموجب عمل کرتے ہیں۔ حضرت خضر نے دیکھا کہ ایک ایسا لڑکا ہے جو بڑا ہوکر اپنے مومن والدین کے ایمان میں فتور پیدا کریگا تو اُسے قتل کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ انکو ایک پاک نفس اور پاک قرابت فرزند عطا کریگا۔ بظاہر یہ ایسا واقعہ تھا کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی بھی سمجھ میں نہ آیا اور کہدیا کہ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا آپنے یقینی ایک عجیب حرکت کی۔

جہاں ولایت اور علم لدنی سے صرف کچھ حصّہ پانے والوں کی نظر اور علم کا یہ حال ہے تو غور کا مقام ہے کہ شہنشاہِ رُسل خاتم النبیین رحمۃ للعٰلمین کے علم و رسائے نظر کی کیا کیفیت ہوگی جنکا نور بھی قبل خلقتِ کائنات ارواح انبیاء کو تعلیم دیتا رہا اور جنکے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (سورۂ تکویر آیت ۲۴)

یعنی تمہارا رسول غیب کی باتیں بتانے میں کچھ بخیل نہیں ہے اور سورۂ آل عمران آیت ۱۷۹ میں ارشاد ہے وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ

یعنی خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتادے مگر خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کی باتیں بتانے کیلئے) چن لیتا ہے۔ اور جنکے نواسے بھی دو تین سال کی عمر میں لوحِ محفوظ کی عبارت (اپنے نانا کو) سنایا کرتے تھے (صواعق محرقہ ابن حجر مکی) بجز اسکے کہ کوئی شخص عقل سے عاری محض ہو ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آجائیگی کہ حضرت ختمی مرتبت کا اپنے نواسوں کے ساتھ یہ عمل ان کے مدارج اور کارناموں کے پیش نظر تھا جو خلاق عالم نے انکے لئے قرار دے دیئے تھے اور جنکو دنیا نے بھی اپنے اپنے موقعوں پر دیکھ لیا۔ حضرت رسول کا نواسوں کیلئے سجدہ کو طول دینا پیٹھ پر بٹھا کر مسجد نبوی میں گھٹنوں کے بل چلنا اونٹ کی آواز نکالنا کیا یہ بچوں کا کھیل تھا؛ کھیل تو وہی سمجھیگا جو رسالت کو بھی کھیل جانے۔ کھیل کے الفاظ میں نے اسلئے استعمال کئے ہیں کہ میرے ذی علم برادر خورد محسن بن شبیر مرحوم (سابق آئی۔ اے۔ یس) کے مطالعہ میں یہ بات آئی تھی کہ ایک بظاہر بڑی شخصیت نے جنکو اہلسنت حضرات بڑا درجہ دیتے ہیں رسول اللہ کے سجدہ کو طول دینے کے متعلق یہ اظہار خیال کیا تھا کہ رسول اللہ نے نماز کو بھی بچوں کا کھیل بنا دیا۔ کہنا پڑیگا کہ جو شخص رسول پر اعتراض کرے وہ بڑا آدمی تو کجا اُمت رسول ہی میں کب باقی رہا۔

قرآنی زبان میں مطہرون اور متطہرین کے معنوں کا فرق

سورۂ واقعہ کی آیت ۷۹ ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۝۔ (یعنی قرآن کو چھو نہیں سکتے بجز اُن لوگوں کے جو پاک و پاکیزہ بنائے گئے ہیں) اسی آیت کے متعلق ہم نے باب چہارم میں "حقیقی قرآن کہاں ہے" کے عنوان کے تحت کچھ لکھا تھا۔ اس ضمن میں ایک نکتہ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید میں پاک کیے جانے کی نوعیت کے اعتبار سے دو علیٰحدہ علیٰحدہ الفاظ آئے ہیں۔ جنکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکی عطا کی گئی ہو یعنی جو پاک ہی خلق کئے گئے ہوں ان کے لئے مطہرون یا مطہرۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ اور جہاں کسی نجس کے اپنے کو خود پاک کرنے یا کسی کی طرف سے پاک کئے جانے کا مفہوم ہے وہاں تطہرن متطہرین یا یتطہرون کے الفاظ آتے ہیں۔ سورۂ بینہ کی آیت ۲ میں صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً یعنی پاک بنائے ہوئے صحیفے اور سورۂ عبس کی آیت ۱۳ و ۱۴ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ یعنی (قرآن) بہیں معزز اوراق (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا بلکہ مرتبہ اور پاک بنایا ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵ و آل عمران آیت ۱۵ و سورۂ نساء آیت ۵۷ میں ازواجٌ مطہرۃٌ یعنی پاک بنائی ہوئی حوریں کہا گیا ہے۔

اسکے برخلاف جہاں نجس سے پاک کئے جانے کا مفہوم ہے وہ ذیل کی آیتوں سے واضح ہے۔

سورۂ بقر کی آیت ۲۲۲ اسطرح ہے:۔

فَاِذَا تَطَہَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ ....

....

.... اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ۝

یعنی جب عورتیں پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔ اللہ اپنے کو پاک رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس کے قبل کی آیت سے ملا کر دیکھنے سے معنی اور واضح ہو جاتے ہیں جو یہ ہے:۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ یعنی حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔

سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۲ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ (قریب ہے کہ خدا انکی دعا قبول کرے) میں ایسے لوگوں کا ذکر جن سے کچھ قصور ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول کرلی تھی۔ اس کے بعد ہی کی آیت ۱۰۳ ہے:۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ عَلَیْھِمْ یعنی (اے رسولؐ) تم ان کے مال کی زکواۃ قبول کرلو اور انکو (گناہوں سے) پاک صاف کرو اور ان کے واسطے دعاء خیر کرو۔ جہاں قصوروار لوگوں کی توبہ قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسولؐ کو ایما فرمایا کہ ان کو گناہوں سے پاک کریں تو لفظ تطہرھم استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۸ ہے:۔ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا۔ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں کچھ کاذب (جھوٹے)

لوگوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد ارشاد ہے کہ ان ہی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے کو ان برائیوں سے پاک صاف کرنے کو پسند کرتے ہیں یہاں بھی لفظ یتطہرو - استعمال ہوا ہے۔ سورۂ اعراف کی آیت ۸۱ اور سورۂ نمل کی آیت ۵۵ میں حضرت لوط کے زمانہ کے ان لوگوں کا ذکر ہے جو مردوں سے قضائے شہوت کرتے تھے۔ اسکے بعد کی آیتیں یعنی اعراف کی آیت ۸۲ ہے: وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ اور نمل کی آیت ۵۶ ہے۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ؛ یعنی قوم لوط کے ان بدکاروں کا اس کے سوا جواب ہی کیا تھا کہ ان لوگوں کو جو اس بدکاری کو چھوڑ کر اپنے کو پاک صاف بنانا چاہتے ہیں ان کو اپنے قریہ سے نکال باہر کرو۔ یہاں بھی دونوں آیتوں میں اُناسٌ یتطہرون کے الفاظ ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنے کو پاک صاف بنانا چاہتے ہیں۔

لہذا یہ امر متحقق ہو گیا کہ جہاں گندگی یا نجاست یا برائی موجود ہو اس سے اپنے کو پاک صاف کرنے والوں کیلئے یتطہرون یا متطہرین کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے برخلاف جس چیز کو یا جن ذوات کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک و منزہ بنایا ہے ان کے لئے الفاظ مطہرۃ یا مطہرون استعمال فرماتے ہیں۔ اسطرح مطہرون اور متطہرین کے معنوں کا فرق واضح ہو گیا۔ متطہرین ایک دفعہ اپنے کو پاک کرنے کے بعد پھر نجس ہو جاسکتے ہیں مگر مطہرون ہمیشہ پاک ہی پاک ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ میں جن کا ذکر ہے وہ وضو یا غسل سے پاک کی ہوئی نہیں بلکہ وہ ہستیاں ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے پاک و طاہر خلق فرمایا ہے اور وہی معصوم مطلق ذاتیں قرآن کے وجود حقیقی کو مس کر سکتی ہیں۔

شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات دار المعرفت جلد ثالث مکتوب چہاردہم میں اس آیت کے معنیٰ کے متعلق اسطرح اظہار خیال کیا ہے:-

"دریں مقام بہ فہم قاصر مے درآید آنست کہ لا یمسہ الا المطہرون مساس نہ کنند اسرار مکنونہ قرآن مگر جماعت کہ از لوث تعلقات بشریہ پاک بودہ باشد ہرگاہ نصیب پاکاں مساس اسرار قرآن بود دیگراں راچہ اسد" یعنی میرے فہم ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسرار قرآن کو بجز اس جماعت کے کوئی چھو نہیں سکتا جو تعلقات بشری کے لوث سے پاک ہو۔ لہذا جب قرآن کے اسرار حقیقی کو جاننا جب معصومین ہی کا نصیب ہے تو دوسروں کو کیا مل سکتا ہے۔

غلو کے معنی کسی بیان یا تصور میں حد اعتدال سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔

غلو سے کیا مراد ہے اور بغض علی کا کیا مطلب ہے

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ حضرت علی کی تعریف کرنے میں غلو کرتے ہیں ہم یہ بتائینگے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ علی کے صفات کے متعلق

غلو کا کوئی سوال اسوجہ سے پیدا نہیں ہوتا کہ حسب ارشاد رسولؐ علی کے صفات لاتعد ولا تحصا ہیں۔ ہم اس بارے میں کچھ مخصوص ارشادات خدا و رسول کا حوالہ چند سطور بعد دینگے۔ البتہ علی کی ذات اور حقیقت کے تصور میں غلو کا امکان ہے اور وہ صرف یہ کہ علی کو خدا سمجھا جائے اور یہ عمل صرف یہم ہوں کا ہے حضرت رسول اور تمام ائمہ معصومین کا ارشاد ہے کہ علی کو خدا مت کہو اور جو جی چاہیئے کہہ لو۔ احتجاج طبرسی صلہ ۲۲۲ پر حضرت امیرالمومنین کا یہ ارشاد درج ہے:-

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَجَاوَزُوْا بِنَا الْعُبُوْدِیَّۃَ ثُمَّ قُوْلُوْا مَا شِئْتُمْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ کَغُلُوِّ النَّصَارٰی فَاِنِّیْ بَرِیْءٌ مِنَ الْغَالِیْنَ ٥

یعنی "حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں عبودیت کے درجہ سے نہ ہٹاؤ پھر جو چاہتے ہو ہماری شان میں بیان کرو۔ مگر پھر بھی تم ہماری شان کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں غلو نہ کرو جیسا نصاریٰ نے عیسٰی ابن مریم کو خدا بنا دیا کیونکہ میں بندہ کو خدا بنانے والوں سے بری ہوں۔"

امیرالمومنین کے اس ارشاد سے تین باتیں واضح ہیں۔ غلو کے معنی ظاہر ہوئے کہ نصاریٰ کے مثل بندہ کو خدا کہنا غلو ہے۔ پھر متنبہ فرمایا کہ عبودیت کے مقام سے ہٹا کر خدا کہنے والوں سے میں بری ہوں۔ اسکے ساتھ ہی اپنے صفات کا دوسرا پہلو بھی واضح فرمادیا کہ ہمکو خدا نہ کہو اور اس کے بعد ہماری شان میں جتنا چاہیئے کہہ لو مگر پھر بھی تم ہماری صفات کی حد تک نہ پہنچ سکو گے۔ جب غلو کے معنی حسب صراحت صدر معین و مشخص ہو گئے تو پھر شیعہ کو جو علی کو خدا نہیں سمجھتے غلو کرنے والا یا غالی کہنا مہمل اور بے بنیاد بات ہے۔

اب ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دیکھینگے کہ علی کے صفات کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ اور ارشادِ رسول کیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھینگے کہ اہلِ طریقت بزرگان دین نے انکا کیا مطلب سمجھا ہے۔ کسی آیت یا حدیث کا حوالہ ہم اسوجہ سے نہیں دینگے کہ ان سب کی اسناد پہلے آچکی ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ علی اسی طرح لوگوں کا ولی ہے جسطرح خود اللہ تعالیٰ اور رسولؐ خدا ولی ہیں۔ علیؑ اُمت کیلئے ہادی ہیں۔ علی کو پوری کتاب خدا کا علم ہے۔ علی پاک و مطہر اور اُسی نور سے خلق ہوئے ہیں جس سے حضرت رسولؐ کی تخلیق ہے۔ علی اور اہلبیت کی محبت بحکم قرآن فرض ہے۔ علی کی ولایت کا سوال روز محشر ہونے والا ہے۔ علیؑ کی ولایت ہی سے دین مکمل ہوتا ہے اور ولایت علیؑ کے اقرار کے بغیر پورے دین ہی کی نفی ہو جاتی ہے۔ علیؑ کی ولایت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جسپر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے اتمام کا اعلان فرماتا ہے۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ (اے رسولؐ اپنے قبل کے تمام نبیوں سے دریافت کر دیکھو) کی توضیح حضرت رسولؐ نے یہ فرمائی کہ معراج میں جب آپنے دریافت فرمایا تو تمام انبیا نے بیان کیا کہ ہم آپکی نبوت اور علیؑ کی ولایت کے اقرار پر نبی بنائے گئے۔

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ اُولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی اللہ نے دیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام تا امام دوازدہم یعنی پورے بارہ ائمۂ اہلبیت اُولی الامر ہیں اور اللہ اور رسولؐ کے خلیفہ اور امت کے امام ہیں۔ علیؑ شریک کارِ رسالت ہیں جیسا کہ سورۂ برأت کی تبلیغ اور منافقین سے جہاد کی آیت قرآن کی تعمیل جسکا حکم رسولؐ کو تھا رسولؐ اللہ نہ کرکے علیؑ مرتضیٰ کرنے سے واضح ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اور پورے ائمۂ اطہار تمام لوگوں کے اعمال کے گواہ اور جس طرح حضرت علیؑ رسالت کے گواہ ہیں اسی طرح حضرت رسولؐ ائمۂ اطہار کی امامت کے گواہ ہیں جیسا کہ آیت اُمت وسطاً سے ظاہر ہے اور بھی متعدد آیات علی مرتضیٰ کے بارے میں مگر ہمکو اختصار منظور ہے۔ بقول جلال الدین سیوطی تین سو آیتیں حضرت علیؑ کی شان میں ہیں اور بقولِ نظام الدین اولیا قرآن کی ہر آیت علیؑ کی مدح و ثنا پر منتج ہوتی ہے۔

اب ہم دو چار احادیث کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سب سے پہلا ارشاد رسولؐ تو یہ ہے کہ علی کو بجز اللہ کے اور میرے کوئی نہیں سمجھ سکا علی کی ذاتِ واحد میں وہ تمام صفات جمع ہیں جو انبیاء سلف کو چیدہ چیدہ طور پر دیگئی تھیں تمام سمندر سیاہی اور اشجار قلم اور انس و جن و ملک کاتب بن جائیں تو بھی علی کے صفات کا احصار ممکن نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آنجناب نے علی کے پورے صفات بیان نہیں فرمائے ہیں ورنہ لوگوں کے تحمل سے باہر ہوتے اور امکان تھا کہ لوگ علی کو خدا سمجھنے لگتے (جیسا کہ نصیریوں نے حضرت رسولؐ کی طرف سے مزید تشریحات کے بغیر ہی علی کو خدا سمجھ لیا)

حضرت رسولؐ نے فرمایا علی میرا نظیر میرا نفس میرا گوشت میرا خون میری روح ہے۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ علی کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی سر کی جسم کے ساتھ۔ علی کی محبت ایمان ہے علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے، علیؑ کا ذکر عبادت ہے علیؑ کی محبت کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ علیؑ سے بغض کفر و نفاق ہے علیؑ جنت و دوزخ کا تقسیم کرنیوالا ہے۔ علیؑ ساقیٔ کوثر ہے۔ علیؑ کے پروانہ کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں آدم کی پیدائش سے ہزارہا سال قبل میرا نور انبیاء کی تعلیم اور علی کا نور ملائکہ کی تعلیم دیتا رہا۔ علی معراج میں میرے ساتھ تھے۔ علیؑ تمام انبیاء کی مدد کرتے رہے۔ معراج میں دنیٰ کی منزل میں جو ہاتھ پردہ سے برآمد ہو کر میری پشت پر رکھا گیا اسکی وہی کیفیت تھی جو کعبہ کے بت توڑتے وقت علیؑ کے میری پشت پر قدم کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام علیؑ کی آواز اور لہجہ میں کیا۔ علی کی مثال کعبہ کی ہے۔ علیؑ اللہ کا شیر ہے علیؑ قرآنِ ناطق ہے۔ علیؑ اللہ کا مظہر اسکا چہرہ، ہاتھ، آنکھ، کان، زبان، نفس، آیت سب ہی کچھ ہے۔

ناظرین اندازہ کریں گے کہ یہ سب صفات ماورائے فہم ہیں۔ اب ہم کچھ اہل طریقت بزرگوں کے اقوال کا حوالہ دینگے جنکو ہم نے ایک خاص ترتیب سے لکھنے کی کوشش کی ہے اور اشعار کے ساتھ شعرا

نام نوٹ کر دیا ہے۔ نیز چونکہ بیشتر کلام فارسی میں ہے۔ ہم نے اسکا اقتباسی ترجمہ بھی نوٹ کر دیا ہے۔

متن فارسی	ترجمہ
من ذاتِ علی بواجبی کے دانم اِلا دانم کہ مثلِ او ممکن نیست (مولانا روم)	میں علی کی ذات کو ٹھیک طور پر کہاں سمجھ سکتا ہوں، ہاں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کا مثل ہونا ممکن نہیں
لوح محفوظ است از قرآن وصفت آیتے نیست ممکن از بشر ادراکِ وصفت یا علیؑ (شاہ ابوالحسن پھلواری)	آپکی تعریف میں جو آیت قرآن میں نازل ہوئی ہے وہ لوح محفوظ کا حصہ ہے۔ بشر سے آپ کی شان کا سمجھنا محال ہے۔
علیؑ مرتضیٰ عالم پناہ ہے دو عالم مملکت تو پادشا ہے (مولانا معزالدین ملتانی)	یا علیؑ مرتضیٰ آپ عالم کا سہارا ہیں۔ دونوں عالم کی مملکت کے آپ شہنشاہ ہیں۔
روزِ محشر اگر ز من پرسند سترِ ایمانِ من ظہورِ علیست (مخدوم علی صابرؒ)	روزِ محشر اگر مجھ سے پوچھیں تو کہہ دوں گا۔ میرے ایمان کا راز علی مرتضیٰ کے جلوہ سے ہے
چہ گویم وصفِ آں شاہے کہ جبریل گہے بد مدح گہ بش گاہ چاکر (سعدیؒ شیرازی)	میں اس بادشاہ کا کیا وصف بیاں کروں کہ خود سردارِ ملائکہ کبھی اس کے مدح خواں ہوتے تھے. اور کبھی اُسکے نوکر بنتے تھے۔
تو سترِ انفسنا و ولیکم دریاب کہ بر تو کشف شود عزت وجلال علی (جنید بغدادی)	آیاتِ قرآنی انفسنا اور ولیکم کے راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرو تاکہ تم علی کے عزت و جلال کو سمجھ سکو۔
تاصورت پیوند جہاں بود علی بود تانقشِ زمین بود زماں بود علی بو (شمس تبریزؒ)	جب تخلیقِ عالم کا صرف ارادہ علم الٰہی پر تھا اور جب زبان و مکان کا صرف خاکہ پڑ رہا تھا علی موجود تھے۔
مسجودِ ملائک کہ شد آدم زِ علی شد آدم چو یکے قبلہ و مسجود علی بود (شمس تبریزؒ)	ملائکہ نے آدم کو جو سجدہ کیا تو علی ہی کے سبب سے تھا آدم تو ایک ظاہری قبلہ تھے اور دراصل سجدہ تو علیؑ کو کیا گیا تھا۔

ایں کفر نہ باشد بخدا کفر نہ اینست
تا ہست علی باشد و تا بود علی بود
شمس تبریز

ما علی را خدا نمے دانیم
از خدایم جدا نمے دانیم — سعدی

تو سلطان صاحب سریر آمدی
علی کل شیئ قدیر آمدی — جامی
بہر صورتِ دلپذیر آمدی
سمیعٌ علیمٌ بصیر آمدی
(")

علیؑ نام کردی بہ ملکِ عرب
بسوئے غریباں امیر آمدی (")

اگر خواہد زند یکدم ز دستِ قدرتش برہم
زمین و چرخ و ہفت اختر علی ابن ابی طالب
(نوا علی شاہ صوفی)

سِرِ حق در دلش ہویدا بود
بلکہ حق را درون او جا بود
(قطب الدین بختیار کاکیؒ)

علی اللّٰہیم رمز علی از من چہ می پرسی
علی در ہر مکانستے علی در لامکانستے
(مولانا غلام قادر گرامی)

علی اول علی آخر علی در لامکانستے
علی اندر عیانستے علی اندر نہانستے
(مولانا غلام قادر گرامی)

گرم کافر نخوانی یا واجب ممکن نما گویم
کہ ذاتش پردہ دار کارگاہ کن فکانستے
(مولانا غلام قادر گرامی)

یہ کوئی کلمہ کفر نہیں ہے بلکہ اظہار حقیقت ہے کہ ازل سے بھی علی تھے اور ابد تک بھی علیؑ رہینگے۔

ہم علی کو خدا تو نہیں سمجھتے مگر خدا سے جدا بھی نہیں سمجھتے۔

یا علی آپ تخت ارفع و اعلیٰ پر بیٹھنے والے شہنشاہ ہیں اور آپ تو ہر شے پر قادر ہیں۔
آپکے جلوے بہتر سے بہتر شکل میں نظر آئے۔ آپ ہر چیز کو سننے والے ہر چیز کا علم رکھنے والے اور ہر چیز کو دیکھنے والے ہیں۔

ملک عرب میں آپنے اپنا نام علی رکھ لیا ہے۔
اور غریبوں کیلئے امیر بن کر آ گئے ہیں۔

علی ابن ابی طالب اگر چاہے تو اپنے ید اللّٰہی ہاتھ سے زمین و آسمان و سبعہ سیارگان کو آناً فاناً میں درہم برہم کر دے۔

علیؑ کے دل میں اسرار حق اسطرح منکشف تھے گویا کہ حق آپ میں سما گیا تھا۔

میں تو علی اللّٰہی ہوں علی کا راز مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ادھر مکان میں علی ہے اور لامکان میں بھی علی ہے

علی اول ہے علی آخر ہے علیؑ ظاہر ہے علی باطن ہے۔ ظاہر میں بھی علی کے جلوے ہیں اور ہماری آنکھوں سے غائب بھی علی ہے۔

اگرچہ لوگ کافر نہ کہدیں تو میں علی کو "ممکن نما واجب" کہتا ہوں یعنی ایسا واجب جو ممکن نظر آتا ہے۔ کیونکہ اسکی ذات کارگاہ کن فکاں یعنی مشیت ایزدی کی پردہ دار ہے۔

مظہرِ ذاتِ خدا آمد امیر المومنینؑ
شافع روزِ جزا آمد امیر المومنینؑ (حکیم سنائی)

امیر المومنینؑ کی ذات خدا کا مظہر ہے۔ شافع روزِ جزا بھی امیر المومنینؑ ہیں۔

صاحبِ ذوالفقار حیدر ہست
نائب کردگار حیدر ہست
(شاہ غلام علی قادری موسوی)

اللہ نے جسے ذوالفقار دی وہ علی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نائب بھی علی ہیں۔

بلند ترکہ ز عرشِ عُلا مقامِ علی
مثالِ نص و حدیث است ہر کلامِ علی (")

علیؑ کا مقام عرش سے بھی بلند ہے اور علی کا ہر کلام آیت قرآن، حدیث رسولؐ کے مثل ہے۔

مَاتَ شَافِعِیْ وَلَیْسَ یَدْرِیْ
عَلِیٌّ رَبُّہٗ اَمْ رَبُّہُ اللّٰہ (امام شافعی)

شافعی مرگیا مگر سمجھ نہ سکا کہ اسکا رب علی ہے یا اللہ ہے۔

پس ہمے گوید نصیری کاں علی عین خداست
من ہمے گویم خدا در صورتِ انسان علی
(مولانا عبدالقادر صوفی)

نصیری یہ کہتا ہے کہ علیؑ عینِ خدا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انسان کی صورت میں علیؑ ہے۔

دُرِ دریائے تجدید ہے گُلِ بستانِ اُخریٰ ہے
بشکل و صورتِ انساں نمایاں ذاتِ رحمانے
(شاہ نیاز احمد بریلوی)

علی بستانِ قدرت کے پھول دریائے تجدید کے گوہر ہیں بلکہ یوں کہو کہ انسان کی شکل و صورت میں رحمان کی ذات نمایاں ہے۔

اُو را بشر مخوان کہ سِرِّ خداست اُو
او دیگر و جلالتِ او نیز دیگر است (شاہ نعمت اللہ ولیؒ)

علیؑ کو بشریت کہو وہ تو خدا کا ایک راز ہیں وہ کچھ اور ہی ہیں اور اسکی جلالت بھی کچھ اور ہے۔

خاکِ پائش افسرِ عرشِ بریں
سایہ اش انوار بخشِ شمسِ دیں (مولانا روم)

علی کے پاؤں کی خاک عرشِ بریں کا تاج ہے۔ اسکے سایہ کی بھی یہ کیفیت ہے کہ دین کا سورج اس سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

رزاقِ رزقِ بندگان مطلوبِ جملہ طالبان
مامورِ اَمرِ کُن فکاں اللہ مولانا علیؑ (شمس تبریزؒ)

بندوں کو رزق دینے والے ہر طالب کے مطلوب آپ ہی ہیں امر کن فکاں پر آپ ہی مامور ہیں۔

دارندۂ لوح و قلم پیدا کُن خلق از عدم
میرِ عرب فخرِ عجم اللہ مولانا علیؑ
(شمس تبریزؒ)

آپ صاحبِ لوح و قلم ہیں (بحکم خدا) خلق کو وجود میں لانے والے آپ ہی ہیں۔ آپ عرب کے امیر ہیں عجم آپ پر فخر کرتا ہے۔ اے ہمارے مولا علی آپکی ذات جامع جمیع صفاتِ خداوندی ہے۔

ز احوال شبِ معراج دانستم یداللّٰہی
چرا دستم نگیری یا علی بہرِ خدا دستے (مولانا رومؒ)

دستے کہ شو نمود ز سراپردۂ جلال
اے بے خبر بہ بیں ز کجا تا کجا علیست
(مولانا غلام قادر گرامی)

عالمِ وحدت است منزلِ او
او نمودن از صفاتِ ما فیہا (شمس تبریزؒ)

سرِ او دید سیّد الکونین
در شبِ قرب در مقام دنیٰ (شمس تبریزؒ)

از علی مے شنید نطقِ علی
بعلی جز علی نبود آنجا (شمس تبریزؒ)

لطفِ او بود ہمدم مریم
گشت عیسیٰ ازاں سبب پیدا (〃)

بود با جملہ انبیا در سر
بود با مصطفٰے بنی جہرا (شمس تبریزؒ)

گفت احمد خود از سرِ تحقیق
بوتراب است شاہِ ہر دو سرا (شمس تبریزؒ)

اعلیٰ است قصرِ شانِ تو روح القدس دربانِ تو
نارفتہ تا ایوانِ تو شہبازِ فکرِ انبیاء
(بو علی قلندرؒ)

نورِ تو شمعِ بزمِ حق زیبِ سپہرِ نہ طبق
گیرد ملک از تو سبق اے پیشوائے انبیاء
(بو علی قلندرؒ)

از صفاتش اولیا حیراں شدہ
ذاتِ پاکش فیض بخش انبیاء
(شمس تبریزؒ)

شبِ معراج کے حوال (یعنی ہاتھ برآمد ہونے) سے مجھے علی کا یداللہ ہونا معلوم ہوا۔ یا علی پھر میری دستگیری کیوں نہیں کرتے۔

پردۂ قدرت سے جو ہاتھ برآمد ہوا وہ علی ہی کا تو تھا
اے بے خبر ذرا دیکھ تو لیں کہ علی کہاں کہاں ہیں۔

عالمِ وحدت اس کی منزل ہے۔ صفاتِ ما فیہا سے بھی وہ باہر ہے۔

شبِ معراج دنیٰ کی منزل میں سیّد الکونین نے علی کا راز دیکھا۔

علی سے علی کا کلام سنا۔ علی کی قسم وہاں سوائے علی کے کوئی اور تھا ہی نہیں۔

اسی کی تو مہربانی مریم کی شاملِ حال تھی اور اسی سبب سے عیسیٰ پیدا ہوئے۔

علی تمام انبیاء کے ساتھ خفیہ تھے مگر خاتم الانبیاء کے ساتھ ظاہر بظاہر آ گئے۔ حضرت رسولؐ نے محقق ہو جانے کے بعد یہ بات کہی کہ

علی ہر دوسرا کا سردار ہے۔

آپکی شان کا قصر بہت اونچا ہے۔ روح القدس آپکے دربان ہیں آپکے ایوان تک انبیاء کی فکر کا شہباز (بلند پرواز پرندہ) ابھی نہ پہنچ سکا۔

آپ کا نور بزم الٰہی کی شمع ہے اور آسمان کے نو طبق کی زینت ہے آپ سے تو ملائک سبق لیتے ہیں اور آپ تو انبیاء کے بھی پیشوا ہیں۔

علیؑ کے صفات سے تمام اولیا حیران ہیں۔ اور انکی ذاتِ پاک سے انبیاء کو بھی فیض ملتا رہا ہے۔

در نزد کبریا بجز از ختم انبیاء
کس را مقام و منزلت بوتراب نیست (حالی کشفی ترمذیؒ)
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ
خود بر سرِ آں کوزہ خریدار بر آمد (مولانا رومؒ)

بشکست و رواں شد
فی الجملہ ہر آں بود کہ مے آمد و مے رفت (")
ہر قرن کہ دیدی
تا عاقبت آں شکل علی وار بر آمد (")
دارائے جہاں شد
شمشیرِ محمود در کفِ کرار بر آمد (")
قتالِ جہاں شد

حیدریم قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم (بو علی قلندرؒ)
تکمیل عبدیت ہے کامل اسی میں اپنی
بندہ وہی خدا کا بندہ ہے جو علی کا (کاملِ شطاریؒ)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو مقام و منزلت حضرت بوتراب کی ہے وہ بجز سردار انبیاء اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔
وہ خود ہی صراحی خود ہی صراحی بنانے والا اور صراحی کی مٹی بھی خود ہے اور پھر خود ہی اس صراحی کو خریدنے آ گیا اور توڑ کر روانہ بھی ہو گیا۔
یہ سب وہی تو تھا جو آتا تھا اور جاتا تھا اور ہزار ہا صدیوں سے یہی ہوتا رہا۔

یہاں تک کہ آخر میں علی کی شکل میں آ گیا اور پورے جہاں پر چھا گیا۔
پھر شمشیر بن گیا اور حیدرِ کرار کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور کفار و منافقین کا سب سے بڑا قاتل قرار پایا۔
میں حیدری ہوں (انکی محبت میں) ایک مست قلندر ہوں۔ میں تو علی مرتضیٰ کا بندہ ہوں۔
اے کامل اپنی عبدیت کی تکمیل تو علی کا بندہ بننے میں ہے اور بات تو یہ ہے کہ خدا کا بندہ وہی ہے جو علی کا بندہ ہے۔

اب ہم دوسرے عنوان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ نے علی سے بغض رکھنے کے خلاف امت کو بار بار متنبہ کیا اور علی سے محبت رکھنے کی شدت سے تاکید فرمائی رسولؐ کا کوئی عمل بلا وجہ نہیں ہوتا۔ حضرت رسولؐ عقلِ کل، نباضِ عالم شاہدِ کائنات ہیں اور آنجناب قیامت تک کے ہونے والے واقعات سے بعلم لدنی واقف تھے۔ علی کے فضائل اور ان کی شخصیت اور کارنامے آپ کے پیشِ نظر تھے اور بغض و حسد جو فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور نفس امارہ کا قبیح پہلو ہے ان سب باتوں سے آپ باخبر تھے۔ فطری بات تھی کہ لوگ فضائل علی کے مقابلہ میں اپنے نقائص دیکھ کر علی سے حسد کرتے تھے۔ پھر دشمنی اور انتقام بھی فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ ہے۔ شیر خدا نے اپنے زورِ ید اللہی سے جن ہزار ہا کافر و مشرک و منافقین کا خاتمہ رضی اللہ تعالیٰ قمع کیا تھا ان بدنصیب دوزخیوں کی اولاد بھی تو دنیا میں موجود تھی اور ہے۔ ان سب کے دل میں انتقام کی آگ جل رہی تھی جسکی چنگاری آج بھی موجود ہے۔ جن لوگوں کو ایمان نصیب تھا وہ ارشادِ رسولؐ

مُحبِّ علیؑ ایمان کے بموجب مولائے کائنات کے قدموں سے لپٹے رہے۔ اور ایمان کی دولت سے بے بہرہ لوگ یہ تو بھول گئے کہ علیؑ نے اللہ کیلئے تلوار چلائی ہے مگر ان کے کافر و منافق آباؤاجداد کے زخم ان کے دلوں میں باقی رہ گئے۔ بقول حضرت کامل شطاریؒ: مولا تو پوری امتِ مرحومہ کے مسلمہ مولا ہی ٹھیرے۔ وہ بدنصیب جو تاریخ کے کسی بھی دور میں آپ سے بے ربط رہے بدنصیب ہی ٹھیرے۔

ناظر و شاہد کائنات کی حیثیت سے یہ ساری چیزیں حضرت رسولؐ کے سامنے تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو امت کو بار بار یاد دلانا پڑا کہ علی کی محبت کے بغیر اور علی کے دشمنوں سے بیزاری کے بغیر کسی کو جنت ملنے والی نہیں اور فہمائش کرنی پڑی کہ علی سے کدورت رکھنے کا خیال بھی نہ کرو اور انکی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیدو۔ اور یوں بھی یہ وہ ہستی تھی کہ جس کا نور جسکی لاتحصا صفات، جسکی شجاعت و مردانگی، ظاہری اور باطنی خوبصورتی ایسی تھی کہ سوا سیاہ دلوں اور بصیرت کے اندھوں کے اس ذات سے محبت اختیار کئے بغیر کسی کو چارہ ہی نہ تھا۔

واضح ارشادِ رسول ہے کہ علی سے بغض رکھنے والا منافق ہے۔ مومن و منافق کی شناخت کا معیار علی کی دوستی یا دشمنی ہے۔ علی سے بغض رکھنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس سے بغض رکھنے والے کی عبادت حبط ہے۔ اس سے بغض رکھنے والے پر رسولؐ کی شفاعت حرام ہے۔ یہاں تک بھی فرمایا کہ علی سے بغض رکھنے والا ناپاک ولادت والا ہی ہوگا۔ یعنی فوری نظر نہ بھی آئے تو اس کے آباء و اجداد میں کہیں نہ کہیں ناپاک ولادت کی گندگی کا شائبہ مل ہی جائیگا۔ کیونکہ یہ ارشادِ رسولؐ کوئی ہوائی بات نہیں۔

حضرتِ رسولؐ کے اس ارشاد سے ایک استدلالی پہلو اور بھی نکلتا ہے وہ یہ کہ جیسا کہ باب دوازدہم میں بیان ہوچکا ہے یہ معلوم ہونے پر کہ مدینہ والوں نے یزید کی خلافت سے انکار کیا ہے ۶۳ھ میں ا سنے مدینہ کو تباہ کرنے ایک لشکر بھیجا جس نے کعبہ کو آگ لگا دی مسجد نبوی میں گھوڑے چھوڑے اور اصطبل کے طور پر انہیں گھوڑے باندھ دیئے یزید کے لشکریوں نے ہزاروں عورتوں کی عصمت ریزی کی اور ایک ہزار لڑکیوں کا ازالہ بکارت کیا اور دس ہزار زنا زائیدہ بچے وجود میں آئے۔ ظاہر ہے کہ ان زنا زائیدوں کی نسل آج بھی موجود ہے جنکی تعداد ہزاروں لاکھوں میں ہوگی۔ علی سے بغض رکھنے والوں میں حسبِ ارشادِ رسول یہ ناپاک ولادت والے بھی اپنا وجود رکھتے ہیں۔ اسطرح علاوہ دیگر وجوہات کے یہ بھی ایک وجہ بغضِ علی کی ہے۔

تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بغض کی بھی دو قسمیں ہیں یعنی بُغضِ جلی اور بُغضِ خَفی۔ بُغضِ جلی یعنی کھلا ہوا بُغض وہ ہے کہ کوئی ظاہر بظاہر اپنے کو علی کا دشمن بیان کرے اور علانیہ علی کی مخالفت کرے اور ان کے صفات سے انکار کرے۔ ایسے تو صرف ناصبی اور خارجی ہوں گے۔ اب رہا بُغضِ خَفی یعنی چھپا ہوا بُغض تو یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ عقلِ سلیم بتاتی ہے کہ اگر کسی اعلیٰ صفات والے کی صفات کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی

کوئی اسکا اعتراف نہ کرے تو اسکی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دل میں کچھ کھوٹ ہے اور کدورت کا زنگ اسطرح لگا ہوا ہے کہ ان صفات کے اعتراف سے روکے رہتا ہے۔ ظلم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی شئے کو اسکے محل سے ہٹانا یا ہٹا ہوا تصور کرنا۔ علی کی منزلت کو دیکھتے سمجھتے ہوئے بھی اغماز کرنا اور اس ذات قدسی صفات کو ایسے لوگوں سے بھی کمتر سمجھنا جو اس کے سامنے لاشے کی حیثیت رکھتے ہیں علانیہ ظلم ہے اور یہی ان کے دل کے بغض خفی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ پوری دنیا کے غیر مسلم بھی جنکو علی کے متعلق پڑھنے یا معلومات حاصل کرنیکا موقعہ ملا انکو ماورائے فہم ہستی قرار دیں اور مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ موجود ہوں جو ان کے صفات کا اعتراف نہ کریں اور بقول پروفیسر عبدالعلی کے علی کو محض LIP SERVICE کی حد تک رکھیں۔ بلکہ اس سے بھی گھٹ کر جیسا کہ مولانا شاہد زعیم فاطمی (جنکا تعلق سنی خاندان سے ہے) تحریر فرماتے ہیں: "اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے علی ابن ابی طالب کے خلاف شکوہ بر لب ہیں اور انہیں کوس رہے ہیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب کا جو تھوڑا بہت احترام لوگوں کے دلوں میں تھا وہ بھی ختم ہونے لگا اور گز گز بھر لمبی زبانیں ان کے خلاف زہر اگلنے لگیں"۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام اور آل رسول کی طرف سے جو بغض بھرا ہوا ہے وہ وہم و گمان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ آل رسول سے بغض و عداوت کے اظہار کا ایک حالیہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے جو مجھ سے "حسامی بک ڈپو" کے مالک جناب نصیر احمد صاحب نے بتاریخ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۴ء بیان کیا۔ موصوف کا تعلق بواہیر سے ہے جو فرقہ شیعہ کی ایک شاخ ہے۔ احمد آباد میں "حسام الدارین" کے نام سے انکا خاندانی ایک ٹرسٹ قائم ہے جس کی مناسبت سے "حسامی بک ڈپو" نام رکھا گیا ہے اور کمرشیل بک ڈپو چار مینار بھی اسی سے متعلق ہے۔ اِس بک ڈپو سے "بی بی سگنٹ کی بڑی کہانی" کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی جو اس ڈپو میں بارہ آنہ قیمت پر مل رہی ہے یہ دراصل سیدہ عالم جناب فاطمہ زہرا علیہا سلام کی کہانی ہے جو عام طور پر اور خصوصاً شیعوں میں "جناب سیدہ کی کہانی" سے مشہور ہے۔ کتاب مذکور میں یہ صراحت ہے کہ "بی بی سگنٹ" کے معنی سب کی بی بی کے ہیں اور یہ نام دیہاتی زبان میں جناب فاطمہ زہرا کا ہے۔ اس کتابچہ میں جناب سیدہ کی کہانی بہ فرق الفاظ بیان ہوئی ہے اور آپ کے معجزات بھی درج ہیں۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو حیدرآباد کے ایک معروف سنی عالم نے حسامی بک ڈپو کے مالک سے سخت لہجہ میں کہا کہ آپکی ڈپو سے یہ قابل اعتراض کتاب کیسے شائع ہوئی۔ جب نصیر احمد صاحب نے "حسام الدارین" ٹرسٹ کا حوالہ دیا تو مولوی صاحب مذکور خاموش چلے گئے مگر اپنے جلسوں میں اعلان کیا کہ جس نے یہ قابل اعتراض کتاب شائع کی ہے وہ کوئی سنی ادارہ نہیں ہے لوگ ہوشیار رہیں۔

قابل غور ہے کہ تعلیم کی کچھ نہ کچھ ترقی اور روشن خیالی کے دور میں آج بھی ایسے مولوی موجود ہیں جو خاتون محشر جناب سیدۃ النساء العٰلمین کے معجزات کے اظہار اور انکی نسبت کوئی اچھا واقعہ بیان

کرنا کبھی گناہ سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب مذکور یقیناً اپنا حشر خاتون محشر کے دشمنوں کے ساتھ چاہتے ہونگے اور کیا تعجب وہی مقام انکے حسب حال ہے۔

بہت سے بلکہ تمام مسلمان بھائی اہل طریقت بزرگوں کے معتقد ہیں اور ان کے خیالات سے واقف ہوئے بغیر ان کی اندھی عقیدت بلکہ عقیدت بھی نہیں صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں۔ ذرا وہ دیکھیں بھی تو سہی کہ وہ قابل احترام بزرگ علی کا کیا مقام سمجھتے ہیں اور علی سے بغض رکھنے کے خلاف انھوں نے کیا کیا تنبیہ دی ہے۔ ہم چند اہل طریقت بزرگوں کے مستند اقوال واشعار ذیل میں نقل کرینگے۔ بعض حق گو سنی علما بھی وقتاً فوقتاً لوگوں کو بغض علی کے خلاف خبردار کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جامعہ اظہر کے صدر ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں (جس کا حوالہ پہلے آچکا ہے) "کچھ لوگ علی کی دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات ان کی گمراہی کا باعث بنی۔ ان لوگوں نے حق سے آنکھیں بند کرکے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرادیا۔ یہ سب کھینچ تان، پیچ اور بکواس ہے اور اسکا سبب حد سے بڑھا ہوا بغض اور گرہ پڑی ہوئی دشمنی ہے ورنہ حضرت علی اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سادھی بات ہے تکلف اور تصنع سے خالی"۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں (جسکا حوالہ آچکا ہے) "حضرت رسولؐ نے قرآن اور اپنے اہلبیت سے تمسک کا حکم دیا اور جو ان دونوں کی پیروی نہ کرے گمراہ اور دین سے خارج ہے"۔

ایک اور اہل طریقت بزرگ خواجہ معین الحق اپنی کتاب گنج الاسرار میں فرماتے ہیں "خاتم الانبیاء علیہ السلام کے بعد سر حلقۂ اولیا وہی بزرگوار سر دفتر اصفیا علی مرتضیٰ ہے اگر سالک طریق طریقت مرتضیٰ علیؑ کی متابعت اور پیروی میں دل وجان سے ربطِ حقیقی اور واقعی تعلق نہ رکھتا ہو تو اگرچہ علم میں علامۂ روزگار ہوجائے اور ہزار سال ریاضت ومجاہدہ پر صرف کرے ہرگز ہرگز اسکو مشاہدہ شواہد غیبی اور معرفتِ الٰہی نصیب نہیں ہوسکتی"۔

اسکا اندازہ لگانے کے لئے کہ بغض علی کیا ہے اور کیوں ہے ایک صحیح قدم یہ ہوگا کہ اولاً اسکا تعین کرلیا جائے کہ علی کے متعلق فرمانِ خداوندی، ارشادِ رسول اور فرمائش بزرگانِ اہل طریقت کیا ہے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ اسکے تضاد میں کونسی چیزیں پیدا ہوگئیں جنھوں نے ذہنوں کو مسموم کردیا اور پھر اسکے تقابل سے نتیجہ نکالا جائے۔ عنوان ماقبل کے تحت ہم نے ان فرمودات کو اختصاراً یکجا پیش کیا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا کے علی کے حقیقی مقام سے کوئی اور واقف نہیں۔ علی تمام انبیائے ماسلف کے جامع صفات اور انبیاء کے ناصر ومددگار ہیں اور معراج میں رسول اللہ کے ساتھ ساتھ تھے اور پردۂ قدرت سے آپکا ہی ہاتھ نمودار ہوا اور آپ ہی کی آواز آئی۔ آپکا مقام عرش سے بھی بلند ہے جہاں انبیاء کی نگہ تک رسائی نہ ہوسکی۔ آپ رسول اللہ کے نظیر رکھتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ دوسری طرف کیا ہوا اور ارشاداتِ خدا و رسول سے انحراف کرکے علیؑ کی مخالفت کرنیوالوں نے اِدھر اُدھر کی خاک چھان کر اپنی کیا مٹی پلید کرلی۔ گلبرگہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ فرماتے ہیں کہ "اگر علیؑ کے جمال کا ایک شمہ بیان کروں تو آفتاب کی روشنی سب محو ہوجائے اور تمام انبیاء کا خاندان اسی بزرگوار سے خیال کرے۔ علی مرتضیٰ اور پورے بارہ ائمہ اطہار رسول اللہ کے مثنٰے اور جانشین برحق ہیں مگر رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی کہ ابھی کفن و دفن بھی نہ ہوا تھا کہ امت نے اہلبیت رسولؐ کے ساتھ جو کیا وہ ناگفتہ ہے"۔

مولانا محوی شاہ (سلسلہ کمالیہ) فرماتے ہیں کہ "علم نبوت کی بنا پر جو حضرت رسولؐ نے علی مرتضیٰ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد امت تم سے بیوفائی کرے گی اور تمکو ایذا پہنچائیگی یہ پیشنگوئی پوری ہوئی۔ حضرت رسولؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد لوگ غیر تحق کو تحق پر اختیار کرینگے۔ آپنے بعالم رویا یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ کے منبر پر بندر اچھل کود کررہے ہیں۔ یہ بھی آگاہی دیدی تھی کہ میرے بعد عنقریب امت میں فتنہ پیدا ہوگا اور جب ایسا ہو تو تم ملازمت علی کی اختیار کرنا۔ ان تمام تنبیہوں کے باوجود وفاتِ رسولؐ کے ساتھ ہی جسد اطہر کو چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ (جو بدوں کے خفیہ مشورہ کے مقام) پر جو کچھ ہوا اور جس طرح علی کو دور رکھکر حضرت ابوبکر کو رسولؐ کی جگہ بٹھادیا گیا وہ سب کو معلوم ہے۔ چیف جسٹس ہدایت اللہ (موجودہ نائب صدر مملکتِ ہندوستان) نے اسلامی قانون پر اپنی کتاب کے مقدمہ میں (جسکا ذکر پہلے آچکا ہے) تحریر فرمایا کہ "وفات کے بعد جبکہ علی کفن و دفنِ رسولؐ میں مصروف تھے ابوبکر کو خلیفہ بنادیا گیا۔ اور مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے۔ جس نے علی کا ساتھ دیا وہ شیعہ کہلائے اور جنھوں نے دوسروں کا ساتھ دیا وہ سنّی کہلائے اور واقعہ کربلا کے بعد شیعوں اور سنیوں کے درمیان یہ خلیج اور وسیع ہوگئی"۔

اب انسان کے تقاضائے فطرت پر غور فرمائیے۔ علیؑ کے ماننے والے یعنی شیعوں کے اختیار کردہ موقف کی تائید میں تو تمام ارشاداتِ خدا اور رسولؐ موجود تھے مگر جن لوگوں نے ایسے شخص کو اپنا پیشوا تسلیم کیا جو ان صفاتِ عالیہ سے عاری تھے ان کو اپنی تائید میں کچھ نہ کچھ چیزیں پیدا کرنے یا بنانے کی فکر لاحق ہوئی اور فطرتاً انکو یہ خیال ہونا ناگزیر تھا کہ جنکو ہم نے اپنا رہنما تسلیم کیا ہے انکی تائید میں کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنا چاہیئے ورنہ وہ پوری عمارت ہی ڈھا دینی پڑے گی اور وہ زمین ہی پاؤں تلے سے نکل جائے گی جس پر وہ کھڑے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایسی آوازیں بھی بلند ہونا شروع ہوئیں جس نے اس خیال خام کو پختگی کا رنگ دینا شروع کیا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ اہم ابوحنیفہ کا قول ہے جس سے ہم بعد میں بحث کرینگے۔ سب سے پہلے تو اسکی ابتداء حضرت عمر نے حضرت رسولؐ کے رُو در رُو ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللہ (یعنی یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے) کہکر لوگوں کے سامنے رسولؐ کی شخصیت کو دھکہ پہنچانیکی کوشش کی اور بعد میں حدیث بیان کرنے پر امتناع عاید کرکے

ذہنوں میں یہ بات بٹھائی کہ رسولؐ کے قول کی کچھ اہمیت نہیں ہے اور پھر حدیثوں کے اعتبار کو بھی متزلزل
کر دیا کہ رسول ہذیانی باتیں بھی کر سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کارسازی کا مقصد اہل بیت اطہار کے
فضائل کی احادیث کو شائع ہونے سے روکنا تھا۔ زمانہ وہ بھی آیا کہ ایک فاروقی صاحب شیخ احمد سرہندی نے جنکو
امام ربانی مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا ہے یہ کہکر حضرت عمر کی بات کو اور آگے بڑھایا کہ رسولؐ پر ہذیان حرف
ممکن ہی نہیں بلکہ واقع تھا اور رسول کی شخصیت کو اور مجروح کرنے کی کوشش یہ کہکر کی کہ مجھے مصطفےٰ کی کیا
پرواہ ہے میں تو اللہ سے پنجہ کشی کرتا ہوں۔ دیگر متعدد علمار اہلسنت نے بھی علیؑ کے خلاف خیالات مجتمع کرنے زمین
ہموار کرنا شروع کیا۔ مثلاً مولوی قطب الدین مترجم مشکواۃ حدیث مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ
کے متعلق لکھتے ہیں کہ "بیشک یہ حدیث صحیح ہے اور اسکو ایک جماعت نے مثل صحاح ترمذی ونسائی واحمد
ابن حنبل نے سولہ صحابیوں کی سند سے روایت کیا ہے مگر اس حدیث پر استدلال نہ کرنا چاہئیے"۔ اسیطرح فضل
ابن روزبہان ابطال الباطل میں لکھتے ہیں کہ "حدیث من کنت مولا صحیح ہے اور ہم نے کشف الغمہ فی
معرفتہ الائمہ میں بھی اسکا ذکر کیا ہے مگر اس حدیث سے علیؑ کی خلافت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور بزرگ جنکا حوالہ آں کتاب
میں آچکا ہے کہتے ہیں کہ حدیث من کنت مولا صحیح ہے مگر اس سے انکار کر دینا چاہئیے ورنہ شیعوں کو فخر کرنے کا موقع ملیگا۔ حق سے انکار
کرنیکے یہ مشورے بھی لائق داد ہیں۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مشکواۃ کے ایک اور مترجم ہیں۔ حضرت رسولؐ کے
ارشاد "علی سید العرب" یعنی علی عرب کا سردار ہے کے متعلق لکھتے ہیں کہ "علی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے
ہاشمی تھے۔ دامادیٔ رسولؐ و زوجیت بتولؑ نے آپکو اور ممتاز کر دیا تھا۔ اسپر آپکے کارناموں نے سونے پر سہاگہ
کا کام کر دیا تھا اور بیشک آپ سید العرب کہلانے کے مستحق تھے"۔ یہ سب کچھ لکھکر عاشق الٰہی صاحب
لکھتے ہیں "مگر اسکو خلافت سے واسطہ نہ تھا"۔ اسی طرح حدیث انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا کے متعلق حضرت
مذکور کو لکھتے ہیں کہ "اگر شہر میں ایک ہی دروازہ تصور کیا جائے تو لازم آئے گا کہ جو کچھ علم اس شہر میں ہو وہ
اسی دروازہ سے داخل ہوا اس لئے اصل مطلب یہ ہے کہ شہر کے چار دروازے ہیں جس میں سے تین حضرت ابوبکر
وعمر وعثمان ہیں اور منجملہ ان کے ایک علی بھی ہیں"۔ حدیث رسولؐ میں دیدہ دلیری کے ساتھ یہ تحریف بھی
قابل غور ہے۔ بہرحال دیکھا جائیگا کہ ان سب تک بندیوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ علی کی اہمیت کو گھٹایا
جائے اور خواہ مخواہ غیر متعلق لوگوں سے فضائل متعلق کیئے جائیں۔ ایسی بکثرت مثالیں ہیں مگر ہمکو اختصار
منظور ہے۔

اب ہم امام ابو حنیفہ کے اس قول کا ذکر کرتے ہیں جس نے علی کے خلاف ذہنوں کو مسموم کرنے میں آجکل کے
جراثیم بم کا کام کیا ہے۔ اوپر ہم نے اس ماحصل کو پیش کیا ہے کہ علی کا مقام عرش سے بھی اعلیٰ ہے جہاں انبیائے
سلف کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے برخلاف ابو حنیفہ نے ایک نئی طرح کی بنیاد یہ کہکر ڈال دی کہ

افضلیت باعتبار ترتیب خلافت ہے اور افضل البشر بعد پیغمبر ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی ہیں۔ یعنی رسول اللہ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان اور علی کہیں جاکر چوتھے نمبر پر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ہم مشہور اہل طریقت بزرگ سفیان ثوریؒ کے اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے انتقال کی خبر پر انھوں نے الحمد للہ کہا اور کہا کہ "ابوحنیفہ سے بڑھکر کوئی منحوس اسلام میں پیدا نہیں ہوا کہ یہ شخص اسلام حبل المتین کو توڑتا تھا" امام غزالی منحول علم الاصول میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہ نے شریعت کو الٹ دیا"۔ امام شافعی اپنی کتاب نکث اشد لعبث میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہ سے بڑھکر منحوس کوئی شخص اسلام میں پیدا نہیں ہوا"۔ مشہور مفسر قرآن جار اللہ زمخشری تفسیر کشاف اور ربیع الابرار میں لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے رسولِ خدا پر چار سو یا اس سے زیادہ حدیثیں رد کیں اور کہتے تھے کہ رسول اللہ مجھکو پاتے تو میرے بہت سے اقوال اختیار کرتے (یعنی حضرت رسول ابوحنیفہ کی پیروی کرتے) حضرت رسولؐ کے خلاف ابوحنیفہ کے اس قسم کے اظہارِ خیال کا کیا مطلب ہے اور اسکا کیا نتیجہ نکلتا ہے غور و فکر کا محتاج ہے۔

بہر حال جو لوگ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں انپر انکا یہ قول مسلط ہو ہی گیا کہ رسولؐ کے بعد خلفاء ثلاثہ افضل ہیں اور علیؑ ان سب سے کمتر ہیں۔ یوں تو بعض حنفی لوگوں نے اپنی ذاتی جدوجہد سے ابوحنیفہ کے لادے ہوئے اس جوے کو اتار پھینکا اور انکا گروہ تفضیلیہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یعنی وہ لوگ جو شیعہ تو نہیں مگر رسول اللہ کے بعد علی کو تمام لوگوں سے افضل مانتے ہیں۔ تفضیلہ تو اہلسنت کے عام دھارے سے ہٹے ہوئے ہیں مگر باقی تمام تو اسی ذہنیت کو لیکر چل رہے ہیں کہ علی کا درجہ گھٹا ہوا ہے۔

نفسیاتی اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو یہ چیز سامنے آتی ہے کہ ان لوگوں کیلئے اس جبری تصور کو اپنا لینا جب تک وہ ابوحنیفہ کی پیروی میں ہیں ضروری ہو گیا کہ علی کو خلفائے ثلاثہ سے گھٹے ہوئے سمجھنا چاہیے خواہ وہ علی کی فضیلت میں لاکھ زبانِ خدا و رسول و مشورۂ بزرگانِ اہل طریقت دیکھتے جائیں مگر انکے ذہن میں وہی تصور کارفرما ہے کہ علی کو گھٹا ہوا ہی سمجھو۔ یہی وہ بغض خفی ہے جو علی کے خلاف اُن کے دماغوں میں جاگزیں ہے۔

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ علی کی محبت اختیار کرنے اور علیؑ کے بغض سے بچنے کی حضرتِ رسولؐ نے کس کس طرح اور کیا کیا کہکر تاکید فرمائی ہے۔ اب ہم کچھ بزرگانِ اہل طریقت و حق گو علماء اہلسنت کے اقوال جو اشعار کی شکل میں ہیں معہ ترجمہ درج کرتے ہیں۔

متن فارسی	ترجمہ
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علی ہر سہ شدند از دین بری الشد مولانا علی (مولانا روم)	قاضی، شیخ اور محتسب دل میں علی سے بغض رکھتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ تینوں دین سے خارج ہوگئے۔ سبحان اللہ ہمارے علی کی کیا شان ہے۔

گر نشنود منافق مدح علی عجب نیست
استاد ناموافق داد ست گوش مالش
(مولانا روم)

اگر منافق علی کی تعریف سننے تیار نہیں ہے تو تعجب کیا ہے کسی ناہنجار استاد نے اسکو یہ سبق پڑھا دیا ہے۔

ہر کہ رو گرد اند از دے کافر است
خویشتن را تا جہنم رہبر است (مولانا روم)

جو علی سے روگردانی کرے وہ کافر ہے۔ اور اپنے آپ کو جہنم تک پہنچانیکا راستہ اختیار کرلیا ہے۔

بغض تو طغیاں بود پیروِ شیطاں بود
لعنتِ یزداں بود شاہِ سلام علیک
(شمس تبریز)

آپ سے بغض کھلی گمراہی ہے۔ شیطان کی پیروی ہے۔ اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اے بادشاہ دیں آپ پر ہمارا سلام۔

سرورِ عزّتِ دارین از بہر محبّ او
عدوے فاتح خیبر بود در دو جہاں رسوا
(شاہ علی حسن جائسی)

علی کے محب کیلئے عزّتِ دارین ہے۔ جو فاتح خیبر کا دشمن ہے وہ دونوں جہاں میں رسوا ہے۔

کسے کہ محبّ احمد دم زند بے الفتِ حیدر
خلل اندر دماغ او بود از کثرتِ سودا
(شاہ علی حسن جائسی)

جو شخص کہ علی سے محبت نہ رکھے اور رسولؐ سے محبّت رکھنے کا دعویٰ کرے تو اسکی کیفیت یہ ہے کہ کثرت سودا سے اسکے دماغ میں خلل آگیا ہے۔

جاہلاں دارند بغضِ بوتراب
ہست برایشاں بحکم رب عذاب (فریدالدین عطار)

جاہل ہی حضرت بوتراب سے بغض رکھتے ہیں۔ ان پر اللہ کے حکم سے عذاب نازل ہے۔

بغضِ حیدر دشمنیٔ مصطفےٰ است
بلکہ آزارِ جمیع انبیا است (")

حیدر سے بغض رکھنا رسولؐ اللہ سے دشمنی رکھنا ہے۔ بلکہ تمام انبیاء کو تکلیف پہنچانا ہے۔

ہر کرا بغضِ علی اندر دل است
دوزخے با آتش اول منزل است (")

جس شخص کے دل میں علی سے بغض ہے تو اسکی پہلی ہی منزل نارِ جہنّم ہے۔

بغضِ حیدر ہر کہ در دل کرد جا
بے شکے دانم و را مادر خطا (")

جس کسی کے دل میں علی کا بغض آگیا تو یقیناً اسکی ولادت حرام کے ذریعہ ہے۔

جہل بغضِ مرتضیٰ و آل اوست
قتل ایں کس پیش ما اینجا نکوست (")

علی مرتضیٰ اور ان کی آل سے بغض رکھنا جہل ہے اور ہمارے نزدیک ایسے شخص کا قتل بہتر ہے۔

ترک کن بغضِ علیٔ مرتضیٰ
گر ہمے خواہی تو وصلت با خدا (")

اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تک پہنچے تو علی مرتضیٰ کے بغض کو چھوڑ دے۔

ترک کن اینجا تو بغضِ بوتراب
بدتر ازایں نیست پیشِ حق عذاب (فریدالدین عطار)

جمع گشتہ خلق بہرِ قتلِ ما
از برائے حُبِّ آلِ مرتضیٰ (")

عاقبت ما را ازیں دستِ سگاں
حق خلاصی داد بے وہم و گماں (")

ما حسینی مذہبیم و حیدری
بر دلِ دشمن چو نیشِ خنجری (")

شافعی گفتش کہ حُبش رفضِ ماست
ایں چنیں رفضے بدیں کاینجا رواست (")

من سخن بہرِ محبّاں گفتہ ام
نے برائے بید ناداں گفتہ ام (")

پیروِ اثنا عشر باش اے جواں
تا شوی آزاد از دوزخ رواں (")

دشمنِ او فسردہ است چو یخ
بے شکے ہست جائے او دوزخ (قطب الدین بختیار کاکیؒ)

ہستم از دشمنِ علی بیزار
حق گواہ است اندریں گفتار (")

گواہ باش خدایا کہ بندۂ تو جنید
ہمیشہ ہست محبِّ علی و آلِ علی (جنید بغدادیؒ)

باقر از سیرِ جہاں فرسودہ شد پایم عبث
بعد ازیں دستِ من است و دامنِ کوئے علی
(رشید شاہ باقر حسینی نادری)

دل از لوثِ کدورت باصفا کن
ثنائے آلِ پاکِ مصطفےٰ کن
(میر امداد علی شاہ صوفی)

بہتر ہے کہ تو بغض بوتراب جلد از جلد چھوڑ دے
کیونکہ اللہ کے پاس دشمن علی بدترین عذاب کا مستوجب ہے
ہمارے تو قتل کیلئے ہی خلق جمع ہوگئی اور ہمارا قصور
کیا کہ میں آل مرتضیٰ سے محبت رکھتا ہوں۔
آخر کار خداوند تعالیٰ نے ہمیں ان کتوں سے رہائی دلائی
جسکا ہمیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔
ہم حیدری ہیں اور ہمارا مذہب حسینی ہے۔ دشمن کے
دل میں ہم نوکِ خنجر بنے ہوئے ہیں۔
شافعی نے دشمنانِ علی سے کہا کہ علی کی محبت
ہمارا رفض ہے اور اسطرح کا رفض دین میں روا ہے
میں نے یہ باتیں صرف دوستوں کیلئے کہی ہیں۔
نامرد بیوقوفوں کیلئے نہیں۔
اے جوان تو بارہ اماموں کی پیروی اختیار کر تاکہ
تیری جان دوزخ سے خلاصی پا سکے۔
علیؑ کا دشمن برف کے مانند سکڑ گیا ہے۔ اسمیں شک
ہی نہیں کہ اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔
میں علی کے دشمن سے بیزار ہوں اور اس بات پر
خدا گواہ ہے۔
اے اللہ تو گواہ رہنا کہ تیرا بندہ جنید ہمیشہ
علی و اولادِ علی کا دوست رہا ہے۔
باقر میں ناحق جہان بھر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا اپنے پاؤں
گھستا رہا۔ اب اسکے بعد کہیں یہ بات نصیب ہوئی کہ
میرا ہاتھ اور علی کا دامن۔
کدورت کی گندگی سے اپنے دل کو صاف کر رسول اللہ
کی آلِ پاک کی ثنا کیا کر۔

ہر آنکہ دوستی علی نیست کافر است
گو زاہدِ زمانہ و گو شیخِ راہ باش
(حافظ شیرازی)

بہ دشمناں منشیں حافظا تولا کن
نجاتِ خویش طلب کن بجان ہشت و چہار
(نورالدین جامیؒ)

پنجہ در کن اسد اللٰہیے را
بیخ ہر کن دو سہ روباہے را (نورالدین جامی)

گرامی تیغ اشب مدعی را سر قلم کردہ
زبانِ خامہ اش بہ بجہ تیغ اصفہانستے
(مولانا غلام قادر گرامی)

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است
علی و آلِ او ما را تمام است
(فریدالدین عطار)

علیؑ شد مرشد و ہادیٔ عالم
علیؑ باشد امام نسلِ آدم (سید شاہ باقر علی حسینی قادری)

ہر کہ از اہلِ خداست تابعِ آلِ عباست
منکرِ آلِ رسول دشمنِ دینِ خداست
(شاہ نعمت اللہ ولی)

بہ بدخواہِ اولادِ حیدر خدا گفت
کہ یدعو ثبورا و یصلی سعیرا (جامی)

کیشِ من رفض دینِ من رفض است
اسم معروف اہلِ عرفان است (〃)

رفض گر ہست حبِ آلِ نبی
رفض فرض است بہ فقیر و غنی (〃)

جسکو علی کی دوستی نہیں ہے وہ کافر ہے۔ خواہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا زاہد اور شیخ طریقت ہی کیوں نہ ہو۔

حافظ تو دشمنانِ علیؑ کی صحبت میں مت بیٹھ اور علیؑ کی محبت میں گزار اور بارہ اماموں کے طفیل میں اپنی نجات طلب کر۔

شیرِ خدا سے تمسک رکھے جا اور دو تین روباہ صفتوں کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دے۔

گرامی تم کو مبارک ہو کہ آج تم نے زبانِ قلم سے تیغ اصفہانی کا کام لیکر مخالفینِ (علیؑ) کا سر قلم کر دیا۔

مشرق سے مغرب تک اگر امام ہے تو بس علی اور اولادِ علیؑ ہمارے لئے کافی ہے۔

علی تمام عالم کے مرشد اور ہادی ہیں۔ علی پوری نسلِ آدم کے امام ہیں۔
جو کوئی خدا والا ہے وہ آلِ عبا کا پیرو ہے۔
آلِ رسولؑ کا منکر خدا کے دین کا دشمن ہے۔

اولادِ علی کے دشمن کیلئے اللہ کا یہ حکم جو کہ اس کے لئے سخت دار و گیر ہے اور وہ داخلِ جہنم کیا جائے گا۔

میرا مسلک رفض اور میرا دین رفض ہے اور میرا نام اہلِ عرفان کا جانا پہچانا ہے۔
اگر آلِ رسولؑ سے محبت ہی کا نام رفض ہے۔ تو ہر فقیر و غنی پر رفض واجب ہے۔

اِنْ کَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ محمّد
فَاِنَّنِیْ اَرْفَضُ الْعِبَادِ (شافعی)

اگر آلِ محمدؐ کی محبت رفض ہے تو دُنیا کا سب سے
بڑا رافضی میں ہوں۔

گماں نبود کہ بعد از وفاتِ پیغمبر
زمانہ منحرف از بوتراب خواہد شد
(مفتی نور الضیاء الدین)

کون گمان کر سکتا تھا کہ پیغمبر خدا کی وفات کے
ساتھ ہی زمانہ علی مرتضیٰ سے منحرف ہو جائیگا۔

جز این نبود دگر باعثِ عنادِ علی
کہ جانشینِ رسالت مآب خواہد شد (")

علی سے دشمنی کا سبب اسکے سوا اور کچھ نہ تھا کہ
وہ حضرت رسولؐ کے جانشین بننے والے ہیں۔

مسندِ ختمِ رسل ارثِ کسے نیست ضیا
رسمِ بیعت دگر و حقِ خلافت دگر ست
(")

خاتم الانبیا کی مسند وہ مقام نہیں کہ جو چاہے اس پر
بیٹھ جائے۔ بیعت لے لینے کی رسم اور ہے اور
خلافت رسولؐ کا حق جُدا گانہ امر ہے۔

کوئی شعلہ نہیں ایسا کہ جو قابو سے باہر ہو۔
مگر جس آگ کو دشمن ہوا دینے لگیں گھر کے
(کامل شطاریؒ)

دنیا میں کوئی شعلہ ایسا نہیں ہے جس پر قابو نہ پایا
جا سکے مگر جس آگ کو گھر میں رہنے والے دشمن ہوا
دینے لگیں تو پھر اسکا کوئی مداوا نہیں۔

یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ ان کے نام نامی سے
کسی دل کیلئے مرہم کسی دل کیلئے چرکے

ہاں یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کہ علیؑ کا نامِ نامی
کسی دل کیلئے مرہم کا کام دیتا ہے اور یہی نام حاسدوں
کے دل کیلئے چرکے بن جاتا ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائینگے کہ حضرت رسولؐ کے ارشادات کی متابعت میں اہل طریقت نے لوگوں کے
دلوں میں علی سے بغض کی موجودگی کو محسوس کر کے شدت کے ساتھ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے اور علی کی محبت
اختیار کرنیکی تلقین کی ہے اور علی سے بغض رکھنے والوں کو عذاب دوزخ سے خوب خوب ڈرایا ہے۔ ناظرین یہ بھی دیکھیں گے کہ
مفتی نور انصار الدین صاحب نے جنکے شعر اوپر نقل کئے گئے ہیں ایک لطیف پیرایہ میں اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ علی سے یہ
دشمنی اُن ہی لوگوں کو تھی جو رسولؐ کی جگہ خود بیٹھنے کی فکر میں تھے اور اب ان کے پیروؤں کو اس بغض کا ورثہ ملا ہے۔
ذرا یہ بھی دیکھ لیںگے کہ اس قسم کے غیر جانبدار لوگ کیا کہتے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ہم جناب بنارسی لعل تمنا ورما کے دو شعر پیش کرتے ہیں۔

علیؑ کے حق کو چھینا اور جلایا خانۂ زہرا
زباں پر کلمۂ توحید دل میں بغض حیدر سے
اسی پر ناز کرتے ہو تمہاری داستاں یہ ہے
بقولِ احمدِ مرسل منافق کا نشاں یہ ہے

اب ہم حضرت رسولؐ کے دو ارشادات پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ دائرۃ المعارف کے
حوالے سے علامہ کشفی ترمذی حنفی نے اپنی کتاب مناقب مرتضوی میں یہ حدیث درج کی ہے۔ ایک روز

حضرت رسولؐ نے جناب امیر کی طرف منہ کرکے گریہ فرمایا اور گریہ کی حالت میں فرمایا اے بھائی میرا رونا اُمت کے اُن لوگوں کی گمراہی پر ہے جنکے سینوں میں تمہارا بغض قائم ہوگیا ہے۔ اب تو اسکو ظاہر نہیں کرتے مگر میرے انتقال کے بعد اُسے ظاہر کرینگے حالانکہ حق تعالیٰ نے اُن پر لعنت کی ہے۔ اور اس حال سے جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ لوگ تیرے حق میں ظلم کرینگے اور تیری اولاد کو ذلتیں پہنچائینگے۔ یہاں تک کہ تیری اولاد میں سے ایک شخص محمدؐ نام اُمت کا حاکم اور والی ہو۔ اسوقت میری اُمت اور باقی تمام مخلوقات تیری اور تیری اولاد کی محبت پر جمع ہوگی اور انکے دشمن مغلوب و مقہور ہونگے۔

ثعلبی اور فخر الدین رازی وغیرہ کے علاوہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے جوامع الکلم میں اس ارشادِ رسولؐ کو درج کیا ہے:۔

مَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ فَاتَ کَافِرًا وَ لَمْ یَشُمَّ رَاحَتَ الْجَنَّۃِ یعنی جو شخص بھی اس حال میں مرا کہ اس کے دل میں علی کی طرف سے بغض تھا تو وہ کافر مرا اور ہرگز جنت کی بو بھی نہ پائیگا۔

لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا کا منطقی تجزیہ

سورہ فرقان کی آیات ۲۷، ۲۸ و ۲۹ ہیں:۔ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ﴿۲۷﴾ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ط وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ:۔ وہ دن (قیامت) وہ ہوگا جس دن ظلم کرنے والا اپنے ہاتھ (مارے افسوس اور پچھتاوے کے) (اپنے دانتوں سے) کاٹنے لگیگا اور کہیگا کاش میں رسولؐ کا بنایا ہوا راستہ پکڑتا ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا بیشک اُس نے نصیحت آجانے کے بعد بھی مجھے بہکا دیا اور شیطان تو آدمی کا رسوا کرنے والا ہے ہی۔

واضح رہے کہ ان آیات میں انبیائے سلف میں سے کسی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ مع الرسول سبیلا سے حضرت ختمی مرتبت ہی کا بتایا ہوا راستہ مراد ہے اور اس طرح یہ آیات راست آپ ہی کی امت سے متعلق ہیں ان آیات کا ایک ایک جز و علٰحدہ علٰحدہ اور پھر یکجائی طور پر بھی بڑے غور و فکر کا محتاج ہے کہ انکا ماحصل کیا برآمد ہوتا ہے۔

پہلے ہم یہ غور کرینگے کہ ظلم کے کیا معنیٰ ہیں اور ظالم کا کیا مطلب ہے۔ لغت کے اعتبار سے ظلم کے معنی کسی شے یا شخص کو اسکے محل سے ہٹانے یا ہٹا ہوا سمجھنے کے ہیں۔ یعنی ظلم عمل یا ترکِ عمل کے علاوہ صرف خیال کرنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسکو ظلم جلی یا خفی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ظلم دوسروں پر بھی ہو سکتا ہے اور خود اپنے نفس پر بھی کسی شخص کے وجود میں پانچ اجزا شامل ہیں، جسم، روح، عقل و شعور، ضمیر، نفس

(ضمیر کو عقل و شعور کا ہی لاحقہ سمجھا جاسکتا ہے) مثلاً میں کہوں کہ میرا جسم، میری روح، میری عقل میرا ضمیر، میرا نفس یعنی میں ان سب چیزوں کا مجموعہ ہوں۔ اسی طرح نفس باقی سب اجزا کا جامع ہے یعنی جسم، روح، عقل و ضمیر سب کا مرکب ہے۔ موت کو قرآن میں بھی جسم یا روح کی موت نہیں بلکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت کہا گیا ہے یعنی ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ حضرت رسول نے بھی خطبۂ غدیر خم کے موقع پر اپنی اُمّت سے اجتماعاً اور فرداً فرداً اسکا اقرار لیا کہ کیا میں تمہارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں۔ نفس گویا آدمی کے وجود کا نمائندہ ہے۔ یہ سب انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتیں ہیں اور ان سب کا صحیح استعمال اسپر واجب ہے اگر انکا غلط استعمال کیا گیا تو یہ امانت میں خیانت اور نفس پر ظلم ہے۔ خلاصہ یہ کہ ظاہر بہ ظاہر ظلم مثال کے طور پر قتل و غارت گری، غصب حق کسی کا مال چھین لینے کسی کی زمین پر قبضہ لینے، ترکہ سے محروم کرنے، گھر کو آگ لگانے وغیرہ کی شکل میں ہو سکتا ہے اور دوسری قسم کا ظلم یہ ہے کہ کسی کو اسکے محل سے ہٹا ہوا سمجھا جائے مثلاً اچھے کو بُرا، بُرے کو اچھا، افضل کو مفضول یا مفضول کو افضل سمجھا جائے۔ اس قسم کا ظلم خواہ ظاہر نہ بھی ہو پھر بھی ظلم ہی ہے اور اس قسم کے افعال یعنی ظلم جلی یا خفی دونوں ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس پر بھی ظلم کرتا ہے۔

آیت کا پہلا جزو یہ ہے کہ ظالم روزِ قیامت افسوس اور پچھتاوے سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا۔ یہاں کس قسم کا ظالم مراد ہے اسکو خود آیت ہی اس طرح واضح کر دیتی ہے کہ وہ اس بناء پر اپنے ہاتھ کاٹیگا کہ رسول کا بتایا ہوا راستہ کیوں نہ پکڑا اور فلاں کو کیوں اپنا دوست بنا لیا۔ یہ دیکھنے سے پہلے کہ رسول کا بتایا ہوا راستہ کیا تھا، ربطِ عبارت کو آسانی سے سمجھنے کیلئے ہم لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا پر غور کرینگے اور یہ دیکھینگے کہ رسول کے بعد بطورِ واقعہ کس کس نے کسکو اپنا دوست بنایا۔

تاریخ اور مستند اور متفق علیہ روایات اسکی شاہد ہیں کہ رسول کے انتقال کے بعد دو گروہ ہو گئے ایک گروہ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا یا یہ کہا جائے کہ علی سے جو اسکی دوستی تھی اسپر قائم رہا۔ دوسرے گروہ نے حضرت ابو بکر و عمر و عثمان وغیرہ سے اپنا ربط قائم کر لیا۔ اب دیکھنا یہ پڑے گا کہ جس گروہ نے علی کو دوست بنایا آیا اسکو افسوس کرنے یا پچھتانے کا کوئی محل ہے یا اس دوسرے گروہ کیلئے افسوس کرنیکا مقام ہے۔ تفصیل میں گئے بغیر (کیونکہ تفصیلات پہلے آچکی ہیں) بلا خوفِ تردید دو ٹوک طریقہ پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کے بڑے اعلیٰ مدارج ظاہر فرمائے ہیں اور انکو مثلِ اپنے اور رسول کے تمام لوگوں کا ولی قرار دیا ہے اور اُن کی ولایت کے اقرار کو دین کا جزو اہم بنا لیا ہے اور ان کے معصوم اور صاحب علم لدنی ہونے کی گواہی دیکر بروز حشر ولایت علی کے اقرار کا سوال کئے جانے کے مرحلہ سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔ اُدھر رسول اللہ نے ابتدائے رسالت سے لیکر آخر دم تک علیؑ کے

اپنا وزیر، وصی اور خلیفہ ہونیکا ہر ہر موقعہ پر اظہار کرتے ہوئے اور علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں کہنے کے ساتھ
ساتھ اُمت کو یہ تنبیہ بھی دے دی تھی کہ میرے بعد اُمت میں فتنہ پیدا ہوگا صحابہ خلافت و اقتدار کی
ہوس میں مبتلا اور دولت پر مائل ہوں گے، غیر حقدار کو حقدار پر ترجیح دینگے اور اُمت علی سے بیوفائی کرکے
ایذا پہنچائیگی اور جب ایسا ہو تو تم لوگ ملازمت علی کی اختیار کرنا یہ بھی فرمادیا تھا کہ علی کی محبت ایمان ہے
علی کا ذکر اور علی کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور علی جنت و دوزخ کا تقسیم کرنے والا ہے اور علی کے
نام کا کلمہ عرش، لواءِ الحمد اور درِ جنت پر بھی ثبت ہے۔ علی معراج میں بھی موجود تھے اور علی تمام انبیاء
کے اور خود حضرت رسول کے بھی ناصر ہیں۔ پھر علی نے اپنی بے مثال شجاعت اور ید اللہی قوت سے دینِ خدا
اور رسولِ خدا کی جو حفاظت فرمائی اسکا لوہا نہ صرف مسلمان بلکہ تمام عالم مانتا ہے۔ جب علی کی یہ شخصیت ہے تو
اُن سے دوستی رکھنا عین مطابقِ حکمِ خدا و رسول ہونے کے ساتھ پوری طرح مطابقِ عقل و فطرت بھی ہے۔
جب ایسا ہے تو علی کو دوست بنانے والوں کیلئے افسوس کرنے یا پچھتانے کا کوئی محل محالاتِ عقلی سے ہے۔
اب منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ افسوس کرنے اور پچھتانے کا محل اُس دوسرے گروہ ہی کیلئے ہے جس نے علی کو چھوڑ کر
دوسروں کو دوست بنالیا تھا

اس منطقی نتیجہ کے علاوہ بھی ہم یہ دیکھینگے کہ علی کے
سوا دوسروں کیلئے حضرت رسول نے کیا فرمایا۔ ان فرمودات کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ اوپر بھی مذکور ہوا کہ
صحابہ دولت پر مائل ہوں گے اور خلافت اور اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہوکر روزِ قیامت شرمندگی اٹھائینگے
اور حوضِ کوثر سے ہنکائے جائینگے۔ پھر انھیں صحابہ میں وہ بھی شامل تھے جنہوں نے اعلان غدیر خم کے بعد حضرت
رسول کو مار ڈالنے کی نیت سے وادی عقبہ میں آپ پر پتھر پھینکے تھے اور انھیں میں وہ بھی تھے جنہوں نے
حضرت رسول کے ارشاد سے کئی مرتبہ روگردانی کی اور آپکے فرمان کو ہذیان سے تعبیر کیا۔ پھر قرآن میں
جھوٹے خود ساختہ خلفاء اور بن بیٹھنے والے اماموں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے دین کو ضائع کیا اور جو لوگوں کو
جہنم کی طرف لیجاتے ہیں۔

اب اس بات کے سمجھنے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ حشر کے دن مارے افسوس کے اپنے ہاتھ کاٹ
لینے والے وہی تو لوگ ہوں گے جنہوں نے علیؑ کو چھوڑ کر اُن دوسری ہستیوں کو اپنا دوست بنالیا تھا جو علی کے
مقابل کھڑے ہوگئے تھے۔

ضمناً یہ بھی واضح ہوچکا ہے کہ حضرت رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ کیا تھا پھر بھی ہم اختصار کے ساتھ چند
فرموداتِ خدا و رسولؐ کی طرف اشارہ کردیتے ہیں کہ خلیفہ اور امام اللہ ہی بناتا ہے اور یہ زمین پر اللہ کی حجت
ہوتے ہیں۔ خلق اور خالق کے درمیان واسطہ ہیں اور یہ وہی اولی الامر ہیں جنکے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی اور

کے ساتھ ان کی اطاعت سورۂ نساء کی آیت ۵۹ کے ذریعہ واجب گردانی ہے اور رسول کی اطاعت
جسکے وارثانِ کتاب، اولی العلم، راسخون فی العلم خبیر اور اہل ذکر ہونیکا اعلان اپنی کتاب میں فرمایا
ہے آیت ولایت بتاتی ہے کہ علی مثل اللہ اور رسولؐ کے تمام لوگوں کے سرپرست ہیں۔ آیت بلغ ثابت
کرتی ہے کہ علی کی ولایت کے اقرار کے بغیر دین ہی ناکمل ہے۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ کے ذریعہ
بتا دیا گیا ہے کہ علی کی ولایت کا سوال روزِ حشر میں سوالِ توحید و نبوت کے کیا جانے والا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل
کی آیت ۷۱ بتاتی ہے کہ روز قیامت ہر شخص اپنے اپنے امام کے ساتھ بلایا جائیگا۔

اِدھر حضرت رسول نے من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ فرمایا اور اپنے کو علم کا شہر بیان کرکے
کرکے علیؑ کو اسکا دروازہ قرار دیا اور حدیث ثقلین کے ذریعہ قرآن اور اپنے اہلبیت سے متمسک رہنے
کی تلقین فرمائی اور اپنے بارہ خلفا کے نام جو بحکم خدا اُمت کے امام بھی ہیں علی سے لیکر بارھویں امام محمد مہدیؑ
بن حسن عسکری علیہم السلام تک کے بتا دیئے اور فرما دیا کہ ہر شخص کیلئے اپنے زمانہ کے امام کا تعارف حاصل کرنا
لازمی ہے اور اسکے بغیر کفر کی موت ہے۔ ان تمام واضح احکام خداوندی و ارشاداتِ رسولؐ کی موجودگی میں
سوائے فاترالعقل اور مخبوط الحواس کے، اور تو کوئی نہیں کہے گا کہ رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ علی اور جملہ ائمہ
اہلبیت سے تمسک اور پیروی کے سوا کوئی اور ہے۔ آیت آگے بڑھکر یہ وضاحت بھی کرتی ہے کہ افسوس سے
ہاتھ کاٹ لینے والا یہ بھی کہیگا کہ جسکو اس نے دوست بنایا تھا اس نے واضح احکام اور نصیحت آنے کے باوجود
بھی گمراہ کر دیا۔

واضح نصیحت اور احکام کیا تھے اسکا مجملاً ذکر اوپر آچکا ہے۔ آیت نے یہ تنبیہ بھی دیدی ہے کہ شیطان
کے بہکاوے میں نہ آئے اور راہِ حق یعنی رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرے۔ یہ نصیحت اور حکم نہ صرف
رسول اللہ کے زمانے کے لوگوں سے متعلق تھا بلکہ آج بھی جاری و ساری ہے اور لوگوں کے لئے اب بھی
مہلت ہے کہ رسول اللہ کا بتایا ہوا راستہ اختیار کریں۔ یعنی علی کا دامن تھام لیں۔ تمام اہل طریقت
بزرگوں نے بلا استثنائے احدے اپنے کو علی اور پورے بارہ ائمہ اہلبیت کے ناموں کی صراحت کے ساتھ
متمسک ہونے کا اعلان کرکے اپنے مریدوں، عقیدتمندوں بلکہ ہر خاص و عام سے یہ فہمائش کی ہے کہ علی کے مقابل
آنے والوں سے اپنے کو بری کرکے اہلبیتِ رسولؐ سے اپنے کو وابستہ کرلیں۔ اہل طریقت بزرگوں کے ماننے والوں
کیلئے خدا اور رسولؐ کے علاوہ ان بزرگوں کی تاکید بھی اس بارے میں مزید کاشف حقیقت ہے۔

بقول حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ سے

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است
علی و آلِ او ما را تمام است

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں سے

هستم از دشمنِ علی بیزار حق گواه است اندریں گفتار

حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں ؎

سزاوارِ خلافت در تمامی شرق و مغرب نمے دانم کسے غیر از علی ابنِ ابی طالب

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری (خواجہ اجمیریؒ) فرماتے ہیں ؎

آں را کہ غیرِ حیدر باشد امام و رہبر دارد خیالِ باطل، باطل بود خیالش

ناظرین ملاحظہ کرینگے کہ ان صوفیائے کرام نے (اور تمام ہی صوفیائے کرام کے یہی خیالات ہیں) بغیر کسی لگی لپٹی کے غیر مبہم طور پر بتا دیا ہے کہ "علی کے دشمنوں سے بیزاری لازم ہے اور خلافت اور امامت کیلئے بجز حضرت علی علیہ السلام کے کوئی اور سزاوار ہے ہی نہیں اور جو لوگ علی کے سوا کسی اور کو امام یا رہبر یا خلیفۂ رسول مانتے ہیں اُنکا عقیدہ باطل ہے

یوں تو عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اور ارشادِ خداوندی ہے اِنَّ فِی ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْن (حجر آیت ۷۵) یعنی اسمیں شک نہیں کہ اسمیں تاڑ جانے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مگر اب اتنی ساری وضاحتوں کے بعد بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر کہنا پڑے گا کہ خدا ہی اُسے سمجھے۔ سورہ فرقان کی آیات متذکرۂ صدر میں جنکو ہم نے اس مضمون کا عنوان قرار دیا ہے اُن لوگوں کا حال تھا جنھوں نے غلط افراد کو دوست بنا کر اور ان کے بہکاوے میں آ کر رسول کا بتایا ہوا رستہ چھوڑ دیا تھا اور قیامت کے دن اپنے ہاتھ کاٹنے کی نوبت آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن افراد کا نقشہ بھی پیش فرما دیا ہے جنھوں نے لوگوں کو حق کے راستہ سے ہٹا کر گمراہ کر دیا تھا۔ چنانچہ سورۂ ہود کی آیات ۱۸ و ۱۹ میں ارشاد ہے:۔ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجا وھم بالاٰخرۃ ھم کافرون۔ پھر آیت ۲۰ میں ہے:۔ یضاعف لھم العذاب ؕ یعنی سُن رکھو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو خدا کے راستہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اسمیں کجی نکالتے ہیں اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔.... انکا عذاب دونا کر دیا جائے گا۔

اسی طرح سورۂ احزاب کی آیات ۶۶ تا ۶۸ ہیں:۔ یوم تقلب وجوھھم فی النار یلیتنا اطعنا اللہ و اطعنا الرسولا و قالو ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعنا کبیرا ؕ یعنی جس دن اُن کے منہ جہنم کی طرف پھیر دیئے جائینگے تو کہینگے کاش ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کا کہا مانا ہوتا اور کہینگے ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں ہی نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگار اُن پر دہرا عذاب نازل کر اور اُن پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔

بہکانے اور بہکنے والوں کا جہنم میں مکالمہ :

راہِ حق سے بہکانے اور بہکنے والے دونوں جہنم میں جائیں گے۔ کسی کے بہکا دے میں آجانے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو بری الذمہ ہیں۔ سبب یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی عقل و شعور سے انھوں نے کام نہیں لیا اور اس میں اُن کی سہل انکاری اور بدنفسی بھی یقیناً شامل رہی کہ انھوں نے حق کو چھوڑ کر اپنے خیالاتِ فاسد سے میل کھاتی ہوئی چیزوں کو اپنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی آیت ۳۸ و ۳۹ میں جہنمیوں کے ایک مکالمہ کی شکل میں اس کا ذکر فرمایا ہے :۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

ترجمہ :۔ یہاں تک کہ جب سب اِس (جہنم) میں پہنچ جائیں گے تو اُنہیں کی پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے واسطے بد دعا کرے گی کہ پروردگار ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تو ان پر جہنم کا دونا عذاب کر (اسپر) خدا فرمائیگا ہر ایک کیلئے ہی دونا عذاب ہے، لیکن تم جانتے نہیں۔ (یہ سُنکر) پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہے گی اب تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہ رہی پس تم بھی اپنے کرتوت کی بدولت عذاب کا مزا چکھو۔

سورۂ ھود کی آیت ۱۹ متذکرہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا ہے کہ راہِ حق سے گمراہ کرنیوالے وہی لوگ ہیں جنکو آخرت کا ہی یقین نہیں ہے۔ یہ ارشادِ خداوندی بہت سے رموز کا کاشف ہے۔ راہِ خدا اور رسولؐ سے گمراہ کرنے والے اگر قیامت کا یقین رکھتے اور دوزخ و جنّت پر ایقان ہوتا تو ہرگز ایسا بڑا جوکھم مول نہ لیتے کہ چند روزہ دُنیا کے حصُول میں لگ کر دائمی جہنم کو قبول کرلیں۔
قرآنِ مجید میں کثیر مقامات پر جنّت و دوزخ کے متعلق آگاہی دی گئی ہے اور حضرت رسولؐ نے ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں کیلئے جنت کی خوشخبری دی ہے اور بُرے عمل کیلئے عذابِ آخرت سے ڈرایا ہے۔ آخرت پر ہی ایمان نہ رہا تو معلوم ہوا کہ اللہ اور رسولؐ کے کہنے کا بھی یقین نہ کیا اور اسطرح اللہ و رسولؐ پر بھی ایمان نہ رہا۔ لہذا یہ بات کھلی ہوگئی کہ جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کے راستہ سے بھٹکا دیا وہ نہ تو اللہ اور رسول پر ہی ایمان رکھتے تھے اور نہ جنت و دوزخ ہی کے قائل تھے۔ یہ ہماری ذہنی اختراع نہیں ہے بلکہ ارشادِ خداوندی کا منطقی نتیجہ ہے۔
یہاں ہم ایک اور آیتِ قرآن کی طرف توجہ معطوف کراتے ہیں جو کسی قسم کے بھی وسوسہ کا ازالہ کردیتی ہے۔ سورۂ صٰفٰت کی آیت ۱۱۳ ہے:-
وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ؀
یعنی ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر اپنی برکت نازل کی۔ اِن دونوں کی نسل میں بعض تو نیکوکار ہیں اور بعض (نافرمانی کرکے) اپنی جان پر صریح ظلم ڈھانے والے (واضح رہے کہ اس آیت میں علیہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف ہے جنکا نام ماقبل کی آیت ۱۰۹ میں موجود ہے۔
اگر کوئی کہے کہ قریش جنمیں حضرت ابوبکر و عثمان وغیرہم بھی شامل تھے حضرت ابراہیم ہی کی اولاد میں ہیں تو اِس سے ان کے نیکوکار ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ملتی۔ کیونکہ آیت خود بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں دونوں ہی طرح کے لوگ ہوں گے۔ یعنی ایک تو نیکوکار اور دوسرے وہ جو صریح طور پر ظالم ہوں گے۔ کیونکہ ظالم کے ساتھ مبین کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ جسطرح امام کی عظمت کو بتانے امامِ مبین (سورۂ یٰسین میں) آیا ہے۔ اسیطرح قرآن میں صرف اسی ایک جگہ ظالم کے ساتھ مبین کا لفظ آیا ہے تاکہ اِن ظالموں کے صریح ظلم کی پیشنگوئی نکل آئے اور یہ محض حضرت ابراہیم ہی کی اولاد میں سے نکلنے والے بعض ظالموں کا تذکرہ ہے۔ اس آیت کی رو سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے چند ظالموں کا بھی منظر عام پر آنا لابدی تھا۔ اسطرح جہاں نیکوکاروں میں بنی ہاشم یعنی آلِ محمد سامنے آئے وہیں صریح ظالموں کے بھی کچھ نمونے نکل کر سامنے آگئے اور یہ عین

منشاء ربانی ہے جو اس آیت کے ذریعہ ظاہر فرمایا گیا ہے۔
مزید غور فرمایئے اِنّی جاعِلُکَ لِلنَّاسِ اماماً کے سلسلہ میں لاینال عہدی الظالمین کی آیت (سورہ بقر آیت ۱۲۴) بھی اِس مطلب کو اور وضاحت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم نے قَالَ وَمِن ذُرِّیَّتِی کہکر اپنی اولاد میں امامت مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اِس صراحت کے ساتھ اسکو منظور فرمایا کہ میرا وعدہ کسی ظالم کو امامت دینے سے متعلق نہ ہوگا۔ یہاں تو امامت ہی کے سلسلہ میں معصوم اور ظالم کی بحث سامنے آگئی۔ ظاہر ہے یعنی متفقہ و مسلمہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے امامت آلِ محمد کو عطا ہوئی ہے ان کے مقابلہ میں جن ظالمین تک امامت نہیں پہنچنے کا ارشادِ ایزدی ہے معلوم ہوا کہ سورۂ صٰفّٰت کی آیت ۱۱۳ کے مصرحہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں کے وہی لوگ ہیں جنکا ظلم صاف اور صریح طور پر دُنیا کے سامنے آگیا۔ ناظرین خود غور فرمالیں کہ یہ کونسے ظالم ہیں؟

مسئلہ جبر و قدر پر ایک نظر

اس باب کو ختم کرنے سے قبل ہم جبر و قدر اور اس کے مضمرات سے متعلق چند سطور حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ جبر و قدر انبیاء و ائمہ کا معصوم پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا علم ارادہ مخلوق مذہونہ کا فرق اقتضا ایسے مسائل ہیں جو ایک عرصہ سے معرض بحث چلے آرہے ہیں۔ یہ امور ایک دوسرے سے مخلوط ہیں اس لئے ہم ان کے متعلق یکجائی طور پر اپنے خیال کا اظہار چند سطور میں کرتے ہیں۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں جبریہ کہتے ہیں کہ آدمی بالکل مجبور ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ یا اس کی قدرت کے جبر کے تحت اور اس لئے آدمی کسی فعل کے نتائج و عواقب کا ذمہ دار نہیں۔ دوسرا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محدود اختیار انسان کو دیا ہے۔ مثلاً وہ زمین پر کھڑا ہوا اپنا ایک پاؤں اوپر اٹھا سکتا ہے مگر ساتھ ہی دوسرا پاؤں نہیں اُٹھا سکتا اور اگر ایسا کرے تو وہ گرجائے گا۔ ایک پاؤں اٹھانے کی حد تک وہ مختار ہے اور دوسرا پاؤں اٹھانے کی منزل میں مجبور ہے۔ جبریہ اپنے خیال کی وضاحت میں یوں کہتے ہیں کہ پوری کائنات ایک ڈرامہ کی شکل رکھتی ہے اور ہر کردار اپنا اپنا پارٹ ادا کرنے پر مجبور ہے اور اسی طرح وہ لوگ جن کو ہم بدکردار کہتے ہیں وہ VILLAIN کا پارٹ ادا کرنے پر قدرت کی طرف سے مامور ہیں۔ اس طرح ان کے خیال میں دنیا کے بدترین کردار مثلاً یزید کو بھی نہ تو بُرا کہنے کی وجہ ہے اور نہ امام حسین علیہ السلام کے بلند مدارج کا تصور ان کے پاس پیدا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت میں نہ ہوتا اور یزید ایسے بہیمانہ اور ظالمانہ حرکات کا مرتکب نہ ہوتا تو امام حسین علیہ السلام کے بلند صفات نہ تو سامنے آتے اور نہ حسین سے محبت رکھنے والوں کو ان کی مصیبتوں پر گریہ و بکا کرکے ان سے اظہار مودت کا موقعہ ملتا۔ ان لوگوں کے خیال میں امام حسین کے صفات دُنیا پر ظاہر ہونے کا موجب یزید ہے۔ اور اس طرح گویا خود حسین کے چاہنے والوں کیلئے یزید نے ایک اچھا کام کیا ہے۔ انبیاء و ائمہ کے معصوم پیدا کئے جانے کے متعلق بعض لوگ یہ شق نکالتے ہیں کہ

اگر وہ معصوم پیدا کئے گئے ہیں اور گناہ کرنے پر قادر نہیں ہیں جس طرح سے کہ فرشتوں کی خلقت ہوئی ہے تو پھر کسی اچھے سے اچھے عمل کے لئے بھی وہ تعریف کے مستحق نہیں ہیں۔ بظاہر اس نقطۂ خیال میں واجبیت کا پہلو نظر آتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے اس میں صحت کہاں تک ہے۔ جبر و قدر کی جو توجیہہ اس ناچیز کے خیال میں آئی ہے قطع نظر اس کے کہ محدود اختیار کا نظریہ قرینِ عقل اور روزمرہ کے مشاہدات کے مطابق ہے اور عقل و ضمیر خود بتاتے ہیں کہ جہاں اچھے اور برے کی تمیز کا مادہ، ارادہ اور کسی کام کے کرنے کی قدرت کا احساس اور عمل کی قوت ہر آدمی میں موجود ہو تو جبر کا نظریہ خلافِ حقیقت اور بجائے خود غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو صرف فطری احساس پر مبنی ایک قیاسی امر ہوا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس اختیار کے وجود کی دلیل کیا ہے۔ بادی النظر میں جہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ کوئی ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز لوحِ محفوظ میں اس نے پہلے سے ثبت کر دی ہے تو پھر محدود اختیار بھی کس طرح سے آیا۔ اس مسئلہ کے حل کی تلاش ہم کو انسان کی ابتدا، اور اس کی تخلیق کی ماہیت پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے سورہ حجر کی آیات ۲۸ تا ۳۱ میں ارشاد باری ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ
وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔

ترجمہ: جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں (ایک) آدمی کو خمیر دی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب وقت میں اسکو ہر طرح سے درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔

یعنی معلوم ہوا کہ آدم کے پتلے کو اللہ تعالیٰ نے اولاً تو ہر طرح سے سنوار کر درست کیا اور پھر اس میں اپنی روح میں سے روح پھونکی۔ اس طرح ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کی روح شامل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق OMNIPOTENT فاعلِ مختار ہے۔ مسلمہ اصول یہ ہے کہ جزو پر بھی کل کا حکم ہوتا ہے۔ مثلاً سونے کے ایک بہت بڑے ٹکڑے یا پہاڑ پر بھی سونے کا حکم لگتا ہے اور اس میں سے لئے ہوئے ایک ماشہ یا ایک رتی بھر سونے کے ٹکڑے پر بھی سونے ہی کا حکم لگتا ہے۔ فرق صرف مقدار میں ہے ماہیت میں فرق نہیں اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انسان میں خود اپنی روح رکھی ہے تو اس فاعلِ مختار قادرِ مطلق کی قوتوں کی ایک چنگاری (SPARK) آدمی میں بھی آگئی یہی وہ بااقتدار چنگاری یا جوہر ہے جو اختیار، ارادہ اور اچھے برے کی تمیز کی ضامن ہے یہ امر بھی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار ہی میں ہے کہ قوت ارادہ و اختیار کسی میں ودیعت کر دے۔ اس طرح روح پھونکنے اور اپنی صفت و اختیار میں کا کچھ حصہ دینے سے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں کوئی کمی نہیں آتی مگر انسان اپنی حد میں بااختیار ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے جیسا کہ سائنس کا

مسلمہ مسئلہ ہے کہ مقناطیس لوہے سے ایک مقررہ سمت میں مس کرے تو لوہے میں مقناطیسی قوت آجاتی ہے اور خود مقناطیس کی طاقت میں مطلقاً کمی نہیں ہوتی۔ بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک کر آدمی میں ایک خودکار قوت SELF-FUNCTIONING POWER دیدی تو وہ یقیناً ارادہ اور اختیار کا مالک اچھے اور بُرے کی تمیز پر قادر اور اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر اپنے افعال کے نتائج و عواقب کا ذمہ دار ہوگا اور اس طرح اچھے عمل کا اچھا صلہ اور بُرے عمل کا بُرا بدلہ دیا جانا لازمی اور عین انصاف پر مبنی ہوگا۔

آدمی کے فاعل مختار ہونے کے نظریہ کو قبول کرلینے کے بعد ڈرامہ اور ولن کا تصوّر خود بخود غائب ہوجاتا ہے۔ جبریہ نظریہ والوں کی دی ہوئی یزید کی مثال میں اگر یزید کی نیت یہ ہوتی کہ امام حسین کو درجات عالی پر فائز ہونے میں ممد و معاون ہونے کے لئے وہ یہ ظلم مجبوراً نیک نیتی سے کررہا ہے تو سوچنے کے لئے ایک زاویہ پیدا ہوسکتا مگر وہاں تو یزید کا خیال یہ تھا کہ بنی ہاشم نے ایک کھیل کھیلا تھا نہ تو محمدؐ پر وحی آئی اور نہ فرشتہ خبر لایا۔ اپنی اغراض دنیاوی کو پورا کرلے اور تخت حکومت پر جمے رہنے کے لئے اس نے ہر قسم کے شدید سے شدید ظلم کو بھی روا رکھا۔ اس طرح جو ظلم اس نے کئے ہیں یقیناً اسکی سزا کا مستوجب ہے۔ ولن کے (جھوٹے) نظریہ والوں کا جواب خود اُن کا نظریہ دیدیتا ہے کہ ڈرامہ میں ولن کا سزا پانا بھی PART OF THE GAME ہے۔ معصوم پیدا ہونے کا نظریہ دقیق نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ انبیاء اور ائمہ میں گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی یا یہ ان کی صفت سلبیہ ہے ایسا نہیں ہے وہ گناہ کرسکتے ہیں مگر نہیں کرتے بے صبری اضطرار دکھا سکتے ہیں پست کردار اختیار کرسکتے ہیں مگر ایسا نہیں کرتے۔ جب فی الواقعی ایسا ہے تو یہ دیکھنا ہے کہ معصوم پیدا ہونے یا اللہ تعالیٰ ان کو پاک رکھنے کے کیا معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے متعلق صوفیا کی دی ہوئی ایک مثال سے اس امر کو سمجھنے میں سہولت ہوگی خدا کے نزدیک نہ کوئی ماضی ہے نہ مستقبل بلکہ ہر چیز اور ہر زمانہ اس کے لئے ازازل تا ابد حال ہی کی کیفیت رکھتا ہے۔ مثال اسکی یوں دی جاتی ہے کہ فرض کیجئے تین دھاگے سبز سرخ اور سیاہ یکے بعد دیگرے ایک ہی سلسلہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایک چیونٹی سبز دھاگے پر چلنا شروع کرتی ہے چونکہ اس کی نظر محدود ہے اس کو آگے کے سُرخ و سیاہ دھاگوں کا کچھ علم نہیں ہے۔ جب وہ سبز پر چل رہی ہے تو سبز اس کے لئے حال اور باقی دو اس کا مستقبل ہیں۔ سبز کو طے کرکے جب وہ سُرخ پر آجائے تو سبز اس کے لئے ماضی اور سُرخ حال اور سیاہ مستقبل ہے۔ جب وہ سیاہ پر پہنچے تو وہ اس کے لئے حال ہوجائیگا ایک شخص جو چیونٹی کو تینوں دھاگوں پر چلتا دیکھ رہا ہے اس کے لئے چیونٹی کا دھاگوں پر چلنا سب حال ہی کی کیفیت رکھتا ہے اور سب بہ یک وقت اسکی نظر کے سامنے ہے اور اس کیلئے ماضی و مستقبل کا سوال نہیں ہے اسی طرح انسان کی نظر محدود ہے اور اس کے لئے ماضی حال و مستقبل کے اضافی زمانے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز بہ یک وقت سامنے ہے۔ جب ایسا ہے تو ازازل تا ابد تمام لوگوں کے کردار بھی بطریق حال اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہیں۔

اس طرح یہ امر کہ کوئی نبی یا امام بہترین کردار پر از پیدائش تا موت قائم رہا اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا بلکہ وہ معصوم رہا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے علم میں ہونے کی نسبت سے یہ قرار پاتا ہے کہ کوئی شخص معصوم ہے۔ اللہ کی طرف سے ان ہستیوں کے معصوم ہونے کا اعلان محض اس کے علم پر مبنی ہے نہ کہ اس امر پر کہ اس نے انہیں گناہ کی کوئی صلاحیت ہی نہیں رکھی لوح محفوظ میں سب امور کا درج ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا نقشہ نہیں ہے بلکہ اس کے علم کا نقشہ ہے۔

اسی ضمن میں وہ آیات قرآنی بھی نظر ڈالنے کے لائق ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے خود ساختہ خلفاء کا ذکر فرمایا ہے کہ کچھ لوگ خلیفہ اور وارث کتاب یعنی وارث قرآن بن بیٹھے تاکہ اس کمینی دنیا کا سازوسامان حاصل کریں اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور پھر اس زعم میں بھی ہیں کہ روز قیامت بخش دیئے جائیں گے مگر یہ لوگ اپنی گمراہی کا نتیجہ یقیناً پائینگے (سورۂ اعراف آیت ۱۶۹ و سورۂ مریم آیت ۶۰) اسی طرح سُورۂ قصص کی آیت ۴۱ و ۴۲ ہے جس میں اللہ تعالیٰ ایسے نام نہاد اماموں کا ذکر فرماتا ہے جو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اس نے اس دُنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی ہے کہ لعنت کرنے والے ان پر برابر لعنت کرتے ہیں یہ امر ظاہر ہے کہ یہ سب آیتیں اللہ تعالیٰ کے قیامت تک کے علم کا نقشہ پیش کرتی ہیں اور محض کسی زمانہ قبل تنزیل قرآن تک کیلئے محدود نہیں ہیں۔ طالبان حق کو یہ آیتیں سوچنے کی دعوت دیتی ہیں کہ حضرت رسول کے بعد کے زمانے والے وہ خود ساختہ خلفاء اور جہنم کی طرف دعوت دینے والے امام کون تھے، اور یوں بھی جن اشخاص کے خود ساختہ خلیفہ اور وارث قرآن بن بیٹھنے کا ذکر ان آیات میں ہے وہ ظاہر بظاہر قرآن نازل ہو چکنے یعنی حضرت رسولؐ کے زمانہ کے بعد ہی کے ہیں کیونکہ وارث قرآن بن بیٹھنے کی نوبت قرآن نازل ہونے کے بعد ہی کی ہے۔

شمس تبریزؒ ایک صاحب کرامت بزرگ

حال میں اردو ڈائجسٹ شبستان دہلی کے یکم اپریل ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں بحوالہ خزینۃ الاصفیاء مولفہ غلام سرور حضرت شمس تبریزؒ کے کچھ حالات اور کرامتیں نقل کی گئیں ہیں۔ شمس تبریزؒ کے نام سے اسلامی دُنیا کا کم و بیش ہر شخص واقف ہے اور آپ کا ایک محب اہلبیت ہونا بھی اہل طریقت کے تو پورے طور پر علم میں ہے۔ مولائے کائنات کی بارگاہ میں جس شان کی منقبتیں انھوں نے پیش کی ہیں شاید ہی انکا کوئی جواب ہو سکے۔

تا نقش زمین بود و زماں بود علی بود
تا صورت پیوند جہاں بود علی بود

انھیں کی مشہور منقبت ہے۔ اسکو ہم نے اہل طریقت بزرگوں کے کلام کے ساتھ باب ۱۵ میں نقل کیا ہے۔ یہاں ہم اس کے چند اشعار کا اقتباسی ترجمہ درج کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ مولائے کائنات کے متعلق ان کا کیا تصور تھا۔ فرماتے ہیں:-

"جب تخلیق دُنیا کا ارادہ ابھی علم الٰہی کی منزل میں تھا اور جب زمان و مکان کے نقشے کی ابھی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی اسوقت بھی علی نور کی شکل میں موجود تھے۔ آدم کو جو فرشتوں نے سجدہ کیا وہ علیؑ ہی کے سبب تھا۔ آدم تو ایک ظاہری قبلہ تھے مگر در حقیقت جسکو سجدہ کیا گیا وہ علیؑ تھے۔ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسٰےؑ تک جو لاکھوں پیغمبر گزرے وہ سب در حقیقت علیؑ ہی کی ذات تھی۔ حضرت عیسٰےؑ نے جو پیدا ہوتے ہی جو کلام کیا وہ علی ہی کا نطق تھا۔ موسٰیؑ کی نبوت اور معجزے جس نے ظاہر کئے وہ علی ہی کی ذات تھی۔ خاتم سلیمانی کے نگینہ میں جو نورِ ذوالجلال تھا وہ علی ہی کا نور تھا۔ یہ وہ شاہ سرافراز ہے جو معراج میں بھی حضرت احمد مختار کے ساتھ ساتھ موجود رہا۔ خداوند تعالیٰ نے سارے قرآن میں جس کے اوصاف اور معصومیت کی ثنا کی ہے اور سورۂ الحمد میں جو نکتہ بیان فرمایا ہے وہ علی ہی ہیں آپکی عبدیت کی بھی وہ شان ہے کہ اس کے در کی خاک سے عرش کے کنگروں کی قدر بڑھ گئی حقیقت تو یہ ہے کہ جب میں نے آفاق پر نظر ڈالی تو حدِ نظر تک ہر جگہ علی ہی علی نظر آئے۔ دیکھا تو اول بھی علی آخر بھی علی ظاہر بھی علی باطن بھی علی عبادت کرنے والا مفہوم عبادت بلکہ معبود بھی علی ہی ہے۔ بخدا کہ یہ کلمہ کفر نہیں ہے کہ ازل میں بھی علی تھے اور ابد تک بھی علیؑ دونوں عالم کا راز جو پرتوِ علم الٰہی تھا جو عرش سے فرش پر ظاہر ہوا وہ علی ہی تھے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جبرئیل جو بارگاہِ احدیت سے حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسکی بھی علت غائی علیؑ ہی تھے شمس الحق تبریزؔ کو جس نے دونوں عالم کے ظاہر و باطن کے سربستہ رازوں سے واقف کرا دیا وہ علیؑ تھے"۔

اب ہم اُن کا کچھ بالکل مختصر حال پیش کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک پوتے سید محمد عریض مدینہ سے طبرستان کے مقام آئے اور وہاں محمد آباد نامی ایک بستی بسائی۔ عراق کے شہر سبزوار میں ان کے ایک عزیز سید صلاح الدین نور بخش رہتے تھے۔ ان کے ایک رشتہ دار نے خواب دیکھا کہ صلاح الدین کی بیوی کی گود میں سورج اُتر آیا ہے۔ خواب بیان کرنے گئے تو معلوم ہوا کہ کل ہی ۱۵ شعبان ۵۶۰ھ ہجری کو لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہ شمس الدین (تبریز) تھے۔ صلاح الدین کے ایک بھائی عبدالہادی ایک جلیل القدر بزرگ تھے انھوں نے شمس الدین کی تعلیم کا ذمہ لیا اور ۱۶ برس کی عمر میں انھوں نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کرلی۔ آپ نے بہت سے مقامات کا سفر کیا۔ بدخشاں، تبت کشمیر اور ملتان بھی گئے اور ہزار ہا لوگوں کو مسلمان کیا۔ ۵۸۶ھ میں سبزوار واپس ہوئے۔ ۳۶ سال کی عمر میں شادی کی۔ آپکے دو لڑکے تھے۔ ان دنوں آپ پر مجذوبیت کا رنگ غالب ہونے لگا۔ پھر سیاحت شروع کی تبریز ترکی کے شہر قونیہ، دمشق اور بغداد اور وہاں سے کاظمین گئے۔

ایک دن جذب کی حالت ہی میں جلال الدین رومی (مولانا روم) کے کتب خانہ میں داخل ہوگئے

اور کتابوں کو بت کر پوچھا یہ کیا ہے۔ جلال الدین نے کہا یہ وہ ہے جو آپکی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ شمس تبریز نے وہ ساری کتابیں پانی کے حوض میں پھینک دیں۔ جلال الدین نے کہا یہ کیا ہے۔ تو کہنے لگے یہ وہ ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتا اس کے بعد حوض میں سے سب کتابیں نکال کر دیں جن پر پانی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔ جلال الدین کو اب انکی کیفیت سمجھ میں آئی اور شمس تبریز کی تلاش میں روانہ ہوئے اور پھر انہیں کے ہو رہے۔ لوگ جب کہتے کہ آپ جیسا قابل شخص ایک مجذوب کے تابع ہو گیا ہے تو کہتے ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

لوگوں نے بادشاہ سے شکایت کرکے بغداد سے شہر بدر کرایا اور آپ پھر کاظمین چلے گئے۔

اس دوران میں بادشاہ کا بیٹا شہزادہ محمد سخت بیمار پڑا اور باپ سے کہنے لگا وہ کہاں ہے جسے خدا نے پسند کیا اور گمراہوں نے نکال دیا اور کہتے لگا میں کاظمین جاؤں گا۔ شہزادہ کب مرگ تھا اور بادشاہ نے ایک وفد کاظمین روانہ کرکے آپکی واپسی کی درخواست کی جب شمس تبریز واپس آئے تو شہزادہ بیمار پڑا ہوا تھا انہوں نے دو دفعہ قُم باذن اللہ کہا تو کچھ اثر نہ ہوا اور جب قُم باذنی (یعنی میرے حکم سے اٹھ جا کہا) تو شہزادہ اٹھ بیٹھا۔ لوگوں نے کہا یہ خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اور پھر شہر سے نکال دیا۔ شہزادہ محمد بھی ساتھ ہو گیا۔ کشتی میں سوار ہو کر جانے لگے اور کشتی طوفان میں گھر گئی۔ شمس تبریز نے کہا تمہارے پاس کوئی قیمتی چیز ہے۔ شہزادہ نے کہا صرف ایک لعل ہے۔ کہا پھینک دو۔ جب پھینک دیا تو پانی میں ہر طرف لعل و جواہر نظر آنے لگے۔ ایک جگہ پہنچ کر بھوکے پھرتے رہے۔ کہیں سے ایک گوشت کا ٹکڑا ملا۔ اسکو بھوننا چاہا تو لوگوں نے آگ بھی نہ دی۔ آپ نے وہ ٹکڑا سورج کی طرف بتایا تو سورج نیچے اتر آیا اور اس کے ساتھ ہی شہر میں آگ لگ گئی۔

لوگ آپکی خدمت میں دوڑے اور منت سماجت کی تو آپ نے سورج سے کہا بابا باز برد یعنی

واپس چلا جا تو سورج پھر بلند ہوگیا۔

آپکا سنہ وفات ۱۲۴۷ عیسوی بیان کیا گیا ہے اور موت کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ آپ مولانا روم کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کچھ لوگ باہر آکر اشارہ سے آپکو بلانے لگے۔ مولانا روم نے پوچھا کون ہیں۔ آپ نے کہا یہ میرے قاتل ہیں۔ آپ باہر نکلے تو سات آدمیوں نے جنمیں مولانا روم کا ایک بیٹا علاؤ الدین بھی شامل تھا جو آپ سے حسد کرتا تھا خنجروں اور تلواروں سے آپکو قتل کر دیا اور نعش ایک ویران باؤلی میں پھینک دی۔ خواب میں شمس تبریز نے مولانا روم کے دوسرے بیٹے سلطان سے کہا کہ میری لاش کے ٹکڑے فلاں باؤلی میں ہیں نکال کر میاں کے مدرسہ کے بانی بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دو۔ سلطان نے اُسی طرح دفن کر دیا۔ کچھ دن بعد مولانا کا بیٹا علاؤ الدین جو قاتلوں میں شامل تھا تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا مولانا روم نے جنازہ میں شرکت سے انکار کر دیا کہ مرد حق کا قاتل میرا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ان کرامتوں کی تفصیل یہاں اس

نقطۂ نظر سے درج کردی ہے کہ اندازہ کیا جاسکے کہ مولائے کائنات کے غلاموں کی یہ کرامتیں ہیں تو مولا کے تصرفِ کائنات کا کیا عالم ہوگا۔

ابو حنیفہ کے متعلق شیعہ ہونیکا گمان

بعض لوگوں کی جدید تحقیق کے نتیجہ کی طرف بھی ہم اس موقعہ پر اشارہ کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ "ابو حنیفہ خود شیعہ تھے" اور یہ کہ جو فقہ ابو حنیفہ کے نام سے رائج ہے وہ درحقیقت اُن کی نہیں ہے بلکہ قاضی ابو یوسف کی کارسازی کا نتیجہ ہے اور محمد الحارثی کی مرتب کردہ ہے جس کو معتبر بنانے کیلئے ابو حنیفہ کا نام دیدیا گیا ہے۔

حال ہی میں یعنی ۷ ۱۹۷ء میں ایک کتاب بعنوان "امام ابو حنیفہ شیعہ تھے۔ تاریخی انکشاف" ضیا پریس آرام باغ کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ جس کے مصنّف جناب سیّد محمد مرتضیٰ نقوی اجتہادی ہیں۔ ان کے مندرجہ وجوہات میں سے بعض اہم کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں اور ضمناً بعض تاریخی واقعات کو بھی نوٹ کردیتے ہیں۔ جو اُس زمانہ کے پس منظر کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری نظر سے شیعہ وسُنّی مصنفین کی کتابوں میں بالخصوص دو اقوال ایسے گزرے ہیں جو بجائے خود کافی مشہور بھی ہیں اور اس موضوع میں اہم بھی ہیں۔ وہ یہ کہ جب ابو حنیفہ کا انتقال ہوا تو مشہور اہلِ طریقت بزرگ سفیان ثوری نے جو انکے ہم عصر تھے الحمد للہ کہا اور جب لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو کہا کہ اسلام میں ابو حنیفہ سے بڑھکر کوئی شوم پیدا نہیں ہوا۔ اس نے اسلام کے ظاہر و باطن کو منقلب کرکے رکھ دیا (اس کا ذکر اس کتاب میں دیگر مقام پر بحوالہ اسناد آیا ہے) دوسرا امر یہ ہے کہ اگرچہ ابو حنیفہ کا دو سال حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں رہنا اور آنجناب کی شاگردی اختیار کرنا اور انکا یہ قول کہ دو سال خدمت جعفر صادق میں نہ رہتا تو ہلاک ہوگیا تھا تاریخ کے مسلّمہ واقعات ہیں مگر یہ بھی کتابوں میں مذکور ہوا ہے کہ ابو حنیفہ قیاس پر عمل کرتے تھے اور اس کے متعلق حضرت جعفر صادق نے ابو حنیفہ کو تہدید بھی کی تھی اور فرمایا تھا اوّل من قاس ابلیس یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ اس تہدید کے بعد ابو حنیفہ نے توبہ کرلی اور اپنے خیال کی اصلاح کرلی تھی بعض کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ابو حنیفہ نے قیاس کا قائل ہونے سے انکار کیا اور یہ کہ وہ قیاس کے منکر تھے۔ چنانچہ علّامہ شبلی نعمانی "سیرۃ النعمان" میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے "ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" میں اور محمد ابو زہرہ نے "امام ابو حنیفہ" میں وہ گفتگو نقل کی ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام اور ابو حنیفہ میں ہوئی (شیعہ کتب اور بعض سُنّی کتب میں یہ گفتگو امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہونا درج ہے) جس میں ابو حنیفہ نے قیاس سے انکار کیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو امام جعفر صادقؑ سے ہوئی تھی۔ چنانچہ مولانا اپنی کتاب کے صـ۳۱۳ پر لکھتے ہیں:۔

لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار دیکھا جاتا ہے کہ جب ابو حنیفہ حضرت صادق کو جو ان سے عمر میں تین سال چھوٹے تھے) خطاب کرتے تو کہتے جُعِلتُ فِدَاکَ یعنی میں حضور پر قربان ہو جاؤں"

واضح رہے کہ فقہ حنفی کے نام سے جو فقہ رائج ہے اس میں قیاس ایک اہم اصول ہے اور چونکہ لوگ اسکو ابو حنیفہ ہی کی فقہ سمجھتے ہیں اس لئے یہ عام خیال ہے کہ ابو حنیفہ قیاس کے قائل تھے۔

بہر حال متذکرہ صدر دو اُمور اگر درمیان میں نہ ہوتے (یعنی (۱) سفیان ثوری کا ابو حنیفہ کو اُنکی فقہ میں پیش کردہ مسائل کی بنا پر اسلام کا سب سے بڑا منحوس کہنا اور (۲) یہ عام شہرت جو کسی نہ کسی درجہ سے وثوق کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے کہ ابو حنیفہ قیاس کے قائل تھے اور جو فقہ ان کے نام سے منسوب ہے وہ انھیں کی ہے) تو کئی باتیں جو فاضل محقق مرتضیٰ اجتہادی صاحب نے پیش فرمائی ہیں ایسی لگتی ہوئی ہیں اور واقعات تاریخ سے ان کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انکو سرسری طور پر ٹال دینا یا غلط اور ناقابل قبول کہہ دینا بجا نہ ہوگا۔ اس تحقیق میں جو اُمور پیش کئے گئے ہیں وہ تین تشریحات پر مبنی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ ابو حنیفہ کے اُستاد، ہم نشین اور اقران سب شیعہ تھے اور ابو حنیفہ اُنھیں کے مسلک کے پابند تھے۔ (۲) دوسرے یہ کہ جب کبھی حکومتِ وقت کے ظلم و تعدی کے خلاف آلِ رسول میں سے کسی نے آواز اٹھائی یا خروج کیا تو ابو حنیفہ نے علی الاعلان ان کی تائید کی اور اپنی طرف سے رقمی امداد بھی گزرانی اور اہلبیت کی ہواخواہی میں زبان کھول اور اس بات پر حکومت کی سختی برداشت کرکے تازیانے کھائے اور قید میں انتقال کیا۔ (۳) تیسرے یہ کہ ابو حنیفہ نے فقہ میں یا تو کوئی کتاب لکھی ہی نہیں اور اگر لکھی بھی تھی تو دوسروں کی ہزاروں کتابوں کی طرح وہ بھی ضائع ہو گئی اور مسند ابو حنیفہ کے نام سے جو کتاب ہے وہ درحقیقت انکی نہیں ہے بلکہ ابو حنیفہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد محمد الحارثی نے ایک فقہ مرتب کرکے ابو حنیفہ کا نام اس کو دیدیا نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی ہدایت پر قاضی ابو یوسف نے فقہ اہلبیت کے خلاف مسائل فقہ بیان کرکے اُنھیں ابو حنیفہ سے منسوب کر دیا۔

اب ہم متذکرہ صدر تینوں اُمور میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ وضاحت کرتے ہیں:۔

۱۔ ابو حنیفہ کے اقران شیعہ تھے

علامہ ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کے اجداد کابل کے رہنے والے تھے حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں گرفتار ہو کر آئے اور مسلمان ہو کر کوفہ میں رہنے لگے۔ ثابت پدر ابو حنیفہ کوفہ میں پیدا ہوئے ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت) عبد الملک بن مروان کی حکومت کے زمانے میں پیدا ہوئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مسلک کے پابند تھے اور حماد ابراہیم نخعی اور علقمہ کے سلسلہ کی روایت کرتے تھے جو تینوں شیعہ تھے۔

شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ میں زہری سالم و عبداللہ کے ذریعہ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ اسکے مقابلہ میں حماد نخعی اور علقمہ کا نام لیتے ہیں۔ ابوحنیفہ نے کہا میرے رواۃ آپکے رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ صاحب منتہی المقال لکھتے ہیں کہ حماد علماء شیعہ میں سے تھے قتیبہ معارف میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعی مشاہیر شیعہ میں سے تھے۔ عبدالکریم شہرستانی الملل والنحل میں لکھتے ہیں کہ علقمہ مشاہیر شیعہ میں تھے

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب معجم کے حوالہ سے "ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں لکھتے ہیں: ایک دن ابوحنیفہ اور ابن المعتمر کو دیکھا کہ چپ چاپ باتیں کر رہے اور رو رہے ہیں، لوگوں نے پوچھا کس بات پر رو رہے ہیں تو فرمایا باہم ذکر کر رہے ہیں اہل زمانہ اور اہل باطل کے غلبہ کا اہل خیر پر ابن المعتمر بھی شیعہ تھے۔ ابن قتیبہ نے معارف میں اُن کی شیعیت کی تصریح کی ہے

ابوحنیفہ کے اوران ابراہیم نخعی، حماد اور علقمہ نے حضرت علی کے ارشادات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ جسکا ماخذ حدیث نبوی، ارشادات علی اور عبداللہ ابن مسعود کے فتاویٰ تھے۔ سب سے زیادہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے نخعی کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ ابراہیم کے مرنے پر فقہ کی مسند حماد کو ملی۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا اور فقہا اور لوگوں نے انکی جگہ ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھا دیا۔ ابوحنیفہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حماد کے شاگرد اور جانشین اور متذکرہ صدر مجموعۂ فتاوی کے حامل تھے۔

مشہور تابعی عطا ابن رباح مکی نے ابوحنیفہ سے ان کے عقائد دریافت کئے تو انھوں نے جواب دیا میں وہی عقیدہ رکھتا ہوں جو زیدی شیعوں کا ہے یعنی میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ اشتراک تشیع (یعنی خلفاء ثلاثہ سے بیزاری) کی وجہ سے وہ بہ نسبت دوسرے اسلامی فرقوں کے فرقہ شیعہ سے اپنے کو قریب تر سمجھتے تھے اور ان کی حمایت کیلئے تیار رہتے تھے۔

شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں ایک روایت درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ حضرت عمر بن خطاب کو ظالم سمجھتے تھے۔ ان کی روایت یہ ہے:

"امام صاحب (ابوحنیفہ) کے محلہ میں ایک پسنہارا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا۔ اس کے پاس دو خچر تھے۔ اُسنے بغض کی بنا پر ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے وہ مرگیا۔ محلہ میں اسکا چرچہ ہوا امام ابوحنیفہ نے سُنا تو کہا دیکھنا اسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام عمر رکھا گیا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔"

۲- ابوحنیفہ نے ہمیشہ آل رسولؐ کی تائید میں آواز اٹھائی

تاریخ سے یہ امر منکشف ہے کہ ابوحنیفہ حضرت زین العابدین علیہ السلام کو امام مانتے تھے اور ان کے ہاتھ بیعت کی تھی اور ان کے فرزند حضرت زید بن امام زین العابدین علیہ السلام کو امام مانتے تھے اور ان کے خروج کو رسول اللہ کے

خروج سے تشبیہ دیتے تھے اور ان کی مالی اعانت کی تھی اور ان کی شہادت کے بعد ذکر شہادت کر کے روتے تھے۔
محمد ابوزہرہ اپنی کتاب (امام ابوحنیفہ کے صـ۳۵ پر لکھتے ہیں)۔

"جب زید بن علی زین العابدین نے ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا کہ یہ خروج رسول اللہ کی جنگِ بدر سے مشابہ ہے اس کے بعد ابوحنیفہ نے زید کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے اور پیغام رساں سے کہا کہ ان کی خدمت میں میرا عذر کر دینا۔ زید اس جنگ میں شہید ہوئے اس کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ نے خروج کیا اور وہ بھی شہید ہوئے اس کے بعد ان کے پوتے عبداللہ نے یمن میں بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان الحمار کے سپہ سالار سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔

۱۳۰ھ میں بنو عباس کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ کوفہ کے گورنر یزید بن عمر نے ابوحنیفہ کی زبان بند کرنے کی غرض سے چاہا کہ انکو قاضی یا خزانہ کا نگران مقرر کرے لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور قید کر لئے گئے اور کوڑے بھی لگوائے گئے رہائی کے بعد وہ مکہ کی طرف چلے گئے اسی سلسلہ کی روایت یہ بھی ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے ابوحنیفہ کو اس بنا پر قید کر دیا کہ انھوں نے قاضی بننے سے انکار کر دیا۔ منصور نے انھیں ایک سو دس تازیانہ کی سزا دی اور قید کر دیا پھر رہا کر کے حکم دیا کہ دارالخلافہ سے دور قیام کریں اور جس قسم کے احکام ان کے پاس بھیجے جائیں ان کے موافق فتوے دیا کریں۔ جب منصور نے بعض مسائل بھیجے تو ابوحنیفہ نے فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔ منصور نے انھیں دوبارہ قید کر دیا۔ قید ہی میں ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہو گئی۔

۱۴۵ھ میں خلیفہ ابوجعفر منصور کی حکومت کے خلاف محمد بن عبداللہ بن حسن علیہ السلام المعروف بہ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے خروج کیا اس وقت ان کے والد عبداللہ بن حسن قید تھے اور اپنے دونوں صاحبزادوں کی شہادت کے بعد قید میں انھوں نے وفات پائی"۔

مولانا مناظر احسن گیلانی "ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" صـ۲۶۱ پر لکھتے ہیں محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کی شہادت بیان کر کے ابوحنیفہ رو دیا کرتے تھے۔

امام مالک ابن انس نے بھی محمد نفس ذکیہ کی حمایت میں خروج کا فتویٰ دیا اور اس بنا پر ان کو بھی تازیانہ کی سزا دی گئی۔ ابوحنیفہ تو اپنے حلقۂ درس میں علی الاعلان نفس ذکیہ کی حمایت کیا کرتے تھے انکی تلقین سے متاثر ہو کر خلیفہ منصور کے سپہ سالار حسن بن قحطبہ نے نفس ذکیہ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔

واقعہ کربلا کے بعد اہلبیت کو خلافت نہ ملنے کے نتائج کو مسلمانوں نے دیکھا تھا۔ انھیں آلِ رسولؐ سے ہمدردی ہو گئی۔ بہت سی سیاسی تحریکیں آل محمدؐ کی خلافت کے نام سے قائم ہو گئیں ان میں کی ایک تحریک شیعوں کی تھی جسکی غرض بنو امیہ کا استیصال اور آلِ محمدؐ کی خلافت تھا۔ اس کے ایک قائد ابومسلم

خراسانی تھے انھوں نے امام جعفر صادق کے پاس وفد بھیجا کہ وہ خلافت منظور کر لیں۔ وفد کو یہ ہدایت کی گئی کہ حضرت صادق کے انکار کی صورت میں عبداللہ محض ابن امام حسنؑ سے عرض کرے اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو عمر الاطرف بن امام زین العابدینؑ سے خواہش کرے ان سب نے انکار کر دیا کہ ملوکیت پوری طرح چھا چکی ہے اور ہمارا سیاسی استحصال کیا جائیگا۔ اس کے بعد لوگوں نے ابو العباس صفاح کو ہاشمی سمجھکر اختیار کر لیا جو بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہوا۔ یہ ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے۔ صفاح نے غم حسینؑ میں اپنا لباس سیاہ قرار دیا اور انتقام خون حسینؑ کے نام سے بنو اُمیہ کا قتل عام کیا۔ جسکا مقصد بنو اُمیہ کے خطرہ سے نجات پانا تھا۔ جب حکومت استوار ہو گئی تو اہلبیت رسولؐ اور ان کے شیعوں پر سختی شروع کی جس سے شیعہ مخالف ہو گئے۔ انہیں میں امام ابو حنیفہ بھی تھے۔

۳- جو فقہ ابو حنیفہ کے نام سے رائج ہے وہ درحقیقت اُنکی نہیں ہے بلکہ محمد الحارثی کی مرتب کردہ ہے اور قاضی ابو یوسف کی کار پردازی بھی اسمیں شامل ہے

امام شافعی نے مناقب شافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی علامہ شبلی سیرۃ النعمان کے صـ۱۴۳ تا صـ۱۵۱ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ البالغہ کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ :-

"طبقہ اربعہ کی وہ کتابیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو پہلے دو طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا۔ بے شبہ ہماری رائے ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تعجیل المنفعت میں لکھتے ہیں کہ "مسند ابو حنیفہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے موجودہ مسند محمد الحارثی نے جمع کی ہے۔ ان ہی کتابوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف جو مسائل فقہ منسوب اور فقہ اہلبیت کے خلاف ہیں وہ قاضی ابو یوسف کی ذہنی تراش خراش کا نتیجہ ہیں جو حکومت کی مرضی سے انھوں نے بغرض اختلاف بنائے ہیں اور ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں ابو یوسف جو معاشی پریشانی سے تنگ آچکے تھے اور اپنی بیوی کے گھر کی ٹاٹ فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے خلیفہ مہدی سے جا کر ملے جو منصور کے بعد خلیفہ ہوا اور عہدہ کی خواہش کی اس نے پہلے مشرقی بغداد کا انھیں قاضی بنایا۔ حکومت سے وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ عہدہ میں ترقی ہوتی گئی انکا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک مکمل فقہ تیار کر دی اور اسکو معتبر بنانے کیلئے ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیا اور فقہ حنفی وجود میں آکر حکومت عباسیہ کا قانون بن گئی اور پانچسو برس تک اسکو حکومت کی سرپرستی حاصل رہی اور اسوجہ سے کثیر مسلمان اس کے پیرو ہو گئے ورنہ ابو حنیفہ کی

نہ کوئی فقہ ہے اور نہ وہ کسی مدرسۂ فقہ کے بانی تھے"۔ مورخ ابن خلکان کہتا ہے کہ "امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ ابو یوسف نے حکومت کی تائید میں فتوے دیکر کروڑ ہا روپیہ کی دولت کمائی۔ ان کے اصطبل میں تین سو گھوڑے اور سات سو خچر تھے"۔

علامہ شبلی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں:- "امام صاحب (ابو حنیفہ) کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں: فقہ اکبر، العالم والمتعلم، مسند۔ جو لوگ امام کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مذکورہ بالا کتابوں کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصانیف کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ مرتب ہو گیا تھا جس کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا"۔ محمد ابو زہرہ جو جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے ہیں۔ اپنی کتاب ابو حنیفہ کے صفحہ ۲۳۵ پر لکھتے ہیں "امام صاحب کی فقہ کی معرفت اور ادراک نہایت کٹھن منزل ہے۔ کیونکہ انہوں نے فقہ میں از خود کوئی کتاب نہیں لکھی" صفحہ ۲۳۳ پر وہ مزید لکھتے ہیں "یہ بتایا جا چکا ہے کہ فن فقہ میں امام صاحب کی کوئی تالیف موجود نہیں ہے۔ یہ بات امام کے عہد و رواج دار و رح کے عین مطابق ہے۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کے حوالہ سے محمد ابو زہرہ مزید لکھتے ہیں "حسن بن زیاد لولوی کی روایت کو شیخ قاسم بن قطلو بغا نے بروایت حارثی جمع کر کے اسکا نام مسند رکھدیا ہے جو دو جلدوں میں ہے اس پر قاسم بن قطلو بغا کے حواشی بھی درج ہیں۔ امام کی فقہ سے متعارف ہونے کا ذریعہ صرف تلامذہ ہیں اور ان کے تلامذہ کے قیاس و استحسان کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف قائم نہیں ہوتی۔ ان کے تلامذہ نے اس سے کام لیا"۔ ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد امام محمد کی کتاب دیکھی جاتی ہے تو شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مقام آتا ہے جہاں قیاس کی علت بیان کی گئی ہو تو پھر امام کے وہ استحسانات کہاں گم ہو گئے۔ اگر ابو حنیفہ قیاس و استحسان کے قائل ہوتے تو ان کے شاگرد ابو محمد کی کتاب میں بھی اس کا عکس آتا۔

شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: "قیاس کی تقدیم بعض علماء حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

سطور بالا میں ہم نے فاضل محقق جناب مرتضیٰ اجتہادی کی پیش کردہ دلائل کا خلاصہ معہ تاریخی پس منظر کے پیش کر دیا ہے۔ اس سے ناظرین اپنا نتیجہ خود نکال سکتے ہیں۔

رحلتِ رسول کے بعد وابستگانِ علی کی تعداد

زیادہ سے زیادہ تعداد جو کتب حدیث و تواریخ میں آئی ہے وہ چوالیس ۴۴ ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت سلمانِ فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار یاسر۔ مقداد کندی۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ حذیفہ یمانی۔ ابو ایوب انصاری۔ اویس قرنی۔ بلال مؤذن رسول۔ قنبر۔ سعد بن عبادہ۔ خزیمہ انصاری ذوشہادتین۔ عبداللہ ابن جعفر طیار۔ عبداللہ ابن عباس۔ عقیل بن ابو طالب۔ کمیل بن زیاد۔ مالک ابن اشتر۔ محمد بن ابوبکر۔ محمد ابن ابی حذیفہ۔ میثم بن یحییٰ تمار۔ حجر ابن عدی۔ رشید ہجری۔ سلیمان بن صرد خزاعی۔ سہیل ابن حنیف۔ عثمان بن حنیف۔ حارث بن عبداللہ۔ ابودجانہ۔ قیس ابن عاصم۔ مالک ابن نویدہ۔ عاصم بن نویرہ۔ اصبغ بن نباتہ۔ زید بن صوحان۔ ابوالاسود دوئلی۔ عبداللہ بن طلحہ۔ عبداللہ بن بدیل۔ عبداللہ بن خباب۔ عدی بن حاتم طائی۔ عمر بن حمق۔ ہاشم بن عقبہ۔ خالد بن سعید اموی۔ زید ابن حارثہ۔ بریدہ اسلمی۔ ابی بن کعب۔ ابوہیثم ابن تیہان انصاری۔ بعض دیگر نے عمر بن سعید اور عمران ابن حصین کے نام بھی لکھے ہیں۔

مولائے کائنات کے فضائل کو چھپانے کی بعض حالیہ کوششیں

حضرت رسول کے انتقال کے بعد سے خصوصاً اور یوں تو حیاتِ رسول میں سے اہلبیت علیہم السلام کے خلاف محاذ قائم ہو چکا تھا اور فضائل اہلبیت کو چھپانے اور ان کی تنقیص شان کے مختلف ذرائع اختیار کئے جا رہے تھے۔ حدیث رسول بلکہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے پر بھی امتناع عائد کیا جا چکا تھا۔ ان امور کی بعض تفصیلات ہم علیٰحدہ درج کر چکے ہیں۔ مسلمہ امر ہے کہ اہلبیت رسول کے فضائل کو دوست و دشمن دونوں ہی نے چھپایا۔ دوست یوں چھپاتے رہے کہ دوستدارانِ علی کے گلے کاٹے جا رہے تھے اور دشمن تو بغض علی کی بناء پر۔ زمانہ نے کروٹ لی اور دوستدارانِ اہلبیت پر اب کھلے ہوئے ظلم کے لئے فضا ویسی سازگار نہ رہی (یوں تو اب بھی بعض ممالک میں متوسلین خانوادۂ رسولؐ کی مخالفت اور بیخ کنی کی کوشش جاری ہیں اور اس میں پٹرو ڈالر کے بھی خوب وارے نیارے ہیں) ان کے علاوہ بھی بعض سنی اہل قلم نے فضائل اہلبیت اور بالخصوص فضائل علی پر پردہ ڈالنے کیلئے ایک نیا محاذ کھول رکھا ہے۔ ہم محض اظہارِ واقعہ کیلئے ایک دو مثالیں دیں گے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی جو فرانس میں مقیم ہیں اور انگریزی اور اردو میں اسلامیات پر خامہ فرسائی کرتے رہتے ہیں یہ دیکھنے میں آیا کہ جہاں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کے ذکر کا موقعہ آتا ہے اور فضائل بھی وہ جو متعدد مستند سنی کتب میں مذکور ہیں

تو ڈاکٹر صاحب کا قلم ناقابلِ فہم طریقہ پر رک جاتا ہے۔ مثال کے طور پر BATTLES OF THE PROPHET (غزواتِ رسول) ان کی ایک کتاب ہے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ کے ہر غزوہ میں ذوالجلال اسد اللہ الغالب کی محیر العقول شجاعت اور فتحمندی پر خود حضرت رسول کی زبان سے بارہا مدح و ثنا نکلی فرشتوں نے آسمان سے گواہی دی اور قرآنی آیات بھی نازل ہو گیا۔ حمید اللہ صاحب نے کسی غزوہ میں بھی شیرِ خدا کا ذکر کرنا پسند نہیں کیا۔ غزوۂ خیبر کے متعلق تو سرے سے ایک لفظ بھی نہ لکھا۔ جنگِ اُحد میں لشکرِ کفار کے دس علمدار طعمۂ ذوالفقار حیدری ہوئے تھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے دس علمدار مارے گئے۔ کفار کے لشکر کی ایک عورت کا نام بھی لکھا جس نے کفار کا علم اٹھا لیا تھا۔ مگر دامنِ علی تک ان کا ہاتھ نہ پہنچ سکا۔ جنگِ خندق میں ایک شہرہ آفاق پہلوان عمر ابن عبدود کو شیرِ خدا کا تہ تیغ کرنا ہر مستند کتاب میں درج ہے۔ یہاں حمید اللہ صاحب نے اس کا اخفا کر کے ایک تنقیصی پیرایہ میں علی کا ذکر کیا کہ ایک شخص اتفاقاً خندق میں گر گیا تھا تو اس گرے ہوئے مجبور شخص کا علی نے گلا کاٹا۔ حالانکہ یہ مسلمہ ہے کہ شیرِ خدا کسی مجبور پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہیں کرتے تھے۔ بعض مشہور پہلوان بھی شیرِ خدا سے تابِ مقاومت نہ پا کر جان بچانے کیلئے اپنے کو برہنہ کر لیتے تو مولائے منہ پلٹا لیتے اور لشکریوں کے کہنے پر بھی کہ یہ مسلمانوں کو ستانے والے بڑے ظالم ہیں ان کو نہ چھوڑئے تو فرماتے کوئی ہوں میرے سامنے سے گم ہونے دو۔ ایسے عدیم المثال بہادر کے مشہور کارنامہ کو چھپا کر ایک مجبور کا گلہ کاٹنے کا معترضانہ بیان حمید اللہ صاحب ہی کو مبارک ہو۔

اپنی کتاب INTRODUCTION TO ISLAM کے صفحہ ۲۳۶ پر ORTHODAX CALIPHS (یعنی خلفائے راشدین) کا ایک عنوان قائم کر کے حمید اللہ صاحب نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے واقعات بیان کئے مگر یہاں بھی علی کا ذکر تک نہ کیا اور یک لخت بنو اُمیہ کے ذکر پر اُتر آئے۔

یہ تنقید ہم نے طوعاً و کرہاً مگر ضرورتاً اس لئے کر دی ہے کہ آجکل کے نوجوان اخفائے فضائلِ علی کی کوششوں سے ناواقف نہ رہیں۔

اب ایک دو اور مثالیں دیکھئے۔ حیاۃ محمد علامہ محمد حسین ہیکل کی مشہور کتاب ہے جسکے سنہ ۱۳۵۲ھ تک کے ایڈیشن مطبوعہ قاہرہ میں دعوت ذوالعشیرہ کے سلسلہ میں حضرت رسول کا علی کے متعلق "اخی و وصی و خلیفتی فیکم" (یعنی تم لوگوں میں علی میرا بھائی وصی اور میرا خلیفہ ہے)

کے الفاظ موجود ہیں جس کی اصل کتاب سے زیراکس کاپی عزیزہ محترم باقری عسکری صاحب نکال کرلائے ہیں مگر اس کے بعد کے ایڈیشنوں میں علی مرتضیٰ کے متعلق یہ الفاظ غائب کر دیئے گئے ہیں۔ اسیطرح دیگر کثیر کتب اہلسنت بشمول تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۷ پر دعوت ذو العشیرہ کے سلسلہ میں حضرت علی مرتضیٰ کے متعلق ارشادِ رسول اخی ووصی وخلیفتی موجود ہے مگر حال ہی جرمنی میں جو تاریخ طبری چھپوائی گئی ہے اس کی جلد ۹ صـ۶۰ پر "وصی وخلیفی" کے الفاظ نکال کر "کذا وکذا" یعنی وغیرہ وغیرہ درج کیا گیا ہے۔

ارباب فہم اِن کوششوں کے درپردہ مقاصد کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں ہم نے اپنی اس کتاب کی جلد اول باب سوم کے صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۰ میں دعوتِ عشیرہ کے موقعہ پر حضرت علی مرتضیٰ کے رسول اللہ کے اخی' وزیر' وصی اور خلیفہ قرار دیئے جانے کے متعلق گیارہ مستند سنی کتب اور کئی انگریزی کتابوں کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ یہاں ہم انکو کچھ اور اضافہ کے ساتھ یکجا طور پر درج کردیتے ہیں: ملاحظہ ہوں۔ تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۷ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۲۲ لباب التاویل جلد ۵ صـ۱۰۶ تفسیر معالم التنزیل حاشیہ خازن جلد ۶ صـ۱۰۵ خصائص نسائی صـ۱۳ مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ صـ۳۳۱ کنز العمال جلد ۶ صـ۳۹۷ ازالۃ الخفا حصہ سوم صـ۲۷۶ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صـ۱۶۰ البدایہ والنہایہ جلد ۳ صـ۴۰ مستدرک امام حاکم جلد ۳ صـ۱۳۳ منہاج السنۃ جزو ۴ صـ۸۰ تاریخ الاسلام جلد ۱ صـ۳۱۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ صـ۳۷ ریاض النضرہ جزو ۲ باب ۲ فصل ۶ صـ۱۶۸ و ۲۰۳ کفایۃ الطالب باب ۵ صـ۸۸۔ روضۃ الندیہ صـ۵۳ نزل الابرار صـ۱۶ روضۃ الصفا جلد ۲ صـ۲۷۸ تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر جلد ۱ صـ۴۴ سیرت ابن اسحاق تفسیر ابن ابی حاتم۔ دلائل بیہقی۔ مناقب احمد مصنفہ ابوبکر ابن شیبہ۔ تاریخ خمیس تفسیر ابوبکر ابن مردویہ۔ تفسیر سراج منیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ حلیۃ الاولیا حافظ ابونعیم۔ ذخیرۃ المال عجلی۔ مختارہ ضیا۔ مقدسی۔ تہذیب الآثار۔ استقصار عاصمی۔ معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ ان کے علاوہ یورپین مورخین گبن' کارلائل' ڈیون پورٹ' اوکلی' واشنگٹن ارونگ وغیرہ نے بھی ذو العشیرہ کے موقعہ پر حضرت علی مرتضیٰ کا اخی' وزیر' وصی وخلیفۂ رسول قرار پانا اپنی کتابوں میں بصراحت لکھا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب کے حصہ اول صـ۱۰۸ و صـ۱۰۹ پر کچھ انگریزی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ پر شاہد صدیقی کا طنز

جناب عبدالمتیں صاحب صدیقی جو شاہد صدیقی کے نام سے معروف تھے نہایت ذہین اور طباع ہونے کے ساتھ شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ اخبار سیاست میں یہ شیشہ وتیشہ کا کالم بھی تحریر کرتے تھے۔ سالار جنگ میوزیم کے کتب خانہ کی جب تنظیم ہوئی تو شعبۂ عربی وفارسی کے انچارج شیعہ عالم مولانا سید ریاض الدین حیدر صاحب جعفری مقرر ہوئے اور جناب شاہد صدیقی شعبۂ اُردو کے انچارج بنائے گئے۔ انتظامی عہدہ دار و اسٹاف علحدہ تھا۔ جب اہالیانِ کتب خانہ کی بعض کمزوریوں پہ نظر ہی پڑی تو شاہد صاحب نے شیشہ وتیشہ کے کالم میں اِن کی خوب خبر لی۔ مولانا ریاض الدین حیدر صاحب کے متعلق جن سے شاہد صاحب کا خاص ربط تھا اتنا ہی لکھا کہ یہ تمام کتابوں کے علم سے اپنی جھولی بھرنے سے کبھی نہیں چُوکتے (مولانا نے وہاں کی کتابوں سے کئی ہزار صفحے کے نوٹ مرتب کئے تھے) اہالیان کتب خانہ نے شیشہ وتیشہ کا کالم پڑھکر شاہد صاحب کا بائیکاٹ کیا اور ایک جگہ جمع ہوکر مشورہ کیا کہ کس طرح ان کو نقصان پہنچایا جائے۔ دوسرے دن شاہد صاحب حسب عادت مولانا ریاض الدین حیدر صاحب کے کمرہ میں پہنچے اور کہا کہ مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ آپ اس سقیفۂ بنی ساعدہ کے اجتماع میں ہرگز شریک نہیں ہوسکتے۔

اسلام میں غیر مسلمانِ عادل کا مقام

غیرمُسلمانِ عادل کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مختلف اُمور پر نظر ڈالنا ضروری ہوگا جو بالواسطہ بھی اثر انداز ہوسکتے ہوں۔ ارشادِ خداوندی اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران آیت ۱۸) کے اعتبار سے سچّا مذہب صرف اسلام ہی ہے اور ہر زمانہ کے پیغمبر نے اسلام ہی کی تبلیغ کی۔ خواہ وہ حضرت آدم ونوح وابراہیم ہوں یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ یا پھر حضرت ختمی مرتبت رحمت اللعالمین۔

دُنیا کے ہر حصّہ میں پیغمبر آئے اور ہندوستان میں جس کی تاریخ وتمدن نہایت قدیم ہے یقیناً پیغمبر مبعوث ہوئے۔ بعض محققین کی ریسرچ کے بموجب سری کرشن جی راجہ چندر جی اور گوتم بدھ پیغمبر ہی تھے انھوں نے اعلیٰ کردار بخشش کیا حق کا پرچار کیا اور ان کی کتاب یا اقوال میں حضرت ختم المرسلین اور حضرت علی مرتضیٰ اور دوازدہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے متعلق پیشنگوئیاں موجود ہیں ان ذوات قدسیہ کے آنے کی خبر کئی ہزار برس پہلے دینے والے یقیناً سچے ہی ہوسکتے ہیں مختلف پیغمبروں یا اُمّتوں کے نام سے مذاہب مشہور ہوگئے مثلاً یہود ونصاریٰ کا

مذہب یا ہندو دھرم یا دینِ محمدی یا اسلام۔ ہر مذہب میں عبادت یا عمل نیک کے کچھ بنیادی اُصول مشترک نظر آتے ہیں مثلاً ظلم سے پرہیز، انصاف پر عمل اور خلقِ خدا کی خدمت اسلام نے تو اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھ چڑھ کر ظاہر کیا ہے۔

اِس زمانہ کے اعتبار سے گفتگو کیجائے تو مکمل دینِ حق یعنی اسلام اختیار کرنے کے لئے ہر شخص کی انفرادی سمجھ، علم، ذرائع و مواقعِ معلومات یا مختصر لفظوں میں مستطیع تحقیق یا غیر مستطیع تحقیق ہونے کا بھی بڑا دخل ہے۔ مثلاً کسی شہر کے تعلیم یافتہ ذی حیثیت شخص کو جو مواقع حاصل ہیں وہ ملک کے اندرونی گوشوں میں رہنے والے قبائیلیوں یا آفریقہ کے مسائی یا داکمبا کو حاصل نہیں ہیں یا اپنے نفس کی طاقت ہی کسی فیصلہ کی بنیاد ہوسکتی ہے اور اگر کوئی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے تو اسکو معاشرہ سے کٹ جانے یا معاشی مشکلات میں گرفتار ہوجانے کے خطرات اور شرمِ حضوری کا لحاظ بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتے ذیل میں شاید میں کچھ غیر مربوط یا مبہم ہی سی تصویر پیش کرسکوں مگر صاحبانِ فکر کیلئے یہ غور کی اساس ضرور بن سکتی ہے۔

حضرت ختمی مرتبت کی بعثت سے پہلے جو کوئی بھی توحید کے ساتھ اپنے زمانہ کے پیغمبر اور اس کی ہدایات پر ایمان رکھتا تھا وہ مسلمان ہی تھا۔ بعثت ختمی مرتبت کے بعد کے زمانہ میں مسلمان ہونے کے لئے عدلِ خداوندی، امامت و قیامت کے علاوہ توحید اور حضرت ختمی مرتبت کی نبوت پر ایمان شرطِ اول ہے پھر ایمان اور اسلام میں بھی فرق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قرآن سورۂ حجرات آیت ۱۴ میں ہے:۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط یعنی، عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے رسول) کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے حالانکہ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اِس اعتبار سے غیر مسلمانِ عادل کے متعلق غور کرنے میں مومن ہونے کی شرط عائد نہ ہوگی۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا صرف موحد کو مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث یہ بیان کی گئی ہے کہ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا (یعنی لَا اِلٰهَ الا اللہ کہو اور فلاح پاؤ) گو کہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہے یا نہیں۔ بہت سے ہندو اصحاب خصوصاً تعلیم یافتہ ایک ہی خدا پر ماتما، ایشور یا بھگوان پر ایمان رکھتے ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ ایک سے زائد جو نام لئے جاتے ہیں وہ ایک ہی بھگوان کے مختلف روپ اور مختلف مندروں کی مورتیاں محض اُس کی طرف اشارہ کرنے والی علامتیں ہیں۔ دو خداؤں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہاں بھگوان تفصیلات پر غور کرنا نہیں ہے اور دیکھنا صرف یہی ہے کہ جو کسی معنی میں بھی مسلمان نہ ہو مگر عادل ہو۔ اسلام میں اسکا کیا مقام ہے۔

سیدھی سادھی زبان میں عدل کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص کسی پر ظلم نہ کرے اور ہر معاملہ میں انصاف سے کام لے وہ عادل ہے۔ خود اپنے نفس پر ظلم کا مطلب گوناگوں پیچیدگیوں سے مملو ہے جو ہر شخص کی سمجھ بوجھ، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت و عقل کے حدود اور علم کے ذرائع کا تابع ہے۔ قرآن کریم میں مختلف ہدایتیں اور وضاحتیں آئی ہیں جنکی روشنی میں ہم اس مسئلہ کا حل دریافت کرنے کی پیش رفت کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ میں نیز دیگر مقامات پر ارشاد ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا سورۂ شمس کی آیت ۷ و ۸ میں اہم ارشاد ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ؕ یعنی قسم ہے جان کی اور جس نے اُسے درست کیا۔ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری کو اُسے سمجھا دیا۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ میں ارشاد ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یعنی جبتک ہم رسول بھیج کر (حجت تمام نہ کریں) کسی پر عذاب نہیں کرتے۔ سورۂ قصص کی آیت ۵۹ ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا یعنی: جبتک تمہارا پروردگار اُن کے گاؤں پر اپنا پیغمبر نہ بھیج لے اور وہ اُن کے سامنے ہماری آئیتیں نہ پڑھ لے اسوقت تک بستیوں کو برباد نہیں کرتا۔ سورۂ ابراہیم آیت ۴ ہے:۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ یعنی ہم نے جب کبھی کوئی پیغمبر بھیجا تو اُسکو اُسکی قوم کی زبان میں باتیں کرتا ہوا تاکہ اس کے سامنے ہمارے احکام بیان کر سکے۔ سورۂ نحل کی آیت ۳۶ ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر اُمت میں رسول اس بات کیلئے ضرور بھیجا کہ لوگو! خدا کی عبادت کرو اور بتوں سے بچتے رہو۔ سورۂ انعام کی آیت ۱۹ ہے:۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (رسول اللہ نے فرمایا) میرے پاس قرآن وحی کے طور پر اسلئے نازل کیا گیا تاکہ میں تمہیں اور جسے اس کی خبر پہنچے اُس کے ذریعہ ڈراؤں۔ سورۂ طٰہٰ کی آیات ۵۰ تا ۵۲ میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا مکالمہ اس طرح مذکور ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ؗ

(حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا کی اور ہدایت کی (فرعون نے) کہا بھلا اگلے لوگوں کا حال بتاؤ (یعنی جن تک ہدایت نہ پہنچی (موسیٰ نے) کہا اسکا علم اللہ کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا پروردگار نہ بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں تک ہدایت نہ پہنچ سکی ان کے عذاب و ثواب کے حکم کا علم اللہ ہی کو ہے۔

ظلم کی ضد عدل ہے۔ ظلم کی برائی اور اس سے پرہیز کی ہدایت اور عدل کی خوبی اور اس پر عمل کی فہمائش ارشادات باری اور فرمودات رسالت میں جا بجا ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ارشاد باری ہے۔ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورہ النساء آیت ۵۸) یعنی جب تم لوگوں کے درمیان حکم کرو تو عدل کے ساتھ حکم کرو۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴۲ میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ یعنی اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ارشاد رسول ہے ایک ساعت کا عدل ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے علماء اولیاء اللہ کی قلیل مدت کی صحبت سو سال کی عبادت سے بہتر ہے جسکو کسی نے شعر کی شکل میں اس طرح پیش کیا ہے

یک زمانہ صحبتے با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ظاہر ہے کہ علماء و اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے کو اس لئے بہتر قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اُن سے بہت سی اچھی باتیں آداب اخلاق نیکیوں کی راہ پر چلنا سیکھ سکتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ بھی قابل غور ہے جس میں نیکیوں کی مختلف اشکال بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اصل نیکی یا روح نیکی کیا ہے۔ آیت یہ ہے:-

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ:- نیکی ہرگز صرف یہی نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو خدا اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں، محتاجوں، پڑوسیوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام (کے آزاد کرانے) میں صرف کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور جب کوئی عہد کرے تو اپنے قول کو پورا کرے اور فقر و فاقہ رنج و سختی اور کٹھن ساعت میں ثابت قدم رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو (ایمان کے دعوی میں) سچے نکلے اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

اسی طرح سورہ آل عمران آیت ۹۲ میں ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ یعنی تم نیکی تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے راہ خدا

ہیں خرچ نہ کرد۔ سورۂ عصر میں ارشاد ہے کہ ہر انسان گھاٹے ہی میں ہے۔ جب تک ایمان اور عمل نیک کے علاوہ وہ حق بات کی نصیحت نہ کرے اور صبر کرنے کی تلقین نہ کرے۔

معلوم ہوا کہ محض نماز پڑھ لینا یا دوسری عبادتیں کر لینا ہی نیکی نہیں ہے بلکہ اصل نیکی ان امور پر مبنی ہے جو خلق خدا کی خدمت کی طرف منجر ہوں۔ جیسے کسی نے کہا ہے ؎

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست　　　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

فلسفیوں کا نظریہ اس طرح ہے: اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی ؎ نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق (اقبال)

حضرت انیس فرماتے ہیں ؎ خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم ؎ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

حضرت سعدیؒ کا قول ہے:۔ آزردن دلِ دوستاں جہل است و کفارۂ یمین سہل۔

پروردگارِ عالم نے حقوق اللہ یعنی اپنے حقوق سے زیادہ حقوق العباد یعنی بندوں کے حق کو اہمیت دی ہے۔ اور اس طرح جو بندوں کے حق کو پورا کرے وہ فائز المرام ہے۔

بحرِ مواجیست دُنیا در طلاطم حق العباد
اے خوشا مردیکہ تا ساحل ازیں طوفاں رسید

ظلم کی قباحت کو اللہ تعالیٰ نے لعنت اللہ علی الظالمین کہکر ظاہر فرما دیا ہے۔

ارشادِ رسول ہے:۔ اللہ تعالیٰ شرک کو بھی برداشت کر لیتا ہے مگر ظلم کو برداشت نہیں کرتا۔

یعنی اپنے حقوق پر بندوں کے حقوق کو ترجیح دیتا ہے۔ عام عقل کی روشنی میں بھی ظلم کو بدتر سے بدتر گناہوں سے زیادہ قبیح قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ کسی نے شاعرانہ پیرایہ میں بیان کیا ہے ؎

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکنِ بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

مظلوموں کی آہ سے بچنے کی نصیحت حضرت سعدی اس طرح کرتے ہیں ؎

منجنیقِ آہِ مظلوماں بہ صبح　　　　سخت گیرد ظالماں را در حصار

پھر یہ کہ ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن　　　　اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

جب ظلم سے بچنے اور عدل کرنے کو عمل نیک کی اصل بنیاد قرار دیا گیا ہے تو اب اگر کوئی غیر مسلم بھی ان صفات کا حامل ہو تو اس کے عمل کو ضائع یا بیکار سمجھنے کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا۔ اس بارے میں بعض ارشادات حضرت حتمی مرتبت واضح اور بہ ہر طور حرفِ آخر ہیں جس سے غیر مسلمان عادل کے مقام کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عادلِ حقیقی تو سوائے ذاتِ قائم بالقسط کے

اور کوئی نہیں مگر مطلب اسی قدر ہے کہ کسی نے اپنی سمجھ کے اعتبار سے دانستہ طور پر ظلم نہ کیا ہو اور عدل پر عمل پیرا رہا ہو تو وہ عادل کی تعریف میں آتا ہے۔

یہ ارشادات رسول دُنیا کی دو مشہور ہستیوں نوشیروانِ عادل اور حاتم طائی سے متعلق ہیں جن میں سے ایک عدل میں لاجواب تھا تو دوسرا اپنی سخاوت میں۔ نوشیروان کا تعلق ایران کے ایک آتش پرست شاہی خاندان سے تھا جس نے اپنے عدل کی بناء پر عادل کا لقب پایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نوشیروان کے محل سے لگی ہوئی ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی بڑھیا کو ہٹانے اس کے لئے محل تیار کر دینے کا پیش کش کیا گیا مگر بڑھیا نے نہ مانا۔ نوشیروان نے کہا میرے محل کی خوبصورتی پر بڑھیا کا حق غالب ہے۔

حاتم عرب کے قبیلۂ طائی کا سردار تھا جو بعثتِ رسول سے کچھ عرصہ قبل دارِ فانی سے رخصت ہو چکا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسکے محل کے بارہ دروازے تھے اور سائل کو ہر دروازہ سے خیرات ملتی تھی۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ نوشیروان کو اس کے عدل کی بناء پر اور حاتم کو اس کی سخاوت کی بناء پر دوزخ کے عذاب سے برات مل گئی۔ اسکا مطلب بعض علماء نے یہ لیا ہے کہ غیر مسلمان عادل مشرک وجہ سے دوزخ سے باہر نہ بھی رہیں تو آتش دوزخ ان کے جسم کو ضرر نہیں پہنچائیگی کیونکہ ان کی نیکیاں درمیان میں حائل ہو جائیں گی۔ یہاں یہ شق نکلتی ہے کہ دوزخ میں رہکر عذاب سے محفوظ رہنا پوری طرح بامعنی نہیں ہو سکتا کیونکہ دوزخ کی آگ کے بیچ میں رہنا اور دوسروں کو جلتے ہوئے مبتلائے عذاب دیکھتے رہنا خود ایک بڑا روحانی عذاب ہے کیا عذاب سے محفوظ رہنے کے معنی دوزخ سے دور رہنے کے تو نہیں ہیں؟

پھر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کوئی غیر مسلم مُوحّد ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ کیونکہ جب تک اسلام کی دوسری شرائط پوری نہ ہوں کوئی مُوحّد یعنی ایک خدا ماننے والا بھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

ہم نے کچھ نقاطِ نظر جو ہمارے خیال میں آئے جویانِ تحقیق کے غور کیلئے پیش کر دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن و حدیث اور علماء کی وضاحت کی روشنی میں کوئی نتیجہ پیش کر سکیں۔

خاتمہ کلام پر یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ تخلیق کائنات کے نقشہ میں جنت و دوزخ کے درمیان ایک مقام اعراف بھی ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے کہ بہتر سے بہتر نعمت سے جو دُنیا میں کسی کو مل سکتی ہے کہیں زیادہ نعمتیں اعراف میں مہیا ہیں۔

بقولِ حضرت سعدیؒ۔ ع از دوزخیاں پُرس کہ اعراف بہشت است۔ پھر یہ اعراف کن لوگوں کیلئے ہے ؛ جنکی بخشائش ہو جائے وہ تو بہشت میں جائیں گے اور جو بخشائش کے مستحق نہیں جہنم میں داخل ہوں گے۔ اب اس درمیانی مقام میں کون جائے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ مقام اُن لوگوں کیلئے ہے جو دینِ حق تو اختیار نہ کر سکے مگر ساری عمر ظلم سے کنارہ کش عدل پر عامل اور مخلصانہ خدمتِ خلق میں لگے رہے" یعنی غیر مسلمانِ عادل"

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ

★

اِس خالی جگہ کو ہم ایک بہتر مصرف کے لئے استعمال کرتے ہیں :۔

ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش کا حضرت علی علیہ السلام کے متعلق اظہارِ خیال

۸ر جون ۱۹۸۵ء اُردو گھر حیدر آباد میں منعقدہ ایک تقریب کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا:۔

" جس مقدس ہستی کو آنحضرت صلعم نے اپنے کندھے پر ٹھیرایا اس کی بلندی و عظمت کے کیا کہنے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ میں دو مرتبہ کوفہ، کربلا اور نجف جا چکا ہوں، میں نے حضرت علی کے خطبات نہج البلاغہ کو پڑھا ہے۔ اِنسان دوستی، اُصول پسندی، صداقت، راستبازی، جوانمردی، دشمنوں کو معاف کرنا اور اُنکی زندگی کی قربانیاں اُنکا نمایاں وصف ہے۔ حضرت علی کی تلوار ذوالفقار کے جوہر سے کون واقف نہیں۔ حضرت علی کی کامیابی میں جسمانی طاقت سے زیادہ ان کی سچائی کی طاقت تھی۔"

(اخبارِ سیاست مورخہ ۹ر جون ۱۹۸۵ء)

★

باب پانزدہم

حضرت علی علیہ السلام اور اہلبیت اطہار کے متعلق

اہل طریقت اور صوفیائے کرام وغیرہ کے خیالات

تصوف اور علم الکلام کے تمام سلسلوں کا حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہونا

ابوالحسن ھجویری داتا گنج بخش کشف المحجوب میں سید الطائفہ جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہیں کہ شیخنا فی الاصول والبلا علی المرتضیٰ یعنی امامنا فی العلم الطریقۃ ومعاملا تھا ھو علی المرتضیٰ (یعنی ہمارے امام علم طریقت اور اس کے معاملات میں علی مرتضیٰ ہیں)

خواجہ محمد پارسا نصل الخطاب میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں صاحبنا فی ھذا الامر الذی اشار الی ما تضمنہ القلوب واولی الی حقائقہ بعد نبینا صلعم علی ابن ابی طالب ؓ یعنی ہمارے پیشوا اس امر تصوف میں جس نے اشارہ کیا ہے طرف آں کے جو دلوں میں متضمن ہوئی ہے اور جس نے بعد ہمارے نبی صلعم کے اس کے حقائق کی طرف ایما کیا ہے وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

خواجہ محمد پارسا اسی کتاب میں لکھتے ہیں اگر امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اپنے غزوات سے فارغ ہوتے تو ان سے ہمارے لئے علم حقائق و تصوف میں وہ باتیں نقل کی جاتیں کہ دل جس کے متحمل نہ ہوسکتے۔ تمام سلسلے مثلاً قادریہ، چشتیہ، کبرویہ، قشریہ، احمد الغزالیہ و محمد الغزالیہ، شطاریہ رفاعیہ سہروردیہ، کردیہ، شاذلیہ و نقشبندیہ، جناب امیر علیہ السلام تک منتہی ہوتے ہیں سلسلہ نقشبندیہ میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام موجود ہے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی ماہنامہ منادی ۱۹۶۴ء جلد ۳۹ شمارہ ۱۱ صلا پر تحریر فرماتے ہیں:

"سلاسل تصوف کی سب جماعتیں مرکزی حیثیت سے شمع علی کی پروانہ ہیں۔ نقشبندی سلسلہ کو حضرت علی سے علیحدہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس سلسلہ کی نسبتیں بھی حضرت علی کے ساتھ ثابت ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ بھی نائب مصطفےٰ سے منقطع نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی یہ سعی نامشکور بھی لائق غور ہے جو کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قاسم بن محمد سے علم حاصل کیا اور قاسم بن محمد نے سلمان فارسی سے اور سلمان فارسی نے حضرت ابوبکر

کوئی صاحب عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت جعفر صادق نے اپنے پدر گرامی مرتبت حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین علیہم السلام کو چھوڑ کر قاسم بن محمد سے علم حاصل کیا ہو۔ پھر قاسم بن محمد میں یہ سکت کہاں کہ وہ امام کو تعلیم دیں اول تو ائمہ کا علم لدنی ہے اور پھر باسباب ظاہر بھی امام محمد باقر علیہ السلام نے (جن کا لقب حسب ارشاد رسولؐ توریت میں باقر یعنی علوم کو پھاڑنے اور واضح کرنے والا ہے) جس فرزند کو تعلیم دی ہو بھلا قاسم بن محمد سے وہ کہاں علم حاصل کرنے چلا۔ پھر سلمان فارسی کا جن کو حضرت ابوبکر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اعتراض کرنے والوں میں تھے اور متمسک داعن حضرت علی علیہ السلام ابتدا تا انتہا رہے اور جن کو حضرت رسولؐ نے سلمان منا اہل البیت فرمایا ہو وہ حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر سے کہاں علم لینے گیا اور پھر حضرت ابوبکر کا نقص علم اور قرآنی آیات کے معنی بتانے سے عجز، خود ان کا مسلمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی قلابازیاں لگانا انہیں لوگوں کا وطیرہ ہے جو تمسک اہلبیت علیہم السلام کو چھوڑ کر اتخذ فلاناً خلیلاً کے مصداق ہیں۔

اپنے مقالہ مطبوعہ سرفراز لکھنو مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۸ پر مولانا شاہد زعیم فاطمی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ بعض لوگوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کا تعلق حضرت سلمان فارسی کے توسط سے حضرت ابوبکرؓ سے قائم کیا ہے مگر یہ بیجا تعصب ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ تاکہ حضرت علی ابن ابی طالب کی اس خصوصیت میں دوسروں کو بھی ان کا شریک و سہیم قرار دیا جاسکے جبکہ سلمان فارسی اور حضرت ابوبکر کے درمیان کسی رابطہ کا تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے البتہ حضرت علی سے ان کے روابط کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ بہرحال خانوادۂ تصوف کی حضرت علی کی جانب نسبت عملاً اس بات کا اعتراف ہے کہ امت محمدیہ علی ابن ابی طالب کو ہر دور میں علوم نبوت کا وارث و امین سمجھتی رہی ہے اور نسلاً بعد نسلاً انکی امامت پر اجماع رہا ہے۔"

تصوف کے سلسلوں کی متعدد شاخیں نکلی ہیں لیکن متقدمین کے نزدیک ان کے اصل دو طریقے تھے۔ جنیدیہ اور طیفوریہ۔ جنیدیہ حضرت جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے۔ حضرت جنید کو سری سقطی سے بیعت ہے اور ان کو حضرت معروف کرخی سے (جو امام رضا علیہ السلام کے خادموں میں سے تھے) اور ان کو حضرت داؤد طائی سے اور ان کو حضرت حبیب عجمی سے ان کو حضرت حسن بصری سے بیعت ہے اور حسن بصری کو جناب امیر علیہ السلام سے۔

دوسرا سلسلہ طیفوریہ ہے جو طیفور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ جن کی بیعت حضرت امام ناطق جعفر صادق علیہ السلام سے تھی جو ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے چھٹے امام تھے۔ پس جتنے سلسلے ہیں سب کا خاتمہ حضرت امیر علیہ السلام کی ذات مقدس تک ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی اربعین فی اصول الدین میں حضرت علی علیہ السلام کے ذکر میں لکھتے ہیں ومنہا علم

تصفیۃ الباطن و معلوم ان نسب جمیع الصوفیۃ منتھی الیہ۔ اسی طرح علم الکلام کے متعلق امام فخر الدین رازی اپنی کتاب مذکورہ صدر میں لکھتے ہیں کہ تمام اسرار توحید" عدل" نبوت" قیامت" قضا و قدر کے علم الکلام میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ظاہر فرمائے ہیں اور متکلمین کے جتنے فرقے ہیں وہ سب حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا فرقہ جس نے اس علم میں شہرت پائی معتزلہ کا ہے اس کا بانی واصل بن عطا ہے۔ جس نے ابو ہاشم بن عبد اللہ بن محمد حنفیہ سے تعلیم پائی ہے۔ عبد اللہ نے اس علم کو اپنے والد محمد حنفیہ سے سیکھا ہے اور محمد حنفیہ کو جو کچھ فیضان حاصل ہوا ہے اپنے پدر بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے۔ دوسرا فرقہ جس نے معتزلہ کے بعد اس علم میں شہرت حاصل کی وہ اشعریہ کہلاتا ہے جو ابوالحسن علی بن ابی بشر الاشعری کی طرف منسوب ہے جو ابو علی جبائی کے شاگرد ہیں جو مشائخ فرقہ معتزلہ میں سے تھے۔ پس یہ سلسلہ بھی معتزلہ کی طرف منتہی ہوتا ہے جس کا سلسلہ حضرت امیر علیہ السلام تک پہنچنا اوپر درج ہو چکا ہے۔

جوامع الکلم کے قلمی نسخہ کے صفحہ ۲۳۴ اور مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۲۲۳ پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز شجرۂ مشائخ اس طرح درج کرتے ہیں "از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بامیر المومنین علی علیہ السلام رسید و از امیر المومنین علی علیہ السلام بامیر المومنین حسن علیہ السلام رسید و بہ حسن بصری و کمیل زیاد رسید۔ از امیر المومنین امام حسن علیہ السلام بامیر المومنین امام حسین علیہ السلام و از امیر المومنین امام حسین علیہ السلام بہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام رسید و از حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسید و از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رسید و از حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام و از حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام و بہ معروف کرخی رسید از وے بہ سقطی و از وے بہ جنید بغدادی رسید۔ ایں سلسلہ سہروردیاں است۔ از حسن بصری ایں شجرہ چشتیان است۔ و از شجرہ کبرویان بہ کمیل زیاد بسیار اسرار نہانی و سخنان سر امیر المومنین علی علیہ السلام با کمیل زیاد دادہ است کہ کسے دیگر کم بود و در ابا حضرت علی علیہ السلام طول صحبت و کثرت معاشرت بود خیلے از اسرار فوائد لذ کمیل زیاد بہ مردماں رسیدہ است۔

اپنا سلسلہ مشائخ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اس طرح درج فرماتے ہیں:۔

(۱) خواجہ انبیاء ابوالقاسم محمد رسول اللہ الہاشمی (۲) خواجہ اولیا ابوالحسن العلی الوصی الہاشمی۔ (۳) خواجہ ابونصر حسن بصری (۴) خواجہ ابوالفیض عبدالواحد بن زید (۵) خواجہ ابوالفیض فضل بن عیاض۔ (۶) خواجہ سلطان الاولیا ابراہیم ادھم (۷) خواجہ سید بدر الدین (۸) خواجہ امین الدین (۹) خواجہ ابراہیم علو دینوری (۱۰) خواجہ اسحاق چشتی (۱۱) خواجہ قدوۃ الدین ابو محمد چشتی (۱۲) خواجہ ناصر الدین چشتی (۱۳) خواجہ تاج الدین چشتی (۱۴) خواجہ قطب الدین چشتی (۱۵) خواجہ حاجی شریف زندنی چشتی (۱۶) خواجہ عثمان ہارونی (۱۷) خواجہ معین الحسن سنجری اجمیری (۱۸) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۱۹) خواجہ فرید الدین شکر بار

(۲۰) سلطان العاشقین خواجہ سید نظام الدین محمد بدوانی (۲۱) خواجہ ابراہیم الثانی محمود دلیا دہلی (۲۲) خواجہ صدرالدین ابوالفتح سید محمد بن یوسف الحسینی گیسو دراز بندہ نواز۔

واضح رہے کہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے اپنا سلسلۂ بیعت جن واسطوں سے حضرت علی علیہ السلام تک پہنچا ہے اسکو بطریق صدر درج فرمایا ہے اور اپنے بارہ امام وہ مثل شیعوں کے دوازدہ ائمہ اہل بیت اطہار از حضرت علی علیہ السلام تابہ حضرت محمد مہدی بن حسن العسکری صاحب عصر علیہ السلام کو ملنتے ہیں جس کا ذکر اس کتاب میں علٰحدہ آیا ہے۔

علم الکلام کے اسرار کا خزانہ نہج البلاغہ ہے جو حضرت امیر علیہ علیہ السلام کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ نہج البلاغہ کے متعلق علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی زبان فوق کلام البشر و تحت کلام اللّٰہ ہے۔ جرمنی کے عیسائی علمائے عربی کے تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ کلام مجید اور نہج البلاغہ کی ایک ہی زبان ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خیال میں کہتے ہیں کہ قرآن شریف (معاذ اللہ) اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ حضرت علیؑ نے اسکو لکھکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوالہ کر دیا ہے (قابل غور ہے کہ جہاں لوگوں کو آپ کی ذات پر خدا ہونے کا گمان ہوا وہیں کلام خدا پر آپ کا کلام ہونے کا گمان پیدا ہوا)۔

عام مسلمانوں میں امور دین سے بے خبری اور لاعلمی کی چند مثالیں

اہل طریقت اور صوفیائے کرام کے عقیدہ کے ذکر سے پہلے عام لوگوں میں مذہبی امور سے جو لاعلمی اور بے خبری پائی جاتی ہے اس کی دو ایک مثالیں بے محل نہ ہوں گی۔ جہاں تک میں نے سنی عزیزوں اور دوستوں سے تبادلہ خیال کیا اور تحقیق کی یہ ثابت ہوگیا کہ عام طور پر جو بے اعتنائی حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت اطہار ائمہ طاہرین سے پائی جاتی ہے وہ لوگوں کی ناواقفیت کمی علم اور بے خبری کا نتیجہ ہے۔ تحقیق و تجسس کو اکثر حضرات ایک طرح کا گناہ جانتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس جھگڑے میں کون پڑے جو پڑی ہوئی چھری چلی آرہی ہے وہی چھری چلنے دو بہت سے تعلیم یافتہ حضرات بھی بوجہ عدم توجہی و لاعلمی خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی منزلت سے بالکل بے خبر نظر آئے۔ اپنی کتاب "بھائی بھائی" میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق تو اپنے علماء کے بھی متعلق لکھتے ہیں "ہمارے واعظین عموماً نیم خواندہ قرآن کے اسرار و رموز سے ناآشنا اور درایت و روایت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسی کوئی روایت سامنے آتی ہے تو بے سوچے بغیر اس کی تبلیغ شروع کر دیتے ہیں اور عشرہائے محرم کے ناگوار واقعات انہیں مواعظ کا نتیجہ ہیں"۔

میرے والد صاحب قبلہ کے دوستوں میں ایک سنی مسلمان تعلقدار صاحب تھے جن کے نام کے اظہار کی

ضرورت میں نہیں سمجھتا۔ یہ صاحب اپنے تدین اور قابلیت اور صلاحیت کی بناء پر حیدرآباد میں انتہائی نیک نام تھے ان کے تدین و شہرت کی وجہ سے اعلیحضرت بندگان عالی نے بھی ان کو بڑے بڑے اسٹیٹوں کے کمیشن کا صدر مقرر فرمایا تھا۔ میں ذاتی طور پر بھی واقف تھا کہ یہ نہایت کھرے اور بے لاگ آدمی تھے۔ حضرت والد صاحب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ فرصت سے مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں موصوف نے دو خیالات کا اظہار فرمایا۔ ایک تو یہ کہ معرکہ کربلا یزید اور حسین دو شہزادوں کے درمیان ایک دنیوی لڑائی تھی اور دوسرے یہ کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں جا سکتا ہے اور حضرت رسول خدا محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا ماننا ضروری نہیں اور بغیر آپ کی نبوت کا اقرار کئے ہوئے بھی آدمی مسلمان رہتا ہے اور جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ پیغام بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جسکو پیغام بھیجنا مقصود تھا وہ خلق خدا ہے۔ اور جو اللہ کا پیغام ہے وہ قرآن ہے۔ رسول اللہ صرف پیغام پہنچا دینے والے ہیں اس لئے جب بھیجنے والے کی جانب سے پیغام مرسل الیہ کو پہنچ گیا تو خدا کا منشا پورا ہو گیا اور یہ امر اہم نہیں رہا کہ وہ پیغام بندوں تک کس ذریعہ سے پہنچا ہے۔ خواہ رسول اللہ نے پہنچایا کسی فرشتہ نے یا کسی اور نے بہر حال پیغام پہنچنا تھا پہنچ گیا۔"

قابل غور ہے کہ ایسے تعلیم یافتہ دیرینہ تجربہ کار اشخاص بھی رسول خدا کو رسول ماننے کے بغیر بھی قرآن کو اللہ کا پیغام کہنے تیار ہیں اور پھر جنت کے مدعی بھی ہیں۔ ان کو شاید یہ خبر تک بھی نہیں کہ خود قرآن میں بھی حضرت رسولؐ کا اللہ تعالیٰ کا رسولؐ برحق ہونا اور آنجناب کی اطاعت کرنے کا حکم بے شمار مقامات پر درج ہے۔ قرآن کو مان کر رسولؐ کو نہ ماننے کو عقل کے ماؤف ہو جانے کے نتیجہ کے سوا اور کیا کہا جائے۔ بقول کسے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں | جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بعض مسلم گوشوں سے اب بھی کبھی اس قسم کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں کہ حضرت رسولِ خدا تمام انبیاء سے افضل نہ تھے بلکہ آپ کا درجہ بعض نبیوں سے کم تھا! چنانچہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۷ کی اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہ دیگر کوئی انبیا شفاعت نہیں کریں گے بلکہ خود حضرت رحمت اللعلمین شفاعت فرمائیں گے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب " دو اسلام" کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتے ہیں " کیا دلچسپ حدیث تراشی ہے کہ رسول خدا صلعم کو اس ابراہیم سے بھی بڑا بنا دیا گیا تھا جنکی اتباع کا آپ کو بار بار حکم دیا گیا تھا۔ فاتبعو ملت ابراھیم حنیفا (تم موحد ابراہیم کے آثار قدوم پر چلو)" عاشقان رسولؐ برق صاحب کی اس خوش خیالی پر غور فرمائیں۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ میرے ایک یورپ کے تعلیم یافتہ سنی عزیز نے جو عدالت کے ایک بڑے عہدہ دار بھی تھے ایک دفعہ یہ بحث کی کہ معاذ اللہ حضرت رسولؐ کو (معاذ اللہ) گناہ گار اور بدکردار مانتے ہوئے بھی

مومن ہی رہتے ہیں" اس کی مثال انہوں نے یہ دی کہ "مثلاً" ایک سیب گل سڑ کر ROTTEN ہو جاتا ہے اور پھر بھی سیب ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح منافق حضرت رسولؐ کو ROTTEN رسول سمجھتے ہوئے بھی رسول مان رہے ہیں لہٰذا وہ مومن ہیں"۔

ناظرین اس بحث کے منطقی اور بنیادی مغالطوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس بحث میں مومن اور منافق کے بنیادی فرق کو ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ خود قرآن سے یہ تفریق پوری طرح واضح ہے۔ مومن دیگر شرائط ایمان مثلاً اقرار توحید (امامت وغیرہ) کے ساتھ حضرت رسول خدا کو اللہ کا رسول مع لوازم رسالت مثلاً عصمت اور گناہوں سے بری ہونے وغیرہ کے مانتا ہے اور ان باتوں کا اقرار نہ صرف زبان سے کرتا ہے بلکہ دل سے بھی تسلیم کرتا ہے۔ اس کے برخلاف منافق وہ ہے جو صرف منہ سے کہتا ہے کہ میں توحید وغیرہ کا قائل ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں مگر اپنے دل میں وہ توحید اور رسالت کسی بات کو بھی تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان سے انکار رکھتا ہے۔ اب بھلا منافق مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔ عزیز موصوف کی بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو کہ:

"رسول کو گناہ گار بدکردار اور ROTTEN رسول سمجھتے ہوئے بھی کوئی شخص مومن رہ سکتا ہے جیسا کہ سڑے ہوئے سیب کو سیب مان کر سیب کا وجود تسلیم کیا جا سکتا ہے"۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ سیب کے جس قدر خواص اور لوازم اچھے یا برے مفید یا مضر ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ سیب زیادہ دن تک رکھا رہے تو سڑ جاتا ہے لہٰذا سڑ جانا سیب کے خواص پر کوئی امر مستزاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی سیب کے دیگر صفات کے منجملہ ایک صفت اور اس کا لازمہ ہے۔ اس کے برخلاف گناہ گار یا بدکردار ہونا رسول کے خواص میں داخل ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ رسول کیلئے ایک صفت سلبی ہے۔ جسطرح اللہ تعالیٰ کے صفات سلبیہ ہوتے ہیں کہ وہ اصغر یا کمتر یا حقیر نہیں ہوتا بلکہ وہ اکبر اور اکبر اور عظیم ہے شر اور ظلم سے وہ بری ہے اور خیر ہی خیر ہے اسی طرح رسول ہر قسم کے گناہ کبیرہ و صغیرہ سے بری اور معصوم ہوتا ہے۔ رسول بنیادی طور پر ہوتا ہی وہی ہے جو بدکرداری گناہ اور ظلم سے بری ہو۔ جسطرح اللہ تعالیٰ کو حقیر یا کمتر یا برے صفات کا حامل سمجھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے مغائر ہے اسی طرح رسول کو بدکردار اور گنہ گار سمجھنا رسول کی ہستی پر ایمان نہ لانے کا مترادف ہے۔ کوئی شخص رسول کو ROTTEN رسول (معاذ اللہ) سمجھتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں۔

دوسرے صاحب کی کیفیت ملاحظہ ہو یہ بھی میرے ایک سنی عزیز ہیں تعلیم یافتہ اور گریجویٹ اور ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور سادات سے ہیں اور ایک اچھے عہدہ پر بھی رہ چکے ہیں وہ کہتے کہ

مسلمانوں کے دو فرقوں سنی اور شیعہ میں افتراق کی بنیاد محض حسین ہیں اس لئے ان کا خیال تھا (نہ معلوم اب کیا کیفیت ہے) کہ (انہیں کے الفاظ میں) "حسین کو مذہب اسلام سے خارج کر دیا جائے تو سنی شیعہ کا یہ فساد رفع ہو جائیگا اور جھگڑا مٹ جائے گا" یہ اظہار خیال محرم کی ایک نیاز کے موقعہ پر وہ کر رہے تھے جہاں میں بھی قریب میں موجود تھا اور جو کچھ وہ کہہ چکے تھے میں نے اپنے کانوں سے سن لیا تھا۔

ناظرین کو ان واقعات سے حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ایسے بہت سے مسلمان ہیں جن کو اگر حضرت رسول خدا کے متعلق مرتدانہ خیالات زیادہ تر نہ سہی مگر آل رسول کے تعلق سے ایسی ہی بے وقعتی اور ناقابل شمار ہونے بلکہ دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے جانے کے لائق ہونے کے تصورات تک موجود ہیں حکم خداوندی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اور ارشاد رسول انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ان تمسکتم بھما لا تضلو بعدی کی یہ تعمیل ہو رہی ہے اور اجر رسالت اس طرح ادا کیا جا رہا ہے کہ رسالت رسول سے انکار کیا جائے اور اہل بیت علیہم السلام کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

لطف یہ بھی ہے کہ صاحب ممدوح الصدر اور اس قسم کے بہت سے لوگ مختلف چھوٹے بڑے ہر قسم کے صوفیاء و فقراء سے کمال درجہ عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے اعراس میں شریک ہوتے ہیں نذر و نیاز کرتے ہیں ان کی قوالیاں کراتے ہیں مگر یہ بھی غور نہیں کرتے کہ خود ان صوفیاء اہل طریقت اور اولیاء کا کیا مشرب تھا اور وہ کیا کہتے تھے سنی بھائی اگر اپنے مرشدین اُمراٴ اور صوفیائے کرام کے نوشتہ جات اور ارشادات ہی پر نظر ڈالیں تو ان کی بہت سی مشکلیں خود بخود حل ہو جائیں گی۔

بزرگان اہل طریقت اور عام علمائے اہلسنت کے خیالات میں فرق کی ایک مثال

ماہنامہ منادی ۱۹۶۲ء کی جلد ۳۹ شمارہ ۶، ۷ صفحہ ۶ پر حضرت علی علیہ السلام کی شان میں میاں عابد حسین نظامی کی حسب ذیل منقبت شائع ہوئی:-

خدا کے بعد نبی ہے نبی کے بعد علی

علی اخیٔ محمدؐ علی خدا کا ولی | علی کا نام ہے نام خدائے لم یزلی
علی کے ذکر سے دین نبی کی بات چلی | لکھا ہے باب ارم پر بخط سبز و جلی

خدا کے بعد نبی ہے نبی کے بعد علی

وہ کون ہے در حیدر کا جو نہو سائل | کہا جو حیدر کرار حل ہوئی مشکل
ہیں مذہب حیدری کے جبرئیل بھی قائل | ہیں اس حدیث پیمبر کے شافعی ناقل

خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ

علیؑ ہے فخر پیمبر علیؑ ہے نفس رسولؐ
علیؑ ہے جان محمد علی ہے زوج بتولؑ
عدو علیؑ کا ہے بے شبہ از گروہِ جہول
یہ سن کے شاد ہے مسلم تو خارجی ہے ملول

خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ

علیؑ کا اسم ہے از اسمہائے رب مجید
علیؑ یگانۂ دوراں علی ہے فردِ فرید
علی ہے کفر کی کثرت میں حافظِ توحید
فدائیانِ علی کو یہ دی ہے حق نے نوید

خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ

علی کے پائے کا پایہ نہ آج تک نہ ابد
علی سا دیکھا نہ بعد از نبی کوئی ساجد
علی کے شیفتہ سب ہیں مگر بجز حاسد
کھلا ہے ہم پہ حدیث غدیر سے عابد

خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ

اس نظم کے شائع ہونے کے بعد مشہور سنی عالم مولانا صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلی نے مدیر ماہنامہ منادی مولانا خواجہ حسن ثانی نظامی کو حسبِ ذیل خط لکھا جو منادی کے ۱۹۶۷ء کی جلد ۳۹ شمارہ ۲ کے صـ ۲۲ پر شائع ہوا ہے اس کا جواب بھی جو جناب خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے دیا وہ بھی اسی صفحہ پر شائع ہوا ہے فرنگی محلی صاحب کا خط یہ ہے:-

فرنگی محل۔ ۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء۔

صفحہ ۶۰ کی نظم شاید آپ نے غور سے نہیں پڑھی ورنہ ظاہر ہے کہ "خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ" اہل سنت کے مجمع علیہ عقیدہ کے بالکل خلاف ہے اور کھلا ہوا تبرہ بھی ہے۔ نیز "ہے ضرب حیدری کے جبرئیلؑ بھی قائل" بھی سراسر غلط باطل اور ہمارے مسلک کے بالکل خلاف ہے کیا آپ اسکی تصیح کر دیں گے"

فقیر شہید

حضرت حسن ثانی نظامی نے اس کا جو جواب شائع فرمایا ہے اس کے کچھ اجزاء ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

" میاں عابد حسین نظامی نے 'خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ' اس لئے کہا ہے کہ جب وہ اپنے سلسلہ کا شجرہ پڑھتے ہیں تو جسطرح ان کو خدا اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اور کسی کا نام نظر نہیں آتا حالانکہ ہمارے سرکار سے پہلے بے شمار انبیاء گزر چکے ہیں اسی طرح اس شجرہ میں ان کو رسول کے بعد بھی بلا فصل آقا و مولا علی کا نام دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا انھوں نے خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد علی کی ترتیب قائم کی تو کچھ غلط نہیں کیا اور میاں عابد یہ ترتیب کیا قائم کرتے

یہ تو قدرتی طور پر قائم ہے۔ ہمارا اور آپ کا اس میں دخل کہاں ہے۔ ہمارے لئے تو بس اللہ تعالیٰ نے مقسوم کر دیا کہ تم کو اُمت محمدی میں داخل کیا جاتا ہے اور اس امت میں تم دامنِ مرتضوی سے وابستہ ہو گئے۔

ہم کیا کریں کہ جس پیرِ مغاں کا رشتہ ازل سے ہمارے کان میں ہے اور جس ساقی کے ایک جرعے نے ہمارے رفتگان اور ہمارے آئندگان کو خراب کر رکھا ہے وہ کوثر والا علیؑ ہے۔ یہ بات ہمارے بس میں کہاں کہ کسی اور سخی کے در پر صدا لگائیں۔ ہمارے حصہ میں تو یہی جگہ لکھی ہوئی ہے اور یہ چیز ہماری وفاداری اور نمک حلالی سے بعید ہے کہ کھائیں تو کسی کا اور گائیں کسی اور سخی کا...... کسی کو بھی ہم غلامانِ ازلی سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ صبح و شام ہم ٹکڑے تو توڑیں علیؑ کے دسترخوان پر ہماری گزر بسر ہو تو خانہ زادانِ علیؑ کے اُنس پر اور گیت گائیں ہم کسی اور سخی کا...... ہم برابر من بجھ رس بجھ رس علیؑ کا وظیفہ پڑھتے رہیں کیونکہ اسی گھر سے ہمارے جان و تن کی پرورش ہوتی آئی ہے، ہو رہی ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتی رہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں مجذوب کی بڑ ہے اسکو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ تب بھی ہم۔

حیدریم قلندرم مستم بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

کا نعرہ لگا کر بھی کہیں گے کہ یہی شعریت اور جذب ہمارے لئے دین دُنیا کا سرمایہ ہے۔ قدم قدم اور ڈگر ڈگر پر یہی یقین ٹھوکروں سے بچائے سنبھالے لئے چلا جاتا ہے کہ ہم کو جو معلوم ہوا ہے وہ باب العلم سے معلوم ہوا ہے۔ دروازے پر پہنچنے کے بعد منزل مشتبہ ہو ہی نہیں سکتی انا مدینۃ العلم و علی بابھا کی سند ہوتے ہوئے ہم کو اپنے عقیدے کو عقل اور علم کے کسی اور معیار پر پرکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو علم اللہ رسولؐ کا ہے وہی سچا علم ہے اور باقی سب لا الٰہ کی ایک ضرب سے محو کر دینے کے قابل ہیں۔" منادی کی جلد ۳۹ شمارہ نمبر ۱۱ و ۱۲ کے صفحہ پر حضرت حسن نظامی نے اس سلسلہ میں مزید اظہار خیال فرمایا ہے۔ تمہیداً وہ لکھتے ہیں :- "جب سے منادی میں برادر روحانی عابد حسین نظامی کی منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں چھپی ہے میرے نام خطوط کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔ سب سے پہلے حضرت مولانا شہید فرنگی محل نے اس منقبت پر اعتراض فرمایا تھا۔ اور چونکہ ان کا اعتراض غلط فہمی پر مبنی تھا۔ اس لئے میں نے اگلے شمارہ میں اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے اس وضاحتی مضمون کو جہاں بہت سے لوگوں نے پسند کیا اور ہندوستان اور پاکستان کے متعدد پرچوں میں اسے نقل کیا گیا وہاں بے شمار لوگوں نے اس سے اختلاف بھی ظاہر کیا اور ابھی تک اُن لوگوں کے خطوط میرے پاس آ رہے ہیں۔ بلا وجہ کسی بحث کو طول دینا منادی کے مسلک کے خلاف ہے اور حضرت علی کی فضیلت ایک ایسی ثابت شدہ چیز ہے کہ اس میں کلام کی گنجائش در اصل نکلتی ہی نہیں۔ تاہم جن لوگوں کی

سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی ہے ان کو سمجھانا بھی ضروری ہے۔ مولا علی کے بارے میں ذرا سی غلط فہمی ہمارے دین و ایمان سب کو غارت کرنے کا سبب بن سکتی ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس مسئلہ کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

اس کے بعد صفحہ ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ پر حضرت ممدوح نے ایک بسیط مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے جس کے بعض اجزاء یہ ہیں؟

"رسول اللہ اسی شخصیت کو سند عطا فرما سکتے تھے جو واقعی اس کا اہل ہو اور ان کا سند یافتہ شخص بھی اسی آدمی کو مستند قرار دے سکتا تھا جو حقیقت میں اللہ و رسولؐ کی سچی تعلیم پر پوری طرح حاوی ہو اور اس کی تعلیم و تبلیغ کا حق ادا کر سکے۔ انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا۔ یہ اللہ و رسول یعنی سب سے بڑی اتھارٹی کی طرف سے بڑی سے بڑی سند تھی جو کہ کسی کو عطا ہو سکتی تھی۔ حضرت علیؑ کے بارے میں آنحضرت نے صرف اتنی ہی بات نہیں کہی کہ وہ علم کا دروازہ ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اس حدیث میں سب سے اہم اور قابل غور نکتہ یہی ہے کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کو خاص اپنی ذات پاک سے نسبت دی کہ میرے علم تک رسائی علی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ شہر میں داخلہ دروازہ سے ہی ہوتا ہے۔ حضرت علی کو دروازہ قرار دیا گیا تو گویا علم نبوت تک پہنچنے کے لئے ان کا واسطہ ضروری اور لازمی قرار پایا۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں اور کوئی شریک نہیں ہے چنانچہ جو لوگ:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبیست

کے قائل ہیں وہ بارگاہ نبوی میں رسائی کے لئے آستان نبوی پر سر جھکانا یعنی مولا علیؑ کا واسطہ اختیار کرنا اور ان کی تعلیم کو رہبر بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔

جس طرح قرآن کے بیان کے مطابق آل ابراہیم کو برگزیدہ کیا گیا اور ان میں سب سے برگزیدہ شخصیت یعنی آنحضرت صلعم کو نبی آخر الزماں بنایا گیا اسی طرح آں مصطفےٰ تک وسیلہ بننے والی ہستی بھی برگزیدہ اور افضل ہی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ایک طرف آپ وہ حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں علم نبوت تک رسائی کے لئے حضرت علیؑ کا واسطہ ضروری قرار دیا گیا تھا اور دوسری طرف یہ حدیثیں پڑھیے جس میں حضرت علیؑ کو نیابت اور گویا من تو شدم تو من شدی کی سند عطا ہوئی ہے۔

(۱) علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں (ترمذی)

(۲) جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے (ترمذی)

(۳) جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا (احمد)

(۴) تو (علی) میرے لئے ایسا ہی ہے جیسا موسیٰ کے لئے ہارون تھے (مسلم)

یاد رہے کہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کی جانشینی کی تھی۔

اس لیے جب یہ بات ثابت ہو گئی اور اس کی خود زبان نبوی سے سند مل گئی کہ حضرت علی کو ذاتِ نبوی سے صفاتی نہیں بلکہ خاص الخاص اور ذاتی نسبت ہے تو پھر وہ بھی آنحضرت کی طرح افضل قرار پائے۔ سیاست کی کرشمہ سازی کی وجہ سے کتنا ہی اختلاف نظر کیوں نہ آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیگر صحابہ کرام کو حضرت علی کی فضیلت کا علم بھی تھا اور اعتراف بھی تھا..... دین حکومت کا محتاج نہیں ہے۔ اسلامی سیاست تو واقعی دین سے علیٰحدہ نہیں ہے کیونکہ سیاست سے دین کو علیحدہ کر دیا جائے تو چنگیزی کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا لیکن خود دین اپنی جگہ سیاست کا محتاج نہیں ہے پہلے حاکم بننے اور بعد میں حاکم بننے کو کسی طرح بھی فضیلت کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دور بیں نگاہ میں اگر ان عواقب کو نہ دیکھ رہی ہوتیں جو اُموی بداعمالیوں کی وجہ ظہور میں آئے تو وہ شاید حکومت اور خلافت (ظاہری) کیلئے کوئی کوشش نہ فرماتے اور اس سے الگ رہ کر رسول اللہ کی نیابت اور اقامتِ دین میں مصروف رہتے۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ دشمن منافقوں کا روپ دھارے کمیں گاہ میں بیٹھا ہے اور جب بھی موقعہ لگے چھاپا مار یگا۔ اور کوشش کریگا کہ دین کی اصل شکل ہی مسخ ہو جائے اور سیاست کا تابع فرمان ہو کر اور حکمرانوں کا کھلونا بن کر اس کا وجود رفتہ رفتہ ادیانِ سابق کی طرح ختم ہو جائے اس لئے انھوں نے اس کو اپنا فرض منصبی سمجھا کہ سیاست کو ہاتھ میں لیکر ان منافقوں کو ابھرنے نہ دیں۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت علی کا مقصد حکومت سے حکومت کرنا ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ وہ تو سیاست کی تطہیر فرما کر دین کا معیار قائم کر رہے تھے۔ اصل میں ان کو جو حکومت ملی تھی وہ تاج و تخت کی محتاج نہ تھی بلکہ ایسی حکومت تھی کہ اسکی مثال شائد ہی دنیا نے کبھی دیکھی ہو۔ اس حکومت کا یانی کملی اوڑھ کر کھجور کے بوریئے پر سو کر بھوکے پیٹ رہ کر وطن سے بے وطن ہو کر بھی سرکارِ دو عالم تھا اس لیے اس کا جانشین یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ سیاست کا اقتدار نہ ملنے سے میرے اقتدار اور میری حکومت پر کوئی آنچ آئیگی سیاسی مصلحتیں وہی دیکھتا ہے جسکی تنگ دو سیاست تک محدود ہوتی ہے۔

یہاں تو گلے کٹوا کر بھی زندہ رہنا تھا اور چوتھے نمبر پر آنے اور صرف گنتی کے کچھ دن سیاست کی باگ ہاتھ میں لینے کے باوجود قیامت تک حکومت کرنی تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سیاست میں چوتھے نمبر پر آنا تو کیا معنی اگر عنان حکومت و خلافت (ظاہری) کو ایک سرے سے سنبھالتے ہی ہی نہیں اور حکمرانوں کی فہرست میں ان کا نام قطعاً نہ آتا جب بھی وہ افضل ہی رہتے کیونکہ ان کی فضیلت کی وجوہ دوسری ہیں۔ ان کو خود آنحضرت نے اپنی نیابت کی سند عطا فرمائی اور اپنے تک پہنچنے کا واسطہ قرار دیا ہے۔ اس سند کے آگے ساری دلیلیں اور سارے پروپگنڈے ہیچ ہیں۔

حضرت علی کی فضیلت سیاسی مرتبہ کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت علی کا اقتدار دوسری قسم کا ہے اور

انشاء اللہ اس وقت تک اس دُنیا میں باقی رہے گا جب تک محمد علیہ الصلوٰۃ وتسلیم کے نام لیوا باقی ہیں۔ چنانچہ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ مخالفین تیرہ صدیوں سے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود حُبِ علی کو کسی طرح کم نہیں کر سکے ہیں اور آنحضرتؐ کے بعد دُنیا کے پردہ پر اگر کوئی ہستی ایسی ہے جس سے صرف اعتقاد ہی نہیں رکھا جاتا اور جس کے لئے صرف عزت و احترام ہی کو کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس سے محبت کیجاتی ہے اور اس سے عشق کیا جاتا ہے تو وہ صرف مولا علی کی ذات ہے۔ قارئین نے اندازہ لگایا ہوگا کہ علماء اہل سنت اور بزرگانِ اہل طریقت کے خیالات میں کس قدر بعد المشرقین ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سال گذشتہ دہلی میں میری گفتگو مولانا خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب سے ہوئی فرمارہے تھے کہ زیارات مقامات مقدسہ عراق و مشہد مقدس کو مولانا جا کر آتے ہی ان کے بہت سے سُنی احباب نے پوچھنا شروع کیا کہ آپ کیا شیعہ ہو گئے ہیں؟ قابل غور ہے کہ تمام سنی صاحبان حضرت خواجہ اجمیریؒ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اور دیگر مزارات پر جانا تو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں اور خود خواجہ اجمیریؒ خواجہ بندہ نوازؒ اور حضرت عبدالقادر جیلانی جن ائمہ اہلبیت اطہار کو اپنا آقا و مولا جانتے ہیں ان ائمہ اطہار کے روضوں پر حاضر ہونے کو ایک طرح کا گناہ خیال کرتے ہیں اور تصور یہ ہے کہ سنیوں کو ائمہ اہلبیت طاہرین سے قطع تعلق کئے ہوئے رہنا چاہیئے اور اگر کوئی نیک دل سُنی آل رسولؐ کے روضوں کی طرف نکل آیا تو اسکو گویا اپنی برادری سے خارج سمجھتے ہیں میں نے اس کتاب میں ایک سنی حکیم صاحب کا بھی ذکر کیا ہے جن کے کربلا جانے پر لوگ معترض ہوتے تھے اسی طرح میرے ایک سنی عزیز کی شیعہ بیوی نے کربلا چلنے کی خواہش کی تو انھوں نے جواب دیا اگر جانا ہی ہو تو میں حج کو جاؤں گا۔ کربلا کیوں جاؤنگا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز حسینیؒ کے بعض ارشادات

فرمودات حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کو ان کے فرزند سید محمد اکبر حسینی نے جوامع الکلم کے نام سے جمع فرمایا ہے۔ جن کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں مخطوطہ نسخے کے متن کے اختتام پر حضرت خواجہ بزرگ کا نام درج ہے جو اس القاب سے شروع ہوا ہے: "حضرت بارنعت مقتدائے ارباب شریعت مرتضیٰ"۔ ۱۳۵۶ھ میں طباعت بھی ہوئی ہے جوامع الکلم کے مطبوعہ و نیز قلمی نسخہ (موجود سالار جنگ لائبریری میں) کے ص۶۰ و ۶۱ و قلمی نسخہ موجودہ حیدر آباد اسٹیٹ لائبریری کے ص۱۳ ورق ۸ و نیز دیگر تمام نسخہ جات میں بھی درج ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ کتب سلوک میں صحیح روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا معراج میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک کمرہ پر زرین قفل پڑا ہوا دیکھا اور اس کے اندر تشریف لے جانا چاہا۔ جبرئیل نے کہا بغیر اجازت خداوندی

اندر جانا ممکن نہیں۔ حضرت رسولؐ نے اذن خداوندی حاصل کیا اور کمرہ کھول کر اندر تشریف لے گئے تو ایک بڑا صندوق دیکھا جس پر زریں قفل پڑا ہوا تھا۔ جبرئیل نے کہا بجز اجازت خداوندی یہ قفل بھی نہیں کھولا جا سکتا۔ حضرت رسولؐ نے رب العزت سے اجازت حاصل کی اور قفل کھولا گیا۔ اس میں سے ایک اور مقفل صندوق برآمد ہوا۔ اسکو بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کھولا گیا۔ اس میں سے ایک اور چھوٹا صندوق برآمد ہوا۔ جس پر سونے قفل لگا ہوا تھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کھولا گیا تو اس میں سے ایک خلعت "خرقہ مشائخ" برآمد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہزاروں پیغمبر گزرے مگر میں نے یہ خلعت کسی کو نہ دیا۔ اے محمدؐ یہ تمہارے لئے رکھا تھا اسکو پہن لو۔ حضرت نے زیب تن فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ آیا یہ خاص میرے لئے ہے یا میں اسکو کسی اور کو بھی دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص کلمات حضرت سے ارشاد فرمائے اور فرمایا کہ جو شخص ان کلمات کا اس طرح جواب دے اسے یہ خلعت پہنا دینا۔ معراج سے واپسی کے بعد حضرت رسول خدا نے سب سے سوالات فرمائے مگر کسی نے وہ جواب نہ دیا جو رب العزت نے تلقین فرمایا تھا اور حضرت ہر ایک سے فرماتے گئے "اجلس مکانک" یعنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد "جناب اقدس حضرت علی دانندۂ خفی و جلی علیہ التحیۃ والثنا علیہ السلام" اٹھے اور وہ جواب ارشاد فرمایا جو رب العزت نے تلقین فرمایا تھا۔ تب حضرت رسول نے فرمایا "انت بہ وصولک تو بپوش کہ تو برائے آنی و این برائے تست خرقہ مشائخ ہمیں شجرہ مشائخ باجمعہم از علی از پیغمبر علیہم السلام برسید۔ سرور اولیا اوست"۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں "خلافت بر دو نوع است خلافت کبریٰ و خلافت صغریٰ۔ خلافت کبریٰ خلافت باطنی است و خلافت صغریٰ خلافت ظاہری و خلافت کبریٰ مخصوص بہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام است باجماع امت و خلافت صغرا میان امت مختلف فیہ است۔ سنیاں باجماع گویند ابوبکر است و شیعہ و روافض باصناف و انواع خویش گویند حضرت علی علیہ السلام" فرمودہ حضرت خواجہ صاحب کے اعتبار سے خلافت کبریٰ تو مخصوص محض حضرت علی علیہ السلام کیلئے تھی جس میں کسی اور کا دخل مطلق نہیں اور پھر خلافت صغریٰ یعنی خلافت ظاہری کے لئے بھی یہ اختلاف امت میں ہے کہ خلافت ظاہری بھی بجز علی کے کسی اور کا حصہ ہو سکتی تھی یا نہیں۔

اسی کتاب کے ص ۵۰ پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں (نیز دیگر تمام نسخہ جات قلمی میں بھی موجود ہے) "آنچہ حضرت علی علیہ السلام را با حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بود از اتصال و اتحاد صوری و معنوی و قربت کسے دیگرے را نہ بود"۔ ص ۶۵ پر حدیث انا و علی من نور واحد بعنی النبوۃ و فیہ الخلافۃ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ مجھ میں نبوت اور علی میں خلافت ہے۔

پھر مواخاتہ کا ذکر کر کے کہتے ہیں" افضل فضائل علی علیہ السلام ایں چہ ہر یکے را از صحابہ مماثل و مشاکل دیگری داشت۔ حضرت علی را بہ مماثل و متشاکل و مجانس خویش کرد۔ لا بد کہ افضل فضائل علی علیہ السلام باشد" صہ ۸۳ پر فرماتے ہیں" حضرت علی علیہ السلام داخل در قسمت اصحاب نیست او داخل اہل بیت است معتمد است و شرف یاری تنہا ندارد۔ او یار است۔ او پسر است او داماد است او برادر است"۔

" قلمی نسخہ موجودہ سالار جنگ لائبریری کے صفحات علی الترتیب صہ ۶۶ و ۶۷ و صہ ۱۱۱ پر تین نسخہ جات قلمی موجودہ حیدر آباد اسٹیٹ لائبریری کے صفحات علی الترتیب ۸۲ و ۱۰۳ و ۱۱۷ پر دوازدہ ائمہ اہلبیت اطہار کے متعلق حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں" در باب فضائل فضیلت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیچ از سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ گردانیدہ و تا بودہ اند ہم بر سیرت رسول اللہ صلعم بودہ اند ہم ایشاں بعد او برپا داشتند چنانکہ شائبہ تغیرے و وہم تبدیلی کسے بر ایشاں نسبت نکردہ و اعدا بر ایشاں ہم بدیں سیرت غالب شدند در پائے ایشاں قید دین و بند شریعت محکم بود و آنانکہ بعداوت پیش آمدند بند دین از پا گستہ و مہار شرع بکلی بریدہ ہرچہ دست داد بہ ہر طریقی کہ دست داد از مکر و خداع و کشتن و زہر و ایذائے ہیچ کم نیامد اما ایشاں جان خویش را فدائے شرع کردند و جان خویش را برائے رعایت سیرت حضرت رسول اللہ صلعم را بر باد دادند تا آنکہ از دست دشمناں حائل گشتند و معلوم است کہ بر ایشاں چہا گزشتہ ہیچ کسے (گناہ) صغیرہ و کبیرہ از ایشان در وقت جنگ و خصومت ہم نقل نہ کردہ آرے جگر گوشگان و نور دیدگان و پرکالۂ جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الاولین والآخرین اند۔ چگونہ خلاف دین از ایشان متصور باشد۔ اما بمجرد نقل رسول اللہ صلعم کہ ہنوز دفن ہم نکردہ بودند خلق علی العموم انچہ بد اندیشا کردند بیان آں منہی است"۔ انہی نسخہ جات کے صفحات علی الترتیب ۶۸ و ۱۱۵ و ۸۳ و ۱۰۴ پر حضرت خواجہ بندہ نواز تحریر فرماتے ہیں۔ "مخصوص بدیں اوصاف حضرت علی و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام است و ہر دوازدہ امام ہم بر یک سیرت و یک خلق یک طریق بودہ اند آرے نور نبی در ایشاں متصلاً متصلاً سرایت کردہ است باطن ایشاں بداں نور منور شدہ بود و ہم معصیت از ایشان محال باشد تا آنکہ ایشاں را ائمہ معصومین علیہم السلام خطاب کنند۔ جائز نیست کہ از ایشان وہم صغیرہ و کبیرہ باشد"۔

یعنی" فضائل اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ ہے کہ ان میں کی ایک فرد بھی اُسوۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹی ہوئی نہ تھی بلکہ سب تا دم زیست آنحضرت کی سیرت پر برقرار رہے ہیں اور حضرت رسولؐ کے طریقہ کو انھوں نے اس طرح جاری و ساری رکھا کہ جس میں تغیر کا شائبہ یا تبدیلی کا وہم و گمان تک کسی نے نہیں کیا اور اگرچہ کہ ان کے دشمنوں نے ان کو قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے

اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور دشمنان دین نے گویا ناقۂ دین کی مہار کو کاٹ دیا تھا اور دین کو متزلزل کردیا تھا اور مکر و فریب کشت و خون اور ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کی تھی لیکن ان ذوات عالی مرتبت نے اپنی جانیں شرع کے تحفظ کیلئے فدا کر دیں اور دین کو محکم اور شریعت کو مستحکم بنانے اور حضرت رسولؐ کی سیرت و سنت پر قائم رہنے میں اپنا سب کچھ لٹا دیا تاآں کہ دشمنوں نے جڑ بنیاد سے ان کو اکھیڑ دیا اور معلوم بھی ہے کہ کیا کیا مصائب ان پر گزر گئے۔ وقت جنگ و خصومت میں بھی کوئی مخالف ان ذوات قدسیہ سے کسی گناہ کبیرہ یا صغیرہ کو کبھی منسوب نہ کرسکا کیوں نہ ہو کہ یہ سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشے ان کے نور دیدہ اور ان کے جان و دل تھے کس طرح کسی امر خلاف دین کا تصور ان سے متعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن بجز د حضرت رسولؐ کے انتقال کے کہ ابھی آپ کا دفن و کفن بھی نہیں ہوا تھا امت نے علی العموم جو کچھ ان ذواتِ قدسی کے ساتھ کیا وہ لائق بیان نہیں ہے۔ بعد کے صفحات پر حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت علی حضرت امام حسن و حضرت امام حسین اور پورے کے پورے بارہ ائمہ علیہم السلام ان تمام اوصاف رسول سے یکساں متصف ہیں اور سب کے سب ایک ہی سیرت ایک ہی اخلاق اور ایک ہی طریق پر ہیں۔ ہاں کیوں نہ ہو ان میں نبی کا نور متصلاً متصلاً سرایت کیا ہوا ہے۔ اور ان کا باطن اسی نور نبی سے معمور رہے۔ کسی قسم کی معصیت ان سے محال ہے اس لئے ان کو ائمہ معصومین علیہم السلام سے خطاب کرتے ہیں۔ جائز نہیں کہ ان سے کسی صغیرہ یا کبیرہ کا کوئی وہم بھی کرے۔"

(متذکرہ صدر پوری عبارت حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے ارشادات کا ترجمہ ہے)

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ بحر المعانی میں تحریر فرماتے ہیں" اگر میں علی مرتضیٰ کے مناقب کا ایک شمہ ظاہر کروں تو آفتاب کا جمال سب کا سب محو ہو جائے اور جو کچھ میں نے آنجناب سے مشاہدہ کیا ہے اگر اسکو بیان کروں تو آدم سے لیکر عیسٰی مریم تک تمام انبیا کی نبوت کا خاندان اسی جناب سے خیال کرے۔"
اپنے ان کلمات کی سند میں حضرت خواجہ بزرگ نے شمس تبریزؒ کا وہ پورا قصیدہ درج کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود تا نقش زمین بود زماں بود علیؑ بود

یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ خواجہ بندہ نوازؒ کے ارشادات جوامع الکلم کو جن کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں مولوی حامد صدیقی صاحب لکچرار دینیات گلبرگہ کالج نے ۱۳۵۶ھ میں طبع کروایا ہے مگر اس میں مختلف مقامات پر ایسی عبارت اور سطریں کی سطریں ترک فرمادی ہیں جن میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے اہلبیت اطہار و ائمہ معصومین علیہم السلام کے مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً حضرت علی علیہ السلام کے علم و فصاحت و سخاوت و شجاعت و خلافت اور حضرت رسول کے ساتھ نور واحد سے ہونے کے متعلق صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب نے یہ حدیث درج فرمائی ہے۔

خلقت انا وعلی من نور واحد قبل ان یخلق آدم باربعہ الاف سنۃ ثم رکب ذالک النور فی صلب آدم فما زلنا فی شیئ ما احد حتی افترقنا فی صلب عبد المطلب ففی النبوۃ وفیہ خلافت ۵

یعنی من و علی از یک نور مخلوقیم پیش از خلقت آدم بہ چہار ہزار سال پس آنکہ نور ما در صلب آدم مرکب شد ہمیشہ در یکجا بودیم تا آنکہ از صلب عبد المطلب جدا شدیم یعنی نور علی در صلب ابی طالب رفت و نور من در صلب عبد اللہ آمد در من نبوت و در وے خلافت دست۔"

یہ پوری عبارت سالار جنگ لائبریری میں موجودہ دونوں قلمی نسخوں کے علی الترتیب صفحات ۶۸ و ۱۱۵ پر اور حیدر آباد اسٹیٹ لائبریری میں موجودہ تمام قلمی نسخوں کتاب سلسلہ ۱۸۱ کے ورق ۸۵ پر کتاب سلسلہ ۱۳۶۸ کے ۱۰۵ پر اور کتاب سلسلہ ۱۵۹۵ کے ورق ۱۱۸ پر موجود ہیں۔ مگر مولوی حامد صدیقی صاحب نے یہ پوری ۱۲ سطریں مطبوعہ کتاب میں حذف کر دی ہیں، اسی طرح سالار جنگ لائبریری کے دونوں قلمی نسخوں میں علی الترتیب ص ۶۷ و ص ۱۱۴ پر اسٹیٹ لائبریری کے تمام نسخوں کتاب سلسلہ ۱۸۱ کے ورق ۸۲ پر کتاب سلسلہ ۱۳۶۸ کے ص ۱۰۳ پر اور کتاب سلسلہ ۱۵۹۵ کے ورق ۱۱۷ پر حسب ذیل عبارت موجود ہے:

"اما بمجرد نقل رسول اللہ صلعم کہ ہنوز دفن ہم نکردہ بودند خلق علی العموم انچہ بدیشاں کردند بیان آں نہی است حضرت رسول اللہ صلعم میفرماید اذا ذکر اصحابی فاسکتو یعنی بہ مجرد حضرت رسولؐ کے انتقال کے جبکہ ہنوز آپ کا دفن وکفن بھی نہ ہوا تھا خلق علی العوم (یعنی تمام امت) نے جو کچھ ان (اہلبیت علیہم السلام) کے ساتھ کیا اس کا اظہار ممنوع ہے۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ صحابہ کے بارے میں سکوت اختیار کرو۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے نہایت بلیغ پیرایہ میں یہ واضح فرمادیا کہ حضرت رسولؐ کے انتقال کے ساتھ ہی صحابہ نے اہلبیت اطہار کے ساتھ جو بدترین سلوک کیا وہ لائق اظہار نہیں ہے۔ اصحاب کے بارے میں سکوت کی مبنیہ حدیث کا حوالہ دے کر آپ نے اس امر کو بھی واضح فرما دیا کہ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ وہ برا سلوک صحابہ ہی نے کیا ہے اگر ان امور کو ظاہر کرنا مقصود نہ ہوتا تو خواجہ صاحبؒ اس کا ذکر ہی نہ فرماتے بلکہ اس طرح فرماگئے کہ عقلمند را اشارہ کافیست تمام نسخات قلمی میں متذکرہ صدر عبارت موجود ہونیکے باوجود صدیقی صاحب نے مطبوعہ کتاب میں اسکو بھی ترک کر دیا ہے اسی طرح "وہم معصیت از ایشاں محال باشد تا آنکہ ایشاں را مرداں ائمہ معصومین علیہم السلام خطاب کنند جائز نیست کہ از ایشاں وہم صغیرہ و کبیرہ باشد" کی عبارت کو بھی باوجود تمام قلمی نسخوں میں ہونے کے موصوف نے حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح قلمی نسخوں میں خواجہ صاحبؒ صحابہ کے عجز اور حضرت علی علیہ السلام ان کی غلطیوں کی اصلاح

کرنے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "چہل و چند مسئلہ است کہ عمر و صحابۂ دیگر عاجز ماندہ اند و علی آنرا حکم کردہ و ہمہ آنرا قبول کردند و از آں جملہ یاد دارم کہ لولا علی لهلك عمر گفتہ کہ اگر بگویم دریں کتاب جا نخواہد ماند"۔ صدیقی صاحب نے مطبوعہ کتاب میں ان تمام عبارتوں کو بھی ترک کیا ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے جہاں کہیں حضرت علی علیہ السلام کا نام لیا ہے" امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام" سے مخاطب کیا ہے۔ اور جہاں حضرت رسول خدا کا نام لیا ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" سے مخاطب کیا ہے۔ مگر صدیقی صاحب نے طبع کروانے میں امیر المومنین علیہ السلام کو چھوڑ کر لفظ حضرت علی اور آلہ وسلم کو چھوڑ کر صرف رسول اللہ صلعم طبع کروایا ہے۔ تمام احادیث اور واقعات جن کا خواجہ صاحبؒ نے ذکر فرمایا ہے اہلسنت کی کتب احادیث میں مندرج ہیں اور اسقدر مشہور و معروف ہیں کہ زبان زد خاص و عام ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا نہ صرف سلسلۂ بیعت بلکہ سلسلۂ نسب بھی حضرت علی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ نہ صرف خواجہ صاحب بلکہ تمام اہل طریقت بزرگ جیسے شمس تبریزؒ مولانائے رومؒ حضرت خواجہ اجمیریؒ نظام الدین اولیاؒ بو علی قلندرؒ بختیار کاکیؒ فرید الدین عطارؒ نور الدین عبد الرحمن جامیؒ جنید بغدادیؒ مخدوم علی صابرؒ نعمت اللہ ولیؒ سعدیؒ حافظؒ امیر خسروؒ شرف الدین یزدیؒ شاہ نیاز احمد بریلویؒ وغیرہ وغیرہ نے اس سے بڑھ چڑھ کر بھی مولائے کائنات کی مدح کر کے اس کو سعادت دارین کا موجب سمجھا ہے اور اہل طریقت کے پاس مولائے کائنات کی مدح روزانہ کا معمول ہے ان حالات میں جہاں جوامع الکلم کے متعدد قلمی نسخوں میں خواجہ صاحب کے بیان کئے ہوئے فضائل اہلبیت علیہم السّلام اور نیز امت کی طرف سے خانوادۂ رسولؐ پر ظلم کے واقعات اہلسنت کی کثیر کتابوں میں درج ہوں تو انھیں کے مطابق فرمودات خواجہ صاحب کو الحاقی قرار دینے کی کیا وجہ ہے۔

اب اس ضمن میں ہم کچھ تفصیل درج کرتے ہیں جس سے جوامع الکلم کے متعدد صحیح نسخے موجود ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ صدیقی صاحب اپنے طبع کروائے ہوئے جوامع الکلم کے عرض حال میں لکھتے ہیں: "چونکہ اس کتاب کے بہت کم نسخے موجود ہیں اور جو نسخے جہاں جہاں موجود ہیں وہ تقریباً دو تین ہی نسخوں کی نقل ہیں اور اب امتداد زمانہ سے یہ بھی نیست و نابود و کمیاب ہوتے جا رہے ہیں اسلئے اسکی تصحیح کرنا اور متعدد نسخوں کو جمع کرنا بہت مشکل کام تھا۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ تمام نسخے بے شمار اور بے تعداد غلطیوں سے لبریز ہیں اور بعض مقامات پر مضامین الحاقی بھی معلوم ہوئے تھے ... ایک ایک حرف کی تصحیح کرنی پڑی اور بعض اوقات ایک ایک صفحہ کی تصحیح میں کئی کئی ہفتے لگ گئے۔"

واضح رہے کہ پانچ نسخے تو اسوقت بھی حیدر آباد کے دو بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں جنکا ذکر اوپر آیا ہے اور جنکو خود پڑھکر میں نے عبارتیں نقل کی ہیں۔ ہر نسخہ نہایت صاف خط میں لکھا ہوا ہے جسمیں نہ کہیں کوئی ابہام ہے نہ اشتباہ اور نہ اغلاط۔ پھر ان نسخوں سے دو ننو سال پہلے کا قدیم نسخہ خود حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جسکا ذکر ہم نے نیچے کیا ہے۔ حافظ سید عطا حسین صاحب

ناظم تعمیرات حیدرآباد جنھوں نے ارشادات حضرت خواجہ بندہ نواز پر مشتمل مجموعہ یازدہ رسائل" اور "خاتمہ" کی طباعت سنہ ۱۳۲٦ھ میں کرائی ہے۔ تمہیدی حصّہ میں جوامع الکلم کے قدیم نسخوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب کے فرزند حضرت سید اکبر حسینی نے دو مرتبہ خواجہ صاحب کے ملفوظات و ارشادات کو قلمبند و مرتب کیا تھا ایک دہلی میں اور دوسرا سفر گجرات کے زمانہ میں۔ انہیں کے مطابق حضرت خواجہ صاحب کے ایک مرید محمد نامی نے دوشنبہ ۱۰ رجب سنہ ۸۰۲ھ سے لیکر پنجشنبہ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۸۰۳ھ تک کے ارشادات و ملفوظات جمع کئے۔ پھر ایک مجموعہ حضرت خواجہ صاحب کے مرید قاضی علیم الدین بجروچی نے گلبرگہ میں سنہ ۸۱۱ھ میں جمع کیا۔ اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل ذکر یہ ہے کہ بتاریخ ۹ فروری سنہ ۱۹۷۰ء مولوی سید رحیم الدین حسین صاحب سابق ڈپٹی سکریٹری محکمہ فینانس فرزند مولوی سید کریم الدین حسین صاحب سابق نائب کوتوال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف بھی خواجہ صاحب کے ملفوظات کے ترجمہ میں لگے ہوئے ہیں اور کتاب "محبت نامہ" کی شرح کے آٹھ سو صفحات کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ موصوف نے فرمایا کہ حیدرآباد کے کتب خانوں میں موجود نسخوں سے تقریباً دو سو سال قبل کا نسخہ گلبرگہ میں خواجہ صاحب کی درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کو انھوں نے خود پڑھا ہے اور اسمیں اہلبیت علیہم السلام کے فضائل اور ان پر ظلم کے متعلق حضرت خواجہ صاحب کا وہ تمام ارشادات موجود ہیں جو حیدرآباد اسٹیٹ لائبریری اور سالار جنگ میوزیم لائبریری کے قلمی نسخوں میں ہیں اور جنکو صدیقی صاحب نے طبع کرواتے وقت حذف کر دیا ہے۔ مولوی سید رحیم الدین حسین صاحب نے اسکو ایک سخت قسم کی خیانت قرار دیا اور ان کے اس بیان کو مجھے اپنی کتاب میں درج کرنے کی اجازت بھی دی۔

امر واقع یہ ہے کہ مولوی عطا حسین صاحب نے جن چار نسخوں کا ذکر کیا ہے انمیں سے جو دو حضرت سید اکبر حسینی کے جمع کئے ہوئے ہیں انھیں کے مطابق اور انھیں کے نام سے تین نسخے اسٹیٹ لائبریری میں اور دو نسخے سالار جنگ میوزیم لائبریری میں۔ افسوس ہے کہ صدیقی صاحب کو گلبرگہ ہی میں رہتے ہوئے بھی نہ تو یہ قدیم نسخہ ہی نظر آسکا اور نہ کتب خانوں میں رکھے ہوئے متعدد قدیم نسخے ہی نظر آسکے جو ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔ اس کے برخلاف نہ جانے عدم آباد کے کس خرابہ سے انکو وہ نسخے ہاتھ لگے جو انھیں کے الفاظ میں) تمام کے تمام بے شمار اور بے تعداد غلطیوں سے لبریز تھے" وہ مثل صادق آتی ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ متعدد مسلمہ نسخے جو ہر ایک کی دسترس میں ہوں الحاقی ہو سکے ہوں صدیقی صاحب کے اس جملہ پر بھی غور فرمائیے کہ "بعض مقامات پر مضامین الحاقی بھی نظر آئے تھے" آخر ان کے الحاقی ہونے کا وہم ان کے دماغ میں سمایا کس طرح اور کس بنیاد پر انھوں نے الحاقی ہونے کا حکم لگایا اور انکو اسکا اختیار ہی کیا تھا۔ پھر تصیح کیا معنی رکھتی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں کہ "ایک ایک حرف کی تصیح کی گئی"۔

توضیح ذیل سے صحیح صورت حال سامنے آجائیگی کتب خانۂ سالار جنگ میوزیم کے صیغۂ مخطوطات فن تصوف کی کتاب سلسلہ ۱۷۸ جوامع الکلم سید اکبر حسینی صاحبؒ کا جمع کردہ نسخہ ہے (اس کے مماثل دوسرا نسخہ سلسلہ ۱۷۶ بھی ہے)۔ صدیقی صاحب نے طبع کروانے میں کتاب ۱۷۸ مذکور یا اُس کے مماثل نسخہ کی شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ اتباع کی ہے بجز اُن عبارتوں کے جو اہل بیت علیہم السلام کے فضائل اور ان پر ظلم سے متعلق ہیں جنکا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے یہ مخطوطہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی خصص عامۃ" عربی عبارت کے آگے "اما بعد این مخزن اسرار الٰہی است" سے شروع ہوا ہے اور خواجہ صاحب کے ارشادات روز دوشنبہ ۱۸ رجب ۸۰۲ھ سے لیکر پنجشنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ کے ارشاد پر ختم ہوا ہے جس کے آخری الفاظ "بحضرت بندگی مخدوم جہانیاں گزشت و قرارے را استقرار کما حقہ ثبوت گرفتہ الحمد للہ علی ذالک" پر ختم ہوا ہے۔ ابتداء و انتہا کی تاریخوں کے اعتبار سے یہ حضرت سید اکبر حسینی صاحبؒ کا مرتبہ وہی نسخہ ہے جسکا ذکر مولوی عطا حسین صاحب نے کیا ہے۔

صدیقی صاحب کا طبع کرایا ہوا نسخہ حرف بہ حرف اسی طرح شروع اور اسی طرح ختم ہوا ہے۔ ابتداء اور اختتام ارشادات کی تواریخ بھی وہی ہیں۔ دوشنبہ ۱۸ رجب سے آغاز اور پنجشنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ پر اختتام۔ پورا متن بھی وہی ہے۔ بجز اُن مخصوص محولہ عبارتوں کے جنکو انھوں نے حذف کیا ہے۔ پھر وہ جو کہتے ہیں کہ ایک ایک حرف کی تصحیح کرنی پڑی اور بعض اوقات ایک ایک صفحہ کی تصحیح میں کئی کئی ہفتے لگ گئے تو آخر وہ کونسی تصحیح تھی جبکہ سب نسخوں میں برائے نام بھی کوئی غلطی یا اشتباہ نہیں اور جس متن کی حرف بہ حرف اتباع انھوں نے کی ہے (بجز مخصوص عبارت ترک کرنے کے) اسمیں بھی کسی غلطی کا نام و نشان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جو تصحیح انھوں نے فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل اور اُن پر ظلم کے متعلق خواجہ صاحب کے ارشادات کو حذف کر دیا جائے اور ہر جگہ جہاں خواجہ صاحب نے "صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" لکھا ہوا ہو "آلہ" کا لفظ نکال دیا جائے اور جہاں جہاں "امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام" ہے۔ امیر المومنین اور علیہ السلام کے الفاظ نکال دیئے جائیں۔

ارباب فہم کے لیے یقیناً یہ بات واضح ہے کہ حق پر پردہ ڈالنے اور آفتاب سے شپرہ چشمی اختیار کرنیکی یہ ساری تگ و دو خانوادۂ رسولؐ سے بغض و عناد کے سوا کسی اور بنیاد پر نہیں ہوسکتی۔

مولانائے روم نے ٹھیک ہی تو فرمایا ہے ؎

قاضی و شیخ و محتسب دارد بہ دل بغض علی
ہر سہ شدند از دیں بری اللہ مولانا علی

ادارۂ ادبیات اردو قائم کردہ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور حیدر آباد کا ایک مشہور ادارہ ہے۔ اس کے کتب خانہ میں بیاض منقبت صفحہ ۷۵ جلد چہارم صفحہ ۹۴ پر حضرت خواجہ بندہ نواز کا حسب ذیل قطعہ درج ہے :-

دوش دیدم شہ حسین اندر بلا   گفتم اے شاہ شہید کربلا
سیدان سنی از نسل تو اند   گفت لا واللہ لا واللہ لا

ترجمہ :- میں نے امام حسین علیہ السلام کو بہ عالم رویا دیکھا اور سوال کیا کہ اے شاہ شہید کربلا کیا سنی المذہب سید لوگ آپ کی نسل سے ہیں تو فرمایا نہیں واللہ نہیں واللہ نہیں۔

اس کی توضیح اس طرح کی جاتی ہے کہ کسی کی نسل میں کوئی شخص اپنے مورث کے دین حق پر نہ ہو تو وہ اس کی فرزندی سے خارج ہو جاتا ہے۔ جیسے بمصداق آیت یا نوح لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح رب العزت نے حضرت نوح کے بیٹے کو ان کے اہل سے خارج فرما دیا تھا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے اسی مطلب کو جوامع الکلم (تمام نسخجات قلمی و مطبوعہ) میں فضائل ائمہ طاہرین علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح واضح فرمایا ہے۔

" ہر یکے از ایشاں سرے و سرورے است کہ زبان در مدح ایشاں گنگ و دل در معرفت صفات ایشاں متحیر۔ پس آنکہ از فرزندان ایشاں متصف بصفات ایشاں نہ بود و سائر سیرت ایشاں نباشد او حسینی و حسنی و علوی و فاطمی نہ بود"۔ یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام میں کا ہر فرد ایک بلند و بالا سردار تھا کہ ان کی مدح کرنے میں زبان گونگی اور ان کی صفات کا ادراک کرنے میں عقول متحیر ہیں۔ لہذا ان کی اولاد میں سے

جو کوئی ان کی صفات سے متصف نہ ہو اور ان کی سیرت پر نہ چلے تو وہ نہ حسینی ہے نہ علوی نہ فاطمی یعنی خارج النسب ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ گلبرگہ شریف پر حاضری کی سعادت مجھے بھی کئی مرتبہ حاصل ہوئی۔ جن لوگوں کو جانے کا اتفاق ہوا ہے دیکھا ہوگا کہ حضرت کے مزار کے اطراف جو چوکنڈی بنی ہوئی ہے اس پر چہاردہ معصومین علیہم السلام یعنی حضرت رسول خدا جناب فاطمہ زہرا اور دوازدہ ائمہ اطہار کے نام طغرہ کی شکل میں ۲ ۲ جگہ بطریق ذیل لکھے ہوئے ہیں۔

محمد مصطفےٰ علیہ السلام۔ فاطمہ زہرا علیہا السلام۔ امام علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام امام حسین شہید کربلا علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام۔ امام محمد باقر علیہ السلام۔ امام جعفر صادق علیہ السلام۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ امام علی رضا علیہ السلام امام علی النقی علیہ السلام۔ امام محمد تقی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام امام محمد مہدی علیہ السلام۔ نیز اس کے علاوہ قبر کے اطراف کی چوکنڈی پر جو شش پہل مینار چاروں طرف سے بنے ہوئے ہیں ان پر ۲ ۲ جگہہ نادعلی بطریق ذیل لکھی ہوئی ہے۔

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب کل ھم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی یا علی۔ واضح رہے کہ متعدد علماء محدثین اہلسنت نے غزوۂ احد کے موقعہ پر نادِ علی کا نازل ہونا اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدی شیخ احمد حسین خاں ص۲۱۲ و مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

نیز گنبد کے اندر اور باہر متعدد جگہ پنجتن پاک علیہم السلام کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت خواجۂ دکن کے صاحبزادہ کی گنبد کے اندر اور باہر متعدد جگہ کلمہ بطریق ذیل لکھا ہوا ہے:۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی ولی اللہ ؕ

عرس شریف کے موقعہ پر جو صندل مالی ہوتی ہے اس کو بھی قریب سے مجھے دیکھنے کا موقعہ ایک سے زائد مرتبہ ملا حضرت کے سجادہ صاحب صندل مالی کے بعد عطر و عنبر سے قبر کے سرہانے انگشت شہادت سے اللہ محمد علی (بس یہی نام) تحریر کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ سید محمد الحسینی کے دیوان کے جو قلمی نسخے حیدرآباد اسٹیٹ لائبریری میں محفوظ ہیں ان میں سے ایک پر یہ مہر ثبت ہے۔ قال رسول الثقلین حسین منی وانا من حسین نیز دیوان کے ٹائٹل پیج پر حضرت خواجہ صاحب کا یہ قطعہ ہاتھ سے لکھا ہوا ہے ۔

یارب بہ رسالتِ رسولُ الثقلین ۔۔۔ یارب بغزا کنندۂ بدر و حُنین

عصیانِ مرا دو حصہ کن در عرصات ۔۔۔ نصفش بہ حسن بخش و نصفش بہ حسین

حضرت خواجہ بندہ نواز کے اور دو قطعے حسب ذیل ہیں:۔

اے حیدر شہسوار وقت مدد است | وا ے صاحب ذوالفقار وقت مدد است
کار عجیبے فتادہ مشکل ما را | اے والد ہفت وچار وقت مدد است

دیگر

یاعلی ذات وصفات قل ھواللہ احد | نام تو نقش نگین مہر اللہ الصمد
بر زبانت لم یلد ناصر ولم یولد لہ | تیر بر داں لم یکن فرشت لہ کفوا احد

سالار جنگ لائبریری حیدر آباد میں موجودہ جوامع الکلم کے دو قلمی نسخوں میں سے ایک کے عنوان پر یاعلی ادرکنی لکھا ہوا ہے اور دوسرے کے عنوان پر یاعلی ولی اللہ لکھا ہوا ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کا ایک اور مشہور قطعہ عید غدیر کے بارے میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آؤ ہم ایک دوسرے کو عید غدیر کی مبارکباد دیں۔ افسوس ہے کہ اس کا نوٹ اسوقت میرے کاغذات میں نہیں مل رہا ہے۔ یہ امران کی تحریرات واشعار سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ دوازدہ ائمہ اہل بیت اطہار کو اپنا امام مانتے تھے اور خلفا ثلاثہ کو محض حکومت ظاہری کا حاکم سمجھتے تھے۔ جو بارہ امام کو مانے اسی کو امامیہ یا اثنا عشری (۱۲ کو ماننے والا) کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ کے خاندان کی ایک شاخ کے اراکین ظاہر بظاہر شیعہ ہیں۔ جو روضہ خورد کے لوگ کہلاتے ہیں۔ تاریخ آصفی نسخہ قلمی میں موجودہ حیدرآباد اسٹیٹ لائبریری کتاب مسلسلہ ۱۶۴۹ میں مذکور ہے کہ ۱۲۶۲ھ میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے خود سجادہ صاحب نے اپنے شیعہ ہونے کا ظاہر بظاہر اعلان کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ دکن کے معتقدین و پیروان دل کا جائزہ لیں کہ وہ بھی بارہ ائمہ معصومین کو اپنا امام مانتے ہیں یا نہیں؛ اور پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ امام ماننے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

مشہور اہل طریقت بزرگ روح الامین بن شمس الدین محمد الحسینی سبزواریؒ اپنی کتاب "ہدایۃ الامہ فی معرفۃ الائمہ" (قلمی نسخہ موجودہ سالار جنگ لائبریری) کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "مذہب امامیہ اثنا عشریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین واجب الاتباع است وما سوائے مذہب اثنا عشریہ کہ مدعی اسلام اند وخود را از زمرۂ مسلمانان می شمارند بشبہاتِ باطلہ بطرقِ مختلفہ رفتہ اند وحضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ ملک متعال فرمودہ اند کہ ستفرق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ واحدۃ ناجیۃ والباقون فی النار وصحت ایں حدیث بحصول پیوستہ است وکسے را از نواصب لعنہم اللہ نزاع درخبر بہجت اثر نیست .... محمد بن موسیٰ شیرازی کہ از علمائے اہل سنت است در تفسیرش بعد ذکر ایں حدیث تصریح نمودہ است کہ مراد از فرقہ ناجیہ فرقہ اثنا عشریہ اند۔

چون شاہین نظر بطران در آوردہ جمیع مذاہب خاصہ عامہ را بہ میزان استقامت سنجیدم مذہبے نیافتم کہ ضلالت و قصور و گمراہی دفتور نداشتہ باشد مگر مذہب علیہ عالیہ اثنا عشریہ کہ احکم واتقن و احق و اصدق از جمیع فرقہ ہا و اصول و فروعش از شوائب باطلہ و شبہات عاطلہ معرّیٰ و مبرا۔

یہاں خواجۂ دکن حضرت بندہ نوازؒ کے والد گرامی حضرت سیّد یوسف حسینی المعروف بہ سید شاہ راجو قتال حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے متعلق ایک واقعہ لائق بیان ہے جس کا ذکر مولوی سید عباس حسین صاحب نقوی ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر نے مجھ سے کیا اور موصوف کو میں نہایت معتبر راوی تصور کرتا ہوں۔ ان سے ان کے والد بزرگوار سید ولایت حسین صاحب نقوی مرحوم سابق صدر ناظم پٹنہ نے بیان فرمایا کہ موصوف جس زمانہ میں اورنگ آباد کے دوم تعلقدار تھے (کوئی پچاس سال قبل) خلد آباد گئے ہوئے تھے اور شام میں وہاں کے مزاروں پر فاتحہ کیلئے گئے۔ نماز مغرب کا وقت ہوگیا اور آپ نماز سے فارغ ہوئے مولوی صاحب موصوف کا یہ معمول تمام عمر رہا کہ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد امام حسین علیہ السلام کی چہار سالہ صاحبزادی شہزادی سکینہ علیہا السلام کی شہادت سے متعلق ایک مرثیہ یا کم از کم اس کے کچھ بند لحن اور طرز میں ضرور پڑھا کرتے اور رویا کرتے تھے۔ چنانچہ اس دن بھی بعد نماز مغرب اس تنہائی اور خاموشی کے عالم میں انھوں نے مرثیہ باآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف سے دھاڑیں مار کر رونے کی آواز گنبد کی جانب سے آرہی ہے۔ انھوں نے پڑھتے پڑھتے ہی ساتھ کے مشعل چی سے جو قندیل لئے ہوئے موجود تھا اشارہ کیا دیکھو کیا ہے۔ خود مرثیہ پڑھتے رہے رونے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ آدمی نے کہا شاید کوئی گنبد کے پیچھے لڑ رہے ہیں اور رو رہے ہیں مولوی صاحب بھی مرثیہ پڑھتے ہوئے اٹھے اور اس گنبد کی طرف چلے اور گنبد کے اطراف پھر کر دیکھا تو آواز گنبد کے اندر سے آرہی تھی۔ مولوی صاحب نے دروازہ کھولا اور مرثیہ پڑھتے ہوئے اندر گئے اس بند گنبد میں بجائے مرطوب اور رُکی ہوئی ہوا کے عطر و عنبر اور تازہ گلاب کی زبردست مہک آرہی تھی اور یہ پایا کہ صاحب مزار قبر کے اندر سے دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے مرثیہ جب تک جاری رکھا رونے کی آواز برابر قبر کے اندر سے آتی رہی یہ امر صاف ظاہر ہے کہ یہ اولیاء اللہ عاشقان حسین اور انتہا درجہ کے محب اہل بیت تھے حضرت سیّد یوسف حسینیؒ صاحب کا اس طرح قبر کے اندر سے رونا ایک طرف تو خود ان کی کرامت کی دلیل ہے اور دوسری طرف غم حسینؑ کی حقانیت اور مرثیہ خوانی کی صداقت کا ثبوت ہے ورنہ ایسے جلیل القدر بزرگ مرثیہ خوانی پر اپنی قبر کے اندر سے بہ آواز بلند نہ روتے۔

اہل طریقت بزرگ خواجہ معین الحقؒ اپنی کتاب گنج الاسرار میں تحریر فرماتے ہیں: "خاتم الانبیاء

علیہ السلام کے بعد سرحلقۂ اولیاء وہی بزرگوار سرور اصفیا علی مرتضیٰ ہے اور اگر سالک طریق طریقت مرتضیٰ علی کی متابعت اور پیروی میں دل وجان سے ربطِ حقیقی اور واقعی تعلق نہ رکھتا ہو تو اگرچہ علم میں علامہ روزگار ہو جائے اور ہزار سال ریاضت و مجاہدہ پر صرف کرے ہرگز ہرگز اسکو مشاہدۂ شواہد غیبی اور معرفت الہٰی نصیب نہیں ہو سکتی"۔

صاحبِ فواتح اپنی کتاب کے آخر میں عارف ربانی شیخ علاء الدین سمنانی سے نقل کرتے ہیں:
"ولایت علم باطن ہے اور وراثت علم ظاہری اور امامت علم ظاہر و باطن اور وصایت سلسلہ ظاہری کی حفاظت۔ امیر المومنین جناب سید المرسلین کے بعد ولی اور وارث اور امام اور وصی برحق تھے۔ بعد ازاں خلیفہ ظاہری بھی ہو گئے"۔

حضرت سید شاہ خاموش جو حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے سلسلے کے بزرگ ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

مدد کسی سے تو پھر چاہتا ہے کیا خاموش　　ترا وسیلہ علی مرتضیٰ ہوا سو ہوا

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

دامن آلودہ اگر خاموش ہے تو کیا عجب　　پاک کر دیں حضرت شبیر اپنے ہاتھ سے

حضرت شاہ خاموش کے سجادہ نشین حضرت سید محمد شاہ صابر حسینی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا یہ طریقہ تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد مناجات میں مشہور بزرگوں کے دعائیہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ان میں کی ایک دعا دنیا کے لئے ہے اور ایک مرتے وقت کی اور ایک آخرت کے لیے۔ پہلی دعا یہ تھی ؎

کریما بر گنہ گاراں کرم کن　　بہ حسنین و بتول و شاہ مرداں
بحق آں دو گیسوئے محمد　　بلائے دو جہاں از ما بگرداں

مرتے وقت کی دعا ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ　　کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
دعایم اگر رد کنی ور قبول　　من و دست و دامان آل رسولؐ

آخرت کی دعا:۔ (حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے اشعار ؎

یارب بہ رسالت رسول الثقلین　　یارب بہ غزا کنندۂ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات　　نیمے بہ حسن بخش و نیمے بہ حسین

حضرت صابر حسینی صاحب قبلہ دو ماہ تک علیل رہے۔ علالت کے آخری زمانہ میں پوچھتے تھے کہ محرم کا چاند ہوا یا نہیں جب محرم کا مہینہ آیا اور چاند ہونے کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کہ اب ہمارا وقت آگیا۔ ۲ محرم

رات کے ڈھائی بجے انتقال فرمایا۔ انتقال سے تین گھنٹے قبل اپنے فرزند رشید حضرت سید شاہ قطب الدین حسینی سے فرمایا کہ کچھ شعر موزوں ہو رہے ہیں نوٹ کر دو اور فی البدیہ یہ شعر فرمائے۔

دلم فداست بہ تنہائے پنجتن چہ تن است | سرم بخاک نجف یاد سجدہ گاہ من است
دریم جامۂ ہستی مدام در غم شاں | درین حیات وپس مرگ نوبت کفن است

حضرت قطب الدین حسینی صاحب نے اس خیال سے کہ شائد علالت کی شدت میں اس طرف دھیان نہ گیا ہو پہلے مصرعہ کے آخری الفاظ کی طرف توجہ دلائی کہ پنجتن (صیغہ جمع) کے لئے چہ تن است صیغہ واحد آگیا ہے تو فرمایا کہ نہیں یہ بالکل درست ہے۔ پنجتن پاک سب ملا کر ایک ہی تن ہیں۔ حضرت صابر حسینی اعلی اللہ مقامہ کے متعلق ایک اور امر بھی بطور خاص لائق اظہار ہے۔ جسکا ذکر ہم نے ایک علیحدہ مقام پر بلا اظہار نام کیا ہے۔

حضرت شاہ خاموش کے سلسلہ کے لوگ روزانہ بعد نماز فجر حسب ذیل مناجات پڑھتے ہیں۔ مولانا سید شاہ قطب الدین حسینی صابری مدظلہ سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش نے اس مناجات کو اور نیز دعائے حیدری کو پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں طبع کرا کر تقسیم بھی کروایا تھا۔

سحر در خواب می بینم جمال ساقی کوثر | علی ابن ابی طالب امیر المومنین حیدر
اخی سرور عالم حبیب احمد مرسل | انیس اولیائے کل شفیق و حامی در ہر

صبح صادق گر نمی زد دم زِ مہرِ بو تراب | تکمۂ چاک گریباں کے نمودے آفتاب
تا شدہ خاکِ نجف آرامگاہِ بوالحسن | عرش گوید ہر زماں یا لَیتَنی کُنتُ تراب

سکہ زد بر عرش و کرسی طبلہ زد لوح و قلم | ہادیٔ دین محمد مہدیٔ صاحب علم
کیست آں آقائے من شاہِ عرب دُلدل سوار | ذاتِ او مشکل کشائے جن و آدم دم بدم

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوت پروردگار | یاعلی سیحلی گویم سدا لیل و نہار
ہر بلائے پیش آید ایں بخواں ہفتاد بار | لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفِقَار

لطف انبیاء کرم اولیا بفضل پنجتن۔
یا علی مدد ـــ مدد ـــ مدد

یہاں ایک یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے اس مشہور و مستند دعائے حیدری میں بھی اَللّٰھُمَّ

صلی علی محمد و آلہ کے بعد اپنی طرف سے "و اصحابہ اجمعین" کے الفاظ داخل کر دیئے تھے مگر حضرت مولانا قطب الدین حسینی مدظلہ نے اس کی تحقیق فرمائی اور دہلی اور پھر وہاں سے راجول جاکر حضرت عبدالحق راجولوی ؒ کے کتب خانہ میں دعا کے اصل مسودہ کی تلاش فرمائی جن کے خواب میں حضرت علی علیہ السلام نے اس دعا کی تلقین فرمائی تھی۔ چنانچہ اصل مسودہ میں "واصحابہ" کے الفاظ نہیں پائے گئے۔ اس کے بعد مولانا ممدوح نے دعائے حیدری بموجب اصل طبع کروا کر تقسیم کروائی۔ اس پر کہیں "واصحابہ" کے الفاظ نہیں ہیں۔

ایک اہل طریقت کی طرف سے خلفائے ثلاثہ کے ایمان کو چیلنج اور ایمان ثابت کیا جائے تو انعام دینے کا اعلان

یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ایک بڑے سلسلہ کے سجادہ نشین بزرگ ؒ نے (جنکا ذکر اس کتاب میں موجود ہے) چھ ہزار روپیہ کا انعام مقرر کرکے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص خلفائے ثلاثہ میں سے کسی ایک کا بھی صاحب ایمان ہونا ثابت کرے گا تو یہ چھ ہزار کا انعام اسکو دیدیا جائیگا۔ بزرگ محترم موصوف نے متعدد مرتبہ نواب عنایت جنگ بہادر اور بعض دیگر اصحاب سے تذکرہ فرمایا کہ انعام محفوظ ہے کوئی شخص بھی خلفائے ثلاثہ میں سے کسی کا ؑ ایمان ثابت کرکے یہ انعام نہ لے سکا۔ اس واقعہ کی تصدیق میں نے بزرگ محترم موصوف ؒ کے صاحبزادے سے چاہی جو اُن کے موجودہ سجادہ ہیں۔ انھوں نے بالواسطہ تصدیق اسطرح فرمائی کہ ان کے والد بزرگوار کے اس انعام کا اعلان کرنیکے وقت وہ کم عمر تھے البتہ بزرگ محترم کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے اصحاب سے یہ بات ان کو معلوم ہوئی کہ ان کے والد بزرگوار نے ایسے انعام کا اعلان فرمایا تھا اور کوئی وہ انعام حاصل نہ کر سکا۔

اہل طریقت بزرگ موصوف سے ذاکر اہلبیت مولانا عباس حسین صاحب برادر سید اعجاز حسین صاحب تعلقدار کے گہرے روابط تھے۔ اُن سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی اہل طریقت موصوف کے ماموں نے جو دینیات پروفیسر تھے حضرت رسول ؐ کی ایک زوجہ کی تعریف و توصیف میں ایک کتاب لکھکر مقدمہ لکھنے کی خواہش سے مسودہ اپنے بھانجے کے حوالہ کیا۔ کئی دن انتظار کے بعد جب پروفیسر صاحب نے تقاضا کیا تو فرمایا فرمایا میں نے کتاب کو اسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں ممدوحہ رہتی ہیں یہ کیسے تو جواب دیا: "آگ میں ڈال دیا ہے"۔ پروفیسر صاحب نے اظہار ناراضگی کیا تو فرمایا "آپ بکری ہیں میں حیدری ہوں آپ کا میرا حساب حشر میں ہوگا"۔

اہل طریقت کے جانشین کرنیکی بنیاد حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

اس سلسلہ میں ہم حیدر آباد کی مشہور و معروف درگاہ حضرت شاہ خاموش ؒ کے سلسلہ کے جانشین مقرر کرنے جانیکا ذکر مناسب سمجھتے ہیں اور جو دستاویز جانشینی لکھا گیا اسکی زیراکس کاپی کا عکس بھی اس کتاب میں شامل کرتے ہیں۔ اس کی عبارت سے

ناظرین ملاحظہ کرینگے کہ حدیث من کُنتُ کو بنیاد قرار دیکر یہ لکھا گیا ہے کہ خواجۂ دو سرا سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے جس طرح حضرت امام المتقین سرتاجِ صوفیا مولائے کائنات علیٰ مرتضیٰ علیہ السلام کو بمصداقِ مَن کُنتُ مولاہ فعلیٌ مولاہ علوم ظاہریہ و باطنیہ ولدنیہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اسی کی اتباع میں بزرگانِ اہل طریقت اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں"۔

بتاریخ ۳ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ جناب مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری نے اپنے فرزند سید علی اکبر نظام الدین حسینی سلمہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جانشینی کی اس دستاویز پر حیدرآباد کی متعدد درگاہوں کے سجادہ صاحبان کے علاوہ اجمیر شریف کی درگاہ کے سجادہ جناب دیوان سید صولت حسین اور گلبرگہ شریف کے روضہ خورد کے سجادہ جناب سید شاہ قبول اللہ حسینی صاحب کی گواہی ہوئی۔ اور چونکہ مولانا قطب الدین حسینی صاحب سے میرے خاص روابط اور خیالات میں تمام تر ہم آہنگی تھی صرف میری گواہی بھی ثبت کروائی۔

کچھ عرصہ بعد مولانائے موصوف کا انتقال ہو گیا (خدا غریق رحمت کرے اور اعلیٰ مقام عطا فرمائے)

بتاریخ ۶ رمضان ۱۴۰۴ھ (۷ رجون ۱۹۸۴ء) میں نے مولانائے موصوف کے صاحبزادہ سید علی اکبر نظام الدین سلمہ موجودہ سجادہ نشین سے ملاقات کی اور دیر تک تبادلہ خیال کیا۔ یہ صاحبزادہ خوش اخلاق خوش گفتار خوش رو منکسر المزاج و شائستہ روزگار اور اپنے والد محترم کے قدم بقدم ہے ان سے میں نے جانشینی کے دستاویز کی بہ زیراکس کاپی حاصل کی جو شامل کتاب ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۸۸)

شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کا خیال

مولانا اپنی کتاب "منصب امامت" مترجمہ حکیم محمد حسین مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔ "امام رسول کے سعادتمند فرزند کی مانند ہے۔ باقی تمام اکابر امت و بزرگانِ ملت ملازموں خدمتگاروں جانثاروں اور غلاموں کے مانند ہیں۔ پس جس طرح تمام اکابر سلطنت وارکان مملکت کیلئے شہزادۂ والا قدر کی تعظیم ضروری ہے اور اس سے توسل موجب سعادت ہے اسی طرح اس سے مقابلہ کرنا شقاوت کی علامت اور اس پر مفاخرت بد انجامی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب کمال کے حضور میں اپنے علم کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے۔ اسکے ساتھ بیگانگی رسول کے ساتھ بیگانگی اور اس سے بیگانگی رسول سے بیگانگی ہے۔ خصوصاً جبکہ نیابت پیغمبر بھی اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے تفویض ہو چکی ہو۔ امام وقت سے سرکشی اور روگردانی رسول سے روگردانی اور ہمسری ہے اور خود رب العزت پر اعتراض جبکہ ایسے ناقص شخص کو کامل شخص کی نیابت کا منصب عطا ہوا۔ اسکے توسل کے بغیر قرب الٰہی محض وہم و خیال ہے جو سراسر باطل اور محال ہے۔" اسکے بعد مولانا نے ایک واضح مثال در فضیلت اہلبیت اطہار کئی احادیث درج کی ہیں جس میں ایک یہ ہے۔ حُبُّ عَلِیٍّ حَسَنَۃٌ لَا تَضُرُّ مَعَهَا سَيِّئَةٌ وَ بُغْضُ عَلِیٍّ سَيِّئَةٌ لَا تَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ۔ یعنی علی کی محبت ایسی نیکی ہے جسکے ساتھ کوئی برائی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور علی سے بغض ایسا گناہ ہے کہ اسکے ہوتے کوئی نیکی کام نہیں آسکتی۔

حق حق حق

بسم الله الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ وَاَصْحَابِهِ الصَّالِحِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

اما بعد! فقیر حقیر اضعف العباد سید محمد شاه قطب الدین حسینی صابری خلف حضرت سید شاه صابر حسینی صاحب علیه الرحمه و سجاده نشین درگاه حضرت قطب الاقطاب سید شاه معین الدین محمد محمود الحسینی المعروف به حضرت شاه خاموش صاحب قبله قدس سره تحریر می کند که چنانکه خواجهٔ دو سرا سرور کائنات علیه الصلوات والتحیات، حضرت امام المتقین ترجمان قبله مولائے کائنات علی المرتضیٰ علیه السلام را بفحوای (مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ) در علوم ظاهریه و باطنیه و لدنیه جانشین خود فرمودند، همین طریق باتباع سید الابرار علیه الصلوٰة والسلام، اسلاف و بزرگان طریقت اختیار کردند و جانشینان خود را بحیات خود مسند نشین نمودند، به طبق طریقهٔ عالیه این فقیر هم بمتابعت بزرگان به برخوردار سعادت شعار سید علی اکبر نظام الدین حسینی که بهمه وجوه اهلیت و صلاحیت خدمات سجادگی و تولیت دارند قائمقام و جانشین خود ساختم و سجاده نشین بارگاه حضرت مجمع السلاسل قدوة السالکین شاه خاموش قدس الله سره العزیز و روضه حضرت سید محمد شاه هاشم حسینی المشهور به محمد شاه صاحب قبله قدس سره موقوعه نامپلی و درگاه زبدة العارفین حضرت سید پیران حسینی صاحب قبله علیه الرحمة المعروف به سید تربے واقع محبوب گنج و خانقاه صابریه عقب کی مسجد و آثار متبرکه و ما یتعلق به درگاهجات پرداختم۔ و تولیت جمله جایداد باینه مصدر تفویض برخوردار نیک اطوار کردم۔

برخوردار مذبور را باید که از دائره شریعت و جادهٔ طریقت پا بیرون نه نهند، و بر خود خدمت شریعت و طریقت فرض عین شناسند۔ دل بیار و دست بکار به تعلیم و تلقین مریدان حق و اہل سلسله مشغول باشند۔ ترویج شریعت و تشییع طریقت بر خود مقدم دارند و به امتثال پند و نصیحت پیران عظام (اَلْاِلْتِزَامُ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالْمُوَاظَبَةُ عَلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ اَلْمُدَاوَمَةُ بِفِكْرِ اللّٰهِ وَالْقِیَامُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَالشُّكْرُ عَلٰی اَنْعُمِ اللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ) موظف باشند. و انتظام و صیانت املاک متعلق به اوقافات و انصرام اعراس و فواتح پیران کبار و بزرگان و اسلاف و محافل سماع و مجالس ذکر و حلقه‌های ذکر واجب الوجود باهتمام خاص به اتمام برسانند۔

لهٰذا این چند کلمات بطریق جانشینی و سجادگی نامه و تولیت نامه تکمیل کردم تا سند باشد و عند الحال بکار آید۔ به بارگاه رب العزت التماس دارم که فیضان طرق و سلاسل از برخوردار نیک اطوار جاری فرمایند۔ آمین بحق طٰهٰ وَاٰلِ یٰسین۔ المرقوم به ۳ ذی قعدة الحرام

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت اطہار کے متعلق بعض مشہور بزرگان اہل طریقت چند اشعار

اس باب کو مختصر رکھنے کے خیال سے ہم بلا کسی نقد و تبصرہ کے بعض صوفیائے کرام کے چند اشعار یا مختصر اقوال کو جمع کر دیتے ہیں جو اپنی زبان حال سے اپنے مطالب کا خود اعلان کرتے ہیں۔

حضرت جلال الدین رومیؒ جو مولانائے روم کہلاتے ہیں جس بلند پایہ کے بزرگ تھے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے عام طور پر آپ کی مثنوی زبان فارسی میں قرآن سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ــــ ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مولانائے روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

تو بتاریکی علی را دیدہ ــــ زاں سبب غیرے برو بگزیدہ
من علی را روز روشن دیدہ ام ــــ زاں سبب غیرے برو نگزیدہ ام
او خدو انداخت بر روئے علی ــــ افتخار ہر نبی و ہر ولی
او خدو انداخت بر روئے کہ ماہ ــــ سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
راز بگشا اے علی مرتضیٰ ــــ اے پس از سوء القضا حسن القضاء

خلافت کے تعلق سے مولانائے روم فرماتے ہیں:۔

اہل دُنیا کار دنیا ساختند ــــ مصطفےٰ را بے کفن انداختند
اہل دُنیا از کہین و از مہین ــــ لعنت اللہ علیہم اجمعین

بعض نسخوں میں پہلا شعر اس طرح بھی آیا ہے:۔

چوں صحابہ حُبِ دُنیا داشتند ــــ مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

حضرت امام حُسین علیہ السلام کی شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا روم نے ذیل کے شعر کے دوسرے مصرعہ میں ۶۱ھ تاریخ شہادت نکالی ہے۔

من چہ گویم وصف آں عالیجناب ــــ آہ بیروں آمدے از اسم ذات

اسم ذات اللہ میں سے آہ نکال لیا جائے تو باقیماندہ حروف کا مجموعہ بحساب ابجد ۶۱ ہوتا ہے۔ ۶۱ھ کے ہی آغاز میں شہادت امام حسین علیہ السلام واقع ہوئی ہے۔ مولانائے روم ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

علی مرتضیٰ شاہ سر افراز ــــ امام برحق و سالار دین است
حسن سر نبوت پاک معصوم ــــ حُسین اندر ولایت چون نگین است

دیگر از مولانائے روم

اے مُرغِ خوش الحاں بخواں اللہ مولانا علی — تسبیح خود کن بر زبان اللہ مولانا علی
اسمش عظیم و اعظم است غفار و فرد عالیت — مولا یہ حق آدم است اللہ مولانا علی
خواہی کہ یابی زو نشاں جاں در رہ او بر فشاں — کو جاں دہ است و جاں ستاں اللہ مولانا علی
سلطان بیمثل و نظیر پرور دگار بی وزیر — دارندہ برنا و پیر اللہ مولانا علی
ہم حیئ و ہم باقی توئی ہم کوثر و ساقی توئی — قسام و ارزاق ہم توئی اللہ مولانا علی
رزاق رزق بندگاں مطلوب جملہ طالباں — مامور امرکن فکاں اللہ مولانا علی
دارندۂ لوح و قلم پیدا کن خلق از عدم — میر عرب فخر عجم اللہ مولانا علی
ہم مومنین و مومنات وحش و طیور و ہم نبات — مقصود کل کائنات اللہ مولانا علی
تو ہادئ ہفت اختری ہم سالکاں را رہبری — ہم مومناں را غم خوری اللہ مولانا علی
سبحان حی لاینام پیدا از وہر صبح و شام — حج و نماز است و صیام اللہ مولانا علی
سر دفتر ہر انجمن علامہ مصر و یمن — آن بر دل دشمن شکن اللہ مولانا علی
اے بندہ شیریں زباں از دیو گریابی اماں — ہردم بگو از صدق جاں اللہ مولانا علی
اے رہ نمای مومناں اے سالک راہ جناں — اے سر پوش غیب داں اللہ مولانا علی
دانندۂ راز ہمہ انجام و آغاز ہمہ — اے قدر و اعزاز ہمہ اللہ مولانا علی
احساں ز تو آوارگاں از تو ہم روح و ہم ریحان تو — ہم جان و ہم جاناں ز تو اللہ مولانا علی
تیموی و ہم اکرمی سلطانی و ہم اعظمی — بر جملہ عالم اعلمی اللہ مولانا علی
ہم انبیاء گویا ز تو ہم اولیاء دانا ز تو — ہم عارفاں شیدا ز تو اللہ مولانا علی

دیگر

ہر لحظہ بشکل بت عیّار بر آمد — دل برد و نہاں شد
ہردم بلباس دگر آں یار بر آمد — گہ پیر و جواں شد

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

خود بر سر آن کوزہ خرید ار بر آمد — بشکست و روان شد
گاہی ز فلک گہ گل فخار بر آمد — زاں پس گہ نہاں شد
گہ نوح شد و کرد جہاں را بدعا غرق — خود رفت بکشتی
گہ گشت خلیل و بدل نار بر آمد — آتش گل از ان شد

کلمۃ الحق حصہ دوم

یوسف شد و از مصر فرستاد قمیصش
روشن گرِ عالم
از دیدۂ یعقوب چو انوار بر آمد
تا دیدہ عیاں شد

حقا کہ ہم او بود کہ اندر ید بیضا
میکرد شبانی
در چوب شد و برصفتِ مار بر آمد
زاں فخر کیاں شد

میگشت دمی چند بریں روی زمیں او
از بہر تفرج
عیسیٰ شد و بر گنبد دوار بر آمد
تسبیح کناں شد

بالجملہ ہم او بود کہ می آمد و میرفت
ہر قرن کہ دیدی
تا عاقبت آں شکل علی وار بر آمد
منسوخ چہ باشد نہ تناسخ کہ حقیقت

دارای جہاں شد
آں دلبر زیبا
شمشیر شد و در کف کرار بر آمد
نی نی کہ ہم او بود کہ میگفت انا الحق

قتال زماں شد
درصورت بوالحی
منصور نبود آنکہ بر آں دار بر آمد
رومی سخن کفر نگفتہ ست و نگوید

نادان بگماں شد
منکر مشویدش
کافر بود آں کس کہ بانکار بر آمد
از دوزخیاں شد

دیگر از مولانا روم

اوصاف علی بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذاتِ علی بہ واجبی کے دانم
الّا دانم کہ مثلِ او ممکن نیست

خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں :-

وقتیکہ بہ کعبہ مرتضیٰ شد پیدا اللہ اللہ
در ارض و سما جلوہ نما شد پیدا ماشاء اللہ
جبرئیل ز آسماں فرود آمد و گفت اے ختم رسل
فرزند بہ خانہ خدا شد پیدا واللہ باللہ

دیگر از خواجۂ اجمیرؒ

مناجات در خدمت چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

یارب بحق سیّد کونین مصطفٰے
کو شافع معاصی و کو منبع عطا
یارب بحق شاہ نجف آنکہ آمدہ
در شان او تبارک و یٰسین و ہل اتیٰ
یارب بحق سینہ و افغان فاطمہ
یارب بآہ و نالہ آں سرور النساء
یارب بحرمت دل صد پارہ حسن
آں پادشاہ جملۂ آفاق مجتبےٰ

یارب بحرمت جگر تشنہ لب حسینؑ — یارب بحق خون شہیدانِ کربلا
یارب بحق عابد و باقر امام دین — یارب بحق جعفر و ہم موسیٰ رضا
یارب بحرمت تقی و عزت نقی — یارب بحق عسکری آں شاہ پیشوا
یارب بحق مہدی و ہادی کہ ذات او — مانند مصطفےٰ است چو مولائی اتقیا
یارب بحق جملہ رسولان خویشتن — یارب بحق جملۂ ارواح انبیاء

دارد معینؔ امید درآں دم ز لطف خود
بخشی ورا بہ شاہ شہیدان کربلا

دیگر از خواجہ اجمیریؒ

دعوائے خلافت بہ سندمی باید — مَنْ کُنْتُ حَدِیْث درمدعا آید
ایں جائے نفاق و منکر و خائن نیست — ایں منزل شیر است اسد می باید

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

کفر در دل بر زباں اللہ اکبر داشتن — آلِ احمد کشتن و ہم حُبِّ حیدر داشتن
مر مرا باور نہ مے آید ز روئے اعتقاد — حق زہرا خوردن و دین پیمبر داشتن

امام حسین علیہ السلام کی شان میں حضرت خواجہ صاحب کا مشہور قطعہ ہے :۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسین دیں پناہ است حسینؑ
سرداد و نداد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

بے حاصلیم گر زد ہر روز ملک و مانش — مالابس است حاصل ہر علی و آلش
گر نشنو منافق مدح علی عجب نیست — استاد نا موافق داد است گوشمالش
گفتار خارجی را باور مکن اگرچہ — قال الرسول گوید کذب است قیل و قالش
آں را کہ غیر حیدر باشد امام و رہبر — دارد خیال باطل - باطل بود خیالش

دیگر از خواجہ اجمیریؒ

اے بعد نبی برسر تو تاج نبی — اے داد شہاں ز صولتت باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالا تر شد — یک قامت احمدی ز معراج نبی

دیگر از خواجہ اجمیریؒ

اے قصر امامت از تو معمور — فشور شہادت از تو مشہور
روشن ز وجود شت کونین — اے ظاہر و باطنت ہمہ نور

دیگر از خواجہ اجمیرؒ

بہ گرداب بلا افتادہ ام یا مصطفیٰ دستے — بہ بحر غم گرفتادم علی مرتضیٰ دستے
زاحوالِ شب معراج دانستم یداللہی — چرا دستم نہ گیری یا علی بہر خدا دستے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں سہ

کفایت است ز رود رسول و اولادش — ہمیشہ در دو جہاں جملۂ مُہماتم
زغیر آل نبی حاجتے اگر طلبم — روا مدار دیکے از ہزار حاجاتم
کمینہ خادم خدام خاندان توام — زخادمیٔ تو دائم بود مباہاتم

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں:-

آں شاہ بوتراب اسداللہ بوالحسن — عالی علی ولی خداوند کبریا
چوں روز حشر ہر کس املے طلب کند — مارا بجز علیؑ ولی نیست مقتدا
ماعاجزیم وخستہ نداریم طاعتے — الا محبت نبی و آل مرتضا

دیگر از حضرت بختیار کاکیؒ

اسداللہ عالی عالیجاہ — فانی از خویش از خدا آگاہ
صاحب ذوالفقار و دُلدل بُود — جزو او نیز فانیٔ کل بُود
بُود موصوف با صفات خُدا — زاں سبب گشتہ بود راہ نما
در خیبر کشاد کافر گشت — روز جنگش ندید کس پس پشت
مظہر جملۂ عجائب بود — زانکہ بر نفس خویش غالب بود
بہر آں گوہر یگانہ علی — بُود غواص بحر لم یزلی
شاہ مردان شہ علی صفدر — ہمدم و ہمزبان پیغمبر
مصطفیٰ شہر علم لم یزلیست — درآں شہر را کلید علی است
دست او دست قدرت حق بود — در خیبر ازاں سبب بکشود
ہر چہ حق گفت اُو چناں میکرد — ہر چہ اُو گفت حق ہماں میکرد
بود مامور امر حق یکسر — اسداللہ ساقی کوثر
حق در دلش ہویدا بود — بلکہ حق را درون او جا بود
وصف اُو در میاں نمے گنجد — نعتش در دہاں نمی گنجد
ہر سرِ مو اگر زباں سازم — نتواں وصف او بیاں سازم
من کہ باشم کہ وصف او گویم — بس ہمینم کہ پیرو اویم

ہر کہ او سر دِ چنیں دارد | ملک فردوس رنگیں دارد
در دل ہر کہ کرد مہرش جا | علم آنرا چو مہر کردہ درا
دشمن او فردہ است چو یخ | بے شکے ہست جائے او دوزخ
ہستم از دشمن علی بیزار | حق گواہ است اندریں گفتار
ہر کہ چون قطبؔ دیں گدائے علیست | کوس شاہی بنام او ازیست

حکیم سنائی کہتے ہیں سہ

اے سنائی بقوتِ ایمان | مدح حیدر بگوئے از دل وجاں
آن زفضل آفتِ سرائے فضول | آں علم دار وعلم دارِ رسول
ہم نبی را وصی وہم داماد | چشم پیغمبر از جمالش شاد
مرتضائے کہ کردیز دانش | ہمرہ جانِ مصطفےٰ جانش
ہر دو یک قبلہ وخرد شان دو | ہر دو یک روح وکالبد شان دو
در روندہ چو اختر گردوں | دو برادر چو موسیٰ و ہارون
نائب مصطفےٰ بروزِ غدیر | کرد بر شرعِ خود مرا ورا امیر

دیگر از حکیم سنائی

جز کتاب اللہ وعترت ز احمد مرسل نماند | یادگارے کو تواں تا روز محشر داشتن

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:-

مات شافعی ولیس یدری | علیؑ ربہ ام ربہ اللہ

ترجمہ:- شافعی مرگیا مگر پھر بھی نہ سمجھ پایا کہ اس کا رب علی ہے یا اللہ ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

لو ان المرتضیٰ ابدی محلہ | لاضحی الناس طرًا سجد اللہ
کفیٰ فی فضل مولانا علی | وقوع الشک فی انہ اللہ

ترجمہ:- اگر مرتضیٰ اپنے محل و مرتبہ کو ظاہر کر دیتے تو تمام لوگ ان کے لئے سربسجود ہو جاتے۔ میرے مولا کے فضل میں یہی کافی ہے کہ ان کے بارے میں لوگوں کو یہ شک واقع ہوا کہ وہ خدا ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں سہ

یا اھل بیت رسول حبکم | فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم | من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

ترجمہ :- یعنی اے اہل بیتِ رسولؐ تمہاری محبت قرآن میں اللہ نے فرض کرکے اُتاری ہے۔ تمہارے بڑے مرتبہ کیلئے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے اسکی نماز نہیں ہوتی۔ حضرت شافعی ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

علی الدر والذھب مصفا　　باقی الناس کلھم تراب

یعنی علی موتی اور خالص سونا ہیں اور باقی تمام انسان مٹی ہیں۔

دیگر از حضرت شافعی

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّۃٌ　　قَسِیمُ النَّارِ وَالْجَنَّۃِ
وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقّاً　　اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّۃِ

ترجمہ :- یعنی علی کی محبت سپر ہے جو آتش دوزخ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جنت و دوزخ کا تقسیم کرنے والا علی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ کا وصی برحق علی ہے اور وہ جن وانس سب کا امام ہے۔

لئن کان ذنب حب آل محمد　　فذا الذنب لست منہ اتوب
ھم شفعائی یوم حشری وموقفی　　وحبھم الشافعی ذنوب

یعنی۔ اگر آل محمد سے محبت رکھنا گناہ ہے تو یہ ایسا گناہ ہے جس سے میں کبھی توبہ نہ کروں گا۔ یہی لوگ تو روز جزا وحشر میں میرے شفاعت کرنے والے ہیں۔ ان سے محبت رکھنا شافعی کے لئے گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شافعی فرماتے ہیں،

ان کان رفضا حب آل محمد　　فاننی الرفض العباد

یعنی اگر آل محمد کی محبت کا نام ہی رفض ہے تو تمام بندوں میں سب سے بڑا رافضی میں ہوں۔ ایک جگہ کہتے ہیں :-

الام الام حتی متیٰ　　رعایت فی حب ھذا الفتیٰ
فھل زوجۃ فاطمہ غیرہ　　وفی غیرہ ھل اتی اھل اتیٰ

یعنی۔ میں کہاں تک اور کب تک اس جوان (علی) کی محبت پر ملامت کیا جاؤنگا۔ تو کیا فاطمہ جیسی بی بی کسی اور کو بھی ملی ہے اور کیا ھل اتی کسی اور کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے۔

دیگر از حضرت شافعی

برئیت الی المھمن اناس　　یرون الرفض حب الفاطمیہ
علی آل رسول صلوا قد ربی　　ولعنۃ نسلک الجاھلیہ

یعنی لوگوں کی اس گمراہی سے برأت چاہتا ہوں جبکی بنا پر ان کو اولاد فاطمہ کی محبت رفض نظر آتی ہے۔

(بڑے تعجب کی بات ہے کہ) اللہ تعالیٰ آلِ محمدؐ پر درود وسلام بھیجتا ہے (اور یہ لوگ اسکو گمراہی سمجھتے ہیں) ایسی جہالت والوں پر خدا کی لعنت ہو۔

مولانا روم کی شخصیت سے ہر شخص واقف ہے اور خود مولانائے روم کہتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم — تا غلام شمس تبریزی نہ شد

اب ملاحظہ ہو حضرت شمس تبریز کیا فرماتے ہیں:۔

در مدح و منقبت

حضرت شاہ اولیا سلطان اوصیا آدم اصفیا امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السّلام

آفتاب وجود اہل صفا — آن امام مُبیں ولی خُدا
آن امامے کہ قائم است بحق — در زمین وزمان وارض سما
ذات او هست واجب العظمۃ — او منزّہ زکفر وشرک وریا
عالم وحدت است منزل او — او برون از صفات مافیھا
رو چو جان وحقیقتِ ایمان — جملہ فانی وجان بود برجا
جنبش او بود زخطِ قدیم — گردش اُو بود بگرد بقا
ہست باقی چو ذات خالق خلق — والصفاتش علی عالی را
نیست خالی صفات حق از ذات — ہست ممسوس او بذاتِ خدا
اوست آن گنج مخفی لاہوت — کہ زحق او بحق شدہ پیدا
نقد آن گنج علم بے پایاں — ہست مقصود آں علی علا
حکمت حق جز او ندانَد کس — او حکیم است وعالم الاشیا
اَوّلِ اُو بُوَد بلا اَوّل — آخرِ اُو بُوَد بلا اُخریٰ
ناصر الانبیاست او الحق — اولیا راست دیدہ بینا
لمعہ نورِ رُوئے او کردہ — آفتاب از ضیائے خود پیدا
او بحق است وحق زِ او ظاہر — او بحق است جاودان حقا
بود از نورِ اُو گلِ آدم — زاں شدہ تاج مظہر اسما
مطلع گشتہ است برہمہ شئے — آدم از علم آں امام تقا
سجدہ بردند نزد او ملکوت — زانکہ بد نور خالق یکتا

آدم از نورِ آن امام بحق — مطلع گشت بر همه اسما
شیث در خود بدید نور علی — گشت واقف ز عالم اعلیٰ
نوح از و یافت انچه می طلبید — تا رسانیدش بمنزل علیا
یافت طوفان قرار اندر دهر — نوح ناجی که رسته شد ز بلا
کرد ذکرش خلیل در بلا — تا که شد نار لاله حمرا
جمله نسرین و لاله و گل شد — نارِ نمرود بر خلیل خدا
رو براو کرد بے شک اسمٰعیل — گشت قربان کیش او بصفا
یاد او کرد یوسف اندر چاه — تا گرفت آن سریر ملک آرا
بسکه نالید پیش او یعقوب — بوئے یوسف شمید شد بینا
نور او دید موسیٔ عمران — گشت واله در آن شب یلدا
او بغش فتاده بد بیخود — گشته مستغرق وصال و لقا
گفت یارب مرا نشانے ده — گفت دادم ترا ید بیضا
در شریعت در مدینه علم — در حقیقت امیرِ هر دو سرا
لطف او بود همدمِ مریم — گشت عیسیٰ از ان سبب پیدا
سرِ او دید سیدِ کونین — در شب قرب در مقامِ دنیٰ
از علی می شنید نطقِ علی — بعلی جز علیِ نبود آنجا
رهروان طالب اند و او مطلوب — ناطقان صامت اند و او گویا
ذره نیست بے مشیتِ او — تا ثریا ز فوق تحت ثریٰ
علم جا دید شد برش روشن — کرد تحقیق سرِ ما اوحیٰ
اوست مقصود کل موجودات — اوست واقف ز گنجہائے خدا
گفت احمد خود از سر تحقیق — بوتراب است شاه هر دو سرا
صادقان جمله رو به او دارند — کو امیر است و هادی و مولا
بود با جمله انبیاء در سر — بود با مصطفیٰ نبی جهرا
اول و آخر او بود در دیں — ظاهر و باطن او بود بخدا
نمیدانی تو رمز این معنی — نه کسی در ولایت والا
گر تولا کنی به حیدر کن — تا بعزت به جنت الماویٰ

تا شود روشنت کہ عالی اوست — بامن اے خواجہ کم کنی غوغا
ماہمہ ذرہ ایم و اُو خورشید — ماہمہ قطرہ ایم و اُو دریا
ماہمہ غافلیم و اُو آگاہ — ماہمہ فانیم و اُو بہ بقا
شمس دیں چوں تو صادقی در عشق — جان فدا کن ز بہر مولانا
تا شود جانت واصل جاناں — تا کہ باشی بہ عشق راہنما

دیگر از شمس تبریزؒ

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود — تا نقش زمین بود زماں بود علی بود
شاہے کہ ولی بود وصی بود علی بود — سلطان سخا و کرم و جود علی بود
مسجود ملایک کہ شد آدم ز علی شد — آدم چو یکے قبلہ و مسجود علی بود
ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب ہم ادریس — ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علی بود
ہم موسیٰ و ہم عیسیٰ و ہم خضر و ہم الیاس — ہم صالح پیغمبر و داؤد علی بود
آں شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج — با احمد مختار یکے بود علی بود
سرِ دو جہاں پرتو انوار الٰہی — از عرش بہ فرش آمد و بنمود علی بود
آں شیر دلاور کہ ز بہر طمع نفس — در خوانِ جہاں پنجہ نیالود علی بود
آں کاشف قرآں کہ خدا در ہمہ قرآں — کردش صفتِ عصمت و بستود علی بود
آں عارف سجاد کہ خاکِ درش از قدر — از کنگرہ عرش برافزود علی بود
جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچوں — در پیشِ محمد شد و مقصود علی بود
آں شاہ سرافراز کہ اندر رہ اسلام — تا کار نشد راست نیاسود علی بود
خاتم کہ در انگشت سلیمان نبی کرد — آں نورِ خدائی کہ بر و بود علی بود
چنداں کہ در آفاق نظر کردم و دیدم — از روئے یقیں در ہمہ موجود علی بود
وجہے کہ بہ فرمود خداوند بہ قرآں — آں وجہ مکرم کہ بہ فرمود علی بود
ایں کفر نہ باشد بخدا کفر نہ ایں است — تا ہست علی باشد تا بود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن — ہم وعدہ و ہم واعد و موعود علی بود

سرِ دو جہاں جملہ ز پیدا و ز پنہاں
شمس الحق تبریز کہ بنمود علی بود

دیگر از شمس تبریزؒ

ساقی با وفا منم دم ہمہ دم علی علی
صوفی با وفا منم دم ہمہ دم علی علی
عیسیٰ مریمی توئی احمد ہاشمی توئی
شیر خدا توئی دم ہمہ دم علی علی
شمس توئی قمر توئی بحر توئی و بر توئی
مالک خشک و تر توئی دم ہمہ دم علی علی
اُیٔہ انما برت، تاج نہ لا فتیٰ سرت
شمس غلام قنبرت دم ہمہ دم علی علی

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے بارہ ائمہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام (۲) حضرت امام حسن علیہ السلام (۳) حضرت امام حسین علیہ السلام (۴) امام زین العابدین علیہ السلام (۵) امام محمد باقر علیہ السلام (۶) امام جعفر صادق علیہ السلام (۷) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۸) امام علی الرضا علیہ السلام (۹) امام محمد تقی علیہ السلام (۱۰) امام علی النقی علیہ السلام (۱۱) امام حسن عسکری علیہ السلام (۱۲) امام مہدی بن حسن عسکری آخرالزماں علیہ السلام۔

دوازدہ ائمہ طاہرین علیہم السّلام کی شان میں حضرت جامیؒ کا قصیدہ

من ز مہر حیدرم ہر لحظہ اندر دل صفاست
از پئے حیدر حسن مارا امام و رہنما ست
ہمچو کلب افتادہ ام بر آستان بوالحسن
خاک نعلین حسین بر ہر دو چشم توتیا ست
عابدیں تاج سر و باقر دو چشم روشنم
دین جعفر بر حق است و مذہب موسیٰ رواست
اے موالی وصف سلطان خراسان را شنو
ذرۂ از خاک قبرش درد مندان را دواست
پیشوائے مومناں است اے مسلماناں تقی
گر نقی را دوست داری بر ہمہ مذہب رواست
عسکری نور دو چشم عالم است و آدم است
ہمچو یک مہدی سپہ سالار در عالم کجاست
قلعہ خیبر گرفتہ آں شہنشاہ عرب
زانکہ در بازوئے حیدر ناصر الا فتا است
شاعراں از بہر سیم و زر سخنہا گفتہ اند
احمد جامیؒ غلام خاص شاہ اولیا ست

دیگر از حضرت جامیؒ

بمدح دوازدہ ائمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم

مخزن اسرار الہٰی است خاک
سر زمین بر زدہ شد تا سماک
چونکہ علی داشت بخاک انتساب
کرد نبی کنیت او بو تراب
وہ کہ ازیں خاک چہ گلہا دمید
نکہت فردوس بعالم دزید

سنبل و گل را بہ چمن زیب و زین | موئے حسنؓ آمد و روئے حسینؓ
ان دو نہالند کہ تا روز دین | بارور اند از گل و از یاسمین
ہر دم ازین باغ برے میرسد | تازه تر از تازه ترے میرسد
آں ده و دو ہمچو بر اوج فلک | نظم جہاں داده سما تا سمک
باز ازاں غنچۂ خونین کفن | رستہ گل تازه ترے چوں سمن
گلشن دیں یافتہ زو زیب و زین | گلبن توحید علی حسینؓ
گلشن گردون و ریاض بہشت | در بر آں روضہ نمایند زشت
سر زده زو باز نہالی عجب | داده ثمر ہائے علوم و ادب
شد صدف گوہر عالی فرش | ساختہ شہری کہ علی شد درش
علم کہ در روئے زمیں وافراست | از دم عیسی نفس با قراست
باز شگفتہ گلے از باغ او | داده جلا دیده مازاغ او
بست دھان دگر آنرا زگفت | غنچہ شدند آن ہمہ و او شگفت
صادق و صدیق بصدق و صفا | ناظر و منظور بہ حسن و فا
باز ازان گلبن عالی تبار | وه چہ رطب بود کہ آمد بہ بار
کام ولایت شده شیریں ازو | یافتہ تمکین عجب دیں ازو
آنکہ برد از دل اغیار بیم | کاظم غیظ است بخلق کریم
باز دمید از چمن او گلے | کامده روح القدسش بلبلے
خاک خراساں شده زو مشکبو | خلق بآں بو شده در جستجو
برد بتقوی گرو از ما بقی | شہرت ازان یافت بنام تقی
سر زد ازاں باز علی منظرے | در صف شیران وفا صفدرے
زنگ زوده از دل ہر متقی | کنیت او گشت ازآنزو نقی
از شقاوت شده آئینہ | کو فگند عکس بہ گنجینہ
بحر سخا کان وفا و کرم | سایہ ده طوبی و باغ ارم
زاده ازان زبده پیغمبری | محسن احسن حسن عسکری
باز چہ گویم چہ گلے زو دمید | وه چہ گلے از گلشن آمد پدید
نکہت او برده ز دلہا گمان | پر شد ازو دامن آخر زماں

رشتہ کہ از حق بہ نبی بستہ شد — باز بآں سلسلہ پیوستہ شد
نقطۂ اول کہ بہ آخر رسید — کار ہدایت بہ نہایت کشید
قاتل دجال بہ شمشیر کیں — با دم عیسیٰ نفس او قریں
ہر یک ازاں گوہر گیتی فروز — دادہ بہ شب روشنی نیمروز
ہر یک از ایشاں عجب من عجب — سلسلہ شاں سلسلۃ من ذہب
ہر کہ بہ آں سلسلہ پیوستہ شد — از ستم حادثہ وارستہ شد
من کہ دراں روضہ ریاضت کشم — زاں گل و گلزار بہ بوئے خوشم
نکہت آں عطر کفن بس مرا — خار و خس و سرو سمن بس مرا

دیگر از حضرت جامیؒ

دست بداماں آل زن کہ نباشد — جز بہ محمدؐ مآل محمدؐ
لیس کلامے یفی بعثت کمالہ — صل الٰہی علی النبی و آلہ

دیگر از حضرت جامیؒ

روشن آں مظہر صافیست کہ در صورت اصل — آشکار است از و عکس جمال ازلی
جامی از قافلہ سالار رہ عشق ترا — گر بپرسند کہ آں کیست علی گوئی علی

دیگر از حضرت جامیؒ

کردم ز دیدہ پائے سوئے مشہد حسین — ہست ایں سفر بہ مذہب عشاق فرض عین
خدام مرقدش بسرم گر نہند پائے — حقا کہ بگذرد سرم از بار فرق دین
از قاف تا بہ قاف پراست از کرامتش — آں بہ کہ حیلہ جوئی کند ترک شیوہ شین
کعبہ بہ گرد روضۂ او مے کند طواف — رکب الحجیج این ترو حون این این
جامی گدائے حضرت او باش تا شود — با راحت وصال مبدل عذاب عین

دیگر از حضرت جامیؒ

سلام علیٰ آل طٰہٰ و یاسین — سلام علیٰ آل خیر النبیین
سلام علیٰ روضۃ حل فیہا — امام یباہی بہ الملک والدین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد — حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
شہ کاخ عرفاں گل شاخ احساں — در درج امکان مہ برج تمکیں
علی ابن موسی الرضا کز خدایش — رضا شد لقب چوں رضا شد آئیں

زفضل شرف بینی اورا جہانے — اگر نبود ت تیرہ چشم جہاں بین
بیٔ عطر اومیند حوران جنت — غبار دیار ش بگیسوۓ مشکیں
اگر خواہی آری بکف دامن او — برو دامن از ہرچہ جز اوست درچین

دیگر از حضرت جامی

پنجہ در کن اسد الہٰی را — بیخ برکن دو سہ روباہی را

دیگر از حضرت جامی

تو سلطان صاحب سریر آمدی — علیٰ کل شئی قدیر آمدی
بہر صورت دلپذیر آمدی — سمیعٌ علیمٌ بصیر آمدی
علی نام کردی بہ ملک عرب — بہ سوۓ غریباں امیر آمدی
بگیر انچہ میخواہی جامی بگیر — بدرگاہ سلطاں فقیر آمدی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں سہ

بصدق و صفا گشت بیچارہ جامی — غلام غلامان آلِ محمد

مولانا جامی سلسلۃ الذہب میں تحریر فرماتے ہیں سہ

کیش من رفض دین من رفض است — رسم معروف اہل عرفان است
رفض گر ہست حُبِ آلِ نبی — رفض فرض است بر فقیر و غنی

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں سہ

نام حیدر من بخوانم خلق گوید رافضی — پس خدا و مصطفیٰ جبرلؑ باشد رافضی

شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں : —

گو ہزاراں سال باشی در طلب — در ہزاراں جام گیری تا بلب
در بہ ہر روزے گزاری صد نماز — در بداری صوم با عمر دراز
یا تو اندر علم دیں اعظم شوی — در علوم از شافعی اعلم شوی
یا چو حنبل مقتدائے دین شوی — در علوم مالکی رہ بیں حنوی
مہر حیدر گرنہ باشد در دلت — کے تواں گفتن سلیم و مقبلت
ہر کہ در عشق علی نبود درست — رافضی دانم مرا اُو را از نخست

دیگر از حضرت فریدالدین عطار

مصطفیٰ ختم رسل شد در جہاں — مرتضیٰ ختم ولایت درمیاں
جملہ فرزندان حیدر اولیا — جملہ یک نور ند کرد ایں حق ندا

جملہ فرزندانِ حیدر اولیا — جملہ یک نور ند کرد ایں حق ندا
صد ہزاراں اولیا روئے زمیں — از خدا خواہند مہدی را الیقین
یا الٰہی مہدیم از غیب آر — تا جہانِ عدل گردد آشکار
مہدیٔ ہادی است تاج اتقیا — بہترینِ خلق بُرجِ اولیاء
از ولائے تو معین آمدہ — بر دل و ایمان روشن آمدہ
اے تو ختم اولیائے ایں زماں — وز ہمہ معنی نہانی جانِ جاں
اے تو ہم پیدا و پنہاں آمدہ — بندہ عطار ت ثنا خواں آمدہ

دیگر از حضرت فریدالدین عطار

از سنائش لافتیٰ آمد پدید — وز سہ نانش ھل اتیٰ آمد پدید

دیگر از حضرت فریدالدین عطار

صد ہزاراں رحمت جاں آفریں — بر روے و بر آلِ پاک طاہرین

دیگر از حضرت فریدالدین عطار

ز مشرق تا بمغرب گر امام است — علی و آلِ او مارا تمام است

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:۔

گرد و عالم پُر از ولی باشد — پیر من مرتضےٰ علی باشد

علامہ قنبر علی ہمتی فرماتے ہیں:۔

سلطان سریر لافتیٰ ہست علی — سردار تمام اولیا ہست علی
ہر چند بہ نزدِ خلق پیغمبر نیست — رہبر بہ جمیعِ انبیاء ہست علی

دیگر

ہمراز نبی ساقیٔ حوض کوثر — حیدر بود آں قاسم جنات و سقر
جز پائے علی برتر از عرش خدا — پائے کہ رسد بہ شانۂ پیغمبر

دیگر

از جملۂ کائنات آغاز تو ئی — از کرسی و لوح و عرش ابراز تو ئی
باور نہ کنم کہ بندہ باشی زیرا — در قرب دنیٰ صاحب آواز تو ئی

خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؂

در مذہب ما کلام حق نادِ علی — طاعت کہ قبول حق بود یاد علی
از جملۂ آفرینش کون و مکان — مقصود خدا علی و اولاد علی

دیگر از حافظ شیرازی

آں را کہ دوستی علی نیست کافر است — گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بہ ولائے تو یا علی — فردا بروح پاک اماماں گواہ باش
حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن — وانگاہ در طریق چو مردانِ راہ باش

دیگر از حافظ

مقدرے کہ زِ آثارِ صنع کرد اظہار — سپہر و مہر و مہ سال و ماہ و لیل و نہار
بدوستی نبی و ولی اساس نہاد — جہان و ہر چہ در او ہست خالق جبار
اگر نہ ذاتِ نبی و ولی بُدے مقصود — جہاں بکنج عدم خفتہ بدے چو اول بار
نوشتہ بر درِ فردوس کاتبانِ قضا — نبی رسول و ولی عہد حیدر کرار
امام جنی و انسی علی بود کہ علی — ز کلِ خلق فزون است از صغار و کبار
ز نام اوست معلق سما و کرسی و عرش — ز ذات اوست معلق زمین بدیں ہنجار
علی امام و علی امین و علی ایماں — علی امین و علی سرور و علی سردار
علی علیم و علی عالم و علی اعلم — علی کلیم و علی حاکم و علی مختار
علی نصیر و علی ناصر و علی منصور — علی مظفر و غالب علی سپہ سالار
علی عزیز و علی عزت و علی افضل — علی لطیف و علی انور و علی انوار
علی است فتح فتوح و علی است راحتِ روح — علی است بحرِ سخا و علی است کوہِ وقار
علی سلیم و علی سالم و علی مسلم — علی قسیمِ قصور و علی است قاسم نار
علی صفی و علی صافی و علی صوفی — علی وفی و علی صفدر و علی کرار
علی نعیم و علی نعمت و علی منعم — علی بود اسد اللہ قاتل کفار
علی ز بعد محمد ز ہر کہ ہست بہ است — اگر تو مومن پاکی بکن بریں اقرار
بحق دین محمد بخونِ پاکِ حسین — بحق مردم نیک از مہاجر و انصار
کہ نیست دین ہدا بقولِ پاکِ رسول — امام غیر علی بعدِ احمدِ مختار
ز بعدِ او حسن است و حسین و عترت او — مجوئے جہل بریں کار مومنِ دیندار
حرام زادہ و بدفعل و شوم و بے بنیاد — بمدح شاہِ جہاں کی کجا کند اقرار
متابعت بہ منافق چو می کنی بگذر — زیاد گفتن نامش ہزار استغفار
بدشمناں منشیں حافظا تولا کن — نجاتِ خویش طلب کن بجانِ ہشت و چہار

دوازدہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شان میں فیضی کے ایک قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں:۔

برگردنِ ما طوقِ وبالِ ابدی باد　　گر سلسلۂ شیرِ خدا را نہ شناسیم
از نفس ہزیمت بخوریم ار بہ حقیقت　　سرِ لشکرِ میدانِ غزا را نہ شناسیم
با مشعلِ خورشید اگر گرم بگردیم　　بے نورِ علی راہِ علا را نہ شناسیم
بے نور بمیریم بہ ظلمت کدۂ کفر　　گر آں دو چراغِ شہدا را نہ شناسیم
جز سجدۂ خاکِ در سجاد ندانیم　　سجادۂ اصحابِ ریا را نہ شناسیم
فیضیؔ نہ شود خاتمہ ما بہ ہدایت　　تا ختمِ امامانِ ہدیٰ را نہ شناسیم

یہ شعر بھی فیضی ہی کا ہے

امامے کہ روزِ وفاتِ پیمبر　　خلافت گزارد و بہ ماتم نشیند

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شان میں نظیری نیشاپوری کے قصیدہ کا ایک شعر ہے:۔

حنبل نہ شستہ پائے از و دیدہ در وضو　　مالک نہ بستہ دست بادا قتدا نمود

یعنے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھکر ان کی اتباع میں فرقہ حنبلی کے پیشوا حضرت حنبل (جن کے فرقہ سے حضرت عبدالقادر جیلانی کا بھی تعلق تھا) وضو کرنے میں پاؤں دھویا نہیں کرتے تھے بلکہ صرف پاؤں کا مسح کرتے تھے اور فرقہ مالکی کے پیشوا مالک نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی اقتدا میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

حضرت مصلح الدین سعدیؔ شیرازی فرماتے ہیں:۔

منم کز جاں شدم مولائے حیدر　　امیر المومنین آں شاہ حیدر
علی کو را خدا بیشک ولی خواند　　بہ امرِ حق وصی کردش پیمبر
با براہیم و قرباں کردنِ او　　بہ اسحاق و باسمعیل و ہاجر
بہ ختمِ انبیا احمد کہ باشد　　شفیعِ عاصیاں در روزِ محشر
بہ رنجِ اہلبیت و آہِ زہرا　　بخونِ ناحقِ شبیر و شبّر
بآبِ دیدۂ طفلانِ مرحوم　　بہ سوزِ سینۂ پیرانِ غم خور
بحقِ کرسی و وحیٔ الٰہی　　کز آنجا نیست دیگر جائے بہتر
کہ بعد از مصطفیٰ در جملہ عالم　　نہ بد فاضل تر و برتر ز حیدر
مسلّم بد سلونی گفتن او را　　کہ علمِ مصطفیٰ را بود او در
یقیں اندر سخا و علم و عصمت　　ز پیغمبر نہ بود او ہیچ کمتر

چہ گویم وصف آں شاہے کہ جبریل | گہے بُد مدح گویش گاہ چاکر
بداں گفتم کہ تا خلقاں بدانند | کہ سعدی زیں سعادت نیست بے بر

دیگر از سعدی

کیست بعد از مصطفےٰ مولائے ما الّا علی | برگزیدہ خلق اکبر عالم یکتا علیؑ
ساقیٔ روز قیامت صاحب حوض و لواء | والد شبیر و شبّر شوہر زہرا علیؑ
شہسوار روز میداں صفدر لشکر شکن | قاتل کفار خیبر صاحب ہمتا علیؑ
آفتاب از دام مشرق باز گشت از حکم او | تا بجا آورد امر ایزد دانا علیؑ
پائے بر کتف محمد چوں بہ امر او نہاد | بر گرفت از بام کعبہ جملہ تبہا را علیؑ
زد بنام خالق ہیچوں بنام مصطفےٰ | پیکر پیغمبری در کسوت طغری علیؑ
دستِ صدق از دامن حُبّ علی کوتہ مکن | زانکہ دارد در دو عالم عروۃ الوثقیٰ علیؑ
چتر دار مصطفےٰ در صورت باز سفید | در شب معراج سبحٰن الذی اسریٰ علیؑ
یا محمد ہمچو نورِ دیدہ با دیدہ قریں | در گزشتہ پائے او از حدّ ادادنیٰ علیؑ
بر گزشت از نہ فلک آں سرورِ صاحب قرآن | با محمد شد قرآں بر عالم بالا علیؑ
سعدیا شیرازیا آخر چہ می پرسی بگو | کیست بعد از مصطفےٰ مولائے ما الّا علیؑ

دیگر از سعدی

سادات نورِ دیدہ و اشراف عالم اند | از عترتِ محمدؐ و از عترت علیؑ
از مہر آنکہ سید کونین گفتہ است | الصالحون للہ و از صالحون لی

دیگر از سعدی

کس را چہ زور و زہرہ کہ وصف علی کند | جبّار در مناقب اُو گفتہ ھَلْ اَتیٰ
فردا کہ ہر کسے بہ شفیع زنند دست | مائیم و دست و دامنِ معصوم مرتضیٰ

دیگر از سعدی

الٰہی بحق بنی فاطمہ | کہ بر قولِ ایمان کنم خاتمہ
دعائیم اگر رد کنی و رقبول | من و دست و دامان آل رسولؐ

دیگر

ما علی را خدانمی دانیم | از خدا ہم جدا نمی دانیم

دیگر از سعدیؒ

اگر پرسد از من خدائے کریم بہ حب کہ بردی بسر زندگی را
کہ مولات بر دو کرا بندہ بودی بگویم علیؑ با نہ گویم علی را

دیگر از سعدیؒ

چوں بہ حکم خالق بیچوں کشادم لام وب لب بہ بندم یک نفس از مدح عین ولام وی
عین ولام وی بعالم ہیچ میدانی کہ کیست آنکہ برجستہ از دہر ہرگز نہ گفتہ نون وہ
صف شگاف لشکر کران علی المرتضیٰ دشمنش را صد ہزاراں لام وعین ونون وتے
لام وعین ونون وت باور نہ دارد بہر او چوں خورند از دست حیدر روز محشر میم وی
مے خورم از دست حیدر روز محشر ایں سبب گفتہ ام وردِ زباں را ذکر عین ولام وی
عین ولام وی بدل دارم گر گویند خلق ایں سعادت نیست بہ بر سین وعین ودال وی

دیگر از سعدیؒ

بروئے کعبہ رود شیخ من بسوئے نجف بہ رب کعبہ کہ انجام راست حق بطرف
تفاوتے کہ میان من است و او انیست کہ من بسوئے گہر رفتم او بسوئے صدف

حضرت سید نظام الدین سلطان اولیا معروف بہ خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں:۔

امامت را کسے شاید کہ شاہ اولیاء باشد بہ زہد وعصمت ودانش مثال انبیا باشد
امام دیں کسے باشد کہ در شرعِ نبی اکثر بہر مشکل کہ مے بینی ترا مشکل کشا باشد
امام دیں کسے باشد کہ بے امر خدا ہرگز نہ کردہ ہیچ کارے او کہ ایں کار خدا باشد
امام حق کسے باشد کہ آں در جملۂ قرآن بہ ہر آیت کہ مے بینی کہ در وصفش ثنا باشد
امام حق کسے باشد کہ آن در طینت عالم پیمبر را بہم بودہ ولایت را بنا باشد
امام حق کسے باشد کہ در وقت ولادت او بود در کعبہ و کعبہ ز گفتش در صفا باشد
امام حق کسے باشد یزداں بست عقد او بود خیر النساء زوجہ وخسرش مصطفیٰ باشد
امام حق کسے باشد کہ با ابنا و با زہرا نبی را نفسک نفسی بزیر یک عبا باشد
امام حق کسے باشد کہ باشد ہمسر احمد چنیں رفعت کہ می بینی بجز حیدر کجا باشد
و مثلِ مصطفیٰ ما را دریں رہ رہبری باشد کہ باشد نفس قرآن آں علی مرتضیٰ باشد
وصیت کرد امت را محمدؐ در غدیر خم علی ابن ابی طالب خلافت را روا باشد
ہمہ گفتند بخ بخ مرحبا یا بن ابی طالب امام عادل و فاضل بغیر از تو کجا باشد

ز اقرارِ خودش آنکس با نکار آمدہ آخر   کہ اِنَّ الاصل لا یخفیٰ حدیثِ مصطفیٰ باشد
برائے جیفۂ دنیا خلافِ امرِ حق کردہ   سزائے ایں چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد
نظام الدین چہ ساں گوید کہ من ہم بندہ شاہم   ولیکن قنبرا در اکمینہ یک گدا باشد

سرکارِ دو عالمؐ و مولائے کائنات علیہم السلام کی شان میں حضرت نظام الدین اولیاء کا حسبِ ذیل قصیدہ اخبار رہبر دکن حیدر آباد میں چھپ چکا ہے :-

آں مہتر دو عالم و ایں بہتر دو کون   آں سرورِ رسالت و ایں صفدر وغا
آں ختم انبیاست کز و یافت زیب و فر   ہم ملک او نبوت و ہم تخت اصطفا
آں شاہِ اولیاست کہ از قدر احترام   ذاتش مشرف است بہ تشریف انّما
آں مظہر فتوت و ایں مجمع کرم   آں مطلع کرامت و ایں منبع سخا
آں عارفِ حقیقت و ایں ہادیٔ طریق   آں حاکم شریعت و ایں والیٔ ولا
آں آسمانِ رفعت و ایں آفتاب دیں   آں صاحبِ لعمرک و ایں نصِ ہل اتیٰ
آں شاہِ مَن عرف شدہ سلطان لوکشف   ایں ماہ و یا و سیں شدہ خورشید طا و ہا
آں پیشوائے امت و ایں رہنمائے خلق   آں قاطعِ ضلالت و ایں دافع بلا
آں بحرِ رستگاری و ایں کشتیٔ نجات   آں جرم را شفاعت و ایں رنج را شفا
آں کعبہ شفاعت و ایں قبلۂ مراد   ملجائے آں عالم لدنی و ایں عالم نقد
محکوم آں دو حکم قضا آمد از قدر   مامورِ ایں دو امرِ قدر آمد از قضا
آں راست چرخ تابع و اجرام زیرِ حکم   ایں راست صدر منزل و عرش است متکا
ایں ہر دو شاہ گوہر دریائے رحمت اند   با گوہر نفیس میامیز کہربا
دانی حدیث لحمک لحمی ز بہر چیست   ایں ہر دو تن یکیست یکے را مبیں دوتا

شاہ نورالدین نعمت اللہ ولیؒ فرماتے ہیں :-

باطن احمد علیؑ مرتضیٰ است   ظاہر احمد امام انبیاء است
آفتاب از حکم حیدر باز گشت   مہر و مہ آرے بحکم مرتضیٰ است

دیگر از شاہ نورالدین نعمت اللہ ولی

دم بدم از ولائے مرتضیٰ باید زدن   دستِ دل در دامنِ آلِ عبا باید زدن
نقشِ حبِ خانداں بر لوحِ جاں باید نگاشت   مُہرِ مہرِ حیدری بر دل چو ما باید زدن
دم مزن با ہر کہ او بیگانہ باشد از علی   دم نفس خواہی زدن با آشنا باید زدن

روبروئے دوستانِ مرتضیٰ باید نہاد — مدعی را تیغ غیرت بر قفا باید زدن
لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیٌ لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقار — ایں سخن را از سرِ صدق و صفا باید زدن
در دو عالم چاردہ معصوم ے باید نہاد — مُدعی را تیغ غیرت بر قفا باید زدن
پیشوائی بایدت جستن ز اولادِ رسولؐ — پس قدم مردانہ در راہِ خدا باید زدن
گر بلائے آید از عشقِ شہید کربلا — عاشقانہ آں بلا را مرحبا باید زدن
ہر درختے کاں ندارد میوۂ حُبِّ علی — اصل و فرعش را قلم سرتا بپا باید زدن
دوستانِ خاندان را دوست باید داشتن — بعد ازاں دم از وفائے مرتضیٰ باید زدن
سُرخیِ روئے موالی سکۂ نام علی است — بر رُخِ دینارِ دیں چوں بادشا باید زدن
بے ولائے آں ولی لافِ ولایت میزنی — لاف می باید کہ دانی از کجا باید زدن
ما لوائے از ولائے آں ولی افراشتیم — طبل در زیر گلیم آخر چرا باید زدن
بر درِ شہرِ ولایت خانۂ باید گرفت — خیمہ در دار السّلام اولیا باید زدن
از زبان نعمت اللہ منقبت باید شنید — بر کفِ نعلین سیّد بوسہ ہا باید زدن

شاہ قاسم انوار فرماتے ہیں:۔

الا اے شہنشاہِ ملکا کبیرا — عَلَی الحق تُوئی مومنین را امیرا
تبصِ کلام و حدیث پیمبر — ولی و وصیِّ خُدا و نبی را
ترا مے تواں خواند انسان کامل — کہ ہستی بہ معنی سمیعًا بصیرا

علامہ صالح کشفی ترمذی مناقب مرتضوی میں فرماتے ہیں:۔

گر پرسدت کسے کہ علی را نظیر ہست — با او بگو کہ آب بوئے گلاب نیست
در نزد کبریا بجز از ختم انبیاء — کس را مقام و منزلتِ بوتراب نیست

حضرت احمد جام زندہ پیل فرماتے ہیں:۔

گر نجاتِ آنجہاں مطلوب داری اے عزیز — دست در دامانِ آلِ مصطفےٰ باید زدن

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں:۔

سزاوارِ خلافت در تمامی شرق و مغرب — نمی دانم کسے غیر از علی ابن ابی طالب

دیگر

امیر المومنین را می پرستم — امام المتقین را می پرستم
وصی و ابن عم دیار احمد — امام السابقین را می پرستم

حضرت کے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اعلان فرمایا تھا کہ میں اپنے کئی لاکھ مریدوں کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب تفضیلیہ یعنی حضرت علی علیہ السلام کو بعد حضرت رسولؐ خدا سب سے افضل ماننے والے ہیں) ان کے خلیفہ حضرت عینی شاہ صاحب نظامی کے متعلق مشہور تھا کہ یہ شیعہ خیالات رکھتے ہیں یہ شیعوں کے پاس مجالس عزا بیان کرتے تھے۔ جسکو میں نے بھی سنا ہے ان کے ایک سلام کا ترجیع بند ہے:۔

منم غلام علی و علی امام من است

عید غدیر پر ان کا قصیدہ حسب ذیل ہے:۔

علی ملک امامت را شہ تاج و سریر آمد
باقلیم ولایت ضو فشاں مہر منیر آمد

علی ابن ابی طالب شہ برنا و پیر آمد
امیر المومنین بر ہر صغیر و ہر کبیر آمد

امام شرق و مغرب امام حاضر و غائب
ز فرمان محمد بر مسلمانان امیر آمد

چہ پرسی از مناصب ہا چہ گوئی از مناقب ہا
بشیر آمد، نذیر، خبیر آمد قدیر آمد

امام دو جہاں و قبلۂ دیں کعبۂ ایماں
بہ کعبہ ہم شبیہ آمد بقرآں ہم صفیر آمد

علی ابن ابی طالب کہ ہارون محمدؐ بود
مشیر آمد، ظہیر آمد، نذیر آمد وزیر آمد

علی را جانشین خود پیمبر منتخب کردہ
نویدے ایں چنیں از جانب خم غدیر آمد

علی را اہل خیبر دیدہ می گفتند از مرحب
ببیں اینک شہ خیبر کشا و قلعہ گیر آمد

بعد شادی و عشرت باہزاراں خرمی عینی
پس عید الضحیٰ۔ عید دگر عید غدیر آمد

شیخ شرف الدین یزدی فرماتے ہیں:۔

در مرتبۂ علی نہ چوں است و نہ چند
در خانۂ حق زاد بہ جانش سوگند

بے فرزندے کہ خانہ زادے دارد
شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

دیگر

زہے عز و جلال بوتراب فخر انسانے
علی مرتضیٰ مشکل کشائے شیر یزدانے

ولی حق وصی مصطفےٰ دریائے فیضانے
امام دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے

امیر کشور فقرے شہ اقلیم عرفانے
خدا گوئے خدا بینے خدا دانے خدا شانے

گہر دریائے تجریدے گل بستان احریرے
بہ شکل و صورت انسان نمایاں ذات رحمانے

انیس محفل انسے جلیس مجلس قدسے
سرو ہر جان خاصانے نشاط روح پاکانے

پیمبر بر سر منبر نشست و خواند مولائش — کہ تا مولائے کش را باشد اندر خلق برہانے

نیاید اندر قیامت بے سر و ساماں نخواہی شد — کہ از حب و تولائے علی داری تو سامانے

دیگر

اے دل بگیر دامن سلطانِ اولیاء — یعنی حسین ابن علی جانِ اولیاء

چوں صاحب مقام نبی و علی است او — ہم فخر انبیاء شدہ ہم شانِ اولیاء

آئینہ جمالِ الٰہی است صورتش — زاں رو شدست قبلۂ ایمانِ اولیاء

حضرت جلال الدین محمود تھانیوی فرماتے ہیں:۔

علی شاہ حیدر امام کبیرا — ز بعد نبی شد بشیرا نذیرا

زمیں آسمان عرش و کرسی بحکمش — علی دان علی کل شیئ قدیرا

کسے را کہ مہر علی ہست در دل — بود ایمن از شرہ مستطیرا

چہ باک است مداح مولا علی را — ز یوم عبوسا و از قمطریرا

بود یطعمون الطعام از تو شاہا — بہ مسکین دیگر یتیما اسیرا

بہ بد خواہ اولاد حیدر خدا گفت — کہ یدعو ثبورا و یصلی سعیرا

علی مرتضیٰ ابن عم رسول است — چو موسیٰ اخی گفت ہاروں وزیرا

ز تو ہست و بود مہ و مہر و کوکب — توئی در دو عالم سراجا منیرا

بہ فضلت کرم کن علی شاہ حیدر — بایں خاکسار جلال فقیرا

حضرت بو علی قلندر فرماتے ہیں:۔

حیدریم قلندرم مستم — بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

من بہ غیر از علی ندانستم — ھو اللہ ھو العلی ہستم

حضرت بو علی قلندر کی یہ چیز قوالیوں میں روزمرہ گائی جاتی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے۔ اپنی کتاب "روحانیت کے تاجدار" میں صاحبزادہ مستحسن فاروقی سجادہ نشین خانقاہ کلیمی لکھتے ہیں:۔

حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر ایک جذب کے عالم میں دریا میں جا کھڑے ہوئے اور سردی گرمی دھوپ بارش ہر کیفیت میں بے آب و دانہ بارہ سال گزار دیئے۔ مچھلیاں آپ کی پنڈلیوں کا تمام گوشت کھا گئیں بارہ سال کی اس طویل ریاضت کے بعد غیب سے آواز آئی شرف الدین ہم نے تیری عبادت قبول کی۔ اب تجھے اجازت ہے جو تیرا دل چاہے مانگ۔ آپ نے عرض کی۔ بارالہا تو عالم الغیب ہے۔ مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ میں تو تجھ سے تجھ ہی کو مانگتا ہوں۔

پھر ندا آئی پانی سے نکل آؤ ہمیں تم سے بہت سے کام لینے ہیں۔ عرض کیا" اگر کام لینا ہے تو خود ہی مجھے باہر نکالو۔ اس کے بعد ایک بزرگ نے ان کو اٹھا کر دریا کے باہر کھڑا کر دیا۔ بو علی قلندر نے عرض کیا میں نے تو اللہ کو پکارا تھا آپ کون ہیں جو اس لق و دق صحرا میں آ کر مجھے نکال لیا۔ ان بزرگ نے جواب دیا شرف الدین تو ہراساں نہ ہو۔ میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ بو علی قلندر فوراً آپ کے قدموں پر گر پڑے اور پاؤں چومے۔ حضرت علی علیہ السّلام نے قدموں سے ان کا سر اٹھایا۔ اسم اعظم اور کچھ نکات وحدت تعلیم کئے۔ سینہ کو مطلع انوار بنایا اور غائب ہو گئے۔ اب جو نظر کرتے ہیں تو ارض و سما کے تمام حجابات اٹھ چکے تھے۔"

کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت بو علی قلندر حیدریم قلندرم مستم بندہ مرتضیٰ علی ہستم کہا کرتے تھے۔
منقبت مولائے کائنات میں شاہ شرف الدین بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور قصیدہ حسب ذیل ہے:-

اے رونقِ ارض و سما زینت دہِ عرشِ عُلا　　خورشیدِ قدرت را ضیا نورِ جنابِ کبریا
شاہِ سریرِ کن فکاں مالک رقابِ انس و جاں　　جانِ جہاں روحِ رواں محبوبِ محبوبِ خدا
بدر الدجیٰ فرخ لقا شمس الضحیٰ نور الہدیٰ　　بحرِ سخا خوانِ عطا معجز نما مشکل کشا
اے رونقِ ایں نُہ چمن دے مظہرِ خلقِ حسن　　زیبِ زمیں شاہِ زمن صاحب سریر لافتیٰ
اُستادِ جبریلِ امیں علّامِ علمِ اولیں　　تفسیرِ قرآں مُبیں کشافِ رازِ کبریا
عالی نسب والا حسب ماہِ عجم شاہِ عرب　　ضرغامِ دیں حیدر لقب عالم سبب مشکل کشا
ماہِ فروغِ معرفت مہرِ سپہرِ مکرمت　　سُلطان عالی مرتبت مسند نشینِ قُل کفیٰ
منشائے آیاتِ مبیں فتویٰ دہِ حبل المتیں　　بر آسماں کرسی نشیں بر عرشِ اعظم متکا
حاجت روائے مومناں مشکل کشائے دو جہاں　　روشن چراغِ عز و شاں شاہنشہِ روزِ جزا
مفتاحِ قفلِ معنوی آگاہِ اسرارِ خفی　　دروازۂ علمِ نبی گنجینۂ صدق و صفا
نفسِ رسولِ مصطفےٰ موصوف از وصفِ ثنا　　سرِ دفترِ اہلِ صفا سر کردۂ عیشِ عزا
گلدستۂ گلزارِ دیں سرو چراغانِ یقیں　　ساقیِ فردوسِ بریں ساغر دہِ اہلِ صفا
خورشیدِ اوجِ برتری مہرِ سپہرِ داوری　　فرماں برایت مشتری اے نیرِ برجِ سما
اے باعثِ امن و اماں بے قیصرِ کون و مکاں　　فخرِ زماں شاہِ جہاں زیبِ سریرِ حل اتیٰ
نورِ الٰہِ العٰلمیں ہم نفسِ خیر المرسلیں　　یعسوبِ دیں حبل المتیں اے صاحبِ مشکل کشا
معجز نما عیسیٰ نفس شیرِ خدا فریاد رس　　مشکل کشا مشکل کشا نہ کسی ہے دستگیر دوسرا

نورِ تو نفسِ احمدی جسم تو نورِ سرمدی — اول ز عالم تو بدی بعد از تو خلق ارض و سما
درشانِ پاکت اے ولی نازل شدہ نادِ علی — جبریل با صوتِ جلی خواندہ بشانت لافتیٰ
پیچیدہ از حکم تو سر حور و ملک جن و بشر — انجم فلک شمس و قمر برق و مطر آب و ہوا
باشد مطیعِ حکم تو در ہر دو عالم ہر چہ ہست — در تحتِ فرمانت بود از عرش تا تحت ثریٰ
بر گردنِ ہر کس بود حکمِ سجود و بندگی — سر بر خطِ امرت نہد اشجار و احجار و گیا
اعلیٰ است قصرِ شانِ تو روح القدس دربان تو — نا رفتہ تا ایوانِ تو شہباز فکرِ انبیا
نورِ تو شمع بزم حق زیب سپہر نہ طبق — گیرد ملک از تو سبق اے پیشوائے انبیا
اے بستر آرائے نبی ہمراز و ہم نفس و وصی — حامئی وقت بیکسی اے دست حق روزِ جزا
بُرجِ امامت را شرف فخرِ رسولانِ سلف — ذاتت گہر کعبہ صدف ایں آبرو حاصل کرا
حیدر توئی صفدر توئی علم نبی را در توئی — سرور توئی لنگر توئی اے مفخرِ آلِ عبا
اے شہسوارِ لا فتیٰ وے تاجدارِ ھل اتیٰ — فرماں روائے قل کفیٰ اے شاہنشہ عز و علا
اے رونقِ ہر انجمن نورِ خدائے ذو المنن — دریائے رحمت موجزن بر بندگانِ لطفِ خدا
اے نائبِ ختم رسل حاجت روائے جزو کل — رود قدرت سر دست و گل در باغ دیں اے پیشوا
سر بیتِ نظم کن فکاں سر دفتر ہر دو جہاں — سر مطیع کون و مکاں سرشتی سعز و علا
اے پیشوائے متقیں وے خسرو روز پسیں — بر در گہت مالد جبیں بنگر تو حالِ خستہ را
جز تو نہ دارد ہیچ کس در بیکسی فریاد رس — لطف و عنایاتِ تو بس اور الیود درد و دوا

تو بُو علی را کے کنی محروم لطفِ عام خویش
ہرگہ ترا باشد عطا بر دشمنانِ خود شہا

۱۹۷۷ء میں مولوی محمود علی مرزا صاحب نے جو میری والدہ کی خالہ کے خاندان (خانِ ایران) سے ننھیالی رشتہ رکھتے ہیں مناقب اہلبیت علیہم السلام کے نام سے چالیس اہل طریقت شعراء کرام کی منقبتیں نظام ٹرسٹ کے ذریعہ طبع کرائیں جو آصفجاہ ثامن نواب مکرم جاہ بہادر کی زیر سرپرستی کام کرتا ہے۔
اس کا مقدمہ حیدرآباد کے ایک مشہور عالم اہل طریقت بزرگ مولانا سید شاہ حسن احمد شطاری صاحب کامل نے تحریر فرمایا جس میں وہ فرماتے ہیں:۔
"من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ" کے ارشادِ نبوی کے بعد مولا تو پوری اُمتِ مرحومہ کے مسلمہ مولا ہی ٹھیرے۔ آپ سے اگر ربط نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وہ بدنصیب جو تاریخ کے کسی بھی دور میں آپ سے بے ربط رہے بدنصیب ہی ٹھیرے۔ بھلا ارباب طریقت کے اس سلسلہ میں آپکا فیض

نہیں۔ سلسلۂ قادریہ کی ایک شاخ تو ائمہ اطہار ہی سے چلی ہے اور اسکو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس مجموعۂ کلام کی اشاعت سے ایسا قدم اٹھایا ہے جس سے بہت سارے شکوک وشبہات دور ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا میں اسکو مسلمانوں کے دو طبقوں میں بھائی چارگی پیدا کرنے والی ایک پہل قرار دادوں تو بیجا نہ ہوگا"۔

جیسا کہ ہم نے بھی اِس کتاب میں لکھا ہے اگر سنّی بھائی اُن اہل طریقت بزرگوں کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کریں جن سے وہ بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں اور یہ دیکھیں خود یہ اہل طریقت بزرگ مولائے کائنات علی مرتضیٰ تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کتنی گہری عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو خلیفہ و امام منصوص من اللہ مانتے اور اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں تو انکی بہت سی الجھنیں دور ہوجاسکیں گی۔

ہم نے اِس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں بہت سے اہل طریقت بزرگوں کا کلام نقل کیا تھا۔ اب اس میں بھائی محمود علی مرزا صاحب کے شکریہ کے ساتھ کچھ اور اضافہ کر رہے ہیں:

سیّد الطائفہ جنید بغدادیؒ (ابوالقاسم بن محمد بن جنید نہاوندی)

نیافت وہم وخرد پایۂ کمالِ علیؑ
بہ وصف راست نیاید بیانِ حالِ علیؑ

مقرر است کہ در عہدِ فطرت ارواح
بروحِ پاک محمّد بد اتصالِ علیؑ

نخست قرعۂ ایماں بنامِ او آمد
کہ خیر بود وسعادت نشانِ فالِ علیؑ

حدیث رایت وطیر وغدیر وعقدِ اخا
شہود آیۂ صدق اند بر خصالِ علیؑ

جواب داد سوالاتِ کلِّ عالم را
کسے نہ گفت جوابے ز یک سوالِ علیؑ

تو سرِّ انفسنا در لیکم دریاب
کہ بر تو کشف شود عزت وجلالِ علیؑ

ز جامِ لطفِ خدا تا ابد بود سیراب
کسے کہ نوش کند شربۂ زلالِ علیؑ

بروشنائی ایماں رسد ز ظلمتِ کفر
دلے کہ نورِ یقیں دید از جمالِ علیؑ

گواہ باش خدایا کہ بندہ تو جنیدؔ
ہمیشہ ہست محبّ علی و آلِ علی

احمد جام شیخ الاسلام ژندہ پیل

نور چشم مصطفیٰ را مرحبا باید زدن
ساغرِ مے را ز دست مرتضیٰ باید زدن

از حسنؑ باش و حسینؑ شو کہ دورِ آخرت
چنگِ دل در دامن آلِ عبا باید زدن

مہر زین العابدین باید کہ باشد در دلت
خاک پائے باقرؑ را بوسہ ہا باید زدن

جعفر صادق امام ما و جملہ عالم است
مہر موسیٰؑ در درونِ دل چو ما باید زدن

از علی موسیٰؑ رضا گشتہ خراساں جنتے
ایں سخن با مومنانِ با صفا باید زدن

از تقیؑ باش و نقیؑ را دوستدار از جان و دل
دشمنان عسکریؑ را تبر ہا باید زدن

ہر کہ مہدی را بہ بیداد شود خاکِ رہش
پنج نوبت را بنام شاہِ ما باید زدن

چاکر شاہنشہ دیں مرتضیٰ باید شدن
قیصر و خانان و جم را پشت پا باید زدن

زہرۂ احمد کجا باشد کہ گوید مدحِ شاہ
ایں سخن را ہم بہ توفیق خدا باید زدن

حُسین بن منصور حلّاج

آں ماحیٔ ضلالت و حامیٔ دینِ حق
آں والیٔ ولایت جاں شاہِ اولیا

داماد مصطفےٰ ائے معلا علی کہ ہست
خاکِ درش ز روئے شرف کعبۂ علا

آدم خلافتست و ابراہیم خلت است
چوں نوح منقبت ہم از قولِ مصطفیٰ

موسیٰ است دہابت و عیسیٰ است در ورع
جمشید در جلالت و احمد در اصطفا

او در ادلائیست بہ تخصیص از خدا
کاں را بیاں مے کند ایزد بہ انّما

امروز دست گیر کہ از پا فتادہ ام
آخر نہ دستِ من تو گرفتی در ابتدا

سیّد مخدوم علی صابرؒ کلیری

اے سرورِ کون و مکاں اے رہنمائے سالکاں
نام تو وردِ ہر زباں مستاں سلامت می کنند

اے قبلۂ اہلِ دلاں اے ہادیٔ گم گشتگاں
اے کار سازِ بے کساں مستاں سلامت می کنند

اے واقف علم الیقیں اے کاشفِ عین الیقیں
اے شاہ حق الیقیں مستاں سلامت می کنند

اے ساقیٔ کوثر جدا رحمے بکن بہر خدا
ہستی ظہور کبریا مستاں سلامت می کنند

از روزِ اوّل ظاہرے ہم حاضرے ہم باطنے
حکم تو حکم داورے مستاں سلامت مے کنند
اے مرجعِ شاہ وگدا اے مطلعِ نورِ ہدیٰ
ہستی امام و رہنما مستاں سلامت مے کنند
اے صاحب عالی نسب داری اسد اللہ لقب
عالم ز تو اندر طرب مستاں سلامت مے کنند

شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی (نظام الدین اولیاء کے خلیفہ)

شفاعت ہادیٔ رہبر شراب از ساقیٔ کوثر
اُمید از لطفِ تو دارم خداوندا کرم فرما
بہ حقِ پاکیٔ زہرا بحرمت عظمتِ کبریٰ
بہ بخشا جملہ عصیانم خداوندا کرم فرما
بہ حقِ شبّر و شبیر و زین العابدین باقر
ز ظلمِ نفس گریانم خداوندا کرم فرما
نصیر الدین دہلی را بحقِ چہاردہ معصوم
شفاعت سرورِ عالم خداوندا کرم فرما

مولانا غلام قادر گرامی (متوطن پنجاب)

دگر ہنگامۂ ماتم زمیں تا آسمانستے
دگر آشوبِ محشر از مکاں تا لامکانستے
ز ذرہ تا ستارہ شورِ محشر چیست حیرانم
ہمانا ماتمِ آں شمعِ بزمِ کن فکانستے
زمیں یا بوتراب و آسمانش یا علی خواند
مسیح و خضر را ایں اسمِ اعظم بر زبانستے
زمین و آسماں شد جلوہ گاہِ ذاتِ آں مظہر
عجب رمزے غریبستے عجب سرِّ نہانستے
چہ در صورت چہ در معنی وصیٔ احمدِ مرسل
بہ اندازِ عیاں کاملِ عیارِ امتحانستے
شہادت با امامت خفتہ در یک پیرہن اینجا
مسلمانان امامت را شہادت ترجمانستے
علی اللہیم رمز علی از من چہ مے پرسی
علی در ہر مکانستے علی در لامکانستے
علی اول علی آخر علی ظاہر علی باطن
نہاں اندر عیانستے عیاں اندر نہانستے
زر از سر بہ مہرامے بے خبر آں پردہ بر گیرم
نہاں اندر نہانستے عیاں اندر عیانستے
مثالش از کہ مے جوئی نشانش از کہ می پرسی
مثالِ بے مثالستے نشانِ بے نشانستے
گرم کافر نخوانی واجب ممکن نما گویم
کہ ذاتش پردہ دارِ کارگاہِ لامکانستے
خدا گفتم غلط گفتم خدا را بندہ مے گویم
گماں اندر یقینستے یقیں اندر گمانستے
فصاحت جوہر کلکش بلاغت گوہر سلکش
بنا آیاتِ حکمت داستاں در داستانستے

زبانش را کہ مے فہمد کلامش را کہ می سنجد
کلامش را زبانِ عقلِ اوّل ترجمانستے

علی برلب علی در دل علی در سر علی در جاں
علیؑ آں معنیٔ ترکیبِ وصلِ جسم و جانستے

علی گویم علی جویم علی خوانم علی خواہم
علی در گیر و دارِ روزِ محشر قہرمانستے

مسلمانم کنم آں جذبِ پنہانِ علی آخر
کہ ہر تارِ نفس در پردہ زنارم بہ جانستے

اگر از تیر بارانِ حوادث جاں برم مفت است
پلنگ اندر کمینستے خدنگ اندر کمانستے

بخود پیچیدہ ام کارے نکردم فتنہ زد راہم
نہ دنیایم نہ عقبایم نہ اینستے نہ آنستے

قفس بشکست و برپروازِ ما برقِ بلا خندد
کہ مرغِ روحِ ما حسرت کشانِ مرگ آشیانستے

چہ غم داریم از موجِ حوادث ما سیہ کاراں
نگاہش زورقِ امیدِ ما را بادبانستے

گرامیؔ بخ بخ امشب مدعی را سر قلم کردہ
زبانِ خامہ اش بہ بہ چہ تیغ اصفہانستے

دیگر از مولانا غلام قادر گرامی

زمین و آسماں از اشک و آہم در عذابستے
زمیں زد غوطہ در خوں آسماں در اضطرابستے

تلاطمہائے اشکم آنچناں بالا گرفت امشب
کہ چرخِ نیلگوں مانندِ نیلوفر در آبستے

براتِ گریہ ہائے بے حسابم را چہ مے پرسی
نجات دار و گیرِ فتنۂ یوم الحسابستے

در آغوشش اثر جا کردہ است آہِ سحرگاہم
ہمانا تیرِ آہِ من دعائے مستجابستے

چہ مے دانی کہ آہم از چہ راہے بر فلک دارد
اسیرِ بوسۂ خاکِ مزارِ بوترابستے

علیؑ آں کعبہ اش مولد علی آں مسجدش مشہد
علی اللّٰہیاں دانند کیں نکتہ کتابستے

علی را عقلِ اول طفلِ مکتب خانۂ دانش
علی در مہدِ طفلی دایہ اش امّ الکتابستے

علی و مصطفیٰ ہر دو بہ نسبت موسیٰ و ہارون
سپردندش ولایت کاں نبوت را جوابستے

علی بیدار و احمد سر بہ زانویش بخواب آمد
تعالیٰ اللہ چہ بیداری تعالیٰ اللہ چہ خوابستے

نمی دانم من از قدرِ بلندش اہلِ قدر دانم
کہ بر دوشش بنی معراجِ آں عالی جنابستے

علی ہر جائے پیغمبر اگر بنشست جا دارد
کہ گل را جانشیں بے فصل در معنی گلابستے

شبے گفتم کہ ذاتش آفتاب آمد غلط گفتم
کہ سر بر خطِ فرمانش مکرر آفتابستے

نہ گردند انتخابش در خلافت نیست پروائے
کہ در مجموعۂ ہستی وجودش انتخابستے

خدا خواندش نصیری من خدا را بندہ مے خوانم
عجائب مظہرستے انّہٗ شیٔ عجابستے

اگر منکر بگوید بندہ را چوں تو خدا گوئی — علی را یا علی خوانم جواب لاجوابستے
ہوس را شیشہ بر سنگ افگنم خاکِ نجف بوسم — بلے در خاکِ آں یعقوبِ دیں سرکہ شرابستے
ہوس پیچیدہ بادنیائے دوں دلبستگی دارد — ولے در چشم معنی آشنا دنیا حبابستے
گرامی بردو روزہ زندگی چندیں سیہ مستی — برآ از خود کہ عمرِ بے وفا نقشے برآبستے
گرامی منقبت آورد و بارے خواجہ مے گوید — کہ پنجاب آسمانستے گرامی آفتابستے

حضرت شیخن احمد شطاری کامل مدظلہ کی ہستی محتاج تعارف نہیں۔ آپ حیدر آباد کے ایک بلند پایہ صوفی عالم معتبر ایک اعلیٰ منقبت گو شاعر اور صفات جمیلہ رکھنے والے بزرگ اور ایک ذی وجاہت شخصیت ہیں۔ آپ کے کلام سے آپ کا محب اہل بیت ہونا بدرجہ اتم ظاہر ہے ہمنے آپکے خیالات بے بہا اس کتاب میں کئی جگہ درج کئے ہیں۔ یہاں مزید چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

حُبِّ علیؑ نتیجہ ہے حسن آگہی کا — مولاؑ پہ جان دینا مقصد ہے زندگی کا
مشکل میں ربط ان سے فطرت کا اقتضا ہے — ہر ایک کی زبان پر نعرہ ہے یا علیؑ کا
یارب کبھی تو میں بھی پہنچوں در نجف تک — کب تک یہ دکھ اٹھاؤں اللہ نارسی کا
تکمیل عبدیت ہے کامل اسی میں اپنی — بندہ وہی خدا کا بندہ ہے جو علیؑ کا

ایک دوسری منقبت میں فرماتے ہیں :-

مرے حسین کا تاریخ میں جواب نہیں — یہ ہے حقیقت روشن خیال و خواب نہیں
بتاؤ کیا ہے یہ رونا حسینؑ کے غم میں — اگر یہ پیروی فعل آنجناب نہیں
غم حسینؑ نکل جائے دل سے ناممکن — متاع زیست لٹا دوں نہیں جناب نہیں
علیؑ کے لعل پہ جسکی نظر نہ جم جائے — قسم خدا کی اسے چشم انتخاب نہیں
نجات کے لئے منہ کیا ہے پھر اگر کامل — جبیں پہ خاک کف پائے بوتراب نہیں

ایک جگہ فرماتے ہیں :-

ہر اک مشکل میں کام آئی دہائی میرے مولاؑ کی — عجب کچھ ڈھب کی ہے مشکل کشائی میرے مولا کی
خرد نے سو طرح صورت دکھائی میرے مولاؑ کی — سمجھ میں شان پھر بھی کچھ نہ آئی میرے مولا کی
محمدؐ جن کے مولا ہیں علی بھی ان کے مولا ہیں — بتاؤ تو یہ رفعت کس نے پائی میرے مولا کی

یہ حق کے ساتھ رہتے ہیں حق ان کے ساتھ رہتا ہے
نہیں ممکن کبھی حق سے جدائی میرے مولا کی

حضرت امجد حیدر آبادی فرماتے ہیں :-

سر دے کر راہِ حق میں شہادت خرید لی	زہرا کے دو ستاروں نے جنت خرید لی
سجدے میں سر کٹا کے امامت خرید لی	نانا کے دو نواسوں نے اُمت خرید لی

حیدر آباد کے اہل طریقت علماء میں سے ایک مشہور بزرگ مولانا سید عینی شاہ نظامی تھے۔ جنکے متعلق عام خیال تھا کہ یہ شیعہ ہو گئے ہیں۔ شیعہ حضرات کے پاس محرم کی مجالس بیان کرتے ہوئے میں نے اُنھیں سُنا۔ انکا بیان مدلل اور ٹھوس حقائق سے مملو ہوتا تھا۔ اہلبیت علیہم السلام کے متعلق ان کے کئی مقالے بھی چھپے ہیں۔ ذیل میں ہم انکا ایک سلام نقل کرتے ہیں جسکی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے ہر مصرع کے سامنے اسکی تائید میں آیت قرآن یا ایک یا زائد احادیث کا حوالہ کتب اہلسنت سے درج کیا ہے۔ اور اسطرح کم و بیش ایک سو اکتیس حوالے دیئے ہیں۔ اس سلام کا عنوان ہے۔

"سلام بہ بارگاہِ شہنشاہِ ولایت تاجدارِ خلافت امیر علیہ السلام"

سلام اس پر جو باب اللہ ہے	(ینابیع المودت ص ۶۹ م)
سلام اس پر جو ید اللہ ہے	(ابن مردویہ - خوارزمی)
سلام اس پر جو سیف اللہ ہے	(درخلاصۃ الوفا ص ۷۰)
سلام اس پر جو صفوۃ اللہ ہے	(ابو سعد فی اشرف النبوۃ)
سلام اس پر جو ولی اللہ ہے	(دیلمی ص۱۴۳ - خوارزمی ص۳۷)
سلام اس پر جو حجۃ اللہ ہے	(دیلمی ص۱۰ - منادی ص۱۱۳)
سلام اس پر جو عبد اللہ ہے	(ابن ماجہ ص۱۲، حاکم جلد ۳ ص۱۱۲)
سلام اس پر جو اعلم اللہ ہے	(کنز العمال ص ۱۵۶ -)
سلام اس پر جو فنا فی اللہ ہے	(کنز العمال ص ۱۵۷)
سلام اس پر جو احب خلق الی اللہ ہے	(حدیث طیر - ترمذی -)
سلام اس پر جو خدا کا عاشق ہے	(مشہور حدیث خیبر)
سلام اس پر جو محبوب خدا ہے	(مشہور حدیث خیبر -)
سلام اس پر جو خدا کی آواز ہے	(خوارزمی ص ۶۹)
سلام اس پر جو اسد اللہ ہے	(ابو سعد در اشرف النبوۃ)
سلام اس پر جو نورِ خدا ہے	(ارجح المطالب ص ۱۰)

سلام اس پر جو نورِ رسولؐ ہے (مسند احمد - ریاض النضرۃ ص۲۱)
سلام اس پر جو نفسِ رسولؐ ہے (قرآن - حدیث صواعق)
سلام اس پر جو برادرِ رسولؐ ہے (کنز العمال ص۱۵۳)
سلام اس پر جو نظیرِ رسولؐ ہے (کنز العمال ص ۱۸۳)
سلام اس پر جو خونِ رسولؐ ہے (کنز العمال ص ۱۵۴/۱۹۳ ابونعیم ص۱۵۴)
سلام اس پر جو عینِ محمدؐ روحی فداہ ہے (علی منی وانا منہ)
سلام اس پر جو روحِ محمدؐ روحی فداہ ہے (علی منی کروحی فی صدری)
سلام اس پر جو سترِ محمدؐ روحی فداہ ہے (صواعق محرقہ ص ۷۵)
سلام اس پر جو محبوبِ محمدؐ روحی فداہ ہے (کنز العمال جلد ص۳۹۴)
سلام اس پر جو عاشقِ پیغمبرؐ ہے (کنز العمال جلد ۶ ص۳۹۴)
سلام اس پر جو دامادِ پیغمبرؐ ہے (واقعہ ہے)
سلام اس پر جو قدرِ پیغمبرؐ ہے (حاکم جلد ۳ ص۴)
سلام اس پر جو وزیرِ رسولؐ ہے (کنز العمال جلد ۶ ص۲۹۷)
سلام اس پر جو وصیِ رسولؐ ہے (کنز العمال جلد ۶ ص۲۹۷)
سلام اس پر جو خلیفۂ رسولؐ ہے (واقعہ ہے)
سلام اس پر جو آلِ محمدؐ روحی فداہ ہے (مسلم، نسائی، ترمذی)
سلام اس پر جو اہلِ بیتِ نبیؐ ہے (" " ")
سلام اس پر جو نامِ محمدؐ روحی فداہ ہے (شفائے عیاض وغیرہ)
سلام اس پر جو رفیقِ محمدؐ روحی فداہ ہے (کنز العمال ص ۱۵۶)
سلام اس پر جو شبیہِ محمدؐ روحی فداہ ہے (مشہور حدیث شب خوابی ہجرت)
سلام اس پر جو اخی جبرئیل ومیکائیل ہے (امام شعرانیؒ وغیرہ)
سلام اس پر جو پہلا مومن پہلا مسلمان ہے (کنز العمال جلد ۶)
سلام اس پر جو صدیقِ اکبر ہے (دیلمی - نسائی)
سلام اس پر جو فاروقِ امت ہے (ریاض النضرۃ ص۱۰۵ دیلمی ص۳۲۱)
سلام اس پر جو امیر المومنین ہے (دیلمی ص۱۱۳، خوارزمی ص۲۳۷)
سلام اس پر جو امام المتقین ہے (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۷، حاکم جلد ۳ ص۱۳۸)

سلام اُس پر جو سید الصادقین ہے	(صغیر سیوطی - کنز العمال ص۱۵۶)
سلام اُس پر کہ جس نے غیر کو سجدہ نہ کیا	(صغیر سیوطی ص۳۱ صواعق محرقہ ص۷۲)
سلام اُس پر جو نبی کا ہم شجرہ ہے	(مناوی ص۱۱، کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۴)
سلام اُس پر جو نبی کا ہم طینت ہے	(" " ")
سلام اُس پر جو محبوب ترین اہل بیت ہے	(کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۳)
سلام اُس پر جو سید الدنیا والآخرہ ہے	(ریاض النضرۃ - دیلمی)
سلام اُس پر جو مولائے مومنین ہے	(حدیث مشہور و متواتر)
سلام اُس پر جو ہارونِ اُمت ہے	(" " ")
سلام اُس پر جو خیر البشر ہے	(کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۹)
سلام اُس پر جو خیر الامت ہے	(کنز العمال ص۱۵۷، ص۳۱۷)
سلام اُس پر جو فخرِ ملائکہ ہے	(حلیہ ابونعیم ص۶۵۲، دیلمی ص۷۲)
سلام اُس پر جو فخر الانبیاء ہے	(" ص۱۵۳ ")
سلام اُس پر جو مایہ نازِ حق سبحانہٗ ہے	(" " ")
سلام اُس پر جو امام البرات ہے	(حاکم ص۱۲، صواعق محرقہ ص۷۲)
سلام اُس پر جو امام الاولیاء ہے	(ابن مردویہ، صواعق محرقہ، خوارزمی)
سلام اُس پر جو سابق السابقین ہے	(فخر المحسن، کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۴)
سلام اُس پر جو قاضیِ اُمت ہے	(ترمذی، نسائی، طبری ص۱۹۸)
سلام اُس پر جو ساقیِ کوثر ہے	(صغیر طبرانی ص۲۱ - دیلمی ص۱۲)
سلام اُس پر جو باب العلم ہے	(مشہور و متواتر حدیث)
سلام اُس پر جو اعلم الناس ہے	(کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۶)
سلام اُس پر جو مدینہ علوم النبوۃ ہے	(ینابیع المودۃ ص۷۱)
سلام اُس پر جو باب الدین ہے	(دیلمی ص۱۲۲، ص۱۵۶)
سلام اُس پر جو باب الفقہ ہے	(تذکرہ خواص الائمہ سبط جوزی)
سلام اُس پر جو باب الحکمت ہے	(ترمذی - مسند - حلیہ ابونعیم)
سلام اُس پر جو سپاہ غازی ہے	(نسائی - حاکم)
سلام اُس پر جو تالیِ قرآن ہے	(مروج الذہب، ینابیع المودت)

سلام اُس پر جو سہیم قرآن ہے (حاکم جلد ۳ ص ۱۲۷، صغیر، طبرانی)
سلام اُس پر جو عالم قرآن ہے (مسند ابو داؤد، اطیاسی ص ۲۸)
سلام اُس پر جو عالم سنت ہے (ریاض النضرۃ ص ۱۹۳)
سلام اُس پر جو سابقہ الاولون ہے۔ (حاکم، ازالۃ الخفاء ص ۱۶۴)
سلام اُس پر جو ہادی و مہدی ہے۔ (بزاز، حاکم، ابونعیم ص ۶۴)
سلام اُس پر جو خزانہ علوم پیغمبر ہے (کنز العمال۔ صغیر۔ سیوطی)
سلام اُس پر جو بمنزلہ پدرِ اُمت ہے (ریاض النضرۃ۔ مناوی)
سلام اُس پر جو قل ہو اللہ منزلت ہے (۔ دیلمی ص ۳۰۴)
سلام اُس پر جو کعبۂ اُمت ہے (اسد الغابہ۔ دیلمی)
سلام اُس پر جو نبی کے پاس ایسا ہے جیسے نبی خدا کے پاس ہے (صواعق محرقہ۔)
سلام اُس پر جو ثانیٔ آلِ عبا ہے (واقعہ ہے)
سلام اُس پر جو آیۃ ثانی تطہیر ہے (" ")
سلام اُس پر جو ثانی آیۃ مباہلہ ہے (" ")
سلام اُس پر جو مولودِ کعبہ ہے (حاکم۔ ازالۃ الخفاء)
سلام اُس پر جس کا گھر وسط بیوت پیغمبر ہے (حدیث متواتر)
سلام اُس پر جس کا دروازہ بند نہ ہو سکا (کنز العمال۔ ازالۃ الخفاء)
سلام اُس پر جو ہر حالت میں مسجد میں آنے جانے کا مجاز رہا۔ (کنز العمال۔ محرقہ)
سلام اُس پر جو یکّہ تاز بدر تھا۔ (مشہور واقعہ)
سلام اُس پر جو یا مردِ احد ہے (ریاض النضرۃ ص ۱۹۰ خوارزمی ص ۲۶۲)
سلام اُس پر جو شاہسوار جنگِ خندق ہے۔ (حاکم۔ کنز العمال)
سلام اُس پر جو قاتل عمر ابن عبد ود تھا (" " ")
سلام اُس پر جو تحفہ باب مبارزۃ علی یوم الخندق تھا (روضۃ الاحباب)
سلام اُس پر جو افضل من اعمال امّتی الی یوم القیامۃ تھا۔ (" ")
سلام اُس پر جس کی جنگ افضل اعمالِ اُمت ہے (مدارج النبوۃ۔ کنز)
سلام اُس پر جو قاتل مرحب تھا۔ (ریاض النضرۃ، کنز، بخاری، مسلم)
سلام اُس پر جو فاتح خیبر تھا (" " " ")

سلام اس پر جو فاتح باب خیبر تھا　(ریاض النضرہ کنز العمال)
سلام اس پر جو کرارِ غیر فرار تھا　(نسائی۔ کنز العمال)

کلام الملوک شاہِ دکن حضرت آصف جاہِ اول المتخلص بہ شاکر مدح مولائے کائنات میں فرماتے ہیں :۔

بوسہ گاہِ لبِ افلاک بود جائے علیؑ　اوجِ اُمید گرفت است سراپائے علیؑ
خطِ ابروئے خوشش نافذِ فرماں باشد　می شود کارِ جہاں راست بایمائے علیؑ
نیست یک جزو وجودش زکرامت خالی　حل مشکل شود از ناخنِ زیبائے علیؑ
اُلفتِ اوست چوارکانِ مسلمانی من　شدہ ام شیفتہ و والہ و شیدائے علیؑ
ہست پیشانیٔ او آئینۂ لوحِ ازل　واقفِ علمِ لدنّی دلِ دانائے علیؑ
نیست جز ایں قدر از اوجِ خرامش خبرے　برتر از عرش بود نقشِ کفِ پائے علیؑ
میشود زندہ بہ حرفش تنِ بیجاں بیشک　چشمۂ آبِ حیات است سخنہائے علیؑ
ہمہ با وعدۂ آں جلوہ قناعت کردند　محوِ دیدار بود دیدۂ بینائے علیؑ
راہِ مقصود بایں نور بہ بیند ہمہ کس　روشنی داد بہ خورشید و بہ مہ رائے علیؑ
مہر و مہ از پئے دریوزہ تنگا پو دارند　بیش روشنگر آئینہ سیمائے علیؑ
مے برد قیمتش افزوں ز دو عالم شاکر　بے بہا ہست زبس گوہرِ یکتائے علیؑ

حضرت شاکر کے چند چیدہ اشعار یہ ہیں :۔

شاکر از پرسشِ محشر نکشد رنج و ملال　کہ دریں جا چو علی پشت پناہے دارد
در فتنہ گاہِ دہر بہ ما یا علیؑ مدد　از لطفِ بے نہایت خود کُن حمایتے
شاکر ز حدیثِ نبوی مے کشد ایں جام　جز مہرِ علی آب ز کوثر نتواں یافت

خسروِ دکن میر محبوب علی خاں آصف سادس :۔

خدا کے راز رسالت مآب سمجھے ہیں　نبی کے سرِ خفی بوتراب سمجھے ہیں
رُخِ حسینؑ کو حق کی کتاب سمجھتے ہیں　اس انتخاب کو ہم لاجواب سمجھے ہیں
علی نبی سے نبی ہیں علی سے یہ حق ہے　ہم اس حدیث کو ام الکتاب سمجھے ہیں
جو سچ کہو تو خدائی میں بندہ یکتا　علی کو بعدِ رسالت مآب سمجھے ہیں
جہاں میں کہتے ہیں اکسیر جس کو اے آصف　ہم اسکو خاکِ درِ بوتراب سمجھے ہیں

اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر شاہ دکن فرماتے ہیں:-

علی کی معنوی پیغمبری سمجھا تو میں سمجھا
وفورِ عشق کی وارفتگی سمجھا تو میں سمجھا
مثال آپ کو عثمانؔ یہی کہتا ہے ہر اک سے
کوئی بابِ نجف کی بندگی سمجھا تو میں سمجھا

دیگر

علی را میامیز با دیگراں
کہ ایں ذات قدسی شیم دیگر است

سلام

یہ کرنا عرض اے بادِ صبا سبطِ پیمبر سے
کہ غم میں اُسکے اک دریا رواں ہے دیدۂ تر سے
قیامت ہوگی برپا اور میدانِ قیامت میں
اُٹھینگے ہم جو آنسو پونچھتے دامانِ محشر سے
جو دل کے سخت ہیں وہ بھی غم سرور میں گریاں ہیں
عجب تاثیر ہے پانی نکل آتا ہے پتھر سے
وہ ہیں اشکِ عزا اپنے بدولت جنکی اے عثمانؔ
چھکایا ساقیِ کوثر نے ہم کو جام کوثر سے
ثنائے اہل بیت مصطفےٰ ہیں فکر حیراں ہے
کہ خود تطہیر کا جن کی وثیقہ نص قرآں ہے
وہ کان منقبت بحر فضیلت مظہر رحمت
شہادت مفتخر ہے اور امامت اُنپہ نازاں ہے

شہزادہ والا تبار نواب معظم جاہ بہادر شجیعؔ فرماتے ہیں:-

مدحت مرتضیٰ شجیعؔ باعث رتبۂ رفیع
من کہ غلام قنبرم دم ہمہ دم علی علی

مخمس از شہزادہ معظم جاہ شجیعؔ

اے ولی حق امیر المومنین
وارث پیغام ختم المرسلین
اے دو عالم کے امام الاولین
تاجدار کشور دنیا و دین
شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ کی ہستی بنائے کائنات
آپ ہیں وجہ بنائے کائنات
آپ ہیں مشکل کشائے کائنات
السلام اے ابتدائے کائنات
شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

باعث تخلیق عالم آپ ہیں
افتخار نسل آدم آپ ہیں
راز دار اسم اعظم آپ ہیں
قسمت انساں کے محرم آپ ہیں
شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

مطلع ایماں امامت آپ کی　　حاصلِ قرآن خلافت آپ کی
نازشِ عرفاں ولایت آپ کی　　خود شریعت ہے اطاعت آپ کی

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ ہیں مفہوم عقلِ اولیں　　آپ ہیں اُستاد جبریل امیں
آپ عرش و فرش کے مسند نشیں　　آپ کا ثانی دو عالم میں نہیں

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

طور پر بھی جلوہ فرما آپ تھے　　عرش خالق پر بھی گویا آپ تھے
نور کی شرکت میں تنہا آپ تھے　　یا پیمبر تھے وہاں یا آپ تھے

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

نوح کی کشتی بچائی آپ نے　　کی خضر کی رہنمائی آپ نے
دی ہے یوسف کو رہائی آپ نے　　بندگی میں کی خدائی آپ نے

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

دو جہاں میں کار فرما آپ ہیں　　دین و دُنیا کا اُجالا آپ ہیں
پردۂ قدرت میں گویا آپ ہیں　　مالک امروز و فردا آپ ہیں

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ ہیں سر دفتر کون و مکاں　　آپ ہیں صبح ازل کے رازداں
آپ ہیں شام ابد تک حکمراں　　آپ ہیں عبد و احد کے درمیاں

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ سے احکام پاتے ہیں ملک　　زیر پا آنکھیں بچھاتے ہیں ملک
اپنی قسمت آزماتے ہیں ملک　　در پہ سائل بن کے آتے ہیں ملک

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

اللہ اللہ وسعتِ خوانِ کرم　　آدم و عالم ہیں مہمانِ کرم
کون سمجھے رفعت و شانِ کرم　　انبیاء پر بھی ہیں احسانِ کرم

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ ہیں صورت نمائے ہست و بود　　آپ سے ہے دین و ایماں کی نمود
آپ سے ہے رحمتِ حق کا وجود　　نام نامی سن کے واجب ہے درود

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

قاسم نا دو جہاں بھی آپ ہیں　　نقش بند کن فکاں بھی آپ ہیں
مقصد ہر دو جہاں بھی آپ ہیں　　حق وہیں پر ہے جہاں پر آپ ہیں

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ ہیں دنیا میں ہمنام خدا　　آپ ہی ہیں خانہ زاد کبریا
بیکسی میں عمزدوں کا آسرا　　یا خدا کا نام ہے یا آپ کا

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

اہل دنیا کی عنایت اور ہے　　آپ کے گھر کی سخاوت اور ہے
یہ عطائے دستِ قدرت اور ہے　　آپ جو دیتے ہیں دولت اور ہے

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

کون ہے مدمقابل آپ کا　　مخزن انوار ہے دل آپ کا
نام ہے حلال مشکل آپ کا　　ہے وسیلہ مجھ کو حاصل آپ کا

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

کوئی غفلت کی فضا، میں سو گیا — کوئی اپنے حق میں کانٹے بو گیا
اک جہاں حرص و ہوس میں کھو گیا — میں تو بندہ آپ ہی کا ہو گیا

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

آپ کے گھر کا ثنا گر ہے شجیع — آپ کی اُلفت میں مضطر ہے شجیع
بے نیاز خلد و کوثر ہے شجیع — آپ کا وابستۂ در ہے شجیع

شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

شہنشاہ ہند نصیر الدین ہمایوں فرماتے ہیں:۔

مائیم ز جاں بندہ اولاد علیؑ — ہستم ہمیشہ شاد بیاد علیؑ
چوں سر ولایت ز علی ظاہر شد — کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علیؑ

بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار ہندوستان فرماتے ہیں:۔

مستغنی کونین ہی رکھا اپنے ظفر کو — محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا
ہیں در دولت سے ہوتے بہرہ ور شاہ و گدا — پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجئے التجا
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپکا — آیئے اب تو مدد کے واسطے بہر خدا

یا حسین ابن علی بندہ بہت ناچار ہے

جو اس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست — قبول ہوتی ہے اسکی علی الدوام نماز
جو ہو حسین کا دشمن اسے کہاں ایمان — اگرچہ پڑھتا بھی بیہودہ برائے نام نماز
نماز پڑھ کے سدا سجدہ و قیام کیساتھ — وظیفہ چاہیئے ذکر غم امام کے ساتھ

بعض مشہور شعرا اور مفکرین کے افکار

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں:۔

عرب خود را بہ نور مصطفےٰ سوخت — چراغ مردہ مشرق برا فروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد — کہ اول مومناں را شاہی آموخت
خلافت بر مقام ما گواہی است — حرام است آنچہ بر ما بادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ — خلافت حفظ ناموس الٰہی است
گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو — کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

قلندر میل تقریرے نہ دارد — بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشت خرابے حاصلے نیست — کہ آب از خون شبیرے ندارد

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے — اک ضرب ید اللہی اک سجدۂ شبیری
حقیقت ابدی ہے مقام شبیری — بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

سیدہ کونین فاطمہ زہرا علیہا السلام، علی مرتضیٰ و امام حسین علیہم السلام کے متعلق علامہ موصوف کے مشہور شعر درج ذیل ہیں:۔

در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نساء اسلام

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین — آں امام اولین و آخرین
آں کہ جان در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئین آفرید
بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
پادشاہ و کلبۂ ایوان او — یک حسام و یک زرہ سامان او
مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پا زد بر سر تاج و نگین
واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوئے احرار جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ — اہل حق حریت آموز از حسینؑ
سیرت فرزند ہا از امہات — جوہر صدق و صفا از امہات
مزرع تسلیم را حاصل بتول — مادراں را اسوۂ کامل بتول
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت — با یہودے چادر خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش — گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہائے او ز بالین بے نیاز — گوہر افشاندے بدامان نماز
اشک او برچید جبریل از زمیں — ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں
رشتۂ آئین حق زنجیر پاست — پاس فرمان جناب مصطفےٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے — سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

حسین ابن علی علیہ السلام

آں امام عاشقان پورِ بتول　　سروِ آزادے ز بستان رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادہ خیر الملل　　دوش ختم المرسلین نعم الجمل
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید　　این دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است　　باطل آخر داغ حسرت میری است
چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت　　حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آن سر جلوہ خیر الامم　　چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت　　لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد　　موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است　　پس بنائے لا الہ گردیدہ است

سپاس جناب امیر علیہ السلام

اے محو ثنائے تو زبانہا　　اے یوسف کاروان جانہا
اے باب مدینۂ محبت　　اے نوح سفینۂ محبت
اے مُلجی نقش باطل من　　اے فاتح خیبر دل من
اے سر خط وجوب و امکان　　تفسیر تو سورہ ہائے قرآن
اے مذہب عشق را نمازے　　اے سینۂ تو امین رازے
اے سر نبوت محمد　　اے وصف تو مدحت محمد
گردوں کہ برفعت ایستاد است　　از بام بلند تو فتاد است
ہر ذرۂ در گہت چو منصور　　در جوش ترانۂ انا الطور
فردوس ز تو چمن در آغوش　　از شان تو حیرت آئینہ پوش
جانم بہ غلامی تو خوشتر　　سر بر زدہ ام ز جیب قنبر
ہشیارم و مست بادہ تو　　چوں سایہ ز پا فتادۂ تو
از ہوش شدم مگر بہ ہوشم　　گوئی کہ نصیریٔ خموشم

اما چہ کنم مے تولا	تند است بروں نند زمینا
زاندیشۂ عاقبت رہیدم	جنس غم آل تو خریدم

مجلس اقبال کراچی نے باقیات اقبال میں حال ہی علامہ موصوف کے یہ اشعار بھی شائع کیے ہیں:۔

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہرا کا میں	غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافع محشر مجھے
رونیوالا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں	کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغ عشق اہلبیت	ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدر مجھے

حضرت میر تقی میر فرماتے ہیں:۔

پایا علی کو جا کے محمدؐ نے اس جگہ	جس جا نہ تھا لگاؤ گمان و خیال کا
ہے علی جانشیں پیمبر کا	زیب مسجد ہے حسن منبر کا
ہے علی برگزیدۂ عالم	ہے علی اشرف زمان و زمن
ہاتھ اس کا وہی خدا کا ہاتھ	بات اس کی کلام ربانی

حضرت اسد اللہ خاں غالب اپنے ایک خط مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۶۷ء موسومہ مولانا علائی (مطبوعہ اردوے معلیٰ ایڈیشن ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۶۰) میں تحریر فرماتے ہیں:

"...... حمزہ خاں کو بعد سلام کہنا عہ "اے بے خبر ز لذت شراب مدام ما"۔ دیکھا ہم کو یوں پلاتے ہیں۔ دریبہ کے بنیوں کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت وجود کو اپنے دلنشیں کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابو الائمہ کا ہمسر جانتے ہیں۔ دوزخ اُن لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوا ہوں۔ انبیاء سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ اللعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہیں۔ ثم حسنؑ ثم حسینؑ اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام عہ: بریں زیستم ہم بریں بگذرم۔ ہاں اتنی بات اور ہے۔ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھکو دوزخ میں ڈالیں گے تو

میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آگ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفےٰ و امامت مرتضیٰ اس میں جلیں سنو مولوی صاحب اگر ہٹ دھرمی نہ کروگے اور کتمان حق کو گناہ جانو گے تو البتہ تمکو یاد ہوگا اور کہوگے ہاں یاد ہے......"

دیگر بزرگوں کے نام اپنے مخطوطات مطبوعہ اردوئے معلیٰ رقعات غالبؔ خطوط غالبؔ عود ہندی میں لکھتے ہیں:۔

"خدا کا بندہ ہوں، علی کا غلام۔ میرا خدا کریم۔ میرا خداوند سخی۔ علی دارم۔ چہ غم دارم۔

دیکھو اسد اللہ غالب علیہ السلام کی مدد کو اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا" ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"غرض انیس بیس مہینہ ہر طرح بسر کرتے ہیں اس میں رنج و راحت و ذلت و عزت جو مقسوم میں ہے وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملک عدم چلا جاؤں جسم رامپور میں اور روح عالم نور میں یاعلی یاعلی یاعلی"۔

غالب بہ کشاکش اندر / یاحضرت بوتراب تاکے

ذیل میں ہم حضرت غالبؔ کے کچھ سلام اور منقبت کے شعر نقل کرتے ہیں:۔

سلام اسے کہ اگر بادشہ کہیں اسکو / تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اسکو
خدا کا بندہ خداوند گار بندوں کا / اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اسکو
فروغ جوہر ایماں حسین ابن علیؑ / کہ شمع انجمن کبریا کہیں اسکو
کفیل بخشش امت ہے بن نہیں پڑتی / اگر نہ شافع روز جزا کہیں اسکو
وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل / شہید تشنہ لب کربلا کہیں اسکو
مسیح جس سے کرے اخذ فیض جاں بخشی / ستم ہے کشتۂ تیغ جفا کہیں اسکو
ہمارا منہ ہے کہ دیں اسکے حسن صبر کی داد / مگر نبی و علی مرحبا کہیں اسکو
علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ / کرے جو ان سے برائی بھلا کہیں اسکو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں / علی سے آکے لڑے اور خطا کہیں اسکو
نبی سے ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے / رکھے امام سے جو بغض کیا کہیں اسکو
عدو کی سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات / کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اسکو
بھرا ہے غالب دل خستہ کے کلام میں درد / غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اسکو

مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل / قبلۂ آل نبی کعبۂ ایجاد یقیں
جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا / وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں

برش تیغ کا اسکی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سر رشتہ ایجاد کہیں
کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگ عاشق کی طرح رونق بت خانۂ چیں
جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا — وصی ختم رُسل تو ہے بفتوائے یقین
جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر منبر — نام نامی کو ترے ناصیہ عرش نگیں
کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب — شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
آستاں پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ — رقم بندگی حضرت جبریل امیں
تیری مدحت کے لئے ہیں دل وجان کام وزباں — تری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست وجبیں
جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد — کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
کیا غم ہے اسکو جس کا علی سا امام ہو — اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بے حواس ہے
امیر ظاہر و باطن امیر صورت و معنی — علی ولی اسد اللہ جانشین نبی ہے
منصور فرقہ اسد اللّھیاں منم — آوازہ انا اسد اللہ می زنم
عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانہ ام — ہوشیارم با خدا و با علی دیوانہ ام

ایک اور جگہ فرماتے ہیں سے

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست — مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

حکیم مومن خاں مومن فرماتے ہیں :-

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی — گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنی تبت کا یزید — فرزند ید اللہ سے بیعت چاہی

مومن ایک اور جگہ کہتے ہیں :-

تفضیلیہ کی ٹھیری تو بنوں گا شیعہ — کس واسطے چھوڑ دیجئے افضل تر امام

خواجہ حیدر علی آتش

مومن کا مددگار رہے شاہ نجف اے دل — حامی ہے ترا شیر خدا لاتخف اے دل
بُت توڑنے کو دوش نبی پر وہ چڑھا ہے — کعبہ کو تولد سے ہے اس کے شرف اے دل
بے واسطہ ہے احمد مرسل کا خلیفہ — دُنیا کے طلبگار کریں حق تلف اے دل
حاصل اسے تو قلزم قدرت کا سمجھ لے — گوہر ہے علی کون ومکاں ہے صدف اے دل
لاریب اماموں میں سرآمد وہ ولی ہے — سمجھے نہ مقدم یہ جماعت کی صف اے دل
دشمن ہو جو ایسے کا کہے رکھتا ہے آتش — شیطان کے نطفہ سے ہے وہ ناخلف اے دل

مولانا الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:۔

حر کہتا تھا اے دل شہ ذیجاہ سے مل — مگر نہ ہو رہبرِ حق آگاہ سے مل
سرگشتگیٔ کوئے ضلالت کب تک — اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

حضرت ادج یعقوبی کے مسدس شہادت مولائے کائنات کے تین بند ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

زندہ ضمیر وقت کا حاکم ہے دوستو — ملزم ہر اعتبار سے ملزم ہے دوستو
لعنت کا مستحق بن ملجم ہے دوستو — لیکن وہ ایک وقت کا مجرم ہے دوستو
خونِ علی فقط اسی اک شخص پر نہیں — فہرست قاتلانِ علی مختصر نہیں

کیا ایک رات کو شبِ ضربت کا دیجے نام — مولا کا قتل ہوتا رہا زندگی تمام
پیرایۂ وفا میں شہادت کا اہتمام — اور اشقیا میں ہے سرِ فہرست امیرِ شام
حیدر کے دشمنوں میں ہوس کے اسیر تھے — جاہل نہیں تھے لکھے پڑھے بے ضمیر تھے

تاہم علی کا خون تھا ضائع نہ جا سکا — یہ خون لا الٰہ کی تفسیر بن گیا
اس خون ہی سے مزرعِ ایماں ہرا ہوا — اس خون کی لکیر کھنچی تا بہ کربلا
مولا امام زمرۂ لا یحزنون ہے — دین کی رگوں میں آلِ محمد کا خون ہے

جناب مولوی احمد خاں صاحب یوسف زئی عرف احمد علی خاں صاحب درویش فرماتے ہیں:۔

قبر میں درویش جب تشریف لائیں گے علیؑ — مسلک و دینِ نبی کا امتحاں ہو جائے گا
جب عنایت علی کی ہو درویش — دو جہاں پر ہے اختیار اپنا

علامہ مفتی نور الضیاء الدین (ضیا یار جنگ) فرماتے ہیں۔

گماں نہ بود کہ بعد از وفاتِ ختمِ رسل — زمانہ منحرف از بو تراب خواہد شد
جز ایں نہ بود دگر باعثِ عنادِ علی — کہ جانشینِ رسالت مآب خواہد شد
کے تواں شرحِ مقامِ مصطفیٰؐ و بوتراب — آں نبی و ایں ولی آں آفتاب ایں ماہتاب
شہرِ علمِ مصطفیٰؐ را جز علی بابے نہ بود — یارب ایں قصرِ خلافت را چرا شد چار باب
مسندِ ختمِ رسل ارث کسے نیست ضیا — رسمِ بیعت دگر و حقِ خلافت دگر است

آلِ رسولؐ کے متعلق دیگر مذہب والوں کے خیالات

جناب بنارسی لعل صاحب ورما لکھنوی:-

نہ تو کافر ہوں نہ تثلیث پہ مائل ہوں میں
ایک اللہ کی توحید کا قائل ہوں میں
آخرت اپنی بنانا ہے جو مجھکو ورما
الفت پنجتن پاک کا حامل ہوں میں

بندہ ہوں دین کا مجھے دُنیا سے ڈر نہیں
مولا ہوں جس کے ساتھ اسے کچھ خطر نہیں
دوزخ نہ دیکھ قہر کی نظروں سے تو مجھے
شیدائے اہل بیت ہوں تجھکو خبر نہیں

یہ غلط ہے کہ مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
ہر دُکھے دل کے زمانے میں سہارے ہیں حسینؑ
اس نبی زادے کی قربانی تھی ایسی ورما
آج ہندو بھی یہ کہتے ہیں ہمارے ہیں حسینؑ

لوگ اب عقل کے قائل ہیں نہ تدبیر کے ہیں
حر کی تقدیر کے یا پھر میری تقدیر کے ہیں
آگ دوزخ کی جلائیگی مجھے کیا ورما
میرے سینہ پہ نشاں ماتم شبیر کے ہیں

شہ بیکس کا ماتم دار ورما
محب حیدر کرار ورما
ہے ان کے دوست کا بھی دوست دل سے
مگر دشمن سے ہے بیزار ورما

کونین دیئے عقدہ کشائی دے دی
اپنی ہی طرح جلوہ نمائی دے دی
لوگوں نے خلافت سے پس وپیش کیا
معبود نے حیدر کو خدائی دے دی

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑاپ کر
اور سبط پیمبر کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہو تو محشر میں پیمبر سے بھی کہنا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

رگ رگ میں تیری خون صداقت ہے اے حسینؑ
تیرے عمل میں عکس نبوت ہے اے حسینؑ
قائم نماز تیری بدولت ہے اے حسینؑ
تیری جبین لوح شریعت ہے اے حسینؑ
اپنے پسر کا خون جو چہرے پہ خود ملے
جز تیرے اور کس میں یہ ہمت ہے اے حسینؑ
آزاد ہوگیا ہے وہ دوزخ کی آگ سے
جس شخص کو بھی تجھ سے محبت ہے اے حسینؑ
ہم عاصیوں کے واسطے میدان حشر میں
تیری ولا ہی وجہ شفاعت ہے اے حسینؑ
پہلے ڈبوئی تیغ ڈبوتے ہیں اب قلم
تیرے لہو سے کیسی عداوت ہے اے حسینؑ
اہل عزا کے دل میں جو ورما کی قدر ہے
میں جانتا ہوں تیری بدولت ہے اے حسینؑ

کیا ہے دُنیا کی حقیقت دیکھ لینا حشر میں — آئیگی ساری خدائی زیر دامان حسینؑ
واقف قرآن و سنت کا یہ ورما قول ہے — درحقیقت ایک ہے جان نبی جان حسینؑ

نوج باطل سے نکل آیا سوئے حق اے حرُ — کھل گیا تیرا مقدر ترے جوہر نکلے
جوش نصرت میں رفیقان حسینؑ ابن علیؑ — ڈوب کر اپنے لہو میں لب کوثر نکلے
نام کے لاکھوں مسلماں تھے جہاں میں ورما — نصرت حق کے لئے صرف بہتر نکلے

علی کے حق کو چھینا اور جلایا خانہ زہرا — اسی پر ناز کرتے ہو تمہاری داستاں یہ ہے
زباں پر کلمۂ توحید دل میں بغض حیدر سے — بقول احمد مرسل منافق کا نشاں یہ ہے
تمہیں تھا شک نبوت پر یقین ہمکو رسالت پر — تمہارا امتحاں وہ تھا ہمارا امتحاں یہ ہے
نبی نے کہہ کے اُمت سے یہ ورما بند کی آنکھیں — مری عترت کلام حق تمہارے درمیاں یہ ہے

مسند پہ نبی کی بیٹھ کے جو زہرا کو پریشاں کرتا ہو — ایماں سے کہو ایماں والو اس شخص کا ایماں کیا ہوگا
ہر لحظہ کئے سجدے لیکن دُنیا ہی نظر میں دین نہ تھا — فطرت ہو ریاکاری جسکی وہ صاحب عرفاں کیا ہوگا
جو حق سے علی کے منکر تھا شک جسکو نبوت پر بھی رہا — جو کچھ بھی کہو کہہ لو ورما وہ شخص مسلماں کیا ہوگا
شیدائے اہل بیت ہوں میں ہنستا ہوا جنت جاؤنگا — جس دل میں ولائے حیدر ہو محشر سے پریشاں کیا ہوگا

لالہ ڈگمبر پرشاد گوہر دہلوی فرماتے ہیں:-

مخصوص نہ محکوم نہ سرور کے لئے ہے — سرور نہ مجبور نہ مضطر کے لئے ہے
تخصیص نہ ہندو کی نہ مسلم کی ہے اس میں — شبیر کا پیغام جہاں بھر کے لئے ہے

جناب دتاتریہ کیفی چریا کوٹی۔

نبی کا نور عین ہے علی کے دل کا چین ہے — نگاہ تیلیس ہے کہ ان کے بین بین ہی ہے
امام مشرقین ہے سلام مشرقین ہے — ادھر اُدھر کوئی نہیں حسین ہی حسین ہے

حکیم لالہ بالکشن داس باغ اکبر آبادی۔

بنے ہیں راہ حق میں مٹنے والوں کے نشاں اب تک — کوئی دیکھے تو خاک کربلا ہے خونچکاں اب تک
بہتر آدمی اور وہ نرالی شان کا لشکر — مری آنکھوں میں پھرتا ہے حسینی کارواں اب تک

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر آئی-اے-یس۔

بڑھائی دین محمدؐ کی آبرو تونے — جہاں میں ہو کے دکھایا ہے سرخرو تونے
چھڑک کے خون شہیدوں کا لالہ و گل پر — عطا کئے ہیں زمانہ کو رنگ و بو تونے

زندہ اسلام کو کیا تو نے
حق و باطل دکھا دیا تو نے
جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تو نے

راجہ رام شاعر گجرات:

حشر کا غم نہ کر تو راجہ رام
شافع حشر ہے نبی کی آل

بھگوت سرن اگروال ممتاز مراد آبادی:-

کربلا کی دھوپ میں بے آب جو کملا گئے
مصطفےٰ کے باغ کے ہر اک گل تر کو سلام

پنڈت لچھمن پرشاد شرما:-

رگ رگ میں ہے پیوست تولائے حسینؑ
نس نس میں کھنچا نقش تمنائے حسینؑ
پابند شریعت نہ سہی گو لچھمن
واللہ مگر دل سے ہے شیدائے حسینؑ

گنیش بہاری طرز لکھنوی:-

مری نگاہ عقیدت سلام کہتی ہے
ان آنسوؤں کی نزاکت سلام کہتی ہے
دل و دماغ کی وسعت سلام کہتی ہے
ہر ایک دل کی محبت سلام کہتی ہے
حسینؑ تم کو محبت سلام کہتی ہے

غریب دل کے سہارے سلام کہتے ہیں
لہو میں ڈوب کے تارے سلام کہتے ہیں
تمہیں فرات کے دھارے سلام کہتے ہیں
خدا کے خاص اشارے سلام کہتے ہیں
یہ انتہا ہے کہ وحدت سلام کہتی ہے

فلک کی طرح سے انسان سلام کہتا ہے
مہک مہک کے گلستان سلام کہتا ہے
جو مٹ رہا تھا وہ ایمان سلام کہتا ہے
تمہارے گھر کا ہے قرآن سلام کہتا ہے
ہر ایک لفظ یہ آیت سلام کہتی ہے

خلیل و یوسف خوشرو سلام کہتے ہیں
سکون و صبر کے پہلو سلام کہتے ہیں
جبیں ہے خاک پہ گیسو سلام کہتے ہیں
تمہارے نانا کے آنسو سلام کہتے ہیں
ہر اک نبی کی نبوت سلام کہتی ہے

تمہارا حسن ہے پھولوں میں اور باغوں میں
تمہارے غم کی ضیا ہے دلوں کے داغوں میں
تمہارا نور ہے اسلام کے چراغوں میں
حسین تم ہی دلوں میں ہو اور دماغوں میں
شفق میں خون کی رنگت سلام کہتی ہے

شری جوالا پرشاد صاحب نگم روشن لکھنوی:-

وہ انسانوں کی فطرت کے تقاضوں سے ہیں بے بہرہ جو کہتے ہیں جوازِ اشکِ انسانی نہیں ملتا
جلاکر خیمہ اہل حرم سفاک ہنستے ہیں کہ پتھر کو شعورِ قلبِ انسانی نہیں ملتا
نبوت اور امامت پر وہ فائز ہو نہیں سکتا روِش جب تک کسی کو حکم ربانی نہیں ملتا

کنور سورج نرائن صاحب ادیبؔ سیتاپوری:-

نظر نظر میں جو کعبے بنا دیئے تم نے حسین کون سے جلوے دکھا دیئے تم نے
چمک سے جن کی منور ہے آج تک اسلام چراغ ایسے بہتر جلا دیئے تم نے
حسین چشم عنایت ذرا ادیبؔ پر بھی نہ جانے کتنے مقدر بنا دیئے تم نے

روپ کماری صاحبہ لکھنوی (منشی فاضل) فرماتی ہیں:-

ملا ہے پوت جگت میں کب ایسا ماؤں کو غلامی فخر رہی جس کی سورماؤں کو
خوشی سے جھیلا زمانہ کی سب بلاؤں کو پسند حق نے کیا آپ کی اداؤں کو
حضور دل کب روشن نبی جبھی تو ہوئے کئے تھے کام جو اعلیٰ علی جبھی تو ہوئے
وہ مے پلا جو کھنچی اہل بیت کے گھر میں وہ مے پلا جو ملی ہے شراب کوثر میں
وہ مے چھنی ہے جو آل عبا کی چادر میں وہ مے جو پیتے ہیں خاک شفا کے ساغر میں
وہ مے جو عرش معلی میں تھی کشید ہوئی دوبارہ کھنچنے کی پھر خم میں جس کے عید ہوئی
علی حبیب خدا ایلیا علی عابد علی شہید علی شاہِ دیں علی شاہد
علی تقی و علی متقی علی قائد علی وحید و علی حامد و علی واحد
خلاف حکم خدا و نبی کبھی نہ ہوئے
خدائی کی یہ خدائی کے مدعی نہ ہوئے

خطا یہ ہے کہ محض بے خطا ہے روپؔ کنوار علی کے عشق میں یہ ابتلا ہے روپؔ کنوار
زمانہ گرچہ مخالف ہوا ہے روپؔ کنوار میں ان کی ہوں مجھے پروا ہی کیا ہے روپ کنوار
کسے کہوں کہ وہ کشتی کو میری پار کرے
علی ہو جس کا کھو یا وہ کیوں بچار کرے

دیگر، از روپ کماری صاحبہ (تضمین)

ترا کیسا پیارا یہ نام ہے کہ ہے حق سے تجھکو عطا ہوا جبھی حق سے اتنا تول گیا کہ نہ فرق نام کو بھی رہا
تری شان دیکھ کے مرتضیٰ کسی نے خوب ہے یہی کہا لمعات وجہک اشرقت سطعات حسنک اعتلا
بطلوع عارض شمس تو شب تار راقمرا لدجیٰ

ہے تری ولا میں سلامتی جو ترا عدو ہے وہ لعنتی تجھے میں بھی اتنا ہوں جانتا تو ہے فاطمہ کا دھرم پتی
ترا در ہے باب اجابتی تو ہے شمع قصرِ رسالتی در بحرِ فضل و کرامتی گل باغ حسن و لطافتی
چہ بہارِ رحمت آیتی۔ بولائے دولت حل اتی

تو ہے نفسِ سیدِ مرسلیں ترا آسمان تری زمیں جو نہ ہوتا کعبہ کا تو مکیں بھلا بنتا پھر یہ حرم کہیں
ترا امام خلق وامام دیں ترا مان سب کا، تو ہی امیں یہ نگاہ لطف و کرم یہ بیں کرے بکس بہ انا جزیں
کہ سزد ترا ہمہ آں چنیں دل و جان حضرت مصطفےٰ

نہیں کس پہ امر یہ منجلی تجھے حق نے اپنا کہا ولی ترے در پہ سب کو اماں ملی تجھے جب پکارا بلا ٹلی
ترا نام لیتے ہی یا علی ہوئی شادتی گئی بے کلی تو انیس خاطر بے دلی تو نصیب عاشق بسملی
گرہ ہے کشا کہ تو کا ملی مثل السفینۃ النجا

جو نصیریوں نے تجھے کہا وہی میں کہوں تو نہیں روا تو خدا کے بعد ہے نا خدا تو نبی کے بعد ہے پیشوا
ہے لقب ترا شہ لافتیٰ تو ہے زور بازوئے مصطفےٰ تو ولی و سرور اتقیا تو وصی احمد مجتبےٰ
بفروغ آیت انما تو علی وحیدر و مرتضیٰ

تو ہی منتخب تو ہی منتجب ترا میر ہے ترشہ عرب تو خدا کا بندہ خاص ہے تو رسولِ پاک کا ہم نسب
کہیں مرتضیٰ کہیں مقتدیٰ کہیں ایلیا ہے ترا لقب تو خدا کے گھر کا مکین ہے ہوا کعبہ کعبہ ترے سبب
جو رہا تھا برسوں صنم کدہ اسے قبلہ تو نے بنا دیا

تو شہید ہے تو شہود ہے تو ولی رب ودود ہے وہ بلند تیرا وجود ہے کہ خدا کا جس پہ درود ہے
ترے دم سے حق کی نمود ہے تو خدا کے دیں کا عمود ہے تو قیام ہے تو قعود ہے تو رکوع ہے تو سجود ہے
تو غرض کہ کل نماز ہے ترا ذکر خدا ہوا

تری اور نبی کی ثنا میں پر ہے کتاب حق کا ورق ورق وہ درود پاک کا اہل ہے تو سلام حق کا ہے مستحق
جو نبی حق وہ ولی حق جو ولی حق وہ نبی حق ہے کتاب دونوں کی ایک ہی وہی طرز ہی وہی سبق
وہ رسول ہے تو امام ہے یہی فرق گویا ہے ظاہرا

منشی بشیشر پرشاد منور لکھنوی:۔

اس میں خدا کی شان ہے اس میں نبی کی شان میں کیا کروں بیان جناب علی کی شان
کچھ خاک بوتراب بھی ہے جز و زندگی ہر آدمی میں ورنہ کہاں آدمی کی شان
یہ رعب یہ جلال کسی اور میں کہاں شیروں سے جاکے پوچھئے مرد جری کی شان
پیغمبری کی شان کا ارمان کیوں کرے جس کی اماموں میں ہو پیغمبری کی شان

اتنا عظیم مردِ خُدا اور کون ہے
حیدر کی شان ہے جو نہیں وہ کسی کی شان

ہندوستان کے بعض عظیم رہنماؤں کے تاثرات

یوں تو ہندوستان کا شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس نے کسی نہ کسی موقعہ پر حسینؑ کے متعلق کچھ نہ سوچا ہو یا نہ کہا ہو اور قابل اور سربر آوردہ لوگوں میں سے تو کم و بیش ہر ایک نے جلسوں یا تقریروں میں حسینؑ کو ضرور خراج عقیدت پیش کیا ہے مگر ہم ذیل میں ان میں سے صرف چند آراء کا ذکر کرتے ہیں جو اخباروں یا رسالوں میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱) مہاتما گاندھی فرماتے ہیں:۔

"میں نے کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جب کہ میں نوجوان ہی تھا اس نے مجھکو دم بخود اور مسحور کر دیا میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ ہندوستان کی نجات حسینی اصول پر عمل کرنے سے ہو سکتی ہے۔"

(۲) مسز سروجنی نائیڈو:۔

"حضرت امام حسینؑ نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا وہ اتنا بے نظیر اور مکمل تھا کہ آج ہم اس کی یادگار منا رہے ہیں۔ میرے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں اور نہ دُنیا کی کوئی ایسی فصیح و بلیغ زبان ہے جس کے ذریعہ ان جذبات عقیدت کو بیان کر سکوں جو اس شہید اعظم کے لئے میرے دل میں ہیں۔ حضرت امام حسین صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ رب العالمین کے سارے بندوں کے لئے ہیں میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتی ہوں کہ ان میں ایک ایسا بلند انسان گزرا ہے جسے دُنیا کی ہر قوم یکساں طریقہ سے مانتی اور ان کی عزت کرتی ہے۔"

(۳) پنڈت جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہندوستان):۔

"کسی کارِ نمایاں کی خصوصیت کا صحیح اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ اس کا دوسروں پر کتنا اثر مرتب ہوتا ہے۔ کسقدر وہ (انہیں) ابھار رہا ہے۔ کس قدر انہیں طاقتور بنا رہا ہے اور کتنی شرافت و تہذیب ان میں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لاتعداد نسلیں کربلا کی اس قربانی اور عظیم سانحہ سے زبردست طریقہ پر اثر پذیر ہوتی آئی ہیں خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قربانی کس قدر لازوال قیمت رکھتی ہے۔"

(۴) ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند:۔

"کربلا کا واقعۂ شہادت انسانی تاریخ کا وہ واقعہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جو دُنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر ڈالتا رہے گا۔ ہندوستان میں اس واقعہ

یادگار بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے اور جس میں نہ صرف مسلمان حصّہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں"۔

(۵) ڈاکٹر سر رادھا کرشنن صدر جمہوریہ ہند:۔

"امام حسینؑ نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دُنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ دُنیا میں حق و انصاف کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے ہتھیاروں اور فوجوں کی بجائے جانوں کی قربانی پیش کرکے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ امام حسینؑ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ حق و صداقت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔"

(۶) رابندر ناتھ ٹیگور:۔

"حسینؑ نے کیا سکھایا! یہ مادی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں اس وقت توازن کھو دیتی ہے جب اس کا رشتہ محبّت کی دُنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں نہایت ارزاں اور فرومایہ چیزوں کی قیمت اپنی روح سے ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب مادّیت کی مقید کرنے والی دیواریں حیات کی آخری منزل ہونے کا یقین دلاتی ہیں۔ جب یہ ہوتا ہے تو بڑے بڑے تنازعے حاسدانہ فتنے اور مظالم اپنے لئے جگہ اور موقع تلاش کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں چونکہ وہ محدود ہیں۔ ہمیں اس خرابی کی دلگداز خبر ملتی ہے اور ہم ناقص صداقت کے محدود دائرے ہی کے اندر توازن قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اس میں ناکامیاں ہوتی ہیں۔ اس موقعہ پر صرف وہ ہماری مدد کرتا ہے جو اپنی حیات مستعار سے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ ہم روح بھی رکھتے ہیں وہ روح جس کا مسکن محبت کی بادشاہت میں ہے اور پھر جب ہم روحانی آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو مادی و ایثار کی مصنوعی قیمتوں کا زور ہماری نگاہوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے حسینؑ سے بڑھکر کوئی شہید نہیں دیکھا اور حسینؑ کی شہادت کے اثر سے زیادہ کسی شہید کی قربانی کا اثر نہیں ہوا۔"

(۷) گوپال کرشن گوکھلے:۔

"اگر حسینؑ اپنی شہادت سے اسلام کے اُصول کو از سر نو زندہ نہ کرتے تو اسلام بالکل مٹ جاتا اور اگر اسلام کا وجود رہتا بھی تو اُصول اور بدترین مذہب کی حیثیت سے جس کے اندر بڑی آزادی سے وہ سب برائیاں پھیل جاتیں جن کا رواج یزید اور اس زمانے کے عام مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کا شعار ہو گیا تھا۔"

(۸) سردار کرتار سنگھ سکھ رہنما۔

"محمدؐ صاحب نے جو انسانیت کے بہترین اُصول پیش کئے تھے حسینؑ نے اپنی قربانی اور شہادت سے انہیں زندہ کر دیا اور ان پر ابدیت کی مہر لگا دی (حسینؑ کا اصول) اٹل ہے۔ انھوں نے جس قلعہ کو تعمیر کیا

اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ حسینؑ زمانے کی سیاسی باتوں کے نبض شناس تھے۔ کربلا کی جنگ میں حسینؑ نے جو تین حربے استعمال کئے وہ انصاف، پریم اور قربانی ہیں۔ شہادت حسینؑ نے انسانیت کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ حسینؑ انصاف، پریم اور قربانی کا دیوتا ہے۔"

سردار کرتار سنگھ مزید لکھتے ہیں:۔

"اگر حسین کو حکومت ملتی تو ان کی حکومت زمین پر آسمانی حکومت ہوتی تاہم مرنے کے بعد بھی وہ ایک ایسی حکومت کر رہے ہیں جو کوئی فانی حکمران نہیں کر سکتا وہ لازوال تخت و تاج کے مالک ہیں وہ ہمارے غیر فانی بادشاہ ہیں اور انھوں نے فطرت انسانی کو غیر محدود وسعت عطا کی ہے۔"

(۹) بی۔ جی کھیر وزیر اعلیٰ بمبئی:۔

"امام حسینؑ نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ ہماری زندگی میں چراغ کا کام دیتا ہے اور امام حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ ہندوؤں کے بھی ہیں اور ہندو مسلمان ان کے نقش قدم پر چل کر ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں۔"

(۱۰) مہاراجہ جیوجی۔ سندھیا والی گوالیار۔

"رسولؐ اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسین نے ظلم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ وہ جور و تعدی کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہ تھے۔ ان میں عقیدہ اور ضمیر کی پختگی تھی۔ اعلیٰ ترین مقاصد اور بلند ترین نصب العین ان کے سامنے تھے۔ اس لئے انھوں نے ایک بڑی طاقتور فوج کا دنداں شکن مقابلہ کیا۔ تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے اختلاف اور نسل و رنگ و مذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے اور اس قابل ہے کہ انسانی نسل اس کو اپنے دلوں میں جاگزیں کرے۔"

(۱۱) ہز ہائینس مہاراجہ ہولکر آف اندور۔

"آج یہ جلسہ تمام اقوام و مذاہب کے لوگ مشترکہ طریقہ سے کر رہے ہیں۔ جس میں امام حسینؑ کے اس کارنامہ سے سبق حاصل کریں گے جو آپ نے آزادی کیلئے وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا کر وہ عظیم الشان قربانی دکھائی جس نے حق و انصاف کو دنیا میں قائم کر دیا۔ اگر تمام ملک میں اس قسم کے جلسے ہونے لگیں تو مجھے یقین ہے کہ تمام قوموں اور مذہبوں میں اتفاق و اتحاد ہو جائے۔"

(۱۲) دستور کیخسرو مہاد ایتھورد (پیشوائے اعظم پارسی)

"اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق، مذہب اور صداقت سے ناآشنا رہتی۔ دنیا ان شہداء کی ممنون ہے جنھوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی۔ امام حسین ان شہداء میں ممتاز ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کے لئے جان دی۔ ہمکو ان کی یاد عمل سے منانا چاہئے اور

اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہیئے"۔

حضرت علیؑ اور امام حسینؑ مسیحی مورخین کی نظر میں

(۱) آرتھر این ولسٹن:۔

"تاریخ عرب علی جیسا بہادر پیدا نہ کر سکی لیکن ان کے چھوٹے بیٹے حسینؑ نے عاشورہ محرم کے دن بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کی بہادری کئی اعتبار سے علی کی بہادری سے بڑھ گئی۔ دنیا کا کوئی بہادر ایسی بے سرو سامانی غم والم کے ہجوم اور بھوک پیاس کی انتہائی تکلیف میں ایک کثیر فوج سے عرب کی ریگستانی دھوپ کی گرمی میں نہیں لڑا اور نہ کوئی لڑ سکتا ہے جس طرح حسینؑ لڑے یہ بات علاوہ بہادری اور توش کے حسینؑ کے کمال روحانیت کو ظاہر کرتی ہے کہ حسینؑ اپنے مقصد اور مذہب کی سچائی پر کس قدر اٹل ارادہ کے حامل تھے۔ حسینؑ میں وہ اعلیٰ جوہر و کمالات تھے جو عام انسانوں میں نہیں پائے جاتے۔ اس لئے حسینؑ کی ذات خود ایک معجزہ ہے"۔

(۲) تھامس کارلائل مصنف ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔

"علی عرب کے سب سے بڑے سورما اور سپاہی تھے جن کی نظیر گزشتہ اور آئندہ نہیں مل سکتی۔ ان کی ذات انسانی قوت کا سب سے گہرا منبع تھی۔ بیس قرن پہلے کی تاریخ میں بھی ایسی ہستی کا پتہ نہیں چلتا ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو دوست نہ رکھیں اور ان کے عاشق نہ ہوں اس لئے کہ کون سی خوبی ایسی ہے جسکو ہم دوست نہ رکھیں اور وہ کون سی خوبی ہے اور بھلائی ہے جو علی میں موجود نہ ہو"۔

کارلائل امام حسینؑ علیہ السلام کے متعلق لکھتا ہے:۔

"بہادرانہ کارنامے محض ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث ہوتے ہیں ان کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت و استقامت باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت حسینؑ پر جس درجہ غور و فکر کیا جائے گا اسی قدر اس کے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہوں گے۔ مظالم بے رحمیاں اور ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں ان کا عشر عشیر بھی کسی اور معرکہ میں نہیں ہوا۔ خدا پر یقین کامل قومی غیرت و حمیت شرافت اور بہادری کا جو سبق ہمیں تاریخ کربلا سے ملتا ہے وہ کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا اور ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جب دنیا میں مصیبت اور غضب بہت ہو جاتا ہے تو خدائی قانون قربانی مانگتا ہے۔ جس کے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں"۔

(۳) جبران خلیل:-

اس مفکر کا شمار بڑے عیسائی علماء میں ہے اور تاریخ اسلام میں بڑے معلومات رکھتا ہے وہ لکھتا ہے: "علی مر گئے یہ وہ امام تھے کہ ان کا مقام اور ان کی شان اُن پیغمبروں سے بلند تھی جو بصیرت بینائی اور شخصیت کے اعتبار کے دُنیا میں مشہور تھے علیؑ کا تعلق کسی شہر قوم زبان اور مکان سے مخصوص نہ تھا بلکہ ان کی شخصیت عالمگیر شہرت کی مالک تھی۔ علی شہید اعظم تھے۔ وہ حالت نماز میں دنیا سے اٹھے ان کا دل خدا کی محبّت سے لبریز تھا عرب نے ان کا مقام اُس وقت تک نہیں پہچانا جب تک کہ ان کے ہمسایہ ملک کے ایرانیوں نے اُس گوہر نایاب کو سمجھ کر پہچان لیا۔ میرے عقیدے میں طالب کا فرزند پہلا عرب ہے جس نے روحانیت سے بدرجہ کمال تعلق پیدا کیا اور ان کے کان آسمانی آوازوں سے لبریز تھے اور ان کی زبان سے الہام اور وحی کے ذریعہ حقائق کی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ صفات کسی بشر میں نظر نہیں آئے لطف تو یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں پیدا ہو کر ایسا بلند مقام حاصل کیا اور جس شخص نے ان سے عداوت برائی کا مظاہرہ کیا وہ جاہلیت کا سب سے بڑا بے سمجھ انسان ہے۔ اس لئے علیؑ تمام طالبان حق عاشقوں کے معشوق ہیں"۔ امام حسین علیہ السلام کے متعلق جبران خلیل لکھتے ہیں۔

"بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوہناک مناظر ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں بھی غم والم کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

(۴) پروفیسر براؤن (مصنف تاریخ ادبیات ایران):

"حسینؑ کا قتل مدینہ کی تاراجی اور مکہ کا محاصرہ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی کہ جس نے تمام دنیا کو لرزہ براندام کر دیا"۔

(۵) جیمس کارکرن (مصنف تاریخ چین)

"کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ فصاحت و بلاغت ہے کہ ان بہتر (۷۲) بزرگواروں کی ثابت قدمی اور شجاعت و قربانی کی مدح کر سکے ان بہتر (۷۲) تنوں کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی ان کا قدم نہ ہٹا۔ بس جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں اور انتہائی مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا"۔

(۶) فریڈنگ۔ جے۔ کولڈ۔

"اگر میں نوجوان ایشیا۔ افریقہ۔ آسٹریلیہ شرق وسطیٰ امریکہ اور یورپ کو عراق کے میدان میں جمع کر سکوں اور اگر حسینؑ اور عباسؑ کے روضوں کے روبرو کربلا میں کھڑا ہو سکوں اور اگر میری زبان

اور لب و لہجہ سب لوگ سمجھ سکیں تو میں حسینؑ کی زندگی اور موت کے اندرونی اور روحانی پیغام کے متعلق گفتگو کروں گا۔ حسین انسانیت کاملہ کا بہترین نمونہ تھے۔ جبکہ وہ ریگستان میں دریاؤں میں نفرت اور بے رحمی کی تاریک گھاٹیوں میں انس و ہمدردی کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کی عملی زندگی میرے نزدیک ایسی ضرب المثل ہے جو عالمگیر معنی رکھتی ہے"۔

(۷) کے ایل رلیا رام (ہندوستانی عیسائیوں کے عظیم رہنما):

"اس شخص کی زندگی پر میں کیا لکھوں جو روئے زمین پر حق و صداقت کا علم بلند کرنے والا پہلا فرد ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں۔ امام حسین اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنیوالی قوموں کے سامنے ثبات و استقلال صبر و سکون اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ گئے ہیں تاکہ ان کی قربانی کو مدنظر رکھ کر ظالموں اور جفا کاروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی سیرت کے وہ وہ جوہر کھلے ہیں جن پر غور کر کے انسان انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی میں جبکہ دنیا انسانیت سے صداقت سے کوسوں ہٹ گئی ہے آپ کی بلند سیرت لوگوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ امام حسین نے چونکہ حق و صداقت کے ایک عالمگیر اصول کے لئے جان دی اس لئے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی مظلومیت اور فداکاری پر آنسو بہاتے ہیں۔ ہر دور میں یزید پیدا ہوتے رہیں گے لیکن حسین جیسا صداقت پسند بلند سیرت کا انسان اب پیدا ہوگا۔ امام حسین کے اصول کی ہمہ گیری ایک ایسا واقعہ ہے جس پر تمام قوموں کے اتحاد کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

(۸) ڈاکٹر شبلی۔ شمیل۔ طبیعات کا مشہور ڈاکٹر۔

"علی کی ہستی سب سے بڑی اور سب سے افضل تھی۔ مشرق و مغرب عالم میں کسی نے ایسا امام و پیشوا مقتدائے بشریت نہیں دیکھا۔ دنیا کے تمام بزرگوں کی قافلہ سالاری انہیں کی ذات پر منحصر ہے۔ وہ بزرگ ہستی سرتاپا آئینہ حق نما تھی جس کا مثل کوئی ہوا اور نہ ہوگا"۔

(۹) جارج سجعانی مسیحی لبنانی۔

انھوں نے نہایت تحقیق اور شرح و بسط کے ساتھ تجزیہ کرتے ہوئے تمام انبیا کے ساتھ مقابلہ کر کے علی کو تمام انبیاء اور مشاہیر عالم پر سب سے بالاتر و برتر اور صاحب فکر و نظر ثابت کیا ہے۔ یہ اپنی جانب سے حضرت کو صوت العدالۃ الانسانیۃ (انسانیت کی عدالت کی آواز) کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور ایک دوسرے بڑے عیسائی عالم "میخائیل نعیمہ" نے اس کتاب کا مقدمہ اور اس پر تقریظ لکھتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ یہ کتاب علی کے متعلق غیروں کے دلی خیالات کی عکاسی کرتی ہے"۔

اسی کتاب کی ایک فصل میں علی کے فرمان کا مقابلہ دنیا کے ۴۹ ممالک کے علماء اور عقلاء وسیاستدانوں کے ایک فرمان سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "دنیا کے ۴۹ ممالک نے اپنے اپنے ملک سے ایک بہترین عقلمند عالم وتجربہ کار اور ہوشیار وباکمال شخص کو منتخب کر کے امریکی آزادی اور صلح وآشتی کے لئے ایک منشور لکھکر نافذ کر دیا۔ یہ ضابطہ جو ۴۹ ممالک کے منتخب فضلاو عقلا نے ایک جگہ جمع ہو کر نہایت غور وفکر کے بعد لکھا ہے اس کا مقابلہ اس فرمان سے کیا جائے تو چودہ سو سال قبل عالم مسافرت میں راستہ چلتے ہوئے تنہا بغیر کسی کی شرکت اور مشورت کے علی نے اپنے ایک صوبہ دار کو لکھوا دیا ہے آج بھی کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔"

(۱۰) ڈاکٹر ریورنڈ کینن ایڈورڈ سیل ڈی ڈی۔

اپنی ایک کتاب میں جو ائمہ معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی پر مشتمل ہے لکھتے ہیں۔

"یہ امام ایسے عالم تھے اور کچھ ایسی جاذب شخصیت رکھتے تھے کہ شیعوں کی ولاد محبت سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اُن کو اپنے اماموں سے ہے کل کے کل امام اس قابل ہیں کہ ان کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔"

(۱۱) مسٹر ایف جے گولڈ لندن۔

"حسین کی زندگی میرے نزدیک عالمگیر مطالب پر مشتمل ہے۔ کربلا کے حسینؑ عرب کے حسین بلکہ دُنیا کے حسین شجاع اور فخر انسانیت حسینؑ نے اپنی زندگی اور موت دونوں کے ذریعہ قلب انسانی کو مسخر کر لینے کی بہترین مثال پیش کی ہے"۔

(۱۲) مسٹر جے اے جیلوس

"کربلا کا شہید اعظم جو سردار انبیا کی روح وجان تھا اس کے کارنمایاں کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔"

(۱۳) سر چارلس ڈکسن۔

"اگر حسین سلطنت کی غرض سے جنگ کرتے تو اپنے ساتھ مستورات اور ننھے ننھے بچوں کو نہ لیجاتے۔"

(۱۴) سر فریڈرک جیمس۔

"ان اصولوں پر جن کی تعلیم خود حسین نے دی تھی یعنی انفرادی جماعتی اور بین الاقوامی زندگی میں رواداری اور آزادی تحفظ اور انصاف کی تعلیم اس قسم کے نئے نظام میں سلطنت کے غلبہ جبر وظلم کا امکان نہ رہے گا بلکہ مشترک زندگی کی ایک انسانی وقومی اخوت قائم ہوجائے گی"۔

(۱۵) سر جارج براڈوڈ۔

"یہی شہادت حسینؑ ہے جو ہر سال اول عشرہ محرم میں منائی جاتی ہے کہ یہ واقعۂ دردناک اپنی اصلی حیثیت میں پیش نظر ہو جاتا ہے۔"

(۱۶) مورخ مولس ایچ تمس۔

"حسین ان حالات کے ماتحت قتل کئے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات رنج و غم سے پگھل جاتا ہے۔"

(۱۷) مورخ ڈوزی۔

"بنی اُمیہ جو دل میں اسلام کے مخالف تھے اور اولادِ رسولؐ کے کھلم کھلا دشمن اب رسولؐ کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ حالانکہ ان کے دل ذرا بھی نہ بدلے تھے۔"

(۱۸) مورخ واشنگٹن ارونگ۔

"حسینؑ سمجھے کہ میں نے یزید سے بیعت کر لی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعت کریگا اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائیں گے۔ چنانچہ نہایت ایمانداری اور بڑی جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں صاف انکار کر دیا۔"

(۱۹) ڈاکٹر ایچ ڈبلیو بی مورنیو۔

"اس دردناک واقعہ نے جو دسویں محرم ۶۱ھ کو رونما ہوا بنی اُمیہ کی طاقت کو فنا کر دیا۔ اور امام حسینؑ کی شان کو قائم کر دیا جس نے ہمیشہ کے لئے خونخواری حرص و طمع کو مٹا دیا اور اسلام کو تمام دُنیا میں قابلِ قبول بنا دیا۔"

(۲۰) جرمن مورخ ڈاکٹر میسو ماربین۔

ڈاکٹر میسو ماربین نے اپنی کتاب کے باب ہفتم میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ پر ایک بصیرت افروز تحریر حوالہ قلم کی ہے۔ اس میں سے ہم ایک دو پیراگراف کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔

"ارباب سیاست میں سے کسی نے ایسی مؤثر سیاست اختیار نہیں کی جیسی حسینؑ نے کی۔ یزید کے معاویہ کا ولیعہد قرار دیئے جانے کے بعد حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی اُمیہ کی حرکتیں جنھیں عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور ریاست روحانی پر بھی مسلط ہو چکے تھے عنقریب مسلمانوں کے عقیدہ کو ان کے جدنے دین سے متزلزل کر دینگی اور دوسری طرف انہیں اس بات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لیں یا نہ کریں بنی اُمیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کر دینے میں کسی قسم کی فروگذاشت نہ کریں گے اور اگر تھوڑے دنوں یہ حالت باقی رہی تو دنیا میں بنی ہاشم کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی اُمیہ

خلاف اسلام میں انقلاب قائم کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔
حسینؑ اپنے دوستوں سے جو انہیں اس سفر سے ممانعت کرتے تھے صاف طور پر کہدیتے تھے میں تو مقتول ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسینؑ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے۔ میرے نانا نے مجھے یہی حکم دیا ہے اور جب وہ اصرار کرتے تھے کہ جب مقتول ہو جانے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیے۔ جواب میں فرماتے تھے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے اہل و عیال اسیر و مقید ہوں اور حسینؑ کے کلمات اس وقت چونکہ روحانی سیاست کی حیثیت سے لاجواب تھے یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حسینؑ سوائے ان عالی خیالات کے جوان کے دماغ میں تھے کوئی دوسری غرض خیال میں لاتے ہی نہ تھے اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب انھوں نے حکومت اور بادشاہی کے لئے برداشت نہیں کئے اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکہ عظیم میں انھوں نے قدم رکھا جیسا کہ ہمارے بعض مورخین نے خیال کر لیا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے ان مخصوص اصحاب سے جن کے دماغ روشن اور عقل سلیم تھی اس واقعہ کا سا لہا سال پیشتر اپنی مصیبتوں پر تسلی دینے کی غرض سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اور ان جانکاہ مصائب کے گذر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کریگا جو حق کو باطل سے جُدا کر دے گی اور ہماری قبروں کی زیارت کیا کریگی اور ہماری مصیبتوں پر رویا کرے گی اور دشمنان آل محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کرے گی۔ یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کریں گے اور میں اور میرے بزرگوار انہیں دوست رکھیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور ہونگے۔

ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اگر اس کے ساتھ اپنی قوت بڑھانا چاہتے تو ایک بڑا لشکر فراہم کر سکتے تھے۔ مگر اس صورت میں اگر وہ مقتول بھی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت و بادشاہی کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا نتیجہ عظیم الشان ریزولیوشن تھا حاصل نہ ہوتا۔ پس سوائے ان لوگوں کے جن کی جدائی امکان سے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ مثل فرزند برادر بھتیجے اور بنی اعمام اور چند مخصوص احباب باوفا کے تاہم انکو ان سے بھی فرمایا کہ تم بھی ہمیں چھوڑ کر جدا ہو جاؤ۔ مگر انھوں نے منظور نہ کیا اور وہ بھی ایسے حضرات تھے کہ مسلمان کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکھتے تھے اور ان کا حسینؑ کے ساتھ قتل ہو جانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت و تاثیر کا سبب ہوا۔ جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی اُمیہ کی طرز معاشرت اور نام نہاد اسلام گروہوں پر اس کا غالب آجانا اور مسلمانوں کی سست اعتقادی ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ

حسینؑ نے جان دیکر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدوں کو زندہ کر دیا اور اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برتی رہ جیسا جھٹکہ حسینؑ کے شہید ہونے سے مسلمانوں کو نہ لگتا تو دین اسلام اور قوانین بالکل نابود ہوجاتے۔"

بعد کے فقروں میں ڈاکٹر میسو ماربین مزید لکھتے ہیں:۔

"حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے طفل شیرخوار کے باب میں وہ کام کیا کہ فلاسفہ کی عقول کو متحیر کر دیا۔ حسینؑ کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حسینؑ سے پہلے بھی کئی روحانی بزرگ بحالت ظلم قتل کئے گئے جیسے یحییٰ اور مسیح وغیرہ مگر حسینؑ کے واقعہ قتل نے تمام گزشتہ وقائع کو پیچھے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ہر مقدس بزرگ کے قتل کے بعد انقلاب ہوا ہے مگر حسینؑ کا قتل کوئی ناگہانی واقعہ نہ تھا بلکہ حسینؑ اس کے لئے بہت پہلے سے تہیہ کر چکے تھے"۔ اس باب کے آخر میں میسو ماربین لکھتا ہے: "ہم جس وقت اپنے مشنری لوگوں (مسیحی مبلغین) کا پروگرام دیکھتے ہیں اور موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود قوت و ثروت کے ہم مشنریوں کو حسینؑ کے ماننے والوں کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ جب تک مسلمان حسینؑ کی عزاداری کے عامل رہینگے کبھی بلندی کے سوا پستی اور برتری کے سوا زیردستی نہ دیکھیں گے۔"

مسیحی خواتین کا ہدیہ عقیدت حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی جناب میں

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے متعلق بعض مسیحی خواتین کے اظہار خیال کو ہم مولانا سعید محمود صاحب گیلانی کے شکریہ کے ساتھ ان کے مطبوعہ مضمون سے اقتباساً درج کرتے ہیں:۔

لمس ورکین حقول:۔

نیویارک کے ایک نواحی گاؤں کی رہنے والی ہیں مسیحیت کے مالہ وما علیہ پر کلی عبور رکھتی ہیں۔ اور دیگر ادیان و مذاہب کی معلومات ضروریہ سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اسلام اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ ان کا خاص شغف ہے۔ مس صاحبہ نے ۱۹۳۳ء میں کوئی سو صفحوں کا ایک رسالہ جناب فاطمہ کے مختصر حالات میں قلم بند کیا۔ جس کا نام ہے: "مقدس رسولؐ کی مقدس بیٹی"۔ وہ اس رسالہ میں ایک جگہ تحریر فرماتی ہیں "فاطمہ جناب رسولؐ خدا محمد مصطفےٰؐ کی وہ محبوب بیٹی ہیں جن کے اندر اپنے محترم باپ کے تمام اوصاف و کمالات جمع تھے۔ فاطمہ بتول وہ عالی مقام اور حیادار خاتون ہیں جن سے فرشتے بھی شرماتے تھے۔ اس کے ثبوت میں ایک اور صرف ایک واقعہ لکھ دینا کافی ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب محمدؐ رسول اللہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ایک روز کسی نے آپ کے مکان کا دروازہ

کھٹکھٹایا۔ حضور نبی کریم نے پوچھا کون جواب ملا۔ میں ہوں جبرئیل۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اندر آجاؤ۔
جبرئیل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کے پاس زہرا بتول تشریف فرما ہیں۔ میں اندر کیسے آسکتا ہوں ان سے
فرمایئے کہ پردے میں ہو جائیں چنانچہ فاطمہ پردہ میں ہو گئیں۔ جبرئیل اندر آئے اور نبی کریم سے کہا
یا محمدؐ حق تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا کہ اگر آپ واصل بحق ہونا چاہتے ہیں تو عزرائیل کو
بھیجدیا جائے اور اگر آپ کا منشا ہنوز نہیں ہے تو صحتیاب کر دیا جائے رسول اللہ نے کہا۔ اب میں
دُنیا کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ جب تک فرشتہ بیٹھا رہا۔ فاطمہ باہر نہیں نکلیں قیامت کے روز بھی
جب بی بی صاحبہ تشریف لائیں گی تو آواز آئے گی اے لوگوں اپنی نگاہیں نیچی کر لو۔ کیونکہ دختر رسول آتی
ہیں۔ خبردار کوئی شخص اپنی آنکھوں کو اوپر نہ اٹھائے ورنہ اسے اندھا کر دیا جائے گا۔ فاطمہ بیشمار
فضائل کی سرمایہ دار ہیں رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق آپ تمام دُنیا کی عورتوں کی سردار
اور تمام جنتی خواتین کی ملکہ ہیں"۔

(ڈی ہولی ڈاٹر آف ہولی پرافٹ" مؤلفہ مس ورکن ھول شائع کردہ اسلام کلچر سوسائٹی
نیویارک امریکہ مطبوعہ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۷-۲۸)

مس میری بی ھاونٹ:۔

مس صاحبہ کی نگارش ملاحظہ فرمایئے یہ سوئیزرلینڈ کے شاہی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔
مسیحیت کی سرگرم مُبلغہ اور مخلص راہبہ ہونے کے باوجود ان کو حضور پنجتن پاک سے بھی کافی
عقیدت و محبّت ہے۔

ایک دفعہ یورپ کا تبلیغی دورہ کر رہی تھیں اور کسی چرچ کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرنا بھی
ان کے پروگرام میں شامل تھا۔ جب وہ مانچسٹر (انگلستان) پہنچیں تو چند عیسائی عورتوں نے ان کے
سامنے مسیحی مخیرہ سخی مستورات کی مُبالغہ سے تعریف کی۔ جس کے جواب میں میری نے فرمایا۔
"یہ ٹھیک ہے کہ ہر مذہب ہر قوم اور ہر ملک میں خیرات و سخاوت کرنے والوں کی کمی نہیں
اور خواتین میں بھی لاتعداد مخیرات موجود ہیں جنہوں نے دین عیسیٰ کی تبلیغ و اشاعت اور
ملتِ مسیحیہ کے استحکام و قوت کے لئے تن من دھن سے امداد کی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں مجھے رہ رہ کر
ایک عربی کریمہ یاد آتی ہے۔ جس کے صدقے و خیرات جس کے جود و سخا کی گرد کو بھی کوئی بڑے سے بڑا مخیر
و معطی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کریمہ کا اسم گرامی فاطمۃ الزہرا ہے۔ جو رسولِ عرب و عجم محمد بن عبداللہ
کی اکلوتی اور چہیتی صاحبزادی ہے۔ اس کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ مانگنے والا در اقدس پر حاضر ہوتا
تو جو کچھ اس وقت گھر میں ہوتا وہ سب کچھ اس کو دے دیتی اور خود فقر و فاقہ میں بسر کرتی اسکے

حالات میں سخاوت اور کریمی کی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ جن کو پڑھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور میں تو بعض وقت یہ سوچتی ہوں کہ جیسی خیرات بی بی فاطمہ نے کی ہے وہ یقیناً بشری طاقت سے باہر ہے۔

گولڈن ڈیڈز مؤلفہ ڈسکولرڈ مطبوعہ باسل سوئیزر لینڈ ص۱۱۵)

مادام نوکے چائی چین:۔

یہ کمیونسٹ چین کی ایک عالمہ فاضلہ خاتون ہیں وہ پہلے کیفوزشس کے مذہب پر تھیں مگر ۱۹۴۸ء میں عیسائی ہو گئیں۔ مادام صاحبہ چینی جاپانی پر عبور کامل رکھنے کے علاوہ عربی۔ فارسی انگریزی فرانسیسی اور عبرانی سے خاصی واقفیت رکھتی اور چینی زبان میں کئی کتابوں کی مؤلفہ ومترجمہ بھی ہیں۔ جون ۱۹۵۴ء میں انھوں نے مشہور عالم خواتین کے حالات پر ایک کتاب لکھی جس میں بنت رسولؐ فاطمہ بتول کا بھی تذکرہ ہے۔ مادام موصوفہ لکھتی ہیں:۔

"فاطمہ عرب کے مقدس رسولؐ کی محبوب اور اکلوتی صاحبزادی ہیں جو رسول اللہؐ کے وزیر وخیر علی ابن ابی طالبؑ کی زوجہ اور امام حسنؑ وحسینؑ کی مادر گرامی ہیں۔ ان کے لاتعداد فضائل اسلامی کتب تاریخ میں مذکور ہیں اور بہت سی کرامات بھی ان سے ظہور میں آئیں۔ فاطمہ بہت ہی زاہدہ۔ عابدہ پاکیزہ۔ طاہرہ صابرہ اور قانعہ خاتون تھیں۔ ان کے شوہر اسلام کے جلیل القدر امام ہونے کے باوجود نادار تھے۔ کبھی محنت ومشقت کر کے تھوڑا سا کما لاتے تھے مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنی تنگدستی میں بھی جو کچھ گھر میں ہوتا فاطمہ اسے خیرات دیتیں اور معصوم بچوں کے لئے بھی کوئی چیز نہ چھوڑتیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو زندگی کی ضروریات کی احتیاج ہی نہ تھی اور کیا عجب کہ یہ سب نورانی ہستیاں نان ونفقہ یعنی خوراک وپوشاک بھی کہیں غیبؔ سے پاتی ہوں ورنہ انسانی لوازمات اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ جب مالی مشکلات بھی حائل ہوں تو سخاوت سے دست کشی کی جائے۔ لیکن وہاں یہ حال کہ اپنے لئے کچھ نہیں۔ مہینہ مہینہ بھر چولھا گرم نہیں ہوا ہے (اور مٹھی بھر ستو یا چند کھجوروں کو تناول کر کے چار گھونٹ پانی کے پی لئے ہیں ایک دفعہ کسی سائل نے بی بی جی سے ہزار روپیہ طلب کیا تو انھوں نے اس سے بھی زیادہ رقم عطا کر دی۔ انھوں نے مخلوق خدا کی خدمت بہت کی ہے اور اسی وجہ سے مخدومہ عالم کا لقب پایا ہے"۔

(ماہنامہ وائس آف اسلام بمبئی انڈیا بابتہ ماہ ڈسمبر ۱۹۵۶ء بحوالہ کتاب کائے ساجن مؤلفہ مادام نوکے چائی چین)

ڈاکٹر امیچی نوکم:۔

یہ کناڈا کی ماہر فلسفہ وتاریخ خاتون ہیں ان کے دِل میں اہل بیت نبوی کی محبت

بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایک بار انھوں نے عراق کا سفر کیا تو وہاں ملت جعفریہ کے ایک عالم و مجتہد سے ان کی ملاقات ہوئی وہ دین حق قبول کرنے کو تیار رہی تھیں کہ عراقی مسیحیوں کو خبر ہو گئی اور ان لی سخت قسم کی دھمکیاں دے کر ڈاکٹر صاحبہ کو روک دیا وہ اپنے ایک مضمون میں حضرت خاتون قیامت کی شان میں لکھتی ہیں۔

"فاطمہ بنت محمد وہ عالی شان خاتون ہیں جن کی پاکیزگی خود خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ وہ رسول اللہ کی محبوب دختر ہیں، آپ نے فرمایا ہے یہ میری بیٹی میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ نیز رسول اللہ نے فرمایا۔ جس نے فاطمہ کو راضی رکھا اس نے مجھے راضی رکھا اور جس نے فاطمہ کو غصہ دلایا اس نے گویا مجھے غضبناک کیا۔"

حضرت علی علیہ السّلام کی بارگاہ میں لبنان کے عیسائی عالم سلیمان کتانی کا ہدیہ عقیدت

لبنان کے ایک مشہور عرب عیسائی عالم سلیمان کتانی نے ۱۹۶۷ء میں عربی زبان میں "امام علی منبع نور و عقل و قوت" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا کتاب تصنیف کی جسکا ترجمہ ایڈنبرا یونیورسٹی کے پروفیسر آئی۔ کے۔ ہاورڈ نے ۱۹۸۳ء میں انگریزی زبان میں کیا اسکے ابتدائی چند صفحات کا اُردو ترجمہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں: سلیمان کتانی نے اپنی تصنیف کو محبانِ علی کے نام اسطرح معنون کیا ہے۔" ان کے نام جو مولا علی سے محبت کرتے ہیں اُن کے مافوق الفطرت اوصاف کے سبب اور بہ سبب اسکے کہ اس مولائے کائنات نے روح انسانی کیلئے حقیقتِ ابدی دلوں کو مسخر کرنے والی نیکی اور حسنِ ازلی کے مشاہدہ کے دروازے کھول دئے۔"

سُلیمان کتانی نے ابتداء یوں کی ہے:

"کیا یہ سچ ہے میرے آقا کہ بار بار قریب آنے کے بعد بھی لوگ آپکے متعلق متفق الخیال نہ ہوسکے ان میں سے بعض نے آپکو کھو دیا اور پھر نہ پا سکے بعض نے آپکو کھو دیا مگر بالآخر آپکو پا لیا۔ بعض نے آپ کو پایا مگر پھر کھو دیا۔ یہ تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔

چودہ صدیاں اپنی گھڑیوں کے دن اور برسوں کو لئے ہوئے اس طرح بیت گئیں۔ جیسے سمندر کی گہرائیوں میں نمک تحلیل ہو جاتا ہے۔ مگر آپکے عظیم نام کا ایک حرف بھی تو محو نہ ہوسکا۔ تو پھر اُن لوگوں کیلئے یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپکو کھو دیں اور پھر نہ پاسکیں یا آپ کو پانے کے بعد بھی کھو دیں۔ واہ یہ قسمت کی کیا ستم ظریفی ہے اور پھر میرے مولا اُن حد بندی کرنے والے الفاظ کے متعلق آپ کیا خیال کرتے ہیں جنکے ذریعہ آپکو پانے والوں نے بھی آپکی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولا وہ

الفاظ جو آپ کی زبان سے نکلتے ہیں چودہ صدیاں گزرنے پر بھی زمان و مکان کی کسی قید میں آنے سے مسلسل انکار کرتے رہے ہیں۔ وجہ تو بس یہی ہے کہ آپکے ارشادات زندگی کی حقیقتوں کو پانے کیلئے ذہنی اور عملی جدوجہد کے صحیح اقدار کی رہنمائی کیلئے منارۂ نور بنے ہوئے ہیں۔ وہ کسی دائرہ میں کہاں محدود کئے جاسکتے ہیں۔ جب آپکے محض الفاظ بھی کسی زماں یا مکان پر منحصر کئے جانے سے بالاتر ہیں تو میرے مولا فرمائے کہ آپکا کیا تاثر تھا جب لوگوں نے آپکی ذات کو خلافت کیلئے ایک کمیٹی کی چار دیواری میں گھیرنے کی کوشش کی جس نے آپکو ظاہری سرداری اور لوگوں کے اقرار بیعت سے محروم رکھا۔ اُن لوگوں کیلئے یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپکو کسی ابتدا اور کسی انتہا کے درمیان سمو سکیں۔ وہ ناپنے کا ایسا پیمانہ کہاں سے لاسکے جس سے آپکے لامحدود اقدار کا اندازہ کیا جاسکے۔

ظاہری آنکھوں کیلئے آپ میانہ قد تھے نہ پست نہ بلند۔ کشادہ بازو قوی جسم مگر موٹے پن سے دور آپکی آنکھیں سیاہ جیسے ظلمات میں نور آپکی گردن جیسے چاندی کی سڈول صراحی آپکے قوی بازو صرف تلوار ہی کیلئے نہیں بلکہ زمین میں گڑھے ہوئے آہنی دروازوں کو اکھیڑنے کیلئے بھی بنے تھے۔ کس طرح یہ لوگ آپکو ظاہری الجھنوں میں ڈالنے اور ناموافق حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے جنکا آپکو مقابلہ کرنا پڑا۔ اسطرح انھوں نے جنگ جمل سے ابتدا کی جسکا انجام انکی فوج کی شکست اور طلحہ اور زبیر کی موت پر ہوا اور پھر انھوں نے جنگ صفین کھڑی کر دی جسکا نقشہ خوش آئند ہو کر دغا کے جوڑ توڑ سے حزیمہ میں بدل گیا۔ اس طرح یا مولا آپکے اطراف فصلیں کھڑی کر دی گئیں اور آپکی ذات کو چار دیواری میں گھیرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ حقیقت میں خوبصورت ہیں آپ کی آنکھوں کی چمکتی ہوئی سیاہی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپکے تصورات کی بلندی کی بناء پر آپ کے چہرہ کی دمک سے نہیں بلکہ آپکے شفاف قلب کی ضیاء سے آپکے جسم کے تناسب نہیں بلکہ آپکے کردار کی عظمت کی بناء پر۔ آپ ہی اوا تعی بلند و بالا شخصیت ہیں شمشیر و سپر آپکے ہاتھ میں قوت پاتے ہیں۔ مگر آپکے طاقتور بازو اور کشادہ سینہ آہنی کلائیوں کی وجہ نہیں بلکہ اعلیٰ اقدار کی اس سیل سے جو آپکے قلب و زبان رواں ہے جسکا بہاؤ آپکے کردار و گفتار کے درونوں ہی رُخ ایک بحر ناپیدا کنار کی حیثیت رکھتا ہے۔

وہ آپ ہی ہیں جسنے حق کے اولین راستہ کی بنا ڈالی۔ آپ نے دُنیا کو ایک لباس عطا کیا مگر وہ اُس تانے بانے سے نہیں بنا تھا جس سے عثمان کی قمیص بنی تھی۔ آپ نے حفاظت دین کیلئے ایسی شمشیر تراشی جسکا جوہر عبدالرحمن ابن ملجم کی تلوار سے مختلف تھا۔ کائنات پر آپکی نظر اُس کے حدود سے آگے اور اُسکی سرحدوں سے کہیں دُور رہی تھی۔ آپکے ہاتھ میں قرآنی اوراق بلندی پاتے ہیں مگر اسطرح نہیں جیسے صفین میں قرآن اٹھایا گیا تھا۔ آپ ایک ایسا نور ہیں جس کی شعاعیں اونٹوں کے کوہان اور

ذات کی نہروں کے اوپر سے گزر جاتی ہیں اور مکہ اور مدینہ پر بھی محیط ہیں۔ آپکے نور کی ضیا عرب کے صحراؤں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تو وہاں سے بھی آگے نکل جاتی ہے جہاں سے سورج نکلتا ہے اور بالآخر جہاں غروب ہونیکے لئے جھک جاتا ہے۔ جن لوگوں نے آپکو کھو دیا یا وہ بھی جنہوں نے آپ کو پالیا اگر آپکی بلند و بالا شخصیت کو سمجھ سکتے یا آپکے سورج کو روشنی دینے والے چہرہ کو دیکھنے کی ان میں تاب ہوتی تو آپ کی تصویر اُن دنیوی اصطلاحوں میں کھینچنے کی کوشش نہ کرتے۔ یا شاید وہ سمجھ بھی نہ پاتے کہ دراصل انھوں نے آپ کو پایا ہی نہیں۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپکے حضور میں آنا محراب عبادت میں کھڑے ہونے سے کم تقدیس کا حامل نہیں۔ مجھے اس مشکل کا احساس ہے جو ایسے مقدس چہرہ کے نقشہ کو الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش میں پیش آسکتی ہے۔ کیونکہ ظاہری خدوخال کی تصویر بنانا تو آسان ہے مگر اندرونی حقیقت کا بیان محالات عقلی سے ہے۔ آپ اس دنیا میں عام انسانوں کی طرح نہیں آئے کیونکہ لوگ تو دنیا میں ذاتی مقاصد حاصل کرنے آتے ہیں اور زندگی کا مقررہ سفر طے کرکے نسیان کی موجوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ تو خود کائنات کو لیکر آئے اور جب آگئے تو ہمیشہ دنیا جہاں پر چھائے رہے اسی لئے آپکے بھائی نے آپکو ابو تراب کہا۔ اگر تحریری الفاظ مہد سے لحد تک آپکی تصویر کھینچنے سے مطمئن ہو جائیں تو یہ محض ظاہری تصویر نگاری کا ایک ذریعہ ہوگا۔ مگر صورت ظاہری اور حقیقت باطنی میں تو بعد المشرقین ہے۔ وہ علی جو کعبہ میں پیدا ہوئے اور چھپے رہے دیکھو کوفہ میں شہادت پائی وہ علی نہیں ہیں جنکا پیوند لگا ہوا لباس پورے جزیرہ نمائے عرب پر سایہ کئے ہوئے تھا اور جو چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی کفن کے چھو جانے سے ناآشنا برابر زندہ موجود ہے۔ وہ علی جو اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں سے مطمئن تھے وہ علی نہیں جو دنیا کے نیچے کچے اقدار سے مطمئن ہو جائیں۔ جب کبھی قلم ان کی ظاہری تصویر بنانیکی کوشش کرے تو ان کی زندگی جھلسا دینے والی دھوپ میں خشک صحرا کی طرح نظر آئیگی مگر اس جلتے صحرا میں ان کی زندگی آب حیات کا وہ چشمہ ہے جس کیلئے پیاسی روحیں بے قرار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مکہ اور نجف کے درمیان ہی نہیں بلکہ سارے عالم کی پہنائیوں سے پھوٹتے ہوئے وہ بے شمار چشمے ہیں جو بنی آدم کو نسلاً بعد نسلاً سیراب کرتے رہینگے۔ ان کے پرانے کپڑوں میں ایسی قبا ہے جو صرف جنت ہی میں پہنی جاسکتی ہے اگرچہ آپکا سفر ظاہری بصرہ و کوفہ مکہ و مدینہ تک محدود رہا مگر درحقیقت آپکے نقش قدم انسانی قافلوں کی ہر منزل سے آگے نکل گئے۔ لکھنے والے آپکا نقشہ خواہ کیسے ہی الفاظ میں کھینچنے کی کوشش کریں اور خواہ وہ نقشہ کسی خیالی شخصیت یا کسی افسانوی ہیرو سے کہیں بڑھ چڑھکر ہی کیوں نہ ہو مگر وہ آپ کی حقیقت کے آگے محض بے حقیقت ہے اور آپکی ذات کی بلندی کو چھونے سے بالکلیہ کوتاہ دست۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے پیاسے آدمی کنوئیں کے

کنارے کھڑے پانی کی تمنا کر رہے ہوں مگر پانی تک پہنچ نہ سکتے ہوں۔ کوئی بھی بیان جو آپکو زمان و مکان کی قید میں لانا چاہے وہ محض ظاہری نقشہ ہوگا باطن سے نا آشنا۔ کوئی بڑے سے بڑا قلم آپ کی تصویر نہ کھینچ سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ علی کا کردار مافوق البشر تھا اور انکی قوت نہ صرف باب خیبر اکھیڑ پھینک سکتی تھی بلکہ دماغوں پر چھائی ہوئی ظلمت، جہالت اور لاعلمی کے قلعوں کو بھی تہس نہس کر سکتی تھی۔ اسکا خلاصہ میں یوں پیش کر سکتا ہوں کہ یہ ہماری کم عقلی کی دلیل ہے کہ ہم علی ابن ابی طالب جیسی ماورائے فہم شخصیت کو نامساعد حالات کے جال میں الجھانے کی کوشش کریں جسکو اندوہناک صورت واقعات نے ان کے گرد پھیلا دیا تھا جس طرح سورج کے اطراف بادل پھیل جاتے ہیں۔ یہ واقعات علی کے پیدا کردہ نہ تھے اور یہ سب چیزیں بھی اس عظیم شخصیت کے ہمالہ سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو گئیں جسطرح بکھرے ہوئے بادل سورج کو نہیں چھو سکتے۔ میں بلا خلوص نیت وخشوع و خضوع اور عاجزانہ سر تسلیم خم کئے بغیر اس باعظمت آقا کے حضور میں جانے کی جرأت نہ کرونگا جیسا کہ ایک محتاج ہدایت کیلئے لازم ہے۔ میرے آقا میں معافی کا خواستگار رہوں کہ آپکے شایان شان کچھ کہنے کا حق میں ہرگز ادا نہ کر سکونگا کیونکہ آپ منتخب روزگار ہستیوں میں سے بلند ترین اور سارے معاف کردینے والوں میں سب سے زیادہ کریم ہیں"۔

لبنان کے محقق جارج جارد ق کا بیان

لبنان کے ایک عیسائی محقق جارج جارد ق نے ۱۹۵۶ء میں "صوت العدالت الانسانیہ"۔ کے نام سے زبان عربی میں ایک کتاب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں اظہار عقیدت کے طور پر لکھی۔ اسکے انگریزی ترجمہ پر دیباچہ ایک دوسرے عالم میصائیل نعیمہ نے لکھا۔ ہم صرف اس دیباچہ کے ایک دو فقروں کا ترجمہ نوٹ کرتے ہیں:۔

"اگرچہ کہ وہ (علی) عرب میں پیدا ہوئے مگر ان کی ذات صرف عرب کیلئے مختص نہ تھی۔ اگرچہ ان کے فیوض و برکات کے چشمے اسلام سے اُبلے مگر ان کی ذات مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔ اگر وہ صرف مسلمانوں کیلئے ہوئے تو ایک عیسائی کے دل میں از خود یہ خیال نہ پیدا ہوتا کہ ان کی زندگی کے واقعات کا جائزہ لے اور ان کے دلوں کو تسخیر کرلینے والے فیصلوں ان کی بہادری کے مہتم بالشان کارناموں اور زندگی کے متاثر کن واقعات کی ایک شاعر کے طور پر مدح سرائی کرے۔ علی صرف میدان جنگ ہی کے چیمپین نہ تھے بلکہ اعتقاد، تقویٰ، بے لوثی، فصاحت بیان، عالی ظرفی، محتاجوں مظلوموں کی امداد اور حق کی تائید میں انکا کوئی نظیر نہیں۔ حتیٰ کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ان کے محیر العقول کارنامے

بنانے کیلئے انتہائی موثر ہیں۔ ہمارے لئے آج بھی منارۂ نور بنے ہوئے ہیں اور ہماری زندگیوں کو نورانی بنانے کیلئے انتہائی موثر ہیں۔
کوئی مورخ خواہ کتنا ہی قابل اور چابک قلم کیوں نہ ہو ہزاروں صفحے لکھکر بھی مومنوں کے اِس سردار کی تصویر پیش نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی اُن خطرناک واقعات کا قرار واقعی اظہار کرسکتا ہے جنکا اسکو سامنا کرنا پڑا۔ اِس محیرالعقول شخصیت نے جسکا کوئی ثانی نظر نہیں آتا جو اُمور اور نکات پیش کئے اور عمل کرکے دکھایا نہ وہ کبھی دیکھنے میں آئے تھے نہ سنے ہیں۔ کوئی مورخ کسی بڑی سے بڑی کتاب میں بھی اُنکا احصار نہیں کرسکتا۔ نتیجہ اسکا یہ ہے کہ اس بلند وبالا شخصیت کی جو تصویر بھی کوئی اہلِ قلم بنانے کی کوشش کریگا وہ لا محالا نا مکمل ہوگی۔

اصل انگریزی عبارت یہ ہے:۔

" Although he was born in Arabia his person was not meant for Arabia only. Although the fountains of his kindness and favours sprang from Islam he is not confined to the Muslims. If he had been for the Muslims only a Christian would not have been prompted involuntarily to analyse the events of his life and eulogize like a poet his fascinating judgements, his stupendous feats of valour and interesting incidents of his life.

Championship of Ali was not confined to the battle field. He was also matchless in the matter of faith, piety, purity, eloquence, magnanimity, help for the deprived and the oppressed and support for truth. So much so that even after the passage of more than fourteen hundred years his wonderful achievements are a beacon of light for us and extremely useful for making our lives sublime.

contd...

No historian or writer, however deft and dexterous he may be, can draw a true picture of the Commander of the Faithful even in a thousand pages, nor can be explain the dreadful events which took place in his life. The things which this wonderful and unmatched person thought of, and acted upon, had not till then been seen or heard by any one. They are more than a historian can cover even in a very detailed treatise. Hence, whatever picture of Ali is described by a writer will inevitably be incomplete."

باب پانزدہم میں ایک عبارت متروک ہوگئی تھی جس کے لئے ذیل کی خالی جگہ کو ہم کام میں لا رہے ہیں

اقوال چہاردہ معصومین علیہم السلام یوں تو ہر معصوم کے بیشمار زرین اقوال ہیں مگر ہم یہاں صرف ایک ایک قول نقل کرتے ہیں جسکا تعلق عملی زندگی سے ہے۔

(۱) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:- مومن وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں:-

(۲) امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام:- بندگانِ خدا صبر کرنا سیکھو۔ ابن آدم کسقدر بیچارہ ہے۔ اسکی موت کا وقت پوشیدہ ہے۔ اسکے مرض کے اسباب پنہاں ہیں۔ اسکے عمل محفوظ ہیں۔ عمل نیک سے آخرت کا توشہ تیار کرلو۔

(۳) حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا:- عورت کیلئے سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اسکو دیکھنے پائے۔

(۴) حضرت امام حسن علیہ السلام:- جس کے پاس عقل نہیں اسکے پاس ادب نہیں۔ جسکے پاس ہمت نہیں اسکے پاس کامیابی نہیں۔ جسکے پاس دین نہیں اسکے پاس حیا نہیں۔

(۵) حضرت امام حسین علیہ السلام: جس نے سب کچھ کھوکر اللہ کو پایا تو کیا کھویا۔ اور جس نے سب کچھ پاکر اللہ کو کھویا تو کیا پایا۔ عزت کی زندگی ذلت کی موت سے بہتر ہے۔

(۶) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام:- پانچ آدمیوں کی دوستی مصاحبت نہ کرنا اول فاسق کہ وہ اپنی غرض پوری کرنے تمہیں بیچ ڈالیگا دوسرے بخیل کہ وہ اپنی حاجت پوری کرنے تمہیں ذلیل کردیگا۔ تیسرے جھوٹا کہ وہ سراب کے مانند قریب ہونے پر دور اور دور ہونے پر قریب ہے۔ چوتھے احمق جو تمہیں نفع پہنچانیکا خیال کریگا مگر پہنچادیگا نقصان۔ پانچویں قاطع الرحم جسپر تین جگہ قرآن میں لعنت آئی ہے۔

(۷) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام:- آدمی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو تم سے زیادہ پرہیزگار اور بہتر ہے۔

دوسرا وہ ہے جو بدتر اور پست تر ہے۔ بہتر سے ملو تو اسلئے تواضع سے پیش آؤ کہ وہ تم سے مرتبہ میں زیادہ ہے۔ بدتر سے ملو تو اس خیال سے اپنے پر اسکو فوقیت دو کہ شاید اسکی نیکیاں چھپی ہوئی ہوں۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام :۔ دو شخص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ طالب علم اور طالب مال۔

(۹) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام :۔ جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ گھاٹے میں ہے۔ جسکا دوسرا دن پہلے دن سے بدتر ہے اسپر خدا کی پھٹکار ہے۔ جو شخص اپنے نفس میں زیادتی نہ دیکھے وہ نقصان میں ہے۔

(۱۰) حضرت امام علی رضا علیہ السلام :۔ جب تم کسی بہتری پر پہنچو تو مغرور نہ ہو بلکہ خدا کا شکر ادا کر کے اسکو اپنی گرفت میں کر لو اور اس کے اتمام کی دعا کرو۔

(۱۱) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام :۔ عدل و انصاف کا دن ظالم کے حق میں مظلوم پر ظلم کرنیکے دن سے زیادہ سخت ہے۔

(۱۲) حضرت امام علی النقی علیہ السلام : جس وقت کوئی معجزہ نما سامنے نہ ہو تو عقل حجت ہے۔

(۱۳) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام :۔ جاہل کی صحبت سے بچو اگرچہ وہ ناصح ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جاہل تمہیں اس جگہ نقصان پہنچا دیگا جہاں نفع کی امید ہو گی اور عقلمند کی دوری سے پرہیز کرو چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عقلمند کی مروت اس چیز کو روک دیگی جو نقصان پہنچانے کا سبب ہو

(۱۴) حضرت محمد مہدی قائم آل محمد علیہ السلام :۔ ایسی روش اختیار کرو جو ہماری محبت سے نزدیک کر دے اور ایسی باتوں سے بچو جو ہماری کراہت سے قریب کر دیں کیونکہ اللہ کا امر ناگہانی طور پر ایسے وقت پہنچ جاتا ہے کہ نہ تو آدمی کو توبہ نفع نفع پہنچاتی ہے اور نہ معصیت سے ندامت عتاب سے بچا سکتی ہے۔

معصوم شیر خوار شہید کربلا حضرت علی اصغر علیہ السلام کی جناب میں اہل یورپ کا خراج عقیدت

دُنیا کی دو بڑی جنگوں کے ہولناک نتائج کے مدِنظر یورپ کے بعض اہلِ دل ارباب فکر نے سر جوڑ کر یہ غور کیا کہ زمانہ کے بھیانک حالات کے مدِنظر دُنیا کی تمام طاقتوں کے نام امن کی اپیل کسی ایسے نام کی دہائی دے کر جاری کی جائے جو فی الواقعی دلوں پر اثر کرے۔ ان سب مدبرین و مفکرین کو امام حُسین علیہ السلام کے فرزند شہزادہ معصوم شیر خوار تشنہ لب شہید کربلا حضرت علی اصغر علیہ السلام ہی کی وہ ہستی پوری دُنیا اور مذاہب کی تاریخ میں ایسی نظر آئی جس سے بڑھکر معصومیت و مظلومیت و عظمت کا پیکر کہیں اور نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اس شہزادہ معصوم کی شان میں (۱۵۰۰) اشعار کی ایک طویل نظم بزبان فرانسیسی فرانس کے سربرآوردہ شاعر انگزانڈر گوبے نل سے لکھوائی گئی جسکو اس نظم پر فرنچ اکیڈمی کا اعلیٰ ترین اوارڈ بھی دیا گیا۔ اسکا ترجمہ انگریزی نظم میں بھی کیا جا کر تمام دُنیا کی حکومتوں اور مجلس اقوام کے پاس امن کی اپیل کے طور پر روانہ کی گئی۔ ہم زبان انگریزی کی نظم کی چند شعر ذیل میں نقل کرتے ہیں اور نیز اس نظم کے شائع کرنے والے ایڈیٹروں نے جو پیش لفظ لکھا ہے۔ اس کا بھی ایک فقرہ نوٹ کرتے ہیں۔

APPEAL FOR UNIVERSAL PEACE

"Kerbala, Kerbala, Kerbala, dreary plain:'

But the desert of sand which recalls tae saddest hour in the History of Islam, is also the most sacred from here emerges the highest lesson in the moral of man a beautiful epic, which will always be remembered. By their courage, by their piety, by their resolute fidelity, they gave the sublimest example of courage and bravery. These young heros of Kerbala will forever live in the deepest thoughts, and in the hearts of the human race, and shall forever hold a unique place in the annals of the nations.

*

To the greatest sovereign
To the noblest conqueror
To the most illustrious liberator
To the most glorious peace-maker
To the most vanerated martyr,
Star of children,
Master of innocents,
ALI ASGAR

* *

Ali-Asgar, Celestial Star of every child,
Master of bruised bodies, and hearts triumphant,
Towards thee rises, time without end, the unquenchable
Flame of eternal love, which thou to our souls hast given,

Thy martyrdom in the middle of the stifling desert,
Of Kerbala, held close in thy father's arms,
Will forever be for us, thy diciples forvant,
The crime which we will remember in hopeless despair,
But this very martyrdom, and this very crime,
In the mkdst of thousands of sorrows,
In the desert which saw thy doom and thy victory,
Will exalt without end the love in our hearts,
The young blood shed in honour's name,
Like a sum dying in its own purpled glory
The King of Kings, the most haughty of all monarchs,
The happiest of all the conquerors,

And the most feared by tyrants.
Purveyors of hell, and purveyors of fate,
Over how many men did they reign, before the day
which subjugated them, and rent the earth in their revolution,

Can you think O misery,
Then remember that wicked men full of deadly hatred,
Lent themselves to a furious despot!
That they dared to support every crime without
blushing for their mis-deeds,
That little innocents were refused a drop of water,
And became the victims of the tyrants' fury,
But thy death, noble child, facing the armies,
Thy martyrdom among the desert's scorching stones,
Will, attest forever the wickedness of the tyrants,
Who left thee to perish of a terrible thirst,
And to thy dying lips
Refusing the charity of a drop of water,
Thy end in the scorching desert,
In the brilliant sun,
Heightened thy sufferings O little one.
If by some other destiny,
You died in your cradle,
A destiny less beautiful,
Yet you would have left us a tomb,
of Glory and hope..
Now, little one, where is thy tomb?
Earth! You were there to see the greatest sacrifice,
Of this little one massacred;
Earth! You were there to see him triumph over war,
By the hero's death, which became the world's
sacrifice,
Child! You have risen above the tribes of the World,
You have risen like a star of stars;
In the arms of your venerated father;
Your death fertilized the desert sands,
And in every heart you reached the pinnacle of love,
What brillient sceptre of a haughty race,
Can ever hold the world with such a prop ?
What resplendent throne of glory and light
Can ever be higher than thine ? *
Who would ever think that such a little child would
have his head, crowned with a halo of glory !
That such a frail innocent
Would suffer, almost from his birth
Now he has become a flower pure,
Like the pure corolla
Now on Islam, his resplendent heart has opened.
Flower exquisite ! Flower radiant !
Flower the most marvellous
Clothing in its brilliance.

The Miracle of Kerbala!
Mothers,Mothers,praise and bless!
When guarded by spirits,
By the grace of peris,
You rock your tender infants to sleep
When pressed close in your arms,
Their tender limbs fresh as water, pure as amber,
You cover them with gentle love,
But you sing and hush pray,
Thy God keep them safe night and day,
Think of the infant Ali-Asgar,
Oh My dear Master, how does it feel to be heroic
Your stoical soul fasting unto death without help ?
Not permitting you for a single moment,
To be eased from this terrible torment of thirst,
These insatiable tyrants, in their base hearts,
Felt no pang for innocence,
But all the angles of heaven, seeing your strength,
The strength of an infant new-born,
Have consummated your death with the love of the
King of Kings *
Such were the sweet and tender words,
Of the sad Hussain,
His head bent to the ground,
His eyes raised to the heavens,
Holding in his arms,
The bloody body of his son,
He prays quite low;
"I offer to Thee, dear Lord,
The dying body of my son Ali-Asgar,
Pale as the moon new-born,
Keep him for me, keep us together forever more." *
Because he was also the bravest for Hashamites like,
Clothed only by shining faith,
He threw himself into the heart of the battle
Without buckler, without shield,
Exposing his whole body to the arrows
Which flew around him
and so he played with death!
Oh! My Master thy best defence,
Thy best protection,
Was thy innocent heart!
Ali,Ali,Had thy treacherous enemies
Seen the great might of my soul!
They woulu have fled, perhaps stayed their hand
From perpetrating this hideous crime - who knows?
Which of them would have attempted
To throw their lance, their deadly lance?
Were you afraid in the throes of death?

No! A thousand times NO!.
You scorned them till the end.
Before the might and splendour of thy soul.
What rending cries from the wounded and dying *
From sons expiring on the bosom of their mothers
The whole camp is destroyed:
Death and the black night oover the earth *
Ali-Asgar, Divine Infant,
In thy mallrtyrdom
Thou went before thy father,
To be soon re-united,
In the heavenly sphere,
Divine Being, Supreme Author of All nature,
Did thou Ever have such a tiny, fragile creature,
Brought before Thy Presence, a martyr ?
At the day of Judgement,
At the day of Light,
When the Justice of Allah,
When, before the Tribunal of God,
All shall appear, not daring to lift the eyes,
Then Ali-Asgar, Flower of Paradise,
You shall open for us His gates of Lights,
Because your father gave you in sacrifice,
To thy father in Heaven,
Hell wept in shame
When It saw this little sacrifice,
At the day of Judgement,
We too shall say: KERBALA!
Thy martyrdom, O our Master Ali-Asgar
Has engraved Thee in our hearts
The name shall ever be on our lips!
From your place so high, pray with us
For an age of Gold, so that Justice
Will open up all paths!
Never can we think of Kerbala
Without remembering Thy glorious martyrdom... ...
Now we shall forever pray that a new era
Of LOVE, and JUSTICE, and PEACE
Shall reign in our world forever.

------(o)------

سابقہ ایڈیشن میں ہم نے انگریزی اشعار (پندرہ سو کے منجملہ صرف چند) نقل کئے تھے۔ مگر متعدد خطوط میرے پاس آئے کہ انکا اردو ترجمہ بھی درج کر دیا جاتا تو بہتر ہوتا تاکہ انگریزی سے ناواقف لوگ بھی اہل یورپ کی اس کوشش سے واقف ہو سکیں۔ بہت سے اصحاب کو یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ فرانسیسی شاعر الگزانڈ گوئے نل کی اس پوری نظم کا منظوم ترجمہ جناب سید سردار حسین صاحب رضوی نے فرمایا ہے جو تنظیم پریس کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اسمیں سے کچھ حصہ ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ موصوف کا ترجمہ بلا قید ردیف و قافیہ بلینک ورس کی شکل میں ہے۔ اسلئے اسکے چیدہ چیدہ اجزا کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ہم مسلسل نثر کے طور پر درج کرتے ہیں۔

نظم اس عنوان سے شروع ہوئی ہے:-

بحضور شہنشاہ اعظم ترین، اشرف الفاتحین، نجات دہندہ عالمین، پیامبر امن، شہید اعظم، ستارۂ نونہالان، آقائے معصومان، حضرت علی اصغر علیہ السلام۔

اے بادشاہوں کے بادشاہ، اے تمام سلطانوں سے بڑھکر صاحب افتخار سب فاتحوں سے بڑھکر اقبال مند! تو ہی تو وہ ہے جس سے دنیا کے ظالم سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ انسانوں کا خون بہانے والے اور موت کا پیغام لانے والے آج سے پہلے حکمرانی تو کر گئے مگر کتنے انسانوں پر اور کتنے دن؛ اگر کوئی مجھ سے پوچھے بھلا کون تاجدار ایسا ہے جو سلاطین میں سب سے بڑا بھی ہو اور سب کو خلوص کے ساتھ حد سے زیادہ پیارا ہو اور جسکی اطاعت کیلئے پاک اور نیکوکار بندے کسی خوف سے نہیں بلکہ دلی مسرت کے ساتھ کمربستہ ہوں تو میں بر بانگ دہل کہونگا وہ تو فقط میرا پیارا آقا ہے:

علی اصغر! تمام دنیا کے بادشاہ رشک کریں اس قدرت کے معجزہ پر، اس عظمت و جلالت پر جو تجھے جگمگا رہی ہے۔ سلیمان رشک کریں تیری اس شان و شوکت پر جو زمین و آسمان کی عزتوں سے بلند تر ہے۔ ہمارا اولین و آخرین فخر و ناز ہمارا واحد سرمایۂ افتخار تو ہی تو ہے۔

ان تمام نامآوروں میں سے بھی جنکو دنیا احترام سے یاد کرتی ہے کس نے ظلم کا مقابلہ تیری طرح کیا؛ کیا وہ بروطس تھا روم میں یا وہ مسیح تھے یروشلم میں؛ میں کہتا ہوں وہ علی اصغر ہے علی اصغر جس نے ہتھیار چلائے بغیر جنگ جیت لی۔ وہی سارے عالم میں امن و امان کا حقیقی پیغامبر ہے۔ وہ آفتاب نصف النہار ہے جو تاریک رات میں اپنی شعاع سے صبح کی ایک نئی شفق طالع کرتا ہے۔ سارا عالم باوجود اپنی وسعتوں اور گہرائیوں کے حیران ہے کہ کس طرح تیری غیر محدود ہستی کو سمائے۔ کیا تو بتلائے گا میرے آقا کیا گہرا طلسم تھا تیرے قبضہ میں جس سے تونے کایا پلٹ دی ایک دم میں معزز فوجیوں کی تیری ننھی جان سسکیاں لیتے ہوئے

اکیلی جیت لے گئی ظالم بادشاہ کی پوری فوج کہاں ہے یزید اور اسکی زبردست فوج اور اس کے ہزاروں سپاہی تیرانداز پیادے اور سوار ؛ خاک میں مل گئی ان کی ساری شان و شوکت ذلت کی تاریکی نے ڈھانپ لیا ان کے ناموں کو تیرا معصوم ماں کے دودھ سے بنا ہوا خون جو غیرت و حمیت و حُریت کے نام پر بہہ گیا ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح فتمندی کی سُرخ روی کا نشان بن کر رہ گیا اور تیری فتح کا سورج تو کائنات کے اُفق پر غروب سے ناآشنا ہے۔

اے میرے آقا ! کیا کہنا اُس تحفظ کا کونسی زرہ ہوسکتی تھی بہتر حفاظت کرنے والی تیری ننھی جان کی تیری معصومیت سے زیادہ۔ وائے ہو اُن پر جس نے تیری معصومیت کی توہین کی۔

ظالمو دیکھو ضعیف باپ کے ہاتھوں پر دہکتے سورج کے نیچے دیکھو دیکھو خُدا کے پیارے معصوم کو دیکھو کس طرح یہ ننھا گل اندام جاں کنی کی حالت میں اپنی آنکھوں کے پردوں کو بند کئے ہوئے ہے جسطرح ایک آہو بچہ مہلک سُورج کے نیچے کسی قربان گاہ پر پیش کیا گیا ہو۔ رحم کھاؤ لوگو اُس شفاف نورانی مخلوق پر جسکی شمع حیات گل ہونے کو ہے جسطرح گلاب کا پھول بادِ خزاں کے جھونکوں سے مرجھا جاتا ہے۔ رحم کھاؤ اُس ننھی سی جان پر جو فطرت کے جلوے دیکھے بغیر فصل بہار سے دور تھوڑی ہی دیر کی مہمان ہے۔ سُلا دو اسکو گھنگھور گھٹاؤں کے سایہ میں رحم ! رحم ! یہ تھا سوال ستم رسیدہ باپ کا اپنے جاں بلب شیر خوار کیلئے۔ کیا تھا اسکا جواب ؛ حرملہ کا تیر ! جس نے خاموش کر دیا باپ کے بازوؤں پر تیرے کراہنے کی دھیمی دھیمی آواز کو کافی ہوا وہ ایک تیر تیری ننھی شمع حیات کے گل کرنے کو لیکن تیرا حسن شفق صبح کے مانند کائنات کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔ تیری خوشبو چمنستانِ عالم کے پھول پھول میں مہکتی ہے۔ تو تو اِس گلستان کا پھول ہے : ع چمنے کہ تا قیامت گُل او بہار بادا۔

اور اہل دل کی محبتوں کا وہ مرکز ہے ع ضمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا اور تیرے خون دیتے ہوئے ہونٹوں کی مسکراہٹ قلوب کو فتح کرنے والا وہ ہتھیار ہے کہ ع ، بہ تیر غمزہ اُو دل و جاں شکار بادا۔ جنت کے فرشتے اُڑ گیا تو غیر فانی بلندیوں کی طرف ایک ہی پرواز میں پرواز کی تو نے رحمت کے آسمانوں کی طرف جہاں رحمت کردگار نے تجھے اپنے گلے کا ہار بنا لیا۔ اب میں سمجھا کہ ہمیشہ جب شام ہوتی ہے تو کیوں آسمان خونین نظر آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ تیرے چہرہ پر مسکراہٹ تھی جب تیر تیرے گلہ میں پیوست ہوا کیا یہ صحیح ہے کہ تیرے خشک لب گلاب کے پھول کی طرح کھل گئے۔ لیکن کون کبھی مسکرانا جانیگا۔ میرے آقا اگر تو نہ مسکرایا ہوتا۔ فتمندی کی وہ شان جو چند شیر دلوں کو مدتوں مردانہ کارنامے دکھانیکے بعد حاصل ہوتی ہے تو نے اُسے اپنی ننھی جان کی صبح زندگی ہی میں جیت لیا۔ کیا ایسا ہوا کہ پہلے کی طرح تیرے باپ کی دل کو موہ لینے والی صدا تیرے کان میں آئی جب تو ابتدائی کوچ کے وقت اپنی بہن کی گود

چھوڑنا نہ چاہتا تھا یا تیری دادی فاطمہ زہرا نے آسمانی کلام تیرے کان میں پھونک دیا- اور نسیم فردوس تجھے چھو گئی- ہاں اے پیارے ذبیحہ!

تیری دادی تو ہاتھ پھیلائے جنت میں تیرا انتظار کر رہی ہیں جہاں وہ اپنے ہاتھوں سے تیری خدمت کرینگی اور تجھے اپنے کلیجہ سے چمٹائے رہینگی-

کون سوچیگا اے وائے بدنصیبی کہ ایسے بھی ذلیل انسان کہیں ہوں گے جو گہری نفرت ظاہر کرنیکے عوض خونخوار ظالموں کی حمایت کرینگے' جرائم سے شرمندگی بتلانے کے بدلے ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرینگے اور مظلوم کے خلاف کہنے کی جرات کرینگے کہ قاتلوں نے پانی سے تو محروم نہ رکھا ہوگا مگر اے معصوم تشنہ لب عالی مرتبہ شہید افواج کی آنکھوں کے سامنے چلچلاتی دھوپ میں تپتے ہوئے صحرا میں تیری موت ہمیشہ ہمیشہ اس قاتل پر لعنت کرتی رہے گی جس نے اسکے بدلے کہ تیرے مردنی چھائے ہوے لبوں تک گھونٹ بھر پانی خدا کے نام پر پہنچا دیتا تیرے پیاسے گلہ کو تیر کا نشانہ بنا دیا۔

تیری شہادت تپتی ہوئی ریت پر چمکتا ہوا سورج ہے جس نے دُنیا پر تیری مصیبت کو پوری طرح روشن کر دیا اگر قدرت کی مشیت سے پیاس کی شدت اور ماں کا دودھ سوکھنے سے غذا سے محرومی سے اپنے جھولے میں جاں بحق تسلیم ہو گیا ہوتا تب بھی تو اے معصوم تیری قبر عظمت و اُمید کا گہوارہ ہی ہوتی مگر میدانِ جنگ میں باپ کے ہاتھوں پر تیری موت تو دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو گئی اب اے ننھے شہید تیری قبر کہاں ہے؟ ہر انسانی دل رکھنے والے کے دِل میں!

ننھے معصوم! زیادہ سے زیادہ حقدار ہمارے آنسوؤں کے کیا ایک بھی دل والا ہوگا جو لعنت نہ کرے تیرے قاتلوں پر جنھوں نے کائینات کے منتہائے جمال کو تباہ کرنے کی جرات کی خدا نے چاہا کہ مجرموں کی پیشانیاں ہمیشہ ہمیشہ شرم سے آلودہ رہیں اور داغدار ہو جائیں ہمیشہ کیلئے غداری کرنیوالے سب ستمگار اور جفا کار اور دھبہ لگا رہ جائے ان پر جو تخت حکومت پر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ دل کھول کر ظلم کریں-

اے آقا تیری ہی بدولت تیرے قبیلہ بنی ہاشم کی عزت و کرامت و شرف و سربلندی میں چار چاند لگ گئے- پکارا جاتا ہے تیرا مبارک نام تحسین و آفرین اور مرحبا کے نعروں کے درمیان چاردانگ عالم میں اور تیرا آسمانی نور چھایا ہوا ہے کائنات کے ذرہ ذرہ پر- اے عالی وقار آقا علی اصغر! اسلام کے نامی ہیرو سلام ہو تجھ پر جو فائز ہے عالین کے مرتبہ پر اماموں کے ساتھ- حیرت انگیز نمونہ شجاعت و بہادری کا ڈال دیا تو نے اپنے کو بغیر زرہ کے معرکہ کارزار میں- اے وہ جو تمام غازیوں میں سب سے زیادہ افتخار کے قابل- اُن سب سے بڑھکر جو ضرب المثل ہوں بہادری میں- اے وہ کہ تیرے

کے اُن گنت سہرے سجے ہوئے ہیں۔ اے وہ کہ جسکی مایۂ ناز قربانی ہمکو ایک لافانی سر پر فتح و ظفر
مثال ورثہ میں دیگئی۔

اے معصوم علی اصغر! تو ہی تھا وہ جواہر اپنے باپ کے خزانہ میں سب سے زیادہ چمک دمک والا سب سے زیادہ انمول موتی جو انھوں نے تھامے رکھا آخری لمحہ تک اور پورا ہو چکنے تک ساری قربانیوں کے تو ہی تھا سب سے بلند تر تحفہ جسکی شہادت سے انھوں نے سنہری مہر لگادی تمام محبوب قربانیوں پر۔

کربلا! کربلا! دُنیا کا انوکھا مجاہد معصوم شہید قدرت کے خزانوں کا سب سے زیادہ چمکنے والا جواہر تیرے ہی تو سینہ میں دفن ہے۔ اے آسمانی اُمید۔ دین کو زندگی دینے والا آبِ حیات آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ریفارم کی صبح صادق تیرے ہی بدولت حیات پا گئے مرجھائے ہوئے دل میرے معصوم آقا تیرے مقدس خون کے قطرات وہ آسمانی چشمہ ہیں جسمیں الہام کا درجہ رکھنے والے دلوں کے تمام شکوک غرق ہو جاتے ہیں۔ سرزمین کربلا بن جا مقدس ترین کہ ہمارے لئے تیرے اندر محفوظ ہے یاد ایک ننھے مزار کی جس کو عقل کی دُنیا نے تاریخ کے ہر دور کو چھان چھان کر شمعِ راہ بنانے کیلئے چن لیا۔

آؤ روئیں دردناک داستان پر اس پیارے معصوم کی جو ذبح ہو گیا اپنے خلوص کے نام پر۔ آؤ روئیں مصائب پر اُن برگزیدہ ہستیوں کے جو اُسی کے ہم نسب تھیں اور اُسی قانون پر جان بحق ہو گئیں۔

کربلا! غیر فانی ہے تیری فیروزمندی تو ہی ہے جس سے نئی صبح صادق پھوٹتی ہے جو دعدہ کرتی ہے ہم سے اُن درخشندہ ایام کا جنکی شعاع تا ابد کائنات کو منور کرنیوالی ہے۔ جس میں دور دورہ ہوگا محبت و اُخوت کا اور ہر سو چرچا ہوگا عدل و انصاف اور امن و امان کا۔

اے کائنات کے شاہنشاہِ حُسین!

اے مجاہدِ اعظم بیکس باپ کو سہارا دینے والے علی اصغر!

بر گردن اُو بماند برما بگذشت:

سر ایمن جنگ نے اپنی کتاب "نونس آن اسلام" میں (جس کا اُردو ترجمہ "حقیقتِ اسلام" کے نام سے میرے تایا مولوی شیخ علی بشیر صاحب قبلہ نے فرمایا تھا) اس نکتہ پر بڑی اچھی بحث کی ہے کہ بندوں کے لئے خدا کی عبادت کرنا یا اسکو سجدہ کرنا کیوں واجب ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خدا کی ہستی ہے ہی ایسی بزرگ اور اسکی شان ایسی بلند و ارفع و اعلیٰ ہے کہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ جو انسان بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اس کے سامنے ادب و تعظیم سے پرستش کے لئے سجدہ میں گر جائیگا۔ یعنی اُصول یہ ہے کہ ممدوح اپنی تعریف خود کرواتا ہے۔ کسی کو یہ دعوت دینے کی ضرورت نہیں کہ آیئے کچھ کہیئے۔ صاحبانِ نظر کی نظریں جب ایسی ہستیوں پر پڑتی ہیں جو قابل مدح ہیں تو بے اختیار ان کے دل و زبان سے مدح نکل آتی ہے۔

لاتعداد ہندو شعراء سے کس نے فرمائش کی تھی علی کی مدح لکھئے یا حُسینؑ کی مصیبت پر اظہارِ غم کیجئے۔ اہل یورپ سے کس نے کہا تھا کہ حضرت علی اصغر کی شان میں ہزاروں شعر کی نظم فرانسیسی اور انگریزی زبان میں لکھکر تمام دُنیا میں شائع کرایئے۔ جہاں معراجِ حسن و کمال جلوہ گر تھا تو صاحبانِ نظر کی کیونکر نظر نہ پڑتی اور جہاں نظر پڑی تو دل خود کھنچ گئے اور دل کیا کھچے کہ اُمیدیں وابستہ ہوگئیں جیسے کنور سورج نرائن ادب فرماتے ہیں کہ:

حُسین چشمِ عنایت ذرا ادب پر بھی نہ جانے کتنے مقدر بنا دیئے تم نے

ان کے پیغام و عمل سے بلالحاظ مذہب و ملت لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور کسی نہ کسی حیلہ لب پر ان کا نام آہی گیا۔ یہی ان کی حقانیت کی دلیل ہے جہاں ایسے امام موجود ہوں ان کو چھوڑ کر کسی اور کو کوئی کیوں امام بنائے اور کیسے بنائے اور پھر بنائے سے کوئی بنتا بھی کہاں ہے۔ دو دن میں سب قلعی کھل جاتی ہے اور اس کے برخلاف جو امامانِ برحق ہیں ان کا نور دن بدن زیادہ سے زیادہ اُجاگر ہوتا جاتا ہے اور عقل کی آنکھیں بہ تقاضائے ارتقا جیسے جیسے کھلتی جاتی ہیں یہ نور آلِ اسراج منیر زیادہ سے زیادہ لوگوں کی آنکھوں کو روشن اور دلوں کو منور کرتا جاتا ہے اور کرتا رہیگا۔ افسوس صد افسوس کہ ان حقائق اور اظہر من الشمس صفات کمال کے باوجود ظالموں نے آلِ رسولؐ کو دل کھول کر ستایا۔ مظلوموں پر سے تو سے ظالم گزر گئے مگر ظالموں کی گردن پر رہ گئے۔

دوران بقا چو بادِ صحرا بگذشت تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد بر گردنِ او بماند و برما بگذشت

مصنّف کا کچھ اُردو اور فارسی کلام

نعت و منقبت

نذرِ عقیدت بہ بارگاہِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم

یہ ہے وہ وقت عالم عالمِ انوار بن جائے
اُتر کر عرشِ اعظم جلوہ گاہِ یار بن جائے

مہ و خورشید و انجم سب زمیں کے فرش پر لوٹیں
نچھاور کہکشاں بھی صورتِ پرکار بن جائے

محمد مصطفےٰ کی آمد آمد ہے مبارک ہو
یہ وہ گل ہے زمیں جس سے گل و گلزار بن جائے

چلا ہوں تہنیت کو اُسکی مہکے دو جہاں جس سے
بہارِ گلشنِ رضواں گلے کا ہار بن جائے

صدا صلِّ علیٰ کی آ رہی ہے عرشِ اعلیٰ سے
زباں وقفِ ثنائے احمدِ مختار بن جائے

جھکے سر انبیاء کے بچھ گئیں آنکھیں ملائک کی
لگائیں قدسیاں مسند کہ اب دربار بن جائے

شہانہ نغمہ حوریں لحنِ داؤدی میں سنوائیں
یہ موقعہ خوب ہے رضواں بھی موسیقار بن جائے

کدھر ہے چشمِ یوسف طالبِ دیدار بن جائے
یہ کہدو اب مسیحا سے کہ خود بیمار بن جائے

جو ہوں مینار سارے سرنگوں اب کاخِ کسریٰ کے
تو فارس کا بھی پھر آتشکدہ بے نار بن جائے

بحکمِ اَنت فیہم ہے وجودِ محض بھی رحمت
ولادت پھر تری کیونکر نہ فیض آثار بن جائے

گواہی دیں حجر اشجار سب اُس کی نبوت کی
زبانِ سنگریزہ مہبطِ اقرار بن جائے

تعجب ہے زمینِ نرم پر آئے نہ نقشِ پا
مگر بارِ نبوت نقش فی الاحجار بن جائے

تو تھا خلقِ مجسّم یہ بھی کب تجھکو گوارا تھا
کہ سایہ بھی کہیں تیرا زمیں پر بار بن جائے

تو محبوبِ خدا مدثر و مزمّل و طٰہٰ
نہ قرآں زندگی کا کیوں تری اخبار بن جائے

شفیع المذنبیں تو رحمت اللعٰلمیں تو ہے
نہ سب کا آسرا کیونکر تری سرکار بن جائے

تو ہے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ تو نورِ اوّل ہے
سنہرا روپ ہے تیرے نہ کیوں سنسار بن جائے

سراپا نور جب عالم کا خود معمار بن جائے
نہ کیوں ظلمت کے آگے نور کی دیوار بن جائے

شعورِ خفتۂ انسانیت بیدار ہو جائے
رہے خالی نہ سینہ محرمِ اسرار بن جائے

بتوں کے سامنے بھی خود کو جو مجبور پاتا تھا
اب اُس انساں سے کہدو فاعلِ مختار بن جائے

کمی کیا ہے یہاں بس ظرف قابل ہیکے آجائے
کوئی سلماں کوئی بوذر کوئی عمار بن جائے

سلف میں گو نہ ہوتا تھا رسولوں کا کوئی ہمسر
یہاں مثلِ رسل ہیں جنکا تو سردار بن جائے

تو خود کیا ہوگا جس کی فاضل طینت سے یا شاہا
کوئی موسیٰ کوئی عیسیٰ کا ہر اک ابرار بن جائے

جو تیرے نور کے ٹکڑے محمد کلنا خود ہوں
نہ کیوں دنیا و عقبیٰ کا ہر اک سردار بن جائے

تو صدرِ خانداں ہر فرد ہے نورِ خدا جس کی
ہوا لازم ترا گھر مخزنِ انوار بن جائے

جہاں دخترکشی معمول تھا خلاق عالم نے
تجھے دختر وہ دی نسواں کی جو سردار بن جائے

نواسوں کا ترے ہمسر نسب میں کون ہو شاہا
کہ عصمت باپ ماں دونوں کی جب معیار بن جائے

وصی و ہمدم و یاور ہے وہ نامِ خدا تیرا
ہر اک مرسل کا جو مشکل کشا سو بار بن جائے

ہے وہ قوت خدا کی جو بقولِ مولوی روم
کفِ حیدر میں جب آئے تو پھر تلوار بن جائے

سقاہم ربہم تیرے وصی کی شان ہے شاہا
کہا جامی نے منکر مستحقِ نار بن جائے

ترے ہی اہلبیت پاک بخشش کا سفینہ ہیں
نہیں کچھ فکر کل عالم اگر منجدھار بن جائے

تری ہی آل اور قرآن تو دیں کی ضمانت ہیں
کہاں ممکن کہ ان کو چھوڑ کر دیندار بن جائے

رہے بے علم تیرے علم کے در پر نہ جو آئے
قبا اوڑھے مجسم جبّہ و دستار بن جائے

بشر کے لفظ کے آگے نظر جن کی نہیں جاتی
نہ کیوں اُن کے لئے قرآن پھر دشوار بن جائے

سمجھنا چاہیے جو احمد کو جز اللہ و حیدر کے
تو پھر کیا دیر ہے فوق البشر اک بار بن جائے

کھنچی جو مے مدینہ میں بنی دو آتشہ خُم میں
الٰہی اتنی حامد کو پلا سرشار بن جائے

نعت بحضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چلا جو قافلہ آدم سے منزل کے قریں آیا
شریعت، صحف و ادوارِ سلف کا آگیا تاریخ
خدا کے دین کی تکمیل تو اب ہونے والی ہے
زہے قسمت زمیں پر بزمِ قدسی کا مکیں آیا
ہوئی جس کے قدم سے آشنائے نور اب دنیا
وہ اعلیٰ تو کہ او ادنیٰ بھی ہے جس کے لئے ادنیٰ
شہِ لولاک آیا ہے شہِ افلاک آیا ہے
بصر مازاغ تو واللیل گیسو والضحیٰ چہرہ
نہ کیوں برتر ہو عالم سے نہ کیوں اولیٰ ہو نفسوں سے

جو شاہد تھا عمل کا سب کے اب سالارِ دیں آیا
زمانہ نے لیے کروٹ کہ اچھا عہد آفریں آیا
مبارک انبیاء کو ہو کہ ختم المرسلیں آیا
اتر کر منزلِ وحدت سے خلوت کا نشیں آیا
مبارک بزمِ خاکی میں وہ نورِ اولیں آیا
تری نعلینِ پا تک کب پر روح الامیں آیا
خدا کو ناز جس پر ہے وہ فخرِ عالمیں آیا
مجسم حسن بنکر وہ سرور الناظریں آیا
کہ بنکر خود ہی جو وجہ بنائے عالمیں آیا

پڑھا کفار و مومن سب نے تیرے صدق کا کلمہ
کہا ہر اک نے صادق ہے ہر اک بولا امیں آیا

نبوت کو تری مانا زمینوں آسمانوں نے
صدا دی سنگریزوں نے شہ دنیا و دیں آیا

منار کاخ کسریٰ سرنگوں آتشکدہ ٹھنڈا
احدیت کے آگے سب کی جھکوانے جبیں آیا

نبی تھے اور سب خاکی عمارت انکی خاکی تھی
منار نور اُس پر بن کے آپ نورِ مبین آیا

خدا انس و ملک صلواۃ میں یکجا نظر آئے
ملانے عبد و رب کو عرش سے وہ تا زمیں آیا

ہوں مسجود ملک آدم دعا پھر بھی معلق تھی
وسیلہ بن کے بخشائش کا جب تک تو نہیں آیا

ہے اول علم القرآن تخلیق دبیاں آخر
وہی دارائے علم اولین و آخریں آیا

جہالت ہے ہماری ہم اگر اُمی اُسے سمجھیں
وہ شہر علم بن کر منبع علم الیقیں آیا

عذاب اب ہے ثمود و عاد کا نے نوح کا طوفاں
ہے اب رحمت ہی رحمت رحمۃ اللعالمیں آیا

کرم کے اہل تقویٰ مستحق ہوں گے ہی یا شاہا
خوشی تو عاصیوں کی ہے شفیع المذنبیں آیا

شہ کونین پھر الفقر فخری ہو ترا نعرہ
تو بیشک رحمت حق ہے ہر اک دل کو یقیں آیا

بچھاؤ راہ میں کانٹے یہ دیگا گل دعاؤں کے
دلوں کے فتح کرنے کو یہ خیر الفاتحیں آیا

جو تو طٰہٰ ہے اہلبیت بھی تیرے مطہر ہیں
ترا گھر بن کے فخر اولین و آخریں آیا

برادر ساقیٔ کوثر تو سردار نسا دختر
نواسہ بھی ہر اک سردار فردوس بریں آیا

ہیں اس گھر میں وہ چودہ جن سے ہیں چودہ طبق روشن
انھیں کی شکل میں نورِ الٰہ العالمیں آیا

سلیماں کی انگوٹھی جس کی اک خیرات تھی ادنیٰ
ترا ہی تو وصی بخشندۂ تاج و نگیں آیا

علی سوئے نبی کی جا نصیری پھر یہی سمجھا
شب ہجرت علی کی شکل خیر الماکریں آیا

نہ چھوٹے ہاتھ سے حامدؔ امام عصر کا دامن
محمد ہی تو ہے بنکر جو خیر الوارثیں آیا

ھُوَ الْعَلِیُّ الْاَعْلیٰ

جو وجہ خدا خود ہو اُس چہرہ کو کیا کہیے
جو نفس خدا ٹھیرے اُس بندہ کو کیا کہیے

وجہ دید و عین حق پھر نفس و نشانِ حق
قائم جو ہو یوں پر حق اُس نقشہ کو کیا کہیے

تصویر بھی رب کی ہو اوصاف بھی رب کے ہوں
جب نام بھی ہو رب کا مجموعہ کو کیا کہیے

حق تو وہی نقطہ ہے سب گرد پھریں جسکے
حق گرد پھرے جسکے اُس نقطہ کو کیا کہیے

قدرت ہی دکھاتی ہے اپنا تو ہر اک جلوہ
قدرت جو دکھاتا ہو اُس جلوہ کو کیا کہیے

ایمان محبت ہو اور کفر عداوت ہو
دیدار عبادت ہو اس عقدہ کو کیا کہیئے

تھا پردہ قدرت کے اندر بھی یہی گویا
کعبہ تو ہے مولد ہی اک کعبہ کو کیا کہیئے

مظہر ہے عجائب کا مصدر ہے غرائب کا
دل جسکو خدا ملتے اُس بندہ کو کیا کہیئے

حق یہ ہے نُصیری سے مجھکو تو نہیں کچھ کد
اپنے نہ سمجھ پائے بیگانہ کو کیا کہیئے

رب کا ہو بنا کردہ اعلان ہو محمدؐ کا
ساقی ہو جہاں مولا خمخانہ کو کیا کہیئے

بیہوش ہوئے موسیٰ تا چرخ اُڑے عیسیٰ
ظرفوں کو جو چھلکا دے پیمانہ کو کیا کہیئے

حامدؔ میری باتوں سے ہوتا ہے تو ہو دُھوکا
جو نشہ میں ہو گویا دیوانہ کو کیا کہیئے

میرا مولا

زمینوں آسمانوں میں ہے جلوہ میرے مولا کا
ازل سے تا ابد ہے بول بالا میرے مولا کا

اُلوہیت کا اک جذبہ جمالی اک جلالی ہے
نبیؐ کا میرے اک ہے ایک حصہ میرے مولا کا

اُدھر رحمت کا ہے میرے نبی کی شور عالم میں
اِدھر مشکل کشائی کا ہے ڈنکا میرے مولا کا

رسالت جسطرح میرے نبی کی لایزالی ہے
ولایت کا بھی ہے دائم زمانہ میرے مولا کا

رسالت کی مجسم شکل سرکارِ دوعالم ہیں
تو ہے باطن رسالت کا سراپا میرے مولا کا

جو چہرہ اُسکا وجہہ اللہ ہاتھ اُس کے یدِ قدرت
رہا مُہرِ نبوت پر کفِ پا میرے مولا کا

جو تھا نہج قلم مولا کا ملتا کلکِ قدرت سے
وہی لہجہ خدا کا تھا جو لہجہ میرے مولا کا

ہے کل من علیہا فان تو اک کلیہ لیکن
خُدا کے حکم سے چہرہ ہے باقی میرے مولا کا

مرے مولا کو کیا ہو موت برحق کل نفس کی
خُدا کا نفس جب خود نفس ٹھیرا میرے مولا کا

ہے قبض روح انکا خود اُنہیں کے حکم پر موقوف
ملک ہے تابع فرماں نبیؐ کا میرے مولا کا

بشر پر تو نظر کرنا عبادت ہو نہیں سکتا
یہاں پر بھی ہے کوئی راز گہرا میرے مولا کا

عبادت تو خدا کی ہے مگر کیا بات ہے آخر
ہے ویسی ہی عبادت ذکر کرنا میرے مولا کا

عجائب کا ہے مظہر بھی وہ قدرت کا ہے مصدر بھی
کھنچا نادِ علی میں یوں سراپا میرے مولا کا

پکارا نوحؑ و ابراہیمؑ و عیسیٰؑ نے جو مشکل میں
تو دیکھا طور پر موسیٰ نے جلوہ میرے مولا کا

جو ہوتے ایک دو ہی واقعے کہتے نہ ہم کچھ بھی
رہا آدم سے تا خاتم سہارا میرے مولا کا

شریعت اور نبی بدلے علی ناصر رہے سب کے
رواں تھا ہر شریعت میں بھی سکہ میرے مولا کا

علی بھی برسرِ منبر ملک شکلِ علی میں بھی
سرِ معراج یوں دُہرا تھا نقشہ میرے مولا کا

ادھر مولا ادھر مولا یہاں مولا وہاں مولا
ہے یہ عالم تو اک آئینہ خانہ میرے مولا کا

ادھر قمری ادھر بلبل ادھر سوسن ادھر سنبل
ہر اک کی ہی زبان پر ہے ترانہ میرے مولا کا

نظر سلماں کی کیا میری سی بھی کر لو اگر پیدا
تو پھر آئے نظر ہر شے میں جلوہ میرے مولا کا

جو واقف رازِ ہستی سے ہیں ان کا ذکر ہی کیا ہے
کہ ہے ہر سانس میں انکی وظیفہ میرے مولا کا

ملک ہوں انبیاء ہوں انس و جن اپنے پرائے ہوں
پکارا جس نے بھی پایا سہارا میرے مولا کا

نہ کیوں ہو مظہر رب ہے کرم بھی عام ہے اس کا
لقب جب ہی تو ہے خیر البریہ میرے مولا کا

خدا نے ہر عمل پر اسکے اک آیت اتاری ہے
ہے قرآں زندگی ہی کا تو خاکہ میرے مولا کا

ہمیں یٰس قرآن الیوم انما اینما ائتنا بلّغ
بیاں سرّا کفی نجویٰ میں سارا میرے مولا کا

نبا احزاب مریم مائدہ رحمٰن اور شوریٰ
ہر اک سورت میں قرآں کی ہے نقشہ میرے مولا کا

صفات اللہ کے جسطرح کرتے ہیں نبی ظاہر
تعارف ہر نبی ہی نے کرایا میرے مولا کا

بجا ہے علم پر اپنے اگر نازاں فرشتے ہوں
ملک ہر اک ہے سکھلایا پڑھایا میرے مولا کا

طواف قبر کر کے خضر کسب علم کرتے ہیں
یہاں شاگرد ہے استادِ موسیٰ میرے مولا کا

نہ طوفِ مرقد مولودِ کعبہ خضر کیوں کرتے
سمجھ میں آ گیا مرقد ہے کعبہ میرے مولا کا

مصاحب نوح و آدم دائیں بائیں یاں بھی حاضر ہیں
ہے روضہ میں بھی کچھ اجلال ایسا میرے مولا کا

فرشتے عرش پر سمجھے تو ہم سمجھے ہے کعبہ میں
وہاں عالم تھا او ادنیٰ سے اعلیٰ میرے مولا کا

شکستہ پا نظر آئے یہاں تو عرش و کرسی بھی
کسی پائے نے کب پایا ہے پایا میرے مولا کا

جدار کعبہ یوں تڑکی بنائے جن نہیں پڑتی
نشاں یوں دائمی کعبہ پہ بیٹھا میرے مولا کا

ستارے کو ملا ہے اوج اس پہ جو کھٹ پہ آنے سے
نہ کیسے اوج پر آیا ستارہ میرے مولا کا

سوال اٹھا یہ جب آخر کہ مرضیٔ خدا کیا ہے
پڑھا قرآن خود لیکر قبالہ میرے مولا کا

مکمل جب ہوئی یہ دسترس طے پا گیا آخر
مشیت جسکو کہتے ہیں ہے منشا میرے مولا کا

جسے ہم صبح کہتے ہیں جسے ہم شام کہتے ہیں
ہے وہ شمس و قمر کو اک اشارہ میرے مولا کا

یہاں پر فیصلے ہوتے ہیں صادر مثلِ محشر کے
ہے دار الآخرۃ دار الامارہ میرے مولا کا

رہا ہے لازمہ اللہ اکبر ضرب حیدر کا
رجز اللہ کا ہوتا تھا نعرہ میرے مولا کا

سقر فاقہ علالت یہ موانع گرچہ ظاہر تھے
مگر تھا دیدنی خیبر میں حملہ میرے مولا کا

پر جبرئیل کو بچھنا پڑا اس وار کی خاطر
کہاں اس ارض سے رکتا لگایا میرے مولا کا

نہ کیوں ہر ضرب افضل ہو دو عالم کی عبادت سے
خدا کا ہاتھ ہی جب ہاتھ ٹھیرا میرے مولا کا

نہ کیوں معراج میں پھر میزباں ہو خانہ زادِ حق
یہاں بھی کارفرما ہاتھ نکلا میرے مولا کا

کہا فرزندِ رب، یا پھر کسی نے باپ عیسیٰ کا
پدر اُمت کا ہونا تو ہے پکا میرے مولا کا

مٹا دے اُمہات المومنین کا حرف قرآں سے
الٰہی اقتدار اعلیٰ ہے کتنا میرے مولا کا

نبی اسکی ہی ماں کو اُمّی بعد امّی کہتے تھے
نبی کو جسنے پالا تھا وہ بابا میرے مولا کا

ہیں ماں اور باپ دونوں ہاشمی یہ وصف بھی دیکھو
رسولوں میں بھی ہے یکتا گھرانا میرے مولا کا

نبی کہتے ہیں اُس کا جسم سے ہوتا ہے جو رشتہ
نبی کی ذات سے تھا بس وہ رشتہ میرے مولا کا

عطا کسکو ہوئی زوجہ کوئی معصومۂ مطلق
خدا نے یہ شرف رکھا ہے تنہا میرے مولا کا

کہاں کب اور کوئی بن کے دولھا عرش پہ بیٹھا
خدا نے عقد بھی خود ہی پڑھایا میرے مولا کا

خدا کو ناز ہے بحرین یلتقیان انھیں کہکر
ہے قرآں مدح خوں یوں سیدہ کا میرے مولا کا

خدا نے سیدہ کے مہر میں دی ہے زمیں ساری
کیا ہے بخشش اُمت کو صدقہ میرے مولا کا

قسمِ قرآن کی مُلکِ سلیماں جسکو کہتے ہیں
ہے اک انگشت کا بس وہ اُتارا میرے مولا کا

زمیں پر سانس نا جائز نہ جب تک بوترابی ہو
ہے عالم دین کا سارا بسایا میرے مولا کا

جو تھی جھولے میں خیبر میں وہی قوتِ جمل میں تھی
سراسر ایک تھا بچپن، بڑھاپا میرے مولا کا

اِدھر معلوم ہے موسیٰ کا ڈر جانا جو اژدر سے
اُدھر جھولے میں اژدر کو دو کرنا میرے مولا کا

ابوجہل اور عین اللہ کو سُرمہ لگائیگا
رہے پھر یاد جھولے سے طمانچہ میرے مولا کا

لواء الحمد کے پیچھے چلینگے انبیاء سارے
ملا انداز واں بھی لہرانہ میرے مولا کا

جو حامل ہے لواء حمد و احمد کا مرا مولا
علمدارِ حسینی بھی ہے بیٹا میرے مولا کا

اُسی کا نام تو ہے حشر جس دن کیلئے طے ہے
صراط و حوض و جنت سب پہ قبضہ میرے مولا کا

صدا تھی نفسی نفسی کی، کلام زیرِ لب بھی تھا
جو دیکھا انبیا میں تھا وہ چرچہ میرے مولا کا

سرِ محشر بمقابل آئینہ جس طرح آجائے
کریگا یوں ہی خالق بھی نظارہ میرے مولا کا

جو سرکارِ دو عالم اک طرف اک سمت ابراہیم
تو بیچوں بیچ ان کے قصر ہوگا میرے مولا کا

اجارہ دارِ دنیا کے عبوساً قمطریرا ہیں
نظر جب حشر میں آیا اجارا میرے مولا کا

کراماً کاتبیں لکھ لکھ کے گو کالے کریں کاغذ
سرِ محشر وہ ہوگا ہے جو ایما میرے مولا کا

تمنا موت کی جبری بھی ہے اور اختیاری بھی
کہ حق ہے نزع میں آنے کا وعدہ میرے مولا کا

کہاں میں حق کے معنی ڈھونڈنے جاؤں نظر کر لوں
کہ ہے معیارِ حق نقشِ کفِ پا میرے مولا کا

قسمِ حکم مودت کی قسم رحمٰن و ذا کی
الٰہی عشق کردیں دوبالا میرے مولا کا

نبی نے شرطِ ایماں صاف رکھدی ہے مسلمانو — تبرا دشمنوں سے اور تولّا میرے مولا کا
عمارت منہدم اسلام کی بس ہو کے رہ جائے — ہٹا دو ایک بھی گر کارنامہ میرے مولا کا
کدھر تم اور کدھر گستاخیاں شانِ امامت میں — خدائی حِلم سرتاسر وطیرہ میرے مولا کا
پڑھو تم قصر کلمہ مت پڑھو وہ بھی ہمیں کیا ہے — درِ جنت پہ تو لکھا ہے کلمہ میرے مولا کا

ذرا تم غور تو کرنا، اسی اُمّت کے ہاتھوں سے
ہوا سجدہ میں سر حامک دوپارا میرے مولا کا

اہلِ طریقت بزرگوں کا کچھ کلام ہم نے اسی باب میں نقل کیا ہے۔ انہیں کے منجملہ ایک بزرگ حضرت عثمان ہارونیؒ سے ایک واقعہ منسوب ہے جو حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مُرشد تھے۔ کسی نے حضرت ہارونیؒ سے پوچھا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ دیگر لوگوں کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہا جاتا ہے اور حضرت علی کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ حضرت ہارونیؒ نے کہا مجھے ان القابوں سے سروکار نہیں میں تو علی کو جلّ جلالہٗ و جلّ شانہٗ کہتا ہوں۔

جلّ جلالہٗ و جلّ شانہٗ پر میں نے کچھ تضمین کی ہے۔ وھُوَ ھٰذا۔

جَلّ جلالہٗ علی جلّ شانہٗ علی

آیتِ کبریا علی عظمتِ انبیا علی — زینتِ دوسرا علی عرش سے ماورا علی
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

ہے وہی نقطۂ وجود ہے وہی باعثِ نمود — ہے یہ اسیکا سب شہود ہے یہ اسی کی ہست و بود
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

سرحدیں اسکی ہیں قدم خود شِ نبی پہ ہیں قدم — کعبہ کا اُس سے ہے حشم دین کا اس سے ہے بھرم
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

ذات سے وہ نہیں خدا لیکن ہے پرتوِ خدا — اصل کا ہو جو آئینہ اسکو کہیں ہی اور کیا
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

صاحبِ کن فکاں ہے وہ مالکِ دو جہاں ہے وہ — آیتِ لامکاں ہے وہ جانے کہاں کہاں ہے وہ
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

کون یہ بولنے لگا ہاتھ یہ کس کا آگیا — تھا جو غلط وہ کیا ہوا مولا ہی ہاں تو ہے مرا
جلّ جلالہ علی جلّ شانہٗ علی

قرآن ہے یہ بولتا، لہجہ بھی لہجۂ خدا گویا نتیجہ یہ ہوا رب ہی تو بولنے لگا

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

حق کو ملی وہ برتری، تابع ہیں سب رسول بھی وجہ سمجھ میں آ گئی، حق تو ہے تابع علی

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

تاہم نار و جنّت ہے، خلد پہ اسکا کلمہ ہے کوثر بھی اسکا چشمہ ہے، ہر جا اسی کا نغمہ ہے

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

اسکے لئے ہے انّما مدح میں اسکی ہل اتیٰ علم جو اسکا قل کفیٰ شان ہے اسکی لافتیٰ

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

اُستادِ جبرئیل ہے عالم کا وہ کفیل ہے قدرت میں وہ دخیل ہے اللہ کا وہ وکیل ہے

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

علم ہے اسکا عینِ ذات، اسکے خدائی میں صفات ذات کے ہیں جو لازمات نفس کی بھی رہی ہے بات

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

نفس و رضا کا لین دین، نورِ خدا خدا کے بین اسکا بنا ثبوت عین رب اور علی ہیں لازمین

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

کُفوِ بتول ہے یہی، نفسِ رسول ہے یہی اصل اصول ہے یہی شرطِ قبول ہے یہی

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

رَجُل وہ بے مثال ہے، قولِ رسول دال ہے وہ شیرِ ذو الجلال ہے وہ شان لازوال ہے

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

اسکا جلال الاماں، رحم بھی اُسکا بیکراں ہے ذوالفقار دو زباں قہر و عفو کی رازداں

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

خیبر و خندق و اُحد، قوت کی اسکے ہیں سند قیمت ضرب لاتعد جانی کہاں کسی نے حد

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

مرحب و حارثِ جَری عمرو و عبدِ وُد سبھی ٹکّر کسی کی بھی یہاں چلی شان ہے اُسکی ید اللّٰہی

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

دستِ خدا نے کر کے کام بخشش دی عزت دوام نفس کا رکھ کے احترام مزدور بھی ہے ذی مقام

جلّ جلالہ علی جلّ شانہ علی

جس کو نبی نے دی ندا دیتا ہوں اُسکو میں صدا   درد ہے یا علی مرا چاہیئے مجھکو اور کیا

جلّ جلالہ علی جل شانہٗ علی

ایک ذاکر صاحب نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ حضرت مریم میں ایک صفت ایسی تھی جو جناب سیدہ میں بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ حضرت مریم کو بلا شوہر اولاد پیدا ہوئی۔ میرے دوست سید نور الحسن جعفری نے مجھ سے کہا کہ یہ سنکر ہم تو رات بھر نہ سو سکے تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا کہتا کیسے نہیں ہوں ضرور کہتا ہوں اور ذیل کی مثنوی لکھی:۔

راز مشیت ربّ العالمین فاطمہ سیّدۃ النساء العٰلمین

شاہکار کلکِ قدرتِ فاطمہ   تو کہ ہے رازِ مشیت فاطمہ
تیرہ معصوموں کا اک واحد جواب   عالمیں کی عورتوں میں انتخاب
باپ جس کا تاجدارِ انبیا   جس کا شوہر شہنشاہِ اولیا
جسکے بیٹے مالکِ خلدِ بریں   جنکا خوں مُہرِ نبوت کا نگیں
جسکی مادر محسنِ دینِ متیں   بیٹیاں جسکی شہادت کی مُعیں
خانداں ہر فرد جس کی یادگار   مدح خواں جسکا ہے خود پروردگار
ہے کنیزِ سیّدہ تک کا یہ حال   آیتِ قرآں ہے اسکی بول چال
سائل اس در کے ہیں جبرئیل امیں   فطرس و رضواں بھی حاضر ہیں یہیں
جسکی خود تعظیم کرتے تھے نبی   کب کہیں اس شان کی دختر ہوئی
آیتِ تطہیر کی جو جان ہے   ذات جسکی مرکزِ ایمان ہے
وہ ہے سردارِ نسا خیر النسا   ہے وہی خاتونِ جنت مرحبا
ہے خوشی سے جسکی خوشی پروردگار   جسکی ناراضی ہے قہرِ کردگار
گو بلا "لَم فاطمہ" سے کچھ پتہ   ذات اُسکی فہم سے ہے ماورا
بُھول مت جانا نبی کا انتباہ   ہے قیاس ان پر کسی کا اک گناہ
میرے اہلبیت ہیں نورِ الٰہ   اور سب خاکی ہیں پیغمبر ہوں خواہ
جسکو کہتے تھے نبی خود اپنی ماں   مادرِ عیسیٰ میں یہ عظمت کہاں
جسکے بیٹے نائبِ ربِ علا   جنکی عیسیٰ پر ہے لازم اقتدا
مریم و بلقیس ہوں یا آسیا   فاطمہ سب کی ہیں قطبِ آسیا

اسکے شایاں جا نہیں خرما تلے / طوبیٰ و رضواں ہیں اسکے پا تلے

ہو نہ نسواں میں صفت کوئی بھی کم / والدین، اولاد، شوہر محترم

تم بھی مریم چل کے دیکھو شانِ عقد / رب نے خود باندھا ہے یہ پیمانِ عقد

آئی تھیں خدمت کو پیدائش کے وقت / کرو خدمت آ کے زیبائش کے وقت

عرشِ اعظم اسکے جلوہ کا ہے تخت / ہے محمدؐ کی ہی بیٹی کا یہ بخت

اپنے مظہر کو بنایا اس کو کفو / ورنہ ممکن ہی کہاں تھا اسکا کفو

انبیاء و اوصیا مہمانِ عقد / کرتے ہیں حور و ملک سامانِ عقد

آسماں پر رب زمیں پر مصطفےٰ / کر رہے ہیں رسم شادی کی ادا

لعل و گوہر جو ہوئے اس پر نثار / حسن کا حوروں کی ہیں اب وہ سنگار

پارہ اک اترا حریرِ سبز کا / تھا وثیقہ سیدۃ کے عقد کا

دستِ قدرت سے یہ اس پر ثبت تھا / بخششِ امت ہے مہرِ فاطمہ

فکرِ امت اب نہ کیجے گا نبی / بخششِ امت کی چھٹی آ گئی

مرحبا کس شان کا داماد ہے / سارا عالم طالبِ امداد ہے

سیدہ کے عقد سے عقدہ کھلا / قدرتِ حیدر کا اندازہ ہوا

زوج پر ہیں دو امورِ لازمی / استطاعت اور ادائی مہر کی

اب نہ کیجے فکرِ امت مولا دیکھیے / اذنِ جنت اب تو سب کو دیجیے

فاطمہ کا جب قدم ہو درمیاں / عرش سے تا فرش ہے سب کو اماں

ہاں منافق ہیں جو امت میں نہیں / خلد غداروں کی قسمت میں نہیں

رازِ سر بستہ بہت سے وا ہوئے / سیدہ کے نام پر سب بک گئے

جسکو ہوا اسکی غلامی کا شرف
اسکو ہے حامدؔ نویدِ لاتخف

سلام بحضور سیدۃ النساء العلمین ام ابیہا فاطمہ زہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام

خود لسانِ قدس ہے وقفِ ثنائے فاطمہؑ / ھل اتیٰ اور انما زیبِ قبائے فاطمہؑ

سرو قد اٹھ کر بٹھاتے ہیں نبی اپنی جگہ / کچھ تو سمجھی ہے رسالت نے بہائے فاطمہؑ

حجتِ حق عورتوں پر ہو نہ سکتی تھی تمام / نامکمل تھی رسالت گر نہ آتے فاطمہؑ

راہِ حق میں دیدیئے حسنین سے لختِ جگر
واسطے اسلام کے یہ ہے عطائے فاطمہؑ

ہیں رسالت بھی ولایت اور امامت سب یہیں
مرکزِ تطہیر کامل ہے ردائے فاطمہؑ

سر جھکاتے ہیں ملک بن کر گدا مسکین یتیم
وہ مقامِ قدس ہے دولت سرائے فاطمہؑ

پوچھئے رضوان سے کیوں بن کے خیاط آگیا
تھی وہ خالق کی رضا یا تھی رضائے فاطمہؑ

آسیا و مریم و سارا کی آنکھیں کھل گئیں
سرمہ آنکھوں کا بنی جب خاکپائے فاطمہؑ

حیف یہ کرتے ہوں جسکے، ہو مودت جسکی فرض
آگ لیجائیں جلانے خانمائے فاطمہؑ

گریۂ زہرا پہ تھے ہر چند پہرے ظلم کے
آج تک کانوں میں آتی ہے بکائے فاطمہؑ

دولتِ کونین قطرہ میں سمٹ آجائے اگر
دیکھئے اشکِ عزا بھیجے دعائے فاطمہؑ

سایۂ دامانِ زہرا میں ملے یارب پناہ
باپ، ماں، اولادِ حامد سب فدائے فاطمہؑ

عقدِ فاطمہؑ

کسکی ہے دسترس بندھے دستِ خدا سے عقد
کسکا ہے منہ ہو جو چہرۂ ربِّ علا سے عقد

خود رب نے خانہ زاد کا اپنے دیا پیغام
نامِ خدا ہے کونسی خیر النساء سے عقد

اللہ کے حبیب کی تو نورِ چشم ہے
موزوں جبھی تو ہے ترا عینِ خدا سے عقد

قرآن کی ملی ہے نبی سے تجھے زباں
دیتا ہے جب تو زیب لسانِ خدا سے عقد

معصوم تو ہے کفو بھی معصوم ہے ترا
بے نفس کا یہ خوب ہے نفسِ خدا سے عقد

تطہیر کی یہ بحر وہ جود و سخا کے بحر
بحرین کا یہ خوب ہے بحکمِ خدا سے عقد

تطہیر پر خدا کی قسم انما ہے دال
ٹھہرا ہے جب تو تاجورِ ہل اتیٰ سے عقد

مرکز خطاب حق کا جو زیرِ کسا رہی
ہوتا ہے اسکا صاحبِ کشف الغطا سے عقد

عقدے جہاں کے تیری مٹھی میں آگئے
باندھا خدا نے جب ترا مشکل کشا سے عقد

حور و ملک میں عرشِ بریں پر ہے غلغلہ
ہے مرتضیٰ کا بنتِ حبیبِ خدا سے عقد

مباہلہ

جو کفر و دینِ خدا میں تنازعہ ٹھہرا
جو صدق و کذب میں باہم مسابقہ ٹھہرا

میانِ باطل و حق جب مجاہدہ ٹھیرا
میانِ نور و ظلمت مجادلہ ٹھیرا

تو پہلے گھر کی فضا میں مکالمہ ٹھیرا
مُباحثہ سے گزر کر مناظرہ ٹھیرا

مگر پیمبرِ برحق کو جب ہوا محسوس
کہ بے ضمیروں سے ہے یہ معاملہ ٹھیرا

وہ حق کی بات بھی آخر قبول کیوں کرتے
کہ اُن کے ذہن میں تھا بس معارضہ ٹھیرا

کبیدہ خاطرِ محبوب جب اِدھر پائی
بحکمِ داورِ محشر مُباہلہ ٹھیرا

لے آئیں بیٹوں کو نفسوں کو عورتوں کو بھی
کہ اِس طریق سے اندازِ بد دعا ٹھیرا

ہزاروں گبر و مسلمان آ کے جمع ہوئے
کہ آج تک نہ کبھی ایسا مرحلہ ٹھیرا

نصارٰئ بنی نجران آئے میداں میں
بہت سے اہلِ کلیسا کا داخلہ ٹھیرا

اَسید عاقب و کُرز اور عبدِ شمس آئے
اِدھر نبی کے گھرانے سے سابقہ ٹھیرا

محمد و علی و فاطمہ حسین و حسن
انھیں کے ہاتھ خدا کا معاملہ ٹھیرا

کہا رسولؐ نے تم سب کہو آمین
اٹھا کے ہاتھ جو میں دست بر دعا ٹھیرا

دُعا رسولؐ کی کافی تھی بالیقیں لیکن
رسائے آلِ محمدؐ کا اِقتضا ٹھیرا

خُدا کے قہر کے آثار ہو گئے ظاہر
سما و ارض میں یک لخت تہلکہ ٹھیرا

سیاہی چھانے لگی زرد ہو گیا خورشید
گماں ہوا کہ قیامت کا سامنا ٹھیرا

جو دیکھے نور کے چہرے تو بول اُٹھا عاقب
ٹلے پہاڑ اگر انکا مدعا ٹھیرا

سلامتی ہے اِسی میں کہ اِن سے صُلح کرو
وگرنہ سمجھو نصارا کا خاتمہ ٹھیرا

لگا وہ عجز سے کہنے کہ آپ برتر ہیں
ہمارا آپ سے پھر کیا مقابلہ ٹھیرا

ہر ایک شرط ہے منظور جو بھی فرمائیں
قضا سے بچنے کا بس اک ہی راستہ ٹھیرا

خدا کا بیٹا جو جانا تھا ابنِ مریم کو
سمجھ میں آیا کہ وہ اک مغالطہ ٹھیرا

یقین ہو گیا انکو کہ بر سرِ محشر
خدا کے پاس ہمارا مواخذہ ٹھیرا

مگر نہ پھر بھی مسلماں ہوئے وہ بے ایماں
یہ ضد تھی دِل میں کہ یہ تو مُناقشہ ٹھیرا

یہ پھر بھی ہو گیا ظاہر کہ جیت کس کی ہے
وہ فتح ہو کے رہا تھا جو معرکہ ٹھیرا

نبی و آلِ نبی کی ہے اک یہ فتح مُبین
اک اور عذر یہ عالم میں واقعہ ٹھیرا

یہ سب تو ہو گیا لیکن بہت سے ذہنوں میں
یہ مضمراتِ اہم کا سوالیہ ٹھیرا

یہ وجہ کیا ہے کہ ہمکو نبی نے چھانٹ دیا
نہ کوئی ایک بھی کیا ہم میں باصفا ٹھیرا

نساؤ نفس کا صیغہ تھا جمع آیت میں
علی و فاطمہ پر کیوں یہ منتہا ٹھیرا

جو عقل ہوتی تو کاذب یہ خود سمجھ لیتے
حصارِ آیۂ تطہیر لازمہ ٹھیرا

میں کس زباں سے کہوں خانۂ آفتاب کہ جو
زبانِ قدس میں والشمس و والضحیٰ ٹھیرا

وہ نورِ اول و وجہ بنائے عالم ہے
وہی جو ختمِ رسل شاہِ انبیا ٹھیرا

ولی جو مثلِ خدا و نبی ہے عالم کا
ہے وہ جو نفسِ خدا شانِ کبریا ٹھیرا

رسولِ امّ ابیہا جسے کہیں واللہ
مقامِ فاطمہ زہرا نہ جانے کیا ٹھیرا

بنے ہیں لؤلؤ و مرجان زینتِ قرآں
ہر ایک انہیں کا وہ دُرِّ بے بہا ٹھیرا

قرار پائے حسن اور حسین سبطِ رسول
جو لافتیٰ تھا وہی نفسِ مصطفیٰ ٹھیرا

نسیم و سیّدِ جنت، بہشت کی خاتون
ہر ایک انہیں کا سردارِ دوسرا ٹھیرا

اسی تو در سے فرشتے بھی لیں گے خیرات
یہی ہے گھر جو غریبوں کا آسرا ٹھیرا

جو ہل اتیٰ تو کہیں انّما کہیں ہے کفیٰ
یہ سعیٔ آلِ پیمبر کا اک صلہ ٹھیرا

نظر میں اہلِ نظر کی کلامِ ربّانی
ثنائے آلِ محمد کا سلسلہ ٹھیرا

فضیلتوں پہ جو ان کی کہیں خیال گیا
تو ایک حرفِ غلط خود مبالغہ ٹھیرا

یہی وہ راہبرِ راہِ حق ہیں اے حامد
جہاں ٹھہر گئے ایماں کا قافلہ ٹھیرا

نجات کا یہ سفینہ ہیں باب حطّہ ہیں
ہمارے واسطے ان ہی کا واسطہ ٹھیرا

ولا انہیں کی تو ایمان کا ہے پیمانہ
انہیں کا ذکر تو دیں کا اشاریہ ٹھیرا

جو عقل ہو تو مسلمان سارا عالم ہو
ہزاروں راز کا کاشف مباہلہ ٹھیرا

خمخانۂ غدیر

حج آخر سے مدینہ جو چلے شاہِ اُمم
بار بار آنے لگا رب کا پیام محکم

تھا تشہ دیں یہ مسرت کا انوکھا عالم
بھائی کی شان میں آیا تھا کوئی حکم اہم

فکرِ تبلیغ تھی تا دیں میں اُجالا ہو جائے
کیف ایمان محبتوں کا دوبالا ہو جائے

ساتھیوں پر جو گئی شاہِ دو عالم کی نظر
کچھ جو مومن تو نظر آئے منافق اکثر

شامل ان ہی میں تو تھے بندرہ سولہ وہ نفر
وادیٔ عقبہ میں پھینکے تھے جنھوں نے پتھر

ہر طرف دشمنِ ایمان نظر آتے تھے
ایک سلماں تو سو نعمان نظر آتے تھے

قافلہ اتنے میں پہنچا جو غدیرِ خم پر ۔۔۔ شمس زرد ہو کے ہوا صدقہ منبرِ خم پر
نظریں جمنے لگیں قدرت کی امیدِ خم پر ۔۔۔ جلوہ گر ہونے کو تھا شاہ سرِ خم پر

کچھ نئی گلشنِ ایمان پہ بہار آئی ہے
کوئی مقصد ہے جو یہ انجمن آرائی ہے

مرضیٔ رب تھی بڑے سے بھی بڑا ہو مجمع ۔۔۔ چلچلاتی ہوئی ہو دھوپ کھڑا ہو مجمع
شرپسندی پہ ہزار اپنی اڑا ہو مجمع ۔۔۔ ضدِ مشیت کو بھی تھی لاکھ کڑا ہو مجمع

بدلے انداز وحی تھی جو بتانی عظمت
مثلِ توحید و نبوت تھی جتانی عظمت

تھا یہ دستور کہ الفت کے پیام آتے تھے ۔۔۔ نبی و آلِ محمد پہ سلام آتے تھے
لیکے ہر وقت محبت کے کلام آتے تھے ۔۔۔ صبح جبریل جو آتے کبھی شام آتے تھے

نئی افتاد سے اب سوئے زمیں آتے ہیں
پر سمیٹے ہوئے جبریل امین آتے ہیں

عجب انداز کا تھا حکمِ نما بلّغتَ ۔۔۔ کل رسالت کا جو ہم وزن ہوا بلّغت
بھرِ جبریل معمہ یہ بنا بلّغتَ ۔۔۔ کیا ہے ما انزل آخر ہے یہ کیا بلّغت

غرقِ حیرت رہے جبریل کہ مقصود ہے کون
ہے جو ہم وزنِ رسالت مرے معبود ہے کون

سنتے ہی یکبیک بولے نبی رک جاؤ ۔۔۔ بڑھ گیا ہو کوئی آگے تو اسے پلٹاؤ
پیچھے جو رہ گئے ہوں جلد انہیں بلواؤ ۔۔۔ منبر اک محمل ناقہ سے یہیں بنواؤ

رب عزت کے اب اس حکم کا اعلان ہوگا
منحصر جس پہ مسلمان کا ایمان ہوگا

شاہِ دیں لے کے علیؑ کو چلے منبر کی طرف ۔۔۔ تھی نگہ سب کی علیؑ اور پیمبر کی طرف
تھیں ملائک بھی نظریں اسی منظر کی طرف ۔۔۔ مگر آنکھیں تھیں پیمبر کی برادر کی طرف

لے کے ہاتھوں پہ علی کو سرِ منبر آئے
جوں تھے مولود کو لے کعبہ سے باہر آئے

خطبۂ طولانی پیمبر نے دیا دیر تلک ۔۔۔ اولیٰ ہونے کا بھی اقرار لیا دیر تلک
ذکر اوصافِ علی کا بھی کیا دیر تلک ۔۔۔ تھے علی کے لئے مصروفِ دعا دیر تلک

یہ ہوا سب تو کہا حکم ہے رب کا لوگو
جس کا میں مولا علی اس کا ہے مولا لوگو

یا خدا دوست رکھ اسکو جو علی کو چاہے — دکھیو دشمن اسے دشمن ہو علی کا ہووے
جو مدد اسکی کرے اسکی مدد تو کردے — چھوڑ دے اسکو تو یکسر جو علی کو چھوڑے
پھیر دے حق کو طرف اس کے جدھر جائے علیؑ
سرمۂ چشم بنے خاک کف پائے علیؑ

سر پہ عمامہ پیمبر نے علی کے باندھا — ایک خیمہ میں کیا پھر انہیں مسند آرا
خوش ہوئے جیسے بنایا ہو علیؑ کو دولہا — پھر کہا سب سے کہ تبریک کی ہو رسم ادا
تہنیت دیتی تھی ازواج نبی جا جا کر
بخٍ اصحاب بھی کہنے لگے سب آ آ کر

دیکھا یہ رنگ تو پھولے نہ سمائے جبریل — فیض استاذ سے روشن وہ لقائے جبریل
چرخ پر جا کے بس اک آن میں آئے جبریل — تحفۂ اکملت نبی کے لئے لائے جبریل
دیں کی تکمیل ہوئی ختم رسالت ہے یہی
نقطۂ اول آغاز امامت ہے یہی

حکم رب سے یہ کھلا آج نیا میخانہ — دست پیغمبر خاتم سے بنا میخانہ
کیوں نہ دکھلائے بھلا شان خدا میخانہ — جب یداللہ ہو ساقی تو ہو کیا میخانہ
پی کے اس مے ہی کو بے ہوش ہوئے تھے موسیٰ
جو ذرا چڑھ گئی تا چرخ اڑے تھے عیسیٰ

کھل گیا میکدہ میخوار چلے آتے ہیں — حب حیدر کے گرفتار چلے آتے ہیں
غم سرور کے دل افگار چلے آتے ہیں — یاں دوا بٹتی ہے بیمار چلے آتے ہیں
خم کے خم رکھے ہیں ساقی نے لنڈھانے کیلئے
بادہ کش ٹوٹتے ہیں پینے پلانے کیلئے

بادہ حب علی سے ہوئے مومن سرشار — چہرہ ہے فرط مسرت سے ہر اک کا گلنار
گلے مل مل کے جو کرتے ہیں خوشی کا اظہار — جل کے اعدائے علیؑ ہوتے ہیں خود ہی فی النار
ہم اسی نشہ میں پہنچیں لب کوثر یارب
صحن میخانہ بنے عرصۂ محشر یارب

غدیریہ

قسم ایمان کی یہ بزم تو ایماں کی حامل ہے ۔۔۔ پیو جی بھر کے میخوار و غدیر خم کی محفل ہے
جو ہے الیوم قرآں میں وہی تو آج کا دن ہے ۔۔۔ مسلماں کب ہے جو الیوم اکملت سے غافل ہے

علی کی آج مولائی کا عالم میں ہوا اعلان ۔۔۔ وہ فرمانِ خدا بھی خاص کچھ تیور کا حامل ہے
خدا کی آج ہی کے دن ہوئی ہیں نعمتیں آخر ۔۔۔ خدا ہی کا تو کہنا ہے کہ نعمت آج کامل ہے
جو حیدر کی ولایت ہے وہ ہم وزنِ رسالت ہے ۔۔۔ بغیر اسکے یہ پھر سمجھو کہ سارا دین باطل ہے
غدیر اک تحفۂ جاں بخش ہے قدرت کی جانب سے ۔۔۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنکے حق میں یہ اک زہرِ قاتل ہے
عملوا الصٰلحٰت اک خوابِ بے تعبیر ہے اسکا ۔۔۔ غدیری رہ سے ہٹ کر جو سقیفائی پہ عامل ہے
امامِ وقت سے تو بے خبر ایماں کا پھر دعویٰ ۔۔۔ نبی کا قول فیصل ہے وہ جاہل ہے وہ جاہل ہے
ہے مستور احجایاً واسطے اُن ہی کے قرآں میں ۔۔۔ جہالت کا ہٹاؤ آنکھ سے پردہ جو حائل ہے
گزر جائیگی ساری عمر بس لولا علی کہتے ۔۔۔ یہاں اہلِ سیاست کی بھی ساری عقل زائل ہے
زمینِ شور پر نیساں بھی گر برسے تو کیا حاصل ۔۔۔ ملے سلمان کا درجہ جو کوئی ظرفِ قابل ہے
نظر میں وہ رہے منزل جہاں تھے بوذر و سلماں ۔۔۔ محض اسلام تو اک زینۂ قطعِ مراحل ہے
مبارک ہو تمہیں شیعو تمہاری کنیہ بیدالشمس ۔۔۔ نبی کی اور علی ہی کی یہ طینت ہے جو فاضل ہے
نبی کی آل اولادِ علی رسّی خدا کی ہے ۔۔۔ یہی حبل المتیں ہے وہ امامت کی جو حامل ہے
تلاطم ہو نفاق و کفر کا گر لاکھ ہونے دو ۔۔۔ سفینہ ہو جو اہلِ بیت کا طوفان بھی ساحل ہے
طوافِ روضۂ حیدر جو کرتے خضر کو دیکھا ۔۔۔ ہوا ظاہر رسالت بھی درِ حیدر کی سائل ہے
مرا مولا ہے وہ نقطہ کہ جسکے گرد حق گھومے ۔۔۔ سوا اسکے ہر اک نقطہ صفر ہی کے مماثل ہے
علی اللہ کے جلوہ کا ہے وہ مظہرِ مطلق ۔۔۔ خدا کی ذات کے گویا کہ آئینہ مقابل ہے

وظیفہ تو علی کے نام کا جانِ عبادت ہے
یہ حامد کیلئے واجب جو اوروں کو نوافل ہے

سلام

طرح :- جی بھر کے شباب علی اکبر نہیں دیکھا

کیوں جائیں کہیں کیا درِ حیدر نہیں دیکھا ۔۔۔ کیا مانگتے جبریل کو اکثر نہیں دیکھا

اک بار بھی سر جسکا جھکا خاکِ نجف پر
پھر پاؤں کبھی اس نے زمیں پر نہیں دیکھا

جس نور کے اللہ نے دو نصف کئے ہوں
ایسا کوئی عالم میں برابر نہیں دیکھا

ماں اُم ابیہا تو نواسہ سے ہیں نانا
یوں آلِ پیمبر سے پیمبر نہیں دیکھا

پروان چڑھیں جس میں رسالت و امامت
شعبِ ابی طالب کے سوا گھر نہیں دیکھا

دیکھے تربت بندۂ زر، غاصب و خائن
دولت کو جو ٹھکرائے ابا ذر نہیں دیکھا

ساغر جو ملا خم کا مکمل ہوئی نعمت
اب ہم تو نہ بولینگے کہ کوثر نہیں دیکھا

تھے اپنا جواب آپ بہتر شہدا ہی
پھر بھی تو جواب علی اصغر نہیں دیکھا

لیلیٰ کو یہی ڈر تھا نظر لگ نہ کہیں جائے
جی بھر کے شباب علی اکبر نہیں دیکھا

دریا میں رہا تشنہ، مگر بحرِ وفا میں
عباس دلاور سا شناور نہیں دیکھا

کھاتی ہے گناہوں کو جو اکسیر تو دیکھی
حامدؔ کے گناہوں کا سا دفتر نہیں دیکھا

منقبت مولائے کائنات

قلبِ مثیم، چشمِ سلماں، نطقِ بوذر چاہیئے
حُبِ حیدر کیلئے اوجِ مقدر چاہیئے

دعویٰ عرفانِ حیدر پھر بھی ممکن تو نہیں
یا لسانِ قدس یا نطقِ پیمبر چاہیئے

پھر سمجھ میں آئیگی کچھ رتبۂ حیدر کی بات
پہلے دنیا کیلئے ادراکِ قنبر چاہیئے

شام رد شمس نے یوں تو بتایا کچھ پتہ
ملکِ حیدر دیکھنے کو صبحِ محشر چاہیئے

نوح و ابراہیم کی مشکل ہو یا خیبر کا باب
عقدۂ مشکل جہاں ہو دستِ حیدر چاہیئے

نور کے اک نصف کی ہے میہمانی رب کے پاس
میزبانی کیلئے پھر نصفِ دیگر چاہیئے

جمع بیتِ سیدہ میں پنجتن ہیں اسلئے
آیۂ تطہیر کو زہرا کی چادر چاہیئے

جوہرِ معصومیت اک وصف ہے خود عینِ ذات
عصمتِ مطلق کو تخلیقِ مطہر چاہیئے

راکبِ دوشِ نبی بالائے منبر چاہیئے
ذاتِ پیغمبر کی جا نفسِ پیمبر چاہیئے

صاف ہے قرآں، رسالت سے امامت کم نہیں
جب نبی دیں جائزہ، لینے کو ہمسر چاہیئے

ہے محمد کے گھرانے کو عروجِ لا زوال
جا محمد کی محمد ہی مکرر چاہیئے

منقطع جب ہو رہی، دورِ رسالت ختم ہو
خود وحی کے بھیجنے والے کا مظہر چاہیئے

ساکن و مشہودِ مسجد، مولدِ بیتِ خدا
جسکا سب کچھ ہو خدا، ایسا رہبر چاہیئے

ہے یہی آخر وجہ وعین و نفس رب بندہ کوئی
فہم انسانی کی خاطر حق کا پیکر چاہیے

فرض ہر فرد بشر پر ہے جو حق کی پیروی
حق یہ کہتا ہے نشانِ پائے حیدر چاہیے

مرکزِ ایمانِ مومن، مالکِ مرضیٔ حق
اے مسلماں اور کیا اب اس سے بڑھکر چاہیے

کھل کے رہ جائے اولی الامرانِ کاذب کا بھرم
بیعتِ غاصب پہ بس سرور کی ٹھوکر چاہیے

ہے محمد کا یہ لشکر، جان لیں اعدائے دین
حجتِ آخر کو ہمشکل پیمبر چاہیے

قبل اور بعد شہادت نصرتِ شبیر کو
بھائی تو عباس سا، زینب سی خواہر چاہیے

جب اٹھے حامد قیامت میں تو غم میں شاہ کے
سینہ کوباں، چشم گریاں، خاک برسر چاہیے

منقبت

مدحتِ آلِ عبا جب مری تقدیر بنی
بزمِ انوار کے قابل مری تحریر بنی

فردِ عصیاں مری محشر میں مُعرا نکلی
حبِّ حیدر جو مری کاتبِ تقدیر بنی

اہلبیت نبوی خود تھے مجسّم قرآں
سیرت انکی ہے جو قرآن کی تفسیر بنی

آیتِ اَنفُسَنَا آئی جو میداں میں گئے
آئے جب زیرِ ردا آیتِ تطہیر بنی

جمع تھے یوں تو نبی و علی حسنین سبھی
فاطمہ کا ہے شرف مرکزِ تطہیر بنی

ان کی الفت کو خدا نے کیا شرطِ ایماں
یاد انکی ہے دعاؤں کی جو تاثیر بنی

ظالموں کو نہیں قرآن خسارہ کے سوا
حَسبُنا کہتے ہی خود صورتِ تکفیر بنی

خانۂ آلِ نبی ہوگیا یکسر تاراج
تب کہیں دیں کیلئے صورتِ تعمیر بنی

تیغ و خنجر کیلئے تھا جو گلوئے شبیر
تیر و پیکاں کیلئے گردنِ بے شیر بنی

جبکہ تھے قافلۂ شہ کے محافظ عباس
شام سالارِ حرم زینبِ دلگیر بنی

بھائی عباس سا کب چشم فلک نے دیکھا
کب کوئی زینب و کلثوم سی ہمشیر بنی

طوق و زنجیرِ امامت کو جکڑ کیا سکتے
تھی امامت کہ جو خود پاؤں کی زنجیر بنی

روشنی داغِ عزا کی ہی تو ہے اے حامد
ظلمتِ قبر میں جو موجبِ تنویر بنی

منقبت مولائے کائنات

جس ہاتھ میں بھی دامنِ آلِ عبا رہا
خُلدِ بریں سے سلسلہ اُسکا مِلا رہا

پلٹایا جس نے شمس ہم اُسکے ہیں ذکر کیا
محشر میں آفتاب جو سر پر بھی آ رہا

مولا مرا امیرؑ میں پہنچا بہشت میں
کاتب غریب فردِ گُنہ دیکھتا رہا

روکیں حسینؑ کہہ کے ہنسیں کہہ کے یا علی
اپنی تو زندگی کا یہی مُدعا رہا

وصفِ علی برونِ حدِ انبیا رہا
سردارِ انبیا رہے واقف خدا رہا

پروازِ عقلِ انس و ملک کب پہنچ سکی
کیں کوششیں ہزار، مگر فاصلہ رہا

فکرِ نُصیری کچھ سہی ہے اعترافِ عجز
حدِ تعینات سے وہ تو ولا رہا

مظہر پہ کھا کے دھوکا نُصیری گناہ گار
منصور خود کو کہہ کے خُدا بے خطا رہا

بستر پہ عرش در پردہ قدرت میں ایک ساتھ
مولا مُحیطِ ارض محیطِ سما رہا

جن و ملک کے سجدے یہیں پر ہوا کئے
مشکل میں انبیا کا یہی آسرا رہا

آدم سے تا مسیح تھا خفیہ ہر اک کے ساتھ
ختمِ رسل کے ساتھ تو پھر بر ملا رہا

کونین کے پرکھ لئے جب انس و جن و ملک
جبریلؑ کی زبان پہ بس لا فتیٰ رہا

قدرت کو چین کب رہا ذکرِ علی بغیر
گہہ ہل اتیٰ زبان پہ گہہ قل کفیٰ رہا

سرگوشیٔ علی پہ تھا آیت کا انحصار
مُنہ سب کا بند اور درِ نجویٰ کھلا رہا

خیبر کو اپنی فتح خدا نے کہا ہے صاف
دستِ خدا کے پردہ میں یعنی خدا رہا

ہوتا ہے نفس تو بشریت کا لازمہ
پھر نفس دے کے وجہِ خُدا کہتے کیا رہا

کشتی کو اپنی چھوڑ دو اُسپر ہی بھائیو
طوفان میں جو نوحؑ کا بھی ناخدا رہا

اس در کو چھوڑ کر کہاں کھاؤ گے ٹھوکریں
وہ در جو دشمنوں کے لئے بھی کھلا رہا

رہیتم کے ہاتھ پیر کٹے کب رکی زباں
قاتل خود اسکے سامنے بے دست و پا رہا

قرآں سے خسارہ برارت رسولؐ سے
واللہ کیا معاملہ حسبنا رہا

اُنکو یقینِ آخرت آتا تو کس طرح
جو خود کہیں رسول پہ شک بار ہا رہا

بھاگے جبل کو بڑھتے ہوئے فرس فارجو
میداں میں انکے دیں کا جنازہ پڑا رہا

اسلام اسکے باپ کی میراث جیسے ہو
ہر دشمنِ علی بھی مسلماں بنا رہا

نکلی ہے کربلا میں خبر اسکی آن کر
اے غافلو سقیفہ ہی تو مبتدا رہا

پیاسے شہید گو ہوئے اے ناصرانِ حق | تقدیر میں تمہاری تو آبِ بقا رہا
عابد کے حلم و صبر کے قربان جائیے | گردن میں طوق نظم زمیں زیر پا رہا
تھی زندگی مجاز، حقیقت تو موت تھی | یاں تو علی کا دھیان وہاں سامنا رہا

حامد کو مولا آپ ہی اب بخشوائیے
گو لاکھ ناسزا ہو غلام آپکا رہا

منقبت

شایانِ علی عرشِ معلیٰ نہیں ہوتا | قوسین کی منزل میں بھی پردا نہیں ہوتا
اللہ کے ہوں وجہ و ید و نفس و لساں عین | یارب یہ بشر کا تو سراپا نہیں ہوتا
جب ہاتھ میں اللہ کے ہو امرِ خلافت | پھر غیر ید اللہ خلیفہ نہیں ہوتا
داغِ غم شبیر کا کیا نور بیاں ہو | اسکے تو مقابل یدِ بیضا نہیں ہوتا
ہوتی جو نہ زینب کہیں مامور من اللہ | شبیر کا مقصد کبھی پورا نہیں ہوتا
زنداں کے اندھیرے میں یہ کہتی تھی سکینہ | یہ شام ہے کیسی کہ سویرا نہیں ہوتا
سن لیں جنھیں لاحق ہیں مرض دیں کے بہتر | جز خاکِ شفاان کا مداوا نہیں ہوتا

حامد سحر و شام جتاتی ہیں نمازیں
جب تک نہ تبرا ہو تولا نہیں ہوتا

منقبت مولائے کائنات

نہ افکارِ زباں سے گو رہی تاب و تواں باقی | علی کا نام لیتا جائے جب تک جاں میں جاں باقی
خدا و انبیا انس و ملک کرتے ہی آئے ہیں | جو کرنا تھا بیاں وصفِ علی سو ہے بیاں باقی
خدائی شان ہے کیا چیز خیبر کھلا آکر | رسولانِ سلف گزرے مگر تھا امتحاں باقی
کہاں مخلوق ہوتی واقفِ آوازِ ربانی | ہے گفتارِ علی ہی سے تو خالق کی زباں باقی
علی قرآن ناطق، حق علی کے ساتھ چلتا ہے | ہے رفتارِ علی سے سنتِ رب کا نشاں باقی
ہوئے پیدا ابھی کعبہ میں نکالے بت بھی کعبہ سے | علی ہی سے تو ہے شانِ مکان لامکاں باقی
پلٹ کر شمس نے آکر ستارہ نے کیا ظاہر | ہے کسکی ذات سے نظمِ زمین و آسماں باقی
نہ تھے کون و مکاں بھی تو علی تھے اور علی ہونگے | نہ ہوں گے جب زمین و آسماں کون و مکاں باقی

وہ آیت بھی خدا کی وجہ وید نفس و زباں بھی ہے
نہاں باقی وہاں رب ہے علی ہے یا عیاں باقی

احد احمد میں پردہ میم کا یہ کیا معمّہ ہے
نہیں وہ بھی علی کے اور علی کے درمیاں باقی

حقیقت مصطفےٰ و مرتضیٰ کی کس لے جانی ہے
رہے گا تا ابد اہل خرد یہ چیستاں باقی

علی کو سوچنے میں گو میں گزرا حدِّ امکاں سے
بہت کچھ رہگیا پھر بھی مرے دلمیں گماں باقی

نصیریّت بھی اک فکرِ رسا کا نہج ہے واعظ
ہے جنکی فکر کج ان کے لئے ہوگا زیاں باقی

علی کا نام نامی مثلِ نام حق کے گونجیگا
رہیگی جب تلک نام خدا صوت اذاں باقی

جو شیعہ ہیں محمّد کے تو ہے انکو قیامت تک
وجودِ قائم آل محمّدؐ سے اماں باقی

نہیں گنجائشِ حرصِ متاع و اقتدار اب تو
مسلمانو رہیگا کب تلک خواب گراں باقی

نہ ہو خوش قطعِ اعضائے ذرا تو صبر کر قاتل
ابھی تو ہے پئے تصدیق میثم کی زباں باقی

گلوئے خشک پر خنجر کا چلنا یاد کرنے کو
زمین کربلا پر رہگیا آب رواں باقی

دکھانا ہے ہمیں داغِ غمِ شبیر محشر میں
ابھی چھٹنے ہیں سینے ہے ابھی تو خونچکاں باقی

حسابِ دوستاں در دل نبٹ ہی جائیگا لیکن
سرِ محشر چکانا ہے حسابِ دشمناں باقی

ملینگے دستِ خالق سے حسین ابن علیؑ دولہا
کرو رقص اے فرشتو ہے براتِ عاشقاں باقی

تجلّی سے بنِ زہراؑ کی ہیں جن و ملک بیخود
نہ حوریں ہوش میں ہیں نے حواسِ قدسیاں باقی

نکل حامدؔ بنِ شبیر لیکر اک حجازی دف ✽
موالی میں شہِ دیں کے رہے تیرا نشاں باقی

منقبت

یوم انیس کے موقع پر کہی ہوئی منقبت کا طرح مصرع : "خاکِ شفا ہے درد کا درماں بنی ہوئی"

ہو حبّ پنجتن میرا ایماں بنی ہوئی
یادِ حسینؑ حرز رگِ جاں بنی ہوئی

کیوں خم نہ ہوں حضورِ علی انبیاء کے سر
خم میں نبی کی بات ہے بُرہاں بنی ہوئی

والنجم ذرّہِ شمس ہیں قدرت پہ اسکی دال
ہے ہر دلیل مہرِ درخشاں بنی ہوئی

لہجہ علی و رب کا مماثل زباں بھی ایک
گفتار بھی ہے آیتِ قرآں بنی ہوئی

میرا تو ہے امام علیؑ کلّ شئے قدیر
ہے کائنات تابعِ فرماں بنی ہوئی

منزل ہے اسکی عالم وحدت خدا گواہ
قوسین بھی ہے حیطۂ امکاں بنی ہوئی

نوٹ :- کالج کے زمانہ میں یہ گنہگار طبلہ وغیرہ اسی قسم کے آلاتِ موسیقی کا ایک طرح کا ماہر سمجھا جاتا تھا اور بطور فن چھ سال تک سیکھا بھی تھا یقین واثق ہے کہ اب میرے اس دلی تمنا کی بنا پر میرے آقا حسینؑ میری پچھلی خرافات کی تلافی کروا دیں گے۔

دھوکا نہ ہو خدائی کا ہے عقل سے بعید
ذاتِ علی ہے پیکرِ یزداں بنی ہوئی

ہے سجدہ گاہِ جن و ملک درگہ نجف
ہے مور اس گلی کی سلیماں بنی ہوئی

مدحِ علی کا طور بھی مثیم سے سیکھئے
کٹتی رہے زبان ثنا خواں بنی ہوئی

جز جلوۂ علی نظر آئے نہ تا ابد
آجائے موت دیدۂ سلماں بنی ہوئی

نورِ چراغ داغ ہے، ظلمت یہاں کہاں
میری لحد ہے رشکِ چراغاں بنی ہوئی

کس شان سے میں آؤں گا محشر میں دیکھنا
حبِّ علی نجات کا ساماں بنی ہوئی

بندہ ہوں اس کا جس نے خریدی رضائے حق
میرے لئے بہشت ہے ارزاں بنی ہوئی

ٹلتا ہے دیکھئے دقفِ حصہ یہ کون کون
امّت ہے ساری یوں تو مسلماں بنی ہوئی

دستِ خدا کے نام سے اسکو سنوار لو
کیوں زندگی ہو خوابِ پریشاں بنی ہوئی

جب آگیا زباں پہ مشکل کشا کا نام
آتی ہیں مشکلیں نظر آساں بنی ہوئی

ایمان اور نفاق کا فرق اسپہ منحصر
ذاتِ علی ہے دیں میں فرقاں بنی ہوئی

منکر تو بچ کے جائے گا اس پار سے کہاں
ضربِ علی ہے دیں پہ احساں بنی ہوئی

تقسیمِ خلد و نار بھی دستِ خدا سے ہے
ہے ذوالفقار حشر میں میزاں بنی ہوئی

حامد عزیز جسکو ہو ایماں کی زندگی
حبِّ علی ہو زیست کا عنواں بنی ہوئی

یادِ انیس بھی ہے انیسِ مشامِ جان
ہے مرثیوں کی مہک گلستاں بنی ہوئی

منقبت

محیطِ کلِ شئے جو ہو امامت اسکو کہتے ہیں
مُقر ہوں انبیاء جس کے ولایت اسکو کہتے ہیں

ہوں خلقت، نور، روح و نفس و جاں عزم و عمل واحد
رسالت اور امامت کی رفاقت اسکو کہتے ہیں

کئے اک نور کے دو نصف اک منذر تو اک ہادی
خدا لاریب عادل ہے عدالت اسکو کہتے ہیں

نہیں بنتا ہے خود نائب، نیابت اصل دیتا ہے
نبی کی ہو عطا کردہ نیابت اس کو کہتے ہیں

نبی خود بھی جو کرتا ہے وہ حکمِ رب سے کرتا ہے
بنا جسکی ہو امرِ رب خلافت اس کو کہتے ہیں

نتیجہ ہو کسی سبحان کی تطہیر کامل کا
ہے قولِ انّما شاہد طہارت اس کو کہتے ہیں

شکایت ہے بہنے شاکی کو پیغمبر کہے کاذب
ہو جس سیرت پہ یہ ایقان عصمت اسکو کہتے ہیں

جو دے مَن عندہٗ علم الکتاب اور شاہدٌ منہ
گواہی دو مسلمانو شہادت اس کو کہتے ہیں

سلونی قبل ان تفقدونی عام ہے دعوت — ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن یہ ہے ہدایت اسکو کہتے ہیں
نہ انعام وصلہ ہے یہ، نہ بخشش اور عطا ہے یہ — ہے مَنْ یَّشْرِیْ کا سودا ملکیت اسکو کہتے ہیں
جو ابنائے پیمبر کا ہو والد ابن عمؐ داماد — قرابت ڈھونڈنے والو قرابت اسکو کہتے ہیں
جو ہو دُنیا میں قائم اور رہے عقبیٰ میں مستحکم — ارے بھائی ذرا سمجھو اُخوت اسکو کہتے ہیں
فرشتے لافتیٰ بولیں، تو حق بنیانٌ مرصوص — نبی نادِ علی کہدیں شجاعت اسکو کہتے ہیں
جو بھوکا رہ کے مسکینوں یتیموں قیدیوں کو دے — اُتر کر ھل اتیٰ بولی سخاوت اسکو کہتے ہیں
زمیں ٹکتی نہ تھی پاؤں تلے خورشید خاور کے — نکل کر غرب سے بولا کرامت اسکو کہتے ہیں
محبانِ علی سب سرخرو، دشمن کا مُنہ کالا — یہ جس دن ہونیوالا ہے قیامت اسکو کہتے ہیں

علیؑ کے ذکر سے حامدؔ نہ ہو کوئی نفس خالی
نبی کا قولِ فیصل ہے عبادت اسکو کہتے ہیں

منقبت

جو سنا کُنْتُ نَبِیًّا تو قِدَم یاد آیا — کُنْتُ مَوْلَا جو پڑھا لوح و قلم یاد آیا
پھر سے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے نبی نے خُم میں — دوشِ اقدس پہ علی کا جو قدم یاد آیا
رب نے قرآن میں اک اور اُتاری آیت — ہاتھ کی اپنے جو خیرات و درہم یاد آیا
بھولے جبریل فرشتے نہیں کھایا کرتے — درِ مولا کا بہت خوانِ کرم یاد آیا
رب کی تصویر مجسم جو علیؑ کو دیکھا — پھر نصیری کو خدا ہی نہ صنم یاد آیا
مُنہ ہے کیا فاتح خیبر سے ملائیں وہ آنکھ — جن کو میدان میں قدم رکھتے ہی رم یاد آیا
کوہِ غم کاہ ہوا، دَم جو کیا نادِ علی — تا دمِ زیست نہ اپنا غم و ہم یاد آیا
عیدِ قربان و صیام آتے رہے جاتے رہے — کونسا دن تھا نہ جو شاہ کا غم یاد آیا
بھر گیا آنکھوں میں خنجر جو لیا نام حسینؑ — اور حسنؑ کا جو لیا نام تو سم یاد آیا
وجہ کیا ہے جو نظر میں نہیں بھرتا محشر — کونسا معرکہ اربابِ ہمم یاد آیا

مست حامدؔ جو نظر آیا پر دنیٔ محشر
ساقیٔ خم وہ ترا دستِ کرم یاد آیا

منقبت

ہے وہ اُلفت تری سینہ میں چھپائے نہ بنے
یا علی نام ترا لب پہ نہ لائے نہ بنے

لا فتیٰ کہتے ہیں جبریلِ نبی نادِ علیؑ
لبِ قدرت کو جز آواز ملائے نہ بنے

سب کے مولا ہیں علیؑ جن کے محمدؐ مولا
عیسےٰ و موسیٰ کو اقرار نہ لائے نہ بنے

فاطمہ ٹھہریں جو سردار نسائے عالم
مریم و سارہ کو دہلیز سے جائے نہ بنے

بن کے جبریل یہاں آنا گدا و مسکیں
چکی پیسے ہی بنے جہد تھکائے نہ بنے

مَلَکُ الموت نہیں قصرِ سلیمان سنبھلو
گھر محمد کا ہے بے اِذن تو آئے نہ بنے

دین و ایماں کی طلب ہے تو چلو بابِ نجف
در یہ وہ در ہے کہ جس در پہ بن آئے نہ بنے

پی بھی لو کھول کے دلِ جامِ ولائے حیدر
دل تو کہتا ہے مگر منہ سے لگائے نہ بنے

وجہہ دید نفسِ خدا خود جو نہ سمجھا حامدؔ
آنکھ پھر کیسے نصیری سے چرائے نہ بنے

منقبت

ہوا ظاہر رسول اللہ کی تعظیم دُختر سے
ہے عظمت آیۂ تطہیر کی زہرا کی چادر سے

لگانے پار بیڑا آ گئے اسلام کا سرور
نفاق و کفر کا پانی جو اُونچا ہو گیا سر سے

حسینیت ہے گردِ اسلام کے اک قلعۂ آہن
نہ بگڑے گا یزیدیت کی اب کچھ بادِ صرصر سے

یداللّٰہی کے دو جنبے ہیں روحانی و جسمانی
کھلا معراج میں عقدہ نمودِ دستِ حیدر سے

اُصولِ پیروئ حق کو ہم نے منقلب دیکھا
ہوا معیارِ حق قائم نشانِ پائے حیدر سے

ملا ہے دامنِ میدانِ خُم گلزارِ جنت سے
مئے خُم کی مہک آتی ہے یکسر جام کوثر سے

علاج اسکا فقط ہے مرہم اشکِ عزا حامدؔ
غمِ سرور میں دل پر جو چلا کرتے ہیں نشتر سے

نام رہ گیا

بن کر ہی دینِ حق کا ہر اک کام رہ گیا
مولا کا میرے حشر تلک نام رہ گیا

مولا کو جدّ و جہد سے فرصت ہی کب ملی
صورت ہی دیکھتا ہوا آرام رہ گیا

رو بہ صفت تھے جتنے بھی بھاگے جہاد سے — دینِ مبین کی فتح کر ضرغام رہ گیا

جو بت پرست رہ چکے کیا بُت وہ توڑتے — اس کام کو بھی کا سرِ اصنام رہ گیا

اسکا جواب کون ابد تک بھی دے سکے — جو دعویٰ سلونی سرِ عام رہ گیا

کر لیں وہ غور خطبۂ بنتِ رسولؐ پر — دل میں اگر کسی کے کچھ ابہام رہ گیا

دیکھو تو حالِ دشمنِ آلِ رسول کا — خود نام ہو کے داخلِ دشنام رہ گیا

حبِ علی کی دولتِ عظمیٰ یہاں ملی — پھر آخرت میں خلد کا انعام رہ گیا

قسمت تو مے کشانِ غدیری کی دیکھئے — کوثر کا واں بھی ان کیلئے جام رہ گیا

اب فکر کیا ہے گردشِ لیل و نہار کی — ذکرِ علی جو صبح سے تا شام رہ گیا

صبر و ثبات و عزم مجسم حسینؑ ہے — یہ نام وہ ہے جن کے جو پیغام رہ گیا

پلٹا دیا حسینؑ نے مثلِ ابو تراب — جب آفتابِ دین لبِ بام رہ گیا

پیدائشِ حسینؑ ہے حق کی حیاتِ نو — اسکے ہی تو طفیل میں اسلام رہ گیا

برزخ کی فکر کرے تو حامد جو بن پڑے
جنت کا در سمجھ لے کہ دو گام رہ گیا

منقبت

بروزِ حشر نئی آب و تاب لے کے چلے — جبیں پہ خاکِ درِ بوتراب لیکے چلے

نظر یہ وجہہ خدا پر نہیں مری بے وجہہ — ازل سے ہم نظرِ انتخاب لیکے چلے

ترابیوں کے نہ پیچھے چلیگی کیوں جنت — کہ خود ہی حق جو رہِ بوتراب لیکے چلے

من الکتاب رہا علم انبیاء پہ علیؑ — کتاب کہتی ہے علم الکتاب لیکے چلے

فریب بے خبروں کو دلا کے منزل کا — کدھر کدھر نہ یہ خانہ خراب لیکے چلے

ہے ناگزیر سوال ولایتِ حیدر — خدا کے سامنے منکر جواب لیکے چلے

صراط پر سے گئے جھومتے وہ مستانے — غدیرِ خم سے جو جامِ شراب لیکے چلے

جواں گماں علی اکبر جو آئے میدان میں — رسولؐ کیسے نیا پھر شباب لیکے چلے

میں کروں نزع میں نظارہ اپنے مولا کا — اجل ذرا سرِ منزل شتاب لیکے چلے

سنا یہ جب کہ مرا ہے غلامِ حیدر کا — فرشتے قبر پہ مشک گلاب لیکے چلے

عزا کے داغ نے ظلمت کو کر دیا کافور — کفن میں ہم بھی تو اک آفتاب لیکے چلے

یہ ہوں نہ ہوں ہیں غلامانِ عترتِ اطہار
وہ دیکھو ساتھ رسالت مآب لیکے چلے

پکارا حبِ علی نے وہیں دقفوھم
فرشتے میرا جو حامد حساب لیکے چلے

منقبت مولائے کائنات

یا علیؑ ہم تجھے اِک رازِ خُدا کہتے ہیں
ہاں بس اتنا ہے کہ امکاں سے ورا کہتے ہیں

معنیٔ کشف آخر سرِ معراج کھلے
یاں وہ پردہ نہ اٹھا جسکو غطا۔ کہتے ہیں

کسکی آتی ہے پسِ پردہ سے یارب آواز
جسکو سُنتے ہی نبی صَلِّ علی کہتے ہیں

نقشِ پا مہرِ نبوت پہ ہو جسکا غالب
عقل حیراں ہے کہ اُس ذات کو کیا کہتے ہیں

منہ ہے کیا شانِ خدا کہہ کے جو ہم اترائیں
کہنے والے تو اُسے رَبِّ عُلا کہتے ہیں

آپ دھوکہ ہیں تو خود ہیں کہ علی کو سمجھے
لطف یہ ہے کہ نُصیری کو بُرا کہتے ہیں

جسمِ ظاہر سے نہ کھاؤنگا کبھی میں دھوکہ
وہ تو محشر میں کھلیگا اُسے کیا کہتے ہیں

یا علیؑ تجھ پہ ہے موقوف جو ہر امرِ خُدا
ہم تجھے لازمۂ ذاتِ خُدا کہتے ہیں

سجدہ کیونکر نہ کریں نقشِ قدم پہ اُسکے
انبیا تک بھی جسے راہنما کہتے ہیں

نوح و آدم کی زباں پر بھی یہی نام رہا
"یا علیؑ" خودشہِ لولاک لما کہتے ہیں

گتھیاں اُسکے حوالہ ہیں مری قسمت کی
اِنس و جن سب ہی جسے عقدہ کشا کہتے ہیں

قاسمِ رزق یہاں، واں ہے قسیم جنت
کیا غلط ہے جو شہ ہردوسرا کہتے ہیں

جب نہ تھی بیع و شریٰ مرضیٔ خالق ہوگی
اب تو وہ ہے جسے حیدر کی رضا کہتے ہیں

حج میں مقصود ہے دراصل طوافِ حیدر
گھر علی کا ہے جسے بیتِ خُدا کہتے ہیں

خضر بولے جو کیا طوفِ مزارِ حیدر
اسکو رشکِ سفرِ شیعہ سما کہتے ہیں

زور بازوئے علی دیکھا جو روزِ خیبر
بولے جبریل اسے دستِ خُدا کہتے ہیں

بولا خورشید کہ قدرت کا ہے قانون ضرور
حکمِ حیدر کو مگر اس سے سوا کہتے ہیں

بول اُٹھے کاتبِ تقدیر جو پہنچا میں نجف
مرحبا! اسکو ہی تقدیر رسا کہتے ہیں

مجھ سے عاصی کے گنہ جل کے ہوئے خاکستر
حُبِّ حیدر کا اِسی کو تو صلا کہتے ہیں

فخر حامد کو یہ سو پشت سے ہے کافی مولا
اہلِ ایماں ترے در کا جو گدا کہتے ہیں

منقبت

مسلماں کی نہیں پہچان بس اللہ اکبر سے
ہے ارشادِ پیمبر جانچ لینا نام حیدر سے

ولایت پر ہوا اتمام جسکی، نعمتِ حق کا
یہ وہ دولت ہے جو ہمکو ملی اللہ کے گھر سے

علی کے دشمنوں سے سخت رہنا ہو گیا واجب
اشارہ مل گیا جب آیۂ بلغ کے تیور سے

نہیں اصحاب سے نفرت ہمیں، اصحاب ہوں بھی تو
نظر کتنے نہ آئے مختلف سلمان و بوذر سے

صحابہ ہی رہے کب دبر وئے قولِ پیغمبر
سرِ محشر ہنکائے جائینگے جو حوضِ کوثر سے

درود و استغفار و لعن ہے، اللہ کی سنت
ہے عامل اسپہ فرقہ کونسا دیکھو تہتر سے

جو لینا ہو تو اِس گھر سے، جو مانگو تو اسی در سے
عطا ہے دستِ خالق کی ملے جو دستِ حیدر سے

تفاوت کھل گیا، حکمِ علی ملکِ سلیماں کا
سلیماں کی تھی خاتم اک زکواۃ انگشتِ حیدر سے

صراطِ حشر سے گزریں علی والے تو حیرت کیا
ہوا کسطرح لشکر پار پوچھو بابِ خیبر سے

علی کیا ہے، نہیں کیا ہے، کھلیگا یہ تو محشر میں
کہیں دھوکہ نہ کھا جانا علی کے جسم ظاہر سے

علی کے حکم پر حامد مقدر بھی پلٹتے ہیں
ہوا افشا یہ رازِ زندگی خورشیدِ خاور سے

منقبت

بے دست و پا ہے دین جو دستِ خدا نہیں
ہے راہ گم علی کا اگر نقشِ پا نہیں

ہے اس طرف نبی سے اُدھر رب سے اتصال
کیا جو نبی کا نفس ہے نفسِ خدا نہیں

محشر میں بھی نبی و علی ساتھ ساتھ ہیں
کیا دونوں ہی کو حکمِ خدا اَلقِیَا نہیں

حیدر کا در کھلا ہے، کھلے دل سے آو گر
ہاں "فِی قُلُوبِہِم مَرَضٌ" کی دوا نہیں

مظہر بنانے والے کا حامد یہ ہے کمال
دھوکا اگر میں کھاؤں تو میری خطا نہیں

منقبت

سرِ محشر جو نورِ عشر و اربعہ ایک جا ہوگا
نہ جانے حال "مَن تحتَ الکِسا" والوں کا کیا ہوگا

میرے مولا کا عالم دیدنی ہوگا قیامت میں
جو ہاتھوں میں لوا، نقشِ نبوت زیرِ پا ہوگا

عجب کیا ہاتھ میں فرزند کے دیدیں لوا مولا
کہ حق اسپر علمدار حسینی کا سوا ہوگا

عزادار حسینی مطمئن ہیں، ذکرِ وحشت کیا
کہ پورا آج ہی تو وعدۂ خیر النساء ہوگا

نبی بتلا گئے، ہوگا، نہیں، پرسایۂ رحمت
کہ جنکے ہاتھ میں بھی دامنِ آلِ عبا ہوگا

چمکتے ہوں گے کچھ چہرے تو کچھ کالے بھی منہ ہونگے
غدیری سے سقیفائی بہ ہر صورت جدا ہوگا

فرشتو ہم یداللّٰہی ہیں، ہم خود ہی نبٹ لینگے
جو محشر میں علی کے دشمنوں کا سامنا ہوگا

نہ ہو کیوں قبر میں مومن کی منظر روزِ روشن کا
کہ سورج جسنے پلٹا یا وہ خود جلوہ نما ہوگا

ترے بندے نہ کیوں ہوں بے نیازِ خلد اے مولا
ترا جلوہ ہی مومن کیلئے نعم الجزا ہوگا

ملیگی جا بجا مدحِ علی آیاتِ قرآں میں
کہیں پر قل کفیٰ، گہہ انما و ھل اتیٰ ہوگا

یہ بولے نوح، اے اہلِ سفینہ، اب نہ گھبراؤ
کوئی دستِ خدا کشتی کا میری ناخدا ہوگا

خدا کا دیکھ کر مظہر بھی جو منکر علی کا ہو
تو پھر سمجھو ولادت کا یہ اسکی اقتضا ہوگا

جو میں بندہ علی کا ہوں، نصیری کا علی رب ہے
تو پھر بندے خدا کے حجتِ لفظی سے کیا ہوگا

یقیں کسکو یہ آتا، آگ اور پھر خانۂ زہرا
سرِ کلثوم و زینب اور بلوے میں کھلا ہوگا

زمانہ کو جو دیکھا ہوگا مضطر زخمِ اکبر پر
یہ بھالا تو پیمبر ہی کے سینہ میں لگا ہوگا

عطش سے وہ زباں نکلی ہوئی ننھے سے ہونٹوں پر
نشانہ تیر کا، ایسا بھی کوئی بے خطا ہوگا

غلاموں کی اسی تو سوچ میں عمریں گزرتی ہیں
شہِ مظلوم پر رونے کا حق کیونکر ادا ہوگا

اٹھینگے بس اسی عالم میں حامدؔ ہم تو محشر میں
زباں پر یا علی دل میں نہاں داغِ عزا ہوگا

خلافت

ٹھوکر جو خلافت نے غلط راہ پہ کھائی
حیدر کے قدم چوم کے پھر راہ پہ آئی

غاصب یہ سمجھ بیٹھے یہ ہے مالِ غنیمت
کیا پوچھنا پھر اہلِ جہاں کی جو بن آئی

اجماع، وصیت، کبھی شوریٰ تو کبھی قہر
کی ایک خلافت میں یہ چاروں کی سمائی

ظالم کی سمجھ میں نہ کبھی خاک یہ آیا
اللہ نے یہ اپنی نیابت ہے بنائی

اترے بھی جو دریا میں تو کھانے لگے غوطے
یہ بھولے کہ بس شیر کی ہوتی ہے ترائی

قدرت نے تو پہلے ہی سے کر رکھی تھی تدبیر
یہ وارثِ قرآں کی وراثت میں ہے آئی

قرآں نے بتایا ہے اولی الامر خلیفہ
مَن کنتُ کی پھر مہر پیمبر نے لگائی

منقبت

کیا جو ذکرِ علیؑ مستجاب ہو کے رہا
بیاں فزوں ترِ مشک و گلاب ہو کے رہا

یہ کھل گیا کہ امامت ہے جز دکل پہ محیط
علیؑ کے حکم پہ ردِ آفتاب ہو کے رہا

تھی انتظار میں جسکے رُکی ہوئی بعثت
وہ زوجِ بازوئے ختمی مآب ہو کے رہا

ثبوت زورِ یداللہ میں مثلِ ریزۂ گل
علیؑ کے ہاتھ پہ خیبر کا باب ہو کے رہا

لسان و آیت و یدٌ نفس و عین و وجہ اللہ
وہ مظہر صفتِ بے حساب ہو کے رہا

خدا کی ذات کا مظہر نُصیریوں کا خدا
وہ عبدیت میں بھی بھر کامیاب ہو کے رہا

شریکِ نور نبی تھا جو نُورِ رَبِّ عُلا
حریم کعبہ میں وہ بے نقاب ہو کے رہا

خدا کے گھر کو ہوئی باب علم سے زینت
علی کا در ہے جو کعبہ کا باب ہو کے رہا

ہزار مدعی بن جائیں پر خلیفۂ رب
وہ ہے جو روزِ ازل انتخاب ہو کے رہا

وہ حکم رب کے ہے مولائے کائنات علی
خمِ غدیر میں جُزوِ کتاب ہو کے رہا

حق آیا مٹ گیا باطل بنائے دین پڑی
حسینؑ سوچے تھے جو انقلاب ہو کے رہا

اڑا کے لشکرِ باطل سے بیگئی تقدیر
شہِ انام کا حُرِ ہمرکاب ہو کے رہا

ہزار حیف کہ بچوں پہ میسر کوثر کے
لبِ فرات مقدر نہ آب ہو کے رہا

ازل سے تھی یہ سعادت مرے لئے حامل
کہ میں گدائے درِ بوتراب ہو کے رہا

منقبت

جز علی کون نبی کا ہوا ہمسر پیدا
یوں تو ہونے کو ہوئے لاکھ پیمبر پیدا

اسکی رفعت کو کہاں چھو گئی پروازِ خیال
جس قدم کیلئے ہو دوشِ پیمبر پیدا

خالق و خلق کے مابین ہو خلقت جسکی
جز علی کب ہوا ایسا کوئی دیگر پیدا

راستہ ڈالدیا عبد سے معبود تلک
جب یہ پیدا ہوا کعبہ میں ہوا در پیدا

صفِ اعدا ہوئی برہم ہوا صفدر پیدا
غم ہے کیا ایک نہیں لاکھ ہوں خیبر پیدا

اسکی گہوارہ میں دیکھو ذرا ہیبت موسیٰ
جسکی انگشت سے مرتے ہوا اژدر پیدا

تا نہ کٹ جائے جہاں ضرب یداللٰہی سے
تھام لینے ہوا جبریل کا شہ پر پیدا

اُحد و خیبر و خندق، جمل و بدر و حُنین
پھر ہی ہیں نہ ہوا پھر کوئی حیدر پیدا
ذوالفقار آج ہے نازاں ہوئے پیدا عباس
غلغلہ ہے کہ ہوا وارثِ حیدر پیدا

ہیں جو مداحِ علیؑ انکا ہے درجہ اعلیٰ
لاکھ ہو جائیں زمانہ میں سخنور پیدا

منقبت

دستِ خدا جو ٹھیرے نہ کیونکر کرے علیؑ
لازم ہے کارِ داورِ محشر کرے علیؑ
ہے بوتراب ارض پہ اور عرش پر علیؑ
ارض و سما کو کیوں نہ مسخر کرے علیؑ
بدر و اُحد ہوں خندق و خیبر ہوں یا بنی
دیجئے ندا کہ معرکہ ہر سر کرے علیؑ
جبریل لافتیٰ نہ اسی پر کہا کرد
ہوں مشکلیں جو اور تو بڑھکر کرے علیؑ
ایمان بن کے گھر دلِ مومن میں بیٹھ جائے
اٹھے تو دینِ حق کو مظفر کرے علیؑ
کشف الغطا جو کہدے تو حیرت میں ڈالدے
گویا ہو پردہ میں بھی تو خشنود کرے علیؑ
اعلان حق بھی کر دیا، حق بھی طلب کیا
کافی یہ کیا نہ تھا جو مکرر کرے علیؑ
گردش میں جسکی عقل نہ ہو ڈھونڈے خود امام
حق جس کے گرد گھومے وہ چکر کرے علیؑ
دیکھیں علی، زباں پہ علی، آنکھوں میں علی
کیا دولت اس سے بڑھ کے میسر کرے علیؑ

حامدؔ کا جینا مرنا ہے سب اس اُمید پر
کنجِ لحد کو آکے منور کرے علی

یا علی

جو دکھلائی خدائی شان ہمنام خُدا ہوکر
بتایا رُتبۂ احمد وصیِ مصطفےٰ ہوکر
دکھائی دست قدرت کی جھلک خیبر و خندق میں
ہوئے معراج میں گویا لسانِ کبریا ہوکر
بنے نفس نبی اسلام کا جب امتحاں ٹھیرا
خدا کے ہاتھ بیچا نفس گاہے مُرتضےٰ ہوکر
امیر اُسکا لقب، اسکی عطا خاتم سلیمانی
فرشتے جسکے در پر مانگنے آئیں گدا ہوکر
نصیری کو تو اُلجھن کچھ نہیں لیکن مرے مولیٰ
مجھے مشکل میں ڈالا عنبہ ہمنام خدا ہوکر

زہے مشکل کشائی اسم اعظم مل گیا حامدؔ
وظیفہ گر دِ اِسم نادِ علی ربِّ عُلا ہوکر

منقبت

ہے گواہی تری تصدیقِ پیمبر کے لئے
تیرا آنا ہے سندِ کعبۂ داور کے لئے

زندگی ختمِ رُسل کو کوئی کیا بخش سکے
تھا یہ مخصوص شرف سبطِ پیمبر کے لئے

شیرِ یزداں کا نہیں ذکر مگر شانِ علم
کم نہ حیدر سے تھی وارثِ حیدر کے لئے

کیا بنے کام فراری ہو جو مقصودِ نظر
ہاتھ کرار کے درکار تھے خیبر کے لئے

رد کنا ضربِ یداللٰہی کا روزِ خیبر
امتحان سخت تھا جبریل کے شہپر کے لئے

کہیں نعرے تھے ہلاکت کے کہیں آبِ حیات
علم خود ذات بنا وارثِ منبر کے لئے

کفوِ معصوم کا کب ہو سکے غیرِ معصوم
بر چنا حق نے ہی محبوب کی دختر کے لئے

وجہ و ید نفس ولسان عین ہیں تیرے یارب
خود وہ کیا ہے یہ بیاں جس کے ہے پیکر کے لئے

نامِ شہ پر نہ ہو کیوں مٹنے کو حامدؔ تیار
ہوں حسینی تو مرا سر بھی ہو خنجر کے لئے

سلام
یا حسین

السلام اے مظہرِ حق اے بہارِ کائنات
اے حسین ابنِ علی اے شاہکارِ کائنات

اولین وآخریں کی سب بہاریں ماند ہیں
اے ریاضِ اصفیا میں نوبہارِ کائنات

چاہ میں یوسف تری ہمارا تیرے ہیں مسیح
جلوۂ حسنِ ازل تو ہے نگارِ کائنات

روح و ریحانِ محمد قرۃ العینِ بتول
جانِ حیدر نورِ داور گلعذارِ کائنات

انبیا کے رخ کا غازہ خون کی سرخی ترے
تیرا چہرہ مظہرِ پروردگارِ کائنات

ورثہ دارِ انبیا و اوصیا و اولیا
اے امامِ دوجہاں اے افتخارِ کائنات

معنیٔ اَبْنَاءَنَا حَبْلُ الْمَتِیْن ذِبْحٍ عَظِیْم
ثقلِ اکبر عروۃ الوثقیٰ مدارِ کائنات

کہیعص و قٓ نٓ و والقلم
آلِ طٰہٰ آلِ یٰسیں اے حصارِ کائنات

وارثِ قرآن اوتی العلم اولی الامر اہلِ ذکر
واقفِ ہر باطن و ہر آشکارِ کائنات

عہدِ طفلی میں تھی جس کا لوحِ محفوظ آئینہ
عالمِ علمِ لدنی رازدارِ کائنات

کھل گیا والعصر سے والفجر اور واللیل سے
ہے اشاروں پر ترے لیل و نہارِ کائنات

شان تیری انما سے پہچان تیری ھل اتیٰ
نام ہے شاہِ شہیداں تاجدارِ کائنات

باپ، ماں، نانا برادر تو خلفِ معصوم سب
عالمِ عصمت کا تو ہے قبضہ دارِ کائنات

ہے تو ہی سردارِ جنت راکبِ دوشِ رسولؐ
زیرِ داماں ہیں ترے سارے کبارِ کائنات

تیرے خادم فطرس و رضوان و جبریلِ امیں
ہے جہانِ قدس میں تو شہریارِ کائنات

بے سہاروں کا سہارا بے امیدوں کی امید
ہادی و مختار عالم ذمہ دارِ کائنات

حق تو یہ ہے مٹ چلا تھا انبیاء کا بھی وقار
ہے شہادت پر تری اب اعتبارِ کائنات

کر کے اپنے دل کے ٹکڑے خاک و خوں میں منتشر
تا قیامت تو نے روکا انتشارِ کائنات

ظلم سے بیزارگی ظالم سے نفرت ہو گئی
تیری مظلومی نے یوں بدلا شعارِ کائنات

دھل گئے اعمال نامے اشکِ غم ایسے دیئے
بن کے تو پیدا ہوا آمرزگارِ کائنات

تو ہے نفسِ مطمئنہ تو ہے کشتیِ نجات
کفر کے طوفان میں ہے تجھ سے قرارِ کائنات

لاکھ ہو یلغار فوجوں کی سواروں کا ہجوم
تیرے آگے گرد ہیں اے شہسوارِ کائنات

یہ ارادہ، عزم، استقلال، قوت، صبر، شکر
دین کے میداں کے مردِ کارزارِ کائنات

انبیاء نے بھی کہاں عاشور سا سجدہ کیا
کون ہے اس شان کا سجدہ گزارِ کائنات

تا قیامت دینِ حق کا بول بالا کر دیا
لے لیا کندھوں پہ اپنے جب سے بارِ کائنات

اپنوں بیگانوں کے لب پر جز ترے کس کا ہے نام
بعد رب تیرا ہے نام اے نامدارِ کائنات

دیکھے اپنا خوں لٹا کر اپنا سارا گلستاں
دیں کی کھیتی کو بنایا لالہ زارِ کائنات

قاسمؑ و اصغرؑ محمدؑ اکبرؑ و عباسؑ و عونؑ
کس کے پاس ایسے ہیں دُرِ شاہوارِ کائنات

کس کے تھے اصحاب ایسے باصفا و باوفا
کب کسی نے پائے ایسے جاں نثارِ کائنات

حکم ہے جن و ملک پر سکہ ہر دل پر رواں
ساکھ پر چلتا ہے تیری کاروبارِ کائنات

آج بھی گلزار ہے آتش ترے زیرِ علم!
ہر جگہ ناطق ہے تیرا اقتدارِ کائنات

ہیں زبور و انجیل توریت و قرآں سب گواہ
دے دیا خالق نے تجھ کو اختیارِ کائنات

دین و ایماں کی قسم آدم سے تا این دم ہمیں
تجھ پہ ہی آیا نظر بس انحصارِ کائنات

حامد عزلت نشیں کو مل گیا جو کچھ وقار
تیرے قدموں کا ہے صدقہ اے وقارِ کائنات

ایک عاصی کی سرگذشت

ایک عاصی کہ جو عقبیٰ سے سدا تھا غافل
سوچنے پر نہ مکافاتِ عمل تھا مائل

عمر گذری تھی گناہوں میں زیادہ اسکی
زُہد و طاعت پہ طبیعت نہ تھی آمادہ کبھی

تھے غرض عیب ہزاروں ہی ہویدا اسمیں
نام نیکی کا بظاہر نہ تھا پیدا اس میں

بات اتنی تھی کہ پڑتی تھی مصیبت جو کبھی
لب پہ بیساختہ آجاتا تھا بس نام علیؑ

اور جو سُنتا تھا کبھی ذکرِ حسین ابن علیؑ
سینہ زن ہو کے بہاتا تھا وہ اشکوں کی جھڑی

یاد کچھ ہوں کہ نہ ہوں آیۂ و حُکمِ قرآں
آیت اجرِ رسالت تھی مگر نوکِ زباں

یک بیک موت جو آئی تو سدھارا عاصی
کام کچھ خیر کے کرتے بھی نہ پایا عاصی

زن و فرزند و اقارب تھے پریشاں اسکے
دوست مایوس نظر آتے تھے بخشائش سے

جب کھلی آنکھ تو دیکھا کہ ہے محشر کا سماں
مردے قبروں سے نکل آتے ہیں افتاں خیزاں

نفسی نفسی کی بھیانک وہ صدا کانوں میں
منظرِ یَومَ یَفِرُّ المَرءُ آنکھوں میں

کہیں جاتے ہوئے رحمت کے فرشتے دیکھے
قہر کے بھی کسی جانب سے فرشتے اترے

تھا زباں پہ جو وہاں نام پکارا عاصی
یا علیؑ کہتا ہوا قبر سے اٹھا عاصی

عالمِ حشر جو عاصی نے یہ برپا دیکھا
کربلا کا اسے میدان معًا یاد آیا

واحُسینا کی صدا دینے لگا وہ پیہم
اور کرنے لگا دل توڑ کے شہ کا ماتم

قبروں سے اور جو عزادارِ حُسینی اُٹھے
جب سنا نام حُسینؑ آگئے گرتے پڑتے

سب نے مل کر کیا شبیرؑ کا برپا ماتم
حشر میں اور ہوا حشر کا نقشہ قائم

ہائے مظلوم کی ہر سو سے صدا آنے لگی
ضربتِ سینہ زنی عرش سے ٹکرانے لگی

خون سے سینوں کے خوناب زمینِ محشر
اثرِ گریہ سے پُر آب وہ چشمِ کوثر

شیون وہ آہ و فغاں شورِ قیامت سے سوا
شورِ زنجیر زنی صُورِ قیامت سے ہُوا

سیلِ اشک آتشِ دوزخ سے گزر جانے لگی
سَردی آہوں کی جو تھی ٹھنڈی ہوا آنے لگی

معجزہ اشکِ عزا کا سرِ محشر دیکھا
ایک اک قطرہ کو طاقت میں سمندر دیکھا

واں جو لینے کو حساب آئے فرشتے رب کے
سُن کے شبیرؑ کا نام ان کے تو چھکے چھوٹے

یاد آیا انہیں فرمانِ خدائے داور
غمِ شبیرؑ ہے ہر ایک عمل سے برتر

قوم پیدا وہ کروں گا مری عزت کی قسم
غم یہ پیارا مجھے ہر ایک عبادت سے ہے
زینتِ عرش مری آنکھ کا تارا ہے حسینؑ
گو بجا ہے جو کہو تم کہ تمہارا ہے حسینؑ
جو کنارا کرے دیکھے کہ میں کیا کردوں گا
غمِ شبیرؑ سے جو دور ہو لعنت کردوں
قہر یا رحم فرشتے تو مقرر تھے وہ
یاد تھے رب کے جو پائے تھے ازل میں تیور
غل ہوا اتنے میں خاتونِ قیامت آئیں
تھا جو شبیرؑ کا ماتم تو علیؑ آ پہنچے
آئے عباسؑ تو تھا شور علمدار آیا
نام بھائی کا جو سن دور سے آئی زینبؑ
واحسینا کی جو کانوں میں صدا آ پہنچی
حور کے ہاتھوں پہ بے شیرؑ ہمک کر آیا
آئی اک چھوٹی سی شہزادی نحیف و بیمار
طوق پہنے ہوئے اک اور بھی بیمار آیا
قاسمؑ و عون و محمدؑ علی اکبرؑ آئے
دیکھا سردارِ رسل کو جو شریکِ ماتم
قوم کو اپنی لئے آئے یہ کہتے موسیٰ
بڑھ کے ہم سب میں سر اپنا کیا شبیرؑ نے پیش
یاد انجیل کے عیسیٰؑ نے دلائے آیات
یسعیاہ، یرمیہ کر اپنے صحیفوں پہ نظر
بولے یونس کہ ہے وہ مردِ مجاہد شبیر
ڈر کے پلٹا تھا جہاں سے میں یہی ارض وہ تھی
رشتۂ جد جو تھا بولے یہ بصد ناز خلیل
جسم و الفاظ تھے ہم روح و معانی شبیر

تا ابد کرتی رہے جو مرے شبیرؑ کا غم
نام قائم ہی مرا اسکی شہادت سے ہے
عاقبت چاہنے والوں کا سہارا ہے حسینؑ
ہم یہ کہتے ہیں ہمارا ہے ہمارا ہے حسینؑ
اس کی ہستی کو دو عالم سے فنا کردونگا
نام تمہارا نہیں گر نہ ملامت کردوں
خود عزادارِ شبیرؑ کے خوگر تھے وہ
سوئے مجلس وہ چلے گریہ کناں خاک بسر
دل جو صد چاک تو پہلو بھی شکستہ لائیں
کیا علیؑ آئے حسنؑ آئے نبی آ پہنچے
وہ جلالت تھی کہ خود عرصۂ محشر لرزا
ساتھ سب بیبیوں کے دوڑتی آئی زینبؑ
ہائے بابا مرے کہہ کہہ کے سکینہ پہنچی
دیکھ زخمِ گلو کونین کو چکر آیا
امِ سلمیٰ نے کہا ہے یہی صغرا ناچار
سن کے آوازِ سلاسل دلِ مومن کانپا
الغرض یہ کہ شہیدان بہتر آئے
سب نبی پہنچے مناتے ہوئے شبیرؑ کا غم
حکم اسی غم کا تو توریت میں تھا رب نے دیا
سر بہ سجدہ ہوئے تھے ہم اسی شبیرؑ کے پیش
ٹھہرا اتر میں ذبیحہ جو لبِ نہر فرات
بولے دی تھی اسی قربانئ اعظم کی خبر
نینوا کی دی بدل جس کے قدم نے تقدیر
اسی لغزش نے دکھایا مجھے بطنِ ماہی
فخر کرتا ہے شہادت پہ تری اسمٰعیل
ہم جو تھے خواب تو شبیر مجسم تعبیر

ٹھیرتی گر نہ مشیت میں تری ذبح عظیم
ذبح طفلی ہی میں ہوتا پسر ابراہیم

آئے دنیا میں تری وجہ رسول اکرم
تب تو فرماتے تھے ہر دم کہ ہیں شبیرؑ سے ہم

غرض اس طرح سے ہر ایک نبی جو آتا
اس شہادت سے رسالت کی سند لیتا تھا

تھا جہاں بھی کوئی شبیرؑ کا غمخوار آیا
دور و نزدیک سے ہر طالب دیدار آیا

ایسی مجلس حرم داورِ باری میں ہوئی
کہ نظیر اس کی ملیگی نہ دو عالم میں کبھی

انس و جن سارے ہی وقف غم شبیرؑ ہوئے
حور و غلمان و ملک رو رو کے دلگیر ہوئے

تھی مگر سب سے جدا آہ و بکائے زہراؑ
مریم و آسیہ ہوتی تھیں فدائے زہراؑ

پرسہ دیتا تھا نواسہ کا محمدؐ کو کوئی
تعزیت دیتا تھا حیدرؑ کو کوئی بیٹے کی

ختم مجلس ہوئی عاصی کا مگر دل نہ بھرا
جز غم شہ نہ کوئی اور اسے مطلب تھا

یوں فرشتے بھی تھے مصروف بکائے شبیرؑ
بہہ گئی آنسوؤں میں فرد گنہ کی تحریر

آئی قدرت کی ندا کس نے بپا کی مجلس
بولے عمال اس عاصی نے بنا کی مجلس

پوچھا غفار نے کیا چاہیئے بول اے عاصی
بڑھ گیا صدقہ مجلس ترا مول اے عاصی

ایسے عاصی پہ فدا زہد کے داعی اکثر
اسکی نیت پہ ہوں قربان بہشت و کوثر

عرض کی عاصی نے کیا عرض کروں نکتہ نواز
میں جو ہوں بندۂ عاجز تو ہے تو بندہ نواز

خوش جو زہراؑ ہوں تو ہو زیست کا حاصل حاصل
خود تری مجھکو ہو خوشنودی کامل حاصل

دل کی یہ بات ہے خواہش نہیں جنت کی مجھے
آرزو ہے تو ہے آقا کی زیارت کی مجھے

آئی شبیرؑ کی آواز کہ غمخوار آجا
آ گلے مجھ سے تو مل میرے عزادار آجا

ہیں ترے اشک یہ مرہم مرے زخموں کیلئے
تیرا نالہ ہے دلاسہ مرے بچوں کیلئے

سن کے آقا کی ندا غش پہ دوڑا عاصی
خدمت حضرت شبیرؑ میں پہنچا عاصی

ارشادِ رسول الثقلین

اَنَا مِنَ الحُسَین

آسمانِ قدس کا مہرِ مبین شبیرؑ ہے
جسکے ہے زیرِ قدم عرش بریں شبیرؑ ہے

قربِ خالق کی فضاؤں کا مکیں شبیرؑ ہے
رحمتِ حق کا نمونہ بالیقیں شبیرؑ ہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیرؑ ہے

مجمع البحرین کا دُرِ ثمین شبیر ہے — جانِ حیدر فاطمہ کا نازنین شبیر ہے
خمسۂ اطہار کا رکنِ رکیں شبیر ہے — افتخارِ اولین و آخریں شبیر ہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

بولا یہ فطرس شفیع المذنبین شبیر ہے — حُر کا کہنا ہے کہ قسمت کا امین شبیر ہے
بولے ختم المرسلین سالارِ دیں شبیر ہے — حق یہ کہتا ہے مری نعم معین شبیر ہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

تاجدارِ ہل اتیٰ و قل کفیٰ و انما — حامیٔ دینِ متیں، حبل خدا، نورِ خدا
کل صفاتِ مصطفےٰ کا آئینہ سر تا بپا — مصطفےٰ فی نفسہٖ خود بر دلیلِ کلنا

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

عفو و رحمت کی صفت میں مظہرِ معبود ہے — مرضیٔ خالق کی تابع جسکی ہستی و بود ہے
زیرِ خنجر جسکے آگے خلق کی بہبود ہے — سوچئے کیا قولِ پیغمبر کا پھر مقصود ہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

ظلم کے بدلے دعا دینا یہ کس سے ہو سکے — تیر کھا کر مسکرا دینا یہ کس سے ہو سکے
کام مظلومی سے یوں لینا یہ کس سے ہو سکے — بیکسی میں روح بھر دینا یہ کس سے ہو سکے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

زیرِ پا کوثر ہو اور تشنہ دہن اصغر رہے — پاس ہو عباس اور شمشیر زیرِ بر رہے
پردہ پوشِ خلق اور ہمشیر بے چادر رہے — شہنشاہِ دو جہاں کنبہ مگر در در رہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

دین کے قالب میں ہے، تو ہی معانی کی طرح — حاصلِ قرآں ہے تو سبع مثانی کی طرح
دین کی کھیتی کو دیکر خون، پانی کی طرح — حق کو پلٹا یا زلیخا کی جوانی کی طرح

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

پوچھئے گہرائیوں میں دل کی بستا کون ہے — ہر غم و حرماں میں دیتا دلاسا کون ہے
ڈگمگاتی ہو جہاں کشتی بچاتا کون ہے — نا امیدی میں امیدوں کا سہارا کون ہے

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

عظمتوں کو اسکی ہم کیا اصفیا سمجھے نہیں — کر گئے سجدے ازل میں گو خدا سمجھے نہیں
مسئلے بھی قولِ نبی یارو ذرا سمجھے نہیں — یہ اسی سے تو نبوت کی بقا سمجھے نہیں

یہ بھی حق ہے رحمت اللعلمین شبیر ہے

یادِ حسینؑ

ماتشاؤن بنی غمازِ اسرارِ حسینؑ
اصل میں ہیں خود مشیت ساز افکارِ حسینؑ

بات بچوں کی نہ جانو وعدۂ طفلی کو تم
ہے قرارِ قلب پیغمبر یہ اقرارِ حسینؑ

طولِ سجدہ سے نبوت نے یہ ظاہر کر دیا
مشارِ قدرت ہے بچپن کا بھی ہر کارِ حسینؑ

جانِ ابراہیم ہے پروردۂ ذبحِ عظیم
نسلِ ابراہیم ہے احسان بردارِ حسینؑ

بڑھ گیا سر بیکسے دیکھا دیں کو جب دم توڑتے
نبضِ دوراں سے تھا واقف قلبِ ہشیارِ حسینؑ

بنگئی شبیرؑ کی مظلومیت یاں ذوالفقار
ہے خدا کی اک جمالی شان پیکارِ حسینؑ

رحمتِ جد قوتِ حیدر وہ صبرِ فاطمہ
کتنے جنبوں کا تھا حامل ایک کردارِ حسینؑ

خشک ہونٹوں پر دعا آنکھوں میں رحمت کی نظر
زیرِ خنجر دیکھ لو تصویرِ ایثارِ حسینؑ

ہے شہادت گاہِ اصغرؑ دستِ سرور کا فراز
خود بلندی نے کیا اعلانِ شہکارِ حسینؑ

مطمئنہ نفس سے انکو بھی حصہ مِل گیا
کس بلندی پر الٰہی پہنچے انصارِ حسینؑ

نو نوۂ منشورِ سارے ان شہیدوں پر نثار
ایک سے بڑھکر ہے اک یاں درِ شہوارِ حسینؑ

باپ بیٹے کیلئے مختص رہا حق کا علم
اک علمدارِ محمدؐ اک علمدارِ حسینؑ

تا ابد حق کیلئے ہموار راہیں ہو گئیں
شش جہت طے کر گئی تا عصر رفتارِ حسینؑ

نوکِ نیزہ سے سنا کر ڈالدی قرآں میں جاں
اور آثاروں میں ہے قرآں بھی آثارِ حسینؑ

ہوگئی قائم تمیزِ حق و باطل کی اساس
چھا گئے دنیا کی ہر ظلمت پہ انوارِ حسینؑ

ہر ضمیرِ صاف کی آواز "لعنت بر یزیدؔ"
بن گیا ہر اہلِ دل دل سے پرستارِ حسینؑ

یہ نبی سے اور نبی اِن سے پھر اس پر مستزاد
منکرو تھے خود ہی پیغمبر عزادارِ حسینؑ

قصرِ جنت حور و غلماں سے ہمیں کیا واسطہ
تم ہمارے آرزو جب کا ہو دیدارِ حسینؑ

زخم دل میں چشم تر سینہ پہ ماتم کے نشاں
حشر میں یوں بن کے جا جانِ عزادارِ حسینؑ

شبیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب قافلہ دین و ایماں کا میر نہیں تو کچھ بھی نہیں
کونین میں سب ہے پھر سناٹا شبیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

آئے نہ نظر اسلام کی شکل بھی کفر و نفاق کی ظلمت میں
شبیر ترے چہرہ کی اگر تنویر نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا معلق ذبح اسمٰعیل اک خواب خیال تھا خواب خلیل
گر ذبح عظیم کی یہ اعظم تعبیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

احمد نہ مجسم ہوتے عیاں یہ تھا حجت کامل کا عنوان
عاشور کے دن اکبر کی اگر تکبیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

آئی سرخی از خونِ شہ یہ نظر کیا کہئے یہ کس خوں کا ہے اثر
ہے پیر و جواں کی زبانوں پر بے شیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

شانے جو کٹے گئے مشک و علم سب تعزیئے اب تو ٹھنڈے ہیں
جب ہاتھ میں وارث حیدر کے شمشیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

مظلوم کو ڈھارس دیتا کون انداز وہ ماں کے دکھا کر
خونِ ناحق کھلتا کیسے ہمشیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

تکمیل مقصد کب ہوتی امت کو رہائی کہاں ملتی
پاؤں کی عابد مضطر کے زنجیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

عباس و اکبر قاسم اصغر ہیں معنئ قرآں سر تا سر
او قرآں پڑھنے والے یہ تفسیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

گو قرآں کو تم لاکھ رٹو گو کلمہ تم دن رات پڑھو
دل پر قرآنِ ناطق کی تحریر نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہو نبی و امام وصی کہ ولی ہر اک کو امان یہیں تو ملی
واللہ کہ چادر زہرا کی تطہیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

مشتق ہیں یہ نورِ خالق سے یہ چودہ ہیں محل مشیت کے
اللہ کے تصور میں ان کی تصویر نہیں تو کچھ بھی نہیں

بتلا دیا حر نے در کا پتہ جس در پہ مقدر بنتے ہیں
تقدیر یہاں بنوانے کی تدبیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

اے منکرو آؤ شرط سہی ہاں صبح قیامت ہونے دو
فردوس بریں ہر مومن کی جاگیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

مانا کہ ہے دل مرہونِ ولا درکار ہے مہر داغِ عزا
حامد غمِ شہ میں جو خاک بسر دلگیر نہیں تو کچھ بھی نہیں

یا حسین

حریم قدس سے یہ کون ذی وقار آگیا
زمیں کے ذرے ذرے پر جو پھر نکھار آگیا

ازل کی سرزمیں پہ وہ قدم کی سرحدوں میں وہ
جو فخر کردگار ہے وہ شاہکار آگیا

عروجِ نورِ سرمدی، کفیلِ شانِ ایزدی
وہ کارگاہِ کن فکاں کا رازدار آگیا

رسالت اس کے قبضہ میں کہ سجدہ سے نہ سر اٹھے
لئے ہوئے یہ کون شانِ کردگار آگیا

ہیں انبیا کے قافلے بھی گرد جس کے سامنے
جلو میں ہیں ملائکہ وہ شہسوار آگیا

وہ ہے شجاعِ حیدری وہ ہے شجاعِ عبقری
بقائے دینِ احمدی کا ذمہ دار آگیا

وہ کشتِ آرزو بکھرے وہ دین کے بھی دن بکھرے
چمن کو خوں سے سینچنے وہ نوبہار آگیا

خدا و انبیاء کا بھی تو اٹھ چلا تھا اعتبار
جو تو نے دیں شہادتیں بس اعتبار آگیا

تھپیڑے ہوں وہ کفر کے، نفاق کے ہوں زلزلے
اماں تو دیں کو مل چکی کہ اب حصار آگیا

تھی فکر جس سفینہ کی مرے حضورِ دو جہاں
نواسہ آپکا اُسے لگا کے پار آگیا

اَنا مِنَ الحُسین سے کھلا ہے رازِ کُلّنا
وہ تھا محمدؐ ایک ہی جو بار بار آگیا

صِغارُنا کِبارُنا سوا کا راز کھل گیا
گرا کے خود کو مہد سے وہ شیرخوار آگیا

قبول دل سے کیجیے بہن کی سب ہی خدمتیں
حضور اب سدھاریے کہ راہوار آگیا

جو حامدِ حزیں کو دیکھا مست بولے اہلِ حشر
وہ دیکھنا غدیرِ خُم کا بادہ خوار آگیا

سلام

شہ کے گلے سے ظلم کی شمشیر مل گئی
ذبحِ عظیم اب تری تفسیر مل گئی

شبیر نے کیا ہے وفا وعدۂ الست
اب انبیاء کے خواب کی تعبیر مل گئی

کب قید میں بھی حرمتِ سجاد کم ہوئی
پابوس ہونے پاؤں سے زنجیر مل گئی

حُرِ جری نے راستہ ہموار کر دیا
تقدیر جس سے بنتی ہے تدبیر مل گئی

انصار کی تھی نصرتِ شہ پر فقط نظر
پروا تھی کب جو خلد کی جاگیر مل گئی

داغِ غمِ حسین نے سامان کر دیا
ظلمت کدہ میں قبر کے تنویر مل گئی

ماتم کے خوں سے ابھریں لکیریں کچھ اسطرح
پروانۂ نجات کی تحریر مل گئی

عاشور کو جو اکبرِ غازی نے دی اذاں
دیں منحصر تھا جس پہ وہ تکبیر مل گئی

کلکِ ازل نے کھینچ کے نقشہ جو کی نظر
اکبر کی اور رسول کی تصویر مل گئی

اعجاز تھا یہ چادرِ زہرا کا سر بسر
قرآں کو جو آیۂ تطہیر مل گئی

نادِ علی کا ورد رہا جس زباں پر
ہر مرحلہ کے فتح کی تاثیر مل گئی

مقصود تھی ولادتِ حیدر جو اس جگہ
کعبہ کی ہمکو موجبِ تعمیر مل گئی

حامد تو اس سے بڑھ کے بھلا چاہیگا بھی کیا
بندہ علی کا بن گیا توقیر مل گئی

سلام

سوارِ دوشِ احمد کے قدم جس جا بھی جاتے ہیں
فلک والے زمیں پر عرشِ اعظم کو بچھاتے ہیں

غمِ سبطِ نبی تو خود خدا کی ذمہ داری ہے
نمائندے خُدا کے بن کے ہم یہ غم مناتے ہیں

طہارت رُوح کی لازم ہے پیشِ داورِ محشر
اسی تو واسطے ہم خونِ ماتم میں نہاتے ہیں

گلہ پر تیر کھا کر کر دیا ظاہر یہ اصغر نے
ریاضِ فاطمہ کے پھول یوں بھی مسکراتے ہیں

جیے ہم نامِ حیدر پر مرے ہم نامِ حیدر پر
یہی روداد اپنی ہم سرِ محشر سناتے ہیں

ملے جو نزع و قبر و حشر و کوثر بابِ جنت پر
رسول اللہ اسی کا نام تو حیدر بتاتے ہیں

یہ تم ہم کیا ہیں ابراہیم و موسیٰ نوح سے پوچھو
بچاتے ہیں علی ہی جب سفینے ڈگمگاتے ہیں

کہاں تک خاک پھانکیگا جہاں کی تشنۂ کوثر
اِدھر آجا غدیرِ خم کا ہم ساغر پلاتے ہیں

نظر آتی ہے فردوسِ بریں خمخانۂ حیدر
سرِ محشر غدیری اپنی محفل یوں سجاتے ہیں

نصیری کا نہ غافل ایک ہی رُخ دیکھتا رہ جا
جِلاتے بھی ہیں گر مولا تو مولا ہی جلاتے ہیں

بنے سجدہ جسے شبیر کی مل جائے خاکِ پا
کہاں وہ اور حامد اپنے سجدوں کو گنواتے ہیں

یا حُسین

کہاں بیان ہو احسانِ بے حسابِ حسین
نبی تلک ہیں شہادت میں فیضیابِ حسین

نبی علی جو کہیں مرحبا تو بات بھی ہے
کسی کے بس کی کہاں مدح یا صوابِ حسین

شہید ہو کے ہر اک دل کا بن گیا وہ مکیں
ہے وجہ قُرب جو ظاہر نہیں ہے غیابِ حسین

کسی کا خوف نہ تحریف کا یہاں امکاں
لکھی ہے خون رگِ جاں سے یوں کتابِ حسین

ہزار بار جو مِٹ مِٹ کے کائنات بنے
تجھے قسم ہے ذرا لا تو دے جوابِ حسین

جو سب شہیدوں کا خاتم حسین کا ہے صغیر
سب انقلابوں کا خاتم ہے انقلابِ حسین

ورائے فہم علمدار! تیری عظمت ہے
کہ تو دعائے علی ہے تو انتخابِ حسین

جو سن ہے زہرا کا نام علی شبیہ نبی
وہ عزم جیسے پلٹ آیا ہو شبابِ حسین

لگی جو مہر ترے خون کی علی اصغر
ہوئی اب آ کے مکمل کہیں کتابِ حسین

قدم قدم پہ ٹھہرنا وہ ننھی لاش لیے
نہ بھولا جائیگا تا حشر اضطراب حسین

کہاں سے باپ کے سینہ پہ سوئیگی وہ یتیم
خیال و خواب سکینہ ہے اب تو خواب حسین

عزا کے منکر! انا من حسین سے ہشیار!
کہ ہے عتاب رسول خدا عتاب حسین

جلو میں چلنے لگی حر کے رفعت دارین
جو راہ حق میں ہوا آکے ہمرکاب حسین

سب انبیاء کو ہوا طور عرصہ محشر
ہٹی جو چہرہ سے حامد کہیں نقاب حسین

سلام

طرح :- قیامت تک جہاں میں ماتم سرور بپا ہوگا۔

غم شبیر اب دین خدا کا مدعا ہوگا
قیامت تک جہاں میں ماتم سرور بپا ہوگا

چلے ہیں کربلا کو انبیاء جن و ملک سارے
حسین ابن علی کا وعدۂ طفلی وفا ہوگا

رہے نفس امامت بن کے شہ کے ہمقدم عباس
کٹے ہاتھوں سے انکے ثبت اب نقش وفا ہوگا

ہے ارشاد نبی ہوگا انھیں پر سایۂ رحمت
کہ جنکے ہاتھ میں بھی دامن آل عبا ہوگا

یہ بولے نوح اے اہل سفینہ اب نہ گھبراؤ
کوئی دست خدا کشتی کا میری ناخدا ہوگا

نہ کیوں ہو قبر میں مومن کی منظر روز روشن کا
کہ سورج جسنے پلٹایا وہ خود جلوہ نما ہوگا

ترے بندے نہ کیوں ہونگے نیاز خلد اے مولا
ترا جلوہ ہی مومن کیلئے نعم الجزا ہوگا

علی کی مدح کا مطلب ہے خود قرآں کی زینت
تمسک کا بھی قرآں کے علی ہی واسطہ ہوگا

خدا نے خود علی کو آب کہا ہے یہ سمجھ رکھو
سقاھم ربہم کا ورنہ مطلب اور کیا ہوگا

فرشتو ہم ید اللّٰہی ہیں ہم خود ہی بہشت لینگے
جو محشر میں علی کے دشمنوں کا سامنا ہوگا

چمکتے ہونگے کچھ چہرے تو کچھ کالے بھی منہ ہونگے
غدیری سے سقیفائی بہر صورت جدا ہوگا

خدا کا دیکھ کر مظہر بھی جو منکر علی کا ہو
تو پھر سمجھو ولادت کا یہ اس کی اقتضا ہوگا

یقیں کسکو یہ آتا آگ اور پھر خانۂ زہرا
سر کلثوم و زینب اور بلوہ میں کھلا ہوگا

عطش سے وہ زباں نکلی ہوئی ننھے سے ہونٹوں پر
نشانہ تیر کا ایسا بھی کوئی بے خطا ہوگا

غلاموں کی اسی تو سوچ میں عمریں گزرتی ہیں
شہ مظلوم پہ رونے کا حق کیونکر ادا ہوگا

اٹھینگے بس اسی عالم میں حامد ہم تو محشر میں
زباں پر یا علی دل میں نہاں داغ عزا ہوگا

سلام

پلٹ دے کفر کے طوفان کو کس میں یہ یارا ہے
حسین ابن علی یہ تیری مظلومی کا دھارا ہے

نواسہ کے سوا نانا کے دیں کی لاج کسکو ہو
پناہِ دامنِ شہ کے سوا کیا اور چارا ہے

نہ چھوڑا دشمنانِ دیں نے صرف آلِ پیمبر کو
دلِ قرآن بھی خود ان کے ہاتھوں پارہ پارا ہے

ملے جسکو جگہ آلِ پیمبر کے سفینہ میں
نظر کے سامنے ہر وقت کوثر کا کنارا ہے

لباسِ خلد جنکے واسطے حق نے اُتارا ہے
ہمارے فخر کا خلعت انھیں کا تو اُتارا ہے

گواہ قدرتِ حیدر زمین و آسماں ٹھہرے
کبھی خورشید پلٹا ہے کبھی در پہ ستارا ہے

کدھر کی خلد مسکوہوں کی منزل سے تو گزرد
درِ جنت سے بے حُبِّ علی کسکا گزارا ہے

حیاتِ نو ملی مظلوم کو جاہل کو موت آتی
خدائی فیصلوں کی جا یہی دار الاماں ہے

نصیری کے برابر کیسے ہم ہو جائیں یا مولا
تری الفت میں جسکو آگ میں جلنا گوارا ہے

پکاروں یا علی کہکر تو کیوں حیرت ہو دُنیا کو
علی کو تو ہمیشہ سے نبیوں نے پکارا ہے

غمِ شبیر میں حامد جو سینہ زن نہیں ہوتا
نہیں دل اُسکے سینہ میں یہ کوئی سنگِ خارا ہے

سلام

وجہِ شعورِ غم ہوئے غم کی بنا ہوئے
غم کا حسین ابنِ علی منتہا ہوئے

جان اپنی دیکے دین کو بخشی حیات نو
ذرّے تلک بھی خون کے خاکِ شفا ہوئے

ذبحِ عظیم بھی ہے بلائے مبین بھی
بے سر حسین، اہلِ حرم بے ردا ہوئے

عیسیٰ کو تھا جو شکوۂ ایلی سبقتنی
شبیر زیرِ تیغ بھی وقفِ ثنا ہوئے

غم اپنا بھولے آدم و یعقوب و نوح سب
شبیر انبیا کے بھی حاجت روا ہوئے

خوں گشتہ ہونٹ پر بھی دعاؤں کے تھے گہر
شہ کے کٹے بھی ہاتھ تو دستِ دعا ہوئے

بیت المقدس تھا، کعبہ ہوا، اب ہے کربلا
اب تو حسین قبلۂ دینِ خدا ہوئے

لوٹا میں کربلا سے یہی سوچتا ہوا
حامد مرے گنہ جو تھے آخر وہ کیا ہوئے

سلام

دل وہ دل ہی نہیں جسمیں غم شبیر نہیں
آدمی کب ہے غم شہ میں جو دلگیر نہیں

جز غم شاہ کسی غم میں یہ تاثیر نہیں
قید عالم کی نہیں وقت کی زنجیر نہیں

نام خالق کی رکھی لاج سر اپنا دیکر
جب مشیت میں رہی اور کوئی تدبیر نہیں

داغ انصار و اعزا کے جگر گوشوں کے
ہے خود اک گنج شہیداں دلِ شبیر نہیں

زخم اکبر بھی ہے تفسیر الم نشرح کی
ایسی بھرپور نبی کی کوئی تصویر نہیں

مقصد شہ کو ملا تحفۂ دستِ عباس
ایسی پابند وفا بھی کوئی شمشیر نہیں

جلوہ گر اسمیں ہوا مظہر ربّ العزّت
کعبہ کی اس سے تو بڑھکر کوئی توقیر نہیں

ملتی گر خاک نجف ہوتا نہ ترکِ اولیٰ
اسمیں آدم کی فرشتو کوئی تقصیر نہیں

خود جو بن بیٹھے تھے یدعون الی النار امام
کیسے پھر نار ہو ماموم کی تقدیر نہیں

قاسم نار و جناں جب ہے ہمارا مولا
کیوں غلاموں کیلئے خلد کی جاگیر نہیں

سینکڑوں حافظ قرآن و صحابی رسولؐ
کیسے ایمان سے تھے قاتل شبیر نہیں

دُھل گئی فردِ گنہ رشکِ عزا سے حامد
اب فرشتوں کے بھی تو بس کی یہ تحریر نہیں

سلام

زمین کربلا پر شہ کا جسد م کا رواں اترا
ندا آئی زہے قسمت زمیں پر آسماں اترا

کشا کرسے وہ اشک غم دھوئے گنہ جسنے
عجب اندازِ بخشش سے شفیع عاصیاں اترا

بقدرِ استطاعت آزمائش کی نبیوں کی
مگر شبیر کے حق میں نرالا امتحاں اترا

زبانیں قدسیوں کی اس زبانِ حال کے صدقے
جو شہ کی گود سے اعلانِ حق کو بے زباں اترا

رسن بستہ ابھی ہیں بیبیاں، گو منزلیں باقی
کہاں عابد کی گردن سے ابھی طوقِ گراں اترا

کسی کو ناز اپنے زہد و طاعت پر جو ہو تو ہو
محبوں کیلئے سرمایۂ آہ و فغاں اترا

نہ دو اجر رسالت پھر بھی مومن ہی سمجھے جاؤ
الٰہی غضب کا یہ دین قرآں میں کہاں اترا

سراب آرزوئے رسے نصیب دشمنانِ دیں
صلہ تسنیم و کوثر کا برائے دوستاں اترا

جو گھر بندے کے نا ممکن تو پھر واجب خدا کے گھر
مکانِ لامکاں ہی میں نشانِ لامکاں اترا

علو اس نامیٔ ربِّ علا کا عہد کیا جانے
ملائک کی جبیں سائی کو جس کا آستاں اترا

ہے اک من عندہٗ علم الکتاب اک حجابِ لولاک
کلام اللہ ایسے شاہدوں کے درمیاں اترا

کراماً کاتبیں تکنے لگے آپس میں منہ اپنا
جو حامدؔ تھر فردوسِ بریں میں ناگہاں اترا

سلام

راز فغان و چاک گریباں نہ پوچھئے
شہ کی عزا ہے حاصلِ ایماں نہ پوچھئے

فصل عزا میں کھل گئے گلہائے داغِ دل
وہ سیل اشک اور وہ بہاراں نہ پوچھئے

حربے جو ہیں ہزار تو تنہا دمِ حسینؑ
کیا کیا ہوئے ہیں قتل کے ساماں نہ پوچھئے

خنجر رواں گلے پہ تو جاری زباں پہ شکر
صبر و ثبات شاہِ شہیداں نہ پوچھئے

عباسؑ ہاتھ شانوں سے دریا پہ دھو چکے
بیچارگیٔ شیرِ نیستاں نہ پوچھئے

سوکھی زباں نکال کے حجت تمام کی
فرزانگیٔ اصغرِ ناداں نہ پوچھئے

بڑھ بڑھ کے ایک ایک نے جانیں نثار کیں
روداد سرفروشیٔ یاراں نہ پوچھئے

اس وقت کٹ رہا نہ کہیں ہو سرِ حسینؑ
کیوں آئی رن میں زینبِ ذیشاں نہ پوچھئے

ماں سے جدا ڈرے ہوئے بچے وہ منتشر
عالم وہ شب کا اور وہ بیاباں نہ پوچھئے

دن میں جو تازیانے تو شب تیرگیٔ قید
احوال صبح و شام غریباں نہ پوچھئے

یادِ پدر میں بالی سکینہ ہے جاں بلب
وہ کمسنی وہ وحشتِ زنداں نہ پوچھئے

جانا گہر کا کانوں سے دے دیگا خود پتہ
گرتے ہیں کیوں ہے خون یہ افشاں نہ پوچھئے

حامدؔ تمہارے گھر کے فقیروں کا ہے فقیر
ایسا نہ ہو کہ روز حساباں نہ پوچھئے

سلام

وفائے عہد کا جب حق کی جانب سے خطاب آیا
پئے تسلیم سر لیکر شہِ گردوں جناب آیا

گرے سجدے میں سب مرسل ملک تو ربّ شاہد ہے
جو سر دینے نگاہِ حق میں شبیرؑ انتخاب آیا

جو ختم المرسلیں کو دے سکے اک زندگی تازہ
کہو اے مرسلیں ایسے بشر کا بھی جواب آیا

جو آئے اصغر و قاسم و اکبر یہ فلک سمجھا
ستارہ عرش کا ٹوٹا کہ ماہ و آفتاب آیا

ہمیشہ دھوپ میں اکبر کو روئیں یاد رکھو
تمہارے سر پہ سایہ بھی کبھی اُمِّ رباب آیا

ولا آلِ نبی کی لے گئی جنت میں بے کھٹکے
نہ پرسش کی کوئی منزل نہ محل احتساب آیا
پس مُردن کھلی تو تیر حامدؔ جب ملک بولے
بچھاؤ راہ میں آنکھیں غلامِ بو تراب آیا

سلام

بہ طرح: ہم عمر بھر حسینؑ پہ آنسو بہائینگے

ہم عمر بھر حسینؑ پہ آنسو بہائینگے
سامان یہی نجات کا بس لیکے جائینگے
ظالم ہنسا کریں تو کریں شہ کے سوگوار
رد ئینگے خود بھی سارے جہاں کو رُلائینگے
مطلب نہیں ہے ظلم سے، مظلوم ہم ہیں خود
سینے فگار لیکے دلوں کو ہلائینگے
محشر کی تاک میں ہیں عزادارِ پیش رب
ماتم کرینگے وہ کہ سنبھالے نہ جائینگے
لیکر علم حسینؑ کا ہم، دیکھنا خلیل
دوزخ کی آگ پر سے بھی چل کر بتائینگے
جو حُریت پسند ہیں دنیا کے، مثلِ حُر
آکر درِ حسینؑ پہ سب سر جھکائینگے
آؤ اِدھر کی صف میں کہ مقبول ہو نماز
تم دیکھنا رسول اذاں دینے آئینگے
ہوگی رسالت انکی شہادت سے فیض یاب
نانا کی شان یوں بھی نواسے بڑھائینگے
تا حشر رونے کو رہے تیار کائنات
اصغر گلے پہ تیر ستم کھانے آئینگے
باچھوں کا دودھ جائیگا خونِ گلو کے ساتھ
یوں دودھ اپنا خود علی اصغر بڑھائینگے
بے شیر کے گلے سے تو پیکان نکل گیا
ماں کے جگر کے تیر نکالے نہ جائینگے
جنت میں بھی سکینہ جو سہمی ہوئی سی ہے
یارب نشانِ ظلم یہ کیا مٹ نہ پائینگے
ہے منصبوں کی حد سے ورے شانِ سیّدہ
ذہنِ رسا امام دنی سب سمائینگے
پردہ کے پیچھے کیا تھا علی ہی سے پوچھئے
قوسین تک کی بات پیمبر بتائینگے
کہتے ہی بن پڑیگی علی کو بشر سے فوق
جب عبد و رب کے بیچ خلا میں سمائینگے
جنّت کی اک ہے راہ، نہ میزاں نہ پل صراط
مولا کے سب غلام اسی رہ سے جائینگے
. ثمّ اتخذ فلاناً خلیلاً بھی کچھ ہیں لوگ
کوثر سے دورِ حشر ہٹکائے جو جائینگے
تو اُم ولا سے، ذکر تبرا بھی ہے ضرور
حامدؔ ہم اس محاذ سے ٹالے نہ جائینگے

سلام

ہمارا آپ پر یا حضرتِ شبیر تکیہ ہے / کہ جس نے دین کی قسمت کو سوتے سے جگایا ہے
ملے جسکو جگہ آلِ پیمبر کے سفینہ میں / نظر کے سامنے ہر وقت کوثر کا کنارا ہے
نہ چھوڑا دشمنانِ دیں نے حرف آلِ پیمبر کو / دلِ قرآن بھی خود اُنکے ہاتھوں پارہ پارا ہے
کدھر کی خُلد مسکونوں کی منزل سے تو گزر رو / درِ جنت سے بے حبِ علی کب کا گزارا ہے
نصیری کے برابر کیسے ہم ہو جائیں یا مولا / تری اُلفت میں جسکو آگ میں جلنا گوارا ہے
پکاروں یا علی کہکر تو کیوں حیرت ہو دُنیا کو / علی کو تو ہمیشہ سے نبیوں نے پکارا ہے

غمِ شبیر میں حامد جو سینہ زن نہیں ہوتا
نہیں دل اُسکے سینہ میں یہ کوئی سنگِ خارا ہے

یا عباس

دست و بازوئے شہِ کرب و بلا ہے عباس / فردِ واحد نہیں اک فوجِ خدا ہے عباس
جسکو خالق نے بنایا ہے وفا کی آیت / لوحِ محفوظ پہ وہ مُہرِ وفا ہے عباس
جوں نبی پر ہوا قرآں میں سکینہ نازل / قلبِ شہ کیلئے آیاتِ شفا ہے عباس
لیکے شبیر کا ہاتھ اسنے بندھائی ڈھارس / دلِ زہرا کے دھڑکنے کی صدا ہے عباس
اب جو شبیر محمد میں علی ہیں عباس / اب یہ نائب نہیں خود شیرِ خدا ہے عباس
ہوتی تاریخ شہادت ہی بن اسکے کچھ اور / کربلا کیلئے لولاک لما ہے عباس
نام اسکا ہے جوانوں کے دلوں کی قوت / تو ضعیفوں کے سہارے کا عصا ہے عباس
زائروں کو یہی لیجاتا ہے سرور کے حضور / نائبِ سرورِ دیں قبلہ نما ہے عباس
جو رکا کہہ کے میں ایثار و وفا کا ہے امام / بولی قدرت کہیں اس سے بھی سوا ہے عباس
خوبیٔ ظاہر و باطن کا انوکھا پیکر / بنی ہاشم کا قمر شانِ خدا ہے عباس
لاش پہنچی جو فلک پر تو فلک بول اٹھے / مطلعِ عرش پہ اک چاند نیا ہے عباس
علقمہ ہوتی ہے کیوں شرم سے پانی پانی / بخش دیگا تجھے وہ بحرِ سخا ہے عباس
ہاتھ کٹ کر ہوئے بگڑی کو بنانے آزاد / شرق سے غرب تلک عقدہ کشا ہے عباس
ہاتھ دو ہوتے ہیں قدرت کا قرینہ ہے یہی / ایک حیدر رہیں تو اک دستِ خدا ہے عباس

در پہ اسکے جو دو عالم کی جبیں جھکتی ہے
کچھ خبر ہے تمہیں کس دل کی دعا ہے عباس

جسکو معصوموں کی مادر نے کہا اپنا پسر
شک ہے کیا لازمۂ آلِ عبا ہے عباس

ہم غلاموں کی شفاعت ہے ترے ہاتھوں میں
کہ تو پیغمبرِ اربابِ وفا ہے عباس

جس پہ تا حشر رہیں اہلِ وفا کے سجدے
وہ تو بس تیرا ہی نقشِ کفِ پا ہے عباس

آنکھیں دکھلائیں نہ حامدؔ کو صراط و میزاں
کیا ڈرے جسکی حمایت کو کھڑا ہے عباس

یا عباس

ہوئی عباس سے جلوہ نمائی دستِ حیدر کی
ہوئی ہے کربلا میں بھی لڑائی دستِ حیدر کی

ذخیرہ جسطرح حسنین تھے دستِ رسالت کا
تھے بس عباس ویسے ہی کمائی دستِ حیدر کی

رسالت کا وہ دستِ راست اور یہ ہے امامت کا
وہی عباس کی ہے جو رسائی دستِ حیدر کی

کشا کر ہاتھ بھی دینِ خدا کی دستگیری کی
ملی عباس کو معجز نمائی دستِ حیدر کی

پدر ہے بابِ حطہ اور پسر باب المراد آیا
کہ میراثی بنی مشکل کشائی دستِ حیدر کی

نقاب اُلٹی جو صفین میں کھلا عباس ہیں یہ تو
تھی بچپن کی بھی ضربت میں صفائی دستِ حیدر کی

نہ دیکھا تھا علی کو جس نے جب عباس کو دیکھا
سمجھ میں آگئی سب کے بڑھائی دستِ حیدر کی

یہ کس ضیغم نے باطل کی کلائی توڑ کر رکھدی
ہیں یہ تیور تو حیدر کے کلائی دستِ حیدر کی

مقابل میں ہزاروں کے ترائی پر کیا قبضہ
جو سچ پوچھو تو یاد آئی خدائی دستِ حیدر کی

سفینہ دین کا عباس کے تیور پہ چلتا ہے
کٹے ہاتھوں میں پائی ناخدائی دستِ حیدر کی

ستون دین بنکر رہگئے عباس کے شانے
نہیں ممکن کبھی حق سے جدائی دستِ حیدر کی

ادھر عباس کے ہاتھوں کو فطرس نے دئے بوسے
ادھر جبریل اور مدحت سرائی دستِ حیدر کی

بساطِ دین کی بس مختصر تاریخ یوں سمجھو
محمد کی بچھائی اور سجائی دستِ حیدر کی

اگر مقصد کو پانا ہے تو حامد بات اک ہی ہے
تو دے عباس کی یا پھر دہائی دستِ حیدر کی

عباس کربلا میں علمدار ہو گئے

طفلی میں سر جو ذبح پہ تیار ہو گئے
عباس کربلا کے علمدار ہو گئے

تیغِ جری نے کر دیا میداں کو کوہسار
کشتوں کے پشتے وہ لگے انبار ہو گئے

آمد ہے نور چشم سراج منیر کی
ظلمت کدے بھی مطلعِ انوار ہو گئے

مُحبّ علی پہ لگ چکی داغِ عزا کی مہر
مومن کے تو الست میں اقرار ہو گئے

محتاج کب رہے وہ شرابِ طہور کے
جامِ غدیر پی کے جو میخوار ہو گئے

مدحِ علی سے پہنچ گئے بامِ اوج پر
میثم جو آئے دار پہ سردار ہو گئے

قوسین پر نبی و علیؑ جبرئیل دنگ
رف رف براق کہ کے ہی بیکار ہو گئے

دیکھا جو مشتق جدار کو حیدر کے واسطے
معمارِ کعبہ نقش بہ دیوار ہو گئے

زیرِ ردا جو سوئے محمد تھے وقتِ شب
نکلے علی کی شکل جو بیدار ہو گئے

مرفوع بیت ارفع و اعلیٰ مکیں بھی وہ
بچپن ہی سے جو خلد کے سردار ہو گئے

بس ایک ہی تو گھر تھا کہ خیرات مانگ کر
جس گھر کے جبرئیل نمک خوار ہو گئے

قسمت کو روتے ہی رہے دشمن حسینؑ کے
جنکے لئے تھی خلد عزادار ہو گئے

اس سے غرض نہیں کہ کوئی کیا تھے کیا نہیں
جو ساتھ شہ کے آ گئے شہ کار ہو گئے

حصّہ بہشت ہی کا تو ہے ارضِ کربلا
پہنچے جو یاں بہشت کے حقدار ہو گئے

دو چار کیا ہزار بھی تھیں جنکی آفتیں
اک "یاعلیؑ" میں فتح سے دوچار ہو گئے

مُنکر تو منزل و تحقو پر پڑے رہے
والانِ حیدری صراط سے بھی پار ہو گئے

بس جنکا چلتا دیں کو چڑھا دیتے دار پر
جانے کہاں کہاں آکے وہ دیندار ہو گئے

مشتاق جنکی خلد تھی وہ تو قلیل تھے
اکثر وہ تھے سقر کو جو درکار ہو گئے

جنکی خدا کسی پہ بہت سوں کو ناز تھا
بخشش کے وہ بھی شہ سے طلبگار ہو گئے

خوف اپنا اور وہ ہمتِ شبیر دیکھکر
یونس نظر میں اپنی خطاوار ہو گئے

ایلی سبقتنی کا بھی ہے کربلا علاج
جب سے سنا مسیح بھی بیمار ہو گئے

جب تشنہ لب حسینؑ کی دیکھی بقا تو خضر
آبِ بقا کے نام سے بیزار ہو گئے

کیا انبیا کا ذکر خدا تک بھی یاحسینؑ
الفت میں تیری سب ہی گرفتار ہو گئے

ہر سمت بھی ولی ہوں تو دیکھوں نہ انکی سمت
ہم ہو گئے ترے مرے سرکار ہو گئے

ایامِ غم میں لوصفِ ماتم وہ بجھ گئی
بخشش کی عاصیوں کے بھی آثار ہو گئے

سینہ زنی کا عزم بھی کچھ لازمی نہیں
یہ غم وہ ہے کہ ہاتھ ہی خود کار ہو گئے

اشکِ عزا کو دی ہے خدا نے وہ آب و تاب
رومالِ فاطمہ کے سزاوار ہو گئے

رکھ دیتے سر نواسہ کی گردن پہ وقتِ ذبح
وعدہ کے احترام سے لاچار ہو گئے۔

حامد کا دل تھا جام ولائے ابوتراب
محشر میں اسکے چودہ خریدار ہوگئے

بحضور باب المراد ابالفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام

عباس کا خدا کو خبر کیا مقام ہے
عباس تو علی کی تمنا کا نام ہے
دستِ خدا نے تجھکو بنایا ہے اپنا ہاتھ
عباس تو بھی دستِ خدا کا کلام ہے
جسکے سپرد فاطمہ شبیر کو کرے
کب کم امام سے ہے کفیل امام ہے
گھیرے ہوئے ہیں چھوٹے بڑے اسکو اسطرح
جوں بیچ میں ستاروں کے ماہِ تمام ہے
پھرتا ہے کاروانِ حسینی اسی کے گرد
فوجِ خدا کے نظم کا اسپر قیام ہے
دہشت سے جسکی کانپتی ہے فوج اشقیا
عباس فرد کا نہیں لشکر کا نام ہے
عباس وہ وفا کا سمندر ہے بیکراں
دریا بھی جس کے سامنے اک خشک جام ہے
عباس تو حسین کا دل دستِ راست ہے
پیکر حسین کا ترے بن نا تمام ہے
روضوں میں بھی ہے دونوں کے رنگِ یگانگت
کوئی مدینہ ہے کوئی بیت الحرام ہے
تونے تو دونوں ہاتھوں سے لی ہے رضائے حق
اب قسمتوں کی ہاتھ میں تیرے زمام ہے
میں نام لینا جاؤں تو قسمت بنائے جا
میرا اگر یہ کام تو وہ تیرا کام ہے
جبت یدی ترے بھی عدو کے ہے واسطے
لعن خدا عدو پہ ترے صبح وشام ہے
حامد ہم انکے ہیں کہ جو ہیں مالک بہشت
اپنے لئے وہاں تو بڑا انتظام ہے

سلام

سمجھے تھے خضر زندگی آب بقا میں ہے
مبتلا دیا حسین نے حق پر فنا میں ہے
عزت کی زندگی کا سلیقہ رہِ نجات
ہر ایک نقش پائے شہ کربلا میں ہے
حیران صبر و شکر و ثباتِ حسین پر
انبوہ انبیا و ملائک سما میں ہے
سمجھا ہی کب حسین کو انسان نے ابھی
ذہن بشر کو وقت ابھی ارتقا میں ہے
جس نائب خدا کو ہر ٹھوکر میں کائنات
اڑ جائیگا یزید بھلا کس ہوا میں ہے
بارہ کے بارہ برجِ شرف ہیں یہ جنکے پیش
برجِ حمل کا شمس بھی تحت الثریٰ میں ہے

بندہ کا منہ ہے کیا جو کرے مدحِ پنجتن — رب کی زباں بھی وقف جب انکی ثنا میں ہے
خیر البشر حسین و حسن شاہِ لافتیٰ — انحصار خیر چادرِ خیر النساء میں ہے

ہے یہ کسی دوا میں نہ حاصل دعا میں ہے
عصیاں کا ہے علاج تو خاکِ شفا میں ہے

سلام

شعورِ آدمیت کی جہاں سے ابتداء ہوگی — عزا شبیر کی ہر زندگی کا منتہیٰ ہوگی
عزادارِ حسینی تو مجسم وعدۂ رب ہیں — یہی وہ ہیں کہ جن کے حق میں زہرا کی دعا ہوگی
جو آنکھیں سب نبیوں کی لگی شبیر پر ہونگی — نظر شبیر کی اُن کیلئے آب بقا ہوگی
اُتر کر آئینگے روح الامیں جھولا جھلانے کو — فرشتوں کی بھی قسمت انکے صدقہ میں رسا ہوگی
نہ اندھوں کی طرح بھٹکو رہِ حق کے تجسس میں — جو آنکھیں کھولکر دیکھو علی کا نقش پا ہوگی
دعائیں سننے والے نے دعا سنکر یہ فرمایا — اب اُس در کا پتہ ڈھونڈو جہاں میری رضا ہوگی
صفاتِ انبیا کے ہیں علی جامع، یہ تھا معلوم — نہ سمجھے تھے مگر بندے میں شانِ کبریا ہوگی
وہی اک ذات تو کشتی کو طوفاں سے نکالیگی — ہم اسکو نا خدا کہہ لیں نصیری کا خدا ہوگی
تصور رب کا ہوگا منحصر تصویرِ حیدر پر — یہی صورت ہماری بندگی کا آسرا ہوگی
خدا نے جوہرِ عصمت کو عین ذات رکھا ہے — وہی معصوم ہے تطہیر پر جسکی بنا ہوگی
مقدر چاہیئے بیت الشرف کی پاسبانی کو — کوئی مریم کوئی بلقیس کوئی آسیا ہوگی
مسلمانو کہیں تم آگ اس گھر پر نہ لے آنا — یہیں سردار جنت کے یہیں خیر النساء ہوگی
منافق، کافر و اعدائے دیں بھی مجتہد ہونگے — خطائے اجتہادی بھی عجب اک کیمیا ہوگی
مقامِ معنیٔ ذبحِ عظیم اب آگیا شاہا — کہ وعدہ گاہ طفلی کی زمین کربلا ہوگی
کہا رب نے خلیل اللہ جب شبیر پر روئے — سوا ذبحِ پسر کے اجر سے اسکی جزا ہوگی
قیام پشت سے جسکے نبی کا بڑھ گیا سجدہ — تو قیمت زیرِ خنجر اسکے پھر سجدہ کی کیا ہوگی
مشک تر ہے حق شبیر سے محلِ خدائی بھی — جو ثار اللہ ہو کیا چیز اسکا خوں بہا ہوگی
ترائی پر کیا قبضہ، رہے عباس پیاسے ہی — یہ نقشِ فی الحجر دریا پہ رودادِ وفا ہوگی
یزید پر چلا تو تیر لیکن یہ سمجھ رکھو — ادائے اصغرِ معصوم تیر بے خطا ہوگی
ذرا آنکھیں تو سرکا رِ دو عالم بند کر لیجئے — نواسی آپکی بازار میں اک بے ردا ہوگی

ادائے فرض کعبہ کسے میں حق جتلا نہیں سکتا
جو جاؤں کربلا، خالق پہ خود واجب عطا ہوگی
کرونگا انتظار موت شوق دید حیدر میں
مگر یہ زندگی حامدؔ بڑی صبر آزما ہوگی

سلام

ماتم شبیر میں جب آنکھ گریاں ہوگئی
طاعت حکم نبی، تعمیل قرآں ہوگئی

حرملہ کے تیر نے چھیدا نبی ہاشم کا دل
گردن اصغر نہ تنہا نذر پیکاں ہوگئی

کب سکینہ کو میسر ہو سکی صبح وطن
شام میں اتنی جلی شمع شبستاں ہوگئی

بولے شہ قاسم کو خلعت خوب شادی کا ملا
لاش جب فرش کی خاک و خوں میں غلطاں ہوگئی

ہاتھ میں دلہن کے ہے زیور کی جا زنجیر قید
خانہ آبادی میں کبرا خانہ ویراں ہوگئی

کٹ گئے شانے مگر عباس کو ہے یہ ملال
حیف کیوں مشکل سکینہ کی نہ آساں ہوگئی

دیکھکر اکبر کا سر نیزہ پہ ہوتا تھا گماں
آسماں سے شکل پیغمبر نمایاں ہوگئی

ہر طرف بکھرے ہیں گلہائے ریاض فاطمہ
خاک دشت کربلا رشک گلستاں ہوگئی

منتظر ماں باپ کے خط کی رہی صغریٰ ادھر
سارے کنبہ کی صفائی یک قلم واں ہوگئی

جان و مال اولاد کی دیں شہ نے وہ قربانیاں
چشم ابراہیم و اسمٰعیل حیراں ہوگئی

دیر ہا ہے بے غل و غش ساقی خم غدیر
تھی مے عرفاں کبھی مہنگی اب ارزاں ہوگئی

جز و ایماں یوں تو ہے حامدؔ ولائے بوتراب
اے خوشا قسمت کہ جسکا عین ایماں ہوگئی

سلام

خون دل نے رنگ یوں پیدا کیا تدبیر میں
حق لکھدیا شبیر کا ماتم مری تقدیر میں

کس نبی کی آل پر بجز فاطمہ گزرا یہ حال
جتنے بیٹے ہوں شہید اور بیٹیاں زنجیر میں

دعوئ عصمت کوئی اسوقت ہاں کر بھی سکے
پہلے داخل ہو تو جائے آیۂ تطہیر میں

بارھواں بھی ہو تو نصرت کیلئے عیسیٰ چلیں
فرق یاں کچھ بھی نہیں تقدیم میں تاخیر میں

قصۂ قرطاس نے ساری حقیقت کھولدی
کھل کہاں سکتے تھے یہ جو ہر کسی تحریر میں

بات ہو جس بیت کی جانینگے اہل بیت ہی
دخل غیروں کا کہاں قرآن کی تفسیر میں

صبحِ عاشورا طلوعِ طالعِ حُر بن گئی — نامِ اکبر کا اثر شامل رہا تکبیر میں
مُنہ ہے کیا فہمِ نصیری پر جو کوئی حرف لائے — خود اُلجھا ہو جو وجہ اللہ کی تعبیر میں
تم خُدا ہو یا نبیؐ سوچو علی کو اور ابھی — ہوں نصیری بھی اگر عجلت ہے کیا تکفیر میں
ہوں غلام اُس شاہ کا جو شاہِ خیبر گیر ہے — بابِ جنت توڑ کے لے لونگا میں دار و گیر میں

یوں فروزاں قبر میں حامدؔ رہے داغِ الم
ہوں نکیرین آ کے خیرہ چشم جس تنویر میں

سلام

غمِ حسینؑ جو قسمت میں ہو تو کیا کم ہے — یہ غم وہ ہے کہ خُدا بھی شریکِ ماتم ہے
سمجھ میں لاکھ بھی آئے مگر ہے لاتحصیٰ — اسی جہت سے تو تا حشر یہ نیا غم ہے
نہیں حسین پہ سادہ سے یہ کوئی حربے — یہ آستین کے سانپوں کا اِک کہن سم ہے
نبی کی آل پہ ہونے تھے ختم سب حربے — کہیں جو خنجر و شمشیر ہے کہیں سم ہے
رکھا بلند علمدارِ کربلا نے جسے — ہمارے دیں کا محافظ وہی تو پرچم ہے
جلالِ حیدرِ کرار الاماں و حفیظ — مقابلہ میں کوئی آئے کیا کہاں دم ہے
ہوں دورِ آدمیت میں بھی شبہ ہے جنکی — ہے شبہ رب کا جہاں ایسا سر وہاں خم ہے
اکڑ رہے ہیں غلامانِ حیدرِ کرار — علی کی شان کا محشر میں کچھ یہ عالم ہے
نظر نہیں ہے امامِ مبین پر جنکی — مبین ہو کے بھی قرآن اُنکو مبہم ہے
سرِ حسینؑ نے نیزہ پہ بھی پڑھا قرآں — کتاب و آلِ نبی میں یہ ربطِ محکم ہے
ہے غم میں شاہ کے جنت سے چشمکیں میری — کہ سلسبیل کی ہم چشم چشمِ پُرنم ہے
وہ ہو رہے ہیں مگر پیش قاتلانِ حسینؑ — مزاجِ داورِ محشر بھی آج برہم ہے

جو عمرِ خضر ملے پھر بھی کہوں حامدؔ
ع : غمِ حسینؑ زیادہ ہے زندگی کم ہے

سلام

حد نام سے جب رب کے ملی جلوہ گری کی — قائم ہوئی اُس دم کہیں تصویر علیؑ کی
ہو جاؤ وصی کے بھی مراتب سے تو آگاہ — اُس وقت نظر آئیگی پھر شانِ نبیؐ کی

سردار النساء، کفوِ علیؑ، اُمِّ ابیہا
یہ کہہ کے نہ رُک جاؤ کہ دختر ہے نبیؐ کی

ہم کیا ہیں، ملک اور نبی کر گئے سجدے
توریت ثنا گر ہے حسین ابنِ علیؑ کی

کونین ہے مشکور یہ وہ حد ہے سعی کی
دیکھو بھی تو کیا شان ہے عباسِ جری کی

خیبر وہاں لرزاں تھا تو کوفہ کا یہاں در
میدان میں عباس ہے تصویر علی کی

دکھلا دیا زنجیر میں بھی قید نہیں ہم
عابد نے ہر اک گام پہ باطل کی نفی کی

روتی ہے اگر یاد میں پڑتے ہیں طمانچے
یہ داد سکینہ کو ملی بے پدری کی

سوتی تھی اگر باپ کے سینہ پہ وہ معصوم
کب باپ کا سر دیکھ کے مرنے میں کمی کی

کس دل سے چلے شام سے اب زینبِ مضطر
اک لختِ جگر رہ گئی زنداں میں کسی کی

گو آنکھوں سے دیکھا نہیں، دل میں تو علی ہے
حامدؔ کو شکایت نہیں اب کم نظری کی

سلام

اشکِ غم مقبولِ خاتونِ جناں ہو کر رہا
داغِ دل پیشِ رسالت ارمغاں ہو کر رہا

شہ کے غم نے کر دیا بالائے میزان و صراط
میری آہوں کا دھواں تختِ رواں ہو کر رہا

عظمتِ اللہ اکبر، پیکرِ اکبر بنی
ہم شبیہ مصطفیٰ روحِ اذاں ہو کر رہا

تشنہ لب، بے شیر، بے کس جاں بلب ننھی سی جاں
اک لسانِ حق مجسم بے زباں ہو کر رہا

گو گمان و شک و ریب میں اغیار کی عمریں کٹیں
درِ علی کا سجدہ گاہِ قدسیاں ہو کر رہا

نامِ حیدر کے فدائی حامدؔ سا بھی مردِ حقیر
زندگی کے ہر قدم پہ کامراں ہو کر رہا

سلام

نفاق و کفر و ضلالت کا ہم نشاں ہوتے
اگر حسین نہ ہوتے تو ہم کہاں ہوتے

حسین کا ہے تصدق جو مل گیا ایماں
وگرنہ ذکر بھی ایماں کے داستاں ہوتے

خزاں وہ آئی تھی گلستاں نہ کوئی گل نہ کلی
اگر نہ اکبر و اصغر سے باغباں ہوتے

اُلٹ نہ دیتے مسلماں جو قدرِ عصمت کی
تو دینِ حق سے نہ اغیار بدگماں ہوتے

ادھر کی کھائیں اُدھر گائیں یہ مودت ہے
نہ پڑتا تفرقہ باہم جو دل زباں ہوتے

ولائے آلِ نبی اصل و عینِ ایماں ہے — بغیر اسکے عمل کیوں نہ رائیگاں ہوتے
حدیثِ غم تو تھی اک ترجمانیٔ مجمل — صفات ورنہ علی کے کہاں بیاں ہوتے
ہو ابر آہوں کا حامدؔ تو آنکھ بھی برسے
ثبوتِ غم تو نہ تھا داغِ دل نہاں ہوتے

سلام

غمِ حسین میں دل خود ہی چاک ہوتا ہے — یہ غم وہ ہے کہ نہ رونے سے باک ہوتا ہے
دلِ نجس میں کہاں حبِّ طاہرین کی جا — ہے اسکا گھر تو ہی دل جو پاک ہوتا ہے
جو بوتراب کا بندہ ہوئے زمین لحد — ترے فشار سے ڈر اُسکو خاک ہوتا ہے
پہاڑ بھی جو ہو مشکل کا، کیا نظر آئے — علی کے دھیان میں وہ انہماک ہوتا ہے
یہ شان تیغ و زباں کی ہے میرے مولا کی — کہ رزم و بزم میں دشمن ہلاک ہوتا ہے
حساب اجر رسالت کا جب تلک نہ چکے — کیا دھرا ہو جو کچھ سب وہ خاک ہوتا ہے
نظر حسین پہ کرتے ہیں جب نبی و ملک — زباں پہ نعرۂ روحی فداک ہوتا ہے
ہے کربلا پہ نظر حشر سے ہے کیا حامدؔ
ہوا کرے جو سماں ہولناک ہوتا ہے

سلام

زغۂ اعدا میں ہے زہرا کا دلبر دیکھنا — اے پیمبر دیکھنا نفسِ پیمبر دیکھنا
بےکسی فوج خدا کی ربِّ داور دیکھنا — حق پرستوں کا گلہ ناحق کا خنجر دیکھنا
لٹ گیا اک دوپہر میں کیسے زہرا کا چمن — کسطرح آلِ عبا پھرتی ہے در در دیکھنا
لا رہے ہیں دوش پر سرور جواں بیٹے کی لاش — یہ کلیجہ باپ کا اللہ اکبر دیکھنا
ابن ہو مشکل کشا کے ہم نے مانا اے حسین — باب خیبر سے ہے بھاری نعشِ اصغر دیکھنا
باب خیمہ پر سکینہ دیر سے ہے منتظر — چھد نہ جائے مشک عباسِ دلاور دیکھنا
گود میں زہرا کی ہاتھوں پر نبی کے جو پلا — اُسکے سینہ پر چڑھے شمرِ ستمگر دیکھنا
باندھتے ہیں زینب و کلثوم کے بازو دشقی — بانوئے مضطر ہے بلوے میں کھلے سر دیکھنا
پانچ کی چودہ کی ہے اس کو بہتر کی مدد — حشر میں حامدؔ کہ ہے کیسے نہ برتر دیکھنا

سلام بہ حضرت زینب عُلیا مقام

ایماں کی قسم بانیِ ایمان ہے زینب
قرآں کی قسم معنیِ قرآن ہے زینب

ماں فاطمہؑ، بابا علیؑ، حسنینؑ ہیں بھائی
نانا نبی اللہ کی بس شان ہے زینب

ایسا ہے کہاں اور کہ ماں باپ ہوں معصوم
عالم میں یہ مخصوص تری شان ہے زینب

تطہیر نصیبی یوں نہ ہوئی، تھا نہ کوئی کفو
یہ مصلحت رب بھی تری شان ہے زینب

کیا وقت پڑا بھائی نہ بچے نہ بھتیجے
جو صبح بھرا گھر تھا سو ویران ہے زینب

بیٹی ہی تو ہے شیرِ خدا کی، زہے ہمت
لوٹے ہوئے کنبہ کی نگہبان ہے زینب

زنداں میں سکینہ کی تو رحلت ہے قیامت
کس طرح سرانجام ہو حیران ہے زینب

دیواریں جلالت کی ہیں عصمت کی حصاریں
دربار میں بھی آئی تو ذیشان ہے زینب

لاتے ہیں ترا حکم بجا زین عبا بھی
کس شانِ ولایت کا یہ فرمان ہے زینب

سمجھیں گے لعیں، چھو بھی گیا ہو اگر ایماں
خطبہ ترا اک آیت قرآن ہے زینب

جاتے ہی مگر کاٹ گے شبیر کا سر بھی
جو دین ہے باقی ترا اعلان ہے زینب

کرتی نہ اگر تو، یہ عزا ہوتی نہ قائم
بھر دینِ نبوی پر ترا احسان ہے زینب

کیا حال ترا کر دیا اِس کرب و بلا نے
عبداللہ کو مشکل تری پہچان ہے زینب

جانِ علیؑ و فاطمہؑ شہزادیِ کونین
حامد بھی ترے نام پہ قربان ہے زینب

نوحہ

بروزِ شہ کربلا دل پہ گزرتی تھی کیا
ظلم کی تھی انتہا دل پہ گزرتی تھی کیا

بچنے کی تھی کچھ نہ آس، بیبیاں سب تھیں اداس
دیکھ کے بچوں کی پیاس دل پہ گزرتی تھی کیا

رَن کو جو اکبر چلے، تکتے تھے کیوں یاس سے
پیچھے چلے کس لیے دل پہ گزرتی تھی کیا

ہاتھوں پہ جب بے زباں دے چکا ننھی سی جاں
مانگتی تھی جبکہ ماں دل پہ گزرتی تھی کیا

بالی سکینہ سے جب، کرتے تھے رخصت طلب
سینہ پہ تھی تشنہ لب دل پہ گزرتی تھی کیا

بیٹی وہ بیمار روز دھیان میں ہوگی ضرور
کہیے نہ کچھ تو حضور دل پہ گزرتی تھی کیا

ہاتھ یہاں واں ہیں سر نعشیں کہیں خوں میں تر
پیاروں کے اس حال پر دل پہ گزرتی تھی کیا
کٹتا تھا جس دم گلا جاری تھی لب پر دعا
صبر یہ کیسے ہوا دل پر گزرتی تھی کیا
گھر کا تمہارے فقیر اکیا کہے حامدِ حقیر
غم میں شہ بے نظیر دل پہ گزرتی تھی کیا

نوحۂ عباس

شانِ وفا جہاں میں بڑھا کر چلے گئے
عباس کیا صفات دکھا کر چلے گئے
وہ رعب تھا کہ کانپتی تھی فوجِ اشقیا
شیرِ خدا کا زور بتا کر چلے گئے
عباس ہی کے دم سے تھا ہر اک کے دم میں دم
سب بیبیوں کے ہوش اڑا کر چلے گئے
بولی سکینہ پھرتے نہ تھے وعدہ سے چچا
کیا بات ہے جو پانی نہ لا کر چلے گئے
مشکیزہ تھاما دانتوں سے جب ہاتھ کٹ گئے
کس بے کسی میں تیغ وہ کھا کر چلے گئے
پانی پیا ، تر کے نہ دریا کے درمیاں
ایثار کا بھی رنگ دکھا کر چلے گئے
آئی جو یاد نزع میں تنہائی حسین
زانوئے شہ سے سر کو ہٹا کر چلے گئے
کس کی مجال خلد کو حامد کو روک دے
عباس تیرا نام بتا کر چلے گئے

بحضورِ رضائے غریب علیہ السلام

جلوہ نما جہاں میں نورِ رضا ہوا
ارض و سما پہ غلغلۂ مرحبا ہوا
ہے روشنی جو فرش سے تا عرش متصل
پیدا یہ بالیقیں کوئی شمس الضحیٰ ہوا
اس گھر میں سب علی و محمد ہیں سر بسر
شمس الضحیٰ ہوا کوئی بدر الدجیٰ ہوا
خیر الوریٰ ہے کوئی تو خیر النسا کوئی
اور کوئی ہے کہ نائبِ ربِ علا ہوا
ہیں ورنہ کتاب کی اسناد جابجا
ہوا تما کہ دھر ہوا قل کفیٰ ہوا
آیاتِ مدحِ آلِ عبا ہیں گہر فشاں
ہے موتیوں سے دامنِ قرآں بھرا ہوا
اے مسلمو! نبی جو سدھارے جہاں سے
حقِ علی و فاطمہ کچھ تھا وہ کیا ہوا
در صلہ ملا شہید کا بستر یہ مرکے بھی
پیاسوں کے غم میں مرنا بھی آب بقا ہوا
کیا دیکھیے ہو نامۂ اعمال اے ملک
ہے مدحِ اہلبیت کا دفتر کھلا ہوا

حامدؔ اگر ہے غرقِ معاصی تو کیا ہوا
جب ناخدائے نوح مرا ناخدا ہوا

ہاشمی دولھا

یہ محفل ہاشمی دولھا کی خوشبو سے معطر ہے
فضا رنگیں، ہوا جاں بخش منظر روح پرور ہے

یہ آہٹ بالیقیں حور و ملائک قدسیوں کی ہے
قرآن کہہ رہے ہیں آمدِ آلِ پیمبر ہے

سوا ہے ارتباطِ باطنی، ظاہر کے رشتہ سے
جو اک ہادی کا ہے فرزند اک ہادی کی دختر ہے

بلا ہے مرحبا شایانِ شان دامادِ سرور کو
شہادت کی مسرت جسکو شادی سے بھی بڑھکر ہے

یہ ہے وہ چاند جو ہے ساتویں ہی سے نہ کامل
دمک چہرہ کی یا برجِ شرف میں اوجِ نیر ہے

مہ و خورشید گردش میں اسی نوشہ پہ صدقے ہیں
فرازِ آسماں سے کہکشاں اسکی بچھا دی ہے

حسن کے خلق کی خوشبو زمانہ بھر پہ چھائی ہے
مہک اٹھے ریاضِ دو جہاں پہ وہ گلِ تر ہے

گھٹائیں جھوم کر یوں دعوتِ میخانہ دیتی ہیں
کہ اک اک خم محبتوں کی نظر میں آج ساغر ہے

غلافِ صلح میں رکھکر حسن نے دی جو قاسم کو
نیامِ مصلحت سے آج وہ شمشیر باہر ہے

نہ دیکھی تھی حسن کی جنگ جسنے دیکھ لے آکر
گماں کہتا ہے کچھ اس تیغ میں پوشیدہ جوہر ہے

سمجھتا تھا یہ ازرق، کیا لڑیگا مجھ سے یہ بچہ
خبر کیا تھی علی کے گھر کا ہر بچہ ہی حیدر ہے

الٰہی یہ عجب شادی رچی گھر میں محمد کے
خوشی اسکی جو ہر گھر میں تو ماتم اسکا گھر گھر ہے

نرالا امتزاجِ شادی و غم یاں ہویدا ہے
ہنسی ہونٹوں پہ اک جانب تو غم سے آنکھ بھی تر ہے

عروسِ نو، نہ کر غم، ہو کے تو بلوے میں بے پردہ
خدا رکھے ترے سر فاطمہ زہرا کی چادر ہے

نہ ہوگی حشر میں پہچان مشکل تیرے دولھا کی
کہ شہزادہ کا سر تا پا اسکے خوں سے تر ہے

علی کے نام پر جیتا ہے کوئی کوئی جلتا ہے
یہ قسمت اپنی اپنی اپنا اپنا یہ مقدر ہے

کسی کو کیا خبر حامدؔ میں کیوں لیے فکرِ عقبیٰ ہوں
غلامِ مالکِ جنت ہوں جنت تو مرا گھر ہے

بحضور شہزادی کونین سکینہ بنت حسین

ظلمت کے دور میں ہے نورِ سحر سکینہ
تسلیم و صبر کی ہے پیغامبر سکینہ

دونوں جہان جسکی خوشبو سے مہک اٹھے
گلزارِ پنجتن کی تازہ ثمر سکینہ

صورت میں فاطمہ ہے سیرت میں فاطمہ ہے
انوارِ فاطمہ کا نقشِ دگر سکینہ

تھی بضعۂ رسالت جسطرح تیری دادی
تو بضعۂ امامت ہے سر بسر سکینہ

خطبہ دیا جو تو نے جوں سیدہ و حیدر
منزل صفارنا کی آئی نظر سکینہ

تیری جبین روشن تفسیر والضحیٰ کی
تیری زبانِ ناطق فوق البشر سکینہ

تفریقِ حق و باطل ہر ہر قدم ہوئی ہے
جس راہ بھی ہوا ہے تیرا گذر سکینہ

آلِ رسولؐ پر ہے صدقہ حرام پھر
دی بھوک پیاس میں بھی تونے خبر سکینہ

چھینا گہر کا جانا وہ تازیانے کھانا
خاموش ہو گئی سب عالی گہر سکینہ

جانا نہ تھا یہ تیرا تا شام کربلا سے
اسلام پھر رہا تھا یوں در بدر سکینہ

تھی صبر کی یہاں حد اور ظلم کی وہاں حد
ہے یادگارِ عالم یہ خیر و شر سکینہ

سینہ پہ شہ کے سونا شہ کا بے سکے مرنا
روداد ہے یہ تیری بس مختصر سکینہ

اس غمکدہ کو چھوڑ دو بابا کے پاس جاؤ
حوریں بھی منتظر ہیں باندھے کمر سکینہ

یاں شام میں بھی ہر دم ہے صبح کا نظارا
جاری ہے فیض تیرا آٹھوں پہر سکینہ

ادنیٰ غلام اک ہے حامد بھی تیرے گھر کا
محشر میں اس پہ بھی ہو تیری نظر سکینہ

تسکینِ دلِ حضرت شبیر سکینہ

کرتے رہے ظالم تری تشہیر سکینہ
بنتی رہی اسلام کی تقدیر سکینہ

یوں خوش ترے آنے سے ہیں شبیر سکینہ
جیسے ہو کسی خواب کی تعبیر سکینہ

شہزادئ کونین نہ کیونکر تجھے سمجھیں
شہزادئ کونین کی تصویر سکینہ

سوتی ہوئی جب سینۂ شہ پر نظر آئی
خود ہو گئی ظاہر تری توقیر سکینہ

ہے جشن مگر غم کو ترے کیسے بھلائیں
آواز ہے شاعر کی گلوگیر سکینہ

ہے زندگی چھوٹی یہ تری رکھتی ہے لیکن
خود زندگیاں دینے کی تاثیر سکینہ

بابا کی محبت میں ہے تیری یہ شہادت
بے جرم و خطا کشتۂ تعزیر سکینہ

کرتے کا ترے خوں میں بھیگا ہوا دامن
لاریب کہ ہے چادرِ تطہیر سکینہ

وہ شام کے زنداں میں تری قبر کا بننا
بت خانہ میں کعبہ کی ہے تعمیر سکینہ

آتا ہے نظر شام میں بھی صبح کا منظر
اس شان کی ہے کچھ تری تنویر سکینہ

ہر امر ترا مقصد شبیر کا حامل
ہر بات ہے قرآن کی تفسیر سکینہ

سر لیکے جو بابا کا سوئے خلد سدھاری
تسکین پدر کی تھی یہ تدبیر سکینہ

کیوں شہ کے غلاموں کے دلوں کو نہ ہو ڈھارس
تسکین دل حضرت شبیر سکینہ

دلمیں جو مصیبت پہ تری داغ پڑے ہیں
پروانۂ جنت کی ہیں تحریر سکینہ

محروم رہے کیسے بھلا خلد سے حامد
یہ تیرے غلاموں کی ہے جاگیر سکینہ

حضرت علی اصغر علیہ السلام کے حضور میں

ہے دین کی بنا تیری شہادت علی اصغر
اے مطلع انوار رسالت علی اصغر

کیا مقصد شبیر پہ پھر لائے کوئی شک
دے تجھ سا جو معصوم ضمانت علی اصغر

لی جھولے میں انگڑائی یہ تھا جوش شہادت
یہ تیرا ہی حصہ تھی شجاعت علی اصغر

دکھلا کے زباں کھول دئے راز حق و کذب
ناطق ہے ابد تک یہ فصاحت علی اصغر

لے آئے تجھے شہ ہاتھوں پہ دل اپنا جس عنواں
قرآں سے نکل آئی ہو آیت علی اصغر

دادا سے جو ترے ہوئے تصدیق رسالت
تجھ سے ہوئی تصدیق امامت علی اصغر

واں دوش رسالت تھا یہاں دست امامت
بت ڈھانے میں جد کی ہے شباہت علی اصغر

اک نقش رسالت کا نیا تو نے ابھارا
جب خون سے کی مہر نبوت علی اصغر

اسلام کا عنواں ہے ترے خون کی سرخی
اے مبدۂ توحید و رسالت علی اصغر

چھوٹے بھی محمدؐ کے گھرانے کے بڑے ہیں
یہ سن ترا اور دیں کی حفاظت علی اصغر

نقطہ جو ہو چھوٹا تو صفات اور ہوں مرکوز
کیا جانے کوئی تیری حقیقت علی اصغر

ہر دل میں بنا مرکز اسرار شہادت
کعبہ میں ہے اللہ کی آیت علی اصغر

مٹھی میں لئے سوتے ہو کس شان سے واللہ
ہر ایک کے ایماں کی بضاعت علی اصغر

تم نفس تھے ان کے جو تھے ایمان مجسم
ایمانوں کے ایماں کی امانت علی اصغر

ہیں ارض و سما پر تری مظلومی کے چرچے
کونین میں ہے تیری حکایت علی اصغر

کیا ان کے مدارج کا بیاں کر سکے حامد
ہو جن کے لئے تیری شفاعت علی اصغر

بولتا قرآن

قرآنِ شہادت کا اصغر تو ہی عنواں ہے
شبیر کے ہاتھوں پر تو بولتا قرآں ہے

تو شہنشہ شاہاں، تو نازشِ معصوماں
تو روحِ شہادت ہے ایمانوں کا ایماں ہے

تو آیتِ کبریٰ ہے، تو نورِ سراپا ہے
تو رونقِ ہستی ہے، زینتِ دہِ امکاں ہے

گہوارہ نشین گھر سے نکلے تو نہ تھے اب تک
میدان کو جاتے ہو اللہ نگہباں ہے

ہنستے ہوئے کھایا ہے پیکانِ ستم جس نے
گلزارِ رسالت کا یہ وہ گُلِ خنداں ہے

عظمت پہ شہادت کی حیراں ہیں دو عالم بھی
اللہ رے دانائی، کہنے کو تو ناداں ہے

جتنے بھی صغار آئے اس گھر میں کبار آئے
اس قولِ رسالت پہ اصغر تو ہی برہاں ہے

شبیر کے مقصد کی ضامن تری قربانی
کیا دینِ محمدؐ پر اصغر ترا احساں ہے

شبیر سے داں احمدؐ، اصغر سے عیاں شبیر
اصغر سے محمد ہیں بس صاف نمایاں ہے

ایماں تری مٹھی میں اور زخم مرے دل میں
محشر کا یہی سودا عقبیٰ کا یہ ساماں ہے

حامدؔ تجھے کیا غم ہے ترا اشک بداماں ہے
اس قطرہ میں مستغرق عصیانوں کا طوفاں ہے

ذکرِ علی اصغر عبادت

ہمارے واسطے ذکرِ علی اصغر عبادت ہے
کہ اعلیٰ، اکبر و اصغر، علی سب سے عبادت ہے

حیاتِ مختصر تیری یہ فخرِ خضر و عیسیٰ ہے
کہ عمرِ جاوداں در اصل یہ تیری شہادت ہے

سجی طفلی میں بابا پر قبائے سیدِ جنت
ترا ننھا سا شلوکہ بھی سزاوارِ امارت ہے

ہیں اس گھر میں نمونے سب رسالت اور ولایت کے
جو اصغر میں علیٔ اکبر میں احمد کی شباہت ہے

ملوث انبیاء تک بھی تو نکلے ترکِ اولیٰ میں
جو مطلق ہے طہارت بس وہ چودہ کی طہارت ہے

محبت محو کر دیتی ہے حیدر کی گناہوں کو
گنہگارو نہ غم کھاؤ نبی کی یہ بشارت ہے

نہ پہنچو گے علی و احمدِ مختار تک خود سے
وسیلہ درمیاں عباس کی بھی تو سفارت ہے

لوائے حمد وہ کہلائیگا میدانِ محشر میں
جو ہے عباس کے ہاتھوں میں یہ وہ ہی تو رایت ہے

علی ہر شے پہ قادر ہے، نہ سمجھو اسکو افسانہ
یہ حکمِ عقل، ارشادِ نبی، قرآں کی آیت ہے

دکھا دے کوئی بھی لے نام علی کوئی تو ہم خوش ہیں
وظیفہ جنکا ہو نادِ علی، ان کی یہ عادت ہے

محب جو دوست کا ہے دوست، دشمن دوست کا دشمن — ہمارے سامنے تو سیدھی سادھی یہ کہاوت ہے
سمجھتا ہوں نصیری کو میں مومن کی حدِ آخر — ہے مرضی آپ کی سمجھیں کہ حامد کی جسارت ہے

قصیدہ

۱۵ رجب ۱۳۸۵ھ کو ڈاکٹر صادق حسین صاحب سابق سیول سرجن کے ہاں معصوم شیر خوار حضرت علی اصغر علیہ السلام کے جشنِ ولادت کے موقعہ پر طرح پر کہا ہوا قصیدہ۔

طرح:۔ "خدا کے دین کو اصغر نے بخش دی ہے حیات"

خدا کے دین کو اصغر نے بخش دی ہے حیات — صغارِ آلِ نبی کے بڑے ہیں احسانات
ملی چھ ماہ کے سن میں جو زندگیٔ شہید — ہر اک شہید سے اصغر کی بڑھ گئی ہے حیات
خوشی کے ہی سبھی آنکھوں میں آ گئے آنسو — کہ متصل ہی ہیں تیری ولادت اور ممات
ہے شہ کے ہاتھوں پہ یہ بے زباں ناطق تر — جو قاسم و علی اکبر ہیں بولتی آیات
یہ وار کفر پہ کم ضربِ حیدری سے نہیں — مٹا کے چھوڑے ہیں باطل کے سارے امکانات
تو دینِ حق کی شہادت پہ حرفِ آخر ہے — صغارِ آلِ نبی کا ہے تو علی بالذات
قسم خدا کی سکینہ اِدھر اُدھر اصغر — ہمارے واسطے بس ہیں یہ قاضی الحاجات
خدا کا وعدہ ہے فیہا نزد لہ حسنا — ولائے آلِ نبی یوں بڑھاتی ہے درجات
نظر نہیں ہے امامِ مبین پر جن کی — مبین ہو کے بھی قرآں ہے انکو متشابہات
سمجھ میں آتی ہے اضداد سے حقیقتِ شئے — جو جانو جھوٹوں کو سمجھو گے صادقین کی ذات
جو دشمنانِ علی سے نصیب ہو نہ برأت — کدھر کا ذکرِ تولا کہاں کا شوقِ نجات
اصول یہ ہے کہ یک در بگیر و محکم گیر — ہبل و عزیٰ کو مار و منات و لات کو لات
پکڑو حبلِ خدا کو یہ ہے سبیلِ نجات — کہیں نہ سانپوں کو رسی سمجھ کے ڈالو ہات
نہ کہنا پھر کہ ہمیں ہائے کچھ خبر نہ ہوئی — لم اتخذ فلاناً خلیلا صد ہیہات
وہ ڈھونڈو در کہ فرشتے جہاں سوالی ہوں — بھلائیں بھولا جو روح الامیں خوشا اوقات
مکان وہ کہ جسے لامکاں بلند کرے — مکین وہ کہ ملک جن پہ پڑھتے ہوں صلوات
مودۃ، ھل اتیٰ، لیس، مباہلہ، تطہیر — خدا نے ان کے لئے بھیجیں تین سو آیات

جولا کے دے کبھی رضوان حلہائے بہشت — تو جبرئیل کبھی لائیں خلد کی سوغات
کبھی نبی بنیں ناقہ، مہار ہوں گیسو — صدائے عف سے جہنم کے سرد ہوں طبقات
کہا جو خوب بنے سید البشر مرکب — ملا جواب یہ راکب ہیں سید السادات
رسول چھوڑ دے منبر جو الجھیں ملبوسات — دو چلے خطبہ کے پھر کرتا جائے ان سے بات
جو بیٹھیں پشت پہ سجدے سے سر نبی نہ اٹھائے — ہے گویا مہر نبوت بھی ان کی مقبوضات
کہیں سنا ہے کہ بچوں کے بھی ارشادوں پر — دیئے ہوں قادر مطلق نے اپنے احکامات
دراصل ہیں یہ مقامات کن فکاں کے مکیں — خدا نے اپنی مشیت کو دیدیئے جسمات
سبحانی جب ہوئی منظور بزم محسوسات — انھیں کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جلوۂ ذات
یہ بندے وہ ہیں گماں جن پہ ہوں خدائی کے — خدا نہیں بخدا انہیں ہے خدا کی صفات
نبی کے گھر کے یہ نیچے حروف ہیں اسکے — تلقّٰی آدم من ربہ جو تھے کلمات
صغیر ہوں کہ بڑے کلمتا محمد ہیں — بڑے جو وقت تو چھوٹے سے آئیں ہاتھوں ہات
چھ ماہ عمر ہو ہو دھوپ پیاس دودھ نہ ہو — گلے کے خون سے بخشینگے دیں کو آب حیات
بڑا عظیم ہے واللہ ننھا یہ آقا — ہے جسکو امر شفاعت بھی ایک کھیل کی بات

خدا نہ کیجیو حامد کو اپنے قدموں سے
کریگا خلد میں خدمت یہ تیری دن اور رات

ایک مشہور سنی شاعر کے چند شعر

لباس ہے پھٹا ہوا غبار میں اٹا ہوا — تمام جسم نازنیں چھدا ہوا کٹا ہوا
یہ کون ذی وقار ہے بلا کا شہسوار ہے — کہ ہے ہزاروں قاتلوں کے سامنے ڈٹا ہوا
یہ بالیقین حسین ہے نبی کا نور عین ہے

عبا بھی تار تار ہے تو جسم بھی فگار ہے — زمیں بھی تپی ہوئی فلک بھی شعلہ بار ہے
مگر یہ مرد تیغ زن یہ صف شکن فلک فگن — کمال تند خو ہی سے محو کارزار ہے
یہ بالیقین حسین ہے نبی کا نور عین ہے

ادھر سپاہ شام ہے ہزار انتظام ہے — ادھر شقی تمام ہیں ادھر فقط امام ہیں
مگر عجیب شان ہے غضب کی آن بان ہے — کہ جس طرف اٹھی ہے تیغ بس خدا کا نام ہے
یہ بالیقین حسین ہے نبی کا نور عین ہے

(حفیظ جالندھری)

یا علی اصغر

یارب ملے اجازت کروں بیان اصغر
نطق بشر کہاں ہے شایانِ شانِ اصغر

ہے وہ اعظموں کا اعظم ہے وہ عالیوں کا عالی
طفلی سے کر نہ جانا ہرگز گمانِ اصغر

ظاہر میں گو خفی ہے وہ آیت جلی ہے
عرفانِ ربِ اکبر رازِ نہانِ اصغر

مقصودِ انس وجاں ہے مسجودِ قدسیاں ہے
اک کعبۂ اماں ہے بس آستانِ اصغر

عظمیٰ تری شہادت توحید کی ضمانت
کیسے نہ ہو گی قدرت پھر مدح خوانِ اصغر

پشتِ نبی پہ سرور ہاتھوں پہ انکے اصغر
معراج سے ہے برتر توقیر و شانِ اصغر

مہ و مہر و عرش و کرسی زیرِ قدم ہیں سب ہی
کتنا بلند الٰہی ہے آسمانِ اصغر

بنتی ہے بے زبانی خود ہی زبانِ اصغر
قرآن ہے زبانِ حق ترجمانِ اصغر

پیکاں گلہ پہ کھانا پھر اسپہ مسکرانا
مشکل ہر امتحاں سے ہے امتحانِ اصغر

ننھا سا اک وہ غنچہ مرجھا کے بھی جو مہکا
جھکے نہ تا قیامت کیوں بوستانِ اصغر

تھراتا عرشِ اعظم ہلتا انتظامِ عالم
گر بدلۂ تبسم ہوتی فغانِ اصغر

طفلی میں ہیں یہ تیور جوں عہد میں ہوں حیدر
کیا ہوتا حق ہی جانے پھر عنفوانِ اصغر

گہوارۂ رن جہاد و پیکان و فتح و مرقد
اتنی ہی مختصر ہے بس داستانِ اصغر

اک اک قدم وہ چلنا ہر ہر قدم پہ رکنا
محسوس شہ کو بھی تھا بارِ گرانِ اصغر

قدرت کا رنگ ہے فق فطرت کا دل ہوا شق
کچھ مسکراہٹوں میں دیکھی جوانِ اصغر

ہر سنگ دل تلک پر رہا نقشِ غم ابھر کر
دنیا ہی چل رہی ہے لیکر نشانِ اصغر

ہیں جمع زیرِ پرچم سارے شہیدِ عالم
ہر کارواں سے اکرم ہے کاروانِ اصغر

محفوظ تا ابد ہیں اندیشۂ بلا سے
قسمت سے مل گئی ہے جنکو امانِ اصغر

حامد جو چاہتا ہو سب جنتیوں کی جنت
محشر میں ڈھونڈ لیجو بس تو مکانِ اصغر

دین کا ننھا محافظ

جن عقلوں سے باہر ہے مفہوم خلافت کا
اللہ کی نیابت ہے اک کھیل سیاست کا

قہر و غلبہ کو بھی ٹھیرا دیا تم نے حق
یہ حال کیا تم نے افسوس شریعت کا

بولے کبھی استخلاف، اجماع، کبھی شوریٰ
ہر قاعدہ من انا بس اپنی ضرورت کا

جو اب کی خلافت ہے، لوگوں کی امامت ہے
اک شخصیتِ واحد ہے فرقِ اضافت کا

تم چھوڑ کے حبل اللہ رشتوں کے چلے پیچھے
پہنا دیا جامہ بھی ہفتاد و دو ملت کا

عترت کو اِدھر چھوڑا، قرآں سے بھی منہ موڑا
دونوں سے تمسک کا تھا حکم رسالت کا

ظاہر میں پڑھا بھی تو اترا نہ حلق سے کچھ
مخفی ہی رہا معنی اس اک جلی آیت کا

ایمان کا دعویٰ بھی، ایماں سے تخالف بھی
انکارِ رسالت ہے، انکار امامت کا

میدانِ عمل سے تم ہر وقت گریزاں تھے
کب پاس کیا تم نے احکامِ نبوت کا

اے اہلِ سقیفہ تم چل کر تو ذرا دیکھو
خنجر یہ تمہارا ہے یہ خوں ہے رسالت کا

کچھ اہلِ حرم کے یہ خیموں میں نہیں شعلے
ہے آگ پرانی گھر خاتونِ قیامت کا

جب وقت کٹھن آیا اسلام پہ کوئی بھی
کام آئے وہی جنمیں تھا خونِ رسالت کا

کیا ذکر بڑوں کا ہے بچوں نے کیا وہ کچھ
دائم ہے زمانہ پر نقش انکی شجاعت کا

جھولے سے چلے آنا ننھے سے مجاہد تم
شبیر پہ آیا ہے اب وقت مصیبت کا

ہے دودھ جو باچھوں میں ناوک رگِ گردن میں
انداز نرالا ہے یہ دیں کی حفاظت کا

وہ نصرت دیں، وہ سن، وہ تیر تبسم پھر
ہے راز علی اصغر اللہ کی قدرت کا

تو جانِ مودت ہے تو حاصلِ قرآں ہے
تو نقطۂ آخر ہے ایماں کی حقیقت کا

ہو جسکی خموشی میں خطبوں کا اثر حامد
پھر اسکا اشارہ کیوں ضامن نہ شفاعت کا

بحضور شہزادۂ معصوم علی اصغر علیہ السلام

حق یہ ہے کہ حق تجھ سے قائم ہے علی اصغر
توحید ترا افضل دائم ہے علی اصغر

یاں عزمِ بشر کی حد آغاز کا نقطہ ہے
کچھ ایسی ہی منزل کا عازم ہے علی اصغر

کی مہر صداقت پر تیری ہی شہادت نے
تو سارے شہیدوں کا خاتم ہے علی اصغر

کب شوقِ شہادت میں کم ہے یہ کسی سے بھی
عباس ہے اکبر ہے قاسم ہے علی اصغر

ہو کر بھی صغیر ایسا کچھ کام کیا تو نے
حق ہے جو سرِ محشر حاکم ہے علی اصغر

جب لوح و قلم ابھرے، لکھا یہ نظر آیا
پروانۂ جنت کا راقم ہے علی اصغر

قدرت کے اشارے سے خم تیری خوشی میں ہیں
نظمِ دینِ کل کا ناظم ہے علی اصغر

ایمان کی جو جان ہے جو حاصلِ قرآں ہے
وہ دینِ محمد کا لازم ہے علی اصغر

خدمت ترے بابا کی کرتے تھے فرشتے سب
ہر اک ترا موروثی خادم ہے علی اصغر

پانی کی طلب کب تھی تکمیل تھی حجت کی
اسرارِ مشیت میں صائم ہے علی اصغر

کیا ذکرِ غم و غصہ، ہونٹوں پہ تبسم تھا
اے حرملۂ ناداں کاظم ہے علی اصغر

مستور تبسم میں شبیر کی ہر کاوش
اسرارِ شہادت کا عالم ہے علی اصغر

یہ موجِ تبسم ہے باطل کے لئے طوفاں
اب غرقِ خجالت ہر ظالم ہے علی اصغر

اس تیرے تبسم پر معلوم یہ ہوتا ہے
جیسے کہ مشیت بھی نادم ہے علی اصغر

شیدا یہ ہوا تیرا، خلد اسکی ہوئی شیدا
ہونیکو تو حامد اک آثم ہے علی اصغر

سلام

طرح :- رُخِ اسلام پر ہے حُسنِ کردارِ علی اصغر

ہے ایماں غیب پر لازم طلبگارِ علی اصغر
کہ عقلوں سے ورے ہے شانِ کردارِ علی اصغر

قالِ عرش پیمائی فطرس نے دہیں ٹوکا
چلی تھی دیکھنے کو عقل معیارِ علی اصغر

تھا شہ کا استغاثہ بس اسی لبیک کی خاطر
کہ جو افکارِ شہ کے تھے وہ افکارِ علی اصغر

نہ سمجھو تم کہ اک بچہ تھا گہوارہ میں خوابیدہ
امامت کی تھی نگراں چشم بیدارِ علی اصغر

حسین ابن علی کا بھی تو تھا طفلی ہی کا وعدہ
اُسی وعدہ کی ہے تکرار اقرارِ علی اصغر

صغارنا کو سمجھو پھر علی کی ذات کو سوچو
سمجھ میں آئینگے اُسوقت اسرارِ علی اصغر

امامت بن کے مرکب لائی معراجِ شہادت پر
کہاں محتاج رف رف کی تھی رفتارِ علی اصغر

گماں تھا جسپہ صامت کا وہ نکلا مصحفِ ناطق
عیاں ہٹ کر نظر آیا جو رخسارِ علی اصغر

اشارے یہ زبانِ حال کے بس رمزِ قدرت تھے
کہ ما اوحیٰ کی اک منزل تھی گفتارِ علی اصغر

تبسم تھا مثلِ فوجِ ابرہہ کفار کا لشکر
تھی فعلِ رب کے دراصل پیکارِ علی اصغر

صداقت شہ کی منوانا سرِ میدان سر دیکر
یہ ننھی عمر یہ فرضِ گرانبارِ علی اصغر

دلاسا مسکرا کر باپ کو دنیا بدر صورت
کیا ہے تم نے تو لاریب یہ کارِ علی اصغر

شہادت تھی یہ نفسِ مطمئن کا نقطۂ آخر
نظر آئے رخِ سرور پہ انوارِ علی اصغر

نظر آئے یہاں عیسیٰ و یحییٰ گھٹنیوں چلتے
کچھ ایسی عرش زیرِ پا ہے سرکارِ علی اصغر

نہ بھی دیتی ہو گر جنت تو یارب التجا یہ ہے
نہ رکھیو تو مجھے محروم دیدارِ علی اصغر
ندا دیتے ہیں حامدؔ تجھکو اہلِ حشر جلدی جا
پرستارِ علی اصغر! پرستارِ علی اصغر

سلام

جلالِ مرتضائی ہے نہاں اصغر کے تیور میں
نئے ڈھب کی پریشانی ہے اب اعدا کے لشکر میں
ہیں گہوارہ میں اصغر جسطرح ہوں مہد میں حیدر
مجسّم مصطفائی ہے عیاں اکبر کے پیکر میں
سکینہ اصغر و عون و محمدؐ قاسم و اکبر
ملیگی پنجتن کی جا بجا تصویر اس گھر میں
ہوا خود مسئلہ حل زوجیت باری تعالیٰ کا
نظر آئی جو شانِ کبریائی ذاتِ حیدر میں
مرے آقا کی مولائی کا اندازہ ہوا ہوگا
شہنشاہوں نے پائی شانِ آقائی جو قنبر میں
نہ سمجھا قوتِ حیدر ہیں تیری عقل پر پتھر
ارے مرحب جو بھر لایا ہے پتھر اپنے مغفر میں
حقیقت میں فرشتے بھی کہاں سمجھے یداللّٰہی
کسک اب تک بھی جبریلِ امیں پاتے ہیں شہپر میں
معمہ تھے معمہ ہیں رہینگے یہ معمہ ہی
علی کے راز پنہاں ہیں جو معراجِ پیمبر میں
فرشتوں کے تو پر جل جائیں تم آؤ مقابل میں
ارے دنیا کے بندو جاکے ڈوبو بحرِ احمر میں
نظر ایسے بھی کچھ بعدِ رسالت آئے منبر پر
کہ تھا دشوار کرنا فرق انساں اور بندر میں
علی کے دشمنوں سے اے خدا جن جن کے بدلہ لے
بہت سے ظالموں کے نام ہیں اوراقِ محضر میں
ذرا ہاں حرملہ سے بھیجیو تو خوب سا یارب
اسی ظالم کا ہے تیر سہ شعبہ حلقِ اصغر میں
مقام اسکا کہاں سمجھوگے لیکن اک اشارہ ہے
یہ اصغر ہونے ہی سے شافعِ اکبر ہے محشر میں
ہے جنت مومنوں کی یادِ سرور ہی میں اے حامدؔ
بغیر ان پر سلام آئے مزا کیا آبِ کوثر میں

طرح: علی اصغر کے جھولے سے عیاں ہے نورِ یزدانی

بلا ایمان جسمیں کیا بیاں ہو اسکی تابانی
علی اصغر کے جھولے سے عیاں ہے نورِ یزدانی
مبارک مومنوں کو شاہزادہ کی ولادت ہو
لئے آتے ہیں جبریلِ امیں تبریکِ ربّانی
نصیری آکر حضر بھی دیکھ لے تسکین ہو جائے
یہ ہے چھوٹا علی ہیں قوتیں اسمیں بھی رحمانی
کہاں خاطر میں لائیں دو جہاں کی بھی وہ سلطانی
جنہیں تقدیر سے مل جائے تیرے در کی دربانی

گناہوں کے خس و خاشاک اب کیا خاک ٹھہرینگے
مودت کے سمندر کا تلاطم خیز ہے پانی

نہ ہوں جب مثبت و منفی کہاں جلتی ہے برقِ رو
تولا اور تبرا ہیں یونہی اجزائے ایمانی

علی کے دشمنوں کو دیکھے دوزخ کی ضمانت میں
کرو اب ذکر جنت کا کہ یہ محفل ہے عرفانی

مگر ہاں چلتے چلتے اُن سے تم اتنا تو کہہ جاؤ
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

کہاں عیسیٰ و یحییٰ اور کہاں ٹکڑے محمد کے
علی اصغر کہاں پیدا ہوا تیرا کوئی ثانی

خزانے لٹ رہے ہیں نور کے ننھے سے ہاتھوں سے
اُدھر ہے انبیاء کو شکوۂ کوتاہ دامانی

رگِ گردن پہ اپنی روک کر پیکانِ باطل کو
قیامت تک مٹا دی تو نے فرعونی و ہامانی

خزانہ رکھ کے جاھک الفتِ آلِ محمدؐ کا
نہ آئی شرم کرتے شکوۂ بے ساز و سامانی

بہ جشن ولادت معصوم شیر خوار حضرت علی اصغر علیہ السلام

بجز حبِ علی ایماں اگر حاصل نہیں ہوتا
بغیر عشق اصغر آدمی کامل نہیں ہوتا

ہے تو وہ نور جس نے جگمگایا سارے عالم کو
کوئی اس عمر میں اس شان کا حامل نہیں ہوتا

خدا ہی جانے کیا عظمت ہے اس بے شیر کے خوں کی
زمیں کیا آسماں اس بار کے قابل نہیں ہوتا

ولادت کی خوشی مہنگی پڑی تیرے غلاموں کو
کہ عرصہ چھ مہینے کا بڑا فاصل نہیں ہوتا

سفینہ کو نبی کی آل کے او چھوڑنے والے
سمجھ رکھ تو کبھی آسودۂ ساحل نہیں ہوتا

نبی کی پیروی کا ادعا کس منہ سے کرتا ہے
جوانی تارکُ کے حکم پر عامل نہیں ہوتا

برائت کیا ولادت پر بھی کعبہ نے سنا قرآں
یہ جب کی بات ہے قرآن جب نازل نہیں ہوتا

علی کے در سے کیا ملتا ہے یہ جبریل سے پوچھو
دگر نہ عرش سے آکر کوئی سائل نہیں ہوتا

علی کے نام کی تاثیر ہے یہ نام جب لے لو
کسی مشکل کو آساں جاننا مشکل نہیں ہوتا

عبادت مقصدِ خلقت بحکم رب جو سمجھیگا
علی کی یاد سے وہ یک نفس غافل نہیں ہوتا

ہے قسمت دل ہی دل میں کٹ کے مرنا اسکی اے حامد
سمجھ کر بھی مرے مولا کا جو قائل نہیں ہوتا

ھُوَ القَائِم

قیامت تک جو ہے قائم وہ قدرت کے نشاں تم ہو
صدا کونین سے آتی ہے شانِ لامکاں تم ہو

ہے سورہ قدر کا شاہد کہ تم موجود و قائم ہو
ہو نور دائم رب کے دو جہاں کے حکمراں تم ہو

زمانہ حجت حق سے رہے خالی نہیں ممکن
وہی حجت خدا کی اے محمدؐ کے نشاں تم ہو

ہو تم ہی جانشین صاحب معراج کیا کہنا
زمیں جسکی ہے خود عرش بریں وہ آسماں تم ہو

نہ ہوتا عدل شیطاں ہو مگر ہادی نہ ہو کوئی
خدا کی عین رحمت ہے ہمارے درمیاں تم ہو

تمہیں کو دیکھنے تو خضر اور الیاس جیتے ہیں
مسیحا جسکا دم بھرتے ہیں وہ روح رواں تم ہو

اُولی الامر اور اُوتی العلم ہو حبل المتیں تم ہو
امام وقت تم ہی ہو امام دو جہاں تم ہو

نہ پہچانا امام وقت کو جس نے مرا جاہل
نبیؐ بتلا گئے ہیں صاحب عصر و زماں تم ہو

رسولان و امامان سلف کے تم ہی وارث ہو
خدا کے نائب برحق ہو دیں کے پاسباں تم ہو

رسالت یا امامت ہو وصایت یا ولایت ہو
ہیں شبیر مرکز تم ہی ہیں وہ بحر بیکراں تم ہو

خدا کی طرح ہو مستور لیکن کار فرما ہو
عیاں نور خدا تم سے اگرچہ خود نہاں تم ہو

خدا کی تم مشیت جو کہو تم وہ مشیت ہے
علیم و واقف سر الٰہی راز داں تم ہو

تمہیں میں شان مولا کی تمہیں میں شان رحمت بھی
علی تم ہی ہو سر تا سر محمدؐ بیگماں تم ہو

ہو جسم و جاں محمدؐ کے جو کچھ وہ تھے سو تم بھی ہو
محمدؐ کے ہو نفس و دل محمدؐ کی زباں تم ہو

مہک جسکو ملی تیرہ گل عصمت کی وہ گل ہو
محمدؐ کے گلستاں کی بہار جاوداں تم ہو

جو فرمائیں ظہور آقا اگر حامد رہے مردہ
اشارہ سے بلا لینا کہ شان کن فکاں تم ہو

واجب ممکن نما

مصور جسطرح تصویر اپنی خود بناتا ہے
سمجھ لو تم علی بھی بس یونہی نقشہ خدا کا ہے

پیمبر نے کہا تو بھی غلط کہنے لگا حامد
کدھر تصویر تو کہنے لگا چہرہ خدا کا ہے

قرآن ناطق

علی پر جبکہ خود قرآن ناطق کی دلالت ہے
علی کا ہر عمل قرآن از رہ درایت ہے

گری ہو نفس کی خیرات ہو روٹی کی درہم کی
اُدھر صامت کی آیت ہے اِدھر ناطق کی آیت ہے

عَلِیّاً وَلِیُّ اللّٰہ

فرازِ عرش کی زینت ہے کلمہ مرے مولا کا
لوائے حمد کی رفعت ہے کلمہ مرے مولا کا
پڑھے کلمہ جو بے نامِ علی خارج ہے جنت سے
کہ عنوانِ درجنت ہے کلمہ میرے مولا کا

مَولود کعبہ

ظہور ہے مرے مولا کا آج کعبہ میں
علی کو دیتے ہیں سجدے خراج کعبہ میں
بشر کی شکل خدا کے صفات سرتاسر
خدا کے ہاتھ کا قائم ہے راج کعبہ میں

ناصرِ انبیاء

ہمشانِ نبی قوتِ داور آیا
اک سرّ خدا پردہ سے باہر آیا
اے آدم و نوح، موسیٰ، عیسیٰ و خلیل
پہچانتے ہو یہ کس کا ناصر آیا

یداللّٰہ

کعبہ کو بنایا جس نے قبلہ آیا
شکلِ بشری میں رب کا جلوہ آیا
ہے سایہ فگن ظلِ الہیٰ اب راست
لو سر پہ تمہارے وہ یداللہ آیا

احد نہیں مگر واحد

مانا کہ نہیں احد مگر واحد ہے
گو در ترا مسجود ہے تو ساجد ہے
حیران ہوں تجھے کیا کہوں ہمنام خدا
خود جس کی خدائی پہ خدا شاہد ہے

اُمِّ اَبیہا

منصب سے ہے بے نیاز تو اے زہرا
قدرت کا خفی راز ہے تو اے زہرا
بیٹی کہ جسے شاہِ رسل ماں کہہ دے
وہ صاحبِ اعزاز ہے تو اے زہرا

مرکزِ آیہ تطہیر

تو خانۂ رسول کی عزّت ہے فاطمہ
حیدر کے گھر میں تجھ ہی سے برکت ہے فاطمہ
مرکز خطابِ حق کا تو ہی پنجتن میں ہے
یہ نزدِ کبریا تری عظمت ہے فاطمہ

محسنِ ایمان

عقلوں سے والے فاطمہ عرفاں تیرا
خود ربِ جلیل ہے ثنا خواں تیرا
خطبہ ترا فرقان ہے مثلِ قرآں
اسلام پہ تا ابد ہے احساں تیرا

خاکِ شفا

دل داغِ غمِ شہ سے ہوا نورانی
معراج کا مومن کی یہی ہے بانی
پرواز نماز کو ملی جوں فطرس
مس خاکِ شفا سے جو ہوئی پیشانی

روضۂ شبیر پر

یہ اپنے مقدر کی رسائی دیکھی
مس آنکھوں سے اپنی شہ کی جالی دیکھی
ہر ایک کے ہیں قبلۂ حاجات حسین
یاں جن و ملک کی جبہ سائی دیکھی

حرصِ دنیا عذاب الموت

ظلم آلِ محمد پہ کرو اور کرو
ہوسِ مال و حکومت پہ مرو اور مرو
دل کھول کے کھاؤ حقِ زہرا و علی
پیٹ آتشِ دوزخ سے بھرو اور بھرو

رباعی

چشمِ بینا

گُل کے بھی قریب ہم نے کانٹے دیکھے
قدرت کے تضاد میں اشارے دیکھے
بسم اللہ کے ساتھ جیسے ذکرِ شیطان
رحمت کے قریں غضب کے دھارے دیکھے

مقاصدۂ انجمنِ جاں نثارانِ امام مظلوم

منعقدہ ۱۹ رجب ۱۴۰۵ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۸۵ء

طرح پر کہی ہوئی منقبت

کعبہ میں تھا ظہور جو سرِّ خفی کی بات
دوشِ رسولِ خُم میں ہے نصِّ جلی کی بات

معمارِ کعبہ نقش بہ دیوار ہو گئے
ع دیوارِ کعبہ کرتی ہے اب تک علی کی بات

کنزِ خفی کا آئینہ ہے صورتِ علی
حیرت نہ کیجئے یہ ہے جلوہ گری کی بات

اپنی طرح خُدا نے کہا ہے کِسے ولی
دیکھئے ذرا تو دھیان یہ ہے کس ولی کی بات

ہو کر فنائے عالمِ لاھُوت رہ گئے
سوجھی کسی جو ذہن نے نفسِ علی کی بات

بولے خدا تو واجب ممکن نُما کرئی
اِک مظہرِ خُدا تو ہے کم ہمّتی کی بات

اپنا دیا جو نام تو اسمیں بھی راز ہے
کوئی نہ یہ سمجھ سکے ہے کس علی کی بات

ہوں انبیا کہ جن و ملک یا لسانِ قُدُس
وردِ زباں ازل سے ہے نادِ علی کی بات

نادِ علی نبی کہیں، جبریل لا فتیٰ
قُدرت کے لبْ پہ کیوں نہ ہو شکر سعی کی بات

تختِ رواں پہ ہوش سلیماں کے اُڑ گئے
شُکرِ زکواۃِ حیدرؑ و انگشتری کی بات

کرتے ہیں ہم رکوع میں ختمِ راکعوں کا دھیان
جُزوِ نماز کب ہے کسی اور سخی کی بات

حُبِّ علیؑ میں مر کے بھی مرتے نہیں ہیں ہم
یہ موت کی نہیں ہے یہ ہے زندگی کی بات

نجویٰ کا در کھلا تھا زبانیں تھیں سب کی بند
کب جُز علی جلی ہے یہاں بھی کسی کی بات

وہ آرزو کرے نہ شرابِ طہور کی
جو نعمۃِ سقا کو نہ مانے علی کی بات

جو اُلقیا جہنّم، قرآں میں ہے حُکم
آدھی علیؑ کی بات ہے آدھی نبی کی بات

ہے کُلِّ کُفر عبدِ وُدّ اک کلیہ کی بات
اُب کُلْ کُفر ہی کرے بغضِ علی کی بات

دستِ خدا سے ہاتھ بھلا کیا ملا سکے
یہ اور بات ہے کہ کرو خودکشی کی بات

قرآں پکار اُٹھا مَرَضٌ فِی قُلُوبِہِمۡ
آئی نہ جب کسی کی سمجھ میں علی کی بات

لَمۡ اتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا وہ بن گئے
جنکو پسند آنہ سکی حق رسی کی بات

رُسوا نہ عقلِ جہلِ مُرکّب سے کیجیے
دی ہے خُدا نے عقل تو ہو آگہی کی بات

حبلِ خدا کا ایک ہے رُخ رُخ اِدھر کرد — کرنا نہ اِسکے بعد کبھی بے رُخی کی بات
اِذنِ علی ہے شرطِ عبورِ صراط کی — جانے نہ اسکو کوئی روا ُوردوی کی بات
جنت کسی کو ہے تو کسی کو سقر پسند — جبر اسمیں کچھ نہیں یہ ہے اپنی خوشی کی بات

کس مصلحت نے روک دی حامدؔ مری زباں
کیوں جانے دِل میں رہگئی رازِ دلی کی بات

قطعہ

اسلام کا سبق تو ہے اک مبتدی کی بات — ایمان اسکے بعد ہے پھر منتہی کی بات
ایمان کیا ہے جب یہ نبی سے ہوا سوال — ہر پھر کے آگئی وہی حبِّ علی کی بات

جناب شاہد صدیقی کے سلام کے تین شعر جو میرے ذہن میں رہگئے۔

یہ ظلمت و نور کا تصادم ازل سے جاری ہے اس جہاں میں
یزید شمعیں بجھا رہا ہے حُسین شمعیں جلا رہے ہیں

علی کو آواز دے کے اٹھئے اگر نہیں ہے کوئی سہارا
حُسین کا نام لیکے بڑھئے اگر قدم لڑکھڑا رہے ہیں

امامِ برحق کا ہر زمانہ میں ربط ہے کاروبارِ حق سے
پیمبری ختم ہو چکی ہے مگر پیامات آرہے ہیں

بمقام لنگرکدۂ مولانا سید ریاض الدین حیدر قبلہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

مقاصدہ

طرح:- ہوئی ہے عرش پہ عقدِ ابُوتراب کی بات

ملی ہر آیتِ قرآں میں بُو تراب کی بات
کتاب کیوں نہ کرے وارثِ کتاب کی بات

بیانِ صاحبِ عِلمُ الکتاب سے پہلے
کرے بھی کوئی تو بے سُود ہے کتاب کی بات

میں لا کے غیب پہ ایماں نہ مطمئن رہتا
علی کا ذکر بنا حُسنِ بے حجاب کی بات

زمیں تو خیر میں ہے بات کیسے یاں ہوتی
ہوئی ہے عرش پہ عقدِ ابوتراب کی بات

کُھلا جو ساقیٔ کوثر کا خُم میں میخانہ
کلامِ رب میں بھی آنے لگی شراب کی بات

دُو نورِ ثانیہ جو کردے مجھے نصیری بھی
ہیں آپ کون جو کرتے ہیں احتساب کی بات

ہیں بارہ، چودہ، بہتر حامی میرے
فرشتو مجھ سے نہ کرنا کبھی حساب کی بات

زمینِ قبر، جسد سے مرے رہے ہشیار
زباں ہے اسمیں جو کرتی تھی بُوتراب کی بات

نہ دیکھو فرقِ مراتب تو بات ہی کیا ہے
کرو نہ بحر کے آگے کبھی حباب کی بات

کچھ ایسے آگئے تھے اسفل مقابلِ عالیں
کہ جن سے کرتا ہے شیطاں بھی اجتناب کی بات

گواہِ منشاءِ خالق ہیں "الم و تفعل"
نہیں فقط یہ کوئی لہجۂ خطاب کی بات

نہیں یہ حشو و زوائد کی گفتگو اے دوست
علی کی بات تو ہے دین کے نصاب کی بات

خُمِ غدیر سے نسبت ہے یوں سقیفہ کو
کہ جیسے چشمۂ زمزم سے ہو سراب کی بات

یہ اجتہاد عجب ہے کہ دشمنانِ علی
گناہ کر کے بھی سمجھیں اسے ثواب کی بات

یہ منکرانِ علی کان کھول کر سُن لیں
فرشتے کرتے ہیں تیاری عذاب کی بات

غلامِ قائدِ غرّ المحجلین ہیں ہم
ہمارے سامنے کرنا نہ آب و تاب کی بات

ہم اُس کے ہوکے جو ہے خانۂ خدا کا شرف
کریں گے کیسے کسی خانماں خراب کی بات

عطش کی لشکرِ سرور کی یہ تو تھی توثیق
لبِ صغیر پہ کب تھی سوالِ آب کی بات

نہ اپنی موت کو کیوں زندگی کہے حامد
علی کا آنا ہے برحق، نہیں یہ خواب کی بات

سلام

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ — ۲ مارچ ۱۹۸۶ء

عزا ہے شرطِ حصولِ ثواب سے پہلے
رواں ہو خونِ جگر اشکِ ناب سے پہلے

علی کی مدح کو درکار ہے طہارتِ دل
دُھلے زباں بھی مشک و گلاب سے پہلے

ہے جسمِ دینِ محمدؐ تو روح حبِّ علی
یہ انتساب ہے لازم نصاب سے پہلے

نہ جانے کتنے رسولوں کے کام رک جاتے
نہ مانگتے جو مدد بوتراب سے پہلے

نہ ہو کتاب پہ نازاں مسیح بات ہے جب
پڑھو کتاب نزولِ کتاب سے پہلے

یہ کھل ہی جائے گا پردے میں کون پنہاں تھا
یدِ خدا کوئی نکلے حجاب سے پہلے

ہے کس کا حکم ستاروں پہ اے ہوس والو
یہ کیوں نہ پوچھ لیا آفتاب سے پہلے

خطاب لے لئے حیدر کے یہ نگر بھولے
صفات ہوتے ہیں لازم خطاب سے پہلے

علی کا تھام لو دامن کہ وقت ہے لیکن
ہے تو یہ شرط رہِ ناصواب سے پہلے

ضرور لائیے اصغر کو رن میں یا شاہا
قرارِ صبر تو لیجیے رباب سے پہلے

کھڑے تکا کئے حامدی کو کاتبِ اعمال
ہوا جو داخلِ جنت حساب سے پہلے

بزم سعدی

فارسی سے دلچسپی رکھنے والے افراد کی ایک انجمن "بزم سعدی" کے نام سے حیدرآباد میں سنہ ۱۹۶۰ء میں قائم ہوئی جس کے جلسے باری باری ہر ایک رکن کے مکان پر منعقد ہوتے تھے۔ اسمیں حیدرآباد کے تقریباً تمام فارسی گو شعرا طرح پر کلام سناتے تھے اور کبھی ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بھی ادیب شرکت کیا کرتے تھے۔ قونصل خانۂ ایران کا بھی اسکو تعاون حاصل تھا اور کئی مرتبہ وہاں بھی اسکے جلسے منعقد ہوئے۔

ناچیز سائنس ریاضی اور قانون کا طالب علم تھا مگر فارسی سے دلچسپی کی بناء پر کچھ طبع آزمائی کرلیا کرتا تھا۔ ذیل میں میرا کچھ فارسی کلام درج ہے جو تمامتر بزم سعدی کے جلسوں میں طرح پر سنایا گیا تھا۔

نعت

مشاعرہ بزم سعدی

مصرع:- بر در گہش گدائیم سلطانِ ما محمد

شناختیم رب را عرفان ما محمد
وز بہر ما سوا ہم ایقان ما محمد

در کائناتِ امکاں بودہ وجودِ اول
روز الست را ہم پیمان ما محمد

دین است سیرتِ او ایمان الفت او
اسلام ما محمد ایمانِ ما محمد

والشمس عارض او واللیل کاکل او
مصحف رخِ مصفیٰ قرآنِ ما محمد

تبیان کل شے را رطب و یابس را
بہر شفا و رحمت فرقان ما محمد

بودیم جسم مردہ بے جاں ضمیر مردہ
زندہ شدیم چوں شد درمان ما محمد

در کیشِ ما غلامانِ جنت جوے سبز زد
حقا کہ در دو عالم ارمان ما محمد

جز حبِ او و آلش ممکن کجا نجاتے
از بہر دین و دنیا عنوانِ ما محمد

گلِ او علی و زہرا، حسن و حسین و محسن
کز نیش را دوست رضوان بستانِ ما محمد

جوئیم از درِ او صدقہ بنام حسنین
بر در گہش گدائیم سلطان ما محمد

مہ و مہر و مشتری ہم ہمہ اسفل اندر ازل
قدمش بہ قاب قوسین کیوان ما محمد

مائیم گرچہ حامد تا فرق غرق عصیاں
بہر شفاعت ما سامان ما محمد

عباس صفوی شاہِ ایران نے اپنے ہم عصر ہندوستان کے بادشاہ اکبر کو دوستانہ نوک جھونک کے طور پر ابوالفضل کی لکھی ہوئی یہ رُباعی بھیجی :-

زنگی بہ سپاہ و خیل و لشکر نازد | رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بہ خزینۂ پُر از زر نازد | عباس بہ ذوالفقارِ حیدر نازد

اسکے جواب میں اکبر نے ابوالفضل کے بھائی فیضی سے لکھوا کر یہ رُباعی روانہ کی :-

دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد | فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد
عباس بہ ذوالفقارِ حیدر نازد | کونین بہ ذاتِ پاک اکبر نازد

میں نے محسوس کیا کہ زمانہ تو گزر گیا مگر فیضی کی رُباعی ہنوز جواب طلب رہ گئی۔ میں نے ذیل کی رباعی لکھی :-

عیسیٰ بہ نکو کاریٔ مادر نازد | سردارِ رسل بہ اوجِ دختر نازد
کونین بہ ذاتِ پاک اکبر نازد | معبود بہ مظہرے چو حیدر نازد

دیگر

تسکینِ گماں مبر کہ دہی از وصالِ خویش | ہر گہ کہ دادۂ تو غم لازوالِ خویش
جور و ستم بود ہمہ اسبابِ زندگی | قتلِ بلاکشاں مکن از انفعالِ خویش
احوالِ تیرِ غمزہ بجز کشتگاں مپرس | جز آئینہ مجوے بہ عالم مثالِ خویش
در آتشِ فراقِ دلِ من سپند داں | بینی میانِ شعلۂ عارض چو خالِ خویش
عجز و نیازِ عشق نورزاں نگاہ دار | ہشیار از تطاولِ جاہ و جلالِ خویش
زاہد و طوبیٰ و من و سودائے زلفِ یار | ہر کس کہ مستقیم بہ خبط و خیالِ خویش
بر نامِ عشق بودہ ام اندر نہ شہر خود | ہر جا کہ مے روم شنوم قیل و قالِ خویش
دکتورِ اسمٰعیل کہ قاصد ز مشہد است | روشن نمودہ شہر ز نورِ جمالِ خویش

چوں بندہ اش کہ اُلفت از نا کل الذنوب
حامد رہیدہ از غم فکرِ مآلِ خویش

دیگر

مصرع:۔ دل دادہ ایم و دامن دلبر گرفتہ ایم

باروئے شرمسار چو ساغر گرفتہ ایم
ہاتف بگفت ساغر کوثر گرفتہ ایم

رندی کہ ہست تابع آداب میکدہ
تا عہد بستیم نہ ساغر گرفتہ ایم

پروا زمے احاطہ کند عالم بسیط
از دست پیر میکدہ شہ پر گرفتہ ایم

رسم و رہ جہاں نبود جز فریب و مکر
زیں راہ پر خطر رہ دیگر گرفتہ ایم

اینک غم دوام کہ خوشتر گرفتہ ایم
ورزیم مہر و دست ستمگر گرفتہ ایم

سوز مدام شعلۂ عارض وجود ما
ما بے خبر شیم کہ اخگر گرفتہ ایم

دست ار رسد بدامن آں اشک آفتاب
داریم مہر و مہ بکف اختر گرفتہ ایم

ترک خیال قتل کند تا نہ حیلہ جو
در دست یار ما سر خنجر گرفتہ ایم

بینیم شرمسار ورا کے بود روا
اسلوب مجرماں سر محشر گرفتہ ایم

خود عشق رہبر است ز رہبر بود چہ کار
رہزن در اہل اوست کہ رہبر گرفتہ ایم

آں چشم مست میدہد مستی دوام
داریم نے خمار و نے سر گرفتہ ایم

ساغر گرفتہ ایم نہ تمہا نہ عذیر
نازیم دست ساقی کوثر گرفتہ ایم

عالم اگرچہ پر ز ہزاراں ولی بود
محکم گرفتہ ایم کہ یک در گرفتہ ایم

دیگر

مصرع: دولت صحبت آں مونس جاں ما را بس

جلوۂ زلف و رخ ماہ وشاں ما را بس
طور سینا چہ بود کوئے بتاں ما را بس

قصر بے سایۂ زلفے بہ جوے کے ارزد
ظل دیوار از آں دوست مکاں ما را بس

حرم و دیر رہ دور و دراز سے دارند
از پئے سجدہ در پیر مغاں ما را بس

خوش بگیرند رہ خویش ہمہ راہبراں
یمن از خرخشہ رہزناں ما را بس

چہ حواب است وخطا چیست نزاعے دارد
حذر از رسم وارہ اہل جہاں ما را بس

دل صد پارہ نیرزد بہ بہار صد رنگ
سرخی خون دل و رنگ خزاں ما را بس

نغمۂ بلبل شیدا بہ چمن خوش بادا
در قفس نالہ و فریاد و فغاں ما را بس

فخرِ زاہد بود اظہارِ نشانِ سجدہ
آتشِ سوزِ درونِ داغِ نہاں ما را بس

فکرِ واعظ چو مُعَرّا ز یقینِ رحمت
از پئے رحمتِ غفار گماں ما را بس

منِ نیم منکرِ کوثر لبن و حور و لے
ساقی و جامِ مئے و آبِ رواں ما را بس

یا اللہ جاں ز خدا باخت دلِ را بہ بتاں
دریں بازار ہمیں سُود و زیاں ما را بس

منّت اے صورِ سرافیل نخواہم جنّت
بعد دُنیائے دنی خوابِ گراں ما را بس

دیگو

بہ غلامیٔ علی بودن و مُردن خوشتر
حامدا تا ابد ایں نام و نشاں ما را بس

طرح :- عنانِ نفس کشیدن جہاد مردان است

عنانِ نفس کشیدن جہادِ مردان است
کشودن در یکدل ہزار عرفان است

درست و راست ہر انسان آدمی باشد
یقیں مدار کہ ہر آدمی ہم انسان است

لباسِ علم نہ دارد اگر کسے بر تن
ہزار جبّہ بپوشد ہنوز عریان است

نہ بت کدست و نہ کعبہ بغیر پیرِ مغاں
برائے سجدۂ صادق جبین اندان است

نصیب آبلہ پائے کہ خار سے بوسد
میانِ دشت پُر از خار گل بدامان است

سوائے عشق نہ ہرگز بہ بینی در عالم
کہ خود مرض بود و خود بجائے درمان است

بخاطر آر تو چاکِ دلِ زلیخا ہم
ہزار بار چہ گوئی کہ چاک دامان است

نہ بعد مرگ ہم اسباب راحتے دانم
بہ قتل من کہ بگویند او پشیمان است

بغیر حُبّ علی از نجات مے طلبد
چو شیخ راہ بود کودکِ دلبتان است

بہ بند رختِ سفر سرخوش از جہاں حامد
برائے حشر ز حُبِّ علی کہ سامان است

دیگو

داغِ دلِ خود را بہ گلستاں چہ فروشم
دودِ دلم اے ابرِ بہاراں چہ فروشم

حالِ دلِ صد پارہ نہ گنجد بہ کتابے
افسانہ بہ دیباچہ و عنواں چہ فروشم

وابستۂ آں زلفِ گرہ گیر چو کردم
قیمت عوضِ گردشِ دوراں چہ فروشم

افتادہ دلِ گم شدہ در چاہِ زنخداں
ایں یوسفِ خود را بہ کنعاں چہ فروشم

دانستہ خریدم چو جنوں در عوضِ ہوش — من حلقۂ زنجیر بہ زنداں چہ فروشم
چوں آمدہ لب بستہ و سر خویش بسرِ دار — رازِ دلِ ناکردہ گناہاں چہ فروشم
ایں حاصلِ ہجر ایست کہ درماں شدہ دردے — دیگر طلبم وصل و درماں چہ فروشم
حاصل چو تجلی است ز انوارِ حقیقت — معنیٰ عوضِ صورتِ امکاں چہ فروشم
طے بیع و شریٰ گشتہ چو با رحمتِ باری — عصیاں بہ سرِ پلۂ میزاں چہ فروشم
انساں پرستی کہ بود مذہب و ایماں — مذہب بدہم نام د ایماں چہ فروشم
آں چیز کہ نامند خرد، مکر و فریبے — ادراک بہ پرکاریٔ برہاں چہ فروشم
از سوزِ دروں سینہ چو شد رشک چراغاں — دل در ہوسِ سیرِ چراغاں چہ فروشم
خود آبِ حیات است اجل کشتۂ غم را — جاں را بہ غمِ چشمۂ حیواں چہ فروشم
یک سورۂ مومن مجو خواں ہم ز منافق — بر جزوِ محض جملۂ قرآں چہ فروشم

حامد چو خریدار دل است آں شہ خوباں
سودائے رخش را بہ نگاراں چہ فروشم

دیگر

منتِ باغباں نمے خواہم — در چمن آشیاں نمے خواہم
غیرِ بیگان در جہاں خوشتر — کرمِ دوستاں نمے خواہم
از حقیقت سخن بگو واعظ — درسِ وہم و گماں نمے خواہم
بربط و عود دار دم بیداد — بیگانہ اذاں نمے خواہم
داغِ دلِ خویش بود ز داغ سجود — از نکوئی نشاں نمے خواہم
مے گریزم ز صحبتِ ناجنس — خرد گرد بیاں نمے خواہم
اے نکوئی در لحد زنہار — خستہ جانم فغاں نمے خواہم

حامد انقش پائے یار بسے
نقشِ کون و مکاں نمے خواہم

دیگر

تا آزمودہ منکرِ اہلِ نظر مشو — اہلِ بصر تو آمدۂ بے بصر مشو

ذوقِ جنوں و سوزِ دروں آیدم بسے
گوید خضر را کہ مرا راہبر مشو

داند مریضِ عشق مداوا نہ جز قضا
بے فائدہ مسیح مرا چارہ گر مشو

جرعہ یہ کام ما نہ رسد جز بہ خونِ دل
اے جامِ زندگی تو بہ من تلخ تر مشو

شاید اگر دہی قضا دادِ بندگی
بر آنکہ بندہ اَت شدہ بیدادگر مشو

دوریست پُر ز شور و ہنگام فتنہ خیز
خواہی سلامتی تو اگر بے خبر مشو

آں بہ بپاسِ خاطرِ یاراں تو غم خوری
زنہار یارِ طبعِ کس و دردِ سر مشو

اندیشہ کن ز نازکئ خاطرِ حبیب
اندر حریمِ نازِ تو بیباک تر مشو

غرہ مشو کہ طاقتِ پرواز بہر دہد
اے بے خبر اسیرِ غمِ بال و پر مشو

پابندِ ساعت است نہ سودائے زلف و رخ
ورزی چو عشق بندۂ کس شام و سحر مشو

خوباں بجلوہ آمدہ بسیار در جہاں
حامد وفا ہمیں کہ غلامِ دگر مشو

دیگر

ایں محفلِ آشفتہ سراں طرفہ مقام است
ہر آنکہ بدعوائے خرد آمدہ خام است

واعظ نہ خبر داشتنی و جامِ شکستی
نازک دلِ رنداں نہ کم از شیشہ و جام است

شورِ حرم و دیر بہ میخانہ نہ گنجد
جز عشق نوا نیست چہ فرخندہ نظام است

مے نوشی من زانکہ دہد یاد ز چشمے
چشمے کہ بدوں بادہ ازو کیفِ دوام است

از جلوۂ رخ شب چو بُود صبحِ فروزاں
از زلفِ پریشاں نہ سحر آمدہ شام است

خوبانِ جہاں بر فلکِ حُسن چو انجم
آں پیکرِ خوبی کہ دراں ماہِ تمام است

بر سوختہ سامانئ خود ناز نہ زیبد
آنکس کہ نہ از تابِ رخش سوخت کدام است

تو آں شہ نامی کہ ترا ننگ نہ عشقم
من ننگِ وجود آں کہ مرا عشقِ تو نام است

بشکستہ اگر پا تو مشو عزم شکستہ
اے ہمتِ مردانہ کہ منزل دو گام است

حامد نہ من از طوق گراں بار گریزم
ترسم کہ کنوں دارد رسن رسمِ عوام است

دیگر

جاں سا در دا بروئے ترا شمشیرِ قاتل کردہ اند
دل بہ ہر یک جنبشِ ابرو کہ بسمل کردہ اند

لائے خوبے در نظر بر زشت کے دارم نگاہ
عین بیداریست از دنیا چو غافل کردہ اند

خانما بودے نہ اندر دو جہاں ہم عشق را / خانۂ او از عطائے لامکاں دل کردہ اند
زلف پیچاں راہ ظلما تے و رخ آب حیات / کشتگان عشق ایں تدبیر منزل کردہ اند
اہل دنیا را چو بر ہر گام ساحل خطرہ / بہر ما ہر موج طوفاں شکل ساحل کردہ اند
راندۂ دیر و حرم را دوش ایں مژدہ رسید / از برائش خانۂ خمار منزل کردہ اند
آشتی و صلح باشد کیش اہل میکدہ / از درائش ہرچہ قانون بود باطل کردہ اند
شاہیٔ عالم نیرزد پیش حامد یک جوے
بہر درگاہ امیر اورا کہ سائل کردہ اند

دیگر

ما مرد یتیم فلک را ہوار ماست / ہم کہکشاں بہ چرخ کہ یک رہگذار ماست
دل ظرف شیشے کہ سکستن صفائے اوست / بے داغ در جہاں کہ دل داغدار ماست
صیاد در قفس مفگن ناوک نزید / بہر تو آں بہار و خزانے بہار ماست
برہم بزے نظام بد و ناں بدے چو حصر / قائم ہم نظام زیک اعتبار ماست
ظالم چو تیغ جور کشیدن غرور نست / کشتہ شدن و سر نہادن شعار ماست
کے ممکن است خون شہیداں رود ز یاد / رنگ شفق کہ تا بہ ابد یادگار ماست
قاتل بہ مقتل و نہ کشد تیغ برکسے
بشتاب حامدا کہ نگر انتظار ماست

دیگر

چوں اعتراف حسن بود اقتضائے دل / رو بر خطاست ہر کہ بداند خطائے دل
غوغاست ہر صدا کہ نباشد صدائے دل / ع۔ با خلق آشنا نہ شود آشنائے دل
در عالم بسیط نہ گنجد فضائے دل / یارب چساں نہادہ آخر بنائے دل
جہل است اگر بہ بوئے گل و لالہ مے روم / خون دل است لالہ و گل داغہائے دل
کے دارد او حیات کہ دارد غم حیات / کے میرد آنکہ زندہ بماند برائے دل
خود رہبران عقل نہادہ سر نیاز / زاں پس کہ ناز عشق شدہ رہنمائے دل
خوباں گہے گہے غم خوباں گرفتہ جا / خالی نبود ساعتے بہاں سرائے دل

رنج فراق و آرزوئے وصل حیلہ است ورنہ خیال یار بُوَد مُدعائے دل
بیہودہ مے روی پئے درمانِ دردِ دل اے بے خبر کہ درد بُوَد خود دوائے دل
حامدؔ اگر خوری نہ غمِ دلِ شکستگاں
آں بہ کہ سنگ مے نہی در سینہ جائے دل

دیگر

عرضِ دوجہاں وسعتِ یک گام ندارد ایں راہِ طلب منزل و انجام ندارد
از عشق چہ دولت دلِ ناکام ندارد غم دارد و اندازۂ انعام ندارد
گشتم ہمہ تن سوز بہ سودائے محبت اکسیرِ حیات است کہ ہر خام ندارد
بختِ سیہم پرتوِ آں زلف پسندید آثارِ طلوعِ سحر ایں شام ندارد
جامے کہ ز ساقی برسد حاصلِ جام است کیف و اثر و فیض فقط جام ندارد
در محفلِ رنداں کہ بود گردشِ ساغر یارائے گذر گردشِ ایام ندارد
ساقی بہ کرم جام برقص و من و مطرب زہرہ بہ فلک ایں چنیں اکرام ندارد
دوراں ہمہ مستورِ خیام ایں چہ بہشتے جلوائے رخِ یار سرِ بام ندارد
بینم بہ تعمق چو بہ آں پیکرِ خوبی یک حالِ خوبی است کہ اندام ندارد
حامدؔ گزر از دیر و حرم زانکہ بجز عشق
خلاقِ جہاں دعوت و پیغام ندارد

دیگر

بدانستم کہ من فرزانہ گشتم سپردم ہوش و چوں دیوانہ گشتم
بروں یکسر ز سر کردم خرد را ز جامِ بیخودی مستانہ گشتم
خوشا دانش بدستِ ہوشیارے اسیرِ دامِ بے باکانہ گشتم
زہے ہمت فتادم صیدِ تیرش شکارِ غمزۂ جانانہ گشتم
شدم چوں غرق بحرِ الفتِ او سراسر گوہرِ یکدانہ گشتم
بگو حامدؔ دعا باشد کہ روزے
اجازت یابِ خلوت خانہ گشتم

دیگر

رہگذر بر کشتگاں یارب کرا افتادہ است
کز سر نو جان در پے جا نہا افتادہ است

شد نثار پائے رنگینش مگر ہنگام سیر
ورنہ چوں بر ہر قدم برگ حنا افتادہ است

بادشاہی داد ما را یک نگاہ پیر مغ
ایں نہ بودہ چشم او ظل ہما افتادہ است

جائے حیرت نیست گر بینی سر ما را بلند
کز سر منت بپالیش بارہا افتادہ است

تا بحدے داستان عشق ما شہرت گرفت
بر لب ہر خاص دعامے نام ما افتادہ است

نیست بر عزلت نشیناں چوں نگاہ آں خیاب
در چنیں تعر مذلت حال ما افتادہ است

مے کشی خنجر و من ہر بار گردن مے نہم
مے کشی آں را کہ راضی بر رضا افتادہ است

جامہ و دستار ما تنہا ندارد ایں شرف
رہن بادہ خرقہ صد ہمچو ما افتادہ است

شکر ایزد معتذر حامدؔ از زہد و ریا
رند گشتہ بر رہ صدق و صفا افتادہ است

حامدؔا وقت دعا نیست بر خیر و بنال
ہاتفم گفتہ در ایجاب وا افتادہ است

دیگر

بیعت پیر مغاں ترک شریعت مے کنم
صورت ساقی کہ مے بینم عبادت مے کنم

از پئے عمرے کہ ضائع گشت در دیر و حرم
توبہ از ترک سبو با صد ارادت مے کنم

خواب بر زاہد و بر ما فکر فردائے حرام
محو خواب راحتم تکیہ بہ رحمت مے کنم

روئے رنگینے نہ باشد جز نشان کردگار
گر نہ ریزم سجدہ ہا بطلان قدرت مے کنم

والضحیٰ خوانم ز رخ واللیل از زلف سیاہ
صبح و شام از مصحف روئے تلاوت مے کنم

ناز من بر خوئے غم از وصل گشتم بے نیاز
از سوال وصل یک تکمیل حجت مے کنم

جرأت پرواز مرغ است و خرد دام فریب
ہوشیار از پند ناصح ایں نصیحت مے کنم

مشترک نامے است در معبود و عبد چوں الٰہ
چوں علی گویم چہ مے دانی عبارت مے کنم

دوستاں تا چند حامدؔ از وجود تو ملول
اے اجل لبیک من تخفیف زحمت مے کنم

دیگر

(بہ طرح :- نہ شبم نہ شب پرستم نہ حدیثِ خواب گویم) شمس تبریزؒ

ستم است اگر حدیثِ غمِ بے حساب گویم — ہمہ راحتِ دل و جان کہ من اضطراب گویم

ز شکستِ دلِ صدائے، ہمہ بربط و ربابے — ز جگر چکیدہ خونے کہ شرابِ ناب گویم

چہ از احتساب ترسی، چہ از اجتناب گویم — بہ شراب چونکہ آب است نہ لفظِ آب گویم

دلِ من بہ غم اسیرے، من اسیرِ روزگارے — اجلم اسیرِ عمرے، چہ بجز عذاب گویم

نہ حجابے نے نقابے، بتِ شوخ و بے حجابے — منِ کور و بے نگاہے چہ ز آفتاب گویم

بہ امیدِ حور زاہد، ہمہ غمِ تو گناہے — ز صنم مرا ثوابے، بخدا صواب گویم

ز فنا خمیرِ شکلم، و لے باقی الوجودم — کہ سمندرِ گرانم نہ من از حباب گویم

منِ غرقِ تشنہ کامی، تو کہ بحرِ بیکرانی — نہ چرا بہ جوش آئی کہ من آب آب گویم

ز ازل کہ خاکسارم، بہ تراب ہم رسیدم — و لے نازشِ زمینم کہ ابوتراب گویم

دمِ مرگِ حامد آئی و تو قفلے نمائی — بہ زبانِ بے زبانی غمِ دل شتاب گویم

دیگر

روشن بہ جہاں ہمچو خطِ کاہکشاں باش — پامال بہ زیرِ قدمِ راہ وشاں باش

بے پردہ ببیں جلوۂ حسنِ ازل اینجا — جوئی رہِ معبود پرستارِ بتاں باش

از نارِ جہنم بنود کم ہوسِ زر — ایں نقرہ ترا بس کہ پئے سیم براں باش

در ہر چمنِ گل یابی تو صد رنگِ حقیقت — اندر چمنِ دہر چو نرگس نگراں باش

آں کیست عزیزش بنود رنگِ بہاراں — گلشن چو عزیز است تو ہم رنگِ خزاں باش

حاشا کہ کنند اہلِ وفا ترکِ گلستاں — صیاد بگو حاملِ صد تیر و کماں باش

در دارِ محن چارہ بجز صبر و رضا نیست — خواہی چو سکوں خوگرِ آفاتِ جہاں باش

عالم کہ گزرگاہ بد و نیک بباشد — بر ہر بد و ہر نیک تو خوشدل گزراں باش

از رہزن و قزاق حفاظت بود آساں — ہشیار تو از رہزنیِ راہبراں باش

دمساز بشو بینی بہ ہر جا کہ دلِ ریش — در عالمِ آہن صفتِ شیشہ گراں باش

بر غیرِ محل بستہ زباں نیست گناہے — در دعوتِ حق صورتِ ناقوس و اذاں باش

مظلومیِ ما داشت عناں کش ز تطاول — حق ایں کہ تو منت کشِ بیدادگراں باش

باشد کہ رسد بوئے وفائے بہ شامت — اے یار بہ خاکِ حامد آہستہ رواں باش

از صدق و صفا اقرب و از زُہد و ریا دور — حامد بشوی رند چو زاہد نتواں باش

۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ　　　　یکم دسمبر ۱۹۸۵ء

حامد بن شبیر کی جانب سے اپنے فرزند سید علی اصغر سلمہ اور فاطمہ سلمہا

دختر سید غازی حسین کی شادی کے موقعہ پر محبت کا

سہرا

مبارک وقت ہے لکھے بزرگ بوستاں سہرا
بنا دیجے گل مضموں سے شاخ زعفراں سہرا

ولائے پنجتن کے ہار ہوں گل ہوں عقیدت کے
مہک سے جنکی بن جائے بہار جاوداں سہرا

زمیں ہو رشکِ چرخِ بریں ذکر تولا سے
بیانِ عروۃ الوثقیٰ سے رشکِ کہکشاں سہرا

شرابِ حبِ حیدرؑ کے یہاں سرشار بیٹھے ہیں
غدیر خم سے بنوا لاؤ ذرا پیر مغاں سہرا

نوا سنجی کریں گلشن میں مرغانِ چمن مل کر
فلک پر بھی بنے وردِ زبانِ قدسیاں سہرا

عجب کیا ہے غلامِ حیدرِ کرار کی خاطر
بنائیں اپنے ہاتھوں سے اگر کروبیاں سہرا

عروس و نوشہ کے سر پر رہے سایہ ید اللہ کا
کرم سے اپنے باندھیں انکو خاتونِ جناں سہرا

بحقِ رحمۃ للعلمینؐ پھولیں پھلیں یہ ہر دم
کرے ان کو مبارک خالقِ کون و مکاں سہرا

ہے نوشہ حاملِ اعزاز دلہن علم کی شیدا
رہے علم و حکم کا انکے سر شایانِ شاں سہرا

ہوئے جب تخت پر جلوہ کے دولہا اور دلہن باہم
بنا شمس و قمر کا اک نیا برجِ قِراں سہرا

ہو تازہ یاد بلقیس و سلیماں کی محبت کی
تمہارے جذبِ الفت کا بنے تختِ رواں سہرا

رہیں راہِ صداقت پر ہمیشہ گامزن یارب
بنے انکے لئے محکم نشانِ کارواں سہرا

بحقِ فاطمہ حیدرؑ رہیں خوش فاطمہ اصغر
کہا آمین سب نے سن کے حامد کی زباں سہرا

دوست عزیز ڈاکٹر دوست علی خاں کی صاحبزادی رئیس النساء بیگم کی اچانک وفات پر

(۱۳ر مارچ ۸۶ء)

سننا تھا ہوا اک تیر ستم آ کے لگا
ہنسل بچی کے جو تھی اسکی سنانی لایا

لاکھ دل نے کہا سچ ہو نہیں سکتا حاشا
کل تو تھی اچھی مرض کچھ بھی نہیں تھا اصلا

لیکنی آن کے کیا اسکو قضائے مبرم
دوری فردوس کو کیا اسکی نہ بھائی اک دم

نیکیاں اُسکی کچھ ایسی نہیں یہاں ہے مشکل | مائل حسن عمل اُسکا ہمیشہ سے تھا دل
سچ تو یہ ہے کہ یہ دُنیا نہ تھی اُسکے قابل | نوجوانی میں تھا دل موت پہ اُسکا مائل

کم ہی تھی عمر کہ بس موت کا پیغام آیا
ملک الموت ہی کوثر کا لئے جام آیا

تیرا پیکر جو بنا خوبیٔ صورت کیلئے | تھی طبیعت بھی بنی پاکیٔ طینت کیلئے
اپنی صف میں جو لیا حوروں نے زینت کیلئے | شاہزادی نے تجھے چن لیا خدمت کیلئے

طرفتہ العین میں حاصل ہوا تیرا مقصود
مل گیا تجھکو بہت جلد مقام محمود

دولت دُنیا تو تھی تیرے لئے ایک طرف | سب سے بڑھکر تھا تجھے دولت عقبیٰ کا شغف
کربلا پہنچی گئی سامرہ و شام و نجف | کاظمیں اور خراساں کا ملا تجھکو شرف

صاحب عصر کا اعجاز تھا بیشک شامل
ورنہ اِس عمر میں سب کچھ یہ نہ ہوتا حاصل

چودہ معصوم کی اُلفت کا جو تھا گہوارہ | دل بہتر کی محبت میں بھی تا صد پارہ
چھوٹے دم بھر غم شبیر کہاں تھا یارا | ذکر حیدر کے سوا کب تھا کوئی اور چارہ

زندگی اُسکی اسیطرح بسر ہوتی تھی
یاد شبیر ہی میں جان یہ بس کھوتی تھی

پھر محرم میں تو کیا پوچھیے اسکا احوال | مرثیہ، نوحہ و ماتم تھے بس اسکے اشغال
سامعین نوحوں پہ ہوتے تھے جو اسکے بدحال | ماتم و تعزیہ کروانے میں تھا اسکو کمال

اپنی سو جان سے یہ عاشق شبیر رہی
دل سے دریوزہ گر زینب دلگیر رہی

نہ سُنا ہم نے ہوئی اسکی قضا کوئی نماز | یہی پابندی روزہ میں تھا اسکا انداز
منکشف خمس کی برکت کا بھی اس پہ راز | آ دیں نسیبے کہیں اسکو نہ پھر شاہِ حجاز

زندگی گزری ہے دنیا میں شاہی اسکی
تھی روش کارگہ دہر میں عالی اسکی

اسکے دو ڈگریاں کالج میں بھی ممتاز تھی یہ | فوجی تنظیم میں نسواں کی سرافراز تھی یہ
ماہر فن لطیفہ تھی حسین ساز تھی یہ | معترف سب تھے عجب صاف انداز تھی یہ

لوگ دُنیا میں ان اوصاف کے کم ہوتے ہیں
شاذ و نادر ہی صفات ایسے بہم ہوتے ہیں

حُسن اخلاق میں اک پھول مہکتا پایا — اور سہیلیوں میں یا بلبل سا چہکتا پایا
چہرہ کو نورِ صداقت سے دمکتا پایا — ہم نے اِس ہیرے کو ہر رُخ سے چمکتا پایا

ایسے گُل کا بِ چمن دہر کہاں ہوتا ہے
نام اِسکا تو تھا رِضواں کے گلوں میں شامل

بزمِ ہستی سے جو یک لخت یہ ہستی ہٹ جائے — ہے بجا رنج سے ہر ایک کا جو دم گھٹ جائے
کیوں نہ ہوش اُنکے اُڑیں جن سے یہ دولت چھٹ جائے — حال کیا اُنکا ہو جنکی یہ بضاعت لٹ جائے

یہ نہ سمجھو کہ فقط دوست کا گلشن اُجڑا
دوست کے دوستوں کو بھی تو نہ اسنے چھوڑا

موت اور سالگرہ ایک ہی دن شانِ خُدا — اتفاق اسکو کہیں یا کہیں فرمانِ خُدا
بات پکی ہے ضرور اسکو تھا عرفانِ خُدا — باشعور ایسے ہی تو ہوتے ہیں خاصانِ خُدا

کیا ہوا گر نہ ہوئی اسکی یہاں سالگرہ
حوریں اب اسکی منائینگی وہاں سالگرہ

ہے یہ حامدؔ کی دُعا جسکو تو کہتی تھی چچا — جو سمجھتا تھا تجھے اپنی ہی بیٹی جیسا
از پئے زینب و کلثوم و پیمبرؐ، مولا — بہر عباس و حسنین و بتولِ عذرا

رکھیو آرام سے یارب یہ ہے اسکی حقدار
تیرے شبیر کی ہر دم یہ رہی ہے غمخوار

حضرت والد مرحوم سیّد علی شبیر صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ایک نعت

مدینہ کی چاندنی (گنبدِ خضرا چاندنی رات میں)

ندی چڑھاؤ پر ہے شراب طہور کی — مے نوش لا رہے ہیں خبر دور دور کی
کیا دیکھے روشنی کوئی اب شمعِ طور کی — جھڑیاں لگی ہوئی ہیں مدینہ میں نور کی

چھٹکی ہلالِ گنبدِ خضرا کی چاندنی
پھیکی پڑے نہ کیوں یدِ بیضا کی چاندنی

نکلا اُدھر تو چاند فلک پر بہ آب و تاب
یاں چمکے جھاڑ، ہانڈیاں، فانوس اور حباب
کیونکر نہ ہو زمینِ مدینہ فلک جناب
اِک اِک چراغ کوکب و انجم کا ہے جواب
ہے روشنی نجوم کی واں مہ کے اردگرد
جلوہ یہاں ہے نور کا روضہ کے ارد گرد

وہ لے رہا ہے چاند ہلورے جھلک جھلک
کلی دکھا رہی ہے جھمکڑے دمک دمک
روضہ سے آ رہی ہیں ہوائیں مہک مہک
سبزہ مچل رہا ہے، زمیں پر لہک لہک
خاشاک بھی ہیں یاں کے گُل تر بنے ہوئے
جتنے شجر ہیں، سب ہیں شجر بنے ہوئے

ایک ایک ذرہ یاں کا ہے آئینہ جمال
پھر اُس پہ چاندنی جھلک شانِ ذوالجلال
ہر سنگ میں چمکتے ہیں یوں انجم و ہلال
جیسے اُتر گیا ہو زمیں پر مہ کمال
بدلا ہے آج تاش کا جوڑا زمین نے
پہنا ہے چاند تارے کا گہنا زمین نے

پائی ہے چاندنی نے نرالی یہاں ادا
ہے مہر نیمروز غدیری کی یہ ضیا
دیوار و در سے آتی ہے آوازِ مرحبا
دیکھو جدھر ہے نور جھما جھم برس رہا
گلزار بے خزاں ہیں وہ قالیں بچھے ہوئے
چاروں طرف ہیں گلشنِ رضواں کھلے ہوئے

روضہ پہ کیوں نثار نہ ہو بار بار چاند
ہے آسماں پہ ایک، زمیں پر ہزار چاند
ہر ارض میں دکھاتا ہے یوں تو بہار چاند
طیبہ میں لگ گئے ہیں مگر اسکو چار چاند
ہے یہ کہ روشنی یہاں شمس الضحیٰ کی ہے
یہ ساری چاندنی کسی بدر الدجیٰ کی ہے

یہ وہ زمیں ہے جس پہ علی کے رہے قدم
سجدے میں پشتِ جد پہ حسین و حسن بہم
وہ بیتِ فاطمہ، وہ سلام شہِ اُمم
خدمت کو جبرئیل کا آنا وہ دم بدم
پوشاک لیکے آیا تھا رضواں اسی جگہ
عف عفہ رسول کا ہوا فرماں اسی جگہ

مجتمع یاں نہ صرف ہے آلِ عبا کا نور
زینت میں اسکی بڑھ گیا زین العبا کا نور
باقر کا نور، صادق امامِ ہدیٰ کا نور
ساطع ہر ایک سمت سے ہے کاظما کا نور

وہ نور ہے گیا تھا جو افلاک توڑ کر
وہ نور جو کہ گزرا تھا سدرہ کو چھوڑ کر

کسکا ظہور جلوہ عیاں و نہاں میں ہے
کسکی ضیا زمین میں ہے آسماں میں ہے
پرتو سے کسکے روشنی کون و مکاں میں ہے
کس نور عرش کا یہ اجالا جہاں میں ہے

شمس و قمر کی روشنیاں کس سے ماند ہیں
اے چاند! وہ نبی کے گھرانے کے چاند ہیں

شق تو کبھی ہوا کہ نہیں؟ بول ماہتاب
مغرب سے رد ہوا کہ نہیں بول آفتاب
بول اے ستارے آیا جہاں کسکی تھی جناب
بول اٹھے سب کہ مہر نبی مہر بو تراب

چشم ملک نے دیکھے تھے کب ایسے معجزے
خورشید و مہ ہیں دیدۂ حیراں بنے ہوئے

جنکی نظر میں ہو در اطہر کی چاندنی
کب دیکھتے ہیں وہ مہ و اختر کی چاندنی
دیکھوں جو روضہائے منور کی چاندنی
سمجھوں ہیں آج چمکی مقدر کی چاندنی

پہنچے مرا دماغ بھی شبیر عرش پر
لوٹوں جو چاندنی کی طرح واں کے فرش پر

یا فاطمہ مدد

نوٹ: برادرِ عزیز محسن مرحوم نے روزِ عاشورہ شامِ غریباں کے وقت سے یہ نوحہ لکھنا شروع کیا اور تقریباً ایک بجے شب تمام کیا۔ مرحوم کا بیان تھا کہ شہدائے ہندیوں کی طرف انھوں نے خیال ہی نہیں کیا اور اپنے جذبات کو قلم برداشتہ نظم کی صورت میں لکھ دیا۔ دو تین دن بعد خواب میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو یہ نوحہ سنتا ہے جس پر شہزادی نے بے حد گریہ فرمایا اور آخر میں مرحبا مرحبا! فرما کر مرحوم کو پروانۂ جنت عطا فرمایا۔
یہ نوحہ "فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر" پر تضمین ہے۔ اس کا عنوان بھی مرحوم کا قائم کردہ ہے۔

برادرِ محزون
حامد بن شبیر

نذرِ مالکۂ کونین ام ابیہا مادرِ حسنین فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا

گزرانیدہ

خادمِ خادمانِ مرکزِ آیۂ تطہیر محسن بن شبیر

فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

صبحِ روزِ عاشورہ وقتِ ابتلا آمد — یارِ دوستان رفت و یار اقربا آمد
ہر کتابِ شہ یک یک فائزِ شہادت شد — ذکرِ آں ہمہ ہر دم داخلِ عبادت شد
بودہ خواہشِ ہر یک بس کہ او رود اول — کربلا عجب جائے موت از حیات افضل
قیل و قالِ بسیارے رفت آخرش طے شد — حقِ ثانیِ زہرا بر ہمہ مقدم شد
کاسناتِ زینب دو طفلکانِ مہ چہرہ — مے نہند جان و دل بر تبر و بر نیزہ

نذرِ ثانیٔ خود از چشمِ ثانیت بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

در مراحلِ اول قاسمِ حسن آمد — نو لباسِ نوشاہی بہرِ او کفن آمد
بیشتر ز نعشِ او نذرِ پائے اسپاں شد — با قیش بخاک و خوں ہر طرف پریشاں شد

جسمِ قاسمِ دلبر منقسم شدہ بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

مسلمانِ مصنوعی نامِ مصطفےٰ گیرند — راہِ حق بہل کردہ گمرہی بدو زیدند
بہرِ آلِ پیغمبر آب ہم بہ بند یدند — آرزوے سقا را خاک بود کردیدند

شورِ العطش بشنو، مشکِ شق شدہ بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

ہم شبیہِ پیغمبر، در لباسِ پیغمبر — گویا در جوان سالی بود ذاتِ پیغمبر
جنگ ہمچو خود کردی، بیگماں علی اکبر — زخم از سناں خوردی جانِ جانِ علی اکبر

زخمِ سینہ اش ببین و مرگِ نوجواں بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

گر نہ دیدہ یکجا، برگِ گل و تیشہ ہیں — تفتنِ گلِ تازہ برزمین تفتہ ہیں
یک امید آخرہم، آخرش شکستہ ہیں — سعیِ حجتِ کامل کا طلا گسستہ ہیں
پاسِ وعدۂ اول برمقامِ ایقاں ہیں — ثبت کردنِ مہرش بر بیاضِ ایماں ہیں

ہر گلِ ریاضِ خود قطع از گلستاں ہیں
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

ناوکِ ستم پیوست در گلوئے تشنہ ہیں — نوبہارِ خونِ او بر حسین تختہ ہیں
حسرتا کہ شمشیرش لحدِ طفلکش کندد — یک شہید شش ماہہ زیر خاک سپرد

نوحہ راسخش بین و صبرِ کاملش بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

اشقیا بہ آں کثرت شاہِ دیں تنِ تنہا — تشنگی سہ روزہ جانگداز و جاں فرسا
قطعِ جناح را حاضر بہرِ شہ کنند زینب — ذوالفقارِ حیدر رہم نذرِ شہ کنند زینب
بیں بہ بیں کہ بر میدان شاہِ کربلا آمد — دو جہاں ہمی لرزد ابنِ لافتیٰ آمد

زورِ شیرِ مادر بیں، ضربِ حیدری بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

وقتِ عصر تنگ آمد، وقتِ قطعِ جنگ آمد — شہسوارِ صف افگن برزمینِ خنگ آمد
سرزِ سجدۂ آخر شد بلند بر نیزہ — شورِ واحسینا رفت تا بہ عرش از طیبہ

کشتگانِ راہِ حق بے کفن و دفن ببیں
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

گردنِ امامِ وقت، غم زِ طوقِ آہن ہیں — حاملانِ عصمت را بے ردا و مقنع ہیں
گوشِ خونِ آغشتہ روئے خوں چکیدہ ہیں — مثلِ ماہیِ بے آب حالتِ سکینہ ہیں

بازوانِ زینب در بندِ شامیاں بنگر
فاطمہ بیا امشب دشتِ کربلا بنگر

Prophet Mohammed was endowed with an enlightened mind and was genius in the affairs of Government.

اس ضمن میں اب ہم سنّی علماء ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور علامہ عمر ابو النصر کے بعض فقروں کو بجنسہٖ درج کر دیتے ہیں۔ فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم صفحہ ۱۹۵ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین تحریر فرماتے ہیں " لوگوں کا رخ اس وقت دین سے زیادہ دُنیا کی طرف تھا حضرت علیؑ ان کے صاحبزادے اور ان کے جیسوں کی مختصر جماعت مسلمانوں کی اس نئی نسل میں ایک اجنبی کی طرح گزار رہی تھی۔ حضرت علیؑ اور آپ کی مختصر اقلیت نے دیکھا کہ اللہ کا حکم جاری کرنے اور لوگوں کو حق پر آمادہ کرنے کا نبی علیہ الصلواۃ والسّلام نے ایک طریقہ بنایا ہے۔ پس وہ اسی پر گامزن ہو گئے۔ اور وہی راہ چلنے لگے۔ پھر اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا آپ نے برداشت کیا۔ ہر قسم کی مصیبتیں آئیں لڑائیوں کے معرکے رہے۔" صفحہ ۲۳۲ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں " اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی خلافت فتنہ و نفاق کا سرچشمہ بنے گی تو مسلمانوں کے امن و اتحاد کی خاطر اس سے اسی طرح باز رہتے جس طرح اس سے قبل تینوں خلفاء کی بیعت کے موقعہ پر باز رہے اور طبیعت پر جبر کر کے صبر و برداشت سے کام لیتے مگر اب جب کہ عام اور خاص مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی تو آپ بصیرت کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے اور یہ اچھا نہیں سمجھا کہ چلنے کے بعد واپس ہوں یا اقدام کے بعد رکے رہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے " بخدا میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن راہ پر ہوں۔ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ سے (حضرت رسول کی طرف سے) جھوٹ کہا گیا۔ نہ میں گمراہ ہوں نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہوا"۔

" ایک آدمی نے ایک دن حضرت علیؑ سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہ و زبیر و حضرت عائشہ باطل پر متفق ہو جائیں۔ آپ نے جواب میں کہا۔ حقیقت تم پر کھل نہ سکی۔ حق و باطل افراد کی تعدادوں سے جانا جاتا ہے۔ حق کو پہچانو تو اہل حق کا پتہ چل جائے گا۔ باطل کو سمجھو تو اہل باطل سمجھ میں آجائیں گے۔" بصرہ کے لوگ مذبذب اور متردد تھے حضرت علیؑ کے ساتھی ایک روشن اور مقررہ مسلک رکھتے تھے۔"

فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم صفحہ (۲۷۰) پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین تحریر فرماتے ہیں " حضرت علیؑ آزمائش کے اس تلخ دور سے گزرتے رہے۔ (بجز چند مخلصوں کے) دوست غداری اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے۔ لیکن آپ اس پورے دور میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے۔ نہ معاملات میں کوئی پستی گوارا کی نہ دین میں کوئی کمزوری دکھائی نہ اپنی کھلی ہوئی سیاست سے ذرا بھی انحراف کیا۔ مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سدِ راہ بنتی رہیں مگر آپ اپنی راہ چلتے رہے۔ دائیں بائیں کسی طرف جھکے نہیں۔ شدید غصہ کا عالم ہوتا۔ زندگی کی انتہائی تلخیاں ہوتیں۔ لیکن کوئی بات آپ کی راہ میں حائل نہ ہوتی"

صفحہ ۳۰۱ پر لکھتے ہیں۔ بڑی بڑی مشکلات کے ان پہاڑوں اور فتنہ و فساد کی ان بے رحم تاریکیوں کے درمیان بھی ایک بالکل مطمئن آدمی کی طرح حضرت علیؑ اپنے دل میں ایمان کی صداقت دین کی سچی محبت حق کی پکار کا جذبہ اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی کی تڑپ تمام و کمال پاتے تھے۔ اسلام کے معاملہ میں انھوں نے نہ سر مو انحراف کیا اور نہ ذرا بھی رعایت کی۔ جدھر حق دیکھا ادھر چل پڑے۔ پھر نہ کسی طرف جھکے نہ کسی کا انتظار کیا۔ انجام کی بھی پرواہ نہ کی۔ اس کو اہمیت نہ دی کہ کامیاب ہوں گے یا ناکام۔ زندگی ملیگی یا موت ملیگی۔ ہاں اہمیت تھی تو اسی کی کہ راستہ بجز اللہ راضی رہے اور دل مطمئن"

صفحہ ۲۱۷ پر لکھتے ہیں" حضرت علیؑ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے۔ وہ چال کرنے۔ یا تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور نہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے"۔

علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں" حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ مسلمان حضرت رسول کے نقش قدم پر چلیں لیکن وہ سر اسر دُنیا کی طرف جھکے جا رہے تھے اور دھڑے بندیاں قائم ہو رہی تھیں مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر گروہ طاقت اور حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا"۔

صفحہ ۹۹ پر علامہ موصوف فرانسیسی مورخ سیدیو کے الفاظ نقل کرتے ہیں" حضرت علیؑ کی بیعت خلافت کے وقت بظاہر یہ دکھائی دیتا تھا کہ ہر شخص اپنا سر اس عظیم القدر انسان کے آگے جھکا دیگا اور دلی اخلاص سے اسکی حمایت پر کمربستہ ہو جائیگا افسوس ایسا نہ ہوا اور ابتدا ہی سے انھیں (حضرت عائشہ طلحہ و زبیر) اور بنو امیہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر وہ چاہتے تو انھیں جیسے طور طریقے اختیار کر کے ان سے عہدہ برا ہو سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا"۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں۔" حضرت علیؑ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور امیر معاویہ کے مسلک کی بنیاد خالص دُنیا پر"۔ صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں۔" حضرت علیؑ خلافت چلا رہے تھے اور معاویہ حکومت" صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں" جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی وہ معاویہ سے جا ملا"۔

پروفیسر محمد عبد العلی صاحب اپنی کتاب Caliph Ali میں لکھتے ہیں:۔

Ali lived for the Muslims and the cause of Quran, Moawiyah lived for himself and for the pleasure of the world. So their paths were opposite (p.95)

That Moawiyah's path was wrong and paved with malice and selfishness was clear to every right thinking person (p.67)